

کوتاہیاں غداریاں اور ان کے اثرات

اب نشانِ راہ : حضورِ پاکؐ کے جلال سے اس خطہ کو منوّر اور معطّر کر کے حضورِ پاکؐ جلال کے تحت جہاد کو طرزِ زندگی کے طور پر اختیار کرو۔

از حضورِ پاک کا سپاہی **امیر افضل خان** ۱۹ ذیشان کالونی، تقاب لائینز، راولپنڈی

اگست ۱۹۹۴ء

ایک ہزار

ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی

ہدیہ   مجلد - / ۱۸۰ روپے - سادہ جلد - / ۱۵۰ روپے

مصنف اور ناشر   میجر ریٹائرڈ امیر افضل خان - ۱۹ ذیشان کالونی

قاب لائنیز راولپنڈی - فون نمبر ۵۸۳۷۷۸

مصنف کا آبائی گھر   سکنہ مصطفےٰ آباد - علاقہ سون سکیسر - سب تحصیل نوشہرہ،
ضلع خوشاب

کتاب بذریعہ وی پی پی نہ بھیجی جائے گی - منی آرڈر یا چیک (آوٹ سٹیشن کا بنک کمیشن ۳۵ روپے) وصول ہونے پر رجسٹرڈ پارسل کر دی جائے گی -
نقد ادائیگی سے مصنف کے علاوہ مندرجہ ذیل جگہوں پر بھی کتاب دستیاب ہے - اور یہ صاحبان تبلیغی اعانت کے طور پر یہ کام اعزازی طور پر کر رہے ہیں -

ا - میجر عبدالکریم - ہاؤس نمبر ۲۷/۱۲ جی تھری ماڈل ٹاؤن لاہور فون ۸۵۰۵۱۸

ب - محترمہ ثریا فرمان شاہ - ٹریول کیئر - سلیم پلازہ - بلیو ایریا - اسلام آباد - فون ۲۱۱۱۴۱

ج - آئی ڈی لون اینڈ سنز (پرائیویٹ) - آدم جی روڈ - صدر بازار راولپنڈی - فون - ۵۶۴۹۸۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشہ جات

عرضداشت

رب نبی محمدؐ! تو مقلب القلوب ہے۔ ہماری حالت پر رحم فرما، کہ ہمیں عزت اور غیرت کی زندگی واپس دے، کہ حضور پاکؐ کے جمال سے ہم اس خطہ کو منور اور معطر کردیں۔ اور حضور پاکؐ کے جلال سے غیرت حاصل کرکے جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنا کر عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جان بن جائیں کہ میر عربؐ کو یہاں سے ٹھنڈی ہوائیں جائیں۔

از حضور پاکؐ کا سپاہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ — جہادِ کشمیر

از سید شبیر حسین شاہ

تمہید پاکستان کیوں بنا اور کیسے بنا۔ اور پھر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے طور پر وجود میں آنے کے بعد جلد ہی مشکلات میں پھنس گیا۔ حتیٰ کہ ۲۴ سال کے اندر دولخت ہو گیا۔ یہ سوالات ہر ہوشمند پاکستانی کے ذہن میں ابھرتے ہیں۔ مگر کسی کے پاس اس کا صحیح جواب نہیں ہوتا۔ ہر سوچنے والا اور بظاہر دانشور پاکستانی اپنی اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ بڑبڑاتا ہے، مگر پھر اپنے تجربہ کو ناکارہ سمجھنے لگتا ہے۔ تاہم اگر تامل سے غور کیا جائے اور تمام حقائق پر پوری نگاہ ڈالی جائے، تو جواب صاف نظر آجائے گا۔ میرے نزدیک پاکستان کی تخلیق ایک فردِ واحد کی یکسوئی، فراست اور کاوش کا نتیجہ تھی۔ اور تخلیق کے وقت اس مسلمان سلطنت میں اسلام کا ایک مضبوط قلعہ بننے کے تمام لوازمات موجود تھے۔ مگر ایسا اس لئے نہ ہو سکا، کیونکہ ہم نے کشمیر کو میدان جنگ میں حاصل کرنے سے گریز کیا۔ پاکستان کی تمام مصیبتیں۔ اس کی بتدریج پسپائی، آپس کی سر پھٹول اور خانہ برانداز سیاست کی اصلی وجہ یہی خون کے کھیل سے اجتناب ہے۔ پاکستان کی جنگ آئینی اس لئے تھی، کہ غالب طاقت یعنی انگریز کسی اور کھیل کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ مگر پاکستان بن جانے کے بعد بھی اس کھیل سے مستقل گریز کا اپنے حکمرانوں، دانشوروں اور جرنیلوں کی کوتاہ بینی کا نتیجہ ہے۔

بھارتی فوجی مشینری بچ گئی اگر ۴۸-۱۹۴۷ء کے جہاد کشمیر کو اس کے منطقی نتیجہ تک پہنچا دیا جاتا۔ اور کشمیر کو بزور شمشیر ہندو، سے چھین کر، پاکستان کا حصہ بنا دیا جاتا، تو پاکستانی قوم کے اندر نئی قوت از خود جنم لے لیتی۔ کتاب ہذا یہی پہلو واضح کرتی ہے۔ کہ انگریز جرنیلوں کے کئی اندرونی ہتھکنڈوں، کوتاہیوں، اور تزویراتی (Strategical) اور تدبیراتی (Tactical) غلطیوں کے باوجود ہم کئی دفعہ اور خاص کر پانچ اوقات پر پہنچتے ہوتے ہوئے بھی کشمیر میں بھارتی فوجی مشینری کو تہس نہس کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ اس سلسلہ میں

مصنف دسمبر ۱۹۴۷ء میں جھنگڑ دھرمسال کی فتح ، ۱۹۴۸ء میں نوشہرہ کے گرد اور مددگار
مجاہدین کی "ٹانگیں باندھنے" اور "گلا گھوٹنے" کی کارروائیوں، مارچ ۱۹۴۸ء میں پونچھ کی عارضی
فائربندی کے ذریعہ سے بھارتیوں کو ہتھیار پہنچانے ۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد کے سقوط پر
خاموشی اور آخری فائربندی کیلئے آتش بازی کے ڈراموں کے واقعات کو خاص کر بڑی تفصیل
سے بیان کرکے بھارتی حوالوں کے ذریعہ سے ثابت کرتا ہے ۔ کہ ہم نے بھارتی فوجی مشینری کو
کشمیر میں تباہ کرنے کے سنہری مواقع کھودیئے ۔ یہ کسی مجذوب یا دیوانے کی بڑ نہیں ۔ مصنف
سادہ زبان میں تزویرات اور تدبیرات کے عملی پہلوؤں کو اس طرح واضح کرتا ہے ، کہ ایک
غیرفوجی ذہن کو بھی فن سپہگری کی شدبد ہونے لگتی ہے ۔

دیگر مثالیں غلطیوں اور کوتاہیوں کے سلسلہ میں کئی مثالیں دے کر اکبر خان طارق
کے اس نکتہ کو صحیح ثابت کرتا ہے ۔ "کہ جموں کو ہم نے چھوڑ دیا لیکن جموں نے ہمیں کہیں کا نہ
چھوڑا" یہی کچھ میں نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے پاکستان ٹائمز میں اس کتاب پر پیشگی تبصرہ کے وقت
ایوب خان کے الفاظ میں کہا تھا ۔ اکبر خان کے مطابق قبائلی مجاہدین ہمارا فائر بھی ہیں اور
حرکت بھی ۔ لیکن ان کو غلط اوقات میں غلط جگہوں پر غلط طریقے سے استعمال کیا گیا ۔ ضلع
پونچھ کے ہمارے عظیم فوجی اثاثہ سدھن اور عباسی قبائل کو پونچھ کے ساتھ "باندھ" دیا گیا ۔
اوران کی خصوصیات کا تزویراتی فائدہ نہ اٹھایا گیا ۔ اپنی بری فوج کے بھونڈے استعمال ، ان کو
بغیر امدادی فائر کے جنگ میں جھونکنے ، اور باندھ کر بھارتی سورماؤں سے مروا کر مرعوب کرنے
کی سازش پر مصنف لہو کے آنسو بہاتا ہے ۔ کہ نہ حضور پاکؐ کے بتائے ہوئے زمان و مکان نہ
اس زمانے کی تزویراتی زمان و مکان کا صحیح استعمال کیا گیا ۔ وہ کہتا ہے کہ کلاسوٹز کے فلسفہ
جنگ کے مطابق بھارتی Exterior Lines پر کام کر رہے تھے ۔ اور ہم Interior
Lines پر تھے ۔ بھارتی لمبا سفر کرکے اپنے "سر" کو کشمیر کی وادی میں لے گئے تھے ۔ ہم ان کی
"ٹانگیں" باندھ کر ، نہ صرف ان کے سر پر "چوٹیں" مارنے کے قابل تھے ۔ بلکہ بدن کے ہر حصہ
میں "چوٹیں" بھی دے سکتے تھے ۔ اور ہندو سورما ایسی مار کھاتا کہ وہ حیدرآباد کی طرف میلی آنکھ
سے دیکھنے کی ہمت نہ کرتا ۔

المناک داستان ۔ نظروں سے اوجھل مصنف کے تمام تر تجزیے اپنے حقیقت ۔

پسندانہ ہیں ۔ کہ ہندو قوم میں اس وقت تک سپاہیانہ خواص نے جنم نہیں لیا تھا ۔ لیکن افسوس
کہ ہمارے ہر سطح اور قطع کے رہنما ، یہ سمجھنے سے عاری ہیں کہ میدان جنگ کی فتح کسی قوم کے
نفسیات میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کرتی ہے ۔ ایسی تبدیلی ہم پاکستانی مسلمانوں میں بھی پیدا
ہوتی ۔ ہم نئے ارادوں اور امکانات سے سرشار ہو کر اپنے اندر ناقابل شکست استحکام پیدا کرتے ۔
پھر نہ صوبائی عصبیت کا وجود ہوتا ، نہ لسانی جھگڑے دکھائی دیتے ۔ ہوتا یہ کہ پاکستان کے
دولخت ہونے کے بجائے بھارت ریزہ ریزہ ہوجاتا ۔ ہم نے یہ نادر موقع جو فطرت نے ہمیں ابتداء
ہی میں فراہم کیا تھا ، اپنے حکمرانوں اور نوکرشاہی کی کم فہمی ، بزدلی اور خودفریبی کی وجہ سے ضائع
کردیا ۔ اس میں کون لوگ مجرم تھے ، اور کن اشخاص نے اور کہاں کہاں غفلت اور بے عقلی
سے یادانستہ طور پر جہاد کشمیر کو ناکام کیا ۔ کیوں ایک شجاع ، خون آشنا ، اور موت سے بے خوف
قوم کی تمام قربانیاں کارگر نہ ہوسکیں ، یہ ایک المناک داستان ہے ، جو مستقل طور پر نگاہوں
سے اوجھل رکھی گئی ہے ۔

باطل کا پاش پاش ہونا لیکن باطل کب تک حق پر پردے ڈالتا ۔ بالآخر یہ کام میجر
امیر افضل کے ہاتھوں سرانجام پایا ۔ اور اس نے باطل کو پاش پاش کردیا ۔ اغلباً ان کے سوا کوئی
اور شخص یہ بوجھ نہ اٹھا سکتا تھا ۔ ہندو کے ساتھ تینوں جنگوں میں شامل رہنے کے ساتھ ساتھ
امیر افضل کو ہر لحاظ سے اس احساس کہ وہ "حضور پاکؐ کا سپاہی" ہے ، نے بے پناہ جرأت ،
حوصلہ اور دانش سے نواز دیا ہے ۔ ان کے اس غیر معمولی بلکہ عجیب و غریب امتزاج کا ذکر ان کی
تصنیف "حضور پاکؐ کا جلال و جمال" میں مرحوم و مغفور جنرل احسان الحق ڈار بہتر الفاظ میں
کرگیا ہے کہ میجر امیر افضل نے جدید جنگ کو ہاتھا پائی کی سطح سے لے کر اوپر سب سے اونچی
تزویراتی سطحوں تک دیکھا ۔ اور اس کا پرتو زیرنظر کتاب میں بھی ہر جگہ نظر آتا ہے ۔ دراصل یہ
تصنیف پاکستان میں تاریخ نویسی کے میدان میں نئے انداز اور حوصلے کی ابتداء ہے ۔ اور ہوسکتا
ہے کہ جھوٹ سے پردہ اٹھا کر قوم کے سامنے سچی باتیں کہنے والوں کا ایک جم غفیر جنم لے اور
اس طرح قوم میں زندہ رہنے کیلئے عنوان از خود پیدا ہوں ۔

کتاب کا پس منظر جہاد کشمیر ۴۸-۱۹۴۷ء کی اس تقریباً سات سو صفحات کی کتاب کی
اشاعت کے منصوبے کی ابتداء ۱۹۹۰ء کے شروع میں ہوئی ۔ اور یہ میجر جنرل ریاض اللہ مرحوم

کے ذہن کی تخلیق ہے۔ ڈائریکٹر جنرل انٹر سروسز پبلک ریلیشنز کی حیثیت سے ان کو احساس ہوا کہ اکثر و بیشتر تصانیف صرف حکمرانوں کو "پاک وصاف" ظاہر کرنے کیلئے لکھی جاتی ہیں اور اس طرح قوم کو اندھیرے میں رکھنے کی سعی ہوتی ہے۔ انہیں غالباً احساس تھا کہ "تعلقات۔ عامہ" کا بے رحم ہتھیار ہر لحظہ تاریخ بلکہ روزمرہ کے عمل اور ردعمل کو مسخ کرتا رہتا ہے۔ اس احساس کے تحت انہوں نے میجر ریٹائرڈ امیر افضل کو کشمیر کی پہلی جنگ کے بارے کتاب لکھنے پر آمادہ کیا۔ اور لکھ کر معاہدہ کیا، کہ کتاب مصنف کے نام پر شائع ہوگی، جس میں کوئی ردوبدل نہ ہوگا۔ تمام اخراجات انٹر سروسز کے ذمہ ہوں گے۔ مصنف کو تمام خرچ کے ۱۸ فیصد اعزازیہ کے طور پر دیا جائے گا، جس میں آدھا مسودہ تیار ہونے کے ایک ماہ کے اندر اور باقی آدھا چھ ماہ کے اندر غیر مشروط طور پر ادا کر دیا جائے گا۔ اس کے انگریزی ایڈیشن کا مجھ سے تیار کرانے کا فیصلہ ہوا۔ جس کا لکھ کر معاہدہ میجر امیر افضل کے مسودہ کے تیار ہونے کے بعد کرنا تھا۔ کہ یہ کتاب بین الاقوامی ضرورت کیلئے اختصار سے تیار کرنا تھی۔ اور میجر امیر افضل نے وسیع تر دو جلدوں کی کتاب تیار کرنا تھی کہ کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہ جائے۔ تو اس نے معاہدہ کی آخری تاریخ کے ختم ہونے سے دو ماہ پہلے، یکم اکتوبر ۱۹۹۱ء کو، ۱۸۰۰ سو صفحات کا پچاس ابواب کا دو جلدوں کا مسودہ تیار کر لیا۔ لیکن اس سے دو ماہ پہلے اگست ۱۹۹۱ء میں جنرل ریاض اللہ دنیا سے چل بسے اور ان کا تمام پروگرام بھی رک گیا۔ وہ شخص دور بین بھی تھا اور دلنواز بھی۔ مگر اللہ نے اسے جلدی اٹھا لیا۔

مصنف کی دل شکنی کتابوں کے مصنف لوگ ہی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک کتاب کو تیار کرنے میں کس قدر خون جگر صرف ہوتا ہے۔ اور پھر اس کا قارئین تک نہ پہنچنا کتنا بڑا عذاب ہوتا ہے۔ یہی کچھ ہے جو امیر افضل کے ساتھ اس عمر میں ہوا۔ میجر جنرل ریاض اللہ مرحوم کے جانشین میجر جنرل جہانگیر نصر اللہ۔ اور پھر جنرل اسلم بیگ کے جگہ مقرر ہونے والے چیف آف آرمی سٹاف جنرل آصف نواز کے ساتھ امیر افضل نے طویل خط و کتابت کی کہ مسودہ جہانگیر نصر اللہ کے دے دیا تھا کہ کتاب معاہدہ کے مطابق شائع کی جائے یا مل جل کر کوئی صورت نکالی جائے کہ جہاں کروڑوں روپے ادھر ادھر خرچ ہو رہے ہیں۔ چند لاکھ اس کتاب کو کسی اور سے شائع کرانے پر خرچ کر دیئے جائیں۔ یا مصنف کو اعزازیہ کی بجائے کچھ "مزدوری"

دی جائے۔ لیکن مصنف کیلئے ہر طرف سے مایوسی کے بغیر کچھ نہ تھا۔ وہ معاملات اس وقت کے صدر غلام اسحق کے پاس بھی لے گیا۔ اپنے خرچوں کا ذکر کیا کہ وہ ڈیڑھ سال صبح وشام محنت کے علاوہ کئی ہزار اپنی جیب سے بھی خرچ کر چکا تھا۔ اس نے متعدد جرنیلوں اور بڑے لوگوں کو اپنے ان خطوط کی کاپیاں بھی دیں۔ لیکن کوئی اس کی ڈھارس بندھانے کیلئے آگے نہ بڑھا۔ اب اتنی ضخیم کتاب کی دو بہت بڑی بڑی جلدیں تو معاہدہ کی ضرورت تھی کہ فوج کیلئے یہ کتاب عسکری تاریخ کا کام کرے۔ پبلشرز ویسے انکشافات کے ڈر سے آگے نہ آ رہے تھے۔ مصنف کے پاس اتنی دولت کہاں تھی کہ سات آٹھ لاکھ روپے خرچ کر کے یہ کتاب شائع کرتا۔ خوش قسمتی سے مصنف نے مسودہ کی فوٹو کاپی اپنے پاس رکھ لی تھی۔ اب آپ موجودہ کتاب کو دو جلدوں کی کتاب کا "اختصار" کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اختصار واقعات کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ اس لئے میرے لئے یہ نئی کتاب ہے۔ کہ ایک سال مزید محنت کر کے اور کئی ہزار روپے اپنی جیب سے خرچ کر کے مصنف نے کتاب کو موجودہ شکل و صورت دی ہے۔ اور اب اس کی اشاعت کا خود اہتمام کر کے وہ رقم بھی اپنی جیب سے خرچ کر کے قوم کے سامنے نئے انکشافات کے ذریعہ سے نئے امکانات کی نشاندہی کی ہے۔

تحقیق کے ذرائع میجر امیر افضل نے اتنی ضخیم اور پردہ شکن کتاب تیار کرتے وقت تحقیق کا دامن مستقل طور پر تھامے رکھا۔ انہوں نے کم و بیش دو صد کتابوں کا مطالعہ کیا۔ جن کے حوالے کتاب کے صفحہ صفحہ پر موجود ہیں۔ اور تقریباً اتنے ہی اشخاص کا انٹرویو لیا جن کا کشمیر کے جہاد کے ساتھ کسی نہ کسی شکل میں تعلق رہا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے فوج کی کئی یونٹوں کے ساتھ خط و کتابت کر کے واقعات کی چھان بین کی۔ اور زمین، جہاں جنگ لڑی گئی اس کا گہرا مطالعہ کیا۔ جنرل ریاض اللہ نے البتہ جی ایچ کیو کے تاریخی ادارے کے تمام کاغذات اور کئی اور مقامات سے متعدد کاغذات حاصل کر کے ان کو دیئے، کہ انہوں نے اس سلسلہ میں کم از کم سات آٹھ مقامات پر جہاد کشمیر پر سیمینارز کرائے جن کے روئیداد یا مصنف نے خود سنیں یا ان کو ویڈیو سنائے گئے۔ میں نے کتاب کے حصہ اول کے پچیس ابواب کا جنرل ریاض اللہ کی زندگی میں مطالعہ کر لیا تھا۔ جس کی کاپی ان خود نے مجھے دی تھی۔ کہ میں نے دوسرے مرحلہ میں اس پروجیکٹ پر کام کرنا تھا۔ ریاض اللہ کتاب کے لفظ لفظ کیلئے اس زمانے میں

مصنف کے ساتھ ساتھ معلوم ہوتا تھا کہ کتاب کیلئے اس نے اپنا ڈرافٹ پیش لفظ بھی تیار کرلیا تھا۔ جس کو پکی شکل کتاب کے باقی ابواب پڑھ کر دینا تھی۔ اس کی وفات کے بعد البتہ مصنف نے مجھے باقی ابواب بھی دکھادیئے۔

کتاب کی ترتیب مصنف جغرافیائی پہلو کو پہلے باب میں، اور متعلقہ زمینی پہلو کو ہر باب میں خوبصورتی سے بیان کرتا ہے۔ وہ تاریخی پس منظر کو ڈوگرہ راج کی ظلم کی گھڑیوں تک پہنچاتا ہے۔ اور برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری، مسلم قومیت، ہندو ذہنیت اور ان کی سازشوں اور کشمیری مسلمانوں کی آزادی کی تحریکوں کو جہاد کے بسم اللہ تک تانے بانے ملا کر ثابت کرتا ہے کہ کشمیر جغرافیائی، تاریخی، سیاسی، روحانی اور قانونی طور پر پاکستان کا حصہ ہے۔ کتاب پڑھنے سے جہاد کے سلسلہ میں ایک طرف بھاری قربانیاں دوسری طرف کوتاہیاں سب کچھ آنکھوں کے سامنے ابھر آتا ہے۔ مصنف نے نہایت جرأت سے جہاد کے اسلامی تصور سے وہ تمام پردے اتار دیئے ہیں جو مسلمان علماء اور دانشوروں نے اپنی آرام طلبی، بزدلی اور کوتاہ بینی کی بنا پر ڈال رکھے تھے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ مولوی نے جہاد اور قتال کو دو مختلف شعبوں میں بند کردیا ہے کہ مسلمان خون کے کھیل سے دور رہے۔ کچھ دانشوروں نے جہاد کو بظاہر ایک ظالمانہ فعل قرار دیا ہے۔ مصنف اپنی کتاب حضور پاکؐ کے جلال و جمال کے حوالے سے انکشافات کرتا ہے کہ جناب رسول پاکؐ کی رحلت کے بعد پہلے سو سالوں میں جو چالیس کتابیں لکھی گئیں ان کا نام "مغازی" یعنی علم جنگ تھا۔ فقہ، سیرت یا حدیث کے الفاظ اسلام میں مزید ایک سو سال کے بعد آئے۔ مصنف نے کتاب میں جہاد کے انتظامی اور دوسرے پہلوؤں پر قرآن پاک اور سنت کی مدد سے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ اور اس طرح قرآن پاک کے صراط مستقیم کی واضح نشاندہی کی ہے۔

انگریزوں کا حیلہ فرنگی مصنف متعدد کتابوں، سرکاری کاغذوں اور واقعات کی مدد سے حیلہ فرنگی کے مقاصد کی اس طرح سے وضاحت کرتا ہے کہ انگریزوں نے اپنی اس خطہ پر حکومت کے دوران ابن الوقت اور بے کردار لوگوں کی ایک "کھیپ" تیار کی، جس کو جاتے جاتے ہم پر وہ "مسلط" کر گئے۔ اور اپنی فوج انگریز جرنیلوں کے حوالے کرکے ہم نے بہت بڑی غلطی کی۔ انہوں نے جہاد کے راستے میں ہر قدم پر روڑے اٹکائے اور ۳۱ دسمبر ۱۹۴۸ء کی فائر بندی

کے ذریعہ سے لنگڑے لولے پاکستان کو لنگڑا لولا آزاد کشمیر دے کر انہوں نے ہمیں موجودہ فائر بندی / کنٹرول لائن پر ایسے بٹھایا کہ ۴۲ سال سے ایک ہزار میل لمبی لائن پر بھارت اور پاکستان کی افواج ٹھک ٹھک کر رہی ہیں۔ اور اینگلو۔امریکن بلاک اپنا کنڈم فوجی سامان ہمیں بیچ رہا ہے۔ یا برصغیر ان کی منڈی ہے۔ فروری ۱۹۴۸ء تک شمال میں ہم ہندواڑہ اور بانڈی پورہ کے نزدیک پہنچنے کے علاوہ جلدی درہ زوجیلہ کی طرف پیش قدمی کرنے والے تھے۔ مشرق میں درہ بانہال، رام بن اور وسط میں تھنہ منڈی اور پیر پنجال تک کے علاقے آزاد کرائے جاچکے تھے جس کی نشاندہی نقشہ سیازدہم پر ہے۔ لیکن ۲۰ اپریل ۱۹۴۸ء کو جنرل گریسی نے ہمارا ہمدرد بن کر جس خط کے ذریعہ سے ہمیں بے وقوف بنایا کہ ہم بھارتیوں کو نوشہرہ۔ پونچھ۔ اوڑی لائن سے آگے نہ بڑھنے دیں گے، تو ہم سے غلط فوجی اقدام کرا کے فائر بندی سے ایک ماہ پہلے تک، یہ تمام وسیع علاقے بھارت کو دلا دیئے اور چونکہ بھارت اس کے بعد اتنا کچھ "ہضم" نہ کر سکتا تھا، تو آتش بازی کا ڈرامہ کرا کے فائر بندی کرادی اور جہاد کو پکا جمود دلوا دیا۔ اور ایسی شہادتیں بھی پیش کیں کہ ساری جنگ دہلی اور پنڈی میں بیٹھے انگریز "سنڈیکیٹ" کی ایک جنگی مشق تھی۔ مصنف اینگلو امریکن بلاک کی جنوب مشرقی ایشیا کے مسلمانوں کے خلاف سازش اور ہمیں لنگڑا لولا پاکستان دینے کے پس منظر میں بھی جاتا ہے۔ اور اس کے مطابق پنڈی سازش کا مقدمہ انگریز ایجنٹوں کی "پرویکیشن" کے تحت پاکستان کے خلاف ایک سازش تھی کہ آئندہ کوئی سچی بات نہ کرے۔

دیگر تصانیف میجر امیر افضل کی پہلی تصنیف "جلال مصطفیٰ" تھی جس کو پڑھ کر الازہر کے سند یافتہ پیر کرم شاہ نے تسلیم کیا۔ کہ نہ صرف وہ انوکھی اور اچھوتی تحریر ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں ان کے کئی سابقہ تصورات درہم برہم ہوگئے۔ اس کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد اب جلال کو وسط دیتے ہوئے مصنف نے "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" پر ایک نئی کتاب شائع کردی ہے جو کچھ محققوں کے مطابق ایسی کتاب ہے جو صدیوں میں ایک بار شائع ہوتی ہے اور قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے۔ خلفاء راشدین کی حکمت عملیوں پر چار کتابیں اور کلاسوٹز کے فلسفہ جنگ پر ان کی تین کتابیں، ہر فوجی لائبریری میں موجود ہیں۔ اور ان کی کتابوں "تاشقند کے اصلی راز" اور "پنڈورا باکس" کو تو لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کہ اب

پنڈورا باکس کا نظرثانی شدہ تیسرا ایڈیشن شائع ہونے والا ہے۔

تعارف مصنف کے ساتھ میری شناسائی کوئی ۴۲ سال پرانی ہے۔ کہ جب میں پاکستان ٹائمز کے نامہ نگار کی حیثیت سے اکتوبر ۱۹۵۲ء میں لاہور سے راولپنڈی تبدیل ہوکر آیا۔ امیر افضل اس وقت ISPR کی فوٹو سیکشن کے انچارج تھے۔ انہوں نے اپنی فوجی ملازمت میں جو نہ صرف پاکستان کی تخلیق سے پہلے شروع ہوئی تھی بلکہ دوسری جنگ عظیم سے بھی پہلے شروع ہوئی، سب کچھ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اور جو کچھ مادی آنکھوں سے دیکھا، اسے اپنے زندہ اور بے چین قلب سے پرکھا۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ ایک ہی شے کو دیکھنے والے اور ایک ہی بات کو سننے والے کیوں الگ الگ اندازے لگاتے ہیں۔ کیوں اکثر لوگ دیکھنے کے باوجود کچھ نہیں دیکھ پاتے۔ اور کیوں ایسے اشخاص بھی ہیں جو دور کھڑے ہوکر سب کچھ دیکھ لیتے ہیں۔ امیر افضل نے دونوں طرح سے دیکھا۔ قریب سے بھی اور دور سے بھی۔ اور ہر حالت میں پورے طور پر نگاہ ڈالی ہے۔ یہی شے ہے، جو ان کو بے شمار دوسرے دیکھنے اور لکھنے والے سے ممیز کرتی ہے۔ ان کی کتاب جہاد کشمیر ۴۸-۱۹۴۷ء صرف تاریخ ہی نہیں۔ ایک زبردست جھنجوڑ بھی ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ قوموں کی زندگی میں سینہ سپر ہوکر خون دینے کی صلاحیت، بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس وقت جب کہ کشمیر کے مسلمان سینہ سپر ہوکر خون دے رہے ہیں، اس کتاب کا شائع ہونا، قوم کے اندر ایک نئے پیمان اور ولولے کو جنم دے سکتا ہے اور وہ سمجھ سکتی ہے کہ ہمارے حکمرانوں کا کشمیر کے مسلمانوں کی اس خون آشام تگ و دو میں صرف ان کی "اخلاقی، سفارتی اور سیاسی" مدد کا بار بار اعلان کیا بے وقت کی راگنی ہے۔ میرے نزدیک اس کتاب کا ملک کے ہر سکول، کالج، یونیورسٹی اور سب لائبریریوں میں موجود ہونا انتہائی ضروری ہے۔ بلکہ یہ کتاب ہر ہوشمند اور قوم کے رہنماؤں کی غلط بینی سے بیزار شخص کیلئے راہ عمل پیش کرتی ہے۔

سید شبیر حسین شاہ ۲۷ اپریل ۱۹۹۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، نحن علی ذلک من الشاھدین و الحمد للہ رب العالمین

پہلا باب

ابتدائیہ

عجز و انکسار کمال عجز و انکساری کے ساتھ بارگاہ رب العزت کے دربار میں سربسجود ہوتا ہوں اور اس کے حبیب پاکؐ پر لاکھوں درود سلام بھیجنے کے بعد اپنی قلم کی عصمت اور پاکیزگی کی دعا مانگتا ہوں۔ اے رب العالمین! تیری لاکھ لاکھ مہربانی کہ آپ نے عقلی اور عملی دونوں طرح سے میری یہ غلط فہمی دور کردی، کہ میری ان کتابوں کے بڑے اثرات ہوں گے۔ مجھے ایسا لگا کہ غیب سے کوئی آواز میرے کان میں گونج رہی ہے۔ "کہ اے نادان۔ اللہ تعالی کی کتاب قرآن پاک کے ہوتے ہوئے یا ہزاروں بزرگوں کی کتابوں کے اگر لوگوں پر اثرات نہیں ہوتے۔ تو، تم کون ہوتے ہو، کہ تیری کتاب کچھ اثر کرے" پھر مجھے خانہ کعبہ کی پہلی حاضری کی اپنی نادانیاں یاد آئیں، کہ علامہ اقبالؒ کی طرح معاملات کو شکووں سے شروع کیا۔ لیکن آپ نے بڑی مہربانی کی اور ساتھ یہ ندامت بھی کرادی، کہ یہ شکوے اس وجہ سے نہیں کہ میں کوئی پاکدامن آدمی ہوں۔ بلکہ میں تو تیرے حبیبؐ کی امت کا بدترین گنہ گار آدمی ہوں اور یہ کچھ صرف مجھے یا میرے اللہ تجھے معلوم ہے۔ پس تو نے پردہ رکھا ہوا ہے۔ پھر کیا ہوا اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ پس مشیت سے آپ نے میری بیوی کو ہمراہ بھیج دیا تھا۔ اس لئے اعتدال قائم رہا۔ ورنہ سب حدیں پھلانگ جاتا۔

جھولی بھر دے پھر تو نے تسکین بھی نازل کردی، کہ اللہ کے ہاں نہ دیر ہے نہ اندھیر۔ صبر کیا جائے۔ لیکن صبر نہ ہوسکا، اور عرض کی۔ "اے رب العالمین! ہم تیری بھیڑ بکریاں ضرور ہیں لیکن اب غیروں اور کافروں کی بھیڑ بکریاں بن گئے ہیں۔ دنیا کی ذلیل ترین قومیں یہود اور ہنود ہمیں خاطر میں نہیں لاتیں۔ ہم ذلیل ہوگئے ہیں۔ سنتے ہیں ہم سو کروڑ یعنی ایک ارب ہیں۔

کیا بہتر نہ ہوتا کہ ہم صرف ایک کروڑ ہوتے ؟ ۔ اور غیرتمند یا عزت والے ہوتے " ۔ تو پھر کہیں سے آپ کے رحیم ہونے کے جمال کی جھلک ملی ۔ ماحول پر سکوت چھا گیا ۔ لیکن میں بڑبڑانے سے نہ رہ سکا " کہ اے رب العالمین ! میں تو ہمیشہ یہی گنگناتا رہتا تھا کہ " کعبہ کس منہ سے جاؤ گے " لیکن اب اس ۶۵ سال کی عُمر میں مجھے جو اپنے اور اپنے حبیبؐ کے گھر بلا لیا ہے ۔ تو کیا اتنے سال تو مجھے احساس زیاں دے کر تیار کرتا رہا کہ میں اپنی نادانیوں کلھیاں آکر اظہار کروں ؟ ۔ اور کیا مجھے اپنے دربار سے ناامیدی کی حالت میں لوٹا دو گے ؟ ۔ نہیں ! نہیں ! ایسا ہرگز نہیں ! میں نے تو جھولی پھیلا دی ہے اور توفیق دے کہ یہ جھولی پھیلائے رکھوں " ۔ اور عرض یہ ہے کہ اپنے نام اور اپنے حبیبؐ کے نام کی لاج رکھ ۔ کہ غیر تو کہتے ہیں ہم تیرے ہیں ۔ تو مقلب القلوب ہے ۔ ہمیں آدمی کا بچہ بنا دے ۔ دنیا میں ہماری عزت اور غیرت بحال کر دے ۔ اور میرے لئے وہ کر جس کو تو بہتر سمجھتا ہے ۔ اور مجھ سے جو کام لینا ہے اس کو آسان کر ۔ اور باقی باتیں اگر راز میں رہیں تو بہتر ہو گا ۔ اور شاید ، تو یہ کتابیں مجھ سے اس لئے لکھوا رہا ہے ۔ کہ سبب بن جائے ۔ لیکن تو خود سبب بھی ہے اور مسبب الاسباب بھی ہے ۔ بہرحال کتاب حضور پاکؐ کے جلال و جمال میں حضور پاکؐ کے جمال سے اس خطہ کی فضاؤں کے منور اور معطر ہونے کے سلسلہ میں آپ نے لوگوں کو یاددہانی کی سعادت مجھے دی ، تو ساتھ حضور پاکؐ کے جلال سے غیرت حاصل کرنے کے سلسلہ میں مجاہدین کشمیر کو ان تانوں بانوں سے گانٹھنے کی کہانی لکھنے کی سعادت بھی مجھے دے کر میری جھولی تو آپ نے بھر دی ہے ۔ لیکن بہت بے صبر ہوں کچھ نتائج ان مادی آنکھوں سے بھی دکھلا " ۔

کتاب کا پیش لفظ اس کتاب میں کیا کچھ لکھا ہے ، اس کو مجھ سے ہزار درجہ بہتر انسان میرے آقاؐ کی اولاد سے سید شبیر حسین نے مجھ سے ہزار درجہ بہتر الفاظ میں بیان کر دیا ہے ۔ عام طور پر مصنف خود پیش لفظ کا ڈرافٹ بنا کر کسی " بڑے آدمی " کو بھیج دیتے ہیں ۔ جو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ اس پر دستخط کر دیتا ہے ۔ اس وجہ سے اس عاجز نے اپنی پہلی کتابوں کے پیش لفظ پر کسی کا انگوٹھا لگوانے کی بجائے اپنے ہی نام سے شائع کئے ۔ یہاں اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس کو پڑھ کر کئی قارئین کہہ سکتے ہیں کہ جو آدمی فوج میں ۴۱ سال کی نوکری میں

بحری کے عہدہ سے اوپر نہ جا سکا ۔ وہ کون ہوتا ہے کہ اتنے بڑے لوگوں پر انگلی اٹھائے ۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اپنے جاننے والے چند بزرگوں میں سے جنرل فضل مقیم خان ، جنرل امیر حمزہ ، جنرل سید رفاقت ، بریگیڈیر گلزار احمد ، بریگیڈیر صدیق ستی اور کرنل شیر محمد سب کو گزارش کروں کہ وہ اس عاجز کا چھوٹا سا تعارف اور پیش لفظ لکھ دیں ، جن کے مشترکہ خیالات کو اکٹھا اور باقی الفاظ کو ان کی زبان میں اختصار کے ساتھ بیان کر کے کتاب کا حصہ بنا دوں گا ۔ پھر ڈر پیدا ہوا ، کہ لوگ کہیں کہ جس طرح ساون کے اندھوا ، کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے تو ان فوجیوں کو صرف جنگ ہی جنگ نظر آتی ہے ۔ تو اس عاجز نے ملک کے عظیم دانشور ، درجن بھر سے زیادہ کتابوں کے مصنف ، ملک کے مایہ ناز صحافی سید شبیر حسین اکیلے کو یہ گزارش کی کہ وہ پیش لفظ لکھیں اور جب ان کو لکھا ہوا پیش لفظ میں نے پڑھا ۔ تو میں نے کاغذ کو بار بار چوما ۔ اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے میری تعریف کی ۔ بلکہ سینکڑوں اور وجوہات کیوجہ سے ، کہ اللہ تعالی نے ان کو مومن کی فراست دی ہے اور وہ کتاب کی روح تک پہنچ گئے ۔ اور جو کچھ میں کسی سے لکھوانا چاہتا تھا ، اس کو اوروں کے مقابلے میں انہوں نے ہزار درجہ بہتر الفاظ میں اور ایسے اختصار کے ساتھ دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے کہ مجھے یقین ہونے لگا ہے کہ اللہ تعالی یہ کتابیں اس عاجز سے کسی خاص مقصد کیلئے لکھوا رہا ہے ۔ البتہ میں کچھ باتیں وضاحت سے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کا شاہ صاحب نے سرسری ذکر کیا ہے ۔

کتاب کا معاہدہ سید شبیر حسین نے جو تحریر کیا کہ اس عاجز نے سرکاری معاہدہ کے تحت کتاب لکھی اور پھر نہ کتاب شائع کی گئی ۔ نہ مجھے میرا اعزازیہ یا " مزدوری " دی گئی ۔ یہ ایک دردناک کہانی ہے ۔ مجھ سے پہلے سرکاری طور پر جو کتابیں لکھائی گئیں اور ان میں سے خلفاء راشدین کی جو کتابیں نہ شائع ہوئی تھیں ، کہ جنرل احسان الحق ڈار فوج سے چلے گئے ۔ اور بعد میں میرے ساتھ جو کچھ ہوا ۔ اس کا مجھے بڑا تلخ تجربہ تھا ۔ اور وہ بھی ایک کتاب کا مضمون ہے کہ ہماری فوج میں کچھ لوگ نہ خود کچھ کرتے ہیں اور نہ کسی دوسرے کی تحقیق کو قوم کے سامنے آنے دیتے ہیں ۔ ان لوگوں کے حسد ، کم فہمیاں اور خود فریبیاں تمام حدیں پھلانگ جاتی ہیں ۔ ان میں سے اکثر لوگ جب کسی مقابلے وغیرہ کے امتحانوں میں عام لوگوں کی طرح فوج

میں افسر نہیں بن سکتے تو بہت ساری "ڈگریاں" حاصل کرکے چور، دروازے سے فوج میں داخل ہوجاتے ہیں۔ان کو فوج میں کسی کمانڈ کا موقع بھی نہیں ملتا۔اور فوج کی عملی زندگی سے بھی نابلد ہوتے ہیں اور میں ان کے منہ پران کو سولین وردی پوش کہتا ہوں۔ایک اور بد قسمتی یہ ہے کہ ان میں سے مذہبی خیالات کے لوگوں میں سے اکثر نے اس زمانے کے ایک اخبار نویس کو جس نے عالم کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔اپنا "امام" مان لیا ہے۔اور جو کچھ اس نے کہا ہے یا لکھا ہے اس کو اس امام کی طرح یہ حرف آخر سمجھتے ہیں۔اور اس کی تمام باتوں کو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی برابری دیتے ہیں۔ایسے ہی قماش کا ایک فرد، جہاد کشمیر کے پروجیکٹ کے سلسلہ میں میجر جنرل ریاض اللہ کے ساتھ "نتھی" تھا۔جس کا نام لیفٹیننٹ کرنل اشفاق حسین ہے، جس کو ریاض اللہ بھی سمجھ گئے تھے۔لیکن زندگی نے ان کو کرنل اشفاق کو اپنے ہاں سے ہٹانے کی مہلت نہ دی اور اس آدمی نے اس سارے پراجیکٹ کا بڑا نقصان کیا۔اور ایسے لوگوں کی شر، کا میں شکار نہ ہونا چاہتا تھا۔اسلئے میں یہ کتاب لکھنے پر تیار نہ ہو رہا تھا۔تو ریاض اللہ نے مجھے اعزازیہ ایڈوانس دینے کی پیشکش کردی۔اور اللہ تعالی کا شکر ہے کہ وہ بات میں نہ مانا، بلکہ معاہدہ میں لکھوایا کہ مصنف کو کوئی ایڈوانس نہ دیا جائے گا کہ بعد میں کوئی شک نہ کرے کہ اس زمانے میں جنرل اسلم بیگ کتاب لکھوانے کا روح رواں تھا۔اور شاید ایسا ایڈوانس ریاض۔ اللہ کو کہاں سے ملتا کہ اسلم بیگ کے بارے اب قوم پر ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ سب کچھ دولت اور طاقت کے حصول کیلئے کر رہا تھا۔بہرحال ریاض اللہ اور متعدد رفیقوں کے اصرار پر اور ھلال کے ایڈیٹر عزیزم محمد اقبال کو روضہ رسولؐ پر کچھ اشارہ ہونے کی وجہ سے یہ عاجز اس مشکل کام پر تیار ہو گیا۔جنرل ریاض اللہ نے اپنی زندگی میں جس طرح میرے معاون کے طور پر کتاب کے لفظ لفظ کے سلسلہ میں میرے ساتھ رہنے کا جو مظاہرہ کیا۔پہلے پچیس ابواب پڑھ کر جو رقت اس پر طاری ہوئی۔یا ان کا اصل مجھے واپس کردیا اور اپنے پاس فوٹو کاپیاں رکھیں۔کہ اس کو شک پڑ گیا تھا کہ کرنل اشفاق اس پروجیکٹ میں تخریب کاری کر سکتا ہے۔یہ بہت لمبے مضمون ہیں۔اور کام کے دوران جب میں بیمار ہو گیا تو میری صحت کیلئے دعائیں مانگ کر مجھ پر وہ رقت طاری کرادیتا تھا۔لیکن اس کی بیماری پر میری دعائیں نہ منظور ہوئیں۔اور اس میدان میں مجھے

اکیلا چھوڑ کر وہ اللہ کے پیارے ہو گئے۔

نہلے پہ دہلا اب، اکتوبر ۱۹۹۱ء کو کتاب کے دوسرے حصہ کو مکمل کرنے پر یہ مسودہ مجھے ریاض اللہ کے جانشین ایک میجر جنرل جہانگیر نصراللہ کو پیش کرنا پڑگیا جو کرنل اشفاق کے "نہلے" پر "دہلا" ہے۔اور ان دونوں کے ساتھ ایک کانفرنس۔اور خطوط کا تین ماہ کا سلسلہ ہمارے قومی کردار کی ایک بھیانک تصویر ہے۔اور میں حیران تھا کہ ایسے لوگ فوج میں کیسے گھس گئے۔کہ میرے پاس لکھے ہوئے ثبوت موجود ہیں کہ ان دونوں نے جھوٹ بولے۔میجر۔ جنرل جہانگیر نصراللہ نے معاہدہ کے ایک لفظ تک کو نہ پڑھا اور کتاب کے مسودے کو وہ جھانکنے پر تیار نہ ہوا اور جھوٹے لوگوں سے یا جھوٹے طور پر میرے مسودے پر جو تبصرے ان لوگوں نے اکٹھے کئے۔مجھے کچھ سمجھ نہ آرہی تھی کہ میرا واسطہ کیسے لوگوں کے ساتھ پڑگیا ہے۔کہ معاہدہ کی شرطوں کے تحت جو کچھ نہ کرنا تھا وہ سب کچھ کیا۔اور جو غیر مشروط طور پر کرنا تھا یعنی کتاب کی اشاعت اور مجھے اعزازیہ کی ادائیگی اس طرف دھیان دینے پر بھی نہ تیار ہوئے۔میں زیادہ حیران اس لئے ہوا، کہ جہانگیر نصراللہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ نیا چیف آف سٹاف جنرل آصف۔ نواز میرے بیٹوں کی طرح تھا۔اور اس کے ساتھ میرے تین پشتوں کے خاندانی تعلقات تھے۔ تو ضرور دال میں کچھ کالا ہوگا۔کہ سب کچھ کسی کی شہ پر ہو رہا تھا۔اور کرنل اشفاق کو اپنے خبث باطن پر پوری ڈھٹائی سے عمل کا موقع مل گیا تھا۔

آصف نواز کو گزارش مجھے کئی ذرائع سے خبریں مل رہی تھیں۔کہ آصف نواز نے مکمل طور پر اپنے آپ کو امریکہ کے ہاتھوں میں دے دیا تھا، اور وہ اس کو ایوب ثانی بنا کر ہم پر مسلط کرکے اس خطہ کی کچھ نئی بندر بانٹ کرنا چاہتے تھے۔اور آصف نواز فوج سے جنرل حمید گل کو نکال چکا تھا، ظاہر شاہ کو افغانستان پر مسلط کرانے کی تگ و دو میں روم میں اس سے کچھ رابطہ بھی پیدا کیا۔اور افغانستان کے مجاہدین کو آپس میں لڑانے اور ان میں پھوٹ ڈلوانے کیلئے نواز شریف حکومت سے غلط اقدام کروا رہا تھا۔اور میری باقی باتیں بھی بعد میں صحیح ثابت ہوئیں کہ اس نے ڈھاکہ جا کر اس کے اپنے، خاندان کے عظیم فرزندوں کو شہید کرنے والے علیحدگی پسند بنگالیوں کے مزاروں پر پھول چڑھائے۔خارجہ سیکرٹری شہریار کے بیٹے کی بھارت میں

منگنی اور اپنی بھارت یاترا کی دعوت کیلئے سیاچین کے عظیم شہداء کی قربانیوں پر وہ پردے ڈالتا رہا۔ اور شالامار باغ میں بھارتی جنرل کو چائے کی دعوت دے کر اس جگہ کو ناپاک کرانا چاہتا تھا جہاں پہنچنے کیلئے ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارتیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن مصنف اور آصف نواز کے بھائی ناصر نواز کی کمانڈ میں ہمارے عظیم شہداء نے ایسے نہ ہونے دیا۔ بہرحال یہ عاجز چند ذاتی خطوط سے آصف نواز کو تنبیہہ کر چکا تھا، کہ وہ غلط طرف جانے والا ہے لیکن میری کتاب کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا وہ معاملہ اس عاجز نے ۱۶ مارچ ۱۹۹۲ء کو سرکاری طور پر ایک عرضداشت کے طور پر اس کو گوش گزار کیا۔ لیکن اس اور اس کے پرائیویٹ سیکرٹری سکندر شامی جو میری یونٹ کا ہے اور وہ بھی میرے بیٹوں کی طرح ہے۔ ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ صاف ظاہر تھا، کہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۱ء کا پاکستان ٹائمز میں میری کتاب پر جو سید شبیر حسین کا پیشگی تبصرہ شائع ہو گیا تھا، کہ میں نے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے خلاف اینگلو امریکن بلاک کی سازشوں کی کھوج نکال لی ہے، تو چھپے ہاتھ آصف نواز کو ہدایت دے چکے تھے کہ وہ اس پروجیکٹ کو "ٹھپ" کر دے۔ لیکن میں خاموش ہونے والا نہ تھا۔ میں نے ۱۹ اور ۲۷ اپریل ۱۹۹۲ء کو آصف نواز کو یاددہانی کراتے ہوئے تمام چٹھیوں کی کاپیاں آصف نواز کے ماتحت کور کمانڈروں اور پرنسپل سٹاف افسروں کو بھی دے دیں اور ساتھ صاف طور پر یہ بھی لکھ دیا کہ آصف نواز کہاں جا رہا ہے۔ اور میں ان سب عزیزان جرنیلوں کے والد کی جگہ ہوں مجھے ایسا ذلیل و خوار نہ کیا جائے۔ خیال تھا کہ شاید کسی کو حیا آجائے۔ بلکہ میں نے کئی برگیڈئیر اور جنرل عہدہ کے پرانے "کامن فیملی فرینڈز" کو بھی گزارش کی کہ وہ آصف نواز کو سمجھائیں کہ وہ اسلام کے راستے میں نہ آئے ورنہ پاش پاش ہو جائے گا۔ نتیجہ کے طور پر ۲۳ جون ۱۹۹۲ء کو آصف نواز کے ایک سٹاف افسر کرنل اقبال سعید نے مجھے فون پر بتایا کہ آصف نواز ۲۵ جون کو میرے ساتھ ملاقات کرے گا، جس کو بعد میں التوا میں ڈال دیا گیا کہ یہ ڈرامہ تھا کہ میں کچھ دن خاموش رہوں۔

غلام اسحق کو گزارش یہ عاجز البتہ ۱۴ جون ۱۹۹۲ء کو تمام خط و کتابت کی کاپیاں صدر غلام اسحق کو بھیج چکا تھا۔ جہاں آصف نواز کی تمام "گیم" سے اس کو آگاہ کرنے کے علاوہ اس کو

یہ بھی بتایا، کہ آصف نواز کسی انجانے خطرہ سے ہر وقت کانپتا رہتا ہے۔ اور ہمارے ملک میں کئی میر جعفر اور میر صادق کیا کچھ نہیں کر رہے تھے اور ساری خط و کتابت پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بعد میں ۱۱ اگست کو صدر اسحق کو یاددہانی بھی کرائی۔ تو ۲۳ اگست ۱۹۹۲ء کو ایک میجر جنرل (اب لیفٹیننٹ جنرل) معین الدین حیدر نے جی ایچ کیو میں مجھے ملاقات کیلئے بلایا۔ اور طریقے کے ساتھ مجھے دو لاکھ روپے میری "مزدوری" کی پیش کش کر دی بشرطیکہ میں ایسی کتاب کی اشاعت سے دستبرداری اختیار کر لوں۔ اس عاجز نے اللہ اور رسول کا چور بننے سے انکار کر دیا، اور ۵ ستمبر ۹۲ء کو صدر اسحق کو ایک خط کے ذریعہ سے آگاہ کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ آصف نواز جس کرسی پر بیٹھا ہے اس پر وہ ہرگز بیٹھنے کا حق دار نہیں۔ اور اس خط کی کاپیاں آصف نواز کے ماتحت جنرلوں کے دینے کے علاوہ چیف آف جوائنٹ سٹاف اور بحری اور فضائی افواج کے سربراہوں کو بھی دیں۔ لیکن کہیں سے کوئی میری دلجوئی کرنے کیلئے آگے نہ بڑھا۔

شرعی عدالت میں ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو اس عاجز نے سارا معاملہ شرعی عدالت میں پیش کر دیا۔ کہ کتاب کو معاہدہ کے مطابق اشاعت نہ کرنا اسلام اور پاکستان سے غداری ہے۔ ۲۰ مارچ ۱۹۹۳ء کو شرعی عدالت کو یاددہانی کرائی اور سپریم کورٹ کے ایپالینٹ بنچ کو اس کی کاپی دی۔ اسی دوران اس عاجز نے اپنی مہم کئی میدانوں میں زور و شور سے جاری رکھی۔ کہ آصف نواز مر گیا تھا۔ اور چھپے ہاتھوں نے ہمارے ذرائع ابلاغ میں اس کو ایک عظیم جنرل کے طور پر پیش کرتے ہوئے اس کی موت کو قوم کیلئے ایک "سانحہ" قرار دیا۔ اور بعد میں اس کو اور اس کی بیگم کو "مظلوم" بنانے کی بھی کوشش کی گئی۔ اور صدر اسحق کو بھی ان کی مظلومیت پر "ترس" آگیا۔ لیکن میری مظلومیت پر ذرا بھر ترس نہ آیا۔ میں نے اس سلسلہ میں صدر اسحق کو کئی خطوط لکھے اور ۱۲ اپریل ۹۳ء کو جب غلام کذاب کے پوتے ایم ایم احمد نے اس کے ساتھ ملاقات کی تو میں نے اس کو صاف لکھا، کہ اسحق صاحب جا رہے ہیں۔ اور پاکستان پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ آصف نواز کی وفات کے بعد امریکہ والوں نے متبادل تجویز بریو Bravo پر کام شروع کر دیا ہے اور اس کے نتیجہ میں اسحق اور نواز شریف جا چکے ہیں۔ اور بے نظیر آگئی ہے۔ بہرحال اس سب کچھ کو اور پچھلے ۴۶ سالوں سے ہم جو اللہ اور رسولؐ کے ساتھ

غداری کر کے ذلت کی زندگی گزار رہے تھے، اس کو اختصار کے ساتھ ایک چھوٹی سی کتاب "پنڈورا باکس" میں اکٹھا کر کے جون ۱۹۹۳ء میں شائع کر دیا۔ جس کا اضافوں کے ساتھ نظرثانی شدہ دوسرا ایڈیشن بھی اگست ۱۹۹۳ء میں شائع ہو گیا ہے اور تیسرے کی تیاری ہے۔ یہ کتاب شرعی عدالت اور سپریم کورٹ میں بھیج دی کہ میں نے جو "الزامات" لگائے ہیں، ان کی چھان بین کی جائے اور اگر یہ کچھ صحیح ہو، تو قوم کو ان ذلتوں کے بارے آگاہ کیا جائے، کہ عدالتیں اپنی ہتک کا نوٹس تو لیتی ہیں۔ اور اللہ اور رسولؐ کے ساتھ غداری کا بھی نوٹس لیں۔ عدالتوں والے "خاموش" ہیں۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ میں جو کچھ سچ لکھ چکا ہوں یا اب لکھ رہا ہوں۔ اس پر اگر کوئی پابندی لگوانے کی کوشش کرے، یا میرے خلاف کسی چھوٹی عدالت میں کارروائی کی کوشش کرے، یا مجھے تنگ کرنے کی کوشش کرے۔ تو یہ عاجز کہہ سکتا ہے کہ یہ قومی معاملہ ہے۔ اور میں سب کچھ ملک کی بڑی عدالت کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ چلیئے سب معاملات وہاں زیر بحث لائے جائیں۔

عبرتناک آصف نواز کے مرنے پر اس عاجز نے وہی الفاظ دہرائے جو حفیظ جالندھری نے جوش ملیح آبادی کے مرنے پر کہے تھے "کہ کاش وہ کچھ اور دن زندہ رہتا اور اپنے کئے پر نادم ہوتا"۔ دینی جماعتوں اور متعدد لوگوں کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آصف نواز کے مارشل لاء سے بچا لیا جنرل عبدالوحید اور اس کے نائبین کو بہت کچھ لکھا کہ وہ آصف نواز کے "انجام" سے عبرت حاصل کریں۔ اور مجھ غریب پر رحم کریں۔ اور مجھ سے اتنا کام کرانے کے بعد مجھے جو ذلیل و خوار کیا گیا ہے اس کا ازالہ کریں۔ لیکن ان کو ابھی تک آصف نواز کی یادگاریں بنانے یا اس کی قبر پر پھول چڑھانے کی "مصروفیتوں" کی وجہ سے مجھ چھوٹے سے میجر کو خاطر میں لانے کی فرصت نہیں۔ انہوں نے اتنا تک نہیں سوچا۔ کہ آصف نواز کی قبر ایک دفعہ اس کی بدبو سے تنگ آکر اس کو باہر پھینک چکی ہے۔ کہ یہ بدبو بھی ہمارے ملک کی فضاؤں میں اس بدبو میں مل گئی ہے جو اسلام دشمن لوگ اس ملک میں اپنے خبیثہ کلمات سے پھیلا رہے ہیں۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

میرے مقاصد میرے سامنے اس معاہدے کے تحت اتنا کام کرتے وقت دولت کا حصول

ہرگز نہ تھا۔ ورنہ جب معاہدے کی دھجیاں اڑائیں گئیں تو میں وفاقی محتسب کے پاس جاتا۔ میں نہ خیرات مانگتا ہوں اور نہ عطیات کیلئے گزارش کر سکتا ہوں۔ تو میں نے ایک ضرف یہ کتاب دوبارہ لکھنا شروع کر دی تاکہ میں اس کو مارکیٹ میں فروخت کیلئے بھی پیش کر سکوں اور اس کی اشاعت آسانی سے کر سکوں، تو میرا بڑا بیٹا جو میری مالی امداد کرتا ہے۔ وہ پیسے میں نے کچھ بچانے شروع کر دیئے۔ تو کسی طرف سے اشارہ ہو گیا کہ پہلے اپنی کتاب حضور پاکؐ کا جلال و جمال شائع کرو۔ تو اللہ کی رحمت سے وہ کتاب شائع بھی ہو گئی اور میری لاگت کا تیسرا حصہ مجھے واپس بھی مل گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی اشاعت کا سبب بھی بنا دیا ہے۔ اب اس کتاب پر "مزدوری" کو چھوڑ کر جو کچھ خرچ کر چکا ہوں وہ واپس حاصل کرنے کیلئے فی کتاب مجھے -/۳۵۰ روپے میں پڑتی ہے اور مارکیٹ ریٹ کے لحاظ سے بھی اس کی اتنی قیمت بنتی ہے۔ لیکن نہ میں پیشہ ور لکھاڑی ہوں۔ نہ کاروباری تجارتی آدمی۔ اب اتنی قیمت پر کون مجھ سے یہ کتاب خریدے گا۔ اگر مفت بانٹوں تو لوگ ہاتھوں ہاتھ ایک گھنٹے میں سب کتابیں لے جائیں گے۔ اور آگے جا کر بیچ دیں گے۔ اس لئے فی الحال ٹوکن کے طور پر اس کتاب کی کچھ قیمت مقرر کروں گا۔ لیکن بکری نہ ہوئی تو قیمت گھٹا دوں گا۔ بہت بڑی ضخیم کتاب حضور پاکؐ کے جلال و جمال کی مارکیٹ کے ریٹ کے مقابلہ میں ایک تہائی قیمت رکھی۔ اس کو بھی اب گھٹانے کا سوچ رہا ہوں کہ میرے سامنے مقاصد یہ ہیں کہ ہم کافرانہ سیاسی، عسکری، عادلانہ، معاشی اور دفتری نظاموں کو بحیرہ عرب میں ڈبو دیں۔ اور نظام مصطفیٰؐ کا اجرا کریں۔ جس کے الف، ب سے بھی ہمارا مولوی یا دینی جماعتیں آگاہ نہیں۔

ہماری دینی جماعتیں جیسا کہ شبیر حسین شاہ صاحب نے پیش لفظ میں اشارہ کیا۔ میں نے کتاب میں واضح طور پر بیان کیا ہے کہ نہ آزادی کی تحریک کے وقت اور نہ آزادی کے بعد ہماری دینی جماعتیں یا ہمارے مولوی قوم کی رہنمائی کر سکے اور نہ اب اس سلسلہ میں کچھ کر رہے ہیں۔ قرآن پاک فوجی زبان میں ہے اور بے شک حضور پاکؐ کی سنت یا زندگی[1] پر پہلے سو سالوں میں جو چالیس کتابیں لکھی گئیں ان کا نام ہی مغازی یعنی فلسفہ جنگ تھا۔ اسلام سپاہیوں کا دین ہے۔ اور اس خطہ میں سولین صاحبان میں ڈاکٹر حمید اللہ، علامہ عنایت اللہ-

مشرقی، ڈاکٹر محمد اقبال ۔ اور سید شبیر حسین ۔ چند آدمی میرے سامنے آئے جو اسلام کے اس اہم عسکری پہلو کو سمجھتے تھے یا سمجھتے ہیں ۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ سب فوجی اسلام کو سمجھ جائیں ۔ ان میں میجر جنرل جہانگیر نصراللہ جیسے آدمی بھی ہیں ۔ جس نے ISPR میں قدم رکھا تو حضور پاکؐ کی فوجی زندگی پر جو سیرت نمبر نکلتا تھا اس کا اجرا بھی بند ہو گیا ۔ اور جنرل آصف نواز یا جنرل عبدالوحید یا کسی اور جنرل نے اس کا نوٹس بھی نہ لیا ۔ اب سنا ہے کہ ٹوٹل پورا کرنے کیلئے نعتوں کا ایک نمبر نکل رہا ہے ۔ یہ بھی اللہ کا شکر ہے ۔ لیکن اصل ضرورت جلال کی ہے ۔

بہر حال اس عاجز نے تنگ آکر سب دینی جماعتوں کے خلاف شرعی عدالت میں ایک مقدمہ بھی دائر کر دیا ہے، کہ اسلام کسی سیاسی یا فرقہ دارانہ گروہ بندی کی اجازت نہیں دیتا ۔ ہم اللہ کی فوج ہیں ۔ اور یہ دینی جماعتیں اسلام کے ساتھ فراڈ کر رہی ہیں ۔ اس سلسلہ میں یہ عاجز قرآن پاک اور سنت کے حوالے سے سو صفحے کا ایک مسودہ شرعی عدالت کو بھیج چکا ہے اور دینی جماعتوں کو کاپی دی ہے کہ وہ اس الزام کی تردید کریں اور میں غلط ہوں تو مجھ پر ہتک کا مقدمہ کریں ۔ لیکن نہ عدالت میں پانچ ججوں کا کورم پورا ہو رہا ہے ۔ نہ دینی جماعتوں نے مجھے کوئی جواب دیا ہے ۔

جماعت اسلامی ۔ اور مولانا مودودی جہاد کشمیر ۴۸ ۔ ۱۹۴۷ء کے سلسلہ میں مولانا مودودی کا فتویٰ یا بیانات، اب تک ہماری قوم میں زیر بحث ہیں ۔ اس لئے یہ پہلو تفصیلی وضاحت چاہتا ہے ۔ ویسے اس کا آسان جواب تو پیر پگاڑا نے ایک فقرہ میں دے دیا کہ جماعت اسلامی ایسے تضادات کا شکار ہے کہ کشمیر کا جہاد حرام تھا اور افغانستان کا جہاد حلال ہے ۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ جماعت اسلامی کا اپنی مرضی کا اسلام ہے ۔ کہ آزادی سے پہلے اور پاکستان بننے کے کئی سال بعد تک مودودی صاحب ٹھیک طور سے جمہوریت کو غیر اسلامی فلسفہ کہتے رہے ۔ لیکن ۱۹۶۴ء میں عورت کی سربراہی کو بھی نظریہ ضرورت کے تحت صحیح قرار دیتے ہوئے، جماعت اسلامی خود بھی کافرانہ جمہوری نظام میں کود گئی ۔ اس طرح اگر یہ عاجز جماعت اسلامی کے اپنی مرضی کے اسلام، تفہیم القرآن میں مولانا مودودی کے معتزلہ کی طرز پر تضاد سے بھرپور تجزیوں اور تاریخی غلطیوں اور سب باتوں کو یہاں بیان کرنا شروع کر دے گا تو ایک اور کتاب

لکھنا پڑ جائے گی ۔ لیکن جماعت اسلامی اور مودودی صاحب کا بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ اپنے ہر بیان کو حرف آخر کہتے ہیں ۔ اور کوئی بات غلط ثابت ہو جائے تو تب بھی یہ لوگ حضرت آدمؑ کی طرح "ربنا ظلمنا انفسنا" پڑھ کر ندامت کرنے کی بجائے شیطان کی طرح تاویل دینے سے بھی گریز نہیں کرتے کہ "انا خیر منہ" اس کے اثرات کا ذکر آگے آتا ہے ۔

جہاد کشمیر پر مودودی صاحب کا بیان میرے لحاظ سے کشمیر کے جہاد کے سلسلہ میں مولانا مودودی کا پہلا بیان [۲] اتنا خراب نہ تھا کہ مولانا نے کہا "کہ حکومت پاکستان کسی مصلحت کے طریق کار سے باشندگان کشمیر کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرائیں یا کھلم کھلا اپنی فوجیں کشمیر میں اس طرح اتار دیں، جس طرح بھارت نے جوناگڑھ میں اتار دی تھیں ۔ ان راہوں کے درمیان کوئی تیسری راہ دیانت اور سچائی کی نہیں" اس بیان کو کسی عالم دین کا بیان تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس سلسلہ میں مودودی صاحب کو یہ کہنا چاہیے تھا ۔ کہ کافرانہ آئینی نظام ختم ہو گیا ہے اور ہمیں جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنا کر اپنے جہاد کو اپنی مرضی کے وقت پر کشمیر تک پھیلا دینا چاہیے کہ بے شک ہمارے آقاؐ نے فرمایا الحرب الخدعۃ ۔ لیکن اصل بات یہ تھی کہ قائد کی وفات کے بعد لیاقت کی حکومت نے مودودی صاحب کی مراعات یعنی ریڈیو پر سے تقریریں اور الاؤنسز ختم کر دیئے تھے تو وہ اپنا "ساڑ پھک" رہے تھے اور اسلام کو ہر وقت وہ اپنی مرضی کے مطابق "تراش" لیتے ہیں ۔ تو ملک میں شور اٹھ گیا ۔

عذر گناہ بدتر از گناہ مولانا مودودی نے جواباً جو وضاحتی [۳] بیان دیا ۔ اس میں انہوں نے کشمیر کے مسلمانوں کے ہتھیار اٹھانے کو بھی جہاد کہا ۔ اور قبائلی مجاہدین کو مشروط طور پر کشمیر کے جہاد میں شرکت کی اجازت دی ۔ کہ ان کی نیت صحیح ہو اور وہ اسلام کی پابندی کر رہے ہوں ۔ اور پاکستان کے ہم باقی مسلمانوں کی جہاد میں شرکت کو ناجائز قرار دیا سوائے مالی امداد کے کہ جماعت اسلامی صرف مالی امداد دے رہی تھی [۴] ۔ مولانا مودودی کا یہ بیان ان کو ننگا کر دیتا ہے ۔ کہ یا تو وہ اسلام سے نابلد ہیں یا کسی سازش کی کڑی ہیں، کہ وہ مرزا غلام کذاب قادیانی ۔ اور سرسید کی طرح جن کا ذکر آگے آتا ہے ۔ اسلام کی شکل و صورت کو تبدیل کر دینا چاہتے تھے اور یہ سازش جاری ہے ۔ اس بیان پر پورے تبصرہ کیلئے ایک الگ مضمون کی

ضرورت ہے ۔ مسلمانوں کو تین الگ گروہوں میں بانٹ کر مولانا مودودی سورۃ انعام کی آیت نمبر ۱۵۹ اور سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۱۲۲ اور متعدد اور آیات کو جھٹلا دیتے ہیں ۔ اور ہم پاکستان کے مسلمانوں کے اس جہاد میں شرکت کو ناجائز قرار دے کر وہ سورۃ نساء کی آیت نمبر ۷۵ کو جھٹلا رہے ہیں ۔ جہاں ناتوانوں کی مدد میں لڑنے کا سخت حکم ہے ۔ قبائلی مجاہدین کے دلوں اور نیت کو ان کے عمل سے نہ پرکھ کر مودودی صاحب حضور پاکؐ کے اس فرمان کو جھٹلا دیتے ہیں کہ تم کون ہوتے ہو جو کسی کے دل کی بات کا فیصلہ کرو ۔ مزید مودودی صاحب نے یا تو جان بوجھ کر ایسا کیا یا وہ تاریخ سے نابلد ہیں کہ جنگِ احد میں بنو عبدالاشل (۵) کے جناب اسیرمؓ نے شہادت سے پہلے کلمہ پڑھنے کے علاوہ اسلامی حدود کے تحت کوئی عمل نہ کیا تھا ۔ علاوہ ازیں مودودی صاحب صلح حدیبیہ کے بعد جناب عتبہؓ بن اسید اور نو مسلم مسلمانوں نے کفار کے ساتھ جو جنگ جاری رکھی اس سے بھی نابلد (۶) معلوم ہوتے ہیں کہ ایسا اوٹ پٹانگ فتویٰ دیا یا وضاحت کی ۔ اور خیر ہم کشمیر کے جنگ کے شرکاء پر تو اس فتویٰ کا کوئی اثر نہ پڑا کہ دو تین دن بعد بھی جن شہداء کی لاش اٹھائی جاتی تھی ۔ اس سے بھی ایسی خوشبو اور مہک آتی تھی کہ اس کے اثرات ہم کئی دن بعد بھی محسوس کرتے تھے ۔ اور یہی کچھ ستمبر ۶۵ میں ہم نے دیکھا حالانکہ ہم یہ جنگ باطل دفاعی نظام کے تحت لڑ رہے تھے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صحیح نیتوں کے صحیح عمل کا اجر ضرور دیا

مودودی صاحب کی کتاب ۔ جہاد فی الاسلام مودودی صاحب کی کتاب جہاد فی الاسلام میں مصلحانہ دفاع ۔ اور مدافعانہ دفاع ۔ یا اسلام کے پھیلاؤ میں تلوار کے اثر کو نفی کرنے کی باتوں کو پڑھ کر پہلے تو صرف ہنسی آتی تھی کہ علامہ اقبالؒ بھی ایسی فضول تحقیقوں اور بیانات پر چیخ اٹھتا تھا کہ باطل کے فالو فرسے یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر ۔ لیکن اب اور تانے بانے ملانے سے مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ یہ کتاب بھی غیروں کو اس سازش کی کڑی ہے کہ مسلمانوں کے دل سے روح محمدیؐ نکال دو اور جاندار جہاد کے نظریہ کو پاش پاش کر دو ۔ جماعت اسلامی نے تنخواہ دار لوگوں کی مدد سے " نہ نظر آنے والا " ایک " مودودیہ " گروہ تیار کر لیا ہے ۔ جو حکومت کے تعلیمی اداروں میں بھی گھس گیا ہے اور ان کی ذمہ داری یہ ہوتی

ہے کہ صرف مودودی برانڈ ، کے اسلام کا پرچار ہو ۔ جہاں کوئی ایسے اسلام کی نفی کرے ۔ تو یہ لوگ اسکی تحقیق کی اشاعت یا پرچار میں روڑے اٹکاتے ہیں ۔ ایسے ہی گروہ نے کرنل اشفاق حسین کو میجر جنرل ریاض اللہ کے ساتھ " نتھی " کروا دیا ۔ کہ وہ آدمی جہاد کشمیر کی کتاب لکھے گا ۔ اور میں نے جنرل ریاض اللہ کو پوری بات تو نہ بتائی ۔ لیکن اتنا ضرور کہا کہ وہ ، یہ کتاب لکھنے کا " امیدوار " ہے اور بہتر ہے آپ یہ کام اس کے حوالے کر دیں ۔ تو ریاض اللہ کا جواب تھا کہ ایسے لفاظی والے لوگ شاید جو کچھ تم لکھو گے اس کو پوری طرح سمجھ بھی نہ سکیں کہ وہ ایک مستند ، متوازن اور بامقصد تاریخ لکھانا چاہتا تھا ۔ اور معاہدہ کی یہی بڑی شرط تھی جس کو اس عاجز نے اللہ کے فضل سے قائم رکھا ۔

متفرق باقی دینی جماعتیں اسلام کی کیا خدمت کر سکتی ہیں ۔ کانگرس کی ذیلی جماعت جمعیت العلماء ہند ۔ پاکستان میں آکر جمعیت العلماء اسلام بن گئی ۔ پہلے تھانوی اور ہزاروی گروہوں میں بٹی ۔ اور بعد میں فضل الرحمن اور سمیع الحق گروہوں میں ۔ جمعیت العلماء پاکستان نیازی اور نورانی گروپوں میں بٹ چکی ہیں ۔ جو لوگ خود اکٹھے نہیں رہ سکتے وہ قوم میں کیا وحدت پیدا کریں گے ۔ یہ عاجز ان سب کو سب کچھ لکھ چکا ہے اور ایسی باتوں کو اپنی کتاب پنڈورا باکس کا حصہ بھی بنا چکا ہے (۷) ۔ کہ یہ لوگ قرآن پاک کی نافرمانی کر رہے ہیں ۔ مومن کی فراست سے عاری ہیں ۔ اسلامی فلسفہ حیات ان کی آنکھوں سے اوجھل ہے ۔ حق کو حق اور باطل کو باطل نہیں کہتے ۔ ایک طرف بے نظیر کی بے دین (Secular) پارٹی اور دوسری طرف نواز شریف کی اسلام کو شوشے کے طور پر استعمال کرنے والی پارٹی کے پیچھے لگ بنے پھرتے ہیں اور ان کے اس رویہ کی وجہ سے اسلام کے ساتھ وابستگی ایک " معیوب " عمل بن گیا ہے ۔ علاوہ ازیں اس عاجز نے اگست ۹۳ء میں پیش بینی کر دی تھی کہ آنے والے انتخابات کے کافرانہ جمہوری نظام میں یہ " اسلام پسندے " بری طرح مار کھائیں گے اور مار کھائی لیکن ندامت کرنے کو تیار نہیں ۔

تلوار اور اسلام علامہ اقبالؒ نے جو " شیخ " پر پھبتی کسی کہ تلوار اب کارگر نہیں ۔ تو کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مرزا غلام کذاب کی طرف اشارہ تھا ۔ میرے لحاظ سے سرسید نے اس

سلسلہ میں زیادہ نقصان کیا اور یہ پہلو کتاب میں خوب تر واضح کیا گیا ہے۔ بلکہ اس سازش کے اثرات مولانا شبلی پر بھی تھے کہ انہوں نے جہاد کو بظاہر ظالمانہ عمل کہا۔ سید سلمان ندوی نے سات کتابوں میں نظریہ جہاد کو کل چار صفحے دیئے۔ اور جہاد کی باتوں کو اور عنوانوں کا حصہ بنا دیا۔ تبلیغی جماعت کا صرف مکی زندگی پر زور دینا بھی اسی کے تحت آتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ ایک مستشرقین میں سے پروفیسر آرنلڈ کا شروع کیا ہوا تماشہ ہے جس کے اثرات ہمارے سب سیاستدانوں اور دانشوروں پر بھی ہیں اور خاص کر اخبار نوائے وقت اسی سازش کی "پیداوار" ہے۔ اس سب سازش کو میری کتاب حضور پاکؐ کے جلال و جمال کے اکثر صفحات اور خاص کر صفحہ ۸۰ اور ۸۱ پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور پروفیسر آرنلڈ نے سرسید کی تحقیقوں پر جو خوشیاں منائیں اس کا ذکر ضمیمہ "ج" میں ہے۔

مستند معاہدہ کی شرط کے مطابق یہ فیصلہ ہوا تھا، کہ یہ عاجز سب کچھ کسی حوالے کی مدد سے لکھے گا۔ البتہ جائزوں اور تبصروں کی آزادی تھی۔ تو شبیر حسین نے جو دو سو سے اوپر کتابوں کے حوالے کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے تقریباً سات سو حوالوں میں تو ساتھ کتابوں کے صفحات نمبر بھی حاشیہ میں دیئے گئے ہیں۔ اور جن کتابوں کے اثرات کا یہ تحقیقی نتیجہ ہے ان کی تعداد، دو سو سے بھی بہت زیادہ ہے۔ البتہ چند کتابوں کا ذکر ضروری ہے۔ جن کے بیانات کو مربوط کرتے وقت ساتھ بعض جگہوں پر کتابوں کے مواد پر تبصرے سے قارئین پر واضح ہو جائے گا کہ کوئی کتاب کتنے "پانی" میں ہے۔ اور کشمیر کے واقعات میں کتنے زیادہ مصنفین کی کسی اہم بات کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اور ایسا اختصار سے کرنا ایک مشکل ترین عمل تھا۔ ان کتابوں میں جنرل اکبر خان طارق کی کتاب "کشمیر کے حملہ آور" کرنل مرزا حسن خان کی کتاب "شمشیر سے زنجیر تک" جنرل فضل مقیم کی کتاب "تگ و تاز جاودانہ" اور جنرل اکبر خان رنگروٹ کی غیر مطبوعہ کتاب۔ بڑے اونچے پایہ کی سچائی سے بھرپور تحقیقی کتابیں ہیں۔ سہروردی کی کتاب "ٹریجیڈی آف کشمیر" کی کچھ غلطیوں کو نظر انداز کیا جائے۔ تو وہ بھی ایک اچھی کوشش ہے۔ یوسف صراف کی دو جلدوں کے ضخیم کتاب "کشمیریز فائیٹ فار فریڈم" میں بے حساب مواد موجود ہے۔ لیکن بے مقصد کی جمگھٹ ہے۔ لیکن اس عاجز نے اپنی سرکاری تاریخ (دی کشمیر

کیمپین) جو غلطیوں اور تضاد سے پر ہے اس سے بھی بہت فائدہ اٹھایا اور بھارتی تاریخ (اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر) جو تاریخ کی بجائے وار ڈائریوں کا اختصار ہے۔ اور ساتھ جھوٹوں کا پلندہ ہے۔ اس میں سے ایسی حقیقت تلاش کر لی ہے کہ قارئین پڑھنے پر ضرور خوش ہوں گے۔ جہاں تک لوگوں کے انٹرویوز کا تعلق ہے ان کا قارئین کو خود معلوم ہو جائے گا کہ جو سیمینارز ہوئے۔ وہاں سینکڑوں آدمیوں نے باتیں کیں۔ اور اس عاجز نے اپنی یہ شرط سختی سے قائم رکھی کہ سب کچھ حوالوں یا ذاتی مشاہدہ کے تحت لکھا۔

متوازن بیانات جہاں تک معاہدہ میں متوازن بیانات کی شرط تھی۔ اس سلسلہ میں جنرل ریاض اللہ کی مشاورت سے کتاب کا خاکہ تیار کیا گیا تھا۔ کہ ہر آدمی، گروہ، یا ادارہ کو اس کی کارکردگی کے مطابق "نمائندگی" ملے۔ اور پہلے پچیس ابواب پڑھ کر ریاض اللہ حیران تھا کہ سب معاملات کو کتنی برابری دی گئی۔ باقی پچیس ابواب میں بھی اس اصول پر کاربند رہنے کی بڑی کوشش کی گئی۔ اب اس اختصار یا نئی کتاب میں اس اصول پر کاربند رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ کہ ترجیحات کے تحت کئی باتوں کو نظر انداز کرنا پڑا۔ کہ میرے پاس سب کچھ کو شامل کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ اس طرح اس عاجز نے عام طور پر ہر آدمی کے نام کے ساتھ اس کا وہ عہدہ لکھا جو اس وقت اس کا تھا۔ اور ایک آدھ جگہ بریکٹ میں یا کسی تبصرہ میں اس آدمی کے نام کے ساتھ اس کا بعد کا یا آخری عہدہ بھی لکھ دیا کہ معلوم ہو جائے کون کہاں تک پہنچا لیکن سب صاحبان کیلئے ایسا کرنا ناممکن تھا۔

با مقصد تاریخ یہ عاجز تاریخ برائے تاریخ لکھنے کے سخت خلاف ہے۔ میں نے آج تک جتنی کتابیں لکھیں اس میں یہی پہلو ترجیحی طور پر میرے سامنے تھے۔ حالانکہ ہمارے ملک میں اس پہلو کو بری طرح نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اور اس عاجز نے اس سلسلہ میں اپنی کتاب پنڈورا۔ باکس [۸] اور حضور پاکؐ کے جلال و جمال [۹] میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اسلام ہمارے تاریخ کے ایک بڑے پروفیسر احمد حسن دانی کی طرح ٹیکسلا کی باطل تہذیبوں یا مارگلہ کے ہر پتھر کو "پوتر" نہیں کہتا۔ اسلام تو لال قلعہ جیسی عمارتوں کی تعمیر کے بھی خلاف ہے، کہ وہاں اب ترنگا ہندو کانگرس کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ اسلام نظریاتی قلعے تعمیر کرتا ہے جو قائم و دائم رہتے ہیں۔

حضور پاکؐ نے ثمود کے علاقوں سے گزرتے وقت، وہاں رکنے کی بھی اجازت نہ دی تھی۔ قرآن پاک کے مطابق اعمال کا بامقصد مطالعہ کر کے اس میں اپنے لئے نشان راہ تلاش کیا جاتا ہے۔ اور قرآن پاک ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ تاریخ کی کتابیں کیسے لکھیں۔ اور اس عاجز نے ہر کتاب اس بڑے مقصد کے تحت لکھی، کہ غیروں کے کافرانہ نظام سے توبہ کر کے ہم نظام مصطفےٰ یعنی جہاد کو طرز زندگی بنائیں۔ میری کتاب کے مسودہ میں سید شبیر حسین نے میرے مقاصد یعنی کیا ہوا، کیوں ایسا ہوا اور علاج کیا ہے کہ تلاش کر لینے سے مجھے سکوں مہیا کیا کہ میری تحقیق بامقصد ہے۔

شخصیات کتاب میں قارئین کو بہت کچھ ملے گا، کہ ہمارے بیچ اکبر خان طارق جیسے فوجی فراست والے لوگ موجود تھے جو محمود غزنوی، علاوالدین خلجی اور شیر شاہ کے پایہ کی شخصیت تھا بر گیڈیئر صدیق ستی، بر گیڈیئر نوشیروان اور کرنل شیر محمد بھی کچھ کم نہ تھے۔ کرنل حفیظ آفریدی اور کرنل حسن مرزا جیسے من چلے تھے۔ صوبیدار کالا خان جیسے غازی اور شہید تھا۔ بھمبر کے گمنام شہید بابا۔ اور گجرات سے تعلق رکھنے والے حنیف علی شاہ شہید جیسی روحانی شخصیتوں کے علاوہ صوبیدار۔ میجر غلام قاسم جیسے لوگ تھے۔ کہ پلٹن کے حملہ کے سارے وقت سجدے میں رہے کیپٹن سرور شہید اور کیپٹن ظفر اقبال شہید کے علاوہ کئی گم نام شہیدوں کی جزا صرف اللہ کے پاس ہے اور قارئین بہت کچھ پڑھیں گے۔

دعوت یہ کتاب آپ کو کھلی دعوت دے رہی ہے کہ ہم کیا کچھ تھے اور کیا کچھ کر سکتے تھے اور یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جہاد کو جمود دے کر ہم نے جو اگلے ۴۵ سال ذلت والی زندگی سے گزارے کتاب کے آخری ابواب میں اس کی بھی جھلکیاں ہیں۔ اور نشان راہ بھی بیان کر دیا ہے

؎ نہ فقر کیلئے موزوں نہ سلطنت کیلئے۔ وہ قوم جس نے گنوایا متاع تیموری

حوالہ جات

(۱)۔ حضور پاکؐ کا جلال و جمال صفحہ ۱۳ تا ۱۷۔ (۲)۔ روزنامہ تسنیم لاہور ۱۲ اگست ۱۹۴۸۔ (۳)۔ روزنامہ قاصد ۱۸ ستمبر ۱۹۵۰ء۔ اور مسئلہ کشمیر از مولانا مودودی صفحہ ۳ تا ۷۶۔ (۴)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۲۰۶ (۵)۔ حضور پاکؐ کا جلال و جمال صفحہ ۳۰۳۔ (۶)۔ ایضاً صفحہ ۳۶۶۔ (۷)۔ پنڈورا باکس صفحہ ۱۱۲۔ (۸)۔ ایضاً صفحہ ۱۰۹۔ (۹)۔ حضور پاکؐ کا جلال و جمال صفحہ ۲۲ اور ۲۳

دوسرا باب

جموں و کشمیر کا جغرافیائی پہلو

تمہید اسلام کے لحاظ سے قومیت ایک نظریاتی پہلو ہے، اور جغرافیہ کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن واقعات کے تانے بانے ملانے اور برصغیر ہند و پاکستان کے ساتھ تاریخی یا زمینی رابطوں کو بہتر طور پر سمجھنے کیلئے کتاب میں پوری ریاست کے لئے ایک نقشہ اول کے علاوہ، اکثر ابواب کو بھی کسی متعلقہ نقشے کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ البتہ کشمیر کا جغرافیہ **ایک مشکل یا اپنی قسم کا آپ** ایک مضمون ہے، جس کی وضاحت کیلئے ایک پوری کتاب چاہیئے۔ لیکن ہم اپنے بامقصد مطالعہ کے تحت صرف چند پہلوؤں کو بیان کریں گے، کہ جغرافیائی لحاظ سے پاکستان اور جموں و کشمیر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کہ کشمیر کے اکثر دریا، اور ندی نالے آکر پاکستان میں بہتے ہیں۔ اور ۱۹۴۷ء تک کشمیر کے تمام ذرائع آمدورفت کا انحصار پاکستانی علاقوں پر تھا۔ یہی چیز معاشرت اور زبان وغیرہ کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔

صوبے اضلاع اور شہر وغیرہ اس وقت ریاست کشمیر کے دو حصے ہیں، آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر۔ علاوہ ازیں شمالی علاقہ جات، پاکستان کے کنٹرول میں ہیں۔ آزادی کے وقت ریاست کے دو بڑے صوبے جموں اور کشمیر تھے۔ اور دو چھوٹے صوبے لداخ اور گلگت تھے۔ علاوہ ازیں، ہنزہ اور نگر کی دو چھوٹی اسلامی ریاستیں تھیں۔

صوبہ جموں اس کا صدر مقام جموں تھا، جو مہاراجہ کا موسم سرما کا دارالحکومت بھی تھا۔ کٹھوعہ، اودھم پور، جموں، ریاسی، میرپور اور پونچھ جاگیر اس کے اضلاع تھے۔ کل رقبہ ۱۲۳۷۸، مربع میل تھا، جس میں سے اب ۲۴۹۸ مربع میل آزاد کشمیر میں شامل ہے۔

صوبہ کشمیر اس کا صدر مقام سری نگر تھا جو مہاراجہ کا موسم گرما کا دارالحکومت بھی تھا۔ بارہ مولا، اسلام آباد، اور مظفر آباد اس کے اضلاع تھے۔ کل رقبہ ۸۵۳۹ مربع میل تھا، جس میں

سے اب ۱۶۴۶ مربع میل آزاد کشمیر میں شامل ہے۔

شمالی علاقہ جات چھوٹا صوبہ گلگت، اس کی تینوں ایجنسیاں یعنی گلگت، استور اور چلاس۔یا چھوٹے صوبہ جات، پنیال، گوپس، یاسین، اشکومن، داریل و دیامیر وغیرہ۔یا چھوٹے صوبہ لداخ کی تحصیل سکردو وغیرہ۔اور ہنزہ و نگر کی ریاستوں کو ملا کر اب شمالی علاقہ جات کہا جاتا ہے۔ان کے قریباً ۲۹۸۱۴ مربع میل کے علاقے اب پاکستان کے کنٹرول میں ہیں اور باقی ۳۶۵۴۰ مربع میل علاقہ بھارت کے کنٹرول میں ہے۔

رقبہ اور آبادی ۱۹۴۱ء کی رائے شماری کے مطابق ریاست کا کل رقبہ ۸۲۲۵۸ مربع میل تھا۔۱۹۶۱ء میں بھارت نے شرارت کر کے اس رقبہ کو ۸۶۰۲۴ مربع میل بنا دیا ہے۔کہ وہ اپنے اس جھوٹ کو سچ ثابت کرائے کہ پاکستان نے کشمیر کا کچھ علاقہ چین کے حوالے کر دیا ہے۔

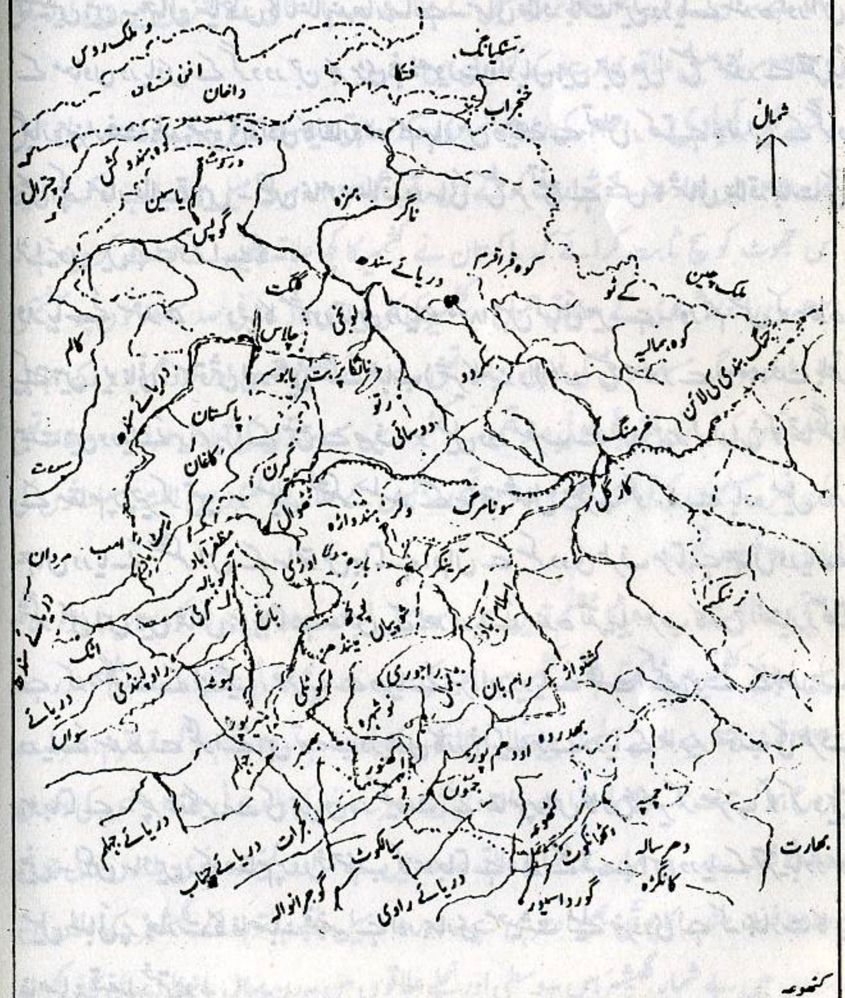
۱۹۴۱ء کی رائے شماری کے مطابق جموں و کشمیر کی کل آبادی کا ۷۷.۱ فی صد مسلمانوں پر مشتمل تھا، اور ہر جگہ مسلمانوں کی نفری زیادہ تھی۔سوائے ضلع جموں اور اودھم پور کے جہاں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۴۰ فی صد تھی۔یا کٹھوعہ میں مسلمانوں کی آبادی صرف ۴۵،۰۰۰ تھی لیکن غیر مسلموں کی آبادی بھی ۱۳۲۴۰۰ تھی۔جموں کے علاقے اکھنور میں البتہ مسلمانوں کی آبادی ۶۰ فیصد تھی۔

زمینی حالات دنیا کا عظیم ترین پندرہ سو میل لمبا اور ۱۵۰ میل چوڑا کوہ ہمالیہ پہاڑ، ۳۵۰ میل لمبائی کشمیر میں رکھتا ہے۔کشمیر میں اس کی سب سے اونچی چوٹی نانگا پربت، سطح سمندر سے ۲۶۶۰۰ فٹ بلند ہے اور یہ سلسلہ پیر پنجال پہاڑ تک پھیلا ہوا ہے۔دوسرا پہاڑ کوہ قراقرم، ہنزہ سے شروع ہو کر تبت تک پھیلا ہوا ہے۔اور دنیا کی دوسرے نمبر کی بلند چوٹی K-2 جس کی بلندی ۲۸۲۵۰ فٹ ہے۔وہ ہمارے شمالی علاقہ جات میں ہے۔اور کئی رومانوی ناموں والی چوٹی ۲۵۵۰۰ فٹ بلند راکاپوشی بھی ادھر ہی ہے۔اور ۳۵ میل لمبے بالتورو کے گلیشیئر کے علاوہ ان پہاڑوں میں بے شمار گلیشیئر ہیں۔وسطی اور نچلے علاقوں میں۔رن پہاڑ، بانہال پہاڑ، کافر کھن، حاجی پیر اور پیر صحابہ وغیرہ درمیانے درجے کے بے شمار پہاڑی سلسلے ہیں۔اور آگے واقعات کے ساتھ کئی پہاڑی سلسلوں کے نام جگہ بجگہ آتے رہیں گے۔

وادیاں وغیرہ کشمیر کے ہر دریا جن میں کچھ کا ذکر آگے آتا ہے، اور ہر ندی نالے کے ساتھ بے شمار وادیاں اور گلیات ہیں۔سب سے بڑی وادی سطح سمندر سے سات ہزار فٹ سے نو ہزار فٹ تک بلند ہے، جس کو وادی کشمیر کہتے ہیں۔اور سری نگر کے علاوہ گلمرگ، پہل گام، بڈگام، ماگام اور سونامرگ جیسے صحت افزا مقامات اسی میں ہیں، کہ یہاں دنیا کی خوبصورت ترین جھیلیں ہیں۔جہاں سیاحوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔شمالی علاقہ جات میں دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کے گرد درجن بھر بڑی خوبصورت وادیاں ہیں جن میں سطح سمندر سے تقریباً گیارہ ہزار فٹ بلند ہنزہ کی وادی کا نظارہ موسم بہار میں دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔لداخ کے گرد بھی کچھ ہموار علاقے ہیں۔لیکن خاص علاقہ دوسائی سطح مرتفع ہے جس کا شمالی علاقہ جات کی لڑائیوں میں بہت ذکر آئے گا۔

دریائے سندھ دنیا کا مشہور ترین دریا جو ۱۸۰۰ میل لمبائی میں ہے۔اور ہم جس کو سندھ کہتے ہیں، یونانی، سنتوش اور چینی سنگ خباب (شیر کا منہ والا) وہ سطح سمندر سے ۱۷۰۰۰ فٹ بلند تبت میں دریائے برہم پترا کے منبع سے صرف سو میل دور مغرب سے شروع ہو کر لداخ کو تھانگرا کے مقام پر چیر کر تین سو میل خشکر سلسلہ کے ساتھ شمال مغرب کو، لہ سے بارہ میل دور جہاں دریائے خشکر اس کے ساتھ مل جاتا ہے، وہاں سے سکردو کی طرف مڑتا ہے جہاں دریائے شگر بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔اس کے بعد دریائے سندھ تقریباً مغرب کا رخ اختیار رکھتا ہے، کہ جگلوٹ کے نزدیک، مغرب سے دریائے ہنزہ اور دریائے گلگت اکٹھے ہونے کے بعد جب دریائے سندھ سے ٹکراتے ہیں تو سب دریاؤں کا رخ ایک بڑے دریا کے طور پر جنوب کی طرف ہو جاتا ہے۔پھر نانگا پربت کی ندیاں، رکھیوٹ کے مقام پر اس کا رخ پھیر کر مغرب کو کر دیتی ہیں۔لیکن سازین کے مقام پر رخ جنوب کو ہو جاتا ہے۔لہ کے قریب اس دریا کے تقریباً دو سو میل لمبائی پر بھارت کا غاصبانہ قبضہ ہے اور ہماری معیشت کیلئے ضروری ہے کہ بھارت کا یہ غاصبانہ قبضہ ختم ہو۔

دریائے جہلم یہ دریا سطح سمندر سے تقریباً چھ ہزار فٹ بلند مقبوضہ کشمیر میں ویری ناگ کے مقام سے شروع ہوتا ہے اور اسلام آباد، سری نگر، سوپور، دوآب گاہ، بارہ مولا اور اوڑی سے



ہوتا ہوا چکوٹھی کے نزدیک آزاد علاقوں میں داخل ہوتا ہے۔ مظفرآباد کے نزدیک ڈومیل یا دومیل کے مقام پر دریائے کشن گنگا (نیلم) جب اس کے ساتھ ملتا ہے تو دریا کا رخ جنوب کو ہوجاتا ہے اور پھر منگلا ڈیم تک یہ دریا آزاد کشمیر اور پاکستان کی حدود کے ساتھ ساتھ بہتا ہے۔ یہ دریا صوبہ پنجاب کیلئے زندگی اور موت کا سبب بن سکتا ہے کہ ہمیں اس دریا کے قطرہ قطرہ پانی کی ضرورت ہے اور اس پر سے بھارت کے غاصبانہ قبضہ کو ختم کرنا اور زیادہ ضروری ہے۔

دریائے چناب مقبوضہ کشمیر میں لاہول کے مقام سے سطح سمندر سے تقریباً سترہ ہزار فٹ بلند، چندرا اور بھاگا کی دو ندیاں پہلے الگ الگ رخ اختیار کرکے بعد میں سطح سمندر سے ۵۰۰، فٹ بلند، عتوبی کے مقام پر آکر مل جاتی ہیں اور اس کو پھر دریائے چناب کہتے ہیں اور مقبوضہ کشمیر کے علاقے میں ۳۸۰ میل لمبائی، یہ دریا پہاڑیوں میں چکر لگا کر ہمارے ضلع گجرات کے مقام خیری رجال کے نزدیک پاکستان کی سرحد میں داخل ہوتا ہے۔ اور وہاں سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر مرالہ ہیڈورکس ہے۔ جہاں سے ہماری نہر اپر چناب نکلتی ہے۔ جو نہ صرف ہمارے وسطی پنجاب کو سیراب کرتی ہے۔ بلکہ اب بھارت کے ساتھ سندھ طاس کے سمجھوتے کیوجہ سے ہمارے تمام سرحدی اضلاع اور بہاولپور کے علاقے بھی اس نہر کے پانی پر انحصار کرتے ہیں۔ دفاعی لحاظ سے بھی اس دریا کے پانی پر ہمارا کنٹرول ضروری ہے کہ لاہور کے مشرق میں بی آر بی کی نہر کو بھی پانی اسی اپر چناب نہر سے ملتا ہے۔ تو دریائے چناب ہماری شہ رگ ہے۔ اور مقبوضہ کشمیر سے بھارت کو نکالنا ہماری قومی ضرورت ہے۔

دریائے راوی اور باقی دریا دریائے راوی بھارت کے صوبہ مشرقی پنجاب کے ضلع کانگڑہ کے کلو کے علاقے سے نکلتا ہے۔ اور اس دریا کے علاوہ دریائے ستلج اور دریائے بیاس کا پانی بھی بھارت کے ساتھ سندھ طاس کے منصوبہ کے تحت ہم بھارت کو دے چکے ہیں۔ دریائے راوی سے اپر باری دوآب نہر سے ہمارے جو علاقے سیراب ہوتے تھے وہ معاملہ تو ختم ہوچکا ہے کہ بھارت اس کا سب پانی خود استعمال کرتا ہے۔ ہاں دریائے راوی میں بھارت کی "سخاوت" یا "مجبوری" سے پانی کا کوئی قطرہ بچ جائے۔ یا اب لنک نہریں بنا کر دریائے راوی میں دریائے جہلم اور پنجاب کا کچھ پانی ڈال کر ہم نے نہر لوئر باری دوآب کو کچھ چالو کیا ہوا ہے۔

یہی حال دریائے ستلج کے سلسلہ میں ہماری نہر پاک پٹن یا سلیمانکی ہیڈورکس سے جو بہاولپور کیلئے نہریں نکلتی ہیں، ان کا ہے۔اور فیروزپور ہیڈورکس، بٹوارے کی آخری سازش کے تحت بھارت کو دے کر، انگریز مکمل طور پر ہمیں بھارت کے رحم وکرم پر چھوڑ گئے۔ تو بھارت کے دریائے چناب اور دریائے جہلم پر سے کشمیر میں قبضہ کو ختم کرانے میں ہمارے لئے زندگی کا مسئلہ ہے۔

آب و ہوا کشمیر کے خطوں میں ایک سے دوسری جگہ کی آب وہوا میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔لداخ اور کچھ شمالی علاقہ جات بحیرہ منجمد شمالی کی طرح ٹھنڈے ہیں۔وادی کشمیر کی آب و ہوا موسم گرما میں بہت اچھی یعنی معتدل ہوتی ہے اور موسم سرما میں سرد۔پونچھ اور جموں کے علاقوں کی آب وہوا ایک طرف ساتھ ملحقہ پاکستانی علاقوں کی طرح ہے۔تو دوسری طرف کشمیر کی سرد ہواؤں کے اثرات بھی ہیں۔زمین زرخیز ہے۔اور ندی نالوں سے پانی میسر ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے کہ ہر قسم کی پیداوار کیلئے یہ علاقے موزوں ہیں۔اور لوگ بھی جفاکش اور ہاتھی کی طرح طاقتور ہیں۔لیکن غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں تو زندگی کی اہم ضروریات بھی ان کو میسر نہیں۔(۱)

پیداوار یہ کہنے کی بجائے کہ خطہ کی پیداوار، وہ ہے اور یہ ہے، اس زمانے میں یہ کہنا بہتر ہوگا کہ ذرائع آمدورفت اور زرعی شعبوں میں جو ترقیاں ہوئی ہیں۔اب یہ کہا جائے، کہ کشمیر میں کیا کچھ پیدا نہیں ہو سکتا۔ان علاقوں میں ایسی جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔جن کے اجزاء کی قیمت لگانا مشکل ہے۔صرف زعفران کی بات کریں کہ ایسا زعفران دنیا میں کہیں بھی نہیں پیدا ہوتا۔ہر قسم کی آب وہوا میسر ہے۔آم اور امرود سے لیکر اخروٹ، پستہ، بادام اور سیب یعنی ہر قسم کا پھل اور ہر قسم کا زرعی اناج پیدا ہو سکتا ہے۔لیکن کشمیریوں کو کوئیں کی مینڈک بنا دیا گیا۔اگر ان کو پاکستان کے ذرائع آمدورفت میسر ہو جاتے تو ان علاقوں نے سونا اگلنا شروع کر دیا ہوتا۔یہی چیز معدنیات کو لاگو ہے۔لیکن ساری معدنیات زیر زمین پڑی ہیں کہ ایک طرف ریاسی کے علاقوں میں لوہا مدفون ہے۔ تو ادھر لداخ اور دوسائی کے علاقوں میں تانبا مدفون ہے۔

ذرائع آمدورفت کشمیر کے خطہ کے اندرونی رابطے اور ذرائع آمدورفت بہت بہتر ہو سکتے ہیں کہ اول باہر کے رابطے ٹھیک ہوں۔بد قسمتی سے ۸۲۰۰۰ مربع میل کے وسیع علاقوں کو ایک چھوٹے سے کونے یعنی پٹھانکوٹ۔جموں سے دہلی ہوتے ہوئے دور دراز ایک طرف بمبئی اور دوسری طرف کلکتہ کے ساتھ " باندھ " دیا گیا ہے۔اگر کشمیر، پاکستان کا حصہ ہوتا تو اہل کشمیر کوئی چیز کسی دریا میں پھینک دیتے تو وہ خود بخود کراچی پہنچ جاتی۔ویسے کشمیر کے سارے OutLet یعنی بیرونی راستے پاکستان کے ذریعہ ہیں۔

اول۔ سیالکوٹ۔جموں والا راستہ جموں ہمارے تجارتی مرکز سیالکوٹ سے صرف ۲۵ میل دور ہے۔اور بذریعہ ریل اور سڑک، صوبہ جموں کی تمام تجارت، آزادی سے پہلے بذریعہ سیالکوٹ تھی۔اب سڑک اور ریل دونوں بند پڑی ہیں۔جموں سے آگے سری نگر تک ۱۹۰ میل سڑک، ۱۹۲۲ سے موجود ہے۔اور سری نگر یا کشمیر کی وادی کے لوگوں کیلئے بھی سیالکوٹ اتنا ہی اہم تھا۔صرف سردیوں میں سطح سمندر سے نو ہزار فٹ بلند درہ بانہال چند دنوں کیلئے کچھ رکاوٹیں پیدا کرتا تھا۔

دوم۔ راولپنڈی سے سری نگر والا راستہ آزادی سے پہلے سری نگر کیلئے آسان ترین راستہ راولپنڈی سے ۲۰۰ میل لمبی سڑک کے ذریعہ سے تھا۔جس میں ۶۵ میل پاکستان میں اور آگے کوہالہ پل سے باقی ۱۳۵ میل کشمیر کی یہ خوبصورت سڑک تھی جو سطح سمندر سے بعض جگہ صرف دو ہزار فٹ اور زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار فٹ بلند تھی۔ کشمیر میں جو دریا بہتے ہیں۔ان سے جگہ بجگہ لاکھوں کلو واٹ بجلی پیدا کی جا سکتی ہے۔اور سری نگر، بارہ مولا روڈ پر اوڑی کے نزدیک ۱۹۰۷ء میں مہورا کے مقام پر جو بجلی گھر بنایا گیا۔وہ برصغیر کا دوسرا بجلی گھر تھا اور ۱۵۰۰۰ کلوواٹ بجلی پیدا کر سکتا تھا۔لیکن صرف ۵۰۰۰ کلوواٹ بجلی پیدا کی جاتی کہ کل ضرورت ۳۰۰۰ کلو واٹ تھی۔۱۹۰۵ء میں انگریزوں نے ان دریاؤں سے بجلی پیدا کرکے سری نگر کو راولپنڈی کے ساتھ بجلی سے چلنے والی ٹرین سے ملانے کی تجویز بنائی تھی۔لیکن مہاراجہ اپنے لوگوں کو ایسی سہولتیں دینے کو تیار نہ ہوا۔بہرحال اگر ۱۹۴۷ء میں کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہو جاتا تو کشمیر میں ریلوے لائنوں کے جال بچھ جاتے۔اور وہاں جو بجلی پیدا کی جاتی وہ سارے پاکستان

کیلئے کافی ہوتی۔

سوم۔گجرات۔ بھمبر۔ سری نگر والاراستہ اس راستے کو مغلوں کی سڑک بھی کہا جاتا ہے۔اور گجرات سے سری نگر صرف ۱۷۵ میل کے فاصلے پر ہے۔اس راستے پر علی آباد، یا رتن کا سلسلہ کوہ اور پیر پنجال پہاڑ کی کئی جگہیں آتی ہیں جو سطح سمندر سے نو ہزار فٹ بلند ہیں۔ لیکن نوشہرہ، جھنگڑ (دھر مسال)، راجوری اور چنگس کیلئے یہ بہترین ذرائع آمد و رفت تھا۔اب ان علاقوں کے لوگ بیڑی پتن اور اکھنور سے ہو کر سینکڑوں میل کا سفر کر کے جموں کے ذریعہ سے بھارت کے ساتھ تجارت کرتے ہیں۔

چہارم ۔ میرپور۔ پونچھ ۔ سری نگر والاراستہ۸ جہلم سے میرپور ۲۸ میل آگے کوٹلی ۱۷ میل۔اور وہاں سے سہڑا ۴۱ میل۔یہ اب آزاد کشمیر کی ایک نمایاں سڑک ہے۔لیکن سہڑا (مدار پور) سے آگے پونچھ اور مینڈھر وادی کے لوگ۔اوڑی سے سری نگر کے راستے۔یا پونچھ سے راجوری اور بیڑی پتن والے راستے جموں سے تجارت کرتے ہیں۔لیکن جو علاقے آزاد کشمیر میں ہیں وہ جہلم کے علاوہ۔ کوٹلی۔راولپنڈی یا آزاد پتن کے راستے پلندری۔راولپنڈی۔یا اوپر ملوٹ ستیاں۔یا کوہالہ پل اور پھر مظفر آباد سے ایبٹ آباد یعنی پاکستان کے ساتھ بہترین ذرائع آمد و رفت رکھتے ہیں۔

پاکستان۔ گلگت۔ خنجراب صرف آزاد کشمیر نہیں۔ بلکہ راولپنڈی سے ایک طرف ایبٹ آباد، تھاکوٹ اور دوسری طرف سوات سے پتن تک اور آگے دریائے سندھ کے کنارے کنارے کے ساتھ ایک سڑک بن گئی ہے جو گلگت اور ہنزہ سے ہوتے ہوئے چین کی سرحد تک خنجراب کے مقام تک جاتی ہے۔اور مشرق میں سکردو اور آگے کئی آزاد علاقوں تک۔ یعنی دشوار گزار علاقوں میں بھی سڑکوں کے جال بچھا دیئے گئے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر اور بھارت۔ بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں جو نئی سڑکیں بنائی ہیں۔ تو ان کے سامنے دو مقاصد تھے۔اول فوجی تزویراتی ضرورت کو مدنظر رکھا کہ وہ فوج کو آسانی کے ساتھ حرکت دے سکیں۔اور دوسرا کشمیر کی دولت کو جہاں سے لوٹنا آسان تھا تو ہندو بنیا کی ضرورتوں کو مدنظر رکھا گیا۔جہاں تک کشمیر کیلئے باہر کے ذرائع آمد و رفت کا تعلق ہے۔وہاں

کوئی خاص کام نہیں ہو سکتا کہ پاکستان کی تجارتی منڈی سیالکوٹ، جموں سے صرف ۲۵ میل دور ہے اور بھارت کی نزدیک سے نزدیک کی تجارتی منڈی امرتسر، پٹھانکوٹ سے ۵۴ میل دور ہے اور پٹھانکوٹ جموں سے ۶۸ میل ہے تو قارئین موازنہ کر لیں کہ آگے سمندر تک پہنچنے کیلئے بمبئی یا کلکتہ جانا ہوگا۔ بھارت، کشمیر کے ایک کونے پر ہے لیکن پاکستان کے ساتھ حدود کے طور پر جموں و کشمیر کی ۵۸۰ میل لمبی وابستگی ہے بلکہ اب جو آزاد اور شمالی علاقوں کی چین کے ساتھ جو سرحد متعین ہوئی ہے وہ بھی ۳۷۰ میل لمبی ہے۔[۲]

لوگ کشمیر میں ۳۷ فیصد لوگ پنجابی اور ۱۷ فیصد پنجابی سے ملتی جلتی زبانیں یعنی ڈوگری وغیرہ زبانیں بولتے ہیں ۔ ۳۰ فیصد کشمیری زبان اور ۱۶ فیصد اور چھوٹی چھوٹی علاقائی زبانیں بولتے ہیں ۔ بہر حال کشمیر کے ۸۰ / ۷۰ فی صد باشندے اردو زبان کو سمجھ یا بول لیتے ہیں ۔ تو لسانی لحاظ سے بھی ہم ایک ہیں۔

ایک سوال ؟ ایسے جفاکش لوگ ہندوؤں کی غلامی میں کیوں جکڑے گئے اس کی کچھ تفصیل [۳] یوسف صراف کی کتاب میں ہے کہ کس طرح نفسیاتی طور پر کشمیریوں کو نکما اور کم دل بنایا گیا۔یہ عاجز اس سلسلہ میں پانچویں اور چھٹے ابواب میں کچھ تبصرے کرے گا۔

ہماری ذمہ داریاں کتاب کی یہ بسم اللہ اس لئے تھی کہ جغرافیائی لحاظ سے بھی ہم ایک ہیں۔آگے کتاب میں تاریخی، روحانی، سیاسی اور قانونی طور پر بھی ثابت کیا جائے گا کہ ہم ایک ہیں لیکن پاکستان اور آزاد کشمیر کے باشندے جہاد کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں بری طرح ناکام ہوئے۔تب ہی اس خطے کے مسلمان پچھلے ۴۷ سالوں سے ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔اور یہ آزادی بے مقصد رہی کہ ہمیں اللہ اور رسولؐ کے ساتھ غداری کی سزا مل رہی ہے۔

حوالہ جات

(۱) - کنڈمڈ ان ہرڈ - میں ڈگ بانی کا تبصرہ - صفحہ ۶۷ - (۲) - کشمیریز فائیٹ فار فریڈم حصہ اول - صفحہ ۲ -
(۳) - ایضاً - صفحہ ۵۵ تا ۵۹

تیسرا باب

جموں و کشمیر کی پرانی تاریخ کا پس منظر

پرانی تاریخ اہل کشمیر کی بد قسمتی ، کہ ان پر ہمیشہ سے باہر کے علاقہ کے لوگوں نے حکومت کی ۔ اور اسلام کے آمد سے پہلے پانڈوا، موریا، کشن ، گوندیا ، کر کوٹا ، آستالا اور لوہارا خاندانوں نے حکومت کی ۔ جن میں اگر موریا ، بہار سے تھے تو کشن ، افغانستان سے اور سب باقی خاندان بھی موجودہ پنجاب یا سرحد کے علاقوں سے تھے ۔ ایک بدھ مذہب کے پیروکار راجہ کنشکا نے بھی کشمیر پر حکومت کی ، جس کیوجہ سے لداخ میں آجکل بھی کافی آبادی کا مذہب بدھ ۔ ازم ہے ۔ لیکن اسلام کی آمد سے پہلے ہندو برہمن کارل بھٹ اور شنکر اچاریہ نے جو بدھ مذہب کے لوگوں کو بحث میں الجھا کر بدھوں کو اس برصغیر سے دیس نکالا دلا دیا تھا تو ۵۲۸ عیسوی سے پھر ہندو راجے کشمیر کی قسمت کے مالک بن گئے ۔ کہ گوتم بدھ کی گھریلو زندگی پر ذلیل حملے کئے گئے ۔ کہ اس نے اپنی بیوی کے بے کردار ہونے کیوجہ سے جنگل کی راہ لی تھی ۔ اور پھر " پاکبازی " کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو گمراہ کرتا رہا ۔ بہرحال اس کے بعد کشمیر کی تاریخ گھپ اندھیروں میں چلی جاتی ہے کہ آخری ہندو حکمران جن کا تعلق لوہارا خاندان سے تھا ۔ ان کی اپنی زندگیاں ذلت میں ڈوبی ہوئی تھیں ۔ اور ان کے آخری بادشاہ سہادیوا کو ۱۳۱۹ عیسوی میں ہن حملہ آوروں کے ہاتھ سے ایسی ذلت دیکھنا پڑی کہ وہ کشتواڑ کی طرف بھاگ گیا اور کسی برفانی طوفان کی زد میں آگیا ۔

اسلام کی آمد گیارہویں ، بارہویں صدی میں افراتفری کیوجہ سے علاقے کے کافی لوگ ساتھ کے علاقوں موجودہ صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کے اثرات کیوجہ سے اسلام میں داخل ہو رہے تھے ، اور اس آخری ہندو بادشاہ کا ایک وزیر شاہ میر مسلمان تھا ۔ تو انہوں نے تبت کے علاقے سے بھاگے ہوئے ایک شہزادہ انچانا کو خطہ کشمیر کا بادشاہ بنا دیا ۔ کہ اس نے کشمیر میں پناہ لینے کے بعد ایک مسلمان صوفی بلبل شاہ کی مریدی اختیار کر لی تھی ۔ اور تخت سنبھالنے کے

بعد اپنے اسلام کا بھی اعلان کر دیا ، اور سلطان صدرالدین کا لقب اختیار کیا ۔ اس کی وفات کے بعد شاہ میر ، ازخود نے شمس الدین کا لقب اختیار کر کے ، کشمیر کی حکومت سنبھال لی ۔ یہ خلجی ۔ خاندان کا زمانہ تھا ، جو ازخود جنوبی ہند میں دکن کی فتوحات میں معروف تھے ۔ خلجیوں کے بعد تغلق خاندان والے بھی کشمیر کو اپنی قلمرو میں نہ شامل کر سکے ۔ اور ۱۴۲۰ عیسوی میں کشمیر کے بادشاہ ایک زین العابدین تھے جنھوں نے باون برس حکومت کی اور وہ خود ایک بہت بڑے عالم اور اللہ والے تھے ۔ ان کی دانائی اور تدبر کی کہانیاں ، اب بھی زبان زد و عام ہیں کہ وہ علم ۔ دوست تھے اور انہوں نے علم کو خوب پھیلایا ۔ ان کا خاندان ۱۵۵۵ تک برسراقتدار رہا ۔ پھر افراتفری شروع ہوئی ، تو کشمیر میں ہی جنوب مغرب میں آباد چک سرداروں نے حکومت پر قبضہ کر لیا ۔ جو حکومت مشکل سے تیس سال قائم رہی ۔

مغل شہنشاہیت اور تہذیب ۱۵۸۶ء میں اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے شوق میں مغل بادشاہ اکبر نے کشمیر کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا ۔ اور اس برصغیر کا دہلی کا وہ پہلا حکمران ہے جس نے قبل مسیح کے بھارتی موریا خاندان کے بعد کشمیر کو سلطنت دہلی کا حصہ بنایا ۔ محمود غزنوی ؒ سے لے کر لودھی خاندان کے زمانے تک افغان اور ترک خاندانوں کی اس خطہ کی حکومتوں کو تو کچھ اسلامی حکومتیں کہہ سکتے ہیں ۔ کہ ان میں محمود غزنوی ؒ اور محمد تغلق جیسے عاشق ۔ رسول ؐ حکمران بھی تھے ۔ لیکن مغلوں کے زمانے میں اور خاص کر اکبر کے عہد میں جو طرفہ تماشا بنا ، اس کو اورنگ زیب عالمگیر ؒ ختم نہ کرتے یا شیخ احمد ؒ سرہندی جیسے عالم و فقرا ، ان بدعتوں کے آگے سر جھکا دیتے ، تو بدھ مذہب کی طرح اسلام کو بھی یہاں سے دیس نکالا مل گیا ہوتا ۔ یا ہمارا اسلام بھی ہندوانہ اسلام ہوتا ۔ اور اب بھی ہے ، کہ ہمارے بیچ ایک آدمی پیدا ہوا جس کو ہم نے " امام الہند " کا خطاب دیا ۔ حالانکہ اتنا جاہل تھا کہ کلام جس میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ شامل ہیں ، ان کا باپ (ابو الکلام) بن بیٹھا ۔ اور شیطان کی طرح آزاد ہو کر کانگرس اور ہندوؤں کی طرف سے قائداعظم کے مطابق " شو بوائے " تھا ۔ بلکہ سرسید اور غلام کذاب کی قسم کے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے انگریز کے ساتھ ساز باز کر کے جہاد کے فلسفہ کو منسوخ کیا ۔ مغل بادشاہ شاہجہان نے جو تاج محل یا لال قلعہ بنوایا ۔ اسلام کے ساتھ اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ کہ

اسلام میں "نظریاتی قلعے" تعمیر کئے جاتے ہیں جو قائم ودائم رہتے ہیں ۔ لیکن اس لال قلعہ پر اب کانگرس کا ترنگا جھنڈا اور اشوک کی لاٹھ والے جھنڈے لہرا رہے ہیں ۔ مغل تہذیب کے اس برصغیر پر اثرات والا بڑا وسیع مضمون ہے ۔ جس کو کسی اور کتاب کا حصہ بنایا جائے گا ۔ بہرحال یہ مغلوں کا بیج بویا ہوا ہے کہ جس نے پنجاب اور سرحد کے لڑنے بھڑنے والے مسلمان کو پہلے سکھوں کا اور بعد میں انگریزوں کے "کرایہ کا سپاہی" بنا دیا اور حالات اب بھی ٹھیک نہیں ہو رہے ۔

مغل حکمرانی کے کشمیر پر اثرات جہانگیر بادشاہ ایک شعر میں کہتا ہے ۔ " گر فردوس بر روئے زمین است، ہمیں است وہمیں است ..... یعنی اگر بہشت دنیا میں ہے تو وہ یہاں ہے ... یہاں ہے ..... یہ شعر سراسر غیر اسلامی ہے ۔ کہ حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ یہ دنیا مسلمانوں کیلئے قید خانہ ہے اور کافروں کیلئے جنت ہے ۔ اور قرآن پاک میں سورہ اعراف میں زمین میں گھس جانے یا ارض کے ساتھ محبت کرنے والوں کو کتے کے ساتھ تشابہ کیا ہے ۔ یہ جنت ارضی والا تصور سراسر اسلامی فلسفہ حیات کے خلاف ہے ۔ تو ۱۷۵۲ء تک تقریباً پونے دو سو سال کشمیر پر مغلوں کی حکمرانی میں کشمیریوں نے ایسی سہل پسندی والی زندگی اختیار کی کہ جو سلسلہ اب سے چند سال پہلے تک قائم رہا ۔ کہ یہ بے چارے لڑنے بھڑنے والے لوگوں سے دور تھے ۔ کوئی بڑی لڑائی بھی نہ دیکھی ۔ نہ لڑے اور نہ لڑائے گئے ۔ اور سہل زندگی کی وجہ سے بکاؤ مال بنا دیئے گئے ۔

درانیوں کی حکومت دہلی میں مغلوں کی حکومت کو جب زوال شروع ہوا تو ۱۷۵۲ء میں احمد شاہ ابدالی نے کشمیر کو اپنی سلطنت کا ایک صوبہ بنا دیا ۔ اور اب کشمیریوں پر کابل سے حکمرانی شروع ہو گئی ۔ ان درانیوں کو پنجابیوں اور سرحد کے پٹھانوں کی تو اپنی فوج کیلئے ضرورت تھی ۔ لیکن کشمیر کو انہوں نے اپنی ایک جاگیر کے طور پر استعمال کیا ۔ اور حکومت کے کارندے دولت لوٹنے پر لگے رہتے اور لوگوں کو بغیر ہندو مسلم کی تمیز کے غلامی میں جکڑ دیا ۔ اس سلسلہ میں ایک انگریز مسٹر بسکو یہ لکھتا ہے ۔[1] "کشمیر پر قبضہ در قبضہ کرنے والے کئی حملہ آور آئے، جنہوں نے ان لوگوں کے آباؤ اجداد کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھا ۔ اور ان کو ایسی

ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا ۔ کہ ان میں جو اچھائی تھی اس کو ملیامیٹ کر دیا گیا ۔ جو کچھ کشمیر کے لوگوں کے ساتھ ہوا ۔ اگر وہ کچھ ہم انگریزوں کے ساتھ ہوتا، تو ہم شاید آدمیت کے زمرہ سے بھی خارج ہو جاتے" ۔

افراتفری بہرحال احمد شاہ ابدالی کے بعد درانیوں کے زمانے میں کشمیر سمیت موجودہ پاکستان میں افراتفری کا عالم تھا ۔ اور اس کو مار ۔ دھاڑ کا زمانہ کہا جاتا ہے ۔ لوگ جتھوں اور علاقائی گروہوں میں بٹ کر لوٹ مار پر گزارہ کرتے تھے ۔ اور لاہور کے گردونواح میں سکھ جتھے دار کافی طاقت پکڑ گئے، جن کے لشکر میں ہندو اور مسلمان اور ہر قسم کے لوگ ہوتے تھے کہ اس طرح ۱۷۹۹ء میں ایک رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضہ کر لیا ۔ زمان شاہ والئے کابل، پنجاب سے واپس جاتے وقت اپنی کچھ توپیں، دریائے چناب کی طغیانی کی نذر کر بیٹھا ۔ تو چند دن بعد اس رنجیت سنگھ نے یہ توپیں دریا سے نکال کر، کئی تحائف کے ساتھ کابل بھیج دیں ۔ اور زمان شاہ نے اس کو راجہ کا خطاب عطا کر دیا ۔ اسی دوران کابل میں تخت کی وراثت کا جھگڑا شروع ہو گیا ۔ تو رنجیت سنگھ راولپنڈی پہنچا اور پنڈی کے نزدیک کلر سیداں کے بابا سنگھ بیدی سے مہاراجہ کا خطاب حاصل کر کے لاہور سے راولپنڈی تک علاقے کا خود مختار حکمران بن بیٹھا ۔

عجیب و غریب حالات کابل میں تخت کی وراثت کے جھگڑے، اور مسلمانوں کے کمزور مرکز یا کوئی متحدہ کمانڈ نہ ہونے نے موجودہ پاکستان کو ڈیڑھ سو سالوں کیلئے اور کشمیر کو دو سو سالوں کیلئے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا ۔ کہ اقلیت میں ہوتے ہوئے سکھوں نے موجودہ صوبہ پنجاب اور سرحد پر تقریباً پچاس سال وہ سکھا شاہی مچائی کہ انیسویں صدی کے وسط میں جب ان کی جگہ یورپ کی ایک چھوٹی سی قوم انگریزوں نے لے لی، تو ہم انگریزوں کے ایسے پروردہ بنے کہ چھٹکارا اب بھی حاصل نہیں ۔ پھر انہی سکھوں کی مدد سے جموں کے علاقہ کے چند ڈوگرہ، ہندو پہلے صوبہ جموں کے مالک بنے اور پھر سکھوں کی خانہ جنگی یا سکھوں کو بے وقوف بنا کر انگریزوں نے ان ڈوگروں کو سو سال کیلئے کشمیر کے غریب مسلمانوں پر مسلط کر دیا ۔ جس کی جگہ پچھلے چھیالیس سالوں سے ہندو بنیوں نے لے لی ہے ۔ ظاہر ہے کہ ہم مسلمانوں کو ہمارے گناہوں کی سزا ملی اور یہ ذلت کی زندگی ہم پاکستانیوں اور کشمیری مسلمانوں پر آج بھی جاری و ساری ہے

افسوسناک بات یہ ہے کہ کسی مبصر یا موءرخ نے اس سلسلہ میں آج تک نہ تاریخ کا بامقصد مطالعہ کیا ہے۔ اور نہ یہ تحقیق کی ہے۔ کہ کن کوتاہیوں کی وجہ سے ہم ان ذلتوں سے دوچار ہو رہے ہیں اور اب نشان راہ یا حل کیا ہے۔

خانہ جنگیاں اور سازشوں کا عروج ہماری ذلالت کی بنیاد زمان شاہ نے رکھی، جس نے رنجیت سنگھ کو راجہ بنا دیا، تو خود اس کے خلاف کابل میں ایک شاہ محمود اور کشمیر کے گورنر عطا محمد نے بغاوت کر دی اور ۱۸۰۳ء میں جب زمان شاہ بری حالت میں مر گیا تو اس کا جانشین شاہ شجاع اس سے بھی بدتر نکلا۔ کشمیر میں خانہ جنگی اس نے شروع کرائی۔ لیکن کابل کا تخت شاہ محمود کو دے بیٹھا۔ اور ان خانہ جنگیوں کا فائدہ رنجیت سنگھ نے اٹھایا۔ کبھی شاہ محمود سے معاہدہ اور کبھی شاہ شجاع کو کسی جگہ کٹھ پتلی حکمران بنایا اور کبھی برائے نام بادشاہ، کہ رنجیت سنگھ کے سامنے بڑا مقصد کشمیر کو اپنی سلطنت میں شامل کرنا تھا کہ موجودہ پنجاب کے کچھ حصوں پر وہ مکمل طور پر قابض ہو چکا تھا۔

انگریزوں اور رنجیت سنگھ کا گٹھ جوڑ اس زمانے میں انگریز انبالہ کے گرد و نواح تک پہنچے ہوئے تھے۔ رنجیت سنگھ بنگال کے نوابوں، میسور کے سلطان ٹیپو، مرہٹوں اور اودھ کے نوابوں کا حشر دیکھنے کے بعد انگریزوں کے ساتھ دوستی رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ۱۸۱۲ء میں اس نے اپنے بیٹے کھڑک سنگھ کی شادی پر کلکتہ میں انگریز گورنر جنرل اور کئی انگریز افسروں کو مدعو کیا۔ گورنر جنرل خود تو نہ آیا لیکن ایک چالاک انگریز کرنل اوچڑلونی نے اس کی نمائندگی کی۔ شاہ شجاع، اس زمانے میں کشمیر کے گورنر عطا محمد کی قید میں تھا۔ لیکن اس کی ایک بیوی، وفا بیگم رنجیت سنگھ کے پاس پہنچ چکی تھی اور اس کو کہا کہ اگر رنجیت سنگھ شاہ شجاع کو عطا محمد کی قید سے چھڑا سکے تو وہ مشہور کوہ نور ہیرا، اس کے حوالے کر دے گی۔ یہ دنیا کا مشہور ترین ہیرا، نادر شاہ نے مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلے سے لیا تھا۔ اور نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی کے ذریعے سے کابل کے حکمرانوں کے پاس ہوتا تھا۔ چنانچہ رنجیت سنگھ نے انگریز نمائندہ کے سامنے تجویز پیش کی، کہ رنجیت سنگھ کشمیر پر لشکر کشی کر کے شاہ شجاع کو وہاں سے چھڑا کر کابل کے تخت پر بٹھا دے گا۔ انگریز نمائندہ کو یہ تجویز بڑی پسند آئی، کہ شاہ شجاع جیسا بے کردار کابل کا حکمران بنے گا

کہ انہی دنوں کابل کے تخت کیلئے ایک مضبوط کردار کا آدمی دوست محمد بھی سامنے آرہا تھا۔ بدقسمتی سے اس زمانے میں خطہ کشمیر پر کئی اور آفتیں بھی آئیں۔ ۱۸۰۴ء میں سخت زلزلہ آیا۔ ۱۸۰۵ء میں طغیانی نے کافی تباہی مچائی اور ۱۸۰۶ء میں سردی اتنی سخت پڑی کہ دریاؤں کے پانی بھی جم گئے۔ اور کافی لوگ سردی سے مر گئے۔

انگریزوں کے مقاصد انگریزوں کی دوررس پالیسی کے تحت ان کا بڑا دشمن روس تھا۔ وہ کبھی نہ چاہتے تھے کہ کابل میں کوئی مضبوط کردار کا حاکم ہو، کہ وہ روس کے ساتھ مل کر انگریزوں کیلئے اس برصغیر میں مسائل پیدا کرے۔ پنجاب، اور سرحد کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ وہاں انگریز چاہتے تھے کہ کوئی سکھ، ڈوگرہ یعنی غیر مسلم حکمران ہو۔ انگریز بلکہ سارا یورپ اور امریکہ مسلمانوں کے ازلی دشمن ہیں اور یہ دشمنی جنگ یرموک سے شروع ہو کر صلیبی جنگوں سے ہوتی ہوئی اب تک جاری ہے۔ لیکن اب سازش اور گہری ہو گئی ہے اور ہمارے ان دشمنوں کا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہمارے بدنوں سے روح محمدؐ نکال دیں کہ ہم نہ رسول عربیؐ کے اسلام پر عمل کریں۔ نہ ایک قوم کے طور پر جہاد فی سبیل اللہ کریں۔ ان کو ہماری ملکی زندگی "منظور" ہے کہ جغرافیائی یا لسانی حساب سے الگ الگ خطوں کے طور پر ہم قومیں بنیں۔ چنانچہ انیسویں صدی سے جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہی لوگ کرا رہے ہیں۔

رنجیت سنگھ کی سوچ ایملی ایڈن کے مطابق رنجیت سنگھ کی شکل "ملکی ماؤس" کی طرح تھی۔ ایک آنکھ نہ تھی۔ دانت بھی عجیب طرح سے ڈھلے ہوئے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ پڑھا لکھا بھی نہ تھا۔ لیکن بڑی گہری سوچ کا مالک تھا۔ اور ہم مسلمانوں کی نااتفاقی کی سزا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس "بدشکل" آدمی کے ہاتھوں سے دلوائی۔ وہ اپنی سلطنت کو نہ انگریزوں کے علاقے کی طرف پھیلا سکتا تھا اور نہ صوبہ سرحد اور موجودہ قبائلی علاقوں کی طرف۔ اس لئے اس کی نظر کشمیر "جنت نظیر" پہ تھی۔ چنانچہ کابل کے حکمرانوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اور شاہ شجاع کو چھڑانے کے بہانے رنجیت سنگھ نے کابل کے لشکر کے کمانڈر وزیر فتح محمد کو کشمیر پر حملہ کیلئے اپنے علاقے سے گزرنے کی اجازت دی۔ بلکہ اس کے ساتھ دیوان محکم چند کے تحت ایک سکھوں کا لشکر بھی بھیجا۔ اس پہلی کوشش میں رنجیت سنگھ صرف شاہ شجاع کو اپنی پناہ میں لینے

میں کامیاب ہوا، اور کوہ نور ہیرا حاصل کر لیا۔ جو اس کے لڑکے دلیپ سنگھ سے انگریزوں نے حاصل کیا۔ لیکن ملکہ وکٹوریہ کے تاج میں جڑنے کی بجائے انگریز اس ہیرے کی لندن کے مینار میں نمائش کرتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ یہ ہیرا بادشاہوں کے پاس زیادہ نہیں رہتا اور ان کی حکومتوں کو ختم کر دیتا ہے۔

رنجیت سنگھ کی دوسری کوشش کابل کے حکمرانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے رنجیت سنگھ نے راولپنڈی سے آگے بڑھ کر اٹک کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور وزیر فتح محمد نے کشمیر سے کابل واپس جاتے وقت سکھوں کو اٹک سے نکالنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا۔ کہ سکھ اب کافی طاقتور ہو چکے تھے اور جنوب میں انہوں نے اپنی سلطنت ملتان تک بڑھالی تھی۔ اب رنجیت سنگھ خود وزیر آباد پہنچ گیا۔ اور اپنے بیٹے کھڑک سنگھ اور ہری سنگھ نلوہ کے ماتحت بھمبر، راجوری اور پونچھ وغیرہ کے راستوں کو استعمال کر کے کشمیر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ اور جگہ بجگہ بڑی خونریز جنگیں ہوئیں۔ بھمبر کے راجہ سلطان خان نے مقابلہ کیا۔ راجوری اور پونچھ کے علاقے کے مسلمان جتھوں نے سکھوں کے لشکر کو گھاتیں لگائیں۔ اور فتح محمد کے بھائی عظیم خان نے، جو کابل کے حکمرانوں کی طرف سے کشمیر کا گورنر تھا، اس نے بھی سخت مقابلہ کیا تو سکھ فوج ناکام ہو کر پنجاب میں واپس آ گئی۔ لیکن ہم مسلمان پھر بھی متحد نہ ہوئے۔

رنجیت سنگھ کی بھرپور تیاری سکھ فوج کی اس شکست سے رنجیت سنگھ کے نام اور ساکھ کو بڑا دھچکا لگا۔ انگریز گورنر جنرل نے مدد کا پیغام بھیجا، لیکن وہ ٹال گیا۔ اس نے ایک مسلمان توپچی میاں غوث کی خدمات حاصل کر لیں۔ پہلے کچھ فرانسیسی افسر اس کی فوج کو تربیت دیتے تھے۔ اب اس نے رابرٹ ڈک اور جنکی تھامسن جیسے انگریز افسروں کی خدمات حاصل کر لیں۔ جنہوں نے رنجیت سنگھ کی تو بڑی مدد کی۔ لیکن بعد میں ایسے ہی لوگ انگریزوں کی پالیسی کے تحت سکھوں کے زوال کا باعث بنے۔ بہر حال رنجیت سنگھ نے جموں کے دو ڈوگرہ بھائیوں دھیان سنگھ اور گلاب سنگھ کی خدمات بھی حاصل کر لیں۔ اور گوہوالی و گورکھا، کرایہ کے سپاہی بھی رکھ لئے۔ اور وہ موقع کی تلاش میں تھا جو اس کو جلدی مل گیا۔

کشمیر پر سکھوں کا قبضہ کابل کے حکمران کامران نے، پشاور کے گورنر وزیر فتح محمد کو

اندھا کر دیا، کہ ان کے چھوٹے بھائی دوست محمد پر الزام تھا، کہ اس نے سابق حکمران محمود شاہ کی لڑکی کی عزت پر ہاتھ ڈالا۔ کشمیر کا گورنر عظیم خان، وہاں کی حکومت اپنے چھوٹے بھائی جبار خان کے حوالے کر کے وہاں سے کچھ لشکر لے کر اپنے خاندان کی مدد کیلئے پشاور اور کابل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور رنجیت سنگھ ایسے ہی حالات کا منتظر تھا۔ اب اس نے اپنے بیٹے کھڑک سنگھ اور جموں کے راجہ گلاب سنگھ کے ماتحت جموں، بانہال کے راستے فروری ۱۸۱۹ء میں وادی کشمیر پر حملہ کرادیا اور اپریل میں خود سکھوں، ڈوگروں اور کئی مسلمان جتھوں اور جنرلوں کی مدد سے وادی میں پہنچ گیا۔ اب جبار خان کیا مقابلہ کرتا۔ اٹک پر بھی سکھوں کا قبضہ تھا اور جبار خان کا مظفر آباد، ایبٹ آباد، بالا کوٹ اور سوات و مردان کے راستے سے پشاور اور کابل سے رابطہ تھا۔ تو کشمیر پکے ہوئے پھل کی طرح سکھوں کی جھولی میں گر گیا۔

چند مسلمان مجاہدین کشمیر کے علاقہ میں جن مسلمانوں نے کئی سال سکھوں اور ڈوگروں کی مخالفت کی اور ان کے ساتھ لڑتے لڑتے کئی لوگ شہید ہوئے ان کے اسماء سے کتاب کے صفحات کو معطر کرنا ضروری ہے ان میں مظفر آباد کے زبردست خان، پکھلی کے حبیب اللہ، وادی کشمیر کے خیر اگلوان، پونچھ کے شمس خان، اور پلندری وراولاکوٹ کے شیر علی ملی خان، اصغر علی، باز خان، بلند خان، میر باز، کالو خان، فتح شیر، مہندی خان، مزمل خان، سر انداز خان، حیات خان، جہانداد اور امیر علی قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ جموں کے میاں دیدو اور گلگت وسکردو کے کئی مجاہدین نے کبھی بھی سکھوں کی حکومت قبول نہ کی۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز یا مرکزی مستقر نہ تھا۔

سید احمد شہید کی آخری کوشش موجودہ پاکستان کا خطہ بڑا مردم خیز ہے۔ جلال الدین خلجی اور غیاث الدین تغلق نے یہاں ہی کے مسلمانوں کی مدد سے دہلی کی حکومت کو بچایا لیکن افسوس کہ مغلوں کی حکومت کے بعد سے آج تک یہ لوگ کرایہ کے سپاہی بن گئے ہیں اور انگریزوں کے تحت عدن، سنگاپور اور ہانگ کانگ تک ان کی تجارت کی رکھوالی کی اور دو عظیم جنگوں میں انگریز کے ماتحت کیا کچھ نہ کیا۔ افسوس۔ صد افسوس۔ راقم از خود اس گناہ میں شامل اور نادم ہے۔ بہر حال یہی حالات سکھوں کے زمانے میں تھے کہ کوئی ایک رہنما ہمیں اسلامی

غیرت کیلئے متحد نہ کرسکا۔ دہلی کے گرد و نواح کے مسلمان اقلیت میں ہوتے ہوئے، وہاں انگریزوں کا کیا مقابلہ کرتے۔ تو دو مجاہدین سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمعیل شہیدؒ، سندھ، بلوچستان اور پشاور سے ہوتے ہوئے موجودہ ریاست امب میں پہنچے، جو علاقے سکھوں کے دسترس سے بچے ہوئے تھے، کہ آگے مظفرآباد کا زبردست خان، کشمیر میں سکھوں کے خلاف آخری چٹان بنا ہوا تھا اور شاہ احمد شہیدؒ، ان کے ساتھ رابطہ کرکے آئے تھے۔ پورے واقعات یہاں بیان نہیں ہوسکتے۔ اپنوں کی غداریاں حد سے گزر گئیں۔ سکھوں نے کشمیر کی طرف سے ایک لشکر کے ساتھ اور ادھر رنجیت سنگھ ازخود نے حسن ابدال پہنچ کر مسلمان مجاہدین کو بالا-کوٹ کے مقام پر شکست دی۔ یہ ۲۹-۱۸۲۷ کے واقعات ہیں کہ ان فتوحات کیوجہ سے سکھوں نے آگے بڑھ کر پشاور اور جمرود تک کے علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا۔

رنجیت سنگھ کے آخری ایام رنجیت سنگھ ۱۸۳۹ء میں مرگیا۔ اور ہم مسلمانوں کو جہاد سے گریز کی سزا ملتی رہی۔ ہر سکھ سپاہی اپنی مرضی سے جو چاہتا وہ کرتا۔ کشمیر کے علاقوں میں سے ہر گھر سے سونا، چاندی، زیورات، پشمینہ، پٹو، لکڑی کا کام، غلہ، بھیڑ، بکریاں اور ہر چیز حتیٰ کہ خوبصورت چہروں تک کو سکھ سپاہی اپنے قبضہ میں کرلیتے تھے۔ کوئی مسلم گھر مشکل سے آفت سے بچا ہوگا۔ مسجدیں بند کردی گئیں۔ اذان دینے کی اجازت نہ تھی، اور گائے ذبح کرنے کی سزا پھانسی تھی۔ تین ڈوگرہ بھائی سکھ دربار پر چھائے ہوئے تھے۔ گلاب سنگھ جموں کا راجہ تھا۔ دوسرا دھیان سنگھ پہلے درباری، پھر وزیر اور آخر وزیراعظم بن گیا۔ تیسرا خوبصورت چہرہ والا چیت سنگھ رنجیت سنگھ کا چہیتا تھا، جس کو یورپین سفیر، سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی انور عادل کا مشابہ کہتے تھے۔ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد دھیان سنگھ اور اس کا بیٹا ھیرا سنگھ "بادشاہ گر" بن چکے تھے اور انگریزوں کے ہاتھوں سکھ سلطنت کے حصے بخرے انہی لوگوں نے کرائے۔

ڈوگروں کا اوپر آنا میاں موتا ایک اجرتی قاتل کے بھائی قصورا سنگھ کے دو بیٹوں گلابو (تاریخ پیدائش ۱۷۸۸ء) اور دھیانو (تاریخ پیدائش ۱۷۹۲) کو ان کے چچا میاں موتا نے فن سپگری اور شہ سواری کی خوب تربیت دی۔ یہ مار دھاڑ اور افراتفری کا زمانہ تھا۔ کہ میاں موتا ایک

ڈوگرہ سردار بجی رائے جو رنجیت سنگھ کے باپ مہاسنگھ کا "پگڑی بھرا" تھا کے بیٹے کا گارڈین اور اتالیق تھا۔ اور اسی تعلق سے گلابو اور دھیانو۔ بعد میں گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ بن گئے اور تیسرا اجیت سنگھ (تاریخ پیدائش ۱۸۰۱ء) رنجیت سنگھ کا چہیتا بن گیا۔ گلاب سنگھ نے در در کے چکر بھی کھائے۔ شاہ شجاع جب پشاور کا گورنر تھا تو اس کی فوج میں بھرتی ہونے کی بھی کوشش کی راولپنڈی ضلع کے گاؤں سکھو میں ایک خشونت رائے کی نوکری بھی کی اور بھمبر کے راجہ سلطان خان کی نوکری بھی، کہ موجودہ قلعہ تھروچی کار کھوالا تھا۔ آخر دونوں بھائی گلابو اور دھیانو، سکھ فوج میں گھوڑے چار، کے طور پر بھرتی ہوگئے اور ان کے چچا نے ان کو جو شہ سواری اور فن سپہگری سکھلائی تھی وہ کام آئی کہ ۱۸۲۲ء میں گلاب سنگھ جموں کا راجہ بن گیا اور دھیان سنگھ، رنجیت سنگھ کا ایک بااثر وزیر۔

ڈوگرہ بادشاہ گر کی حیثیت میں رنجیت سنگھ سے دلیپ سنگھ تک چار سالوں میں دھیان سنگھ ڈوگرہ ازخود سمیت باقی سکھ بادشاہ، یا شہزادوں کو جس طرح قتل کیا گیا۔ یا جن کو حادثوں کا شکار بنایا گیا۔ یا کچھ کو زہر دی یا جیل میں ڈالا۔ ان میں رنجیت سنگھ کے بیٹے کھڑک-سنگھ، شیر سنگھ اور نونہال سنگھ اور باقی سکھ سردار اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ وغیرہ شامل ہیں۔ ڈوگروں میں سے بھی دھیان سنگھ کے علاوہ، ہیرا سنگھ اور چیت سنگھ قتل ہوئے۔ اور قارئین خود اندازہ لگائیں کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے والوں یا ڈوگرہ سازشیوں کا چار سالوں میں کیا حشر ہوا۔ لیکن ہماری کوتاہیوں کیوجہ سے گلاب سنگھ بچ گیا اور اس افراتفری میں وہ سارا خزانہ بھی جموں لے گیا۔ ایک وقت آیا کہ سکھ فوج، اس کو قید کرکے لاہور لے آئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہماری شامت اعمال کی سزا ہمیں گلاب سنگھ کے ذریعہ سے دلوانا چاہتا تھا تو گلاب سنگھ پھر بھی بچ گیا۔

گلاب سنگھ اور انگریز سکھوں اور ڈوگروں حکمرانوں کی گندی ازدواجی زندگی پر مورخین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اور جہاد سے گریز کیوجہ سے ایسے گندے لوگ ہم پر مسلط ہوتے رہے۔ اور گلاب سنگھ اپنے آپ کو ذلیل ترین مقام پر لے جانے کو بھی تیار ہوجاتا تھا۔ انگریزوں کو ہمیشہ ایسے آدمیوں کی تلاش ہوتی ہے اور باقی قوموں پردہ ہر قسم کی حکمرانی ایسے لوگوں کی مدد سے کرتے آرہے ہیں۔ اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ بہرحال اس گلاب سنگھ نے رنجیت۔

سنگہ کے زمانے یعنی ۱۸۲۹ء سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ کلکتہ میں رابطہ رکھا ہوا تھا۔ اور جب اس نے لداخ پر حملہ کیا تو بھی اپنے انگریز مشیروں کے ساتھ مشورہ کیا۔ اس کے دوستوں میں مشہور انگریز بھائی، جان اور ایچ ایم دونوں لارنس شامل تھے۔ گورنر جنرل ہارڈنگ کی پنجاب اور سرحد کی پالیسی بنانے والے انگریز افسران الیگزنڈر گارڈنر، کرنل سٹین بچ، سر جارج کلرک اور کیپٹن نکلسن وغیرہ متعدد انگریز افسروں تک اس کی رسائی تھی۔ ۱۸۴۲ء میں جب سکھ حکمران شیر سنگہ نے گلاب سنگہ کو کابل کے حکمرانوں کے خلاف ایک لشکر دے کر بھیجا۔ تو اس نے دریائے سندھ کو بھی نہ عبور کیا۔ اور دربار کو اپنی مشکلات سے "آگاہ" کرتا تھا۔ لیکن اصلی بات بعد میں ظاہر ہوئی کہ وہ جان لارنس کے ذریعہ سے دوست محمد والئے کابل کے بیٹے اکبر خان کے ساتھ رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ کہ جان لارنس، افغانوں والے کپڑے پہنے کئی دفعہ اس کے لشکر میں آیا کہ برصغیر ہندو پاکستان کی انیسویں صدی کیلئے انگریزوں نے جو بندر بانٹ کی تجویز بنائی اس پر عمل ہو رہا تھا۔ مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

سکھوں اور انگریزوں کی جنگ ہم اس سلسلہ میں تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ سکھ۔ فوج کا زور توڑنے کیلئے، سکھ حکمرانوں نے انگریزوں کی عمل داری والے علاقے پر حملہ کیا۔ اور سکھ فتح سے بھی اتنے ہی ڈرتے تھے۔ جتنا شکست سے۔ کہ فتح کی صورت میں سکھ فوج اور زور پکڑ جاتی۔ یہ ساری انگریزوں کی گھڑی ہوئی کہانیاں ہیں کہ وہ "بے چارے" مجبور ہو گئے اصل بات ہی کچھ اور تھی۔ گلاب سنگہ کا ایک قاصد بنگالی ڈاکٹر بنسی دھر گھوش، لدھیانہ میں گورنر جنرل کے اسسٹنٹ ایجنٹ کے پاس لگاتار جاتا رہتا تھا اور گلاب سنگہ انگریزوں کو مدد دینے کیلئے چالیس ہزار فوج بھی دینے کو تیار تھا۔ علاوہ ازیں گلاب سنگہ اپنے دوست ہنری لارنس کے ساتھ مکمل رابطے میں تھا، جو اس وقت دریائے ستلج کے مشرقی علاقوں میں انگریزوں کا ریذیڈنٹ تھا۔ رانی۔ جنداں اور نوجوان راجہ دلیپ سنگہ سے کسی سازش کے تحت سکھ فوج کو دریائے ستلج کے مشرق کی طرف کچھ حرکت ضرور دلائی گئی۔ اور ان کو سبراؤں اور علی وال کے مقامات پر شکست فاش دلائی گئی، تو سکھوں نے صلح کی درخواست کی اور گلاب سنگہ بھی سکھوں کے وفد میں شامل ہو گیا۔ اور سکھوں کو کہا کہ وہ انگریزوں سے ان کی صلح کرا دے گا۔ چنانچہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو جو

عہد نامہ لاہور منظور ہوا، تو سکھوں پر ایک کروڑ روپیہ جنگ کا تاوان ڈالا گیا۔ چونکہ سکھوں کا خزانہ پہلے ہی لوٹ کر گلاب سنگہ جموں لے گیا تھا، اس لئے خفیہ طور پر یہ فیصلہ بھی کر لیا گیا کہ یہ کروڑ روپے جموں کا راجہ گلاب سنگہ ادا کرے گا اور اس کے عوض وہ جموں و کشمیر (موجودہ صوبہ سرحد کے ہزارہ ڈویژن سمیت) کا راجہ ہو گا۔ رانی جنداں اس سے آگاہ نہ تھی اور ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو جب گلاب سنگہ اور انگریزوں کے مابین معائدہ امرتسر پر دستخط ہو رہے تھے تو رانی جنداں نے راجہ دنیا ناتھ اور فقیر نور الدین کو بھیجا کہ یہ سب کچھ غلط ہو رہا ہے۔ وہ لندن میں انگریزوں کی ملکہ کو اپیل کرے گی۔ لیکن اس بے چاری کی کون سنتا۔ اس کو بھی ہماری طرح یہ بات معلوم نہ تھی کہ سب فیصلے لندن میں پہلے ہو جاتے ہیں۔

معائدہ امرتسر اس معاہدہ پر ہماری کتابوں میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے۔ اور ضمیمہ۔ "الف" پر اس کی جھلکیاں موجود ہیں۔ اور اختصار کو مدنظر رکھتے صرف علامہ اقبال کے ایک شعر کا ایک مصرع یہاں کافی رہے گا "قومے فروختند چہ ارزاں فروختند"۔ ایک کروڑ کو ۷۵ لاکھ کس طرح بنایا گیا۔ اور گلاب سنگہ نے تاوان کے طور اور لاہور کے خزانے سے جو ڈاکہ مارا، اس کے ۶۸ لاکھ تو اس نے سکھوں کو دینے تھے جس میں سے وہ صرف ۲۷ لاکھ ادا کر چکا تھا۔ اور ۴۱ لاکھ کا سکھ دربار کا قرضدار تھا۔ فیروز پور کے خزانہ سے انگریزوں کو جو ۱۵ لاکھ روپے ملے۔ اس پر بھی گلاب سنگہ نے اپنا حق ثابت کر دیا کہ یہ روپے اس کے بھائی چیت سنگہ کی ملکیت تھی۔ تو شاید گلاب سنگہ نے انگریزوں کو کل کوئی ۱۹ لاکھ ادا کئے۔ لیکن اصلی بات ہی کچھ اور تھی۔ انگریزوں نے اگلے سو سال جو اس برصغیر پر حکومت کرنا تھی۔ تو گلاب سنگہ اور اس کے جانشین راجوں نے انگریز شہنشاہوں کو کشمیر کی وادیوں میں راحت پہنچانا تھی۔

خلاصہ اور اسباق یہ باب از خود خلاصوں کا خلاصہ ہے۔ چنانچہ گلاب سنگہ نے انگریزوں کے کہنے پر وہی کچھ کیا اور وہ کچھ حاصل کیا۔ جو کچھ ہمارے ذوالفقار بھٹو نے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۱ء تک کیا اور حاصل کیا۔ البتہ اب انگریزوں کی بجائے یہ کچھ اینگلو امریکن بلاک نے کروایا۔ انیسویں صدی میں انگریز قوم نے بڑے بڑے مدبر اور سیاستدان پیدا کئے۔ اور جو کچھ اس برصغیر میں ہوتا رہا اور ہو رہا ہے وہ انگریزوں کی بین الاقوامی بندر بانٹ کا کلیہ کے تحت ہوتا تھا اور ہوتا ہے۔ وہ

افغانستان میں ایسی حکومت چاہتے تھے، جس کا حکمران ان کے اشاروں پر چلے۔ صوبہ سرحد اور پنجاب کو افغانستان سے الگ کر کے وہاں، وہ خود براجمان ہونا چاہتے تھے۔ کہ سکھوں میں کوئی ایسی شخصیت نہ تھی، جو اس علاقہ پر قبضہ بھی رکھ سکے اور انگریزوں کے مفاد کو بھی پیش نظر رکھے۔ کشمیر اور گردونواح کو وہ ایک طرف سرحد اور پنجاب سے الگ کر کے اور دوسری طرف افغانستان سے الگ رکھ کر ایک الگ خطہ قرار دینا چاہتے تھے۔ جس کے غلامی سے لپے ہوئے لوگوں کو اپنے غلاموں کی غلامی میں دے کر، ہم پنجابیوں اور پٹھانوں کو وہ کرایہ کا سپاہی بنا کر یہ "باور" کرانا چاہتے تھے کہ تم کو کشمیریوں سے تو زیادہ باعزت طور پر رکھا جا رہا ہے۔ بہرحال ایسے مقاصد حاصل کرنے کیلئے گلاب سنگھ کے علاوہ سکھ دربار اور کابل کی حکومت میں ان کے کارندے گھسے ہوئے تھے۔ ہماری فوجی یونٹوں کی پرانی تاریخوں میں اس سلسلہ میں بہت کچھ ہے کیپٹن لمسڈن جس کا "بٹہ" مرتے وقت بھی جنرل ضیاء الحق کے گلے میں تھا، وسط ایشیا تک انگریزوں کے جاسوسوں کو "گائیڈ" کرتا تھا اور ہماری موجودہ گائیڈ پلٹن اور گائیڈز رسالہ اسی کے نام پر ہیں۔ دوسرے نکلسن کا بت ہماری شاہراہ اعظم پر کافی عرصہ نصب رہا۔ آگے قارئین اس سلسلہ میں بہت کچھ پڑھیں گے۔

حوالہ جات

(۱)۔ کشمیران سن لائیٹ اینڈ شیڈ۔ صفحہ ۹۶

چوتھا باب

ڈوگروں کا ظالمانہ دور

تاریخ کا بامقصد مطالعہ

وہی انگریز جنہوں نے چند لاکھ روپوں کے عوض کشمیر گلاب سنگھ کو بیچ دیا، تو ایک سو سال بعد جب اس برصغیر کو چھوڑنے لگے تو گلاب سنگھ کے پوتے ہری سنگھ کیلئے یہ راہ نکال گئے کہ وہ کشمیر کی قسمت بھارتی ہندوؤں کے ساتھ جموں۔ کٹھوعہ کے ایک "دھاگے" کے ساتھ باندھ سکتا ہے۔ اس لئے انگریز نہ صرف مسلم اکثریت آبادی والا ضلع گورداسپور بھارت کو دے گئے، بلکہ امرتسر اور فیروزپور ضلعوں کی دو دو تحصیلیں، جالندھر کے مسلمان اکثریت کے علاقے بھی بھارت کو دے گئے۔ ہماری جاہل قوم کبھی الزام ماونٹ بیٹن یا ریڈکلف کے سر تھوپتی ہے۔ اور یہ کبھی نہیں سوچا، کہ یہ سب فیصلے لندن میں ہوئے تھے۔ بلکہ آزادی کے بعد ہمارے انگریز "نوکروں" نے ہمارا نقصان ماؤنٹ بیٹن سے بھی زیادہ کیا۔ دراصل انگریز انیسویں صدی سے ہمارے بے کردار اور ابن الوقت لوگوں کی ایک "کھیپ" تیار کر رہے تے۔ اور ہم "کرایہ کے سپاہیوں" کی مدد سے وہ ان لوگوں کو ہم پر جاتے جاتے ہمارے حکمران کے طور پر مسلط کر گئے۔ جو آجتک مسلط ہیں۔ کبھی مسلم لیگ کی شکل میں۔ کبھی پیپلز پارٹی کے روپ میں اور کبھی مارشل لاء کے ڈنڈے کے طور پر۔ یہود اور ہنود جن کو ہم غلامی کے زمانے میں بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کو یہ انگریز اور اب اینگلو امریکن بلاک اتنا مضبوط کر چکے ہیں کہ یہ لوگ ہمیں مٹانے کو تیار ہیں۔ جس کو ہم "آزادی" کہتے ہیں۔ اس کے لئے ہم ستر ہزار نوجوان عورتیں کفار کے ہاتھوں میں چھوڑ آئے ہیں۔ جس پاکستان کا مطلب ہم لا۔ الہٰ الا اللہ کہتے ہیں۔ اس کے لئے جھوٹے نبی غلام کذاب جیسے لوگ پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ تو پاکستان بنانے کے بعد ہم اس کے مرکز کو لاہور لے آئے اور قائداعظم کی وفات کے پانچ دن بعد اس مرکز کو ربوہ میں لے آئے۔ ۱۹۷۱ء میں نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا کر اپنی لعنت سے

غازی کے لفظ کو مٹا چکے ہیں۔ اور ہمیں جو تاریخ پڑھائی جاتی ہے اس میں اس حجاج بن یوسف کو بڑا ظالم قرار دیا جاتا ہے جس نے دو مسلمان عورتوں کی عزت کیلئے کیا کچھ نہ کیا۔ اور اس انگریز کو بڑا تہذیب یافتہ قرار دیا جاتا ہے۔ جس نے کشمیر میں وہ کچھ کرایا جو آج تک ہو رہا ہے۔

انگریزی راج انگریز برصغیر ہند و پاکستان میں اٹھارویں صدی کے وسط سے بندر بانٹ کا کام کر رہے تھے۔ لیکن صوبہ سرحد اور پنجاب کے سپاہیانہ اوصاف یا لڑنے والے لوگوں کے علاقے میں شاید کسی مصلحت کیوجہ سے دیر سے آئے۔ کہ ہمیں سکھاشاہی کی افراتفری سے دوچار کرکے پھر چند "گھرانوں" کی مدد سے اپنا پروردہ بنانا تھا۔ اور جن کو لڑنے کا شوق تھا ان کو اپنے "کرایہ کے سپاہی" بنا کر دور دراز یورپ، مشرق وسطیٰ اور شرق الہند کی "سیر" کرانا تھی۔ لیکن کشمیر کے مسلمانوں نے چونکہ سکھاشاہی، پنجاب کے مقابلہ میں کم عرصہ کیلئے دیکھی تھی، تو ان کو بے جان کرنے کیلئے وہاں کسی غیر مسلم حکمران کو براجمان کرنا تھا کہ وہاں ہندو راج کی بنیاد بھی باندھنا تھی۔ باقی برصغیر میں تمام تجارت اور صنعت بھی ہندوؤں کے حوالے کرنا تھی۔ اور پنجاب کی زیادہ زرخیز زمینیں بھی سکھوں کو دینا تھی۔ اور زیادہ ریاستیں بھی سکھوں کو دینا تھیں۔ مسلمانوں کو صرف بہاولپور پر یعنی اس زمانے کے ریگستان اور چولستان پر ٹرخا دینا تھا۔ باقی سارا کام "گھرانوں" کی مدد سے کرنا تھا جس میں ٹوانے، نون، کھرڑ، دولتانے، لغاری، مزاری، اور سینکڑوں چھوٹے "گھرانے" شامل کر دیئے گئے۔ سولجرز آف فارچون تو ہم عرصہ سے بن چکے تھے۔ اب یہ کچھ کرنا باقی تھا کہ ہم مسلمان بھی نہ رہیں اور ہمارے ساتھ کیا کچھ نہ ہوا کہ انگریزوں کے ازلی دشمن ہم مسلمان ہیں۔ لیکن ڈوگرہ راج کے ظلم کی گھڑیوں کی ایک جھلک اس لئے دی جا رہی ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے ساتھ انگریزوں نے کرایا۔

گلاب سنگھ کو کشمیر پر مسلط کرنا چنانچہ انگریزوں نے کشمیر کو گلاب سنگھ کے ہاتھ نہ صرف بیچا۔ بلکہ اس کو وہاں مسلط بھی کرایا۔ اول معاہدہ میں کچھ تبدیلیاں کیں۔ کہ ضلع ہزارہ کو کشمیر سے نکلوا کر مندر، ڈاڈھی، کٹھوعہ اور پچیت گڑھ کے علاقے گلاب سنگھ کو دیئے۔ یہ اس وجہ سے کیا کہ سید احمد شہید کی تحریک کیوجہ سے ہزارہ میں مجاہدین کے اٹھ کھڑا ہونے کا ڈر تھا جن کا مقابلہ گلاب سنگھ نہ کر سکتا تھا۔ یہی چیز راولپنڈی کے نزدیک کہوٹہ کیلئے کی کہ اس کے

عوض کھیڑی اور منوروتوی کے علاقے گلاب سنگھ کو دیئے کہ وہاں کچھ ڈوگرہ آباد تھے۔ اس وقت سکھوں اور انگریزوں کے درمیان دوسری جنگ نہ ہوئی تھی اور سکھ درباری، اور کئی مسلمان جتھے، گلاب سنگھ کو سری نگر نہ پہنچنے دے رہے تھے کہ سکھوں کے سری نگر کے مسلمان گورنر نے کئی مقامات پر گلاب سنگھ کی فوجوں کو شکست دی اور وادی میں نہ داخل ہونے دیا۔ اب گورنر جنرل ہارڈنگ نے اپنے بیٹے، گلاب سنگھ کے دوست کرنل لارنس، ہماری گائیڈز یونٹوں کے بانی لمسڈن اور لفٹیننٹ ایڈورڈ، کو اس ڈیوٹی پر لگایا کہ وہ گلاب سنگھ کو ڈپلومیسی کے ذریعہ سے وادی کشمیر پر مسلط کریں۔

فتح خان ٹوانہ قارئین یہ کچھ پڑھ کر ضرور حیران ہوں گے، کہ اس لفٹیننٹ ایڈورڈ اور کرنل لارنس کا نمائندہ خصوصی موجودہ ضلع خوشاب کا ایک سردار فتح خان ٹوانہ تھا اور قانونی مشیر ایک ہندو وکیل پورن چند تھا۔ کہ وہ ان انگریزوں کے خطوط لے کر اکتوبر ۱۸۴۶ء میں سری نگر پہنچے اور وہاں کے مسلمان گورنر کو ڈرا دھمکا کر یا ڈپلومیسی سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ یہ فتح خان سکھ دربار کا نوکر تھا، جو لوگ معاہدہ امرتسر کے خلاف تھے۔ لیکن ان کو فتح خان یہ شہ دے رہا تھا کہ سکھ حکومت کو وہ بنوں کا ضلع فتح کر دے گا اور اس "ڈرامہ" میں وہ خود تو بنوں کے نزدیک مارا گیا۔ لیکن چونکہ وہ بنوں کی فتوحات سمیت سب کاروائیاں انگریزوں کے اشارے پر کر رہا تھا، تو ٹوانہ قبیلہ کو وہ پکے طور پر انگریزوں کے ساتھ وابستہ کر گیا۔

سکھوں کی دوسری جنگ انگریز اب جلدی میں تھے۔ ملتان کے مولراج سے خراج لینے کے بہانے کا جھگڑا بنانے کے بعد انگریزوں نے سکھ فوج پر بھرپور حملے شروع کر دیئے۔ لیکن چلیانوالے کے مقام پر سکھوں سے شکست فاش کھانے کے بعد، ان کو گجرات کی طرف پسپائی کرنا پڑی۔ کہ اب متعدد انگریز افسر سکھوں کی قید میں چلے گئے تھے۔ موجودہ سات پنجاب کے صوبیدار میجر پیر بخش نے دوسری افغان جنگ کے دوران ۱۸۷۸ء میں جلال آباد کے نزدیک ایک ایسے انگریز میجر جنرل کو پہچان لیا جو اس جنگ میں کیپٹن تھا۔ اور پیر بخش جو سکھوں کی فوج میں تھا۔ وہ جنرل اس کی قید میں رہا تھا۔ بہرحال سکھوں کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ پٹھانوں کی طرح

کوہستان نمک کے اعوانوں نے بھی سکھوں کی حکومت کو کبھی تسلیم نہ کیا تھا۔ جب ان کو خبر ملی کہ سکھ اور انگریز الجھے ہوئے ہیں تو موجودہ سون سیکسر، مڈھاڑ، ونہار، کہون اور جھنگڑ کے علاقوں سے اعوانوں کے بے ترتیب فوجی جتھے ٹلہ جوگیاں سے گزرتے اور مونگ رسول کے مقام سے دریائے جہلم کو پار کرکے عین اس وقت سکھ فوج کے عقب پر حملہ آور ہوگئے، جب سکھ فوج گجرات کے نزدیک، انگریزی فوج کو ملیامیٹ کرنے پر تیار ہو رہی تھی۔ تو سکھ فوج بے ترتیبی سے تتر بتر ہو گئی۔ انگریز یہ دیکھ کر حیران ہوگئے۔ اور انہوں نے اعوانوں کو کہا کہ وہ اپنے لیڈر کا نام بتائیں کہ وہ سارا کوہستان نمک اور دھن وپٹھوار کو ان کی ریاست بنا دیں گے۔ اعوان ایک لیڈر پر متفق نہ ہوئے بلکہ الٹا آپس میں لڑ کر خون خرابہ کا شکار ہوگئے۔ اور ویسے بھی انگریز کی پالیسی کے تحت شاہراہ اعظم کے نزدیک یا کوہستان نمک جیسے اہم فوجی اور تزویراتی اہمیت کے علاقہ میں کسی طاقتور قبیلہ کی کوئی سٹیٹ یا ریاست نہ ہو سکتی تھی۔ انگریزوں کی مدد کیلئے ٹوانے اور نون "تیار" تھے جنہوں نے اسٹیٹ (Estate) لے کر "چھوٹے" گلاب سنگھوں والا کردار ادا کیا۔ ۱۸۹۰ تک اعوانوں کی تو انہوں نے فوج میں بھرتی بھی بند کرادی تھی۔ لیکن بھوک سے مرتے وہ رسالوں میں ٹوانے بن کر اور پیدل فوج میں گکھڑ اور جنجوعہ بن کر بھرتی ہو جاتے تھے۔ کہ انگریز نے اس نوکری میں ایک "لبھ" پیدا کردی تھی۔

ڈوگرہ شاہی بہرحال ڈوگرہ شاہی کی طرف واپس مڑتے ہوئے گلاب سنگھ نے رشوت، دھوکا، ظلم اور ہر اوچھا ہتھیار استعمال کیا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے محسن، اور اس کی چبھ قوم کے بھمبر کے راجہ سلطان خان کو مہمان کے طور بلا کر اس کو اندھا کرکے جیل میں ڈال دیا۔ علاوہ ازیں گلاب سنگھ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی مدد کیلئے فوج بھیجی۔ معاہدہ امرتسر کے تحت یونجی اور اس کے شمال مغرب کے علاقے، گلاب سنگھ کی عملداری میں نہ شامل تھے۔ لیکن بعد میں کرنل ینگ (Young) اور ڈیورنڈ سمیت سب انگریزوں نے دریائے گلگت اور دریائے ہنزہ کو دریائے سندھ کے معاون [1] قرار دے کر گلگت ایجنسی کو بھی گلاب سنگھ کی ملکیت قرار دے دیا۔ لیکن اس زمانے میں یٰسین اور پنیال کے حکمران اور عظیم مجاہد گوہر۔ الرحمن نے اپنی زندگی میں ان علاقوں کو ڈوگروں کے قدموں سے ناپاک نہ ہونے دیا۔ سید۔

احمد شہید کے بالاکوٹ والے لشکر کے باقیات نے بھی داریل اور دیامیر کے دشوار گزار علاقوں میں اڈے بنالئے تھے اور وہ بھی ۱۸۶۶ء تک چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں ڈوگروں کے ساتھ لڑتے رہے۔ لیکن ۱۸۶۰ء میں گوہر رحمن کی وفات اور ۱۸۷۰ء میں چترال تک کے علاقوں کے انگریزوں کی عملداری میں چلے جانے کے بعد انگریزوں نے ڈوگروں کو پوری طرح سے شمالی علاقوں پر مسلط کردیا۔ علاوہ ازیں ۱۸۹۱ء میں کرنل ڈیورنڈ نے ہنزہ اور نگر پر بھی قبضہ کرلیا۔ اور ان کے حکمرانوں کو بھی ڈوگروں کے تابع کردیا۔ البتہ ۱۹۳۵ء میں انگریزوں نے ساری گلگت ایجنسی ۱۹۹۵ء تک، ڈوگرہ حکمرانوں سے لیز (پٹے) پر لے لی۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں یہ علاقے مہاراجہ کو واپس کردیئے۔ حالانکہ اصولاً اس لیز کی وارث حکومت پاکستان تھی اور ہے۔

ڈوگرہ حکمران دو سال بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑنے کے بعد ۱۸۵۹ء میں گلاب سنگھ مر گیا۔ اس کا بیٹا رن بیر سنگھ اس کا جانشین بنا، اور ۱۸۸۵ء تک حکمران رہا۔ اور اس کے بعد اس کا لڑکا پرتاب سنگھ حکمران بنا۔ کچھ خاندانی جھگڑوں اور کچھ زار روس سے گٹھ جوڑ کے "شوشوں" کی وجہ سے ۱۸۹۶ء میں انگریز شمالی علاقوں کو ایک الگ صوبہ بنانے کی تجویز پر کام کر رہے تھے۔ لیکن ہندو کانگرس جنم لے چکی تھی۔ انگریزوں کا دارالحکومت کلکتہ میں تھا۔ امرت بازار، پتھریکا، کانگرسی انگریزی اخبار نے آسمان کو اس طرح سر پر اٹھایا، جیسے ۱۹۰۵ء میں بنگال کی تقسیم کے وقت اٹھایا تھا۔ ہندوؤں اور انگریزوں میں ایک قدر مشترک تھی کہ وہ مسلمانوں کے دشمن تھے۔ کسی جگہ پر وہ مسلمانوں کا بھلا نہ چاہتے تھے۔ تو ہندوؤں کی ہر بات اور یہ بات بھی مانی گئی کہ سارے کشمیر کے مالک ڈوگرے ہیں۔ پرتاب سنگھ ۱۹۲۵ء میں مر گیا تو اس کی جگہ اس کا بھتیجا ہری سنگھ حکمران بنا جو کشمیر کا آخری مہاراجہ تھا۔

ڈوگروں کے عقائد گلاب سنگھ کے مرنے کے بعد اعلان ہوا کہ اس کی روح نے ایک شہد کی مکھی کی صورت میں جنم لیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اعلان ہوا کہ ایک مچھلی نے اس مکھی کو نگل لیا ہے۔ تو مچھلی کے شکار پر پابندی لگ گئی۔ اور مسلمانوں کیلئے ایک مصیبت بن گئی۔ پرتاب سنگھ جب مر رہا تھا۔ تو ایک طرف اس کو چارپائی کی بجائے، دھرتی ماتا پر لٹایا ہوا تھا تو دوسری طرف اس کے بازو کے ساتھ ایک دھاگا باندھ کر گئو ماتا کے گلے میں یہ دھاگا باندھا گیا۔

اور ان دقیانوسی رسموں میں مسلمانوں کو زبردستی شریک کرکے مسلمانوں کیلئے وہاں زندگی دوبھر کردی جاتی تھی۔

مسلمانوں کی ہجرت ؟ پاکستان میں جو ڈار، لون، یا بٹ خاندان ہیں یہ سب لوگ علامہ اقبال کے خاندان سمیت کشمیر سے ہجرت کرکے آئے ہوئے ہیں۔ مری اور کوہالہ کے درمیان اور مظفرآباد اور ایبٹ آباد کے درمیان جو کشمیری بازار ہیں، یہاں آکر غریب کشمیری مزدور ٹھہرتے تھے اور یہ ان کے ایک طرح کے ٹرانسٹ کیمپ تھے۔ کہ موجودہ پاکستان کے خطوں میں مزدوری کرکے جو کماتے تھے اگر وہ کچھ ساتھ لے کر کشمیر جاتے تو حکومت کے کارندے اس رقم سے حصہ مانگتے تھے۔ اس لئے یہ غریب ان جگہوں پر ٹھہر کر رات کے وقت چوری چھپے کسی جگہ سے دریا کو عبور کرتے تھے۔

ظلم کی گھڑیاں گلاب سنگھ نے مظفرآباد اور پونچھ میں بھی بے شمار ظلم کئے۔ ملی خان اور شیر علی کو گلاب سنگھ نے بڑی ظالمانہ سزائیں دیں۔ ان کی کھال اتار کر اس میں بھوسا بھر کر ان کو درختوں کے ساتھ لٹکادیا۔ اور بدن کے ٹکڑے کرکے ان کے گھروں کے سامنے پھینک دیئے اسی طرح سکردو کے گردونواح کے دو مجاہدین سردار رحیم خان اور حسین شاہ کے بدن کے ٹکڑے کاٹ کر اور اوپر جلتا تیل پھینک کر بڑی اذیتیں دے کر شہید کیا گیا۔ اس زمانے کا ایک امریکی جان نامی سیاح اپنی یادوں میں لکھتا ہے کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک آدمی جس نے گائے کو ذبح کیا تھا اس کو پھانسی دے کر اس کی لاش ایک درخت کے ساتھ لٹکا دی گئی۔ اور آگے کہتا ہے کہ ڈوگرہ فوج کے تین مسلمان سپاہیوں کو کوڑے مار مار کر ہلاک کردیا، کہ انہوں نے اپنے پیٹ کی بھوک مٹانے کیلئے ایک مرنے والی گائے کو ذبح کردیا تھا۔ پریم ناتھ بزاز اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ۱۸۷۷ء میں راجہ رن بیر سنگھ کی حکومت کے زمانے قحط پڑا۔ خوراک کی کمی سے جو مسلمان بھوک سے بے حال ہوجاتے، ان کو موت سے پہلے کشتیوں میں ڈال کر جھیل ولر میں ڈبو دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی آبادی کا دو تہائی حصہ اس قحط کی نذر ہوگیا اور یہ سب کچھ لکھ کر مسلمانوں نے کلکتہ میں انگریز گورنر جنرل کو دیا۔ لیکن کون مدد کرتا

بیگار بیگار کا لفظ آجکل عام نہیں۔ کشمیر کے دور دراز اور دشوار گزار علاقوں میں فوجوں کو حرکت کے وقت یا ڈوگرہ افسروں یا انگریز مہمانوں کے سفر کیلئے قلیوں کا کام غریب مسلمانوں سے مفت طور پر کرایا جاتا تھا اور سال میں تین چار ماہ ہر جوان مسلمان اس بیگار پر کام کرتا تھا۔ ایک انگریز پرس گروز اپنی ایک کتاب میں ایک دولھا کے بارے میں لکھتا ہے کہ دلہن کے گھر پہنچنے سے پہلے سب برات والے (دولھا سمیت) بیگار کیلئے پکڑے گئے۔ ایک اور انگریز ٹائن ڈیل بسکو کہتا ہے، کہ اس کے ایک نوکر نے اسے بتایا تھا، کہ اس کے دادا کو ایک ڈوگرہ حاکم نے ایک چینی اچھی نسل والے کتے کے بدلے تبدیل کردیا۔ بیگار سے بچنے کیلئے حکام کو رشوت بھی دینا پڑتی تھی۔ اور بیگار میں پکڑے جانے والوں کو اپنا ایک آدھ ماہ کا دانہ پانی۔ ایک آدھ کمبل بھی اٹھانا پڑتا تھا۔ ان کے کپڑے چیتھڑوں کی طرح ہوتے تھے۔ اور پاؤں میں جوتے کی بجائے چمڑے کے چیتھڑوں کو پاؤں پر باندھ لیا جاتا تھا۔ یا گھاس سے چپل بنا کر پاؤں میں پہنے جاتے تھے۔

پیداواری ٹیکس زمین کے مالک ڈوگرہ شاہی خاندان کے لوگ یا سرکار کے وفادار جاگیردار ہوتے تھے۔ جن کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ اور کسان کو پیداوار کا تیسرا حصہ ملتا تھا۔ لفٹیننٹ رابرٹ تھوآپ اپنی کتاب میں کسان کے اس تیسرے حصہ پر گندم، جو، چاول، دالوں اور سرگال پر جس مزید ٹیکس کا ذکر کرتا ہے۔ وہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مکئی اور خشک پھلوں پر اور زیادہ ٹیکس تھا۔ باربرداری کے جانوروں پر بھی ٹیکس تھا، ہر دودھ دینے والی گائے کے مالکان سال میں آدھ سیر گھی حکومت کو دیتے تھے۔ شہد پر بہت زیادہ ٹیکس تھا۔ گھریلو مرغیوں پر ٹیکس۔ حتیٰ کہ ہر گھر یا "دروازہ" پر "بوہا" ٹیکس۔ شالوں کے بنانے پر ٹیکس۔ شادی بیاہ پر ٹیکس۔ پیشہ ور عورتوں پر ٹیکس اور پیشہ کیلئے بیچی جانے والی لڑکی کو بیچتے وقت اس پر سو روپے ٹیکس اور پیشہ کی اجازت کیلئے مزید دو سو روپے لئے جاتے تھے۔

مسلمانوں کی حالت زار فوج میں مسلمانوں کی بھرتی برائے نام تھی۔ جنگ عظیم دوم سے تھوڑا پہلے چند یونٹوں میں مسلمانوں کو بھرتی کیا گیا جو ذکر آٹھویں باب میں ہے۔ ۷۷ فی صد مسلمانوں کی سرکاری نوکریوں میں ۱۹۳۱ء میں تعداد کی کچھ مثالیں یہ ہیں کہ محکمہ تعلیم میں

۲۲۰۱ ٹیچروں میں ۱۱۷ مسلمان تھے۔ مڈل سکول کے ۴۹ ہیڈ ماسٹروں میں تین مسلمان تھے، اور ریاست کے پندرہ ہائی سکولوں میں صرف ایک کا ہیڈ ماسٹر مسلمان تھا۔ پی ڈبلیو ڈی کے ۲۳۷ ملازمین میں صرف ۵۴ مسلمان تھے۔ میرپور کا ضلع جہاں مسلمانوں کی آبادی اسی فی صد تھی وہاں ۱۹۲ پٹواریوں میں صرف ۳۱ مسلمان تھے۔ یہ ایک جھلک ہے، کہ تمام محکموں کے یہ حالات تھے۔

خلاصہ اور اسباق جو کچھ ڈوگرہ کر رہے تھے یہ سب کچھ انگریزوں کی مرضی سے ہو رہا تھا۔ اور ان کے "دانشور" ہمیں "باخبر" رکھنے کیلئے کتابیں بھی لکھ جاتے ہیں۔ لیکن ان سے کوئی نہیں پوچھتا۔ انگریز ڈوگروں کو ایسا کرنے کی اجازت کیوں دیتے تھے۔ ۱۸۴۹ء میں اس گلاب سنگھ کو دوست محمد والئے کابل سے ذرا خطرہ پیدا ہوا تو گورنر جنرل کے سیکرٹری کا ۱۹ جنوری ۱۸۴۹ء کا خط اس سلسلہ میں بڑا اہم ہے کہ گلاب سنگھ کو کہا گیا کہ جب تک وہ انگریزوں کا وفادار ہے۔ ہزار دوست محمد اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اور دوست محمد کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس بات میں دخل دے کہ گلاب سنگھ اپنی رعیت کے ساتھ کیسا برتاؤ کر رہا ہے۔ اور موجودہ پاکستان میں انگریزوں کے پروردے کہہ رہے تھے کہ ہمارے حکمران انگریز کتنے اچھے ہیں کہ گورنمنٹ انگلینڈ خدا کی رحمت اور برکت ہے اور ملکہ وکٹوریہ کے سر پر خدا کا ہاتھ ہے۔ ضمیمہ "ب" میں اس سلسلہ میں غلام کذاب قادیانی اور سرسید احمد کی زبان سے کچھ باتوں کی جھلکیاں ہیں۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

حوالہ جات

(۱) ۔ بھارتی حکومت کے لحاظ سے سوات، دیر اور چترال ریاستوں کے کچھ دریا بھی سندھ کے معاون ہیں۔ اور یہ ریاستیں بھی کشمیر کا حصہ ہے اور کابل، ٹوچی یا گومل کے دریاؤں کو بھی کبھی دریائے سندھ کے "معاونوں" میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

پانچواں باب

برصغیر کی بیسویں صدی کی سیاسی بیداری

تعلیم اور قانون کس طرح ہمیں فرنگی سیاست میں جکڑ دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے مرحلہ میں لارڈ میکالے کے بنائے ہوئے تعلیمی اور قانونی نظام پر کچھ تبصرہ ضروری ہے۔ آج تک اس پہلو پر کوئی بامقصد کتاب نہ لکھی گئی۔ علامہ اقبالؒ نے کچھ اشارے ضرور کئے کہ شاہین بچوں کو خاکبازی کا سبق دیا جارہا ہے یا گلہ تو مدرسے والوں نے گھونٹ دیا۔ یا کالج میں بیٹھ کر ڈینگ مار اڑا اکبر اللہ آبادی نے البتہ زیادہ بہتر تجزیہ کیا، کہ "بچوں کے قتل سے یوں بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی"۔ لیکن انہوں نے عدلیہ اور وکالت یا قانون کا تو صحیح طور پر تیا پانچہ کر دیا کہ کہا" پیدا ہوئے جو وکیل تو ابلیس نے کہا کہ وہ صاحب اولاد ہو گیا" وغیرہ لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ اسلامی درس یا تعلیمی ادارے بھی اسلامی فلسفہ حیات یا مومن کی زندگی کے مقاصد کے سلسلہ میں کوئی خدمت نہ کر رہے تھے۔ اور رسول عربیؐ کے اسلام پر پردے تو بنوامیہ اور بنوعباس کے زمانے سے پڑنے شروع ہو گئے تھے، اور علم مغازی جو اسلام کا اوڑھنا بچھونا تھا، وہ ہمارے درسوں سے کب کا مفقود ہو چکا ہے۔ اور نظریہ جہاد پر بھی مکمل پردے پڑے ہوئے ہیں اس لئے اس عاجز نے اس کتاب سے پہلے "حضور پاک کا جلال و جمال" "تاشقند کے اصلی راز" اور "پنڈورا باکس" تین کتابیں اس وجہ سے لکھیں کہ اول ہم رسول عربیؐ کے اسلام کو سمجھیں۔ پھر اپنی کوتاہیوں اور سازشوں کے پہلوؤں کو سمجھیں کہ ہماری یہ حالت زار کیوں ہے۔

مسلمان دانشور اس زمانے میں باقی جہاں دنیا یا باطل فلسفے والے جب بڑے بڑے دانشور پیدا کر رہے ہیں۔ جن میں کارل مارکس، برٹنڈرسل سے لے کر پروفیسر آرنلڈ اور لارڈ میکالے تک ایسے لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے سیدھے اور بالواسطہ دونوں طریقوں سے اسلام کا بڑا نقصان کیا۔ اور اسلامی نظریات کا دفاع کرنے والے اس سلسلہ میں انگلیوں پر گنے

جاسکتے ہیں ۔ اور انیسویں اور اس صدی میں صرف جمال الدین افغانیؒ ، علامہ اقبالؒ اور سید۔
قطبؒ شہید کے تین نام لئے جاسکتے ہیں ۔ ویسے کافی عرصہ سے مسلمان درسوں سے " دور کعت
کے امام " ہی تیار کئے جارہے ہیں ۔ اس برصغیر میں ہمارے رہنماؤں میں مولوی ابوالکلام آزاد،
اتنا جاہل تھا کہ کلام جس میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ شامل ہیں ان کا باپ بن کر شیطان
کی طرح آزاد ہو گیا ۔ اور امام الہند یعنی ہندوؤں کا امام بن گیا ۔ مولوی حسین احمد مدنی نے
اسلامی قومیت کے نظریہ کو ہی رد کردیا اور کہا کہ اوطان سے قومیں بنتی ہیں ۔ صرف علی برادران
اور ان میں بھی خاص کر مولانا محمد علی میں مومن کی کچھ فراست تھی اور جب جناب احمد رضا۔
بریلویؒ نے ان کو مسلم قومیت کا مسئلہ سمجھایا ۔ تو ان کو انگریزوں اور ہندو کانگرس کی سازش
سمجھ آگئی ۔ مولانا ظفر علی جیسے اچھے لوگ بھی تھے ، جنہوں نے ہمارے بیچ جذبہ پیدا کیا ، عطاء اللہ۔
شاہ بخاری نے خطابت کی راہ نکالی ۔ چودھری افضل حق اور مولانا گلشیر نے اسلامی روایات زندہ
کرنے کی طرف قوم کو راغب کیا ۔ اور بہتر کوشش علامہ عنایت اللہ مشرقی کی ہے جنہوں نے
اسلام کی عسکریت کو زندہ کرنے کی کوشش کی ۔ علاوہ ازیں ہمارے بیچ مولانا حسرت موہانی
جیسے عاشق رسولؐ بھی موجود تھے یا مولانا اشرف علی تھانوی یا اوسط ذہن رکھنے والے مولانا شبیر۔
احمد عثمانی نے اسلامی قومیت کے سلسلہ میں خدمات ضرور انجام دیں ۔ لیکن ان کاوشوں کی سطح
بہت نیچی تھی ۔ اور ہم لوگ پوری سازش کو نہ سمجھ سکے ۔ اور یہ جو کچھ یعنی لنگڑا لولا پاکستان
حاصل کرلیا ، یہ تو دراصل انگریزوں اور بعد میں اینگلو امریکن بلاک کی ضرورت بھی تھی ۔ اور
ہماری طرف سے سہرا ۔ لارڈ میکالے کے تعلیم یافتہ اور قانون دانوں علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ
کو ضرور بندھتا ہے ، کہ دونوں میں مومن کی فراست تھی اور انہوں نے حالات کا صحیح فائدہ اٹھایا
البتہ ان کا ایک " مقام " تھا ۔ لیکن بدقسمتی سے غلو کرکے ہم ان دونوں صاحبان کو بھی اتنا اوپر
لے جاتے ہیں کہ ان کو حضور پاکؐ کی نبوت میں شرکت دینے سے بھی گریز نہیں کرتے ۔ بلکہ
بیچ میں وحی اور جنت و دوزخ کو استعارے قرار دینے والے سرسید کو بھی لے آتے ہیں اور
حضور پاکؐ کی جگہ اس کو دو قومی نظریہ کا بانی بنا دیتے ہیں (نعوذباللہ) ۔ اور ان سب لوگوں سے
رہنمائی حاصل کرتے وقت ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ رہبر و رہنما مصطفیٰ مصطفیٰ ۔ قارئین دین

مکمل ہو چکا ہے ۔ ہمارے لئے سب رہنمائی قرآن پاک اور سنت میں ہے ۔ یہاں ایک ہی مثال
کافی ہے ۔ کہ ہمارے سیاستدان اور " دانشور " یہ کچھ اکثر کہتے ہیں کہ فلاں سلسلہ میں رہنمائی
قائداعظمؒ یا علامہ اقبالؒ کے تصورات سے لیں گے ۔ جب سب تصورات کیلئے رہنمائی قرآن
پاک اور سنت میں موجود ہے ۔ تو ایسا کہنے کی کیا ضرورت ہے ۔ گو مضمون کافی لمبا ہے ۔ کہ
قائداعظمؒ نے تو کبھی کوئی تصور پیش ہی نہ کیا ۔ اور علامہ اقبالؒ قرآن پاک اور سنت کے تحت
تصور پیش کرتے تھے ۔ جس کو پرکھنے کا ہمیں حق ہے ۔ اور اس سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے ۔
تو کیوں ایسی الجھنوں میں پڑیں جب قرآن پاک میں ہمارے لیے ساری رہنمائی موجود ہے ۔

لارڈ میکالے کی تعلیم اور قانون

(1) غیر اسلامی مغل اور اودھ کی تہذیبوں نے پہلے
ہی طاؤس و رباب کو شمشیر و سنان سے اوپر درجہ دے دیا تھا ۔ اور " آداب محفل " بازار حسن میں
سیکھے جارہے تھے ۔ اس کے بعد مرزا غالب قسم کے شاعروں نے مسلمان کے روپ میں اس غیر
اسلامی تہذیب کا ماتم اور نوحہ خوانی ان الفاظ میں کی ، کہ جیسے کسی بڑی اسلامی تہذیب کو زوال
آگیا تھا تو ساری قوم " حیراں ہوں کہ روؤں کے پیٹوں جگر کو میں " کے چکر میں پڑ گئی تو " دوست
بے چارے کیسے " غمخواری " ، کرتے ۔ بس جو کچھ باقی رہ گیا ، اس کو لارڈ میکالے کی تعلیم نے ختم
کردیا ۔ کہ یہ تعلیم انگریزوں کے لئے نوکر بابو ۔ وکیل یا زیادہ سے زیادہ ڈاکٹر پیدا کرسکتی تھی ۔
لارڈ میکالے کا غلام اعظم سرسید ۱۸۹۰ء میں اپنے ایک خط میں خود تسلیم کرتا ہے کہ مغربی تعلیم
بے کردار لوگ پیدا کررہی ہے ۔ فتاویٰ عالمگیری کے ذریعہ سے بہادر شاہ ظفر کے زمانے تک
اسلامی قانون تو رائج تھا ۔ لیکن اس کیلئے اسلامی تنظیم کوئی نہ تھی اور اسلامی قانون صرف منظم
قوم پر چل سکتا ہے ۔ لارڈ میکالے جو ہمیں کافرانہ قانون یا عدلیہ کے ادارے دے گیا ہے ۔ ان
سے اب بھی چھٹکارا نہیں کہ ہمارا سپریم کورٹ یہ تسلیم کرچکا ہے کہ لیاقت علی کی قرارداد
مقاصد ۱۹۴۹ء کو اگر ۱۹۷۳ء کے آئین کا " سرخیل " مان لیا جائے تو ۱۹۷۳ء کا آئین ختم ہو جاتا ہے ۔
اس سے قرارداد مقاصد کو صرف اسلام کے " تڑکے " کے طور پر استعمال کیا جائے ۔ چیف جسٹس
نسیم حسن شاہ نے ۱۹۹۳ء کے شروع میں یہ اعلان بھی کردیا کہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہ عدالتیں بڑی ہیں
اور اگر خدا بھی آکر کوئی سفارش کرے تو وہ نہ مانے گا ۔ اسی سال یعنی ۱۹۹۳ء میں سپریم کورٹ

کے ایک اور جج شفیع الرحمن کو بڑی تکلیف ہوئی کہ راقم کو ایک مذہبی سکالر کے طور پر
قادیانیوں کے خلاف بیان دینے کی اجازت دینا غلطی تھی کہ اس سے ایک آگ بھڑک اٹھی ۔ یہ
کام وکیلوں تک محدود رہنا چاہیئے تھا، چنانچہ اگر ہر معاملہ کو اس کے نتائج اور نتائج کے اثرات
سے پرکھا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ ہماری ان بے غیرتی اور ذلالت کی زندگیوں میں یہ تعلیم اور
یہ قانون ایک اہم کردار ادا کر رہے ہیں ۔

سیاسی پارٹیاں چنانچہ ایسی تعلیم جو مسلمانوں کے عقائد کے ہی خلاف تھی اور ایسا
قانون جس میں سب مذہب والوں یا گدھے اور گھوڑے ہانکنے کیلئے ایک قسم کی لاٹھی استعمال
ہو رہی تھی تو اس قانون کے تحت ایک انگریز نے انیسویں صدی کے آخر میں کانگرس کی بنیاد ڈالی، جس
میں متحدہ قومیت اول شرط تھی کہ ہم سب اول انڈین اور بعد میں کچھ اور ہیں ۔ ہندوؤں کو یہ
تعلیم، یہ قانون اور ایسی سیاسی پارٹی بڑی راس آئی، کہ ان کے اپنے طور طریقے اور عقائد اب
افسانوی شکل اختیار کر گئے تھے ۔ اور ہندوازم ویسے کوئی مذہب تو ہے نہیں ۔ مختلف عقائدی
گروہوں اور دھرتی ماتا کی پوجا کرنے والوں کی معاشرتی ضرورتوں کے تحت منوسمرتی نے لوگوں
کیلئے زندگی گزارنے کے کچھ طریق وکار اور قواعد بنا دیئے ۔ ایک اللہ کی بجائے اللہ کے کئی شریک
دیوی ۔ دیوتا ہیں ۔ کوئی رام کی پوجا کرتا ہے اور کوئی کرشن کی اور کوئی اندر کی اور کوئی کالی
دیوی کی ۔ انیسویں صدی کے وسط تک خاوند کے مرنے پر عورت کو بھی ساتھ جلا دیا جاتا تھا ۔
اور ۱۸۴۴ء میں دھیان سنگھ ڈوگرہ جس کا ذکر تیسرے اور چوتھے ابواب میں ہے ۔ اس کی دو
رانیوں کو اس "ستی" کی رسم میں شامل کیا گیا ۔

مسلم لیگ اور مسلمانوں کی پارٹیاں ان حالات میں انگریزوں کی شہ پر بیسویں
صدی کے شروع میں مسلمان نوابوں اور انگریزوں کے پروردوں نے جن میں سر آغاخان، سر عمر
حیات ٹوانہ، اور نواب سلیم اللہ آف ڈھاکہ وغیرہ شامل تھے، نے مسلم لیگ کی بنیاد رکھی، جو
کافرانہ سیاسی نظام کے تحت بنائی گئی ۔ لیکن اس تنظیم کے سر پہ کچھ سہرے ضرور بندھے ۔ مسلم
قومیت کا پرچار ۔ مسلمانوں کیلئے جداگانہ انتخابات ۔ اور لنگڑے لولے پاکستان کا حصول ۔ اس
تحریک کے ہراول میں وہ مسلمان تھے جو اب موجودہ بھارت کے صوبوں میں اقلیت کے طور پر
پس رہتے ہیں ۔ ویسے سب مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے آ گئے اور جمعیت العلماء ہند

(کانگرس کی ذیلی جماعت) ۔ احرار و خاکسار وغیرہ ہم مسلمان آگے کئی گروہوں میں بٹ گئے تھے
کچھ کانگرس کے ہمنوا رہے اور کچھ خضر حیات ٹوانہ کی قسم کے لوگ انگریزوں کو ہی ہمارا حکمران
رکھنا چاہتے تھے ۔ بہرحال جو کچھ ہو رہا تھا وہ ایک باطل سیاسی نظام کی آئینی ضرورت کے تحت ہو
رہا تھا ۔ کہ ہمارے انگریز حکمران کسی اور طریقے کی اجازت نہ دیتے تھے ۔

بیسوی صدی اور امت مسلمہ کی حالت زار بیسویں صدی کے شروع سے
بلقان جنگ کے ذریعہ واضح ہو گیا تھا، کہ اہل یورپ سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنا چاہتے
ہیں ۔ یہ تو ہمیں بعد میں پتہ چلا، کہ یہ لوگ مسلمانوں کے مرکز اور خلافت کو ختم کرکے ترکی
میں بے دین لوگوں کو حکومت پر براجمان کرنا چاہتے تھے ۔ خلیفہ کے خلاف "ینگ ترک" کی
تحریک انگریزوں اور یہودیوں نے شروع کرائی اور گو شروع میں غازی انور پاشا جیسے لوگ بھی
اس تحریک میں شامل ہو گئے، لیکن بعد میں ایسے مجاہدین کو سازش کی بو آ گئی ۔ اور ان لوگوں
نے خلیفہ کے ساتھ مل کر انگریزوں کے دشمن جرمن قوم کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کر دیا ۔
لیکن سازش بہت گہری تھی ۔ یہودی اور انگریز ایک بے دین مصطفےٰ کمال کو تیار کر رہے تھے اور
گیلی پولی کے علاقے میں جنگ کا ڈرامہ کرکے، انگریز وہاں سے "فرار" اختیار کر کے چلے گئے ۔ اور
مصطفےٰ کمال کو ترکوں کا اس محاذ کا "ہیرو" بنانے میں کامیاب ہو گئے ۔ پہلی جنگ عظیم میں
جرمنی اور ترکی کی حکومتوں کی شکست کے بعد ۔ ان انگریزوں اور فرانسیسیوں نے ایک طرف
اس بے دین کمال ترکی سے مسلمانوں کی خلافت کو ختم کرا دیا، تو دوسری طرف عرب نیشنلزم
کی بنیاد ڈال کر عربوں کو جفاکان ترکوں سے "چھٹکارا" دلانے کیلئے ان لوگوں نے پہلے عراق،
شام، فلسطین اور اردن پر قبضہ کر لیا اور وہاں فلسطین میں اعلان بالفور کے تحت یہودیوں کے
خبیثہ شجرہ کی پیوند کاری کی ۔ سعودی عرب میں شریف حسین کی اولاد اور موجودہ سعودی
حکومت کے آبا و اجداد میں خانہ جنگی شروع کرا دی ۔ مصر پہلے ہی انگریزوں کے ماتحت تھا ۔ لیبیا،
اطالیہ کو دے دیا ۔ اور باقی شمالی افریقہ پر فرانس قابض ہو گیا تھا ۔ لیکن مصطفےٰ کمال کے معاملہ
میں جو سارے عالم اسلام کو بے وقوف بنایا گیا ۔ کہ وہ جدید ترکی کا بانی ہے ۔ اور گو اس نے
اسلام اور عربی کو ملک سے دیس نکالا دے دیا ۔ اذانیں بند ہو گئیں ۔ عورتوں کو سکرٹیں پہنا کر
سر سے ننگا کر دیا اور کیا کچھ نہ کیا ۔ لیکن ہم میں سے اکثر لوگ آج بھی اس کو ماڈرن اسلام کا بانی

کہتے ہیں اور ترکوں کا باپ ۔ اور یہی کچھ انگریز ہمارے ساتھ اس خطہ میں کرنا چاہتے تھے ۔ اول کوشش یہ تھی کہ غلام کذاب ۔ یا سرسید کو اس خطہ میں ماڈرن اسلام کا بانی بنادیں ۔ اس میں کامیابی نہ ہوئی تو لیاقت علی کے ذریعہ سے مردہ قائداعظم (۲) کو ہماری قوم کا "باپ" بنادیا اور ہم قائد کو حضور پاکؐ کی نبوت میں شرکت دینے سے بھی گریز نہیں کرتے

برصغیر میں آزادی کی لہر خلافت کے خاتمہ کو برصغیر ہندوپاکستان کے مسلمانوں نے سخت ناپسند کیا ۔ اور انہوں نے ۱۹۲۴ء میں تحریک خلافت شروع کردی ۔ ہندو لیڈر شپ نے اس تحریک سے خوب فائدہ اٹھایا، اور وہ اس میں "شامل" ہوگئے کہ ان کا لیڈر کرم چند گاندھی "مولانا گاندھی" بن گیا ۔ ادھر امرتسر کے مقام پر جلیانوالہ باغ میں جنرل ڈائر کی اندھا دھند فائرنگ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو کچھ متحد کردیا ۔ اور انگریزوں نے ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن بھیجا تو اس کے خلاف جگہ بجگہ کالے جھنڈے لہرائے گئے ۔ چنانچہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے ۱۹۲۹ء میں لاہور کے مقام پر دریائے راوی کے کنارے اکٹھے طور پر آزادی ہند کا مطالبہ کردیا ۔ نتیجتاً ۳۲-۱۹۳۱ء میں لندن میں انگریزوں نے دور اونڈ ٹیبل کانفرنسیں بلائیں ۔ جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیڈر مدعو تھے ۔ لیکن مسلمان متحد نہ تھے ۔ وہ کچھ حاصل نہ کرسکے ۔ ۱۹۳۵ء کے قانون یا آئین میں انگریزی "تحفہ" میں صوبائی ضرورتوں کیلئے جو نئے طریق کار وضع کئے گئے ۔ یا جب ان پر عمل شروع ہوا تو مسلمانوں پر واضح ہوا، کہ وہ متحدہ ہندوستان میں دوسرے درجہ کے شہری ہوں گے اور انگریزوں کے چلے جانے کے بعد آزاد ہند میں وہ ہندوؤں کے غلام بن جائیں گے ۔ تو تب ۱۹۴۰ء میں لاہور میں اکثریت والے مسلمان صوبوں کو الگ ملک بنانے کی ریزولیوشن پاس کی جس کو آجکل ہم پاکستان ریزولیوشن کہتے ہیں اور علامہ اقبال ۱۹۳۰ء میں یہ تصور پیش کرچکے تھے لیکن ریاستی علاقوں کے بہت کم لوگ سیاست میں حصہ لیتے تھے اور یہ کتاب چونکہ کشمیر کی کہانی ہے تو ہم مختصر طور پر جموں و کشمیر کے لوگوں کی سیاسی بیداری کی کچھ جھلکیاں بھی دیں گے ۔

ریاست کشمیر کے مسلمان رہنما ریاست جموں و کشمیر کے مسلمان رہنماؤں میں چودھری غلام عباس (تاریخ پیدائش ۱۹۰۴ء) نے لاہور کے ایک کالج سے ۱۹۲۶ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی اور شیخ عبداللہ (تاریخ پیدائش ۱۹۰۵ء) نے ۱۹۳۰ء میں علی گڑھ کے مقام پر ایم

ایس سی کیا ۔ ان صاحبان کو تعلیم لاہور کی آل انڈیا کشمیر مسلم ایجوکیشن والوں نے دلوائی کہ ان میں کافی لوگ کشمیر کے مہاجرین سے تعلق رکھتے تھے جن کا ذکر چوتھے باب میں ہوچکا ہے ۔ کشمیر کے باقی رہنماؤں میں مذہبی سکالر جناب میرواعظ یوسف شاہ ۔ اور مسٹر ہمدانی یا خواجہ حسن نقشبندی وغیرہ تھے ۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں انگریز وائسرائے کشمیر آیا ۔ تو میرواعظ سمیت سات مسلمان شرفانے وائسرائے کے سامنے ریشم کے کارخانے کے مسلمان مزدوروں کو شہید کرنے اور ان پر ڈوگروں کے ظلم کی تفصیل لکھ کر دی ۔ تو مہاراجہ پرتاب سنگھ نے وائسرائے کو کہا کہ وہ کمیشن مقرر کرکے انصاف کرے گا ۔ لیکن وائسرائے کے چلے جانے کے بعد میرواعظ اور مسٹر ہمدانی سے تمام سرکاری مراعات واپس لے لیں ۔ خواجہ سعدالدین کو ریاست بدر کیا گیا ۔ اور خواجہ حسن نقش بندی کے بیٹے نورشاہ کو جو ڈپٹی کمشنر تھا ۔ اس کی تنزلی کے احکام دے دیئے گئے ۔ اور مسلمانوں پر اور زیادہ ظلم ڈھانے شروع کردیئے گئے ۔ ریاست کے عیسائی بنگالی وزیراعظم بینرجی نے پرانے مہاراجہ اور ۱۹۲۵ء کے بعد نئے مہاراجہ ہری سنگھ کو بہت سمجھایا کہ یہ ظلم بند کیا جائے ۔ جب اس کی کوئی بات نہ مانی گئی تو ۱۹۲۹ء میں اس نے استعفیٰ دے دیا اور لاہور سے گزرتے وقت سب ظلموں کی داستان اخباروں کو بتائی ۔ لیکن ایسی باتیں صرف مسلمانوں کی اخباروں میں شائع ہوئیں ۔ کانگرس کے اخباروں "ملاپ" اور "پرتاپ" میں ایک لفظ بھی نہ شائع ہوا ۔

مصیبتیں اور ان کا ازالہ اپریل ۱۹۳۱ء میں جموں کے ایک امام مسجد کو بغیر وجہ کے ڈوگرہ پولیس نے پیٹا ۔ جون ۱۹۳۱ء میں ایک سپاہی لبھورام نے قرآن پاک کی بے حرمتی کی ۔ ریاست میں ایک مسجد کو شہید کیا گیا ۔ کوٹلی اور دیگوار میں مسلمان نمازیوں کو تنگ کیا گیا ۔ تو ان ظلموں کی داستانیں لاہور کے مسلمان اخباروں میں شائع ہونے لگیں ۔ تو جموں میں اللہ رکھا ساغر اور چودھری غلام عباس نے ینگ مین ایسوسیشن بنا کر اور سری نگر میں شیخ عبداللہ نے ریڈنگ روم پارٹی بنا کر، صوبہ پنجاب کی اخباروں کو پڑھنے کا راستہ نکالا ۔ اور مسلمانوں کو کچھ متحد کرنے کی راہ نکالی چنانچہ عبداللہ جو سکول ماسٹر تھا اس کو ریاستی وزیراعظم ویک فیلڈ نے دور دراز علاقوں میں تبدیل کردیا تو میرواعظ نے شیخ عبداللہ کی مدد کی ٹھان لی ۔ اور مسلمانوں کے اجتماع شروع ہوگئے کہ ۲۱ جون ۱۹۳۱ء کو جناب شاہ ہمدانؒ کے مزار پر جو اجتماع ہوا، تو وہاں

ریاست رام پور کے ایک عبدالقدیر پٹھان [۳] نے ایک ایسی تقریر کر کے سب سامعین کو رلا دیا کہ مسلمان اپنا بھولا ہوا مقام جانیں اور مہاراجہ کے خلاف جہاد کریں۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء میرواعظ یوسف اور شیخ عبداللہ وغیرہ تو پہلے ہی جیل میں قید تھے۔ عبدالقدیر کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور ۱۳ جولائی کو اس کی پیشی تھی۔ کہ مشہور ہو گیا کہ عبدالقدیر کو پھانسی کی سزا دی جائے گی۔ بے شمار لوگ تماشائی کے طور پر اکٹھے ہو گئے۔ جن کو ڈوگرہ پولیس نے گالیاں نکال کر تتر بتر کرنے کی کوشش کی، تو مسلمانوں نے اپنی چھاتیاں ننگی کر دیں۔ اور ڈوگروں نے بغیر سوچے سمجھے ان مسلمانوں پر فائر کر کے متعدد نہتے مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ کہ ساری ریاست میں کہرام مچ گیا۔ جموں سے چودھری غلام عباس نے سری نگر پہنچ کر مہاراجہ کو سمجھایا۔ اور پورے برصغیر ہند و پاکستان کے مسلمان چونک اٹھے۔ تو مہاراجہ نے انگریز وزیراعظم کو تبدیل کر کے ہری چند کول ایک بڑے کایاں اور چالاک کشمیری پنڈت کو وزیراعظم بنا دیا۔ جو مشہور ہندو فلاسفر چانکیا [۴] کا پیروکار تھا۔ کہ اس نے برصغیر کے مسلمانوں کی طرف سے کشمیر کے مسلمانوں کو کوئی مدد نہ پہنچنے دی۔

ہماری کوتاہی ہم نے مسلمانوں کی مدد کیلئے جو کمیٹی بنائی اس میں علامہ اقبال، سر فضل حسین، نواب ذوالفقار علی آف مالیر کوٹلہ، خواجہ حسن نظامی، سید محسن شاہ، اور سید حبیب جیسے چوٹی کے مسلمان لیڈر شامل تھے لیکن اس کا سربراہ مرزا غلام کذاب کے بیٹے بشیر الدین کو بنا دیا۔ حالانکہ کلکتہ میں عبدالرحمن صدیقی، بمبئی میں مولانا شوکت علی، کراچی میں سیٹھ عبداللہ ہارون یوپی میں مولانا حسرت موہانی اور سر ضیاء الدین احمد اور لاہور میں مولانا ظفر علی اور مولانا داؤد غزنوی نے جلسے کر کے پورے برصغیر کے مسلمانوں کو کشمیری مسلمانوں کی مدد کیلئے متحد کر دیا تھا۔ لیکن پنڈت کول نے میرواعظ کے کان میں سرگوشی کی کہ شیخ عبداللہ قادیانی [۵] ہے اور چودھری غلام عباس کا ایک ماموں ویسے بھی قادیانی تھا۔ تو پنڈت کول نے میرواعظ کو ڈرا دیا کہ بشیر احمد اب ریاست میں قادیانزم پھیلا دے گا۔ ساتھ ہی اس نے ضلع جہلم کے جلال پور کے گدی نشین خاندان کے مہر شاہ سے کچھ مدد لے کر میرواعظ کو "رام" کر لیا۔ مسٹر سہروردی اپنی کتاب [۶] میں کہتا ہے کہ سادگی کیوجہ سے نہ کہ بددیانتی کیوجہ سے میرواعظ نے مہاراجہ سے

خلعت بھی وصول کر لی اور چھ سو روپے ماہوار وظیفہ بھی لینا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ہندو کانگرس کے سر تیج بہادر سپرو اور کانگرسی مولوی ابوالکلام آزاد نے مسلمانوں کو تسلی دی کہ مہاراجہ کشمیر اب ٹھیک کام کرے گا۔ اور وہ تحریک ختم کر دیں۔ شرفا۔ تو اب "رام" کر لئے گئے کہ ہندواڑہ کے ایک اجتماع میں وہاں کے صوفی محمد اکبر (بعد میں بھارت کا پروردہ بن گیا اور لوک سبھا کا ممبر) نے تعارف کے طور پر کہا کہ اب شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ سے خطاب کی گزارش ہے۔ تو لوگ پکار اٹھے "صلی اللہ علیہ وسلم" [۷] ۔ نعوذ باللہ۔ شاید ایسی کوتاہیوں کی وجہ سے ہندواڑہ کے لوگوں کو اب تک سزا مل رہی ہے۔ اور شیخ عبداللہ کی قبر پر اب پیشاب پھینکا جاتا ہے۔

حالت مارشل لاء۔ اور۔ مجلس احرار میدان عمل میں بہر حال کشمیر میں عوامی تحریک ختم نہ ہوئی۔ بے شمار ظلم ہوئے۔ لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ اسلام آباد اور شوپیاں میں مسلمانوں کے جلوس پر ڈوگرہ پولیس نے فائر کر کے کئی مجاہدوں کو شہید کیا۔ عبدالقدیر پٹھان اپنی قید پوری کر چکا تھا۔ اس کو کشمیر سے نکال دیا گیا۔ میرپور کے لوگوں سے زبردستی ان کے گھروں کا سامان لے کر ہندو ساہوکاروں کے سود کے عوض دیا جانے لگا۔ خبروں کی اشاعت پر مکمل سنسر تھا۔ تو پنجاب سے مجلس احرار میدان عمل میں آ گئی۔ کہ قادیانی سربراہ والی آل انڈیا کشمیر کمیٹی نکمی ہے۔ احراروں نے ستر ہزار رضاکار صوبہ سرحد اور پنجاب سے بھرتی کئے اور ان میں ہراول کے طور پر تیس ہزار رضاکار کشمیر میں داخل ہو گئے، کہ کشمیر کی جیلیں بھر گئیں۔ انگریزوں نے جالندھر سے گورا فوج، مہاراجہ کی مدد کیلئے بھیجی اور پنڈت کول نے دیوبند کے مولانا حسین احمد مدنی کی مدد سے احراروں کے ساتھ گلانسی کمیشن کے ذریعہ سے ناانصافیاں ختم کرانے کا وعدہ کیا۔ جو صرف لیپ پوت ہی تھی۔ چودھری غلام عباس مسلمانوں کی طرف سے اس کمیشن کے ممبر بنے۔ لیکن ڈوگروں نے کوئی ممبر نہ نامزد کیا اور رپورٹ ادھوری رہی۔ صرف وزیراعظم کو تبدیل کر دیا اور برٹش پولیٹکل سروس کے ایک ہوشیار کرنل کول ون کو وزیراعظم بنا دیا گیا۔

مسلم کانفرنس مسلمان اب کچھ متحد ہوئے، کہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو سری نگر میں کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی۔ شیخ عبداللہ صدر اور غلام عباس جنرل سیکرٹری بنے۔ میرواعظ بھی ماہ اس میں شامل رہے، لیکن جنوری ۱۹۳۳ء میں سری نگر کی خانقاہ نقش بندیہ میں اعلان کر دیا۔

کہ شیخ عبداللہ قادیانی ہے اور مسلمانوں کا رہنما بن کر ان کو گمراہی کی طرف دھکیلنا چاہتا ہے [۸]
(شیخ عبداللہ کیا تھا یہ ایک لمبی بحث ہے ۔ البتہ اس نے مسلمانوں کا بہت نقصان کیا) ۔ بہرحال
اس مسلم کانفرنس نے تحریک چلا کر جس میں چودھری غلام عباس جیل میں بھی گیا، مہاراجہ کو
مجبور کر دیا کہ برصغیر کی ۵۸۴ ریاستوں میں وہ پہلا حکمران تھا، جس نے ریاست میں قانون ساز
اسمبلی (پرجا سبھا) کے قیام کا اعلان کر دیا ۔ اس کے ۷۵ ممبروں میں سے ۳۵ مہاراجہ نے نامزد
کرنے تھے ۔ اور باقی چالیس منتخب ممبروں میں مسلمانوں کا حصہ ۳۱ ممبر بنتے تھے لیکن ان کے
حصہ میں صرف ۲۱ ممبر دیئے گئے ۔ اور انتخاب سے مسلم کانفرنس نے سولہ مقابلے جیت لئے ۔
حیرانگی کی بات ہے کہ شیخ عبداللہ اب جیل سے بھی باہر رہا ۔ اور ان مسلمان ممبروں پر بھی اس
کے اثرات تھے ۔ اور ہندو ممبروں نے بھی کسی جگہ سے اشارے ملنے کیوجہ سے شیخ عبداللہ کا
ساتھ دینا شروع کر دیا ۔ ۱۹۳۷ء میں دوبارہ انتخابات ہوئے تو مسلم کانفرنس نے اکیس کی اکیس
نشستیں جیت لیں ۔ اس زمانے میں قائداعظم کو ابھی یہ شہرت نہ حاصل ہوئی تھی ۔ ۱۹۳۶ء میں
ایک مقدمہ میں ایک مسلمان عورت کی عزت کی خاطر وہ کشمیر ہائی کورٹ میں پیش ہونے
کیلئے سری نگر گئے ضرور ۔ لیکن وہاں صرف جموں کے مسٹر اللہ رکھا ساغر نے ان کے ساتھ ملاقات
کی ۔ اور کوئی سیاسی رابطہ نہ ہوا ۔

نیشنل کانفرنس لیکن اب اصلی سازش سامنے آ گئی جس کو شروع شروع میں چودھری
غلام عباس اور مسٹر اللہ رکھا ساغر بھی نہ سمجھ سکے ۔ پریم ناتھ بزاز کو ہم مسلمان بڑا انصاف پسند،
لبرل اور مسلمانوں کا ہمدرد سمجھتے ہیں ۔ لیکن چانکیا کا شاگرد خاص یہی آدمی شیخ عبداللہ کو کانگرس
اور ہندوؤں کا پروردہ بنا گیا ۔ اسی نے شیخ عبداللہ اور پنجاب کے کانگرسی لیڈر سیف الدین کچلو اور
پروفیسر عبداللہ صفدر ۔ فضل الٰہی قربان اور ڈاکٹر کے ایم اشرف جن کا تعلق کانگرس کے
کیمونسٹ گروپ سے تھا، کے درمیان رابطہ پیدا کرایا، اور شیخ عبداللہ کو اول کشمیری اور بعد میں
ہندوستانی قومیت کا پیروکار بنایا ۔ شیخ عبداللہ نے سب سے پہلے بخشی غلام محمد اور مرزا افضل
بیگ کو ہم خیال بنایا ۔ صرف چوہدری حمید اللہ اور دو اور آدمیوں نے کچھ مخالفت کی ۔ کہ
چودھری غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر، ریزرویشن کے باوجود کچھ خاموش ہو گئے اور جون ۱۹۳۹ء

میں مسلم کانفرنس ۔ نیشنل کانفرنس بن گئی ۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ ثابت ہوا ۔

گوپال سوامی آزاد کے ساتھ اوپر سے "لبرل" جو سر تیج بہادر سپرو آیا تھا ۔ وہ مہاراجہ کے
کان میں سرگوشی کر کے اس کو اپنے جیسا ایک "لبرل" گوپال سوامی آئینگر وزیراعظم دے گیا ۔
جس کے بارے آگے کتاب میں بہت کچھ آئے گا ۔ اس نے شیخ عبداللہ کو جواہر لعل نہرو کی گود
میں ڈال دیا ۔ عبداللہ، جب ہندوؤں کے نزدیک ہوتا تو مسلمان ناراض ہوتے، مسلمانوں کے
پاس جاتا، تو ہندو ناراض ہوتے ۔ اب مارچ ۱۹۴۰ء کی پاکستان ریزولیوشن جس کا ذکر ہو چکا ہے،
اس کے پاس ہونے سے ہندو کانگرس میں کھلبلی مچ گئی تھی ۔ تو کانگرس کے "شہزادے" اور
کشمیری پنڈت جواہر لعل نہرو کو مئی ۱۹۴۰ء میں کشمیر بھیجا گیا ۔ دولت کی ریل پیل کر دی ۔
عبداللہ اور نیشنل کانفرنس والے کوڑی کوڑی کے محتاج تھے ۔ ہندو تاجروں نے عبداللہ کیلئے
تجوریوں کے منہ کھول دیئے ۔ شیخ عبداللہ نے جو نہرو کی آؤ بھگت میں دن گزارے تو اپنی پوزیشن
دیکھ کر وہ خود حیران ہو گیا ۔ برصغیر کی ہندو پریس نے عبداللہ کی شخصیت کو اچھال کر آسمان
تک پہنچا دیا ۔ غیر ملکی پریس میں بھی عبداللہ کا نام آیا ۔ عبداللہ ابھی جوان تھا ۔ اس کی عمر ۳۵ برس
تھی ۔ نہرو کے ساتھ اندرا گاندھی سمیت کافی نوجوان ہندو عورتیں بھی تھیں اور شیخ عبداللہ کو
ان کے ساتھ ڈاک بنگلوں اور کشتیوں میں ٹھہرنے کا موقع بھی ملا ۔ [۹] ہندو نظریات کے مطابق
حکمران یا اہم آدمی کو اپنی بہن یا بیٹی کو کسی اہم شخصیت پر ڈورے ڈالنے کیلئے استعمال کی اجازت
ہے ۔ جو مسلمان "شکار" نہ ہوئے یہ عاجز ان کو داد دیتا ہے ۔ نیشنل کانفرنس اب کانگرس کی
ذیلی تنظیم بن گئی تھی ۔ تقریباً ایک سال بعد چودھری غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر کو اپنی غلطی کا
احساس ہوا ۔ اور انہوں نے اکتوبر ۱۹۴۱ء میں مسلم کانفرنس کو بحال کیا ۔

حوالہ جات

(۱) ۔ حضور پاکؐ کا جلال و جمال تیسرا باب ۔ (۲) پنڈورا باکس صفحہ ۴ اور ۵ ۔ (۳) یہ صاحب ایک انگریز
افسر کے نوکر تھے جو کشمیر کی سیر کیلئے آیا ہوا تھا ۔ (۴) میکاولی کے پایہ کی شخصیت ۔ (۵) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر
صفحہ ۲۵ تا ۳۶ ۔ (۶) ۔ ایضاً صفحہ ۲۶ ۔ (۷) ۔ کشمیریز فائٹ فار فریڈم صفحہ ۳۹۲ (۸) ۔ تاریخ کشمیر از سید
محمد آزاد صفحہ ۷۰۲ ۔ (۹) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۴۱ ۔

چھٹا باب

مسلم قومیت اور برصغیر کی تقسیم

کچھ وضاحتیں اور جھلکیاں باب ہذا میں یہ عاجز مسلم قومیت اور برصغیر کی تقسیم کے بہت بڑے وسیع مضمون کے سلسلہ میں صرف چند وضاحتوں اور جھلکیوں پر اکتفا کر رہا ہے۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ آج تک اللہ تعالیٰ نے ہمارے کسی دانشور کو توفیق نہیں دی کہ اس پہلو کا بامقصد مطالعہ، واقعات کی تحقیق کے ذریعہ سے کرتا۔ سب کتابیں رام کہانیوں۔ پر تضاد نظریات اور مہمل یا بے مقصد بیانات کا ایسا مجموعہ ہوتی ہیں کہ تمام کتاب پڑھنے کے بعد کسی ایک سوال کا جواب کھل کر سامنے نہیں آتا۔ کہ اول تجزیہ یا تبصرہ کیا ہی نہیں جاتا۔ لیکن اگر کچھ "افلاطونی" زور کر آئے تو بیانات کو مہمل ضروریات کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ مسلمان اللہ کی فوج ہیں اور وہ ایک امت یا ایک قوم ہیں۔ یہ ازل سے ایسا ہے جب اللہ تعالیٰ نے الست بربکم (یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں) کے الفاظ سے ہمیں پکارا۔ اور ہم نے قالوا بلیٰ یعنی ہاں میں جواب دیا۔ اس دنیا میں آمد کے بعد رہبروں اور پیغمبروں کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایک قافلہ، یا ایک قوم، یا اہل حق کے طور پر صراط مستقیم پر رواں دواں رہنے کیلئے ہماری رہنمائی فرماتا رہا۔ اور نبی آخر الزمان حضور پاکؐ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمارے لئے امت واحدہ کے طور پر دین کی تکمیل کر دی [1] اس دن کے بعد سے اس جہان دنیا میں دو قومیں ہیں ایک اہل حق یا مسلمان یا حزب اللہ یا حزب الرسولؐ۔ دوسرے اہل باطل یا کافر، یا حزب الشیطان۔

برصغیر ہند و پاکستان اس برصغیر میں ہم اہل حق کے طور پر اور ایک قوم کی حیثیت سے وارد ہوئے۔ اور باطل یا شیطان کے غلاموں کو اس غلامی سے چھٹکارا دلا کر اپنے ساتھ ملاتے رہے۔ لیکن وقت آیا کہ ہم نے خود باطل کی غلامی شروع کر دی تو اٹھارویں صدی سے انگریزوں کی غلامی میں جکڑ دیئے گئے۔ غلام کا نہ کوئی دین ہوتا ہے اور نہ کوئی قوم۔ تب ہی انگریزوں نے

لارڈ میکالے کے کافرانہ قانون کے ذریعہ سے باقی غلاموں کی طرح ہمیں بھی جانوروں کی طرح ہانکنا شروع کر دیا۔ جب انگریز نے بیسویں صدی کے شروع ہی میں اس برصغیر سے چلے جانے کے ارادے شروع کئے تو سب سے پہلے ایک بہت متعصب اور سمجھدار ہندو لالہ لجپت رائے نے اعلان کیا، کہ مسلمان جہاں اکثریت میں ہیں وہاں ان کی الگ حکومت ہونا چاہیئے۔ اور اگر ہم اکٹھے رہے تو طاقتور مسلمان ہم پر چھا جائیں گے۔ اور سارے برصغیر پر حکومت کریں گے۔ یعنی لالہ لجپت، کم از کم اسلامی فلسفہ حیات کی ہمارے دانشوروں سے بہتر سمجھ رکھتا تھا۔ انہی دنوں کئی اور ہندو دانشوروں میں سے سردار پینکار اور ڈاکٹر رادھا کرشن وغیرہ آگے بڑھے، جنہوں نے کہا کہ مسلمان اقلیت میں ہیں۔ مذہب ہر آدمی کا ذاتی معاملہ ہے۔ ہندوازم ایک فلسفہ ہے اور ہر مذہب کے لوگ دھرتی ماتا کی پوجا، ہندو قومیت، اور ہندی زبان کے تحت ہندوستانی بن کر بھارت میں رہ سکتے ہیں اور اب پورے جنوب مشرقی ایشیا پر "رام راج" کا زمانہ آگیا ہے۔ انگریزوں کی ساری قدریں ہندوؤں کے ساتھ مشترک تھیں اور ہیں، صرف یہ بات ان کو پسند نہ تھی، اس لئے وہ لوگ کبھی کبھی اپنی ہمدردی ہمارے "پلڑے" میں ڈال دیتے تھے خاص کر جب علامہ اقبالؒ نے یہ ترانہ پڑھا" کہ سارے جہاں سے اچھا ہے ہندوستان ہمارا" تو وہ فکرمند ہوئے۔ اسی دوران کچھ اور ہندو دانشور آگے بڑھے جنہوں نے کہا کہ اس برصغیر میں مسلمانوں کو ہندو بن کر رہنا ہوگا۔ یعنی ان کا اسلام رام رام والا ہونا چاہیئے۔ اور اگر مسلمان ایسا نہیں کرتے تو ان کو عرب ممالک میں واپس چلے جانا چاہیئے تو ساتھ ہی شدھی یعنی مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک بھی شروع ہو چکی تھی، اور آریہ سماج والوں نے ہندوازم میں نئی روح ڈالنا شروع کر دی۔

حیلہ فرنگی انگریز قوم اور ان کے کارندوں کو اس عاجز نے بہت قریب سے دیکھا۔ ان کے "حیلہ" یا پالیسیوں کو سمجھنا، ناممکن ہے۔ یورپ کی سرد ہواؤں اور گلف سٹریم کی گرم رونے ان کو عجیب وغریب معتدل مزاج دیا ہے۔ اقلیت میں ہوتے ہوئے کئی صدیوں سے "طاقت کے توازن" کے فلسفہ کے تحت انہوں نے ہمیشہ سے سارے یورپ اور انیسویں صدی میں ساری دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچایا ہے۔ اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ تو ہم اگر اس غلط فہمی میں ہیں کہ یہ پاکستان ہم نے اپنی طاقت یا چھاتی کے زور سے حاصل کیا ہے، تو یہ غلط فہمی دل سے

نکال دیں۔ لنگڑا لولا پاکستان ۔ انگریزوں اور اب اینگلو امریکن بلاک کی بھی ضرورت تھی، کہ یہاں پر وہ ترکی کی طرح کا ماڈرن اسلام، یا سرسید کا اسلام یا غلام کذاب کا اسلام وغیرہ کا نفاذ چاہتے تھے ۔ اور ساتھ ہی اس ملک کے ذریعہ سے وہ لوگ بھارت کو "مہا بھارت" بننے میں رکاوٹ ڈال کر جنوبی ایشیا میں ہندو ازم کی سرمیسی کا قلع قمع چاہتے تھے ۔ مذہب کے طور سے انگریزوں کو ہندوؤں سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ لیکن ایک طاقتور ہندوستان ۔ پورے مشرق وسطیٰ پر بھی چھا جاتا ۔ اس لئے اس برصغیر میں کانگرس کے ذریعہ سے انگریز ہندوؤں کو اپنے مغربی فلسفوں کے تابع رکھنا چاہتے تھے اور ان کے مخالف مسلم لیگ جیسی مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھی ان کے "رابطے" تھے کہ بڑے بڑے ٹوڈی اور قادیانیوں سمیت انگریزوں کے پروردے اس جماعت میں شامل تھے اور اس جماعت کی تنظیم بھی کافرانہ سیاسی فلسفوں کے تحت رکھی گئی، کہ اسلام کی تنظیم تو نظریہ جہاد کے تحت ہوتی ہے [۲] ۔ اور یہ عاجز اپنی اس سلسلہ کی زبوں حالی اور انگریزوں کی سازش پر بہت کچھ لکھ چکا ہے ۔ بہر حال یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ خان عبدالولی خان جو لندن آفس کے پرانے ریکارڈوں سے یہ کھوج نکال کر لے آیا ہے کہ مسلم لیگ انگریزوں کی جماعت تھی اور نظریہ پاکستان کے بانی انگریز ہیں تو یہ بات پوری جھوٹی بھی نہیں ۔ البتہ ولی خان کو یہ بھی ظاہر کرنا چاہیئے تھا، کہ کانگرس کیا تھی یا ہے اور کیا ایسی تنظیم کے تحت کام کر کے ہم برائے نام قسم کے مسلمان بھی رہ سکتے ہیں ۔ یا نہ ۔ کہ جو آدمی مسلم قومیت کا قائل نہیں یا لادین یا بے دین نظام کا پیروکار ہے وہ تو مسلمانوں کے زمرے میں بھی شامل نہیں ہو سکتا۔

قائداعظم محمد علی جناح کئی مسلمان رہنما خاص کر جناب احمد رضا بریلویؒ وغیرہ ان سب باتوں کو سمجھتے تھے ۔ لیکن بے بس تھے ۔ علی برادران میں سے مولانا محمد علی جوہر بھی ان ساری باتوں کو سمجھتے تھے کہ ہندوؤں اور انگریزوں کے کونسے اقدار یا قدریں مشترک ہیں ۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا، کہ انگریز مسلمانوں کو نظریہ جہاد کے احیاء کی اجازت نہ دیں گے ۔ اور ان کو کسی انگریزی سیاسی عمل کے ذریعہ سے اس برصغیر میں مسلمانوں کیلئے ان کے جائز حقوق حاصل کرنے ہوں گے ۔ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے جلد اپنے پاس بلا لیا ۔ اور یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے ایک

دیانتدار وکیل محمد علی جناح کے دے دی، کہ بات وکالت کی تھی اور محمد علی جناح کو اللہ تعالیٰ نے مومن کی فراست سے نواز دیا ۔ وہ اس پہلو کو سمجھتے تھے کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں اور انہوں نے ہندوؤں اور انگریزوں کی ذہنیت کا خوب اچھی طرح سے اور عملی طور پر مطالعہ کر لیا تھا اور وہ ان کے مشترکہ اقدار کے بارے باخبر تھے ۔ یہ عاجز تحریک پاکستان کا آدمی ہے ۔ اور مجھے نہ صرف ان کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا ۔ بلکہ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۸ء تک اس عاجز کی جو دلی خواہش ہوتی تھی کہ اس معاملہ پر قائداعظم کا یہ رد عمل ہونا چاہیئے، تو میری یہ خواہش ہمیشہ پوری ہوئی ۔ یہ لمبی کہانی ہے ۔ اور خود نمائی کا ڈر لگتا ہے ۔ لوگوں نے آج بڑی غلط قسم کی باتیں ان کی طرف منسوب کر دی ہیں ۔ کہ وہ بے دین پاکستان چاہتے تھے یا پاکستان مسلمانوں کے پیٹ کی بھوک کو دور کرنے کیلئے بنا (نعوذ باللہ) قائداعظم ان باتوں سے بہت بلند تھے ۔ وہ ایک خطہ چاہتے تھے جہاں مسلمان حضور پاکؐ کی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی طرح ایک مستقر بنا لیں اور جہاں سے اٹھ کر یا اس کو وسعت دے کر پورے مسلمان امت واحدہ بن جائیں اور ان کے لحاظ سے پاکستان ایک منزل تھی اور مقصود "اسلامستان" تھا ۔ اور ان کی تمام ترکارروائیاں یا سیاست اس کلیہ کے محور کے گرد گھومتی تھیں ۔ لیکن افسوس ہم نے ان کو مایوس کیا ۔ بہر حال اس زمانے میں بھی انہوں نے ہمارے ساتھ گزارا کیا اور ہم میں سے کھوٹے سکوں کو بھی استعمال کیا لیکن انہوں نے کبھی یہ بات نہ کہی کہ وہ مسلمانوں کو کوئی نیا فلسفہ دے رہے ہیں ۔ وہ حضور پاکؐ کے ادنیٰ غلام تھے اور یہ جو آجکل ہم نے ان کو حضور پاکؐ کی جگہ قوم کا باپ بنا لیا ہے یا ان کو حضور پاکؐ کی نبوت میں شرکت دینے سے بھی گریز نہیں کرتے، یہ سب کچھ غیروں کی سازش کے تحت ہو رہا ہے کہ ہم رسول عربیؐ کے اسلام کو بھول جائیں اور امت واحدہ کے تصور کی بجائے اپنے آپ کو ایک خطہ کے ساتھ محدود کر دیں ۔

علامہ اقبالؒ علامہ اقبالؒ جن کو ہم صحیح طور پر حکیم الامت کہتے ہیں ۔ وہ بھی پہلے کچھ بھول گئے اور انہوں نے بھی وطن کے گیت گائے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رحمت کی کہ وہ مصطفویؐ بن گئے اور حرم کی پاسبانی کیلئے ایک ہوں مسلم کے گیت گائے ۔ ان کے سامنے بھی پاکستان ایک منزل تھی اور اسلامستان مقصود تھا ۔ پاکستان کے وجود میں آجانے کے بعد چودھری خلیق الزمان نے قوم کو یہ بات یاد دلائی، لیکن اہل مغرب کے اشارے پر لیاقت علی نے اس کے منہ کو بند

کر دیا۔ کہ غیر، مسلمانوں کے اتحاد کو کسی "کچے دھاگے" سے بندھا ہوا بھی پسند نہیں کرتے۔ اور اگر مجبوری ہو تو وہ کہتے ہیں کہ یہ "کچا دھاگا" بھی ہم ان سے لیں اور اسلامی متحدہ اقوام کی تنظیم اسی اہل مغرب کے کچے دھاگے سے بندھی ہوئی ہے۔ بہرحال علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۰ء کے الہ آباد کے خطبہ میں مسلمان قومیت کے نظریئے کے تحت اس خطہ میں جو الگ وطن یا حکومت کا مطالبہ کیا۔ اور قائداعظم نے اس کو پروان چڑھایا۔ تو اس تحریک کو ان حالات اور تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی جائے جو اس عاجز نے بیان کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ عاشق رسولؐ تھے اور ان کا سارا کلام نظریہ جہاد کے گرد گھومتا ہے۔ اور اگر پاکستان کے وجود میں آجانے کے بعد ہم نظریہ جہاد کو اپنا لیتے تو اب تک اسلامستان بھی وجود میں آجاتا۔ البتہ علامہ اقبالؒ کی نثر میں نظموں والا رنگ نہیں، اور اجتہاد کے چکروں میں پڑ کر اور علامہ اقبالؒ کو فلاسفر بنا کر یا معمولی معاشرتی باتوں میں الجھا کر ہم نے بڑی غلط ڈگر اختیار کر لی ہے۔ اور علامہ اقبالؒ کو بھی حضور پاکؐ کی نبوت میں شرکت دینے سے گریز نہیں کرتے۔ افسوس! صد افسوس!

۱۹۳۵ء کی صوبائی خود مختاری کا قانون

ان وضاحتوں کے بعد ہم برصغیر کے انگریزوں کے نافذ کردہ ۱۹۳۵ء ایکٹ کے تحت ۱۹۳۷ء کے انتخابات کی طرف واپس آتے ہیں۔ کہ ان انتخابات کے نتائج کے طور پر بھارت کے تمام موجودہ صوبوں کے علاوہ ہمارے صوبہ سندھ اور صوبہ سرحد میں بھی ہندو کانگرس برسرِاقتدار آگئی۔ کہ سندھ میں اللہ بخش سومرو اور سرحد میں ڈاکٹر خانصاحب کانگرس کی جھولی میں تھے۔ بھارتی صوبوں میں مسلم لیگ کو کچھ کامیابی ضرور نصیب ہوئی۔ لیکن وہاں مسلمان ویسے بھی ایک برائے نام اقلیت تھے۔ پنجاب میں مسلم لیگ کو صرف دو سیٹیں ملیں اور سرحد، سندھ یا بنگال میں بھی مسلم لیگ کو کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ پنجاب اور بنگال میں حکومت کانگرس کی نہ تھی۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کا سر سکندر حیات وزیراعظم [۳] بنا اور بنگال میں کرشک پارٹی کا فضل الحق۔ انگریز ہندو کانگرس کو اتنا طاقتور دیکھنا ہرگز پسند نہ کرتا تھا۔ اور اگلے سال یعنی ۱۹۳۸ء میں سر سکندر حیات اور فضل الحق اپنے سارے ممبروں کے ساتھ جو "باجماعت" طور پر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے، یہ عاجز اس سلسلہ میں اپنے جائزوں کے ساتھ اور مشاہدات کیوجہ سے ۱۹۷۹ء میں اخباروں میں

کالا باغ کے حوالے سے بہت کچھ لکھ چکا ہے کہ نواب صاحب فرماتے تھے "کہ ہم چندہ مسلم لیگ کو دیتے تھے، لیکن ہماری اصلی سیاست ڈپٹی کمشنر کی تھی۔ اور آخر ۱۹۴۶ء میں ہمیں انگریز کمشنر نے بلا کر یہ خبر سنائی کہ وہ جا رہے ہیں تو پھر ہم نے بھی مسلم لیگ میں شامل ہو کر پاکستان کی تحریک میں زور و شور سے حصہ لیا۔ تو ظاہر ہے کہ انگریز کے "آدمی" مسلم لیگ میں تھے جن کو قائداعظم نے کھوٹے سکوں والا نام دیا۔ اور اس سلسلہ میں آگے بہت کچھ آئے گا۔

پاکستان ریزولیوشن

۱۹۳۷ء کے انتخابات نے سنجیدہ مسلمانوں پر یہ پہلو واضح کر دیا کہ صرف جداگانہ انتخابات۔ یا "ویٹیج" یعنی اقلیتوں کو کچھ زیادہ سیٹیں دے دینے سے اس جمہوریت اور آزادی کے کافرانہ سیاسی نظام کے تحت انگریزوں کے چلے جانے کے بعد مسلمان، ہندوؤں کے غلام بن جائیں گے۔ اس لئے جہاں وہ اکثریت میں ہیں۔ یعنی مغرب میں دہلی تک سارا صوبہ پنجاب، مسلمانوں کے ملک موجودہ پاکستان کا حصہ ہو، اور مشرق میں دونوں، بنگال اور آسام کے پورے کے پورے صوبے بھی مسلمانوں کے ملک بنیں۔ اور تبادلہ آبادی کے ذریعہ سے بھارت کی تمام مسلم آبادی کو ان علاقوں میں آباد کیا جائے۔ اور ان علاقوں کے غیر مسلم، مسلمانوں کی جگہوں پر بھارت میں پھیلا دیئے جائیں۔ ان دونوں علاقوں کو ملانے کیلئے بھارت سے ایک گزرگاہ یعنی Corridor کی بھی ضرورت ہوگی۔ قائداعظم نے اس تجویز کے پیش کرنے کیلئے مقام لاہور کو چنا، اور اس تجویز کا ڈرافٹ بنانے کی سعادت پنجاب کے سر سکندر حیات کو عطا کی، اور تجویز پیش کرنے کی سعادت بنگال کے فضل الحق کو دی۔ اس کی تائید کرنے کی سعادت اقلیتی صوبوں سے چودھری خلیق الزمان کو ملی۔ تجویز کے پہلے ڈرافٹ میں زیادہ تفصیل نہ تھی بلکہ لفظ پاکستان بھی بیچ میں موجود نہ تھا۔ کہ اس نئے ملک کا نام اس زمانے میں اخباروں میں زیر بحث تھا۔ اس سلسلہ میں چودھری رحمت علی کا نام لیا جاتا ہے کہ اس نے پنجاب سے پی، آسام سے اے اور کشمیر سے کے، کے الفاظ سے "پاک" کو ہندوستان اور افغانستان کے "تان" کے وزن پر پاکستان بنا دیا۔ چودھری رحمت علی یہ نام تجویز کرنے کے زمانے میں طالب علم تھا اور اس کے ساتھیوں میں محمد اسلم خٹک سابق وفاقی وزیر اب تک زندہ ہے۔ اور اس عاجز نے بھی پچھلے پچاس، ساٹھ سالوں میں جو تحقیق کی ہے، اس لحاظ سے یہ نام جمال الدین افغانی کی تحریروں سے اپنایا گیا ہے۔ کہ انگریزوں کی غلامی کے زمانے میں جب

وہ اس برصغیر میں آئے تو واپس افغانستان کی سرحد کو پار کیا تو لکھا کہ میں غلام ملک سے واپس پاک ملک افغانستان میں داخل ہو گیا" بیشک مسلمانوں کا ملک پاک اور مطہر ہوتا ہے اور اس لفظ میں بڑی ہی کشش تھی ۔چودھری رحمت علی کے بارے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ قادیانی یا ماڈرن مسلمان تھا ۔ یا یہ ممکن ہے کہ وہ بھی انگریز کا آدمی تھا، کہ اخبار نوائے وقت کے حمید نظامی کے ساتھ اس کے گہرے رابطے تھے اور پاکستان بننے کے بعد وہ یہاں آیا تو حمید نظامی کے ہاں ٹھہرا ۔چونکہ اس عاجز کے مطابق حمید نظامی اور اخبار نوائے وقت [۴] اس ملک میں رسول عربیؐ کے اسلام کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ پیدا کرنے والے ہیں ۔اس لئے ایسے لوگوں کے ساتھ رحمت علی کے " یارانہ " اور حیلہ فرنگی کے تحت ان کے " گھوڑوں " کے رابطے کے مضامین آگے بھی آتے رہیں گے ۔

پاکستان کے خلاف سازشیں اس تحریک کے خلاف پہلی عملی سازش البتہ خاکساروں اور سکندر حیات حکومت کا جھگڑا تھا ۔اور فائرنگ کے نتیجے میں کئی خاکسار شہید ہوئے ۔ انگریز جہاں ہندوؤں کے مہا بھارت بنانے کے خلاف تھے ، وہاں وہ کسی مضبوط پاکستان کے حق میں بھی نہ تھے ، کہ پاکستان کے گرد سارے مشرق وسطیٰ کے مسلمان اکٹھے ہوجاتے ۔اس لئے وہ کبھی نہ چاہتے تھے کہ سارے برصغیر کے مسلمان متحد ہو کر مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر تحریک پاکستان میں شامل ہوجائیں تو مسلمانوں کی مضبوط ترین عسکری طریقوں والی خاکسار تنظیم کو، مسلم لیگ والوں سے لڑا دیا ۔قائداعظم نے البتہ زخمی خاکساروں کی عیادت کرکے معاملات کو کچھ ٹھنڈا کیا ۔علاوہ ازیں انگریز یہ بھی نہ چاہتے تھے کہ کوئی " مولوی " یا عالم اسلام یا جذباتی مسلمان، تحریک پاکستان کا کرتا دھرتا بنے ۔ کہ ایسے آدمی نے اگر نظریہ جہاد کا احیاء کردیا ۔ تو دوسری جنگ عظیم کے شروع ہوجانے کیوجہ سے جرمن یا جاپانی ان مسلمان مجاہدین کو کچھ امداد بھی پہنچا سکتے تھے ۔انگریزوں کو لارڈ میکالے کے قانون کا تعلیم یافتہ محمد علی جناح ، کسی حد تک " منظور " تھا کہ اس کی تنظیم میں وہ اپنے پروردوں کو " گھسیڑ " سکتے تھے ۔اور وہی سر سکندر حیات اور فضل الحق جو تھوڑا عرصہ پہلے شاید انگریزوں کی مرضی سے مسلم لیگ میں آئے تھے تو اگلے سال یعنی ۱۹۴۱ء میں یہ دونوں صاحبان ، قائداعظم کی اجازت کے بغیر وائسرائے کی تشکیل شدہ ڈیفنس کونسل کے ممبر بن گئے ۔

قائداعظم کی جواب طلبی پر سر سکندر حیات نے تو ڈیفنس کونسل سے استعفیٰ [۵] دے دیا ۔ اور قائداعظم سے معافی مانگ لی ۔ لیکن فضل الحق نے ڈیفنس کونسل اور مسلم لیگ دونوں سے استعفی دے دیا ، اور کہا کہ سیاست میں وہ " مسٹر جناح کو پاکٹ میں ڈال سکتا ہے [۶] " تو قائداعظم نے اعلان کیا کہ فضل الحق سیاسی موت مرگیا ہے ۔اور واقعی ایک دفعہ ایسا ہو گیا ۔ البتہ پاکستان بننے کے بعد لیاقت علی نے اس کو " بحال " کردیا ۔اور وہ بھی قائداعظم کی وفات کے بعد ، کہ دونوں میں کوئی قدر مشترک ضرور تھی کہ دونوں شاید انگریزوں کے "پروردہ " تھے

کانگرس کے غلط اندازے دوسری جنگ عظیم کے شروع شروع میں فرانس کی شکست ، جرمنی کی بے حد فتوحات اور دسمبر ۱۹۴۱ء سے جاپان کی فتوحات سے ہندو کانگرس نے اندازہ لگایا، کہ انگریز کمزور ہوچکا ہے ، تو انہوں نے اپنے ایک چوٹی کے لیڈر سبھاش چندر کو خفیہ طور پر افغانستان کے راستے جرمنی بھیج دیا جو وہاں سے جاپان پہنچ گیا ۔ کہ دونوں متحارب گروہ میں سے جس کی فتح ہو ، اس سے بہت کچھ حاصل کرلیا جائے اور انگریزوں سے سب کچھ لینے کا وقت ۱۹۴۲ء کا شروع تھا کہ انہوں نے اس زمانے میں اپنے ایک کایاں مدبر سر سٹیفرڈ کرپس اور جواہر لعل نہرو کے پرانے دوست کو برصغیر بھیج دیا ۔ کرپس نے ہماری تجویز پاکستان کو آدھا تسلیم کیا کہ مسلم اکثریت والے صوبے آپس میں وفاق کرسکتے ہیں،لیکن ہندو کانگرس کی توقع کے مطابق متحدہ ہندوستان کی حکومت وہ ان کے حوالے کرنے کی کوئی تجویز نہ لایا تھا،تو ہندو کانگرس نے اگست ۱۹۴۲ء میں انگریزوں کے خلاف " ہندوستان چھوڑ دو " کی تحریک شروع کی جس میں سب کانگرسی لیڈر جیل ضرور چلے گئے ۔ لیکن تحریک بری طرح ناکام ہوئی ۔انگریزوں کو ہندو بنیا کی ضرورت نہ تھی ۔ فوج میں چالیس فی صد مسلمان تھے جن کی نفری لڑاکا یونٹوں میں ساٹھ فی صد تھی اور باقی لڑاکا لوگوں نے بھی پیٹ کی خاطر یا بے روزگاری کیوجہ سے انگریزوں کو خوب بھرتی دی کہ پونے دو لاکھ فوج بڑھ کر متحدہ ہندوستان کی برٹش انڈین آرمی کی تعداد جنگ کے خاتمے پر تقریباً دس گناہ بڑھ چکی تھی ۔

قائداعظم کی فراست قائداعظم نے کانگرس کا ساتھ نہ دیا ۔انہوں نے سر سکندر حیات کو اجازت دے دی کہ وہ مشرق وسطیٰ میں جاکر برٹش انڈین آرمی کی یونٹوں کا ملاحظہ کرے اور

سرحد، آسام، اور سندھ میں مسلم لیگ نے صوبائی حکومتیں بھی بنالیں۔ کانگرس کو جلد اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ چالاک مسٹر کرم چند گاندھی[۷] بیماری کے بہانے جیل سے باہر آگیا اور چانکیا قسم کے ایک مدراسی برہمن راج گوپال اچاریہ کی مدد سے ۱۹۴۴ء میں قائداعظم کے ساتھ بمبئی میں ملاقات کر کے قائد کو اپنی "جیب" میں ڈالنے کی کوشش کی کہ وہ متحدہ ہندوستان کے وزیراعظم بن کر پہلے کانگرس کے ساتھ مل کر ملک کو انگریزوں سے آزاد کرائیں۔ پھر اگر مسلمان چاہیں تو ملک کا بٹوارہ یا "نیم بٹوارہ" ہوسکتا ہے۔ قائد نے صاف جواب دیا۔ مسلمانوں کی آزادی پاکستان میں ہے۔ جس کو وہ لوگ یعنی ہندو "آزادی" کا نام دے رہے ہیں مسلمانوں کی یہ غلامی ہے۔ ۱۹۴۲ء کے آخر میں سر سکندر کی وفات کے بعد انگریزوں کے ٹوڈی سر۔ خضر حیات ٹوانہ کے پنجاب میں وزیراعظم بن جانے کے بعد، اس کھوٹے سکے نے مسلم لیگ کو ثانوی حیثیت دے دی تھی اور ہر بات گورنر گلانسی سے پوچھ کر کرتا تھا۔ قائد نے وسط ۱۹۴۴ء میں اس کھوٹے سکے کو اور ہمارے موجودہ صدر فاروق لغاری کے دادا جمال خان لغاری جو خضر حیات کا دست راست تھا، کو مسلم لیگ سے خارج کر دیا، تو ہمارے ایک بزرگ میاں رکن الدین کے مطابق مسلم لیگ ٹوڈیوں سے پاک ہو گئی اور یہی صاحب پھر ہمارے علاقہ میں خضر حیات کے مقابلہ میں ہمارے رہنما[۸] بن گئے۔

کشمیر کے حالات ان مختصر وضاحتوں کے بعد ہم اپنے مضمون کشمیر کی طرف واپس آتے ہیں کہ وہاں اکتوبر ۱۹۴۱ء میں مسلم کانفرنس کی بحالی کا ذکر تو ہو گیا ہے لیکن آئینگر کی مدد سے شیخ عبداللہ کے ساتھی، میر واعظ یوسف سمیت سب مسلم کانفرنس والوں پر ڈنڈے برسا رہے تھے۔ مٹی کے تیل کی کمی تھی۔ اس کو راشن کے طور پر کنٹرول کرنے والا شیخ عبداللہ کا ساتھی بخشی غلام محمد تھا۔ اور چاول، چینی پر بھی عبداللہ کی نیشنل کانفرنس کے آدمیوں کا کنٹرول تھا۔ تو جو مسلم کانفرنس میں شامل ہوتا۔ اس کو یہ ضروریات زندگی دی ہی نہ جاتیں۔ قائداعظم کو جب ان حالات کی خبر ملی تو انہوں نے وائسرائے لارڈ لنلتھگو سے مل کر ۱۹۴۳ء میں آئینگر کو تبدیل کرا کے اس کی جگہ بمبئی کے ایک شریف عیسائی مہاراج سنگھ کو کشمیر کا وزیراعظم بنوایا اور مسلم کانفرنس نے اگست ۱۹۴۳ء میں سری نگر میں اپنی سالانہ کانفرنس کا فیصلہ کیا کہ وہاں وہ

مہاراجہ کے سامنے اپنی زبوں حالی کی رپورٹ پیش کریں گے اور اس کیلئے سٹیٹس مسلم لیگ کے نواب بہادر یار جنگ کو بھی مدعو کیا۔ لیکن شریف مہاراج سنگھ صرف چار ماہ وزیراعظم رہ سکا۔ نئے ظالم ہندو وزیراعظم کیلاش نرائن عسکر نے نواب بہادر یار جنگ کو زبردستی ایک پولیس کی گاڑی میں ڈال کر کوہالہ پل سے پار آ کر پنجاب میں چھوڑا۔ اور چودھری غلام عباس کو کہا کہ مسلم کانفرنس پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہو جائے۔ ورنہ ان کی خیر نہیں۔ بلکہ اشیا کی کمی کے خلاف جلوس نکالنے والوں پر فائر کر کے کچھ مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ تو قائداعظم نے پھر وائسرائے کو حالات سے آگاہ کیا۔ تو بنگال ہائی کورٹ کے ایک جج بی این راؤ کو جنوری ۱۹۴۴ء میں کشمیر کا وزیراعظم بنایا گیا۔

قائداعظم دوسری بار کشمیر میں چنانچہ مئی۔ جون ۱۹۴۴ء میں جموں والے راستے قائداعظم نے چودھری غلام عباس کے ذریعے سے ہی سارے کشمیر کے دورہ کا پروگرام بنایا۔ اور اس دورے کے پورے واقعات کا لفظ بلفظ ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔ اور تمام تر کارروائی۔ اور بیانات پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ شیخ عبداللہ اس وقت تک ڈبل گیم کھیل رہا تھا اور بجیت گڑھ کے مقام پر جہاں چودھری غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر نے قائد کو خوش آمدید کہا، تو وہاں شیخ عبداللہ کا نمائندہ بخشی غلام محمد بھی موجود تھا۔ جموں پہنچ کر قائداعظم نے ایک جلسہ عام کو خطاب کیا۔ لیکن عبداللہ کے غیر مسلم نیشنل کانفرنس کے ساتھیوں میں سے گردھاری لعل ڈوگرہ سمیت کوئی آدمی قائد کی آؤ بھگت کیلئے نہ آیا۔ دوسرے دن یعنی ۹ مئی کو قائد، چودھری۔ غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر کی معیت میں سری نگر روانہ ہوئے تو بانہال پاس کے مقام پر مسلم کانفرنس کے میر واعظ اور نیشنل کانفرنس کے مرزا افضل بیگ نے ان کو خوش آمدید کہا، اور یہاں تک آؤ بھگت کرنے والوں میں مسلم کانفرنس کا زور تھا اور آگے سری نگر جس کے باہر شیخ عبداللہ نے ان کو خوش آمدید کہا تو نیشنل کانفرنس والوں کی نفری بڑھی ہوئی تھی۔ البتہ سارا سری نگر امڈ کر باہر آگیا، اور کشمیر کی تاریخ میں ایسا نظارہ پہلے نہ دیکھا گیا۔ قائد نے شیخ عبداللہ اور عوام کا شکریہ ادا کیا۔ اور فرمایا "کہ ان کی اس عزت کیوجہ ان کے تحریک پاکستان کی جماعت مسلم لیگ کے صدر ہونے کیوجہ سے ہے۔ اور میں اول اور آخر مسلمان ہوں۔ جب مقصد

ایک ہو تو آواز بھی ایک ہو جاتی ہے"۔

نیشنل کانفرنس کی غلط فہمیاں کانگرس نے شیخ عبداللہ اور نیشنل کانفرنس والوں کو یہ باور کرایا ہوا تھا۔ کہ مطالبہ پاکستان ایک مقصد یا مقصود نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کیلئے یا مسلم لیگ کیلئے بہتر حقوق حاصل کرنے کا ایک "شوشہ" ہے۔اور سیاست میں یہ دوغلہ پن ہوتا ہے کہ عبداللہ خود میں دوغلہ پن تھا اور وہ جواہر لعل نہرو میں بھی یہ دوغلہ پن دیکھ چکا تھا۔ لیکن قائداعظم کی سیدھی اور بغیر کسی سیاسی منافقت کے دوٹوک باتوں نے ان کو حیران کر دیا۔ اسلئے انہوں نے علی گڑھ کے سند یافتہ لوگوں کا اجتماع کر کے ایک غلام محی الدین ہمدانی کے ذریعہ سے قائد کے اندر سے جھانکنے کی کوشش کی، اور لمبی چوڑی گفتگو میں بے شک قائداعظم کے جوابات نہ صرف بہت زیادہ مدبرانہ ہیں بلکہ ادب کا بھی ایک شہ پارہ ہیں۔البتہ یہاں پہ چند باتوں پر اکتفا کی جاتی ہے

ہمدانی۔ کیا برصغیر ہندو پاکستان کی غالب ہندو اکثریت پاکستان بننے دے گی؟

قائداعظم۔ اگر ڈی ولیرا آئرلینڈ کو الگ کرا سکتا ہے تو دس کروڑ مسلمان ایسے کیوں نہیں کر سکتے۔

ہمدانی۔ کیا مالی اور معاشی لحاظ سے پاکستان پسماندہ ملک نہ ہو گا؟

قائداعظم۔ میرے عزیز ایسا نہیں۔اور ہاں پاکستان کی جھونپڑی، بھارت کے بنگلوں سے بہتر ہے۔

ہمدانی۔ یہاں نیشنل کانفرنس، مسلم کانفرنس سے بہتر مسلمانوں کی خدمت کر سکتی ہے؟

قائداعظم۔ کتنے غیر مسلم آپ کے ساتھ میری آؤ بھگت کیلئے آئے؟ آپ پھر کیسے نیشنل ہیں؟

قائد کا مومنانہ اعلان قائد نے شیخ عبداللہ کو سمجھایا، کہ وہ غیر مسلموں کی رفاقت میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔اور اس سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچے گا وغیرہ۔ اور پھر ۱۷ جون ۱۹۴۴ء کو مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں قائداعظم نے یہ اعلان فرمایا "شیخ عبداللہ کی نیشنل کانفرنس، جموں و کشمیر کی اقلیتوں کے ساتھ وہی کچھ کرنا چاہتی ہے، جو ہندو کانگرس برصغیر میں ہم مسلمانوں کے ساتھ کر رہی ہے۔یہ لوگ کشمیری یا ہندوستانی قومیت کا غلط لبادہ

اوڑھ کر دراصل مسلم قومیت اور مسلمانوں کا بہت بڑا نقصان کر رہے ہیں۔ مسلمان جہاں اکثریت میں ہوں تو ان کا فرض ہے کہ اقلیتوں کو اپنی سطح پر ان کے اپنے عقائد و رسم رواج کے مطابق منظم ہونے دیں کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کریں۔اور بے شک مسلمان کسی کو دھوکے میں نہیں رکھتا وغیرہ"۔ نیشنل کانفرنس کیلئے یہ ایک بڑا دھماکہ تھا، قائد نے ان کے پرخچے اڑا دیئے۔چانکیا کے پیروکاروں نے بغلیں بجائیں کہ نیشنل کانفرنس اب مکمل طور پر ان کی جھولی میں گر جائے گی۔اپنوں میں سے "معتدل" دانشوروں کا اس وقت اور آج تک یہ خیال ہے کہ قائداعظم "مصلحت" سے کام لیتے۔یاد رہے کہ اسلام اصولوں میں مصلحت کی اجازت (۹) نہیں دیتا صرف طریق کار میں مصلحت کی اجازت ہے۔اور ان انگریزوں کی تیار کردہ کھیپ میں یہ "مصلحتی" لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے پچھلے ۴۷ سالوں میں ہمیں ذلت کے بغیر کچھ بھی نہیں دیا۔

مایوسی قائداعظم نے تقریباً دو ماہ کشمیر میں قیام کیا اور جب مظفرآباد۔ راولپنڈی والے راستے واپس آئے تو بارہ مولا کے مقام پر نیشنل کانفرنس نے ان پر پتھر بھی پھینکے۔ افسوس کہ سری نگر کے مسلمانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر نے جو قائداعظم کو خوش آمدید کہا تھا۔ عبداللہ اور اس کے حواریوں نے اس کو بکھیر دیا۔ قائداعظم مایوس ہو کر کشمیر سے لوٹے۔ چودھری غلام عباس ایک مخلص مسلمان لیڈر تھے۔ لیکن وادی میں "کشمیریت" یا کشمیری قومیت کے جو اثرات شیخ عبداللہ اور اس کے حواریوں نے بوئے، تو چودھری غلام عباس کو انہوں نے سیالکوٹی پنجابی بنا دیا۔ وادی کے میرواعظ ایک شریف انسان تھے اور وہ عبداللہ کا مقابلہ نہ کر سکے کہ عبداللہ اپنے گرد شعبدہ باز لیڈروں کا ایک گروپ اکٹھا کر چکا تھا۔ جن میں بخشی غلام محمد، جی ایم صادق، افضل بیگ، مسعودی اور صوفی اکبر" نے مکمل طور پر ہندوؤں کا پروردہ بننے کیلئے وادی کے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور وہ برصغیر کی امت مسلمہ سے ایسے کٹے، جس کی سزا وہ، ان کے بال بچے اور ہم سب آج تک بھگت رہے ہیں۔ شیخ عبداللہ اور اس کے حواری اب ہندوؤں کے اتنے غلام بن چکے تھے، کہ مہاراجہ کشمیر ۱۹۴۴ء کے وسط میں ملک فیروز خان نون کے ساتھ جب متحدہ ہندوستان نے اقوام متحدہ میں نمائندگی کے بعد واپس آیا، تو شیخ عبداللہ اور اس کے حواریوں نے اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ مرزا افضل بیگ کو وزارت

میں لے لیا گیا۔اور نیشنل کانفرنس کی عمارت "مجاہد منزل" کو لوگوں نے غلام منزل کہنا شروع کر دیا۔اور مارچ ۱۹۴۵ء میں مسلم کانفرنس عیدالضحیٰ کے موقع پر سری نگر میں ایک عظیم الشان جلوس نکالنے میں کامیاب ہو گئی۔اسی دوران دوسری جنگ عظیم میں جرمنی کی شکست کے بعد، اب انگریزوں کو مسلمانوں کی مدد کی ضرورت نہ تھی، تو انہوں نے اپنا اثر ہندو کانگرس کے پلڑا میں ڈال کر گاندھی کے علاوہ باقی لیڈر شپ کو بھی رہا کر دیا۔اور کانگرس والے بھی اب "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک سے "دستبردار" ہو کر انگریزوں کے قدموں میں گرنے کو تیار تھے تو اگست ۱۹۴۵ء میں شیخ عبداللہ نے جواہر لعل نہرو اس کی بیٹی اندرا، غفار خان، مولوی آزاد اور پنجاب کے میاں افتخار الدّین (جو اس وقت تک کانگرس میں تھے) کو دعوت دی کہ وہ کشمیر میں آکر اس کے ہاتھ مضبوط کریں۔میرواعظ یوسف نے ان لیڈروں کے خلاف کالی جھنڈیوں والے ایک جلوس کا بندوبست کیا۔تو عبداللہ نے حکومت سے مل کر سری نگر میں تمام اجتماعات کو غیر قانونی قرار دلوا دیا۔لیکن خود جواہر لعل نہرو کو شوپیاں میں ایک جلوس کے ساتھ لے گیا۔

برصغیر ہند و پاکستان کے ۱۹۴۶ء کے انتخابات اس عاجز نے فروری ۱۹۴۴ء سے جون ۱۹۴۷ء تک برصغیر ہند و پاکستان میں جتنے سفر کئے۔یا جنوبی مشرقی ایشیا کے جنگی محاذ پر ایک ایک یونٹ میں گیا۔یا ایک سپاہی سے لے کر ایک جنرل کے تاثرات سے، یا تمام مسلم لیگی اور کانگرسی لیڈروں کو نزدیک سے دیکھا یا انگریزوں کی بندر بانٹ کو جانچا۔یا برصغیر اور اس کے علاوہ انگریز و امریکن فوجی وقائع نگاروں یا بعد میں انہی لوگوں کے دنیا کے مانے ہوئے اخبار نویسوں کو دیکھا۔یا دہلی، کلکتہ اور لاہور شہروں میں رہ کر سیاست کو پروان چڑھتے دیکھا۔یا اپنے علاقہ کے گاؤں گاؤں یا ہر فوجی یونٹ کے مسلمان کے پاس مسلم قومیت اور تحریک پاکستان کا پیغام لے کر پہنچنے کی اللہ تعالیٰ نے سعادت دی۔یہ سب یادیں اور ان کے تاثرات آج بھی میرے ذہن میں تازہ بہ تازہ ہیں۔اس لئے اس زمانے کے حالات کو چند الفاظ یا بہت اختصار کے ساتھ بیان کرنے میں یہ عاجز اس مضمون کے ساتھ انصاف نہیں کر رہا۔لیکن میں مجبور ہوں۔اور صرف اتنا کچھ لکھوں گا کہ سبھاش چندر کی آزاد ہند فوج میں کیپٹن شاہ نواز اور چند مسلمانوں کی شمولیت نے ہندوستانی قومیت اور "جے ہند" کے نعرہ کو وہ تقویت دے دی کہ ہندو کانگرس نے مسلم لیگ کو خاطر میں لانا ہی چھوڑ دیا۔اور وہ انتخابات میں بہت جلد کود کر

مسلم لیگ کو شکست دینے کیلئے پر تول رہے تھے ۔ہم چند فوجی مبصروں یا کچھ اور مسلمان سینئر فوجی افسروں نے مسلم لیگ اور مسلم لیگی اخباروں کو اس سلسلے میں جو مشورے دیئے وہ بڑی لمبی کہانی ہے کہ ہمارے یہ مشورے مان لئے گئے۔اور اللہ کے فضل سے نتائج کافی حد تک مسلمانوں کے حق میں نکلے۔مرکزی اسمبلی میں صوبہ سرحد کی ایک سیٹ کو چھوڑ کر سب سیٹیں مسلم لیگ نے جیت لیں۔صوبائی اسمبلیوں میں بنگال اور سندھ میں مسلم لیگ نے اکثریت حاصل کر کے حکومتیں بنالیں۔صوبہ سرحد میں کانگرس کے ڈاکٹر خانصاحب نے حکومت بنائی۔لیکن ووٹ مسلم لیگ کو زیادہ ملے۔صوبہ پنجاب میں مولوی آزاد نے ہندو کانگرس اور انگریزوں کے ٹوڈی خضر حیات میں گٹھ جوڑ کروا کے مسلمانوں کا بہت نقصان کیا۔

لیکن مسلم لیگ اب طاقت بن کر ابھری۔اور انگریزوں کو برصغیر میں کابینہ مشن بھیجنا پڑا۔

کابینہ مشن اس مشن نے دو تجاویز دیں ایک لمبے عرصہ کیلئے اور دوسری Interim یا وقتی۔اور کانگرس و مسلم لیگ میں جو دونوں تجاویز کو قبول کرتا، اس نے حکومت بنانا تھی مسلم لیگ نے دونوں تجاویز مان کر کانگرس اور انگریز دونوں کو حیران کر دیا۔کانگرس نے نہ صرف وقتی تجویز کو رد کر دیا۔بلکہ لمبے عرصے کی تجویز کو قبول کر کے اس پر عمل کیلئے اس تجویز کو اپنے معنیٰ پہنا لئے۔اب انگریزوں کو اصولی طور پر حکومت مسلم لیگ کے حوالے کرنا تھی۔لیکن یہ کام الٹا ہوا کہ وقتی طور پر انگریزوں نے حکومت بھی کانگرس کے حوالے کر دی۔اور چند ٹوڈی مسلمانوں شفاعت احمد یا علی ظہیر وغیرہ کو اس حکومت میں مسلمانوں کا نمائندہ بنا دیا۔بعد میں مسلم لیگ اس حکومت میں کیسے شامل ہوئی۔یہ سب بہت بڑے وسیع مضامین ہیں اور یہ عاجز صرف اتنا باور کرانا چاہتا ہے کہ انگریز نے قدم قدم پر مسلمانوں کے ساتھ بے وفائی کی، وعدے توڑے اور بے انصافی کی۔ہم اس غلط فہمی میں ہیں کہ ہمارے ساتھ یہ بے انصافی لیبر پارٹی یا ماونٹ بیٹن یا ریڈ کلف نے کرائی۔ہر انگریز ہمارا دشمن ہے۔ان میں سے کچھ ہمارے ساتھ ہمدردی کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔اور ہمارے ساتھ بے انصافی کیلئے وہ لوگ بہت پہلے تجویز بنا لیتے ہیں۔۱۹۴۶ء میں جواہر لعل نہرو کو سنگاپور اور ملایا، ان ہندوستانی نسل کے باشندوں کی "پرسان حالی" کیلئے بھیج دیا گیا جو دوسری جنگ عظیم میں ان علاقوں میں رہ گئے اور

لڑائی کی "تکالیف" برداشت کیں۔ لیکن ان آبادکاروں میں تو کافی تعداد میں مسلمان تھے۔ یا کوئی ملاجلا کمیشن جاتا۔ یا مدراس کا کوئی لیڈر جاتا، کہ وہاں زیادہ مدراسی آباد تھے۔ نہیں بات ہی کچھ اور تھی۔ انگریز جون ۱۹۴۸ء تک برصغیر کو الوداع کہنے کا اعلان کر چکے تھے۔ اور ماونٹ بیٹن کے بارے میں فیصلہ ہو چکا تھا کہ وہ ان کا آخری وائسرائے ہوگا۔ تو نہرو کو سنگاپور بھیج کر ان دونوں میں "ملاپ" پیدا کرنا تھا۔ کہ کس طرح مسلمانوں کو نکو بنایا جائے یا اگر وہ پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار نہ ہوں، تو ان کو کس طرح ایک لنگڑا لولا پاکستان دیا جائے۔ یہ قدر انگریزوں اور ہندوؤں میں مشترک تھی۔ کہ ہندوؤں کی سوچ تھی کہ یہ لنگڑا لولا پاکستان زیادہ دیر چل نہ سکے گا۔ لیکن حیلہ فرنگی والوں کے مقاصد وہ تھے جو اب تک کامیاب ہیں۔ کہ لنگڑا لولا پاکستان "قائم" ہے۔ جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آگیا۔

شیخ عبداللہ کی قلابازی برصغیر میں مسلم لیگ کی کامیابی نے شیخ عبداللہ کی پوزیشن کو بہت کمزور کر دیا تھا۔ اس نے ایک اور پینترا تبدیل کیا، کہ نیا وزیراعظم پنڈت رام چندر اکاک، نیشنل کانفرنس کے اور لیڈروں میاں احمد یار۔ اور پریم ناتھ بزاز کی سوشلسٹ پارٹی کی مدد سے کسان کانفرنس کو بھی اپنا پروردہ بنا رہا تھا۔ تو شیخ عبداللہ نے اسی مہاراجہ ہری سنگھ کو مئی ۱۹۴۶ء میں "کشمیر چھوڑ دو" کا الٹی میٹم دے دیا جس کا ڈیڑھ سال پہلے وہ یورپ سے واپسی پر ایک پرتپاک استقبال کر چکا تھا۔ یہ سب کچھ ایک ملی جلی گہری سازش کے تحت کیا جا رہا تھا جس کے بڑے مقاصد تھے کہ بدامنی پیدا کرنا تھی۔ مہاراجہ نے عبداللہ کو قید کیا۔ تمام اجلاس اور کانفرنسوں یا میٹنگوں کی ممانعت کر دی گئی، جس کے بعد ستمبر ۱۹۴۶ء میں مسلم کانفرنس کی سالانہ میٹنگ کی اجازت بھی نہ دی گئی۔ اب مسلم کانفرنس ایسا حکم مانتی تو ختم ہو جاتی۔ اور ان لوگوں یعنی خاص کر چودھری غلام عباس، اللہ رکھا ساغر، آغا شوکت علی اور نورالدین وغیرہ نے حکم عدولی کی تو ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور یہی بڑی "ضرورت" اور چال تھی جس سلسلہ میں اگلے ابواب میں بہت کچھ آئے گا۔ مہاراجہ اب دسمبر ۱۹۴۶ء میں انتخابات میں بھی کود گیا۔ اور بڑی دھاندلیاں کر کے کچھ کسان کانفرنس (۱۰) کے لوگوں اور آزاد امیدواروں کو کامیاب کرایا۔ پھر بھی ۲۱ میں سے ۱۶ ممبر مسلم کانفرنس کے تھے۔ اور انہی ۱۶ ممبروں نے ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو

سری نگر میں ریاست جموں و کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کا مطالبہ پیش کر دیا۔

گہری سازش لیکن حیلہ فرنگی کے تحت ہندو ذہنیت اور بعد میں بھارت کی حکومت، جموں و کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کی جو تجویز بنا چکی تھی، اس کا کچھ ذکر اگلے باب میں آتا ہے۔ کہ بڑے ہی ڈرامے اور سازشیں ہوئیں۔ کانگرس نے دہلی سے آصف علی کو عبداللہ کے مقدمہ کے دفاع کیلئے بھیجا اور اس کو تین سال جیل کی سزا شاید اس لئے دی کہ ہر شعبدہ باز نیا منظر پیش کرنے سے تھوڑی دیر پہلے "پردہ" میں چلا جاتا ہے۔ جون ۱۹۴۶ء میں راولپنڈی۔ کوہالہ کے راستے کانگرسی کارکنوں کی معیت میں جواہر لعل نہرو نے عبداللہ کے ساتھ "ہمدردی" دکھانے کیلئے پابندی کے باوجود کشمیر میں داخلے کی کوشش کی۔ اور اس کو سری نگر سے ۷۰ میل دور اوڑی کے مقام پر نہرو کے اپنے ایک رشتہ دار پنڈت نے جو نظربند رکھا۔ یا مولانا آزاد کی ضروری "ہدایات" کے تحت نہرو کو "مجبوراً" واپس جانا پڑا تو دہلی کی کانگرسی اخباروں میں ان باتوں کو جس طرح اچھالا گیا افسوس کہ ہم ان سازشوں کو نہ سمجھ سکے۔ اور اب بھی صورت حال کا صحیح جائزہ نہیں لے رہے۔ کاش ہم ماضی کی کوتاہیوں سے اسباق سیکھتے۔

حوالہ جات

(۱)۔ تفصیل کیلئے راقم کی کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" سے استفادہ کریں۔ (۲)۔ حضور پاکؐ کا جلال و جمال۔ پچیسواں باب۔ (۳)۔ اس زمانے میں صوبوں کے بڑے وزیر کو وزیراعظم ہی کہا جاتا تھا۔ (۴)۔ پنڈورا باکس صفحہ ۱۰۰۔ (۵)۔ سر سکندر حیات میں عزت نفس اور اسلامی غیرت تھی۔ وہ خضر حیات کی طرح مسلمانوں کا اتنا نقصان نہ کرواتا۔ (۶)۔ فضل الحق اردو ان الفاظ میں بولتا تھا۔ (۷)۔ افسوس کہ ہمارے جاہل دانشور مسلمانوں کے اس دشمن کے ساتھ مہاتما (عظیم روح) کے الفاظ بھی استعمال کر دیتے ہیں۔ (۸)۔ آپ اسلام کے عظیم فرزند تھے اور میرے ہم جماعت نذیر عالم مرحوم کے والد تھے۔ (۹)۔ حضور پاکؐ کا جلال و جمال اکیسواں باب صفحہ ۴۴۴۔ (۱۰)۔ یہ بزاز صاحب کی مہربانیوں سے ہوا جس کو مسلمان اپنا ہمدرد سمجھتے ہیں۔

ساتواں باب

ہندوانہ ذہنیت اور بھارت کی سازشیں

تمہید محمود غزنویؒ کے زمانے کے عظیم مسلمان دانشور اور جغرافیہ دان البیرونی نے اس خطہ کے لوگوں کی عادات واطوار پر دو جلدوں کی ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ جس کا لفظ بلفظ آج بھی تازہ ہے، اور یہ عاجز اپنی زندگی کے ۲۶ سال ایسے مشاہدے خود بھی کرتا رہا۔ اور ۴۷ سالوں سے بھارت کے ایک ہمسایہ ملک کے طور پر ہمارے ساتھ "تعلقات" ایک کھلی کتاب ہے۔ ہر ہندو خود غرض، مطلب پرست، ابن الوقت، حاسد، دغاباز، بے وفا، اور جھوٹا یعنی سب کچھ ہو سکتا ہے ۲۶ سالوں میں یہ عاجز کسی ایک ہندو پر اعتبار نہ کر سکا۔ نہ کسی ہندو کو دوست کہہ سکا۔ سوائے ایک دو راجپوت نسل کے عہدیداروں کے، جن پر اعتبار کیا جا سکتا تھا۔ ان کی پرانی تاریخیں ذلت کی کہانیاں ہیں۔ وہ دنیا کی تاریخ میں کوئی مقام نہیں رکھتے۔ سوائے اس کے کہ ہر ہندو اپنی اور ذاتی بھلائی کے بارے ہر وقت سوچتا رہتا ہے۔ اس لئے پرانے زمانے میں بھی انہوں نے ضرور بر ضرور حساب دانی میں نام پیدا کیا۔ اور اب بھی سائنس یا فزکس جیسے مضامین میں ترقی کر کے وہ نیوکلر طاقت بن چکے ہیں۔ ان کے تمام عقائد افسانوی ہیں۔ وہ کسی ایک مذہب یا نظریہ کے پیروکار نہیں۔ سوائے مسئلہ آواگون کے کہ روحیں بار بار اسی دنیا میں انسان کے بہتر یا بدتر روپ میں جنم لیتی رہتی ہیں یا جانور کے روپ میں۔ لیکن روح کو جب معلوم نہیں کہ پچھلی جنم میں وہ کیا تھی یا کیا گناہ کیا، تو ہندو جزا و سزا کو بھی زبانی طور پر مانتے ہیں۔ اس لئے وہ ذلالت کی بہت نیچی سطح تک جا سکتے ہیں۔ اور صرف ڈنڈے کی زبان کو سمجھتے ہیں۔

بامقصد مطالعہ تاریخ میں ذلالت کی زندگی گزارنے کی وجہ ان کا یہ اور اس قسم کا رویہ ہے۔ انسانی زندگی کے بہتر یا وسیع مقاصد ان کو ان کے رہنما برہمنوں نے کبھی سمجھنے نہ دیئے۔ وہ ساری تاریخ عالم میں دنیا کی کمزور ترین قوم بنے رہے لیکن ان کو اگر کوئی اپنے سے زیادہ کمزور مل جائے تو یہ لوگ ظلم کے تمام ریکارڈ توڑ دیتے ہیں جیسے اب وہ کشمیر میں کر رہے ہیں۔ وہ

دھرتی ماتا اور گئو ماتا کی پوجا کے سلسلہ میں متحد ہیں، کہ یہ ان کو اناج اور دودھ مہیا کرنے کے ذرائع ہیں کہ بیل کی مدد سے وہ لوگ زمین کی کاشت بھی کر سکتے تھے۔ چنانچہ ان کے برہمنوں نے مسلمانوں کو ان کے سامنے ان کے بہت بڑے دشمن کے طور پر پیش کیا کہ وہ ان کے دھرم سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا رہے ہیں حالانکہ مسلمانوں اور اسلام کے ان پر بہت احسانات ہیں کہ ہم نے ان کو کئی ذلتوں سے چھٹکارا دلایا ہے۔ دراصل ہندوؤں میں منوسمرتی نے رسم و رواج اور ذات و پات کی سخت Rigidity (یعنی بے لچکی) پیدا کر دی تھی، تو اسلام نے اس میں دراڑیں پیدا کر دیں۔ علاوہ ازیں ان کے بے حساب خداؤں اور دیوی دیوتاؤں کی بجائے، اسلام نے ان کو ایک اللہ یعنی ایک سپریم طاقت کی طرف مائل کر دیا وغیرہ، تو ان کے دانشوروں کو ان کا یہ معاشرتی نظام (ہندوازم) پاش پاش ہوتا نظر آیا، تو مسلمانوں کو انہوں نے اپنا عظیم دشمن بنالیا۔ کمزوری کی حالت میں وہ مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ طاقت میں آکر انہیں مسلمانوں کو ضرور ختم کرنا چاہیئے۔ یا اپنے اندر سمو لینا چاہیئے۔ ورنہ صحیح قسم کا رسول عربیؐ کا اسلام اس برصغیر کو چند سالوں میں ہندوانہ رسموں سے پاک کر سکتا ہے اور انشاء اللہ ایک دن ایسا [1] ہوگا۔ اس لئے یہ عاجز پچھلے ۴۷ سالوں سے اتنا شور مچا رہا ہے، کہ خدارا ہم مسلمان اللہ کی فوج بن جائیں کہ اس برصغیر میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ابھی ایک فیصلہ کن جنگ ہونا باقی ہے۔ جس کے بعد یہ مسلم انڈیا ہوگا یا ہندو انڈیا۔

ہندو سیاستدان اور دانشور اس عاجز کو بڑے بڑے ہندو سیاستدانوں اور اخبار نویسوں کو بہت نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ پورے مشاہدات اور تاثرات پر کئی کتابیں لکھ سکتا ہوں۔ ان میں اول مسٹر کرم چند گاندھی ہے جس کے "مولانا" بننے کا ذکر پانچویں باب میں اور "مہاتما" بننے کا ذکر چھٹے باب میں ہے۔ ایک بہروپیا بن کر اور ڈھونگ رچا کر یا اپنے لڑکے دیو داس سے اسلام قبول کروا کے اور پھر واپس ہندو بنوا کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جتنی زہر اگلوائی یا مکاری و دجل فریب کو مسلمانوں کے خلاف اتنا استعمال کیا کہ شیطان ان دنوں لمبی تان کر سوتا رہا کہ یہ افلاک اب اس کی ضرورت باقی نہیں۔ لیکن افسوس کہ ہمارے دانشور اس کو مہاتما (عظیم روح) کے طور پر مانتے ہیں۔ دوسرا "شہزادہ" جواہر لعل نہرو تھا۔ جس نے

اپنے آپ کو مذہب سے بالاتر ایک لبرل، لادین سوشلسٹ بنایا ہوا تھا۔ لیکن در حقیقت وہ ایک ناخن سے لے کر سر کے بالوں تک اول بھی ہندو تھا اور آخر بھی ہندو تھا۔ چانکیہ کی کتاب کا انگریزی ترجمہ ہمیشہ اس کے سرہانے کے نیچے ہوتا تھا۔ وہ اپنے خاندان کیلئے بھی " بادشاہت " کی طرح ڈال گیا۔ گاندھی کے بعد جتنا نقصان اس یا اس کے خاندان نے مسلمانوں کا کیا، اس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ لیکن ہماری عقل پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کئی رہنماؤں کے ان کے ساتھ خاندانی تعلقات ہیں۔ خیر سردار پٹیل، پرشوتم داس ٹنڈن اور گوبند ولبھ پنت جیسے چوٹی کے کانگرسی لیڈر۔ یا ہندو مہاسبھا کے شیام پرشاد مکرجی اور ڈاکٹر مونجے کی قسم کے لوگ تو شکل وصورت اور اپنے ہر بیان سے مسلمانوں کے دشمن نظر آتے تھے۔ اس عاجز نے غیر متعصبی کا لبادہ اوڑھنے والے راج گوپال اچاریہ مدراسی یا شرافت کا لبادہ اوڑھنے والے ڈاکٹر راجندر پرشاد اور سوشلسٹ جے پرکاش نارائن، کسی سے کبھی کوئی ایسا کلمہ نہ سنا جس سے مسلمانوں کی کوئی پرسان حالی ہوتی ہو یا اس کو اسلام کے حق میں خیر کی بات کہا جاتا۔ ہندو اخبار نویسوں کو تو میں نے بہت نزدیک سے دیکھا۔ وہ سب شر ہی شر اور شیطان کے چیلے تھے۔ میں نے رامائن اور مہا بھارت کی افسانوی کہانیاں تفصیل سے پڑھیں۔ میں نے منوسمرتی کی گیتا کا مطالعہ کیا۔ جو مقابلتاً بہتر کتاب ہے۔ ویدوں اور شاستروں کے سرسری مطالعے کئے۔ جن میں دنیاوی ضرورتوں کے سلسلہ میں کام کی باتیں ہیں۔ لیکن مجھے زیادہ دلچسپی ہندوؤں کے نظریات یا دیو مالائی تعلیم سے تھی۔ اور اس کے لحاظ سے ہندوؤں کے ہمارے ساتھ اس سب دغا و فریب کی اجازت ہے جو کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔

برصغیر کی تقسیم کی تجویز کا جائزہ انگریزوں اور ہندوؤں کے "مشترکہ اقدار"[۲] کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور مولانا آزاد کی یادوں[۳] کے مطابق ماؤنٹ بیٹن نے ہندو کانگرس کو بہت پہلے بتا دیا تھا، کہ وہ لوگ ملک کے بٹوارے کیلئے تیار ہو جائیں کہ مسلم لیگ کو زمین کے چند ٹکڑے ملیں گے اور کانگرس کو پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا مطالبہ کرنے کی ضرورت نہ پڑے گی کہ ماؤنٹ بیٹن از خود ایسا کر دے گا۔ اور اس نے ایسا کر دیا۔ کہ ہمارے مطالبہ سے ہمیں صرف صوبہ سندھ پورا ملا۔ صوبہ سرحد میں ہمیں ریفرنڈم جیتنی پڑی، اور یہی کچھ صوبہ آسام کے

مسلم اکثریت والے ضلع سلہٹ کیلئے ہوا اور آسام کوئی ہندو اکثریت کا صوبہ نہ تھا۔ وہاں کے قبائلی لوگ ہم مسلمانوں کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ علاوہ ازیں بلوچستان، جہاں ہماری آبادی نوے فی صد تھی، وہ حاصل کرنے کیلئے ہمیں کئی "جھمیلوں" سے گزارا گیا۔ لیکن قائد کو ایک "خطہ" چاہیئے تھا۔ ان کو "جھونپڑی" بھی قبول تھی کہ وہاں اپنی مرضی سے ہم مجاہدانہ اسلام اپنا کر بہت کچھ حاصل کر لیں گے۔ یہی خواہش بھارت میں رہ جانے والے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی تھی اور اس عاجز نے ان کے رویہ، قربانیوں اور خلوص کو بہت قریب سے دیکھا۔ میں ان کو سلام کرتا ہوں۔ وہ تحریک پاکستان کے ہراول میں تھے۔ ان کی کارکردگی پر کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ قائد، بے دین پاکستان چاہتے تھے یا پاکستان مسلمانوں کی معاشی ضرورت تھی، وہ بکواس بکتے ہیں۔ ہماری مادی لوٹ مار سے بھارت میں رہ جانے والے مسلمانوں کو کیا ملتا۔ ان کی نظر تو ایک مجاہدانہ عمل والے پاکستان پر تھی، جو ان کی پرسان حالی کرتا۔ افسوس! ہم نے ان کو بھی مایوس کیا اور خود بھی ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے، کہ نعوذ باللہ قائد اعظم بے دین پاکستان چاہتے تھے تو پھر ان پر جن لوگوں نے کافر اعظم کا فتویٰ لگایا تھا۔ وہ ٹھیک تھے۔

ریاستوں کے معاملات ریاستوں کے بارے اعلان کیا گیا کہ ان کے راجے یا نواب جغرافیہ کو مدنظر رکھ کر اور اپنے لوگوں سے مشورہ، یا ان کی خواہشات کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان یا بھارت کے ساتھ اپنی ریاست کا الحاق کریں گے۔ یہ بڑی مہمل بات تھی۔ لیکن ہم کشمیر کے بارے فکر مند نہ تھے اور آگے نویں باب میں ذکر ہے کہ قائد اعظم بھی اس سازش کی گہرائی کی پیش بینی نہ کر سکے کہ جولائی ۱۹۴۷ء میں ۲۱ مسلمان ممبروں میں سے ۱۹ ممبروں نے ریاست جموں و کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کا مطالبہ پیش[۴] کر دیا تھا۔ جیسے اب ظاہر ہو رہا ہے اور یہ عاجز اپنی کتابوں تاشقند کے اصلی راز اور پنڈورا باکس میں ثابت کر چکا ہے کہ آج کل ہمارے ملک میں تبدیلیاں لانے کے لئے امریکہ والے یا ان کی سی آئی اے ہر کام یا مقصد حاصل کرنے کیلئے کئی تجاویز تیار رکھتے ہیں، جن کو حالات کے مطابق تبدیل کر لیا جاتا ہے کہ ان میں "لچک" ہوتی ہے۔ تو اب ظاہر ہے کہ انگریز کشمیر، بھارت کو دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اگر

سرحد کی ریفرنڈم میں ہم ہار جاتے اور سرحد، بھارت کا حصہ بنتا تو کشمیر اور اس سے آگے سوات، دیر اور چترال کے ذریعہ سے بھارت کو ہی انگریز ڈیورنڈ لائن پر اپنا "جانشین" بنا کر اس کے ایک طرف کچھ "جھمیلے" دے رہے تھے۔ساتھ ہی اس کی پیٹھ ٹھونک کر اس کو اپنا پروردہ بنا کر روس کے خلاف استعمال کرتے۔اور چین بھی اس وقت آدھا اہل مغرب کا پروردہ تھا اور آدھا روس کا۔لیکن ریفرنڈم کے ہار جانے کی صورت میں وہ یہ کچھ کرنا چاہتے تھے جو کیا۔کہ لنگڑے لولے پاکستان کو لنگڑا لولا کشمیر دے کر ایک ہزار میل لمبی فائر بندی لائن پر بٹھا کر تقریباً یہی چاہتے تھے جو پچھلے ۴۷ سالوں سے ہو رہا ہے۔چین میں ۱۹۴۹ء میں کمیونسٹ حکومت کے آجانے کے بعد بندر بانٹ میں جو تبدیلی کرنا چاہتے تھے، اس کو بھی موخر کر دیا۔اور حالات کے مطابق پلڑوں کے جھکاؤں پر بھی اثر انداز ہوتے رہے۔اگلے سارے واقعات اس کے ثبوت میں جائیں گے۔لیکن اس وقت ہمیں زیادہ فکر حیدرآباد کی تھی۔بہر حال جو کچھ بھی تھا، بھارت کو انگریزوں نے تسلی دے دی تھی کہ چونکہ کشمیر کی سرحدیں، روس اور چین کے ساتھ ملتی ہیں، اس لئے انگریز عملی طور پر پاکستان کو ان جگہوں سے دور رکھنا چاہتے ہیں[۵]۔

حد بندی — قائد اعظم پاکستان اور بھارت کے درمیان حد بندی کا بندوبست اقوام متحدہ سے کرانا چاہتے تھے۔جس کو نہرو اور ماؤنٹ بیٹن نے رد کر دیا، کہ پاکستان اس وقت تک اقوام متحدہ کا ممبر نہ تھا۔بانٹ تو ہو گئی تھی۔لکیر چند ماہ بعد بھی لگ سکتی، لیکن انگریز۔اور ہندو ملے ہوئے تھے کہ ماؤنٹ بیٹن نے قائد کی یہ تجویز بھی مسترد کر دی۔کہ یہ کام ہاؤس آف لارڈز کے تین قانون دانوں کے سپرد کیا جائے۔ماؤنٹ بیٹن نے کہا، معاملہ جلدی کا ہے، وہ لوگ یہاں کی گرمی نہیں برداشت کر سکتے[۶] (کتنا بودا اعتراض تھا یہ؟) چنانچہ ماؤنٹ بیٹن یا یہ کہیں کہ انگریزوں نے ایک غیر معروف انگریز وکیل ریڈکلف کو حد بندی کمیشن کا صدر بنایا۔اور اس کی مدد کیلئے دو ہندو جج اور دو مسلمان جج مقرر کئے جو ایک "ڈرامہ" تھا۔کہ سارا فیصلہ اکیلے صدر نے دیا جس کو وائسرائے ہاؤس میں ماؤنٹ بیٹن[۷] کے پاس ٹھہرایا گیا تھا۔بد قسمتی سے ہمارے مسلمان ججوں میں سے ایک محمد منیر بے دین اور چھپا قادیانی تھا۔اور قائد اعظم کو لیاقت علی اور دولتانہ نے غلط مشورہ دے کر ہمارا وکیل بھی ظفراللہ قادیانی کو بنوا دیا۔کہ

قادیانی ہمیں گورداسپور کا ضلع لے دیں گے۔لیکن قادیانی کبھی نہ چاہتے تھے کہ ان حالات میں قادیان (ضلع گورداسپور)، پاکستان کا حصہ بنے کہ ان کو معلوم تھا کہ کوئی من چلا مرزا غلام کذاب کی قبر کی اینٹ اینٹ کو اکھاڑ دے گا۔لیکن وہ خود "مظلوم" بن کر باقی مسلمانوں کی طرح پاکستان آنا چاہتے تھے۔جہاں کوڑیوں کے بھاؤ زمین لے کر ربوہ کے مقام پر جھوٹے نبی کے ایک اور مرکز نے بھی بننا تھا۔لیکن فطرت بھی ہم سے انتقام لینے کی تیاری کر رہی تھی، کہ قادیان کے گرد دو سو میل کے دائرہ میں مسلمانوں کے نام نے بھی مٹ جانا تھا۔اللہ تعالیٰ کے نام کی صدا آنی بھی بند ہونا تھی۔مسجدوں نے بھی برباد ہونا تھا اور ہم نے ستر ہزار نوجوان عورتیں بھی کفار کے ہاتھوں میں چھوڑنا تھیں۔فاعتبروا یا اولی الابصار۔

متحدہ دفاع یا متحدہ افواج — فیلڈ مارشل آکنلیک جو آزادی کے بعد پاکستان میں آکر ہمارا ہمدرد بنا رہتا تھا۔وہ برٹش انڈین آرمی جیسی "عظیم فوج" کے بٹوارے کے ہی خلاف تھا۔اور ہندو افسر اس کے ساتھ تھے، تو ہم نے دہلی کی ڈان اخبار میں فوج کی بانٹ کی ایک تجویز شائع کرا دی۔پھر ہندوؤں نے ایک اور شوشہ چھوڑا کہ جو آدمی پاکستان کی فوج میں جانا چاہے۔وہ یہاں سے ڈسچارج لے اور پاکستان اپنی فوج بعد میں کھڑی کرے وغیرہ۔بہر حال دہلی میں ہم فوجیوں نے جو مسلم لیگ سیل (Cell) اپنے اندر خفیہ طور پر بنا کر اور مسلم لیگ کے لیڈروں سے ملاقاتیں کر کے یہ پوری پوری یونٹوں کو پاکستان آرمی کا جو حصہ بنوایا، یہ ایک بڑا لمبا مضمون ہے کہ انگریز تو بٹوارے کے بعد دونوں ملکوں میں متحدہ دفاع[۸] کے تحت اپنی سربراہی رکھنا چاہتے تھے۔تو سازش کوئی ایک آدھ نہ تھی۔

متحدہ گورنر جنرل — ۱۷ مئی، ۱۹۴۷ء کو جب ماؤنٹ بیٹن بٹوارے کی تجویز لے کر لندن جا رہا تھا تو قائد اعظم کو صرف اتنا بتایا کہ ملک کا بٹوارہ ہو رہا ہے لیکن دونوں ملکوں کا ایک گورنر جنرل ہونا چاہیے، تو قائد نے جواب دیا کہ گورنر جنرل تو دونوں ملکوں کے الگ الگ ہونے چاہئیں۔البتہ کچھ دن یا مہینے دونوں گورنر جنرلوں کے اوپر ماؤنٹ بیٹن "منصف" رہ سکتا ہے۔اور مسلم لیگ بٹوارے کے اعلان کے بعد پورا اور پکا فیصلہ کرے گی۔لیکن ادھر ۹ مئی ۱۹۴۷ء کو ماؤنٹ بیٹن بٹوارے کی پوری تجویز نہرو کو دکھا چکا تھا اور اس سے یہ وعدہ لے چکا[۹] تھا کہ

بھارت کا پہلا گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن ہی ہوگا[۱۰] ۔ادھر انگریز وزیر اعظم اٹیلی کو بھی بتا آیا کہ دونوں ملکوں کا متحدہ گورنر جنرل ہوگا۔ بٹوارے کے اعلان کے بعد قائد نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا ۔ تو ماؤنٹ بیٹن نے قائد کے پاس نواب بھوپال کو بھی بھیجا کہ اس کو متحدہ گورنر۔ جنرل بنایا جائے ۔ لیکن ۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو قائد نے سرکاری طور پر لیاقت علی کے ذریعہ سے ماؤنٹ بیٹن کو اطلاع دے دی کہ قائد اعظم از خود پاکستان کے گورنر جنرل ہوں گے ۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ماؤنٹ بیٹن کو گورنر جنرل رکھا جاتا تو ہمارے ساتھ اتنی زیادتیاں نہ ہوتیں ۔ ماؤنٹ بیٹن اگر ہمارا گورنر جنرل ہوتا تو سرحد میں کانگرسی وزارت بر سر اقتدار رہتی اور ہماری جگ ہنسائی ہوتی ، کہ اچھا ملک آزاد ہوا ، کہ دونوں کا ایک گورنر جنرل ہے ۔ انگریزوں نے جو ہمارے ساتھ کرنا تھا وہ کرتے ۔ بلکہ ممکن ہے بٹوارے والا معاملہ کو ختم بھی کر دیتے ۔ قائد نے کم از کم ہمیں غیر تمند ملک بنانے کی کوشش کی ۔ جب تک وہ زندہ رہے نہ فائر بندی کرا کے کشمیر کے جہاد میں جمود ڈالا جاسکا نہ حیدر آباد پر بھارتی فوجیں حملہ کر سکیں ۔ لیکن قائد بیمار تھے ۔ ان کے اختیارات "محدود" تھے ۔ انہیں کوئی مجاہد نظر نہ آیا ۔ ہم نے ان کو مایوس کیا لیکن ایک سال دنیا کے نقشے پر ہمیں وہ رکھ گئے تو ہم برائے نام طور پر "قائم" تو ہیں ۔ ماؤنٹ بیٹن ، ہمارے ساتھ اور بد تر کرتا ۔ وہ ۱۹ جون ۱۹۴۷ء کو ہی کشمیر کا چکر لگا آیا تھا ۔ کہ ہندو کانگرس نے مئی ۱۹۴۷ء میں اچاریہ کرپلانی کو کشمیر بھیج کر مہاراجہ کشمیر اور شیخ عبداللہ میں صلح کرانے کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہوئی ۔ تو نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کی "خدمات" حاصل کر لیں ۔ ماؤنٹ۔ بیٹن نے ۱۹۲۱ء سے مہاراجہ کے ساتھ "دوستی" کیوجہ سے اس دورہ کو ضروری سمجھا ، اور اپنے سیاسی مشیر سر کونرڈ کورفیلڈ کو بھی ساتھ نہ لے گیا[۱۱] کہ کورفیلڈ نے کشمیر اور حیدر آباد دونوں کیلئے ایک طریقہ اپنانے کی تجویز پیش کی تھی ۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن کہتا تھا کہ کشمیر میں ایک جلسہ عام بلا کر لوگوں کی رائے پوچھ لی جائے ۔[۱۲] اب یہ جلسہ مہاراجہ اپنے مرضی کے لوگوں کا بلاتا ۔ اور حیدر آباد کے لئے ماؤنٹ بیٹن کہتا تھا کہ انگریز افسروں کے تحت رائے شماری کرائی جائے[۱۳] ۔ بات سیدھی ہے ، انگریزوں نے جو کچھ کرنا تھا وہ کیا ۔ ماؤنٹ بیٹن نے حیدر آباد اور ٹراونکور کو اپنی آزادی کا اعلان کرنے سے روک دیا ۔ کورفیلڈ بے چارہ طریق کار کی "مشاورت"

دے سکتا ہوگا ۔ اصلی فیصلے بہت پہلے ہو چکے تھے ۔

ریڈکلف کا "فیصلہ" بدنام کرنے کیلئے ہم انگریزوں کی بجائے بیشک ریڈکلف کا نام استعمال کرتے رہیں ۔ اور خود انگریزوں ہی کے ذرائع سے ہمارے پاس جو خبریں پہنچیں ان سب کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کیلئے اس سلسلہ میں کتاب میں دو ابواب کا اضافہ کرنا پڑے گا ۔ مختصر یہ ہے کہ ہمارے ساتھ بہت بے ایمانی اور بے انصافی ہوئی ۔ تحصیل گورداسپور مسلم آبادی ۵۲٫۳ فیصد تحصیل بٹالہ مسلم آبادی ۵۶.۶ فیصد ۔ تحصیل اجنالہ مسلم آبادی ۵۹.۴ فیصد اور تحصیل ترن تاراں مسلم آبادی ۵۱.۰ فیصد بلکہ پاکستان سے ملحقہ علاقے کے ساتھ کھیم کرن میں مسلمانوں کی آبادی ۶۰.۰ فیصد تھی ۔ یہ سارے علاقے بھارت کو اس لئے دے دیئے گئے کہ گورداسپور کا ضلع بھارت کو دینا تھا تو اس وقت کے ملحقہ علاقوں سے بھی ہمیں ہاتھ دھونا پڑا ۔ لیکن آخری وقت ایک اور بہت بڑی بے ایمانی[۱۴] ہوئی کہ فیروز پور ہیڈورکس ہمارے حصہ میں آرہا تھا کہ تحصیل فیروز پور مسلم آبادی ۶۵.۲ فیصد اور تحصیل زیرہ مسلم آبادی ۵۵٫۲ فیصد بھی ہمیں مل رہی تھیں ۔ تو مہاراجہ بیکانیز کو یہ بات معلوم ہو گئی اور اس نے کہا کہ وہ پھر پاکستان کے ساتھ الحاق کرے گا ۔ کہ اس کے علاقے کو پانی وہاں سے ملتا ہے ۔ تو یہ علاقے نہرو کے کہنے پر ماؤنٹ بیٹن نے آخری وقت بھارت کو دیئے ۔ اس کے بڑے ثبوت موجود ہیں ۔ پنجاب کے نئے گورنر مودی نے ۱۲ اگست ۴۷ کو پرانے گورنر جینکنز کی میز پر جو نقشہ دیکھا اور چودھری محمد علی کو بتا دیا[۱۵] اس میں فیروز پور کے یہ علاقے پاکستان کے حصہ میں دکھائے گئے تھے ۔ دراصل چودھری محمد علی ۱۹ اگست کو جب دہلی جارہے تھے ، تو قائد نے ان کو ہدایت کی کہ وہ لارڈاسے (ماؤنٹ بیٹن کے نائب خصوصی) سے علیحدگی میں بات کریں ، کہ یہ گورداسپور ضلع جو بھارت کو دینے کی بات کو مشہور کیا جارہا ہے یہ بہت بڑی سازش اور بے انصافی ہے ، اور چودھری محمد علی نے جا کر لارڈاسے کے ساتھ بات کی ، تو اس نے کہا ، کہ اس کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ۔ ساتھ ہی انہی صاحب کے دفتر میں جو نقشہ لگا ہوا تھا ، وہ بالکل اسی نقشہ کی کاپی تھی ، جو ۱۲ اگست کو گورنر مودی نے پرانے گورنر جینکنز کی میز پر دیکھا ۔ تو چودھری محمد علی نے لارڈاسے کی توجہ اس نقشے پر دلائی ، کہ گورداسپور کو تو بھارت کا حصہ دکھایا گیا ہے ۔ تو لارڈاسے

کھسیانا ہو گیا اور کہنے لگا۔ کوئی آدمی اپنی مرضی کا اظہار کر گیا ہے۔ یا شرارت کر گیا ہوگا۔ بہر حال اس چیز کا تو محمد علی کو بھی ۱۷ اگست کو پتہ چلا ہوگا۔ کہ فیروزپور کا علاقہ جو پاکستان کا حصہ دکھایا گیا تھا، بعد میں وہ بھی بھارت کو دے دیا ہوگا۔ اب قائد کو بھی ماؤنٹ بیٹن کی نسبت لارڈ اسے پر زیادہ بھروسہ تھا۔ کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا دوست بتاتا تھا۔ ساری عمر مسلمان فوجیوں کے ساتھ گزاری اور اس کو پشتو اور پنجابی زبانوں پر بھی عبور تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں وہ کنزرویٹو پارٹی کے مسٹر چرچل وزیر اعظم برطانیہ کا چیف آف سٹاف تھا اور بعد میں بھی اس پارٹی کا بڑا سر خیل رہا۔ ہمارے ہاں جو لوگ وزیر اعظم ایٹلی کی لیبر پارٹی اور ان کے چنیدہ ماؤنٹ بیٹن کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں، خدارا وہ یہ بات سمجھ لیں کہ سب انگریز ہمارے دشمن ہیں۔

لیکن کیا ہوا؟ کیا کچھ ہوا۔ یہ باتیں جس طرح ولی خان انگریزوں کے ریکارڈ سے لے آیا، کوئی آدمی ان ہی انگریزوں کے کاغذات سے ڈھونڈ سکتا ہے۔ اور "حیلہ فرنگی" کا یہ ایک اور "پینترا" ہے۔ کہ اپنی "دیانتداریوں" کے ثبوت کیلئے وہ سب واقعات صحیح طور پر ریکارڈ کر دیتے ہیں۔ لیکن اصلی بات پوشیدہ رکھتے ہیں۔ بہر حال ہم جاہل خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم نے صحیح کھوج لگا لیا۔ ساتھ ہی "الزام" ایک آدھ انگریز فرد پر آتا ہے۔ اور انگریز قوم ہماری "دوست" بنی رہتی ہے۔ اب ایک اور کہانی سنیں۔ لیونرڈ موسلے کے مطابق ریڈ کلف نے اپنا فیصلہ ماؤنٹ بیٹن کو ۹ اگست کو دے دیا[16] ہر بات میں ماؤنٹ بیٹن کا دفاع کرنے والا کیمبل جانسن بھی یہی کہتا ہے[17]۔ ماؤنٹ بیٹن نے فیصلہ پر ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو دستخط کئے[18]۔ ۱۵ اگست کو خاموشی کے ساتھ ریڈ کلف کو لندن بھیج دیا گیا اور ۱۷ اگست کو "ریڈ کلف کے فیصلہ" کا اعلان ماؤنٹ بیٹن نے کیا۔ تو صاف ظاہر ہے کہ نہ اکیلا ماؤنٹ بیٹن یا ریڈ کلف مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ بلکہ پوری انگریز قوم ہماری دشمن ہے۔ گورداسپور اور ملحقہ پانچ تحصیلیں بھارت کو دینے کا فیصلہ تو ۹ اگست کو ہوا۔ فیروزپور کے علاقے مہاراجہ بیکانیز کے پاکستان میں شمولیت کے ڈر اور نہرو کی سفارش پر یہ آخری وقت بھارت کو دیئے گئے۔ ظاہر ہے ماونٹ بیٹن نے ٹیلیفون کے کسی ذرائع سے لندن سے اجازت کے بعد ایسا کیا، کہ فیصلہ سنانے میں اتنے دن لگ گئے۔ لیکن یہ "دغا بازیاں" انگریز اپنی کتابوں یا ریکارڈوں میں درج نہیں کرتے۔ ہاں! ہمیں خوش کرنے اور

بے وقوف بنانے کیلئے ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو پنجاب کے گورنر مودی نے چودھری خلیق الزمان کو خط لکھ کر "تسلیم" کیا۔ کہ ماؤنٹ بیٹن نے ہر طرح سے اپنے آپ کو بھارت کی جھولی میں ڈال دیا ہے[19]۔ یا موسلے صاحب اپنی کتاب میں مزید کہتے ہیں کہ ماؤنٹ بیٹن نے جب جون ۱۹۴۸ء کی بجائے انگریزوں کے برصغیر کو الوداع کہنے کی تاریخ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کر دی، تو انگریز وزیر اعظم ایٹلی بھی حیران و ششدر رہ گیا۔ اس عاجز کے لحاظ سے یہ بہت بڑا بکواس اور جھوٹ ہے اور ہمیں بے وقوف بنایا جاتا ہے کہ کچھ باتیں ماؤنٹ بیٹن نے خود کر دیں۔ مودی صاحب خود نے جو غداریاں ہمارے ساتھ کیں وہ اگلے ابواب میں آئیں گی۔ اسی طرح فیلڈ مارشل آکنلیک نے ستمبر ۱۹۴۷ء کو ولایت میں مسٹر ایٹلی کو جو خط لکھا، کہ بھارت کی نئی حکومت ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے کہ پاکستان کی نئی حکومت اس ملک کو کسی پکی بنیادوں پر نہ چلا سکے۔ تو یہ آکنلیک اب ہمیں "دیا" جا رہا تھا۔ یہ عاجز اس کے سٹاف پر دہلی میں بھی رہا اور ۱۹۶۰ء تک اس کو ملتا رہا۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ لوگ "دوغلہ پن" سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن افسوس اپنوں پر ہے کہ ہم میں مومن کی فراست نہیں اور قرآن پاک کے مطابق جب تک ہم طاغوت کے ساتھ کفر نہ کریں۔ یہ ایمان کی روشنی یا فراست ہم کو نہ مل سکے گی۔

بھارت کی سازشیں ہندو کانگرس کو پہلے سے معلوم تھا، کہ گورداسپور کا ضلع بھارت کو ملے گا۔ چنانچہ ان کے "باپو جی" اور سیاست سے بالاتر رہنے کے ڈھونگ رچانے والے کرم چند گاندھی کو ۱۹۱۹ کے کنبھ کے میلہ پر اس وقت کے مہاراجہ پرتاب سنگھ کے ساتھ کشمیر "یاترا" کا ایک بجن یاد آگیا۔ اور یہ اعلان کر کے کہ وہ کسی سیاسی مشن[20] پر نہیں جا رہا، اگست کے پہلے ہفتے وہ، سری نگر پہنچ گیا۔ وہاں مہارانی کشمیر کے روحانی گرو سوامی سنت دیو کی مدد سے مہاراجہ تک رسائی حاصل کی اور وہاں ہی سے نہرو اور پٹیل کو "خوشخبری"[21] کے خطوط لکھے۔ ان خطوط میں کیا لکھا، ہم بعد کے احوال سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ چند نتائج انہی دنوں میں ظاہر ہو گئے۔ کچھ غیر متعصب قسم کے وزیر اعظم رام چندر اکاک کی بجائے ۱۱ اگست ۴۷ کو ایک متعصب ڈوگرہ کرنل جنک سنگھ کشمیر کا وزیر اعظم بن گیا۔ راشٹریہ سیوک سنگھ کے ممبر رام لعل بترا کو ڈپٹی وزیر اعظم بنایا گیا۔ گاندھی نے بخشی غلام محمد کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں۔ اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے ذریعہ سے شیخ عبداللہ کو بتایا گیا، کہ مہاراجہ کشمیر کو اس کی "ضرورت" ہے۔ اور

وہ زیادہ دیر جیل میں نہ رہے گا۔ اور مہاراجہ کو بتایا گیا کہ شیخ عبداللہ کے بغیر وہ مسلمانوں کے ساتھ نہ رکھ سکے گا۔ یہ تھی مکار گاندھی کی کشمیر کی "غیر سیاسی" یاترا۔ ادھر مشرقی پنجاب میں فسادات شروع کرنے میں مقصد یہ بھی تھا، کہ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں نفرت پیدا ہو اور مغربی پنجاب میں بھی فساد ہوں اور مہاراجہ کشمیر کو بتایا جائے۔ کہ مسلمان پاکستان کے ساتھ وہ نہ چل سکے گا۔ پٹیالہ، کپور تھلہ، فرید کوٹ اور الور کے ہندو سکھ راجوں نے اپنی ریاستی فوجوں سے مسلمانوں کا قتل عام کرایا۔ اور کپور تھلہ جہاں مسلمان اکثریت میں تھے ان کو بھی تہ تیغ کر دیا گیا۔ مالیر کوٹلہ جس کا نواب مسلمان تھا۔ وہ بھی اپنے لوگوں کو نہ بچا سکا۔ اب یہ ہندو سکھ مہاراجے کشمیر میں پہنچ گئے۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ کو نہ صرف بھارت میں شمولیت کے مشورے دینے شروع کئے۔ بلکہ یہ لوگ اپنے "قاتلوں" کو بھی ساتھ لے گئے۔ چنانچہ سب سے پہلے جموں۔ سامبہ۔ رن بیر سنگھ پورا۔ بسولی، رام نگر اور اودھم پور کے گرد و نواح میں جہاں مسلمانوں کی نفری کم تھی ان کو پہلے مرحلہ میں تہ تیغ کرنا شروع کیا گیا۔ اور دوسرے مرحلہ میں مسلم اکثریت والے علاقوں میں مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا تھا۔ کہ مہاراجہ نے اپنے انگریز چیف آف سٹاف میجر جنرل سکاٹ اور آئی جی پولیس مسٹر پاول کو ہٹا کر وہاں ڈوگرے افسر تعینات کر دیئے۔ اور سب سولین ڈوگروں کو ہتھیار بند کر کے مسلمانوں کو کشمیر چھوڑنے پر مجبور کیا جانا شروع کر دیا۔

ہماری غلط فہمیاں ہمارے ہاں اب تک کچھ لوگ ان غلط فہمیوں کا شکار ہیں کہ اگر قبائلی کشمیر میں داخل نہ ہوتے، یا جہاد کی بسم اللہ نہ کی جاتی، اور صلح و صفائی سے بات کی جاتی، کہ شیخ عبداللہ کا نمائندہ جی ایم صادق پاکستان بننے کے بعد لاہور آیا اور وہ انار کلی بازار کے ایک ہوٹل میں ٹھہرا۔ لیکن یہاں اس کو کسی نے منہ نہ لگایا، تو وہ دہلی چلا گیا اور وہاں جواہر لعل نہرو نے اس کی خوب آؤ بھگت کی وغیرہ۔ اول بات یہ ہے کہ اس وقت شیخ عبداللہ جیل میں تھا۔ لیکن حالات ایسے ہو گئے تھے کہ اگر شیخ عبداللہ، پاکستان کے ساتھ مل کر کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کا مطالبہ پیش کر بھی دیتا۔ تو ہندو کانگرس بخشی غلام محمد کو آگے لے آتی۔ اور ۱۹۵۳ء میں ایسا کیا۔ حالات جو صورت اختیار کر چکے تھے، تو جہاد کے بغیر اور کوئی راستہ نہ تھا۔ اس میں مشیت تھی۔ اللہ تعالیٰ جہاد کا راستہ کھول رہا تھا اور راقم اسی وجہ سے کتاب حضور پاکؐ

کا جلال و جمال پہلے لکھ کر قوم کو واضح کر چکا ہے کہ جہاد مسلمانوں کیلئے طرز زندگی ہے۔ یہ فتوؤں یا وقت کا محتاج نہیں۔ اور نہ حالات کے تابع ہے۔ ہاں البتہ طریق کار میں جو غلطیاں کیں یا قبائلی مجاہدین کو غلط طریقوں پر استعمال کیا۔ لیکن اس کے باوجود جہاد سے کیا کچھ حاصل کر لیا۔ ان سب باتوں سے پردے اتریں گے اور ہر واقعہ اور حالات پر بھرپور بحث ہو گی۔ اور میں اپنی رائے کو حرف آخر ہر گز نہیں کہتا۔

جنرل نوابزادہ شیر علی اس کتاب میں آگے چل کر اور خاص کر چوالیسویں باب میں نواب۔ پتوڈی کے خاندان سے جنرل شیر علی کا بہت ذکر آئے گا۔ کہ یہی صاحب کمانڈر انچیف کیلئے ایوب خان کے جانشین "مشہور" تھے۔ اور راقم ان کو دوسری جنگ عظیم سے کپتانی اور میجری کے وقت سے جانتا ہے۔ آپ متحدہ ہندوستان کے حامی تھے اور ہمارے جھگڑے بھی ہوئے۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں نواب بھوپال کے مشورہ سے پاکستان آگئے اور میرے برگیڈ کمانڈر اور جنرل کے طور پر بھی بڑے افسر رہے۔ سفیر بھی رہے اور یحییٰ کی حکومت میں وزیر بھی رہے۔ چوالیسویں باب میں تفصیل ہے کہ جنرل شیر علی کے مطابق سردار پٹیل کا رویہ حقیقت پسندانہ تھا۔ جنرل شیر۔ علی ان لوگوں میں سے ہیں۔ جن کے مطابق ہمیں بھارت کا "چھوٹا بھائی" بن کر رہنا چاہیئے۔ اور لیاقت علی سمیت ہمارے ملک میں ایسے لوگ "بہتات" میں تھے اور ہیں۔ میرے لحاظ سے سردار۔ پٹیل ہر وقت ہمیں ختم کرنے کی تگ و دو میں رہتا تھا۔ اور کوئی ہندو کبھی یہ نہ پسند کرے گا کہ مسلمان باعزت زندگی گزاریں۔

سردار پٹیل کا ۳ جولائی کا خط[۲۲] گاندھی کے کشمیر یاترا سے بہت پہلے ۳ جولائی ۱۹۴۷ء کو پٹیل نے مہاراجہ کو خط لکھا کہ گوپال داس[۲۳] نے اس کو مہاراجہ کی مشکلات اور شکوک سے آگاہ کیا ہے۔ مہاراجہ ہر گز فکر نہ کرے، اس کی حفاظت تب ہو سکتی ہے کہ وہ بھارت میں شمولیت اختیار کرے، کہ بھارت متحدہ ہندوستان کے اسی فیصد حصہ کو اپنے قلمرو میں شامل کر رہا ہے۔ یعنی ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ ۱۳ ستمبر کو سردار پٹیل نے وزیر دفاع کو خط لکھا کہ وہ کرنل کشمیر سنگھ کٹوچ کو سری نگر بھیج دے کہ مہاراجہ کشمیر کو اس کی "خدمات" کی ضرورت ہے۔ یعنی مہاراجہ کشمیر اور پٹیل میں اتنا پکا رابطہ تھا کہ دفاعی معاملات میں سکھ وزیر۔ دفاع سے اوپر اوپر معاملات طے ہوتے تھے۔ مہرچند مہاجن ایک سخت متعصب پنجابی ہندو تھا جو

حد بندی کمیشن کا بھارت کی طرف سے ممبر تھا۔ کچھ قانونی معاملات کے ذریعہ سے پاکستان کو بے وقوف بنانا تھا۔ تو مہاراجہ کشمیر کو کہا۔ کہ وہ اس کو وزیراعظم بنائے۔ اور ۲۱ ستمبر ۴۷ کو پٹیل نے مہاراجہ کو مہاجن کو وزیراعظم بنانے پر مبارکباد دیتے ہوئے خط لکھا، کہ مہاجن نے میرے ساتھ دہلی میں آکر لمبی چوڑی باتیں کی ہیں۔ تمہاری ساری مشکلات زیر بحث آئیں لیکن میں نے تمہاری "ضروریات" کے سلسلہ میں مہاجن کو بہت سمجھادیا ہے۔ اور میں نے تمہارے ڈپٹی وزیراعظم بترا کو بھی آج ہی خط لکھ دیا ہے۔ تم فکر مت کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ جو لعل نہرو کچھ مہاراجہ کو "ناراض" کر آیا تھا۔ کہ عبداللہ کی "مدد" کی۔ گو یہ ڈرامہ تھا۔ بہرحال نہرو بھی مہاراجہ کشمیر کے بارے سب کچھ پٹیل کو کہتا تھا اور ۲۷ ستمبر ۴۷ کو اس نے پٹیل کو لمبا چوڑا خط لکھا۔ کہ سردیوں میں مہاراجہ کشمیر کی فوج حالات کا مقابلہ نہ کرسکے گی۔ اور اکتوبر نومبر ۴۷ میں اہم واقعات "رونما"[۲۴] ہونے والے ہیں۔ مہاراجہ کو بھارت کے ساتھ الحاق میں اب جلدی کرنا چاہیے اور شیخ عبداللہ کو رہا کردینا چاہیے۔ تو دو دن بعد یعنی ۲۹ ستمبر کو شیخ عبداللہ کو رہا کردیا گیا۔ لیکن بے قصور غلام عباس ایک سال اور اللہ رکھا ساغر بغیر وجہ کے دو سال جیل میں پڑے رہے۔ یہی نہیں بلکہ ۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو سردار پٹیل نے مہاراجہ کشمیر کو لکھا کہ اس نے کشمیر کا اب بھارت کے ساتھ بذریعہ سڑک، ٹیلیگراف، ٹیلیفون اور وائرلیس کے ذریعہ سے بھی رابطہ قائم کرلیا ہے۔ اب ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء سے مہاراجہ کشمیر نے پاکستان کی عارضی حکومت کے ساتھ ایک طرف اگر "سٹینڈ سٹل" کا معائدہ کیا ہوا تھا، تو دوسری طرف، ڈاک، تار اور ٹیلیفون کا نظام پاکستان کے زیر دینے کا معاہدہ بھی تھا۔ اور خفیہ طور پر اس کی خلاف ورزی ۲ اکتوبر کو ہی کردی گئی۔ بے شک ہم برصغیر کی آزادی اور جموں و کشمیر میں جہاد کی بسم اللہ کو اگلے یعنی آٹھویں باب میں زیر بحث لارہے ہیں۔ لیکن ان واقعات کو پہلے بیان کرکے ہم اپنی قوم کو "باور" کرانے چاہتے ہیں کہ جس "ڈراپ سین" کا ہم نے ذکر کیا تھا۔ اس کا وقت آگیا تھا۔ تو ایک طرف سے عبداللہ "پردہ" ہٹا کر باہر آگیا تو دوسری طرف مہاراجہ کو بھی اس کے "مقام" پر لانے کی تیاری تھی۔ کہ بھارتی کانگرس ان دونوں پروردوں کو کیسے استعمال کرے گی۔ آپ لوگ آگے پڑھیں گے لیکن افسوس کہ جنرل شیر علی کو ۱۹۹۰ء میں ہمت ہوتی ہے کہ وہ سردار پٹیل کو حقیقت پسند لیڈر کے طور پر پیش کرتا ہے، کہ پٹیل تو ہمیں کشمیر دینا چاہتا تھا ہم

نے حیدرآباد کیوجہ سے کشمیر بھی کھودیا۔

خلاصہ اور اسباق

پنجاب کے ایک لیڈر سر فضل حسین کہا کرتے تھے کہ انگریز اپنے امور کو ایک سو سال پہلے سوچ رکھتا ہے۔ ہندو ایک برس پہلے۔ مسلمان اس وقت جب کوئی امر سر پر آئے اور سکھ کام پہلے کرتے ہیں اور سوچتے بعد ہیں۔ اس عاجز کے مطابق اب اور تبدیلی آگئی ہے۔ ہندو نے بھی دس۔ بیس برس پہلے کا سوچنا شروع کردیا ہے۔ مسلمان سکھوں سے بھی بدتر ہوگیا ہے۔ وہ مومن کی فراست سے عاری ہوچکا ہے۔ اس عاجز کو پچھلے ستر سالوں میں ہمارے رہنماؤں میں قائداعظم کے بغیر ایک آدمی بھی نظر نہ آیا جو قرآن پاک کی سورۃ بقرہ کی آیات ۲۵۶ اور ۲۵۷ کے مطابق اللہ کے ساتھ ایمان لایا ہو اور طاغوت کے ساتھ کفر کرتا ہو۔ اور اللہ تعالی فرماتا ہے کہ وہ اندھیروں سے روشنی کی طرف صرف ایسے لوگوں کو لے آتا ہے جو طاغوت کی طاقتوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ اور ہم سورۃ فتح کے آخری رکوع کے احکام کی ہر وقت نافرمانی کرتے رہتے ہیں۔

حوالہ جات

(۱)۔ پنڈورا باکس صفحہ ۱۰۶، (۲) چھٹا باب (۳)۔ انڈیا ونز فریڈم مولانا آزاد صفحہ ۸۔ ۱۸۷ (۴)۔ چھٹا باب (۵)۔ گورنمنٹ آف انڈیا پبلیکیشنز ۶۳۔ ۱۹۶۰ جلد آٹھ صفحہ ۶۹ (۶)۔ الیضاً، صفحہ ۱۲۴ (۷)۔ مشن ود ماونٹ بیٹن صفحہ ۱۵۳ (۸)۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۷۰ (۹)۔ لاسٹ ڈیز آف برٹش ایمپائر موسلے صفحہ ۲۶۔ ۱۲۵ (۱۰)۔ وہی موسلے صفحہ ۱۵۶۔ ۱۵۳ (۱۱)۔ پارٹیشن آف انڈیا جارج ایلن صفحہ ۵۳۱ (۱۲)۔ کیمپبل جانسن صفحہ ۲۲۴ (۱۳)۔ ایمرجنس آف پاکستان چودھری محمد علی صفحہ ۲۸۴ (۱۴)۔ اور (۱۵)۔ وہی محمد علی صفحہ ۲۱۹۔ ۲۱۷ (۱۶)۔ لاسٹ ڈیز آف برٹش ایمپائر صفحہ ۲۱۱ اور ۲۲۷ (۱۷)۔ کیمپبل جانسن صفحہ ۱۵۲۔ ۱۵۱ (۱۸)۔ پارٹیشن پیپرز جلد چہارم صفحہ ۳۰۴، ۳۰۳ (۱۹)۔ پاتھ وے ٹو پاکستان چودھری خلیق الزمان صفحہ ۳۹۲ (۲۰)۔ کشمیر اینڈ نو نیشنز لارڈ برڈوڈ صفحہ ۴۳ (۲۱)۔ مہاتما از پیارے لعل صفحہ ۳۵۸، ۳۵۷ (۲۲)۔ نیو لائٹ آن کشمیر، سردار پٹیل کارسپانڈس ۵۰۔ ۱۹۴۵، اشاعت ۱۹۶۶ (۲۳)۔ بھارتی خفیہ سروس کا آدمی (۲۴)۔ یعنی ہم نے جو قبائلیوں سے سری نگر کی طرف بغیر سوچے سمجھے یلغار کرائی اس میں خفیہ ہاتھ اہم واقعات "رونما" کرا رہا تھا اور یہ ڈرامہ لیاقت علی نے نہرو اور بھارت کی ضرورت پوری کرنے کیلئے رچایا۔

آٹھواں باب

بر صغیر کی آزادی اور جموں و کشمیر میں جہاد کی بسم اللہ

پاکستان کا قیام ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ۲۷ رمضان اور جمعہ کا دن تھا، اور اس دن اللہ اور رسولؐ کے نام پر پاکستان کا قیام ایک معجزہ ہے اور امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قائم رکھے گا۔ ورنہ نہ ہم نے اس سلسلہ میں بھرپور طور پر پوری قوم کی حیثیت سے کوشش یا کام کیا۔ اور نہ ہم نے اپنے آپ کو ایسے اعزاز کا مستحق بنایا۔ ہندو لیڈر شپ کو جیسا پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے اس عاجز نے بہت قریب سے دیکھا۔ اور بے شک ہندو بڑے خوش قسمت تھے کہ تاریخ میں کئی صدیوں کے بعد ان کو پہلی بار اتنی اونچے پائے کی "ہندو لیڈر شپ" میسر آئی۔ اسی طرح اس عاجز نے مسلمانوں کے رہنماؤں، علماء، دانشوروں اور سب کو بہت نزدیک سے دیکھا قائداعظم کی بلندیوں کا کوئی حساب نہیں۔ اس کے نیچے دوسری سیڑھی تو چھوڑ، چھٹی ساتویں سیڑھی پر بھی مجھے کوئی مسلمان لیڈر نظر نہ آیا۔ کچھ لوگوں نے مجھے ضرور متاثر کیا۔ اور ان میں بنگال کے مولانا اکرم خان، ابوالہاشم، مولوی تمیزالدین، نورالامین وغیرہ، کلکتہ کے عبدالرحمن صدیقی، یوپی کے راجہ محمودآباد، نواب اسماعیل اور مولانا حسرت موہانی۔ بمبئی کے اسماعیل چندریگر، پنجاب کے ملک برکت علی۔ راجہ غضنفر علی اور نواب ممدوٹ، سرحد کے سردار عبدالرب نشتر وغیرہ اور چند اور شامل ہیں۔ خلیق الزمان یا حسین شہید سہروردی بھی لیاقت علی سے تو ہر لحاظ سے بہتر تھے۔ لیکن سب کا ذکر مشکل ہے۔ کہ مولانا ظفر علی نے جو تڑپ پیدا کی اس پر بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن خدارا احمید نظامی وغیرہ کو ان بھلے لوگوں کے گروہ میں شامل نہ کیا جائے۔ جن کے "ماڈرن اسلام" سے اب بھی قوم کو چھٹکارا حاصل نہیں ہو رہا۔

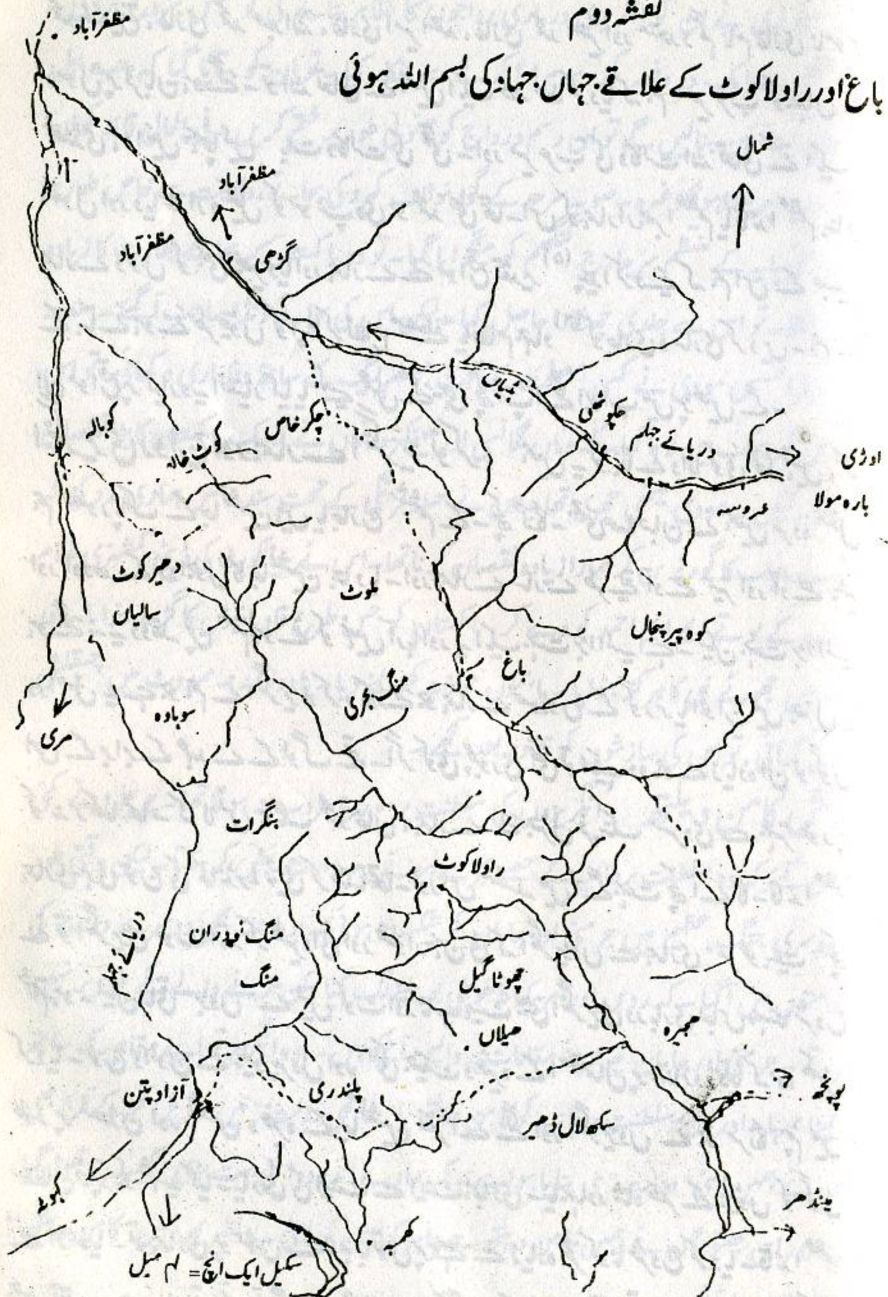
پاکستان کے مخالف اور فصلی بٹیرے لیکن یہ عاجز جس پہلو کو بیان کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے بیچ لاتعداد لوگ ہندو کے "پروردہ" کے طور پر یا انگریزوں کے "چمچے" ہونے کیوجہ سے مسلم قوم کی صفوں کو پاش پاش کرتے رہے۔ ہمارے بیچ ہندوؤں والی

وحدت ہرگز نہ تھی۔ مولانا آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی مولانا داؤد غزنوی اور کئی علماء خاص کر دیوبندی حضرات کانگرس کے ساتھ تھے۔ خان غفار خان اور ان کا خاندان، سیف الدین کچلو، میاں افتخار الدین، اور مولا بخش سومرو بھی کانگرس کے ساتھ تھے۔ اور پنجابی نوابوں کی مسلم لیگ میں "شمولیت" کی کہانی چھٹے باب میں نواب کالا باغ کی زبانی بیان ہو چکی ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں ان نوابوں کی بہت بڑی تعداد نے خضر حیات ٹوانہ کی یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو کر مسلم لیگ کی بھرپور مخالفت بھی کی اور کافی ووٹ بھی حاصل کئے۔ ان میں موجودہ صدر فاروق لغاری کا دادا سر جمال خان لغاری۔ ملتان کے صادق قریشی کا باپ نواب عاشق قریشی۔ بلخ شیر مزاری کا باپ، گجرات کا چوہدری اصغر علی۔ سرگودھا کے اللہ بخش ٹوانہ اور سلطان علی ٹنگیانہ، اٹک کے کوٹ فتح خان کا سردار محمد نواز خان مکھڈ کے پیر لال بادشاہ، فیروزپور کا سرور بودلہ۔ لاہور کے مظفر علی قزلباش ڈاکٹر محمد عالم لوٹا اور اتنے زیادہ ٹوڈی شامل ہیں کہ میں کیا لکھوں۔ خیر بلوچستان کا عبدالصمد اچکزئی یا بلوچی گاندھی اور سندھ کا غلام مرتضیٰ سید (جی ایم سید) وغیرہ سب نے پاکستان کی مخالفت کی۔ اور اس سلسلہ میں کافی تفصیل اس عاجز کی کتاب "تاشقند کے اصلی راز" (۱) میں ہے۔ لیکن زیادہ بد قسمتی یہ ہوئی کہ انگریزوں نے سرسید اور غلام کذاب کی مدد سے ابن الوقت، اور بے کردار لوگوں کو جو کھیپ تیار کرنا شروع کی ہوئی تھی، وہ لوگ بھی بہت زیادہ ہمارے حصہ (۲) میں دے کر ان کو ہمارے اوپر ایسے مسلط کر گئے کہ ان سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو رہا۔ اور آج ۴۷ سالوں کے بعد حالات اتنی بدترین شکل و صورت اختیار کر گئے ہیں کہ پوری قوم میں ہزار تلاش کے بعد مجھے ایک رہنما یا ایک اخبار نظر نہیں آرہا جس کے سامنے یہ عاجز اپنی زبوں حالی بیان کرے۔ تو مجبور ہو کر اس عاجز نے اللہ اور رسولؐ کی طرف اپنی ذمہ داری پوری کرنے کیلئے کتابوں کا یہ سلسلہ شروع کیا ہے۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے جو حق کے کلمات کہنے کی توفیق دی ان کا بھی ساتھ ساتھ کچھ سرسری ذکر کر رہا ہوں۔

تلخ تجربے تحریک پاکستان کے دوران مجھے کچھ اچھے لوگ مل جاتے تھے۔ جن کے ساتھ اس عاجز نے مل کر کام کیا۔ پھر ہمارے ساتھ کام کرنے والوں کے اندر سے اس عاجز نے پوری

طرح جھانکا بھی نہ، لیکن ایک ہوا تھی اور اللہ تعالی مقلب القلوب ہے۔ ان دنوں " لے کر رہیں گے پاکستان " اور " پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ " کی صدائیں اکثر جگہوں سے آتی تھیں۔ پھر ہم اس آدمی کو جو مسلم لیگ یا تحریک پاکستان میں کام کرتا تھا اس کو فرشتہ سمجھتے تھے۔ لیکن میرا تلخ تجربہ یہ تھا، کہ میرے یہ اکثر ساتھی، ہندوؤں یا انگریزوں کے سامنے کھل کر بات نہ کرتے تھے، جیسے میں کرتا تھا اور مجھے بھی " محتاط " رہنے کی صلاح دی جاتی تھی۔ اور " مصلحت " کے تحت غلط طریقے سے اپنے مطالبات کا ذکر کیا جاتا تھا۔ انگریز افسر یا اخبار نویس جو محکمہ تعلقات عامہ سے وابستہ تھے وہ مجھے دل سے پسند نہ کرتے تھے۔ کہ میری جہاد کی باتوں سے ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ ہندوؤں نے بھی بعد میں میرے ساتھ بحث چھوڑ دی تھی۔ لیکن یہ سب لوگ حیران اس وجہ سے ہو جاتے تھے کہ ہر واقعہ یا مسئلہ پر یہ عاجز جو رائے دیتا تھا یا اس عاجز کا جو رد عمل ہوتا تھا۔ وہی رائے یا رد عمل دوسرے دن کی اخباروں میں قائداعظم کا ہوتا تھا۔ تو کچھ لوگ کہتے تھے۔ کہ میرا قائداعظم کے ساتھ رابطہ ہے۔ کچھ مجھے قائداعظم کی طرح " انتہا پسند " کہتے تھے اور کچھ چھوٹا " مسٹر جناح "۔ لیکن کچھ اٹالین قیدی جو رہا ہو کر ہمارے ساتھ کام کرتے تھے۔ وہ میری بڑی حوصلہ افزائی کرنے لگے۔ کہ مسٹر جناح اور امیر افضل کی آزادی پاکستان میں ہے۔ جس کو تم لوگ آزادی کہتے ہو یہ لوگ اس کو اپنی غلامی سمجھتے ہیں اور ان میں وحدت فکر ہے تو ان کے رد عمل ایک جیسے ہوتے ہیں۔ یہ عاجز صرف یہ کچھ باور کرائے گا کہ قائداعظم اور میں ہمیشہ کلمہ حق اور حق کو حق کہتے تھے تو ہمارے بیچ اتنی وحدت فکر تھی اور ہے۔ اور آج بھی ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم حق کو حق نہیں کہتے [۳]۔ اور حق و باطل میں فرق نہ کر کے بقول حضرت عمرؓ اسلام کو پاش پاش کر رہے ہیں۔

پاکستان کیوں بنا؟ اس تناظر میں قارئین کو حق پہنچتا ہے کہ وہ سوال کریں کہ اگر ہم ایسے گئے گزرے ہوئے تھے تو پاکستان کیوں اور کیسے بن گیا۔ یہ عاجز اس کے عقلی پہلو کو واضح کر چکا ہے کہ لنگڑا لولا پاکستان، انگریزوں کی " ضرورت " بھی تھی۔ باقی جواب اپنی کتاب تاشقند کے اصلی راز [۴] میں مختصر طور پر دے چکا ہوں۔ مزید تحقیق نے اس جواب پر بھی سچائی کی مہر لگا دی ہے کہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیانی وقفہ میں غازی مرید حسینؒ۔ غازی علیم۔



الدینؒ، غازی عبدالرشیدؒ، غازی ملک میاں محمدؒ۔غازی دوست محمدؒ، غازی عبدالقیومؒ، غازی محمد صدیقؒ، غازی محمد عبداللہؒ، غازی امیر احمدؒ، غازی محمد منیرؒ اور متعدد گم نام غازی ناموس رسولؐ پر قربان ہوگئے۔تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک خطہ عطا کر دیا کہ ہم "میر عربؐ کو یہاں سے ٹھنڈی ہوائیں پہنچائیں" بات وکالت کی تھی۔اور میر عربؐ کی وکالت اللہ تعالیٰ نے ایک با اصول اور دیانتدار وکیل کو سونپ دی جو محمدؐ علی تھا۔اس کو ہمارا رہبر اعظم یا قائداعظم بنا دیا ہمارے دلوں کو بھی پھیر دیا اور ہمارے لئے مواقع تقدیر [5] پیدا کر دیئے کہ ہم اس کے حبیبؐ کے بتائے ہوئے طریقوں کو اپنا کر نظامِ مصطفیٰؐ یا نظام جہاد [6] کو جاری وساری کر دیں۔ہم نے ان مواقع پر کیا رویہ اختیار کیا یا کیسے عمل کئے۔یہی کچھ آپ اگلے ابواب میں پڑھیں گے۔

انگریزی رواج اور ہمارے انگریز نوکر ہمیں یہ تو بتانے والا کوئی تھا نہیں، کہ ہم حضور پاکؐ کے جانشین ہیں یا جارج ششم کے۔کچھ گنگا۔جمنی صاحبان نے ہمیں مردہ مغل اور اودھ کے رواجوں کا جانشین بنا دیا۔اور ہمارے سارے طریقے آدھے تیتر اور آدھے بٹیر ہوگئے۔یہ دوغلہ پن ختم ہونے کو نہیں آرہا اور یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔لیکن بہت بڑا المیہ دراصل یہ ہے جو ہم نے انگریز نوکر رکھ لئے جو ہمارے صوبوں کے گورنر یا افواج میں جنرل یا اس کے برابر کے عہدے کے لوگ تھے۔اگر کوئی مجبوری تھی تو ایک دو ماہ سے زیادہ ان لوگوں کو نہ رکھنا تھا۔کہ لانس نائک محمد خان، ہمارے لئے جنرل فرینک مسروی سے بہتر طور پر ہماری بری فوج کی کمانڈرانچیفی کر سکتا تھا۔اور اس سلسلہ میں آگے بہت کچھ آئے گا۔قائداعظم نے تو انگریزی سوٹ اتار کر شیروانی اور شلوار پہن لی کہ انگریزوں سے ہماری "مرعوبیت" کچھ ختم ہو۔لیکن باقی "بڑوں" نے ٹیل کوٹ اور ٹاپ ہیٹ یعنی انگریزی درباری لباس پہننا شروع کر دیا۔فوج والوں نے بلیو پٹرول اور منکی جیکٹ وغیرہ کے استعمال پر اتنا زور دیا کہ وہ مکمل طور پر لمسڈن اور نکلسن وغیرہ کے جانشین نظر آنے لگے اور انگریزوں نے جو سرنگا پٹم میں سلطان ٹیپو کو شہید کیا۔یا دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔یا بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کو گولی سے اڑا دیا۔تو ہماری یونٹوں نے ان باتوں پر پہلے سے زیادہ فخر کرنا شروع کر دیا۔قائداعظم جس تقریب میں جاتے تھے، آگے سے "گاڈ سیو دی کنگ" کی دھنیں بجتی تھیں۔اور ان کے انگریز

ملٹری سیکرٹری نے ان کو انگریزی درباری رواجوں کا غلام بنانے کی کوشش شروع کر دی۔قائداعظم نے ایک دو دفعہ کچھ رسوم ادا کرنے سے انکار کیا۔تو ان کو بتایا گیا کہ جب اہل پاکستان اپنا آئین بنالیں گے تو ان رسم ورواج کو قانونی طور پر ختم کریں۔فی الحال قائد کو ان "قانونوں" پر چلنا ہوگا وغیرہ۔صوبہ سرحد کے گورنر الف کیرو کی بجائے، ولایت سے خاص طور پر ایک اعلیٰ پایہ کے منتظم سرجارج کننگھم کو منگوایا گیا۔تو وہ پاکستان کے بجائے بھارت کا زیادہ وفادار نکلا۔تو اس سے جلدی چھٹکارا حاصل کیا۔لیکن اس کی بجائے ڈنڈا صاحب آگئے۔سندھ میں سر فرانسس مودی نے کسی مصلحت کے تحت مسلم لیگ کے ساتھ وفاداری دکھائی، تو اس کو خاص کر پنجاب میں لایا گیا۔کہ وہاں گلانسی اور جینکنز دونوں نے تحریک پاکستان کا بڑا نقصان کیا تھا۔لیکن یہ مودی میٹھی چھری تھا۔اس نے حیلہ فرنگی کے تحت سندھ میں ہماری مدد کی کہ اس نے پنجاب کا گورنر بن کر ہمارا زیادہ نقصان کرنا تھا۔اس نے سیالکوٹ کی ڈپٹی کمشنری غلام۔۔ کذاب کے پوتے ایم ایم احمد کو دے کر، پاکستان کو جس طرح قادیانیوں کا گڑھ بنوایا۔اور ربوہ میں جھوٹے نبی کا مرکز بنوایا۔یا جموں محاذ نہ کھولنے دیا۔یا دولتانہ۔ممدوٹ میں چپقلش شروع کرائی، تو اس کی سازشوں کو ہم دیر بعد سمجھے۔

برٹش کامن ویلتھ انگریزوں کی سلطنت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا۔چرچل نے کئی اعلان کئے کہ وہ سلطنت برطانیہ کے حصے بخرے ہونے پر صدارت نہیں کر سکتا۔لیکن وقتی طور پر دوسری جنگ عظیم میں جرمنی اور جاپان کو شکست ہوئی۔برطانیہ بھی دوسرے درجے کی حکومتوں میں آگیا۔کہ روس اور امریکہ کا طوطی بولنے لگ گیا لیکن لڑنے والے پکے طور پر نہیں مرتے۔جرمنی اور جاپان پھر اپنے مقامات پر واپس آچکے ہیں۔اور انگریز تو اپنے مقام کے ساتھ "چمٹا" رہا۔اور اس سلطنت برطانیہ کو کامن ویلتھ یا "سانجھی دولت" میں تبدیل کر کے آج بھی اس نے ہمیں اپنی "دولت" ہی بنایا ہوا ہے۔کہ ہمارے اندر وہ اپنی بہت بڑی "کھیپ" چھوڑ گیا ہے اور اسی بھٹو جس نے ہمیں کامن ویلتھ سے باہر کیا اس کی بیٹی بے نظیر پھر ہمیں "کامن ویلتھ" میں واپس لے آئی ہے۔

استقامت فی المقاصد قرآن پاک ہمیں اپنے مقاصد پر قائم رہنے کی تعلیم دیتا ہے [7]

لیکن بقول علامہ اقبالؒ "خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی "جب ہم کامن ویلتھ کو چھوڑ چکے تھے تو پھر بھی ۱۹۷۳ء میں انگریز وزیر اعظم ہمارے ملک میں آدھمکا۔ اور جب اس نے ہماری قومی اسمبلی میں تقریر کی، تو اس کے ہر فقرہ پر اسمبلی ہال تالیوں سے گونج اٹھتا تھا، اور ان فقروں کا اختصار یہ تھا کہ ہماری دو سو سالوں کی تاریخ سانجھی ہے ہمارے تعلیم کے نظامات، قانونی طریق کار، طرز حکومت، سول انتظامیہ، حتیٰ کہ فوجی تدبیرات اور تزویرات یا حکمت عملیاں بھی ایک جیسی ہیں۔ ہمارے کسی ایک ممبر کی غیرت عود نہ کر آئی اور نہ اس نے اپنے اندر جھانکا علاوہ ازیں سید شبیر حسین کو چھوڑ کر کسی ایک صحافی کی رگ نہ پھڑکی کہ کہیں تبصرہ میں تصویر کا دوسرا رخ بھی پیش کر دیا جاتا۔ کہ انگریز وزیر اعظم ہمیں کہ گیا ہے۔ "کہ تاریخی طور پر ہم دو سو سال تمہارے حاکم رہے اور تم ہمارے غلام تھے۔ ہم تمہارے پاس لارڈ میکالے کی تعلیم چھوڑ گئے جو اب تک تمہیں ہمارا غلام بنائے ہوئے ہے۔ ہم اسی میکالے کے ذریعہ سے تمہیں رومن قانون دے گئے اس پر تم ہزار اسلامی "پیوند" لگاؤ، یہ اسی طرح رہے گا، جس طرح تم سؤر پر تکبیر پڑھو تو وہ حلال نہیں ہو سکتا۔ طرز حکومت میں اللہ کی حاکمیت کی بجائے تمہیں مادر پدر آزادی دے گئے ہیں جہاں مرد کو مرد کے ساتھ شادی کی اجازت ہے۔ اور سول انتظامیہ میں ہم تمہیں "بیوروکریٹ" یا کالے انگریز دے گئے ہیں، جو تمہارا رخ کبھی بھی خانہ کعبہ کی طرف نہ ہونے دیں گے۔ اور فوجی لحاظ سے ہم تمہیں فرسودہ مغربی نظام دفاع دے گئے ہیں۔ جس کو اپنا کر تم ملک کو دولخت کر چکے ہو۔ نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا چکے ہو اور آگے بھی یہ نظام تم سے وہی کچھ کرائے گا جو ہم چاہیں گے "۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

انگریزوں کے مقاصد انگریزوں نے ہماری غلامی کے زمانے میں اسلام کا اتنا نقصان نہ کیا، یا نہ کر سکے جتنا ہماری اس برائے نام آزادی کے زمانے میں ہمارے رہنماؤں اور دانشوروں نے کیا یا اس اسلام کو اس طرح آدھا تیتر و بٹیر بنا دیا۔ ایک ایک انگریز افسر جس کو وہ ہمارے پاس نوکر کے طور پر چھوڑ کر گئے۔ اس کو کچھ مقاصد دیئے گئے تھے۔ اور اس نے وہ مقاصد پورے کئے۔ اور "خاص آدمی" جو ہمیں دے گیا وہ راقم کی پرانی رجمنٹ سولہ پنجاب کی موجودہ سترھویں پنجاب کا تھا اور جس کو میں میجری۔ کرنیلی کے زمانے سے جانتا تھا۔ یہ

صاحب میجر جنرل کاتھورن تھے جو کراچی میں ہمارے ڈپٹی چیف آف سٹاف تھے، وزارت دفاع میں بری فوج کا نمائندہ اور جوائنٹ سٹاف کا سربراہ تھا۔ راقم کے مشاہدات اور کئی سالوں کی تحقیقات کے بعد یا اور مومن کی فراست رکھنے والے رفقاء۔ خاص کر بریگیڈیر صدیق ستی اور کرنل شیر محمد کے ایسے مشاہدات اور تحقیقات کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ہمارے تمام انگریز نوکروں کو ہدایات اسی جنرل کاتھورن کے ذریعہ سے ملتی تھیں کہ ان صاحب نے اپنی زندگی اور نوکری کا بڑا حصہ برٹش خفیہ سروس میں گزارا، تو ان صاحب نے جو کچھ کیا اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بعض انگریزوں کی باتوں کو ہم اس زمانے میں سمجھ ہی نہ سکے۔ اور ان کے اصلی مقاصد بہت دیر بعد سمجھ آئے۔ اس لئے نمونے کے طور پر ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

ایک واقعہ پاکستان بن جانے کے چند ماہ بعد ہمیں سیالکوٹ میں مقیم ایک انجنیئر یونٹ میں مدعو کیا گیا۔ وہاں ایک ڈرامہ دکھایا گیا۔ اس یونٹ کا انگریز کمانڈر کہنے لگا، کہ ڈرامہ کے اختتام پر قائداعظمؒ کا فوٹو سٹیج پر رکھا جائے گا۔ اور ہم ان کی عزت کیلئے دو منٹ کیلئے کھڑے ہو کر خاموشی سے ان کو خراج تحسین پیش کریں گے۔ اور پھر ایسے ہی ہوا۔ اور ہم نے انگریزوں کی "وسعت قلبی" کو داد دی۔ کہ انگریزوں کی سوچ میں کتنی لچک ہے کہ کل ایسا جارج ششم کیلئے کرتے تھے اور آج یہ کر رہے ہیں۔ اور ہم نے ایسی باتوں کی نقل کرتے کرتے حضور پاکؐ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی جگہ قائداعظمؒ کو اپنا روحانی باپ بنا لیا ہے۔ جس طرح ترکوں نے کمال کو اتاترک بنا دیا۔ تو ہم بھی اول پاکستانی بن گئے۔ اس کے بعد حضور پاکؐ کی جگہ ہم نے سرسید کو دو قومی نظریہ کا بانی بنا دیا۔ اور اب حالات یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ ہم سرسید، علامہ اقبالؒ، اور قائداعظمؒ کو حضور پاکؐ کی نبوت میں شرکت دینے سے گریز نہیں کرتے۔ (۸) انہی انگریزوں کی رہنمائی کے تحت ہم نے موہنجوداڑو، ہڑپہ اور ٹیکسلا کی باطل تہذیبوں کی اس حد تک "پوجا" شروع کر دی ہے کہ ہمارے تاریخی محقق پروفیسر احمد حسن دانی کے مطابق نکلسن مانومنٹ کے نزدیک کا ہر پتھر "پوتر" ہے۔ اسلام ان مادی چیزوں اور تہذیبوں میں گھسنے کی اجازت نہیں دیتا کہ اسلام کے لحاظ سے "نظریاتی قلعے" تعمیر کئے جاتے ہیں۔ کہ ثمود قوم کے علاقوں سے گزرتے

وقت حضور پاکؐ نے سخت حکم دیا، کہ ان باطل تہذیب والوں کے علاقوں سے بہت جلدی [۹]
گزر جائیں لیکن ہم نے بھی اب ہندوؤں کی طرح وطن کی پوجا شروع کر دی ہے ۔ اور میرے وطن
کے گانے اور مادر وطن کیلئے شہادت جیسی کافرانہ اصطلاحوں کو اپنے ایمان کا حصہ بنا لیا ہے ۔
انگریزوں کی مزید رہنمائی کے تحت لیاقت علی کی ۱۹۴۹ء کی قرارداد مقاصد کے تحت ہم نے
لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا ۔ اور پوری قوم خلیفۃ اللہ بن گئی ۔ حالانکہ دین مکمل ہو چکا تھا
اور جناب ابو بکرؓ تو خلیفۃ الرسولؐ تھے ۔ ہمارے مولانا شبیر احمد عثمانی کو بھی یہ "سازش" سمجھ نہ
آئی اور راقم نے بھی اس پہلو پر تحقیق [۱۰] تب شروع کی کہ جسٹس منیر جس کا ذکر پچھلے باب میں
ہو چکا ہے کہ چھپا قادیانی تھا ۔ اس نے ایک نجی مجلس میں کہا، کہ ہمارا مولوی اتنا "جاہل" ہے
کہ اس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ حاکمیت یا اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی تھی یا عوام کی ۔ دونوں کی نہیں
ہو سکتی ۔ بے شک منیر ایک Evil Genius تھا ۔ لیکن ایک بات بڑی پتے کی کر گیا ۔ لیکن
انگریزوں کے سامنے سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ ہم جہاد کو طرز زندگی کے طور پر نہ اپنائیں ۔ اس
میں وہ کامیاب ہوئے ۔ اور قارئین اس سلسلہ میں بہت کچھ پڑھیں گے ۔

ہمارے انگریز جنرل ہماری اس کتاب میں انگریز جنرلوں کے ذکر بہت کثرت سے
آئیں گے ۔ اس لئے ان کا کچھ تعارف ضروری ہے ۔ مسلمان افسروں کی سفارش پر قائد اعظم نے
انگریزوں کو کہا کہ پاکستان بری فوج کی سربراہی کیلئے ہمیں جنرل سر فرانسس ٹکر دیا جائے ۔
لیکن انگریزوں نے ہمیں اس سے جونیر جنرل فرینک مسروی دیا ۔ جس کو اس سربراہی سے
ہٹانے کی کہانی اگلے ابواب میں آئے گی اور اس کے بعد قائد نے جنرل ٹکر کیلئے کہا اور جنرل ٹکر
بمبئی سے کراچی پہنچ بھی گیا ۔ لیکن آخری وقت اس کو حکم ملا کہ وہ لندن پہنچے ، اور جنرل مسروی کی
جگہ ہمیں جنرل ڈگلس گریسی دیا گیا ۔ اس عاجز نے ان سب جنرلوں کے ساتھ کام کیا اور میں ان
کی عادات سے واقف تھا اور یوں جنرل ٹکر بھی پکا انگریز تھا اور ۱۹۴۹ء تک پاک بھارت کے متحدہ
دفاع [۱۱] پر مضمون لکھتا رہا ۔ لیکن کسی انگریز مصنف نے یہ راز نہ کھولا کہ جنرل ٹکر،
پاکستان کو کیوں نہ دیا گیا ۔ اور اس عاجز کا خیال ہے کہ ٹکر، ایک بااصول آدمی تھا اور انگریزوں
کے اوپر والے جو گندی کھیل پاکستان کے ساتھ کھیل رہے تھے ۔ ٹکر ایسا نہ کرتا ۔ اور شاید وہ

ماؤنٹ بیٹن کا "آدمی" بھی نہ تھا ۔ کہ ہمیں جو دونوں جنرل باری باری دیئے گئے وہ دونوں
ماؤنٹ بیٹن کے "آدمی" تھے اور ہماری قوم آج تک ان باتوں سے "بے خبر" ہے ۔ یہ عاجز ۱۹۳۶ء
سے جنرل فرینک مسروی کو جانتا ہے، جب ہڈسن ہارس میں سیالکوٹ چھاؤنی میں وہ میرے بڑے
بھائی کا سکواڈرن کمانڈر تھا ۔ میں جب ۱۹۳۸ء میں فوج میں بھرتی ہوا تو اسی سیالکوٹ چھاؤنی میں
وہ ہمارے موجودہ ۱۳ لانسرز کا کرنل تھا اور میری آنکھوں کے سامنے اسی سال اس یونٹ سے
گھوڑے گئے اور بکتر بند گاڑیاں آئیں ۔ مسروی خچر قسم کا آدمی تھا اور ٹھیٹ پنجابی زبان بول سکتا
تھا ۔ عمر حیات ٹوانہ اور دوسرے نوابوں اور راجوں کے ساتھ اس کی بڑی دوستی تھی ۔ دوسری
جنگ عظیم میں افریقہ میں میجر جنرل کے طور پر انگریزوں کے بکتر بند ڈویژن کو نہ صرف بری طرح
شکست سے دوچار کرایا ۔ بلکہ خود اپنے عہدے اتار کر بوڑھا ٹامی بن گیا اور جرمنوں کو ترس آگیا
کہ اس کو قید نہ کیا ۔ تو گورے اس کو "ٹامی جنرل" کہتے تھے ۔ اس کے بعد ارکان محاذ پر ایک غیر
اہم جگہ پر ساتویں پیدل ڈویژن کا کمانڈر بنا ۔ اور جاپانیوں کے آجانے پر پاجامہ پہنے ہوئے بھاگ
کھڑا ہوا ۔ اور "پاجامہ جنرل" کے نام سے مشہور ہوا لیکن جنوب مشرقی ایشیا کی فوجوں کے
سپریم کمانڈر ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ۱۹۲۲ء سے اس کی دوستی تھی جب مسروی لارڈ ریڈنگ
وائسرائے ہند کا اے ڈی سی تھا اور ماؤنٹ بیٹن پرنس آف ویلز (بعد میں کنگ ایڈورڈ ہشتم) کا
اے ڈی سی تھا جب وہ برصغیر آیا ۔ مسروی نے اس کے بعد تمام ترقیاں اس "دوستی" کی وجہ سے
حاصل کیں ۔ وہ پاکستان کو انگریزوں کی "جاگیر" سمجھتا تھا اور اس کی پہلی "سفارش" یہ تھی کہ
ہماری فوج میں گھوڑے اور خچریں واپس آجائیں کہ ہم میکانائزڈ فوج نہیں رکھ سکتے ۔ جب
بھارتی فوج کشمیر میں داخل ہوئی تو یہ صاحب مچھلیوں کے شکار کا "شوق" فرما رہے تھے ۔ اور
۱۹۴۸ء کے شروع میں ان سے چھٹکارا حاصل کیا ۔ لیکن اس کی جگہ گورکھا یونٹوں کا جو جنرل
ڈگلس گریسی آیا ۔ اس کو بھی یہ عاجز ۱۹۳۹ء سے جانتا ہے اور دونوں کو برہما محاذ پر ڈویژن کمانڈر
کے طور پر بڑے نزدیک سے دیکھا ۔ دونوں میں عزت نفس نام کی چیز نہ تھی ۔ گریسی کبھی مٹی کا
مادھو بن جاتا تھا ۔ اور اپنے ماتحتوں کی "چاپلوسی" سے بھی گریز نہ کرتا تھا ۔ اور وہ بھی جنگ عظیم
دوم میں ماؤنٹ بیٹن کے ماتحت نہ صرف کام کر چکا تھا ۔ بلکہ جنگ کے بعد موجودہ ویٹ نام میں

اس کو ماؤنٹ بیٹن نے فوجی گورنر لگایا ہوا تھا۔ اور اصلی بات یہ تھی کہ یہ دونوں اپنے سے جونیر اور برٹش کی خفیہ سروس والے کاتھورن سے ہر "حکم" لینے کو تیار تھے۔

میجر جنرل کاتھورن اور "اصلی آدمی" جو ہم کو دیا گیا وہ کاتھورن صاحب تھے جن کا راقم کی رجمنٹ کا ہونے کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس عاجز نے اپنی کتاب "تاشقند کے اصلی راز"[۱۲] اور "پنڈورا باکس"[۱۳] میں بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن یہ سمجھیں کہ انگریزوں نے جن مقاصد کے تحت ہمیں لولا لنگڑا پاکستان دیا۔ ان کو پروان چڑھانے والے ادارے کی تمام تر ضرورتیں اور تجاویز کو یہی صاحب باقی انگریزوں یا اپنے پاکستانی پروردوں کی "امداد" سے پروان چڑھاتے رہے۔ ان کا خاص طور پر رابطہ میر جعفر کے پوتے سکندر مرزا کے ساتھ "بندھایا" گیا۔ اور دو پنجابی بیوروکریٹس عزیز احمد اور جی احمد بھائی اس گروہ کے سرغنے تھے۔ اور لیاقت علی ان کے سربراہ تھے۔ بعد میں ایوب خان کو بھی ان میں شامل کر دیا گیا۔ اور چودھری محمد علی، غلام محمد اور مشتاق احمد گورمانی بھی "ہم سفروں" میں شامل تھے۔ کہ چودھری محمد علی اور غلام محمد، نظریہ ضرورت کے تحت مغربی لابی کے ساتھ رہنا ضروری سمجھتے تھے۔ گورمانی سیاسی شطرنج بازی کا ماہر تھا، کہ ۱۹۳۷ء میں سر سکندر حیات کو دوبارہ پنجاب کی سیاست میں لانے والے بھی یہی صاحب اور ممتاز دولتانہ کا باپ احمد یار دولتانہ تھے۔ لیکن سکندر نے ان کو "ٹھونگے" پر ٹرخا دیا۔ ایک کو پالیمنٹری سیکرٹری اور دوسرے یعنی احمد یار کو چیف وپ۔ اور اس وجہ سے وہ اس "غم" سے مر گیا لیکن گورمانی اور زیادہ ماہر ہو گیا۔ بہرحال کاتھورن نے ایسے لوگوں کی مدد سے ہمیں جارج ششم کا جانشین بنا دیا۔ یہ جو قائداعظم کے مزار پر انگریزی ریوالی اور ریٹریٹ کے بگل بج رہے ہیں۔ یا زمین کی پوجا (پاک سرزمین شاد باد) کی دھنیں بج رہی ہیں۔ یا ہم ایسے جھنڈے اٹھائے پھرتے ہیں کہ سرنگا پٹم اور دہلی کو ہم نے ہی تہس نہس کیا۔ ان سب باتوں کی طرحیں وہی صاحب ڈال گئے اور ہمارے ملک کی تمام غیر اسلامی تقریبات کی بنیاد اسی نے باندھی اور راقم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ صاحب "ریہر سلوں" کے موقع پر لیاقت علی کے پولیٹکل سیکرٹری نواب صدیق علی اور ناظم الدین کے ملٹری سیکرٹری کرنل حامد نواز کو حکم دے رہے ہوتے تھے کہ وزیراعظم اور گورنر جنرل اس طرح کام کریں گے۔ یہ آدمی اتنا اہم بن گیا کہ ۱۹۵۶ء میں سویز

کی مہم میں ناکامی کے بعد جب انگریزوں کی جگہ امریکہ نے ہماری "سربراہی" سنبھال لی، تو یہ صاحب اس وقت آسٹریلیا کے شہری بن چکے تھے۔ لیکن امریکہ والوں کو اس کی ضرورت پڑ گئی کہ اس کو آسٹریلیا کا ہائی کمشنر بنا کر ہمارے ملک میں لایا گیا۔ ۱۹۵۸ء میں جب سکندر مرزا کو قید کر کے کوئٹہ لے جا رہے تھے تو واحد شخص جس کو سکندر مرزا کے ساتھ ہوائی اڈہ پر ملنے کی اجازت دی گئی وہ یہی کاتھورن تھا۔ تفصیل میری کتاب تاشقند کے اصلی راز[۱۴] میں ہے کہ سکندر مرزا نے اس کو بڑی گالی دی "کہ حرامی مجھے اتنا بھی نہیں بتایا کہ میں اب نمبر دن نہیں ہوں"۔

جنرل لافنس ٹاٹنھم لافنس واحد انگریز جنرل تھا، جس کو ہمارے ساتویں لڑاکا ڈویژن کا کمانڈر ۱۹۵۰ء تک رکھا گیا۔ کہ کشمیر کے عملی جہاد میں بے حساب روڑے اس نے اٹکائے۔ یا ہمارے افسروں کو تگڑم ناچ نچائے۔ یا فوج کو غلط اور بھونڈے طریقہ سے استعمال کرا کے نہ صرف نظریہ جہاد کے ساتھ نفرت پیدا کروائی۔ بلکہ جہاد میں پکا جمود ڈلوایا۔ اوپر سے مسلمانوں کا ہمدرد اور پاشا (ترکی جنرل) کہلواتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ پاکستان کیلئے "قانونی" جواز نہیں۔ ورنہ پورا کشمیر وہ ہفتوں میں فتح کرا سکتا ہے۔ اور دراصل اسی سازش کی تحت ہماری فوج کو "باندھ" کر لڑایا گیا۔ ورنہ کشمیر میں بھارتی پھنس گئے تھے اور ان کی فوجی مشینری تہس نہس ہو سکتی تھی اور قارئین اس سلسلہ میں بہت کچھ پڑھیں گے

ہمارے اپنے افسر[۱۵] (تفصیل کیلئے تاشقند کے اصلی راز کے دوسرے باب سے استفادہ کریں) پاکستان بننے سے پہلے صرف چار مسلمان برگیڈیئر کے عہدے تک پہنچ تھے۔ جن میں ایک منیر ٹوانہ "سفارشی" تھا۔ کہ بلدیو سنگھ نے خضر حیات ٹوانہ کی سفارش پر اس کو یہ عہدہ دیا تھا۔ باقی تین کے ساتھ قائد نے ملاقات کی جن میں سب سے سینئر محمد اکبر سے کچھ متاثر ہوئے اور ان کو میجر جنرل کے عہدہ پر ترقی دلوائی۔ پاکستان کے بن جانے کے بعد ان کو اپنے نزدیک کراچی۔ کوئٹہ میں رکھوایا۔ یہ معمولی پڑھے لکھے، لیکن بھلے آدمی تھے اور حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ اگر قائداعظم زندہ رہتے تو شاید انہی کو فوج کا پہلا کمانڈر انچیف بناتے۔ لیکن ان کو جس طرح انگریز جنرلوں اور مغربی لابی نے نکو بنایا۔ اس سلسلہ میں بہت کچھ کتاب میں

آئے گا۔ باقی دو محمد نذیر قادیانی اور آغا رضا، قائد کو زیادہ متاثر نہ کرسکے۔ اور باؤنڈری فوج کیلئے قائد نے ایک کرنل محمد ایوب کو چنا، جن کے بریگیڈیئر بننے کا نمبر انگریز کاٹ چکے تھے۔ اور ایک دفعہ راقم کی آنکھوں کے سامنے دسمبر ۱۹۴۴ء میں اس کے ڈویژن کمانڈر میجر جنرل ریس نے ایوب کو کرنیلی سے میجر بنا کر برہما محاذ سے واپس کردیا کہ وہ لڑائی میں پلٹن کی کمانڈ کیلئے فٹ نہیں۔ اور پھر ایوب کو دوسرے درجہ کی پلٹن کی کمانڈ دے کر کرنل بنایا گیا۔ قائداعظم کو کہا گیا کہ ایوب خان مسلم لیگی لیڈر سردار بہادر کا بھائی ہے۔ اس لئے اس کو انگریز "ناپسند" کرتے ہیں تو قائد نے ایوب کو باؤنڈری فوج کیلئے چنا۔ لیکن ایوب نے سب کو مایوس کیا۔ کہ اس کو وہاں سے ہٹانا پڑا۔ یہی ایوب بعد میں انگریزوں کے "دوست" بن گئے یا جو کچھ تھا۔ وہ لڑائی جیتے بغیر لڑائی (فیلڈ) کے مارشل بن گئے۔ قائد کو شاید یہ نہ بتایا گیا کہ سردار بہادر کبھی فوج میں لانس نائیک[۱۶] تھا۔ کمیشن نہ ملا تو فوج چھوڑ کر کانگرس میں چلا گیا۔ لیکن فیلڈ مارشل برڈوڈ نے اس کو علی گڑھ بھجوا کر مسلم لیگ میں شامل کرادیا۔ بہرحال باقی کنگ کمیشنڈ افسروں میں شیر خان اور اکبر خان کا "جنرل طارق کے طور پر" کافی ذکر آئے گا اور شیر علی، حیاء الدین کا انگریزوں کی ڈگڈگی پر ناچنے کا ذکر بھی ہے۔ کنگ کمیشنڈ افسر جو پاکستان کے حصے میں آئے ان کی تعداد کوئی ۲۵ یا تیس کے قریب تھی۔ اور انڈین کمیشنڈ افسروں کی تعداد کوئی ستر کے قریب، جن میں جنرل محمد موسیٰ سے لے کر سب سے جونیر لوگوں میں اختر ملک قادیانی اور صاحبزادہ یعقوب تک افسر شامل تھے۔ ان میں مذہبی خیال کے لوگ صرف بریگیڈیئر گلزار احمد، میجر جنرل حق نواز، میجر جنرل فضل مقیم، بریگیڈیئر صدیق ستی، بریگیڈیئر نوشیرواں، بریگیڈیئر نثار قریشی، کرنل سلطان علی شاہ اور کرنل شیر محمد سمیت چند لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں یا لفٹیننٹ جنرل بختیار رانا اور بریگیڈیئر صاحب داد وغیرہ چند کو غیرتمند پاکستانی افسروں کے زمرہ میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ باقی ڈیڑھ ہزار سب لڑائی کے زمانے کے ایمرجنسی کمیشنڈ افسر تھے اور جنرل پیرزادہ یا جنرل ارشاد جیسے لوگوں کو اس زمانے میں پلٹن کی بجائے پائنیر کور میں کمیشن دیا گیا۔ پاکستان نے ان کو بڑی دنیاوی بلندیوں پر پہنچادیا۔ لیکن افسوس کہ کسی ایک کو اللہ تعالیٰ نے توفیق نہ دی کہ وہ پاکستان کے اسلامی تشخص کو اجاگر کرکے ہمارے لئے نشان راہ تلاش کرے

چند جنہوں نے سلطان علی شاہ یا شیر محمد کی طرح یا کشمیر میں لڑنے والوں نے اسلام کے ساتھ کچھ رشتہ ظاہر کیا تو ایوب خان نے ان کو ان کے قد کے مطابق "تراش" دیا[۱۷]۔

ہماری لڑاکا فوج لڑاکا فوج کے طور پر کل چار ڈویژن فوج یعنی ساتواں، آٹھواں، نواں، اور دسواں ڈویژن ہمارے حصے میں آئے۔ آٹھواں ڈویژن بھی مکمل نہ تھا کہ اس میں صرف دو بریگیڈ تھے۔ جو پلٹنیں یا یونٹیں ہمارے حصے میں آئیں، ان میں بلوچ یونٹوں (۷۵ فیصد مسلمان) کو چھوڑ کر کسی یونٹ میں مسلمان ۵۰ فیصد سے زیادہ نہ تھے۔ اور بھارت چلی گئی یونٹوں کے مسلمان ہمیں دینے میں جان بوجھ کر دیر کی گئی۔ ویسے توپخانہ صرف دو ڈویژنوں کیلئے کافی تھا۔ بکتربند دستوں کیلئے کل چھ یونٹیں ہمیں ملیں یعنی ایک بکتربند بریگیڈ، اور صرف تین ڈویژنوں کیلئے ایک ایک ہلکی بکتربند یونٹ۔ فیروزپور آخری وقت بھارت کو مل جانے کی وجہ سے چودھویں پنجاب سنٹر کو بھی ہمیں وہاں سے نکال کر جہلم لانا تھا۔ لیکن انبالا سے پندرھویں پنجاب سنٹر کو خالی جگہ ایبٹ آباد لے جانے کی بجائے سیالکوٹ لانے کے احکام دیئے گئے اور سیالکوٹ چھاؤنی سے بارھویں فرنٹیئر فورس کی خالی جگہ ایبٹ آباد لے جانے کے احکام ملے۔ یہ ایک سازش تھی جس کی باتیں اگلے ابواب میں آتی رہیں گی کہ یہاں سیالکوٹ میں کافی عرصہ ہندو سکھ فوجیوں کو رکھنا تھا۔ کہ جموں محاذ نہ کھولنے دیا جائے۔ اور فرنٹیئر فورس کے پٹھان فوجی قبائلی مجاہدین کو اس طرف نہ لے آئیں اور سیالکوٹ کو قادیانیوں اور ماڈرن مسلمانوں کا "گڑھ" بنانا تھا۔ کہ وہاں متعین سولھویں گروپ میں اختر ملک برادران اور فیروز الدین برادران بہت قادیانی افسر تھے اور پندرھویں گروپ میں غلام کذاب کے پوتے داؤد سمیت ایک ۱۱/۱۵ پوری پلٹن قادیانیوں کی تھی۔ علاوہ ازیں باقی سب آرمز اور سروسز یعنی سب کوروں کے سنٹر ہم کو خود بنانے تھے۔ پوری مشرقی سرحد یعنی بھارت کے ساتھ سرحد پر ہمارا مشکل سے ایک بریگیڈ تھا۔ قائداعظم نے انگریز جنرلوں کی سخت مخالفت کے باوجود لنڈی کوتل، رزمک، میراں شاہ، پارہ چنار اور ٹل سے فوجوں کو ہٹانے کا حکم دیا لیکن پھر بھی مشرقی سرحد پر صرف ایک ڈویژن فوج یعنی دسواں ڈویژن (ہیڈ کوارٹر لاہور) رکھا گیا۔ نواں ڈویژن پشاور۔ ساتواں کبھی ایبٹ آباد، کبھی راولپنڈی اور آٹھواں کوئٹہ، کراچی۔ انگریز جنرل کہتے تھے مشرقی سرحد پر بارکیں نہیں۔ ادھر سیالکوٹ اور لاہور میں تین گروپوں کی پلٹنوں کے رجمنٹل سنٹر تھے اور دو کوروں کے سنٹر۔

۱۹۵۱ء میں انگریز کمانڈر انچیف کے چلے جانے کے بعد ہم ان تربیتی سنٹروں کو ایبٹ آباد، مردان، رسالپور وغیرہ لے گئے۔ انگریز ہمیں کہتے تھے۔ خبردار! بھارت کے ساتھ جنگ کی بات کبھی مت سوچو۔ اس کی طاقت پاکستان سے تین گناہ زیادہ ہے اور اب تک جو بھارت کے ساتھ تین جنگیں لڑ چکے ہیں۔ ان میں بھی مقصد اور ہمیں یہ سبق دیا گیا ہے کہ "احتجاجوں" پر گزارہ کرو۔ ان جنگوں میں بھی ہم اینگلو امریکن بلاک کی ڈگڈگی پر ناچے۔ اور یہ عاجز اس سلسلہ میں بڑے ثبوت پیش کرے گا۔

غیر منظم قوم و ملک یہ بڑا وسیع مضمون ہے اور یہ عاجز ثابت کر چکا ہے، کہ ہم نے منظم قوم کے طور پر یہ ملک حاصل نہ کیا۔ حضور پاکؐ کے ایک وکیل نے ہمیں یہ ملک لے دیا مسلمان اللہ کی فوج ہیں۔ اور دنیاوی فوجیں ہماری بھونڈی نقل بھی نہیں۔ اگر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہم اللہ کی فوج بن گئے ہوتے اور اپنی چار ڈویژن لڑاکا فوج کی جڑیں اس بنیان۔ المرصوص میں گاڑ دیتے، تو اس برصغیر کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ قائد نے مسلم لیگ نیشنل گارڈ کو پاکستان نیشنل گارڈ میں تبدیل کر کے پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانے کے احکام دے دیئے۔ لیکن انگریزوں کی تیار کردہ "کھیپ" نے پچھلے ۴۷ سالوں سے اللہ اور رسولؐ سے غداری کر کے ہمیں جس ذلت کی زندگی سے دوچار کیا ہوا ہے اس پر یہ عاجز مختصر کتاب "پنڈورا باکس" لکھ چکا ہے لیکن پوری تحقیق پر تین کتابوں کے مسودے[18] بھی تیار ہیں۔ لیکن میں اکیلا آدمی کیا کیا کروں۔ ہم آج بھی ایک غیر منظم قوم اور ملک ہیں۔

مشرقی پنجاب کا قتل عام (پہلی سازش) مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کے سلسلہ میں ہماری اخباریں بھری پڑی ہیں۔ اور سوائے ایک بیان کے کہ پاکستان کو ختم کرنے کی یا پاکستان کیلئے مسائل پیدا کرنے کی یہ بہت بڑی سازش تھی۔ باقی تحقیق یا بامقصد مطالعے صفر کے برابر ہیں۔ کسی نے آج تک یہ نہیں کہا کہ یہ فطرت کی طرف سے، ہمیں بے غیرتی کیوجہ سے سزا تھی کہ ہم نے ان علاقوں میں جھوٹے نبی کا شجرہ خبیثہ لگانے کو نہ روکا۔ ہم منظم نہ تھے۔ ہم نے جو ان علاقوں میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ کیلئے ہتھیار بھیجے وہ ہندوؤں اور سکھوں کو بیچ دیئے گئے اور صرف کرنل سلطان علی شاہ نے کتاب "شامت اعمال ما" لکھ کر وہاں کے ہم مسلمانوں خاص کر جالندھر ڈویژن کے مسلمانوں کے رویہ پر بہت کچھ لکھا اور یہی

لوگ زیادہ تر نوجوان عورتیں کفار کے پاس چھوڑ آئے۔ انبالہ ڈویژن کے رانگھڑ یا میواتی وغیرہ یعنی غیرت مند مسلمان لمبے سفر کے باوجود اپنی عورتوں کی عزت کو تو بچا سکے۔ مہاراجہ کشمیر کے علاوہ، مہاراجہ جودھ پور اور مہاراجہ بیکانیز بھی پاکستان کے ساتھ الحاق کے بارے کچھ سوچ رہے تھے، تو بھارتی حکومت نے ان کو ڈرانے کیلئے یہ قتل عام کیا، کہ خبردار مسلم پاکستان ہندووں کا دشمن نمبر ون ہے۔ اور پچھلے باب میں اشارہ کر دیا تھا۔ قائداعظم ان سازشوں کے بارے کچھ پیش بینی کر چکے تھے۔ تب ہی وہ دہلی تک کا علاقہ مانگتے تھے اور آبادی کا تبادلہ چاہتے تھے۔ لیکن ہمیں صرف راوی تک علاقہ ملا۔ اور محدود تبادلہ آبادی ہو سکا۔ خان عبدالقیوم خان نے لیاقت علی کو گزارش کی کہ قبائلی مسلمانوں یا باقی ہتھیار بند مسلمانوں کو مشرقی پنجاب میں داخل کر دیا جائے۔ اگر ایسا کرتے اور نظریہ جہاد کو اپنا لیتے تو قوم بھی منظم ہو جاتی۔ لیکن لیاقت علی نے اس سلسلہ میں قائد کو آگاہ بھی نہ کیا۔ اس کی بیگم رعنا گڑھوال کے ایک پنڈت خاندان سے تھیں۔ جو پہلے کہتی تھی کہ وہ عیسائی ہو گئی اور بعد میں مسلمان۔ اس کی دوسری بہن مردان شوگر مل کے مالک ایشرداس ہندو کی بیوی تھی۔ لیاقت از خود نے ۱۹۴۵ء میں جو کانگرسی لیڈر بھولا بھائی ڈیسائی سے معاہدہ کیا تھا، اس کو بھی قائد نے ناپسند کیا تھا۔ مسلم لیگ میں لیاقت علی، ہندووں کا "پسندیدہ" آدمی تھا۔ لیکن اکیلا قائداعظم کیا کرتا۔ لیاقت کی بجائے کس کو لے آتا۔ والٹن میں لٹے پٹے مہاجرین کو دیکھنے کے بعد لاہور سٹیشن پر جب گاڑی کو قائد نے لاشوں سے بھرا ہوا دیکھا۔ تو وہ سکتے میں آگیا۔ اس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ مسلمان اتنے کمزور ہیں اور اس طرح بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہو جائیں گے۔ اور ہم آج بھی یہ سوچنے کو تیار نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا۔ کیوں ہوا۔ اور علاج کیا ہے؟

حیدر آباد بمقابلہ کشمیر ہم زبانی کلامی تو اب بھی سارے بھارت کو فتح کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ اس عاجز نے جو "شوشے" ان زمانوں یا دنوں میں سنے یا سنتا آرہا ہوں۔ تو اس عاجز نے ہمیشہ یہ کہا کہ مجھے تو "عشق بلاخیز کا وہ قافلہ سخت جان کہیں نظر نہیں آرہا"۔ جو ایسا کر سکیں بھارتیوں نے حیدر آباد اور کشمیر کو حاصل کرنے کیلئے جو کچھ کیا وہ کھلی کتاب ہے۔ لیکن اپنا معاملہ صفر کے برابر ہے۔ بہرحال یہ سنتے تھے کہ مہاراجہ کشمیر نے قائداعظم اور ملک فیروز خان

نون کے ساتھ وعدہ کیا تھا، کہ وہ ریاست کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرے گا اور اس نے ۲۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو لاہور آنا تھا۔ اور قائد اعظم نے اس کا انتظار بھی کیا۔ لیکن وہ نہ آیا۔ اس کے بعد قائد نے خود کشمیر جانا چاہا۔ تو ماؤنٹ بیٹن نے روک دیا۔ کہ بھارت اور پاکستان کا کوئی بڑا لیڈر وہاں نہ جائے کہ اس طرح دونوں ملک لڑ جائیں گے۔ ظاہر ہے ماؤنٹ بیٹن اور بھارتی جو کرنا چاہتے تھے، وہ کر چکے تھے اور ہمیں بے وقوف بنایا جا رہا تھا۔ پاکستان کے حکمران کشمیر کو ترنوالہ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ وہ کسی وقت کشمیر پر قبضہ کر کے بڑے مضبوط ہو جائیں گے۔ اور بھارت کو حیدر آباد پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔ اور دکن میں پرتگیزی گوا کو ملا کر ایک اسلامی ملک جنم لے سکے گا۔ ایسا ممکن تھا لیکن صرف نظریہ جہاد پر عمل کرنے سے۔

مہاراجہ کشمیر کی سوچ مہاراجہ ہری سنگھ کی سوچ پر سب مصنف اور کتابیں خاموش ہیں۔ اس عاجز کی تحقیق کے مطابق وہ خوشی سے کشمیر کا الحاق پاکستان یا بھارت کسی کے ساتھ بھی نہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ خود مختار کشمیر کا بادشاہ بن کر رہنا چاہتا تھا۔ لیکن بھارت نے اس کو اس سلسلہ میں گھاس نہ ڈالی، تو وہ وقت حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگا ہوا تھا، کہ شاید کوئی حالات اس کو ایسا موقع فراہم کر دیں۔ مشرقی پنجاب کے قتل عام اور تبادلہ آبادی کے بعد، مہاراجہ کشمیر کبھی بھی ریاست کا الحاق پاکستان سے نہ کرتا۔ بھارت کے ساتھ الحاق کر کے وہ بہت زیادہ خود مختاری چاہتا تھا لیکن مسلم اکثریت اسکے راستے میں حائل تھی۔ اس کی یہ "مشکل" جونا گڑھ کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی "سازش" نے دور کر دی جس پر تفصیلی تبصرہ اگلے باب میں آتا ہے۔ مہاراجہ برصغیر کے حالات سے "بے خبر" نہ تھا۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں برٹش کمانڈر انچیف کے ساتھ دوسری جنگ عظیم میں اس کو اپنا ایک 'وعدہ' یاد آگیا۔ کہ اس نے اپنی رعایا کے ان لوگوں کو خراج تحسین پیش کرنا ہے، جنہوں نے انگریزوں کی فوج میں خدمات انجام دیں۔ تو وہ کشمیری فوج کے جنرل کی وردی زیب تن کئے راولا کوٹ پہنچ گیا۔ آگے سے بابائے پونچھ اور "مٹھ آٹا" تحریک کے بانی بڑے خان، کیپٹن خان محمد [۱۹] نے چالیس ہزار سابق سپاہیوں سے مہاراجہ کے پرجوش استقبال کی تیاری کی تھی، بلکہ رات کو راولا کوٹ کے ارد گرد پہاڑیوں پر آگ سے لکڑیوں کے کئی الاؤ جلائے۔ اور خان محمد نے دوسرے شرفاء کے ساتھ بعد دوپہر مہاراجہ کے ساتھ ڈاک بنگلے میں ملاقات بھی کی۔ اور مہاراجہ کو بتایا کہ اس نے

استقبال کرنے والوں کے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا، اور ان لوگوں کے کچھ مطالبات ہیں، جو پیش کئے۔ لیکن مہاراجہ خراج تحسین والی باتوں کو بھول چکا تھا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ایسے منظم لوگوں کو وہ کنٹرول کیسے کرے گا، اور سری نگر واپس جا کر غیر مسلموں کی بارہ کمپنیاں [۲۰] کھڑی کیں اور ان کو مسلمانوں کے اکثریت والے علاقے میں اس طرح تعین کیا کہ چھوٹے چھوٹے گاؤں اور قصبوں مثلاً دوتان، منگ، ٹائیں، کپادر، چرالہ، دھیر کوٹ، کوہالہ، باغ، تھمن پتن (اب آزاد پتن)، پلندری اور تراڑ خیل میں بھی یہ دستے بھیج دیئے۔ اور پٹواریوں اور نمبرداروں کو حکم دیا کہ فوجیوں کیلئے آٹا، چاول، مرغ، گھی، حتیٰ کہ جانوروں کیلئے چارہ بھی علاقے کے لوگ مہیا کریں گے۔ اور جون ۱۹۴۷ء میں پونچھ جاگیر کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اور لوگ جب وزیر پونچھ (ڈپٹی کمشنر کے برابر) کے پاس شکایت لے کر جاتے تھے۔ تو وہ کہتا تھا کہ سب احکام سری نگر سے آتے ہیں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ مسلم کانفرنس کے عارضی صدر چودھری حمید اللہ اور علاقے کے کشمیر کے اسمبلی کے ممبر سردار ابراہیم (بعد میں صدر آزاد کشمیر) نے آکر لوگوں کو کچھ تسلی دی، لیکن ڈوگرہ فوجی کسی کی نہ سنتے تھے۔ معمولی بات پر ایک ڈوگرہ حوالدار نے دھامنی گاؤں میں ایک مسلمانوں کے گھر کو آگ لگا کر جلا دیا اور عورتوں کی بے عزتی کی۔

مطالبہ الحاق پاکستان ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو سری نگر میں مسلم کانفرنس کے مطالبہ الحاق پاکستان نے مسلمانوں کیلئے راستہ کھول دیا تھا، کہ وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کی بات مکمل کر کریں۔ لیکن مہاراجہ نے اپنے رشتہ دار کرنل بلدیو سنگھ پٹھانیہ کو جو وزیر مال بھی تھا، پونچھ کے علاقے میں بھیج کر احکام جاری کرائے کہ کسی جگہ چار آدمی سے زیادہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ یعنی گاؤں اور راستوں پر بھی دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہو گیا اور میجر پیارا سنگھ کو تلاشی کیلئے بھیجا کہ کوئی مسلمان اپنے پاس ہتھیار نہیں رکھ سکتا۔ جو رکھے گا اس کو پھانسی کی سزا دی جائے گی لیکن لوگ کچھ منظم ہو گئے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو سب بڑی بڑی مسجدوں اور خاص کر راولا کوٹ کی مسجد میں مسلمانوں نے مطالبہ الحاق پاکستان کو نہ صرف دہرایا۔ بلکہ یہ اعلان بھی کر دیا کہ اگر چند ٹکوں کیلئے وہ انگریزوں کیلئے لڑتے رہے تو آج وہ اللہ اور رسولؐ کے لئے جان قربان کر کے اپنے علاقے کو پاکستان میں شامل کرائیں گے۔ کرنل رام لعل بھی ادھر تھا۔ اس نے اعلان

کردیا کہ کشمیر کبھی بھی پاکستان میں شامل نہ ہوگا۔

جہاد کی بسم اللہ یہ اعلان سن لینے کے بعد علاقہ کے شرفاء، خاص کر باغ اور راولاکوٹ کے فوجیوں نے پوشیدگی میں ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ رکھنے کا فیصلہ کیا، کہ سب سے پہلے کوٹلی کے نزدیک بھان پل، پونچھ کے نزدیک مدارپور پل اور اوڑی کے نزدیک ہتھ لنگا پلوں کو اڑا دیا جائے کہ ڈوگروں کو کوئی کمک نہ پہنچ سکے اور علاقہ میں پھیلی ہوئی ڈوگرہ پلٹن کو وہ پہلے مرحلہ میں ختم کرکے، جہاد کی مزید تجویزیں بنائیں گے۔ لیکن اس تجویز کی بھنک باہر نکل گئی اور ڈوگروں نے پلوں پر پہرہ کو ڈبل کردیا۔ اب لوگوں نے اپنے بیوی، بچوں کو دریا پار کرکے پاکستانی علاقوں میں بھیج دیا۔ اور خود منظم ہوکر اجتماع کرنے شروع کردیئے۔ ۲۱ اگست ۱۹۴۷ء کو گاؤں سے ٹولیوں میں کچھ لوگ باغ آئے۔ ۲۳ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک ہزار کے جتھہ نے نیلابٹ کے مقام پر اجتماع کیا۔ اس کے بعد لوگوں نے دفعہ ۱۴۴ کے احکام کو توڑنے کا فیصلہ کیا اور پیر علی اصغر شاہ اور سردار عبدالقیوم کے جتھوں نے باغ شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ کیپٹن بلدیو سنگھ نے ان کو شہر میں تو داخل نہ ہونے دیا۔ البتہ حدا باری کے مقام پر اجتماع اور تقریروں کی اجازت دے دی۔ جن لوگوں نے زبردستی شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی ان پر ڈوگروں نے سخت فائر کیا۔ لیکن کچھ سمجھوتہ ہوگیا، کہ اگر لوگ سید خادم حسین کو ڈوگروں کے حوالے کردیں تو وہ ان کے مطالبات سری نگر پہنچادیں گے۔ لوگ یہ بات نہ مانتے تھے۔ لیکن سید خادم حسین خود قربانی دینے کو تیار ہوگیا اور اللہ اور رسولؐ کے نام کی صدا بلند کرتے ڈوگروں کے پاس پہنچ گیا جنہوں نے اس کو سنگینیں گھونپ کر شہید کردیا۔ اس واقعہ نے ساری صورت حال کے رخ کو تبدیل کردیا۔ اسی دوران کچھ ڈوگرہ سپاہی دو خچروں پر بارود لادے لسپاری کے مقام سے گزر رہے تھے۔ لوگ ان پر پل پڑے اور ان کو ہلاک کردیا۔ جس سے مجاہدین کو آٹھ رائفلیں، دو باکس بارود اور دو پستول حاصل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی بسم اللہ کرادی اور مواقع تقدیر پیدا کردیئے۔ کاش! ہم اللہ اور رسولؐ کے راستے میں متحد ہوکر اللہ کی فوج یعنی حزب رسولؐ بن جاتے۔

جہاد پر عمل مسٹر سہروردی کے مطابق [21] جموں و کشمیر کے موجودہ وزیراعظم سردار

عبدالقیوم نے ان کو بتلایا کہ وہ منظم طریقے سے حیران کن کارروائی کرکے باغ میں ڈوگرہ فوج کو ختم کرکے جہاد کی بسم اللہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ جلدی ہوگئی وغیرہ۔ یہ ساری باتیں سر آنکھوں پر۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ اس زمانے میں سردار قیوم کی سوچ کی سطح ہماری اس زمانے کی سوچ سے بھی بہت کم تھی۔ اور یہ بعد کی جمع وتفریق ہے۔ لیکن میرے لئے سردار قیوم سمیت سب مجاہدین۔ مجاہدین اولین ہیں۔ وہ سارے، بہت عظیم ہیں۔ اور اگلے ابواب میں سب باتیں زیر بحث آئیں گی۔ البتہ یہاں سے جہاد کے پھیلاؤ کا ذکر اب چودھویں باب میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بہت زیادہ مواقع تقدیر میسر کئے لیکن ہماری منافقتوں اور خودغرضیوں کی ہمیں سزا مل رہی ہے۔ اور ہم ندامت کرنے کو اب بھی تیار نہیں اور اپنی سوچوں اور عمل کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔ افسوس! صد افسوس

حوالہ جات

(۱) - صفحہ ۱۶ تا ۱۹۔ (۲) - پنڈورا باکس صفحہ ۳ تا ۶ (۳) - پنڈورا باکس صفحہ ۱۱۲۔ (۴) - صفحہ ۲۰۔ (۵) - حضور پاکؐ کا جلال و جمال صفحہ ۴۷ اور ۴۸۔ (۶) - ایضاً بچھیواں باب۔ (۷) - ایضاً صفحہ ۵۰۸۔ (۸) - پنڈورا باکس صفحہ ۵ اور ۱۷۔ (۹) - حضور پاکؐ کا جلال و جمال صفحہ ۷۵ اور ۴۳۲۔ (۱۰) - تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۲۷۔ (۱۱) - ایضاً صفحہ ۷۰۔ (۱۲) - صفحہ ۵۲ اور ۱۰۵۔ (۱۳) - صفحہ ۵۔ (۱۴) - صفحہ ۱۰۵۔ (۱۵) - صفحہ ۳۰ تا ۴۰۔ (۱۶) - صفحہ ۲۴، ۳۲ اور ۶۲۔ (۱۷) - ایوب خان نے اپنی کتاب فرینڈز ناٹ ماسٹر میں لکھا ہے کہ کچھ نوجوان افسروں نے کشمیر کی جنگ میں کچھ کام کرلیا لیکن یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے اس لئے ان کو ان کے قد کے مطابق "تراشنا" پڑا۔ (۱۸) - پنڈورا باکس صفحہ ۱۔ (۱۹) - بڑے خان کو کرنل خان بھی کہتے ہیں۔ آزاد کشمیر اسمبلی کے ممبر کرنل نقی خان جو ۱۹۹۰ء میں ایک حادثے میں وفات پاگئے انہی کے بیٹے تھے۔ انہوں نے ہر گھر سے روزانہ ایک مشت بھر آٹا اکٹھا کرکے جو پیسے اکٹھے کئے ان سے آزاد کشمیر کے پہلے صدر سردار ابراہیم وغیرہ اور کئی لوگوں کی تعلیم کا بندوبست کیا اور وہ اسلام کے بھی مایہ ناز فرزند تھے۔ (۲۰) - لارڈ برڈوڈ کی کتاب صفحہ ۲۱۲۔ (۲۱) - ٹریجیڈی ان کشمیر، صفحہ ۱۰۶۔

نواں باب

آزاد جموں و کشمیر کی حکومت کا قیام

تمہید تحصیل باغ اور تحصیل راولاکوٹ میں جہاد کی بسم اللہ اگست کے آخری ہفتہ میں ہو گئی تھی۔ اور ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک یا بعد میں ضلع پونچھ، یا میرپور اور کوٹلی وغیرہ کے علاقوں میں جہاد کے ہر جگہ شروع ہونے یا پھیلاؤ کو ترتیب کے ساتھ چودھویں اور پندرھویں ابواب اور بعد میں بیسویں اور تیئسویں ابواب میں بیان کیا جائے گا۔ کہ ہر مقام کے واقعات کے تانے بانے ملانے کی ضرورت ہے۔ یہاں آزاد جموں و کشمیر کی حکومت کے قیام کو پہلے بیان کرنے میں مقصد یہ ہے، کہ ہم سبق سیکھیں کہ بغیر کسی مرکزی ادارہ کی رہنمائی کے تحصیل باغ اور تحصیل سدھنوتی کے لوگ اللہ اور رسولؐ کے نام پر ہتھیار اٹھا کر جہاد کی بسم اللہ کرتے ہیں تو ان علاقوں سے کفار کو بھگا دیتے ہیں اور دو ماہ کے اندر اندر وہاں ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مسلمانوں کی ایک حکومت بھی قائم ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی سورۃ نساء آیت نمبر ۱۴۱ میں فرماتا ہے "اللہ تعالیٰ کافروں کو ہرگز مسلمانوں پر غالب نہیں کرے گا"۔

تبصرہ اب اس تناظر میں پہلا تبصرہ یہ ہے کہ کافر ہم پر غالب آرہے ہیں تو ہماری مسلمانی میں کوئی غلطی ہے کہ ہمارا اسلام سرسید والا ہے یا غلام کذاب والا ہے اور منافقت ہمارے اندر رس گئی ہے۔ دوسرا تبصرہ یہ ہے کہ بھارتیوں نے جب مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا تو وہاں مسلمان لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ بھیڑ بکریوں کی موت مرنے کی بجائے منظم ہو کر جہاد کے نام پر مقابلہ کرتے۔ اور خان قیوم کی تجویز کے مطابق، قبائلی مجاہدین یا اور لوگ ان کی مدد کو پہنچ جاتے، تو بھارت میدان جنگ بن جاتا۔ اور وہاں ایسی تباہی مچ جاتی کہ تاریخ کا دھارا تبدیل ہو جاتا۔ کہ یہی سدھن اور عباسی قبائل بہت پہلے جہاد کی بسم اللہ کر چکے ہوتے۔ کشمیر کا گورداسپور ضلع کے ذریعہ بھارت سے کوئی رابطہ نہ ہوتا۔ نہ بھارت اس قابل ہوتا کہ مہاراجہ کشمیر کی مدد کیلئے فوج بھیجتا۔ جموں پر اسلامی جھنڈے لہرا رہے ہوتے۔ سری نگر تو

خود بخود جھولی میں گر جاتا۔ اور یہ کشمیری مجاہدین ڈوگرہ فوج اور مہاراجہ کو ختم کر کے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کی مدد کو پہنچ گئے ہوتے۔ ہم پاکستانی دہلی پہنچ گئے ہوتے۔[1] اور ہمیں قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کا تجویز کردہ پاکستان اسی وقت مل گیا ہوتا۔ افسوس کہ ہم نے جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنانے کا ایک سنہری موقع کھو دیا۔

لیکن کیا ہوا؟ اس عاجز کے مطابق قرآن پاک کو سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۳ میں جو اشارہ ہے۔ وہ ہمارے لئے ہے کہ ماضی میں ایسا کبھی نہ ہوا۔ اور عربی میں ماضی اور مضارع کے بیانات کو حسن دینے کیلئے طرز بیان میں لطف پیدا کیا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے "کیا نہ دیکھا تو نے طرف ان لوگوں کے نکلے گھروں اپنے سے اور وہ تھے ہزاروں۔ ڈر موت کی سے۔ پس کہا واسطے ان کے اللہ نے۔ کہ مرجاؤ۔ پھر زندہ کیا ان کو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ البتہ صاحب فضل کے ہے اوپر لوگوں کے لیکن اکثر لوگ نہیں شکر کرتے۔" اس سے اگلی آیت میں فرمایا "اور لڑو بیچ راہ اللہ کے" اور اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ ہماری اس لڑائی کی یوں وضاحت کرتا ہے" کہ ہم (یہ لڑائی لڑ کر) اس (اللہ تعالیٰ) کو قرض دے رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے عوض دگنا حاصل کرنے کی امید رکھیں"۔ اس عاجز نے کرنل شیر محمد کے ساتھ مل کر اس مضمون کی بہت تحقیق کی ہے اور اب حضور پاکؐ کے جلال و جمال[2] میں ثابت کیا ہے کہ نہ ہمارے ہجرت کرنے والے مہاجرین کے زمرے میں آتے ہیں۔ اور نہ ہم لوٹ مار کرنے والے اپنے آپ کو انصار کہہ سکتے ہیں اور بھارتی صوبوں کے مسلمان جو تحریک پاکستان کے ہراول میں تھے۔ ان میں سے زیادہ وہاں پریشان حالی میں گزارا کر رہے ہیں۔ اور ان میں سے ہوشیار لوگ پیٹ بھرنے کی خاطر پاکستان آگئے۔ بہر حال ۴۷ سالوں سے ہم مردوں کی طرح ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور جب تک جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنا کر ماضی کے حالات کا با مقصد مطالعہ نہیں کرتے اور آنے والے واقعات کی پیش بینی نہیں کرتے یہ ذلت کی گھڑیاں ختم نہ ہوں گی۔

ہمارے دشمنوں کی پیش بینی جغرافیائی، تاریخی، سیاسی، روحانی اور قانونی لحاظ سے کشمیر بھارت کا حصہ نہ ہو سکتا تھا۔ پس لارڈ میکالے کا کافرانہ رومن قانون ہی ایک چیز تھی۔ جس کے اپنے معنی Concieve and Concoct کرکے یعنی گھڑ تراش کر بھارتی اور

انگریز ہمیں بے وقوف بنا گئے ۔ انہوں نے ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ایک دفاعی کمیٹی [۳] بنائی جس کا
صدر ماؤنٹ بیٹن تھا ۔ نہرو، پٹیل اور بلدیو سنگھ کے علاوہ جو تھا ممبر وہی گوپال سوامی آئینگر تھا
جس کا پانچویں اور چھٹے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ وہ کشمیر کا تین سال وزیر اعظم رہا ۔ وہ اب
ایک طرح سے وزیر امور کشمیر تھا ۔ ہم نے یہ کام ۱۹۴۹ء کی فائر بندی کے بعد مسٹر مشتاق گورمانی
کو وزیر امور کشمیر بنا کر کیا ۔ کہ وہ کشمیر کے مسئلہ کو "سرد خانے" میں کیسے ڈالے ۔ ۱۹۴۸ء میں
جب بھارتیوں نے کشمیر میں مار کھانے کے بعد یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا، تو یہی آئینگر
بھارتی نمائندہ تھا اور وہاں ہمیں بے وقوف بنایا گیا ۔ بھارتی جنرل کے ایم کول نے اپنی کتاب
"ان ٹولڈ سٹوری" میں ریاستی فوج کو بھارت کی بارود و سامان کی الحاق سے پہلے جو امداد کی
تفصیل لکھی ہے ۔ اس کو پڑھ کر آنکھیں کھل جاتی ہیں ۔ اور بھارتیوں کی باقی پیش بینیوں یا
عملوں کے سلسلہ میں یہ عاجز پچھلے دو ابواب میں بہت کچھ کہہ چکا ہے ۔

ہماری پیش بینی ہمارے ہاں یہ معاملہ صفر کے برابر ہے ۔ میجر جنرل اکبر خان طارق کا
اب اس سلسلہ میں کافی ذکر ہوگا ۔ اور ان کی چھوٹی سی کتاب "کشمیر کے حملہ آور" کے گہرے
مطالعہ سے اپنے مشاہدوں اور سینکڑوں مجاہدین سے بات چیت کے بعد یہ عاجز کافی تحقیق کر چکا
ہے اور وہ باتیں اب جگہ جگہ بیان ہوں گی ۔ لیکن ساتھ سارے حوالے لکھنے سے بیانات کو "گھچ
پچ" کرنا مقصود نہیں ۔ اکبر خان دہلی میں کرنل کے طور پر بٹوارہ کمیٹی میں ہمارے نمائندہ تھے ۔
جولائی ۱۹۴۷ء میں قائد اعظم کے ساتھ ایک وفد میں ان کی ملاقات ہوئی [۴] ۔ تو انہوں نے ہندو
کانگرس ۔ مہاراجہ کشمیر اور شیخ عبداللہ کے گٹھ جوڑ کا کچھ خدشہ ظاہر کیا ۔ تو قائد اعظم نے کہا "دو
افراد کا فیصلہ ساری ریاست کے مستقبل کو مسخ نہیں کر سکتا" ۔ اور پھر فرمایا "کہ جس طرح
نظریہ پاکستان باقی مسلمانوں کو اپنی گرفت میں لے چکا ہے ۔ اس کے اثر کشمیری مسلمانوں پر
بھی ہیں ۔ اور جغرافیائی لحاظ سے کشمیر صرف پاکستان کا حصہ ہو سکتا ہے" ۔ اکبر خان خود کا بھی یہ
خیال تھا کہ گاندھی اور نہرو قابل احترام لیڈر ہیں ۔ ان کی نظریہ پاکستان کی مخالفت قابل فہم
تھی ۔ لیکن اب اس نظریہ کو تسلیم کر لینے کے بعد وہ لوگ وسعت قلبی کا مظاہرہ کریں گے [۵] ۔
قائد اعظم اور اکبر خان شاید یہ نہ سوچ سکے کہ سازش بہت بڑی تھی ۔ یہ عاجز ان دونوں کا بہت

مداح ہے ۔ لیکن مکمل ذات صرف حضور پاکؐ کی ہے اور یہ واقعات لکھ کر یہ عاجز ایک تلخ
حقیقت قوم کے سامنے پیش کر رہا ہے کہ ہم سب غلطی کر سکتے ہیں ۔ اور ہمیں حضرت آدمؑ کی
طرح ربنا ظلمنا انفسنا.... اور حضرت یونسؑ کی طرح لا الٰہ الا انت سبحانک .... پڑھ کر اپنی غلطیوں
پر ندامت کرنا چاہیے اور یہی الفاظ پنڈورا باکس کے کور (Cover) یا باہر والے صفحے پر ہیں ۔
علاوہ ازیں اس عاجز کے مطابق ہم نے دو اور بہت بڑی غلطیاں کیں ۔

دو غلطیاں پہلی غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے ہندو اکثریت والی ریاست جوناگڑھ کے مسلمان
نواب کی پاکستان کے ساتھ الحاق کی منظوری دے دی یہ عاجز ۱۹۷۹ء میں نوائے وقت میں
مضامین لکھ کر اور ۱۹۸۵ء میں اپنی کتاب تاشقند کے اصلی راز [۶] میں اس سازش سے پردے اتار
چکا ہے ۔ ۱۹۹۰ء میں اس جہاد کی کتاب کے سلسلہ میں مظفر آباد میں جو سیمینار ہوا تو وہاں سردار
ابراہیم نے یہ بات دہرائی کہ یہ حکومت پاکستان کی غلطی تھی ۔ اس عاجز نے سردار ابراہیم کو
وہاں یاد دلایا کہ یہ سازش اس کے لیڈر ذوالفقار بھٹو کے باپ شاہ نواز کی تھی ۔ اور شاہ نواز،
موتی لعل نہرو کا دوست تھا ۔ اور بھٹو کی ہندو والدہ بھی موتی لعل کی "وساطت" سے شاہ نواز کی
زوجیت میں آئی تھی ۔ اس شاہ نواز نے اپنے لئے بھارت اور پاکستان دو ملکوں کی دوہری
"شہریت" اور بمبئی کی جائداد کیلئے پاکستان کو بے وقوف بنایا اور بھارت کی گیم کھیلا، بلکہ آخر
ریاست کو خود بھارتی فوج کے حوالے کر آیا ۔ پھر بھٹو نے جو ہمارے ساتھ ستمبر ۶۵ میں کیا ۔ یا
دسمبر ۷۱ میں کیا ۔ لیکن اس کے باوجود ہم بے نظیر کو پاکستان کی "تقدیر" سمجھتے ہیں ۔ دوسری غلطی
آزاد کشمیر حکومت کے نام والی تھی ۔ مسلمان آزاد نہیں شیطان آزاد ہے [۷] ۔ یہ روحانی غلطی
بھی تھی اور ان الفاظ سے کشمیر کی خود مختاری کی بو بھی آتی ہے ۔ اور پاکستان کہ اس تحریک سے
ظاہری طور پر الگ رکھنے کی سازش بھی تھی ۔ اس حکومت کا نام مجاہدین کی حکومت یا تحریک
الحاق پاکستان کی حکومت یا اس کا کوئی اور اسلامی نام ہونا چاہیے تھا ۔ ہمارے آقا حضور پاکؐ
کے مطابق نام، صحیح، اچھا، بامقصد اور بامعنی ہونا چاہیے ۔ ام المومنین جویریہؓ کا نام برۃ (آزاد) تھا
تو آپؐ نے یہ نام تبدیل کر دیا ۔ کسی وادی کا نام غاوی تھا تو اس کا نام رشد رکھ دیا ۔

ہمارے بھونڈے طریقہ کار ہم نے مہاراجہ کشمیر کیلئے ایک "جواز" پیدا کر دیا ۔ کہ

وہ بھارت کے ساتھ الحاق کر کے "قانونی" طور پر بھارت کا حصہ کہلائے۔ اور ہم جو کچھ کشمیر میں کریں گے وہ "غیر قانونی" ہوگا۔ اور ہم ابتدائیہ میں بھی گزارش کر چکے ہیں کہ مولانا مودودی نے بھی ہماری کشمیر کے جہاد میں شرکت کو "غیر قانونی" قرار دے دیا۔ یہ بڑا المیہ ہے۔ اور ہم نے اب حضور پاکؐ کے فرمان الحرب الخدعۃ" یا مسلمانوں کی امداد یا الاعمال بالنیات کے تحت جو کچھ کیا وہ ٹھیک تھا۔ لیکن یہ کچھ چھپ کر، کرنے کی، بجائے ظاہر اگر نا تھا۔ اور جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنا کر رومن قانون کی کافرانہ شقوں کی ایسی تیسی کر دینا تھی۔ اور جونا گڑھ والی غلطی تسلیم کر کے کہتے، کہ جس طرح بھارتی فوج وہاں داخل ہو گئی ہے ہم بھی اپنی فوج کشمیر میں داخل کر سکتے ہیں اور اپنی مرضی کے وقت کے مطابق فوج کو داخل کریں گے۔ کہ جہاد مسلمانوں کیلئے طرز زندگی ہے اور کشمیر ہر لحاظ سے پاکستان کا حصہ ہے اور ہم کسی رومن قانون کے تحت مسلمانوں کو ان کے فرض سے نہیں روک سکتے۔ وغیرہ۔ بہر حال ظاہر ہے کہ مہاراجہ کشمیر نے جب قائد اعظم کو مایوس کیا، تو انہوں نے کارروائی کیلئے کوئی احکام دیئے ہوں گے اور ان کا ذہن صاف تھا اور ان کے سامنے لیاقت حکومت نے کچھ تجاویز پیش کی ہوں گی کہ وہ یہ کچھ تجاویز کر رہے ہیں۔ اور پھر یہ تجاویز کامیاب نہ ہوئیں اور جب بھارتی فوج کشمیر میں داخل ہوئی تو قائد اعظم نے اپنی فوج کو بھی کشمیر میں داخلے کے احکام دے دیئے [۸]۔ کہ قائد اعظم سے بہتر قانون کو کون سمجھتا تھا کہ ان کے لحاظ سے کشمیر قانونی اور ہر لحاظ سے پاکستان کا حصہ تھا اور ہمیں آج تک بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔ کہ ہم "قانونی" طور پر مات کھا گئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہماری تمام تر کوتاہیاں۔ غداریاں اور نالائیقیاں مختلف کتابوں میں "بکھری" پڑی ہیں۔ اور یہ عاجز ان کو یک جا کر کے اس کتاب میں پیش کر رہا ہے۔ اور سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء تک اپنے شور شرابے یا چند کھلی غداریوں کے علاوہ یہ عاجز بھی کافی غداریوں سے بے خبر تھا۔ لیکن ۱۹۷۳ء کے بعد جو تحقیق شروع کی تو پنڈورا باکس پر پنڈورا باکس کھل رہا ہے۔ اور یہ بات بالکل کھل کر سامنے آگئی، کہ سب کارروائی اس طرح ہو رہی تھی جیسے دو طرفہ فوجی مشقوں میں دو متحارب گروہوں کے درمیان چیف کنٹرول "لڑائی" کراتا ہے۔ اور حکومت برطانیہ والے چیف کنٹرول کا کام کرتے تھے۔ بریگیڈیئر محمود جان جو طارق ہیڈ کوارٹر میں سٹاف-

افسر تھے انہوں نے اس سلسلہ کے پشاور کے سیمینار میں بالکل یہی الفاظ استعمال کئے۔ جو بات آنے والے ابواب میں تفصیل کے ساتھ آتی رہے گی۔ لیکن حیرانگی یہ ہے کہ بھارت میں تو یہ کام ماؤنٹ بیٹن کنٹرول کر رہا تھا۔ اور ہندوؤں اور انگریزوں کے کئی اقدار مشترک تھے۔ لیکن ہمارے ملک میں لیاقت علی نے جس طرح اپنے دوغلہ پن پر پردہ رکھا۔ اس کی مثال نہیں۔ کہ وہ سب کارروائیوں اور ذمہ داریوں کیلئے بڑے محب وطن بن کر اپنے ماتحتوں کو کام سونپتے رہتے تھے۔ لیکن آخر جو فیصلہ کرتے تھے وہ انگریزوں اور بھارت کی خواہش کے مطابق ہوتا تھا۔ لیکن ان کی زندگی میں بہت کم لوگوں کو ان کی نیت پر شک پڑا۔ گو آجکل نوائے وقت میں ایک بدر منیر کے مضامین میں یہ اظہار ہو رہا ہے کہ مولانا بھاشانی اور حسین شہید سہروردی بنگالی لیڈروں کے علاوہ چودھری خلیق الزمان وغیرہ متعدد لوگ لیاقت علی کی "منافقت" اور دوغلہ پن سے آگاہ تھے۔ اور خود افتخار حسین ممدوٹ پاکستان بننے کے بعد پنجاب کے پہلے وزیر اعلیٰ نے تو اسی زمانے میں اعلان کر دیا تھا، کہ لیاقت علی پاکستان کی جڑوں کو کبھی مضبوط نہ ہونے دے گا اور ۱۹۵۴ء میں نواب ممدوٹ نے ریل کے ایک سفر کے دوران راجہ-غضنفر علی کی موجودگی میں راقم کو جو کچھ بتایا وہ الگ کتاب کا مضمون ہے کہ لیاقت کس قماش کا آدمی تھا۔

لیپا پوتی۔ اور گھمبیر مقاصد چنانچہ لیاقت علی حکومت نے غیروں کے یہ گھمبیر مقاصد پروان چڑھانے کیلئے، کچھ غلط طریقے بڑے پردوں کے ساتھ اختیار ضرور کئے کہ اگر ضرورت پڑے تو ان طریقوں پر لیپا پوتی کر کے قوم کو مزید بے وقوف بنایا جائے۔ چنانچہ مہاراجہ کی حکومت کے ساتھ رابطہ کیلئے ایک بڑے سینئر بیوروکریٹ کرنل اے ایس بی شاہ سیکرٹری ریاستی امور کو "نامزد" کیا۔ شیخ عبداللہ کے ساتھ سیاسی رابطہ کیلئے حکومت پنجاب کے ایک وزیر میاں-افتخار الدین کو بھیجا گیا، جن کا ذکر چھٹے باب میں ہو چکا ہے کہ وہ پہلے کانگرس میں تھے۔ اور عبداللہ کے ساتھ ان کے تعلقات تھے۔ لیکن پنجاب کے گورنر مودی اور سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر غلام کذاب کے پوتے ایم ایم احمد نے سیالکوٹ سے جموں والا راستہ۔ اور بھارتیوں کی شہہ پر مہاراجہ کی حکومت نے بھی یہ راستہ پاکستانیوں کیلئے بند کیا ہوا تھا۔ حالانکہ ریاست کی ڈاک

پاکستان کے کنٹرول میں تھی ۔ اور ڈاک کیلئے گاڑیاں چلتی تھیں ۔ لیکن یہی بڑی سازش تھی کہ جموں کے علاقہ اور اس کے لیڈروں (غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر سمیت) کو کشمیر کی آزادی کی تحریک سے دور اور الگ رکھنا تھا ۔ اور مری و مظفر آباد کو آزادی کا مرکز بنا کر چند شمالی اور مغربی ، علاقوں کو لنگڑا لولا کشمیر کے طور پر پاکستان کو دینا تھا ۔ اور انہی علاقوں کے لوگوں کے ہاتھ میں آزاد حکومت کی باگ وڈور دینا مقصود تھی ۔ اس لئے میاں افتخار الدین کو نہ صرف مری والا راستہ استعمال کرنے کی ہدایات تھیں ۔ بلکہ ان کو کہا گیا کہ ان کے سیاسی مشن کے فیل ہونے کی صورت میں (جو فیل ہونا تھا) ۔ وہ مری رک جائیں ۔ دراصل میاں افتخار الدین کو ایک متبادل تجویز بھی دی ہوئی تھی ، کہ مری میں انہوں نے کرنل اکبر خان (طارق) جن کی بیوی ان کی رشتہ دار اور ارائیں خاندان سے تھی ۔ ان میں اور سردار ابراہیم میں وہاں رابطہ بندھانا تھا ۔ اور یہ ملاقات ہوئی [9] ۔ بلکہ سری نگر جاتے ہوئے وہ اکبر خان کو بتا گئے کہ ان کو اپنے مشن کی کامیابی کی کوئی امید نہیں ۔ اور اکبر خان ، اس مسئلہ کے فوجی حل کی تجویز تیار رکھیں [10] ۔ اس مجوزہ پلان کیلئے اکبر خان کو جو "نوٹ" دیا گیا ، اس میں حکومت پاکستان کا تو ذکر ہی نہ تھا ۔ کہ وہ کیا کچھ کریں گے ۔ مفروضہ تھا کہ یہ کام مسلم لیگ ایک سیاسی پارٹی کے طور پر کرے گی ۔ لیکن کیا مدد دے گی اس کی تفصیل بھی نہ تھی ۔ سردار ابراہیم بھی اپنی کتاب " کشمیر صغا" میں ان کوتاہیوں سے کوئی پردہ نہیں اتارتا ۔ زیادہ زور اپنی شخصیت بنانے پر دیتا ہے کہ سری نگر سے کن مشکل حالات میں وہ چھپ کر نکلا ۔ ورنہ اس کو بھی جیل میں ڈال دیا جاتا ۔ وہ یہ نہیں بتاتا ، کہ اس کے سر پر "تاج" کس نے رکھوایا ۔ وہ صرف لاہور میں میاں افتخار الدین کے ساتھ اپنی ملاقات کا ذکر [11] کرتا ہے ۔ اور وہ بھی شکایت کے طور پر کہ اس نے لاہور جا کر حکومت پاکستان کے ایک وزیر راجہ غضنفر علی خان کی وساطت سے قائداعظم کے ساتھ ملاقات [12] کی کوشش کی تو ان کو کہا گیا کہ وہ صرف میاں افتخار الدین سے مل لے ۔ اب ظاہر ہے لیاقت علی ، سردار ابراہیم کو قائداعظم کے ساتھ کیسے ملنے دیتے ، کہ قائد آگے سے پوچھتے کہ مسلم کانفرنس کا عارضی صدر چودھری حمید اللہ کہاں ہے ۔ قائد کو تو "اندھیرے" میں رکھا جا رہا تھا ۔ اور ان کے سامنے آزاد کشمیر کی حکومت کے قیام کو ایک "حادثہ" کے طور پر پیش کرتا تھا ۔ کہ آزاد شدہ علاقے کے

ایک کشمیر اسمبلی کے ممبر کو "صدر" مجبوری کے تحت بنانا پڑ گیا ۔ اور اصلی بات یہ ہے کہ سازش کے تحت پاکستان کی حکومت جموں کے علاقوں سے خود بخود "دستبردار" ہو رہی تھی ۔ اور یہ "عقدہ" جنرل اکبر خان طارق پر بھی بہت بعد میں کھلا ۔ اور یہ سب ذکر اگلے ابواب میں آتے رہیں گے ۔

جنرل اکبر خان کی سوچ

جنرل اکبر خان کی کتاب کا ذکر ابتدائیہ میں ہو چکا ہے ۔ کہ اس کتاب کے گہرے اور بار بار مطالعہ نے مجھ پر بے حد و بے حساب عقدے کھول دیئے ۔ اس لئے ان جائزوں اور تبصروں کا بہت دفعہ ذکر کرنا پڑے گا ۔ وہ لکھتے ہیں " کہ وہ اس وقت فوج میں کرنل تھے اور تقریباً بیس پاکستانی افسران سے سینئر تھے جن میں سے " کچھ " کو اعتماد میں لیا جا سکتا تھا یہ عاجز البتہ جانتا ہے کہ ان " کچھ " کی تعداد بھی انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے ۔ زیادہ تر افسر انگریز جنرلوں کے " وفادار " تھے کہ ان کی " رپورٹوں " پر ان کو ترقی ملتی تھی ۔ اور یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ ہم اپنے گھر میں اپنے دشمنوں کو " پال " رہے تھے ۔ اکبر خان آگے لکھتا ہے ۔ " کہ جو تجاویز اس نے بنائیں یا جو کچھ اس نے کرنا تھا اس کو انگریز کمانڈر انچیف اور باقی انگریز افسروں سے پوشیدہ رکھنا تھا " لیاقت حکومت کا یہ بہت بڑا فراڈ تھا اور ظاہر ہے کہ قائداعظم کو اس سلسلہ میں بھی اندھیرے میں رکھا گیا ۔ ورنہ وہ سیدھے [13] طور پر انگریز کمانڈر انچیف کو کشمیر میں اس طرح مداخلت کا حکم نہ دیتے ۔ دراصل یہ سب سازشیں اور ڈرامے تھے ۔ کہ ہم سب کچھ " غیر ـ قانونی " کارروائیاں کر رہے تھے ۔ اور ہماری کارروائیاں " بین الاقوامی آداب " کے مطابق نہ تھیں ۔ اور اصلی سازش یہ تھی کہ ہمیں یا حکومت پاکستان کو چوروں ، ڈاکوؤں [14] اور لٹیروں کا " رسہ گیر " بنانا مقصود تھا ۔ کہ پنڈت نہرو کو یہ ہمت ہوئی کہ اس نے سردار ابراہیم کیلئے ڈاکو کا لفظ استعمال کیا ۔ جو ذکر اگلے ابواب میں تفصیل سے آئے گا ۔ جہنم میں جائیں ایسے دنیاوی قانون ۔ اور یہ " آداب " ۔ ہم غلط طریقے سے ایسا کر رہے تھے تو ایسی ذلتیں دیکھنا پڑیں ۔ اور آج تک یہی حالت ہے ۔ جو کچھ ہم کر رہے تھے اس کو انگریز جنرلوں سے پوشیدہ رکھنا ناممکن تھا ۔ اور کچھ بھی پوشیدہ نہ رہ سکا ۔ قارئین سب حالات پڑھیں گے ۔ اول تو یہ عاجز پچھلے ابواب میں گزارش کر چکا ہے کہ لانس نائک محمد خان ، جنرل فرینک مسروی سے بہتر کمانڈر انچیف ثابت

ہوتا۔ اور اگر ہم الحرب الخدعۃ یا اسلامی جذبہ کے تحت کشمیر کے مسلمانوں کے جہاد میں شرکت کے خواہاں تھے، تو اپنے انگریزوں سے سیدھی بات کرتے، کہ یہ ہماری ضرورت ہے اور وہ کتنی مدد کر سکتے ہیں۔ یا وہ اپنے پوری معاہدہ کی تنخواہ لیں اور ولایت چلے جائیں۔ قارئین آپ آگے جب پوری سازشیں پڑھیں گے تو میری طرح لہو کے آنسو بہائیں گے۔

اکبر خان کا ردعمل

اکبر خان اس وقت جی ایچ کیو میں ہتھیاروں اور سامان کے محکمہ کے ڈائریکٹر تھے یعنی (DWE) تھے۔ چار ہزار رائفلیں، پنجاب پولیس کو دینے کی منظوری ہو چکی تھی۔ اکبر خان نے ان کو جلد لاہور بھجوانے کا بندوبست شروع کر دیا۔ اور زبانی طور پر قربان علی خان آئی جی پولیس کو کہلوا بھیجا۔ کہ پنجاب پولیس پرانی رائفلوں پر گزارہ کرے۔ اور یہ رائفلیں مجاہدین کشمیر کو دی جائیں، جن کو منظم کیے جانے کا ذکر بعد میں آتا ہے۔ پہلا عدم تعاون یا کوتاہی قربان علی نے اپنے آپ کی یا، مودی کے اشارے پر کی۔ انہوں نے نئی رائفلیں پنجاب پولیس کے پاس رکھ لیں۔ اور پرانی رائفلیں مجاہدین کو دیں۔ اس کے علاوہ ایمونیشن ڈپوؤں میں کچھ پرانا بارود پڑا تھا۔ جس کو "سمندر برد" کرنا تھا۔ اکبر خان نے کاغذوں پر ایسا کر دیا۔ لیکن یہ ایمونیشن راولپنڈی اور جہلم میں متعین گیارھویں رسالے کے سپرد کر دیا۔ اور اس کے کمانڈنگ افسر کرنل مسعود بعد میں بریگیڈیئر اور "ٹامی" کے نام سے مشہور اور اس کے افسروں نے جس طرح اس بارود اور مزید بارود ملنے کے بعد اس بارود کی حفاظت کی یا مجاہدین میں بانٹا۔ یا جتنی مجاہدین کی مدد کی وہ ہماری تاریخ کا سنہری باب ہے۔ لیکن یہ ہماری قومی زندگی کا افسوسناک پہلو ہے کہ اکبر خان کہتا ہے کہ حکومت پاکستان یہ کام چند سیاستدانوں ایک فوجی کرنل اور ایک کشمیری لیڈر کو سونپ دینے کے بعد خود اپنے آپ کو آنے والے حالات کیلئے تیار نہ کر رہی تھی (۱۵)۔

ڈوگرہ فوج کی تعیناتی

اکبر خان نے جہاد کی تجویز ڈوگرہ فوج کی تعیناتی کو مدنظر رکھ کر بنائی کہ مہاراجہ کے پاس کل تقریباً چار بریگیڈ فوج تھی جن کی نفری تقریباً نو ہزار تھی۔ جن میں ہزار۔ ڈیڑھ ہزار مسلمان تھے جن میں زیادہ گلگت۔ سکردو کے علاقوں میں متعین تھے جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ ایک بریگیڈ کی پوسٹیں سری نگر۔ کوہالہ کے علاقوں میں تھیں۔ دوسرا

بریگیڈ ضلع پونچھ کے علاقوں میں۔ تیسرا بریگیڈ میرپور جھنگڑ کے علاقوں میں اور چوتھا برائے نام سا بریگیڈ جموں کے علاقوں میں تھا۔ بھارتی تاریخ (۱۶)۔ اور ہماری سرکاری تاریخ (۱۷) بھی اس تعیناتی کو صحیح کہتی ہیں۔ گو بعد میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔

اکبر خان کی تجویز

اکبر خان کی تجویز بڑی سادہ تھی۔ چار ہزار رائفلوں سے چار ہزار مجاہدین کو مسلح کرنا تھا۔ جن میں سے حکومت پنجاب یا مسلم لیگ نے ایک ہزار مجاہدین دینے تھے جنہوں نے جموں۔ کٹھوعہ روڈ کی ناکہ بندی کرنا تھی۔ راولپنڈی کے گرد و نواح سے دو سو مجاہدین کو تیار رکھنا تھا۔ جنہوں نے ایک مناسب اور مقررہ وقت پر سری نگر کے ہوائی اڈہ پر قبضہ کرنا تھا۔ یعنی تجویز کی بڑی دو بنیادیں تھیں کہ مہاراجہ کی حکومت کو نہ جموں کے راستے اور نہ سری نگر کے ہوائی اڈہ کے ذریعہ سے امداد پہنچ سکے۔ آگے قارئین دیکھیں گے کہ سازش اتنی گہری تھی کہ انہی دو ضرورتوں کیلئے "کوتاہی" یا غداری کی گئی۔ اکبر خان نے باقی دو ہزار رائفلیں پاکستان کی سرحد کے ساتھ اور اندر ان کشمیری مسلمانوں میں تقسیم کرنے کی تجویز بنائی جو جہاد میں شرکت کرنا چاہیں۔ اکبر خان تجویز کی زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا۔ اس کا ذہن صاف تھا۔ اس عاجز نے ان کو کافی سوالات لکھ کر بھیجے کہ بھارت کی مداخلت کی صورت میں ان کی سوچ کیا تھی تو انہوں نے بڑے پیارے جوابات بھیجے کہ اس سلسلہ میں حکومت پاکستان کی سطح پر سوچ کی ضرورت تھی۔ لیکن افسوس وہ کام بڑے بھونڈے طریقے سے ہوا۔ اور قارئین آگے بہت کچھ پڑھیں گے۔ بہرحال اکبر خان نے سبھاش چندر کی آزاد ہند فوج کے افسروں خاص کر محمد زمان کیانی۔ حبیب الرحمن۔ اور تجمل حسین کے علاوہ متعدد چھوٹے افسروں اور ریٹائر فوجیوں کے ساتھ رابطے باندھے اور مری میں جہاد کی تیاریوں کے سلسلہ میں بھی کچھ کام ہوا۔ اور سیالکوٹ کے نزدیک بھی کچھ مجاہدین کو تیار کر کے رکھا گیا، بلکہ بھارتی تاریخ کے مطابق (۱۸) پاکستانی مجاہدوں نے ستمبر، ۱۹۴۷ء میں کوٹھا، رن بیر سنگھ پورا اور سامبہ وغیرہ پر چھاپے مارے لیکن اپنوں نے بعد میں سازش کے طور پر جموں محاذ نہ کھولا یا بعد میں مجاہدین کو وہاں "باندھ" رکھا۔ اور بحران پر پکا "جھاڑو" دے دیا گیا۔ تو اب اپنی سرکاری تاریخ سے مجاہدین کے پہلے چھاپوں اور اکٹھوں یا اجتماعوں کو بھی مکمل طور پر حذف کر دیا ہے۔ (یہ سب باتیں تفصیل

سے اگلے باب میں زیر بحث آئیں گی)۔

حکومت پاکستان کی لیپا پوتی یا تجویز اب حکومت نے سیاسی پارٹیوں کے تحت کشمیر کو حاصل کرنے کی جو تجاویز بنائیں وہ کھل کر نہ کسی اخبار میں آئیں نہ کسی مصنف نے ان تجاویز کی مکمل کھوج نکالی ہے ۔ کہ ہم نے جو اپنے آپ کو "ڈاکوؤں کا رسہ گیر" بنا دیا تو کوئی کیا کرتا ۔ بہرحال آگے واقعات جو رونما ہوئے اور اکبر خان کی کتاب کی مدد سے ہم لیاقت علی کی لاہور کی کانفرنس سے جو تجاویز "اخذ" کریں گے اس میں کام کرنے والے تین کرداروں کا تعارف ضروری ہے کہ آگے حالات بہتر طور پر سمجھ آسکیں ۔ یہ تجویز شاید سردار شوکت حیات نے بنائی ۔ جو سر سکندر حیات کے لڑکے ہیں اور کسی تعارف کے محتاج نہیں کہ فوج میں کپتان تھے اور ۱۹۴۳ء میں فوج سے ریٹائر ہوئے اور سیاست میں آگئے ۔ انہوں نے دو سیکٹر بنائے کہ راولپنڈی کو چھوڑ کر اس سے مشرق میں تمام پنجاب کے مجاہدین نے محمد زمان کیانی کی کمانڈ میں کام کرنا تھا ۔ اور جموں کی ناکہ بندی انہوں نے کرنا تھی ۔ محمد زمان کیانی نوکری کے شروع میں میری پلٹن موجودہ ۱۹ پنجاب میں کلرک تھے اور ۱۹۳۵ء میں کمیشنڈ افسر بنے ۔ راقم کے ساتھ ان کی ملاقاتیں ۱۹۴۰ء میں سکندر آباد اور بعد ۱۹۴۱ء میں ملایا میں ہوتی رہیں جہاں وہ ۱۹۴۲ء میں کپتانی میں جاپان کے قیدی بن گئے ۔ مجھے ان کی پاکستان کے ساتھ وفاداری پر کبھی شک نہ پڑا ، اور یہ صاحب ساری کتاب میں ہمارے ساتھ رہیں گے ۔ انگریزوں کے زمانے میں بھی فوج میں وہ اکبر خان طارق سے کافی جونیئر تھے ۔ اور یہاں انہوں نے ان کے ماتحت کام کیا ۔ لیکن کسی نمایاں ، کامیابی کا سہرا ان کو نہیں باندھا جاسکتا ۔ کچھ لوگوں کے خیال کے مطابق وہ بھی "دوغلے" تھے اور ان ہی کی یونٹ کا کیپٹن شاہنواز جو بھارت کا شہری بن گیا ۔ اس کے "ذریعہ" ان کا بھارت کے ساتھ "رابطہ" تھا ۔ یہ عاجز صرف یہ کہے گا کہ چھوٹا سا "سبھاش چندر بوس" ہمیشہ ان کے دل پر حکومت کرتا تھا ۔ اس کے علاوہ میرے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں اور یہ بوس "نیتا-جی" کے طور پر ان دنوں نوائے وقت کے ایک سفارت کار کی آپ بیتی والے اقبال گوندل سمیت کئی نیم مسلمانوں کے دل پر حکومت کرتا ہے جو اس کی آزاد ہند فوج میں رہے ۔

میجر خورشید انور دوسرا سیکٹر راولپنڈی سے لے کر سارے صوبہ سرحد تک تھا ۔ اور ان

سب مجاہدین نے میجر خورشید انور کی کمانڈ میں کام کرنا تھا ۔ اور کشمیر میں کسی کارروائی سے پہلے سری نگر کے ہوائی اڈہ پر بھی انہوں نے قبضہ کرنا تھا ۔ اور زمینی طور پر سری نگر کی طرف انہوں نے پیش قدمی کرنا تھی ۔ یہ آدمی مالیر کوٹلہ ریاست کا رہنے والا تھا ۔ اور متحدہ ہندوستان کی فوج میں سپلائی میں میجر تھا ۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد جلدی سے فوج کو چھوڑ کر مسلم لیگ نیشنل گارڈ میں شامل ہوگیا [۱۹] ۔ اس آدمی نے جو کچھ کیا یا جو کچھ اس سے کرایا گیا ۔ وہ ہماری تاریخ کا تاریک ترین باب ہے ۔ لیکن آج تک صرف اس کی "کوتاہی" یا نالائقی یا "ناموزونیت" اور ناکامیوں پر تو بہت کچھ لکھا گیا ہے ۔ لیکن آج تک کسی آدمی نے اس کی گھمبیر سازشوں کو "کھودنے" کی کوشش نہیں کی ۔ راقم نے اس سلسلہ میں اس کو جاننے والے اور کام کرنے والے درجنوں لوگوں سے ملاقات کرکے کافی کچھ "تلاش" کرلیا ہے ۔ کہ وہ بڑی "تمنا" اور آرزوؤں والا آدمی تھا ۔ دلیر تھا ۔ روپ تبدیل کرلیتا تھا اور ہر فن مولا تھا ۔ اس کی شخصیت میں کشش تھی ۔ نوکری کے دوران بھارت میں رہ جانے والے ناگپور کے علاقوں میں اس کی ملاقات نواب صدیق علی خان کے ساتھ ہوگئی ۔ جو اس وقت مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سالار-اعلیٰ تھے اور پاکستان بننے کے بعد لیاقت علی کے سیاسی سیکرٹری بنے ۔ خورشید انور صوبہ سرحد میں نوکری کرکے کچھ پشتو بھی سیکھ چکے تھے اور لاہور اور راولپنڈی میں کچھ جائداد بھی بنا چکے تھے تو ۱۹۴۶ء میں صوبہ سرحد کی مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سالار اعلیٰ بن گئے اور ۱۹۴۷ء کے شروع میں خان عبدالقیوم خان کے ساتھ مل کر کانگرس حکومت کے خلاف نمایاں کام کیا ۔ اور اس زمانے کے نوجوان مسلمان طلبا کے وہ "ہیرو" بن گئے ۔ اور یہ طلباء جن میں برگیڈیئر شیر علی باز ، برگیڈیئر فضل رحیم ، کرنل جالت ، کرنل چراغ شاہ اور کرنل قاضی وغیرہ شامل ہیں ۔ فوج میں میرے ہم سفر رہے ۔ تو اس عاجز نے کتابوں کے علاوہ ان سب افسروں سے حالات معلوم کئے ۔ خاص کر کرنل چراغ شاہ جو کشمیر میں سری نگر کی طرف پیش قدمی میں اس کا سیکرٹری تھا ۔ اس نے چشم دید گواہ کے طور پر بہت کچھ بتایا تو یہ عاجز اب خورشید انور کی کارکردگی پر پورا تبصرہ ان واقعات کے بیان کے بعد ہی کرے گا کہ اس نے صوبہ سرحد کی ایک مشہور سوشل ورکر عورت ممتاز جمال سے دوسری شادی بھی کرلی ۔ جس کا باپ کشمیری تھا اور ماں سوات کی تھی [۲۰] ۔ اس

وقت خورشید انور کے پہلی بیوی سے بڑے بڑے بچے بھی تھے۔

لیاقت علی کی کانفرنس

اکبر خان کی کتاب [۲۱] کے مطابق ستمبر کے آخری یا اکتوبر ۱۹۴۷ء کے پہلے ہفتہ میں لاہور میں لیاقت علی کی ایک کانفرنس میں ان کو مدعو کیا گیا۔ کانفرنس کے شرکاء میں اکبر خان، وزیر خزانہ غلام محمد (بعد میں گورنر جنرل) میاں افتخار الدین، شوکت حیات، زمان کیانی اور خورشید انور کی موجودگی کا ذکر کرتا ہے۔ باقی کون تھے۔ کہ کانفرنس گورنمنٹ ہاؤس میں ہوئی تو گورنر مودی سے معاملات کو کیسے پوشیدہ رکھا جاسکتا تھا۔ قارئین خود فیصلہ کریں۔ اکبر خان نے سب لوگوں کے پاس اپنی تجویز کی کاپی دیکھی۔ لیکن زیادہ بات چیت شوکت حیات کی اس تجویز پر ہوئی جس کا ہم ابھی ابھی ذکر کر آئے ہیں۔ اور یہ اکبر خان کی تجویز پر "پیش رفت" تھی یا اگلا مرحلہ، تو اکبر خان نے صرف یہ باور کرایا کہ ترجیح جموں۔ کٹھوعہ روڈ کی ناکہ بندی اور سری نگر کے ہوائی اڈہ پر قبضہ یا اس کو ناکارہ کرنے کو ہونا ہوگی۔ کچھ لوگوں کو چار ہزار رائفلوں اور بارود کی بات اس وقت معلوم ہوئی۔ تو سب لوگ خوش ہو گئے اور اکبر خان نے کہا کہ وہ سب وعدے پورے کریں گے اور باقی بھی جو کچھ ہوسکا کریں گے۔ لیکن اکبر خان حیران ہوا کہ کانفرنس کافی حد تک بے ضابطہ اور رسمی تھی۔ صرف رقم کی تقسیم پر زیادہ توجہ دی گئی۔ اکبر خان لکھتے ہیں" کہ انہوں نے جان بوجھ کر کوئی سنجیدہ مسئلہ پیش نہ کیا اور ان کی حیرانگی کچھ بڑھ گئی کہ گو حالات تشویشناک صورت اختیار کرنے والے تھے۔ لیکن کانفرنس پر اعتماد تھی۔ اور وہ ان کو کیسے بتاتا کہ عملی جنگ یا جہاد میں رابطہ، میل ملاپ، حالات سے آگاہی۔ اور گولہ بارود کی سپلائی کیلئے بڑی تیاریوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور پوری کانفرنس میں ان کو ایک آدمی بھی نظر نہ آیا، جو جنگ کے تقاضوں کی ذرا بھر بھی سوجھ بوجھ رکھتا ہو۔" علاوہ ازیں جیسے اکبر خان، کانفرنس سے باہر نکلا تو میجر خورشید انور ان کے پاس آیا اور کہا کہ" وہ شوکت حیات کا کوئی حکم ماننے کو تیار نہیں"۔ اکبر خان نے اس کو سمجھایا کہ قومی مفاد کو ترجیح دینا پڑتی ہے۔ اور اکبر خان ایک طرف ہوا، تو شوکت حیات ان کو ایک طرف لے گیا اور کہا کہ" ان کو خورشید انور پر ذرا اعتماد نہیں"۔ اکبر خان تاڑ گیا کہ خورشید انور "گندا انڈا" ہے۔ اس نے شوکت کو مشورہ دیا کہ لیاقت علی سے کہہ کر خورشید انور کو تبدیل کر کے اس کی جگہ کوئی اور

آدمی رکھ لیں۔ تو شوکت نے کہا کہ خورشید انور لیاقت کا خاص الخاص آدمی ہے۔ اس کو کون تبدیل کرسکتا ہے۔ قارئین یہ بات یاد رکھنا۔ اگلے باب میں سب لوگ آپ کو منظر سے غائب ملیں گے۔ اسی "خاص الخاص" آدمی نے سب کچھ کیا۔ تو ظاہر ہے جو کچھ اس نے کیا، اس سے لیاقت علی نے کرایا۔ اور یہ کچھ نہرو کی مرضی کے مطابق نومبر سے پہلے ہونا چاہیے تھا کہ برف پڑنے سے پہلے بھارتی فوجیں سری نگر یا وادی کے کچھ علاقوں میں پہنچ جانا چاہتی تھیں۔ اور قارئین کے سامنے واقعات کی مدد سے سب ثبوت پیش کئے جائیں گے۔

اکبر خان کی سوچ اور عمل

(۲۲) اپنی کتاب میں اکبر خان اس بداعتمادی سے اپنی پریشانی کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ لیکن ان کو اللہ پر بھروسہ تھا کہ سو سال کی غلامی کے بعد اللہ تعالی نے انہیں ایک ملک بنانے کی توفیق دی ہے۔ کشمیری مسلمان بھی اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم ان کی مدد کریں۔ اللہ ہم پر رحم کرے گا۔ پنڈی آکر انہوں نے صرف بریگیڈیئر شیر خان کو اعتماد میں لیا اور سب باتیں بتائیں۔ وہ اس وقت جی ایچ کیو میں MI (یعنی خفیہ سروس کے سربراہ) تھے اور DMO (ڈائریکٹر ملٹری اوپریشن) بننے والے تھے۔ اور کس کو اعتماد میں لیتے؟۔ کہ ہم نے سب کچھ اپنے انگریز جنرلوں سے "خفیہ" رکھنا تھا اور بھارت کے انگریز جنرل بھارتی فوج کے کشمیر میں "دخول" کی تجاویز بنا رہے تھے۔ قارئین اس المیہ کو بھی سمجھیں۔ بہرحال اکبر خان نے ایک ہزار رائفلز ان مجاہدین کو پہنچادیں جنہوں نے جموں۔ کٹھوعہ روڈ کی ناکہ بندی کرنا تھی۔ اور دو سو رائفلیں میجر خورشید انور کو دیں کہ اس نے دو سو مجاہدین کے ساتھ سری نگر کے اڈہ پر قبضہ یا اس کو ناکارہ کرنا تھا۔

آزاد جموں و کشمیر حکومت کا قیام

اسی اکتوبر کی ۲۴ تاریخ کو سردار ابراہیم کے مطابق [۲۳] ضلع پونچھ کے ایک چھوٹے سے مقام پلندری میں مسلم کانفرنس کی کمیٹی کی ایما پر متفقہ طور پر سردار ابراہیم کو جموں و کشمیر کی آزادی کیلئے لڑنے والوں کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ اس سلسلہ میں ضرورت اور مشکلات کا ذکر تفصیل سے سردار صاحب کی کتاب میں موجود ہے۔

اور سب باتیں سر آنکھوں پر۔ اور میرے لحاظ سے یہ کچھ لارڈ میکالے کے "قانون" اور بین الاقوامی "ضرورت" کیلئے کیا گیا۔ لیکن قارئین آگے پڑھیں گے کہ ان دونوں "میدانوں" میں

ہماری اس کارروائی نے ہمیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔یہ ایک انتظامی ضرورت تھی اور آج تک ہے اور اس "باڈی" نے آزاد علاقوں کے حکومتی کاروبار کو چلایا یا چلارہی ہے۔لیکن میرے لحاظ سے بہتر نام۔"الحاق پاکستان تنظیم وحکومت" تھا۔یہ حکومت کشمیر کے جہاد کے سلسلہ میں کوئی خاص مدد نہ دے سکی۔حالانکہ حکومت میں کرنل علی احمد شاہ وزیر دفاع کہلاتے تھے۔خواجہ غلام دین وانی وزیر داخلہ تھے اور چودھری عبداللہ خان بھلی وزیر مال۔ تعلیم کا محکمہ میر واعظ محمد یوسف کو دیا گیا۔اور مالیات کا سید نذیر حسین شاہ کو اور خواجہ ثناءاللہ شمیم سول سپلائی کے وزیر تھے۔اور یہ تفصیل لکھنا ایک تاریخی ضرورت ہے۔لیکن اس حکومت کے اعلان، اور اگلے باب میں بیان شدہ سری نگر کی طرف پیش قدمی کے ڈرامے سے مہورا کے بجلی گھر کے بند ہوجانے نے مہاراجہ کشمیر کیلئے صرف ایک راستہ باقی چھوڑا کہ وہ ریاست کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق کردے۔

حوالہ جات

(۱) ۔پنڈورا باکس صفحہ ۶ ۔(۲) ۔آٹھواں باب اور نویں باب کا پہلا، صفحہ نمبر ۲۱۹ ۔(۳) ۔اوپریشنزان جموں اینڈ کشمیر، صفحہ ۱۷تا۱۹اور ایمرجنس آف پاکستان، صفحہ ۲۹۳ ۔(۴) ۔کشمیر کے حملہ آور، صفحہ ۲۲اور ۲۳ ۔(۵) ۔ایضاً، صفحہ ۲۶ ۔(۶) ۔صفحہ ۱۰۴اور ۱۰۵ ۔(۷) ۔حضور پاک ؐ کا جلال و جمال صفحہ ۷۰ ۔(۸) ۔مشن ود ماؤنٹ بیٹن، ایلن کیمپبل صفحہ ۲۶۶ ۔(۹) ۔کشمیر کے حملہ آور، صفحہ ۲۹ ۔(۱۰) ۔ایضاً، صفحہ ۳۰ ۔(۱۱) ۔کشمیر صنعا سردار ابراہیم صفحہ ۶۷ ۔(۱۲) ۔ایضاً، صفحہ ۶۵ ۔(۱۳) ۔اوپر نمبر شمار ۸ سے استفادہ کریں (۱۴) ۔ٹریجیڈی ان کشمیر، صفحہ ۲۱۰ ۔(۱۵) ۔کشمیر کے حملہ آور، صفحہ ۲۸تا۳۱، (۱۶) ۔اوپریشنزان جموں اینڈ کشمیر، صفحہ ۲۹ ۔(۱۷) دی کشمیر کیمپین، صفحہ ۵۳ ۔(۱۸) ۔اوپریشنزان جموں اینڈ کشمیر، صفحہ ۱۳ ۔(۱۹) کشمیریز فائیٹ فار فریڈم، صفحہ ۸۸۶ ۔(۲۰) ۔ایضاً، صفحہ ۸۸۵ ۔(۲۱) ۔کشمیر کے حملہ آور، صفحہ ۳۳تا۳۵ (۲۲) ۔ایضاً، صفحہ ۳۶تا۳۹ ۔(۲۳) ۔کشمیر صنعا، صفحہ ۹۸اور ۹۹

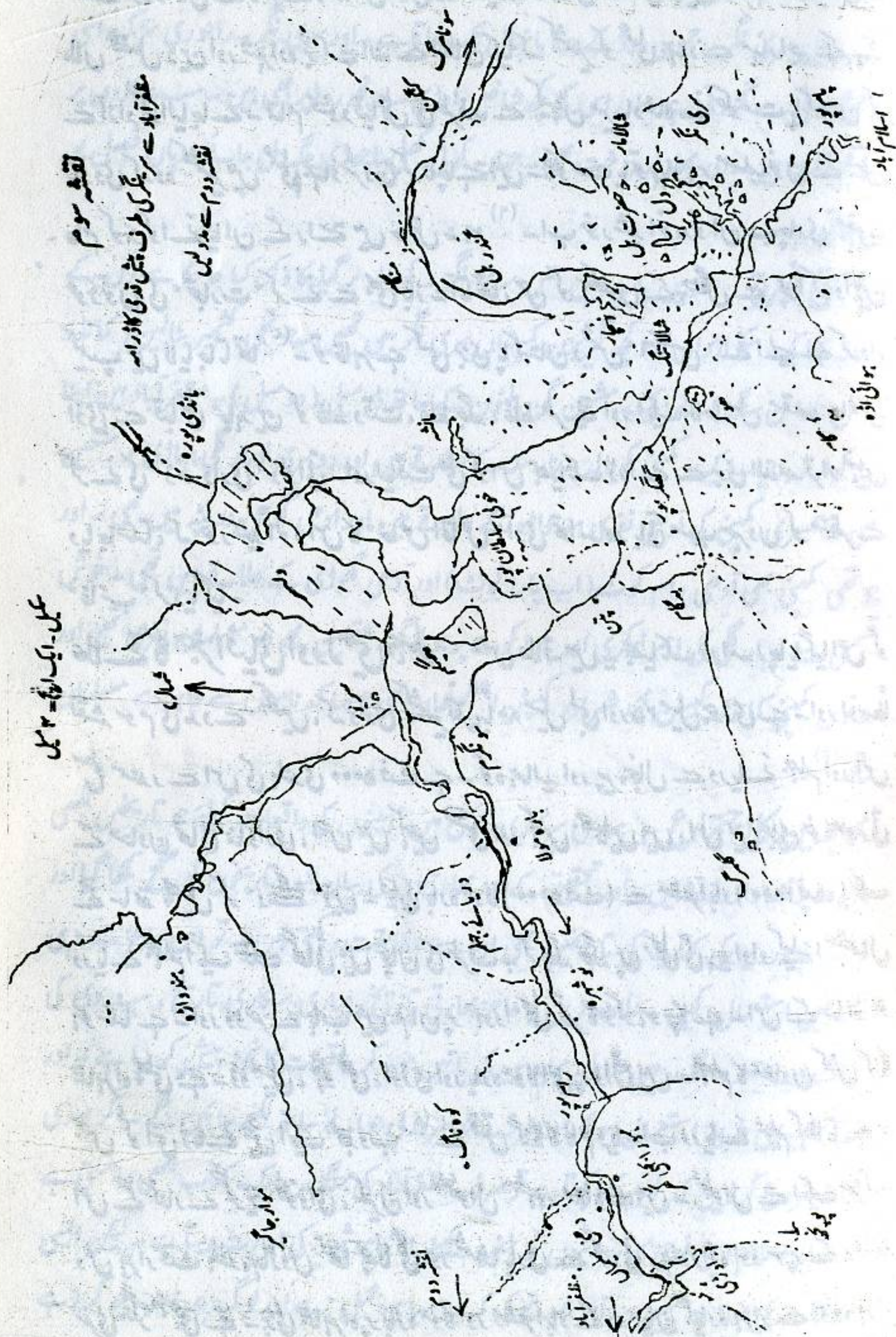
دسواں باب

سری نگر کی طرف پیش قدمی کا ڈرامہ

ہماری خوش فہمیاں ؟ ۲۲۔۲۳اکتوبر کو یہ خبر ہر جگہ بڑی "خوشی" سے سنی گئی کہ قبائلی مجاہدین مظفرآباد میں ڈوگرہ یونٹوں کا صفایا کرکے تیزی سے سری نگر کی طرف پیش قدمی کررہے ہیں۔بلکہ کراچی جو اس وقت ہمارا دارالحکومت تھا وہاں ایک "بڑوں" کی تقریب میں سری نگر پر مجاہدین کے قبضہ کا "مژدہ" بھی سنایا گیا تو وہاں موجود برطانوی ہائی کمشنر خوب ہنسا۔اور یہ الفاظ بھی کہے "ایسا کبھی نہیں ہوسکتا[1]"۔سری نگر پر قبضہ کیوں نہ ہوسکا؟۔اور کیا اگر سرینگر پر قبضہ ہوجاتا، تو قبائلیوں کا "جروش" یہ قبضہ قائم رکھ سکتا؟جب کہ بھارتی امداد جموں کے راستے سری نگر پہنچ سکتی تھی اور اس وقت تک بانہال کا درہ کھلا تھا۔تو بانہال پر برف پڑنے کا انتظار کیوں نہ کیا گیا؟کہاں گئے محمد زمان کیانی اور شوکت حیات یا پنجابی مجاہدین؟۔وہ لوگ کیوں نہ کشمیر کے اندر داخل ہوئے۔کیا حکمت عملی یا تزویراتی لحاظ سے سرینگر اہم تھا یا جموں؟۔تو اگر دونوں جگہوں پر ایک وقت کارروائی کرنے کے ذرائع میسر نہ ہورہے تھے، تو جموں کو ترجیح کیوں نہ دی گئی؟بلکہ سری نگر سے تو پونچھ کو عسکری یا تزویراتی لحاظ سے زیادہ اہمیت حاصل تھی اور اس پر معمولی کارروائی سے بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا تھا۔ادھر کوئی کارروائی کیوں نہ کی گئی؟ پھر سری نگر کی پیش قدمی روک کیوں دی گئی اور خورشید انور بارہ مولا میں رک کیوں گیا؟۔کیا ساری کارروائی کا مقصد مہورا بجلی گھر پر قبضہ کرنا تھا، کہ مہاراجہ کیلئے "اندھیرا گھپ" ہوجائے کہ بھارتی ریاستی سیکرٹری موجود تھا، جس نے اس کو جموں "فرار" ہونے کا مشورہ دیا۔کہ ہم نے جموں کی "حفاظت" کیلئے سیالکوٹ کے سرحد پر "کرفیو" لگایا ہوا تھا۔بلکہ مہاراجہ امن کے ساتھ کشمیر کے بھارت کے ساتھ "الحاق" پر دستخط کردے۔یا ایسا مشہور کردیا جائے کہ بھارت کو کشمیر پر قبضہ کرنے کا "قانونی" جواز مل جائے[2]۔کیا حکومت پاکستان سے یہ کہلوانا" مقصود" تھا کہ یہ سیاسی عمل ہے اور حکومت "بے بس" ہے۔یعنی ہمیں "منافق" بننے کی راہ پر لگانا تھا

ذخیرہ ۔ قارئین یہ عاجز تاریخ برائے تاریخ کی بجائے با مقصد تاریخ لکھنے کا علمبردار ہے ۔ بات ضرور لمبی ہو جائے گی ۔ لیکن مجھے تمام واقعات کے تفصیلی حوالے دیتے ہوئے اور تضادوں کو دور کرتے ۔ یا غلط بیانیوں کو غلط ثابت کرتے ۔ تمام تر "نالائقیوں " "کوتاہیوں " اور "غداریوں " کو قوم کے سامنے پیش کرنا ہے ، کہ انشاء اللہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا ۔ کہ ہماری کوتاہیوں کی یہ حالت ہے کہ ہمارے آزاد کشمیر کے موجودہ وزیر اعظم خان عبد القیوم خان کہتے ہیں کہ قبائلی مجاہدین کے اس اچانک حملے یا "پیش قدمی " کی تجویز سے قائد اعظم بھی آگاہ نہ تھے[۳]

قبائلی مجاہدین اور جذبہ جہاد پاکستان بن جانے کے بعد قبائلی مجاہدین ہمارا عظیم فوجی اثاثہ تھے ۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف بھی عملی جہاد جاری رکھا ۔ ہمارے تجربہ کار انگریز افسر ہمیں بتاتے تھے ، کہ جب کسی قبیلہ میں زیادہ عمر والے آدمیوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی تھی تو وہ جہاد کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے کہ شہادت یا غازی ہونے کے بعد اللہ کے پاس حاضر ہوں ۔ ان کے استعمال کی بہترین جگہ مشرقی پنجاب کے بعد جموں کے علاقے تھے ، جہاں کچھ جگہوں پر مسلمان اکثریت میں نہ تھے یا معاملات برابر تھے ۔ لیکن لیاقت علی کے (خاص الخاص) آدمی خورشید انور نے ان کو مسلم اکثریت والے علاقوں میں غلط وقت ، غلط طریقے اور لا حاصل مقصد کیلئے استعمال کرکے کئی مدعا حاصل کرنے تھے ۔ کہ قبائلیوں کو لوٹ مار کیلئے بدنام کرکے مسلمان سے مسلمان کو نفرت دلانا تھی ۔ ہندو ، جن کو وہ خاطر میں نہ لاتے تھے ان کی فوج کے سامنے ان کو فرار کرانا تھا ۔ کہ جہاد سے ان لوگوں کے دل میں نفرت پیدا ہو ۔ اور یہ عاجز ایک ایک پہلو کو ثبوتوں کے ساتھ واضح کرتا آتا ہے ۔ کہ قبائلی ریڈکلف ایوارڈ کی بے ایمانی ، اور مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کے قتل عام سے کافی پریشان تھے ۔ اب جو مہاراجہ کشمیر نے مسلمانوں پر ظلم ڈھانے شروع کئے اور وہ پاکستان کے ساتھ الحاق والی بات کو ٹال رہا تھا ، تو قبائلیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا ۔ چنانچہ سب سے پہلے شمالی وزیرستان کے ایک جرگہ نے قائد اعظم کے ساتھ ملاقات کرکے مطالبہ کیا کہ ان کو کشمیر میں داخل ہو کر وہاں جہاد کرنے کی اجازت دی جائے[۴] ۔ ۱۶ اکتوبر کو دیر کے نواب نے مہاراجہ کشمیر کو تار دی[۵] کہ وہ



حکمت اور دانائی سے کام لے، کہ اس خونی ڈرامہ پر وہ خاموش تماشائی نہیں رہ سکتے۔ انذاری ملا ملاں فضل دین اور شہزادہ برکت اللہ نے اعلان کیا کہ کشمیر کو عملی جہاد سے مہاراجہ کے پنجے سے آزاد کرا لیا جائے۔ تمام محسود قبائل کی طرف سے کیپٹن میر بادشاہ نے حکومت پاکستان کو تار دی کہ وہ کشمیر میں عملی جہاد شروع کرنا چاہتے ہیں۔ حکومت یا تو وہاں پر مسلمانوں کے قتل۔ عام کو رکوائے یا ان کے راستے میں حائل نہ ہو [۶]۔ اب خورشید انور تو ان بے چاری مغویہ عورتوں کی "تجارت" کرنے سے بھی باز نہ آتا تھا، جن کو سکھوں کے چنگل سے چھڑا کر والٹن کیمپ میں لایا جاتا تھا [۷]۔ تو ظاہر ہے کسی بڑی پاکستان دشمن "ایجنسی" نے ایسے بے کردار آدمی سے قبائلی مجاہدین کو غلط وقت، غلط جگہ، غلط طریقے اور ایک لاحاصل مقصد حاصل کرنے کی "ذمہ داری" دلوائی۔ اور لیاقت علی کو اس بھیانک ڈرامے سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا، کہ خورشید انور اس کا "خاص الخاص" آدمی تھا۔ اور باقی سب مہروں کو منظر سے "غائب" کر دیا گیا۔

علاقے کا جغرافیائی اور زمینی پہلو جس علاقہ میں یہ بھیانک ڈرامہ رچایا گیا اس کو نقشہ سوم کی مدد سے سمجھیں، کہ وادی کشمیر تقریباً ۸۰ میل لمبی اور ۲۵ میل چوڑی ہے۔ اور اوسطاً سطح سمندر سے اس کی بلندی ۵۰۰۰ فٹ ہے۔ کوہ ہمالیہ اور پیر پنجال سے دریائے جہلم اور اس کے معاون تھالی نما وادی، جس میں کہیں خشکی اور کہیں جھیلیں ہیں، اس میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ پھیل کر "رینگتے" ہیں۔ لیکن بارہ مولا (۵۰۰۰ فٹ) سے مظفر آباد (۲۰۰۰ فٹ) تک دریائے جہلم ایک تنگ گھاٹی میں نچان کی طرف بہ کر جگہ جگہ پن بجلی کی پیداوار کیلئے استعمال ہو سکتا ہے۔ اور دوسرے باب میں یہاں پر مہورا بجلی گھر کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ جو شاہراہ چلتی ہے۔ ڈومیل، چکوٹھی، اوڑی اور بارہ مولا اسی پر واقع ہیں۔ جہلم کا معاون کشن گنگا جس کو اسی زمانے میں ایک مجذوب [۸] نے قتل گنگا کا نام دیا۔ اب دریائے نیلم کہلاتا ہے۔ اس کے کنارے گریز، فلووائی، کیرن اور ٹھوال مشہور مقامات ہیں۔ ٹھوال سے ایک سڑک دس ہزار فٹ بلند پہاڑوں تتھا چھنا گلی اور شمشا باری سے گزرتی، ہندواڑہ اور سوپر کے راستے سری نگر پہنچتی ہے۔ بڑی شاہراہ پر بارہ مولا اور مظفر آباد کے درمیان گیارہ ہزار سے چودہ ہزار

فٹ تک بلند پہاڑ، پیر حسیمار، کافر کھن اور قاضی ناگ قابل ذکر ہیں۔ پیر پنجال پہاڑ، شاہراہ کے جنوب میں سری نگر۔ جموں روڈ کے درہ بانہال تک جاتا ہے۔ اور سری نگر۔ راجوری سڑک اسی کی گنگا چوٹی سے گزرتی ہے۔ اور اس کی کچھ شاخیں اوڑی۔ پونچھ روڈ پر بھی ہیں۔ سب پہاڑوں پر گھنے جنگلات ہیں۔ اور پھلدار درخت بھی۔ جہاں کوئی کھلی یا چوڑی جگہ مل جائے، وہاں فصل بو دی جاتی ہے۔

ریاستی فوج نویں باب میں جس سری نگر۔ کوہالہ بریگیڈ کا ذکر کیا جا چکا ہے اس کے رسالہ کا ایک سکواڈران اور کچھ گیریزن کمپنیاں سری نگر میں تھیں۔ چوتھی کشمیر بٹالین (کمانڈر کرنل نارائن سنگھ) نے ایک مشین گن پلٹون کے ساتھ ڈومیل (دومیل)۔ مظفر آباد میں اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ ایک کمپنی کوہالہ۔ بارسلہ کے علاقے میں اور دوسری لوہار گلی پہاڑی پر متعین تھی۔ تیسری کمپنی کی آدھی نفری ہندواڑہ کے علاقے میں اور آدھی گڑھی دوپٹہ میں تھی۔ اور چوتھی کمپنی بھی آدھی رام کوٹ (اب بارا کوٹ) اور آدھی گھوڑی کے علاقے میں تھی۔ خوش قسمتی سے لوہار گلی کی اہم ٹیکری اور بارا کوٹ پر جو لوگ متعین تھے وہ مسلمان نفری تھی اور دونوں کمپنی کمانڈر کیپٹن محمد شیر اور کیپٹن اعظم خان بھی جیسا کہ ناموں سے ظاہر ہے مسلمان تھے [۹]۔

مجاہدین کا اجتماع ہماری سرکاری تاریخ میں مہینوں کی واقعات کیلئے جو تاریخیں لکھی ہیں وہ پر تضاد اور غلط ہیں۔ اور تحقیق کے بعد بھارتیوں کی بیان شدہ تاریخوں کو صحیح سمجھا گیا اور مسٹر سہروردی کی کتاب کی تاریخیں بھی ان سے مطابقت رکھتی ہیں۔ تو اس عاجز نے وہی تاریخیں استعمال کیں۔ علاوہ ازیں یہ عاجز بھارتی تاریخ، ہماری سرکاری تاریخ، سہروردی کی کتاب اور متعدد جنگ میں شامل مجاہدین کی باتیں سن کر واقعات کا نچوڑ پیش کر رہا ہے۔ اور آگے بھی یہی طریقہ استعمال ہوگا، اور صرف چند ضروری حوالے ساتھ لکھے جائیں گے۔ اگر پوری بحث شروع کر دیں کہ کون کیا کہتا ہے تو صرف مظفر آباد کی جنگ پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے بہر حال اسلام اپنی فوجی کارروائیوں کو خفیہ رکھنے یا "خاموشی" کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن ایسی منافقت کی اجازت نہیں دیتا جو ہم نے کی کہ یہ "سیاسی عمل" ہے اور لوگ ہی سب کچھ کر رہے

ہیں ۔ خورشید انور کیلئے تمام کارروائی ہماری حکومت اور خاص کر سرحد کا وزیراعلیٰ خان۔ عبدالقیوم [۱۰] اور صوبائی کارندے کر رہے تھے ۔ علاوہ ازیں فوج کا محکمہ تعلقات عامہ اور سرکاری خبر رساں ایجنسیوں کو بھی اعتماد میں لیا گیا تھا اور کرنل علوی صاحب غلطی سے ایک بھارتی اخبار نویس کو مسلمان سمجھ کر سچی بات بھی بتا بیٹھے ۔ تو بہرحال ۱۹ اکتوبر کو بڑاسی کے مقام پر سب سے پہلے نو سو محسود مجاہدین پہنچے ۔اس کے بعد باقی قبائل داور، بھٹائی، توری، آفریدی، سواتی اور دیریوں کا تانتا بندھ گیا۔ بلکہ افغانستان سے سلیمان خیل اور غلزئی قبائل کے کچھ جتھے بھی آگئے ۔ مردان کے خوشدل خان اکیلے نے پانچ ہزار مجاہدین کیلئے سب بندوبست کئے اور مجاہدین کی کل تعداد تقریباً دس ہزار کے قریب پہنچ گئی، کہ پلوں پر زیادہ پوچھ گچھ کیوجہ سے کئی مجاہدین نے دریائے سندھ، بکری کی کھالوں میں ہوا بھر کر تیر کر بھی عبور کیا اور سارا جذبہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

مظفرآباد کی لڑائی گڑھی حبیب اللہ کے خان محمد اسلم کے ذریعہ ریاستی پلٹن کے کیپٹن۔ محمد شیر سے رابطہ ہو چکا تھا اور تقریباً ساری مسلمان نفری کو اعتماد میں لے لیا گیا تھا اور ۲۱/۲۲ اکتوبر رات باراکوٹ میں خورشید انور اور محمد شیر کی ملاقات بھی ہو گئی اور اس کے بعد زیادہ کام کیپٹن محمد شیر اور اس کی مسلمان نفری نے کیا ۔ اور ۲۲ اکتوبر صبح ہی مظفرآباد میں کیپٹن۔ رام سنگھ اور ڈوگرہ نفری میں سے کچھ کو مار دیا گیا اور کچھ بھاگ گئے ۔ کرنل نارائن سنگھ کو کچھ بھاگنے والے زخمی سپاہیوں سے اور کچھ آواز سے حملہ کی خبر مل گئی تو بھارتی سرکاری تاریخ کے مطابق اس نے ۲۲ اکتوبر کو ہی سری نگر میں حملے کی خبر بھی دے دی، اور بعد میں ڈومیل کے مقام پر وہ خود بھی مارا گیا ۔اور جو ڈوگرے بچ گئے ان میں سے کچھ باغ اور کچھ اوڑی کی طرف بھاگ گئے ۔اور مظفرآباد پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا۔ ہماری سرکاری تاریخ [۱۱] کے مطابق اسی دن شام کو ریاستی فوج کے میجر محمد اسلم ایم سی بھی وہاں پہنچ گئے ۔اور انہوں نے میجر خورشید انور اور کیپٹن محمد شیر جو اب میجر بن گئے تھے ان کو مدد دینا شروع کر دی اور ریاستی پلٹن کی مسلمان نفری سے ایک پلٹن کھڑی کر لی ۔جس میں سے ایک کمپنی کو مظفرآباد کی حفاظت کیلئے چھوڑ دیا گیا اور باقی دو کمپنیاں باقی مجاہدین کے ساتھ سری نگر کی طرف پیش قدمی کی مہم میں

شامل ہو گئیں ۔ میجر اسلم (بعد میں برگیڈئیر) اس عاجز کے ہم سفر رہے اور جنرل گریسی کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے ۔آپ ایئر مارشل اصغر خان کے بڑے بھائی ہیں ۔اور اس علاقے اور بعد میں شمالی علاقہ جات میں آپکا بہت ذکر ہے لیکن ہماری سرکاری تاریخ نے راجوری میں کام کرنے والے میجر محمد اسلم عباسی ایم سی کی کارروائی کا "سہرا" بھی آپ کو باندھ دیا۔ اور ہماری سرکاری تاریخ میں کئی غلط بیانیاں جو ہیں یا انگریزوں کے "پروردوں" کے گرد جو قلعے تعمیر کر کے ان کو کشمیر کی جنگ کا جو "ہیرو" بنایا گیا اور خود بھی حلال جرأت حاصل کیا یہ سب کہانی میری کتاب پنڈورا باکس میں موجود ہے [۱۲] ۔

مزید تحقیق یوسف صراف کہتا ہے [۱۳] کہ ۲۳ اکتوبر کو میجر خورشید انور نے چوتھی جموں کشمیر پلٹن کی مسلمان نفری کی گڑھی حبیب اللہ میں دعوت کی ۔ اور ان کا شکریہ ادا کرتے، اور آرام کا مشورہ دیتے ان کو بتا دیا کہ اب اگلی کار وائی صرف قبائلی مجاہدین کریں گے ۔ لیکن ان لوگوں کو یہ بات پسند نہ تھی ، اور وہ خود بخود پیش قدمی کی کار وائی میں شامل ہو گئے اور قدرتی طور پر ان کی ملاقات میجر محمد اسلم ایم سی کے ساتھ لوہار گلی میں ہو گئی جو پورے حالات سے واقف نہ تھا ۔ لیکن اب جو سب باتیں سنیں تو اس نے اس نفری کو منظم کیا ۔ اور ان کی کمانڈ سنبھال کر وہ بھی "جہاد" میں شریک ہو گیا ۔ یہ بیان کئی اور ذرائع سے بھی صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ اور اس کے "اثرات" آگے سامنے آتے رہیں گے ۔ البتہ یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ خورشید انور کے جو "مقاصد" تھے ان کو حاصل کرنے کیلئے وہ ریاستی فوج کے مسلمانوں یا کسی اور کو اپنا "ہم سفر" نہ بنانا چاہتا تھا ۔ وہ تو کیانی اور شوکت حیات سے بھی "چھٹکارا" حاصل کر چکا تھا ۔ لیکن اسلم کے سلسلہ میں وہ "مجبور" تھا ۔ دراصل مزید تحقیق ظاہر کرتی ہے کہ اسلم کا بڑا بھائی میجر نصراللہ بھی ریاستی فوج کو چھوڑ چکا تھا [۱۴] ۔ چھوٹا بھائی اصغر خان، پاکستان کی فضائی فوج میں سینئر افسروں میں شامل تھا ۔ میجر اسلم دراصل اپنے والد کو ڈھونڈ کر ریاست سے پاکستان لانا چاہتا تھا کہ اِس جہاد کی "بھنک" اس تک پہنچی ۔ لیکن اب یہ جہاد اتنی "پیش رفت" کر چکا تھا ۔ تو اسلم نے خورشید انور کے "ہم سفر" بننے میں بڑے فائدے دیکھے کہ اتفاقاً اپنے والد کی تلاش میں جاتے اس کی مجاہدین کے ساتھ ملاقات ہو گئی ۔ اس لئے اس کے رویہ یا وائیوں یا خورشید انور سے

غیر فطری یارانہ ۔یا "رقابت" نے بعد کے زمانے میں بھی قوم کے سامنے حالات کی صحیح صورت واضح نہ ہونے دی ۔ کہ اسلم نے بھی سچ پر پردے ڈلوانے بعض حالتوں میں ضروری سمجھے ۔ کہ وہ اپنی کہانی صحیح طور پر بیان نہ کرنا چاہتا تھا۔ پھر نہ صرف اس پر جنرل گریسی کی "نظر" پڑ گئی ۔ بلکہ اس کے بھائی اصغر خان پر امریکنوں کی "نظر" پڑ گئی جس کی کافی تفصیل اس عاجز کی کتاب تاشقند کے اصلی راز [15] میں ہے ۔اور یہ اصغر خان کی "ہمت" تھی کہ جب ہماری بری فوج ۱۹۶۵ء کے رن آف کچھ کے جھگڑے کے وقت بھارت کی بری فوج کے ساتھ "برسرپیکار" تھی ، تو کہیں سے "اشارہ" ملنے پر اصغر خان نے حکومت کی اجازت کے بغیر بھارتی فضائی فوج کے سربراہ ایئر مارشل ارجن سنگھ کے ساتھ "معاہدہ" کرلیا۔ کہ دونوں ملکوں کی فضائی فوجیں اس جھگڑے میں "غیر جانبدار" رہیں گی ۔ کیا آج تک دنیا کے کسی ملک میں ایسا ہوا ہے ؟ بہرحال ایوب خان جیسا گیا گزرا حاکم بھی مجبور ہو گیا اور جلد اصغر خان سے "چھٹکارا" حاصل کرلیا۔ قارئین ! اس "حگب" میں ہم سب ننگے ہیں ۔اور ہم جاہل قوم مومن کی فراست سے عاری ہیں۔

کوہالہ پل پر قبضہ کوہالہ پل پر اس جموں کشمیر چوتھی پلٹن کا لابھ سنگھ اور تین انچ مارٹر کے ساتھ کچھ ڈوگرہ نفری متعین تھی ۔اور انہوں نے وہاں کچھ بارود بھی لگایا ہوا تھا کہ گڑبڑ کی صورت میں ساری پل یا اس کے کچھ حصے کو اڑا دیا جائے ۔چنانچہ ۲۲ / ۲۱ کی رات میجر سلیم اور کیپٹن امین [16] عین اس وقت ، جب باقی مجاہدین باراکوٹ سے مظفرآباد میں داخل ہو رہے تھے ، کچھ مجاہدین کو لے کر دریائے نیلم کے مغربی کنارے سے کوہالہ پل کی طرف چل پڑے اور رات کے اندھیرے ہی میں پل سے تھوڑا اوپر آدھی نفری نے لکڑیوں کے گٹھوں اور کھالوں میں ہوا بھر کر دریا کو خاموشی سے پار کرلیا۔ ڈوگروں نے مغرب والے مجاہدین پر کچھ مارٹر گولے اور کچھ مشین گن کا فائر کیا ۔ لیکن مشرق والی نفری کو دیکھ کر وہ ایسے حواس باختہ ہوئے کہ کافی ہتھیاروں کو وہاں چھوڑ کر اور کچھ غیر مسلم آبادی کو ساتھ لے کر انہوں نے باغ کی طرف بھاگنا شروع کردیا۔ ڈنہ پہنچ کر ان کو کچھ ہوش آئی اور انہوں نے مسلمانوں کو لوٹنا شروع کیا ، تو وہاں علاقائی مجاہدین نے مقابلہ کرکے ان ڈوگروں کو باغ کی طرف بھگا دیا۔ جہاں وہ شاید ۲۴ / ۲۵ اکتوبر تک پہنچے ۔ان واقعات کے فوری نتائج یہ تھے کہ کشمیر کی اہم زمین کا ہمارے صوبہ

سرحد اور صوبہ پنجاب کے علاقہ مری سے صحیح وسلامت پلوں کے ساتھ رابطہ بندھ گیا تھا اور اب جہاد کو منظم طور سے آگے بڑھانا بہت آسان تھا۔ لیکن جو کچھ ہوا وہ آگے آتا ہے ۔ دوم اس علاقے کی ایک ڈوگرہ پلٹن صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔ ہماری سرکاری تاریخ میں جو بیان ہے کہ اس پلٹن کی بچی کھچی نفری نے مجاہدین کی پیش قدمی کے وقت ان کا گڑھی دوپٹہ میں مقابلہ کیا۔ یہ بات صحیح نہیں ۔وہ مقابلہ ایک بھارتی کمک نے کیا جس کا ذکر بعد میں آتا ہے ۔اور سرکاری تاریخ کی یہ کہانی بھی غلط ہے [17] کہ مجاہدین کی دو چھوٹی کالمیں گھوڑی اور ٹٹھوال کی طرف بھیجی گئیں ۔ کہ نہ ان کو کوئی مقصد دیا۔ نہ ان کو کسی کامیابی یا کامیابی کے اثرات کا کہیں ذکر ملتا ہے ۔ دراصل میجر اسلم نے اپنے والد کی تلاش میں کچھ لوگوں کو اس طرف علاقے کے شرفاء کی طرف بھیجا کہ وہ اس سلسلہ میں مدد دیں ۔البتہ کوہالہ سے بھاگنے والے ڈوگروں کا پیچھا کچھ مجاہدین نے ضرور کیا ۔اور جب یہ ڈوگرے ڈنہ سے مار کھا کر بھاگ گئے ۔تو مجاہدین کا یہ لشکر چکوٹھی کے مقام پر سری نگر کی طرف پیش قدمی کرنے والے لشکر کے ساتھ آکر مل گیا۔

پیش قدمی ۲۲ اکتوبر کی صبح ڈومیل ۔ مظفرآباد کے ڈوگرہ کرنل نارائن سنگھ سے مجاہدین کے حملے کی خبر سن کر اور بھارتی اخباروں میں متوقع حملے کی خبروں کی اشاعت ، جس کا ذکر بعد میں آتا ہے ، ان سے آگاہی کے بعد مہاراجہ کی فوج کا چیف آف سٹاف برگیڈیر راجندر سنگھ تقریباً سو آدمیوں کی کمک لے کر اسی وقت سری نگر سے چل کر آدھی رات کو اوڑی پہنچ گیا ، اور ۲۳ اکتوبر صبح سویرے دو پلاٹونوں کے ساتھ کیپٹن پرتھی سنگھ کو آگے بھیج دیا۔ وہ جب گڑھی دوپٹہ پہنچا تو چوتھی کشمیر یونٹ کے بچے کھچے جوان ، اس کو حالات سے آگاہ کر رہے تھے کہ ان کو مجاہدین نظر آگئے ۔اور معمولی مقابلہ کے بعد یہ لوگ بھی اوڑی واپس چلے گئے ۔اور برگیڈیر راجندر سنگھ نے دریا پر ایک پل کو توڑ کر اوڑی میں ایک دفاعی پوزیشن اختیار کرلیا ، لیکن مجاہدین تیزی سے پیش قدمی کر رہے تھے اور انہوں نے متبادل پل تیار کرکے اوڑی پر دو اطراف سے حملہ کردیا۔ راجندر سنگھ نے خود کمانڈ سنبھال لی تھی اور ایک کیپٹن جوالا سنگھ بھی ۔ایک مارٹر اور ایک مشین گن لے کر سری نگر سے اس کی مدد کو پہنچ گیا تھا ۔لیکن راجندر سنگھ نے فیصلہ کیا کہ اوڑی کی بجائے مہورا بجلی گھر کے گرد ، اب تقریباً اڑھائی کمپنی کے نفری سے ایک

وفاعی پوزیشن اختیار کرے۔ مجاہدین نے اوڑی پر تو ۲۴ اکتوبر کو قبضہ کرلیا تھا۔ لیکن پلوں کی مرمت اور گاڑیوں کے گزرنے میں دیر لگ گئی۔ اور آگے سے راجندر سنگھ بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا۔ اور اس جنگ میں مارا بھی گیا۔ تو ڈوگروں نے اس کی لاش کو ایک پل کے نیچے پھینک دیا اور سب بھاگ گئے چنانچہ دوسرے روز یعنی ۲۵ اکتوبر شام سے پہلے مجاہدین نے مہورا کے بجلی گھر پر قبضہ کرلیا۔

"اندھیرا گھپ" مہاراجہ ہری سنگھ حالات کی سنگین صورت سے زیادہ آگاہ نہ تھا۔ البتہ بھارت نے ۲۳ اکتوبر کو مہاراجہ سے رابطہ باندھا کہ قبائلی مجاہدین اس کی ریاست کی اینٹ سے اینٹ بجانے والے ہیں۔ اور اگر کہو تو ہم ریاستی سیکرٹری مسٹر مینن کو تمہارے پاس بھیج کر تمہاری کچھ مدد کا سوچ سکتے ہیں۔ یہ مینن، ماؤنٹ بیٹن کا آزادی سے پہلے بھی مشیر رہ چکا تھا۔ اور ماؤنٹ بیٹن اس پر زور دے رہا تھا کہ کسی طرح کشمیر "قانونی" طور پر بھارت کا حصہ بن جائے۔ تو تب ہی بھارتی فوج کشمیر میں داخل ہو سکتی ہے۔[18] چنانچہ اس سازش کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے مسٹر مینن ۲۴ اکتوبر کو سری نگر پہنچ چکا تھا۔ اور اس اور کشمیر کے وزیراعظم مہاجن میں "گھر مکہ" پک رہا تھا۔[19] لیکن ۲۵ اکتوبر کی رات دسہرہ کا تہوار تھا۔ اور اس کے بعد ہی مہاراجہ کچھ بات کرنے کیلئے تیار ہوتا، کہ اس رات مہاراجہ نے دربار لگایا ہوا تھا۔ اور نذرانے وصول کر رہا تھا، کہ اچانک "اندھیرا گھپ" چھا گیا۔[20] اور اسی وقت مہاجن اور مینن مہاراجہ کے پاس پہنچ گئے۔ اور اس کو بتایا۔ "مہورا بجلی گھر پر قبائلی مجاہدین کا قبضہ ہو گیا ہے۔ راجندر سنگھ مارا گیا ہے۔ مجاہدین صبح سویرے تک سری نگر پہنچ سکتے ہیں۔ اور مہاراجہ نے بڑی دیر لگا دی۔ اب سری نگر میں بھارت بھی مہاراجہ کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اگر اپنی اور خاندان کی خیریت چاہتے ہو۔ تو اپنا ضروری سامان لے کر اسی وقت جموں پہنچو۔ کہ وہ جگہ فی الحال باحفاظت ہے۔ اور صرف کل کا ایک دن ہے، کہ بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کا اعلان کرو۔ تو بھارت مدد کر سکتا ہے۔ بعد حالات کیا صورت اختیار کرتے ہیں۔ بھارت کوئی یقین دہانی نہیں کرا سکتا میں صبح سویرے دہلی جا کر الحاق کے کاغذات بنا کر دوپہر تک جموں واپس آ سکتا ہوں، جس پر تمہیں دستخط کرنے ہوں گے"۔ قارئین! اب ان حالات میں اپنے خاندان کو بچانے کیلئے

مہاراجہ اپنی موت کے کاغذات پر دستخط کرنے کو بھی تیار تھا۔ اور یہ ہے بھارت کے ساتھ کشمیر کے "قانونی" الحاق کی حقیقت اور جواز۔

کیا ہوا؟ مہاراجہ خود بھی ہندو ذہنیت کو سمجھتا تھا۔ اور ہزار کوششوں کے باوجود وہ سیدھے طور پر بھارت سے الحاق کیلئے تیار نہ تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ نہرو اس کا دشمن خاص ہے اور اس کو بھارتی، حکومت سے الگ کر دیں گے اور دو سال بعد ایسے ہوا بھی۔ لیکن اس صورت حال پر مہاراجہ نے ہاتھ بھی جوڑے۔ جان کی امان مانگی۔ مہاراجہ نے ڈیڑھ سو ٹرک تیار کئے اور حکم دیا کہ تمام قیمتی سامان ان ٹرکوں میں ڈال کر جموں پہنچایا جائے۔ آدھی رات سے پہلے مہاراجہ خود اور اس کے خاندان کے لوگ کاروں میں بیٹھ کر دو سو میل دور جموں روانہ ہو گئے۔ جہاں پہنچنے کے بعد کچھ دوائی کی گولیاں کھا کر مہاراجہ نے سو جانے کی کوشش کی۔ اور اپنے اے۔ ڈی سی کو حکم دیا کہ اگر مینن حسب وعدہ نہ آئے[21] تو اس کو گولی مار کر سوتے ہی میں ہلاک کر دیا جائے۔ مینن آیا اور ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ نے بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق پر دستخط کر دیئے۔ بلکہ اب کچھ اخباروں میں یہ خبر بھی آئی ہے۔ کہ خالی "مشہور" کر دیا کہ دستخط ہو گئے ہیں۔ اور مہاراجہ نے دستخط نہ کئے تھے۔ صرف اس پر راضی ہوا تھا کہ ایسا "مشہور" کر دیا جائے۔ وہ خاموش رہے گا۔ لیکن ہمارے لئے سازش تکمیل پا گئی کہ دوسرے دن یعنی ۲۷ اکتوبر کو بھارتی فوج نے سرینگر کے اڈہ پر اترنا شروع کر دیا۔ دراصل بھارتی برگیڈ نمبر ۱۶۱ کو آزادی سے پہلے کے طریق کار کے تحت غلطی سے لاہور ایریا کے ذریعہ سے ۲۵ اکتوبر کو ہی احکام دے دیئے گئے تھے۔ کہ وہ ۲۶ اکتوبر کی صبح دہلی پہنچ جائیں تو یہ احکام ۲۵ / ۲۶ اکتوبر آدھی رات لاہور پہنچ گئے، تو ہمارا سائیفر افسر لیفٹیننٹ قیصر بیگ یہ احکام لاہور[22] ایریا کے جی ون کرنل محمد موسیٰ (بعد میں جنرل) کے پاس لے آیا۔ جس نے راولپنڈی میں جی ایچ کیو میں برگیڈیئر شیر خان کو بھی آگاہ کیا۔ لیکن ہم نے کیا کرنا تھا۔ بہرحال بھارتیوں کو بعد میں شاید غلطی کا احساس ہوا۔ اور پھر زبانی کلامی بات کی کہ ۱۶۱ برگیڈ جس نے ۲۶ اکتوبر بعد دوپہر سری نگر پہنچ جانا تھا۔ وہ لوگ ۲۷ اکتوبر صبح کو سری نگر پہنچ پائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بار بار "مواقع تقدیر" سے فائدے اٹھانے کے راستے پیدا کر رہا تھا۔ اور گئی گزری حالت میں آگے بھی بڑے مواقع آئیں گے۔ لیکن افسوس

کہیں وہ عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جان نظر نہیں آرہا۔ جن کے سر اس برصغیر میں اسلام کا سہرا بندھنا ہے۔ (۲۳)

بھارتی کیا کہتے ہیں

اب بھارتی فوج کی آمد کے بعد سازش کی تکمیل کی کہانی تو اگلے یعنی گیارھویں باب میں ہے۔ لیکن بھارتی اخبارات میں ۲۲ اکتوبر کی مجاہدین کے متوقع حملے کی اشاعت کا پس منظر یہ ہے۔ کہ پشاور ڈویژن کا کمانڈر میجر جنرل راس میکیے تھا جو ۱۹۵۴ء تک ایوب خان کا مشیر رہا۔ آئی جی پولیس ایک انگریز مسٹر گریس تھے۔ اتنے لشکروں کی قبائلی علاقوں سے حرکت کو کیسے پوشیدہ رکھا جاتا۔ ہم لوگ سر الف کیرو (۲۴) کی بجائے ایک بڑے "منتظم" انگریز سر جارج کننگھم کو سرحد کے گورنر کے طور پر منگوا بیٹھے۔ اس نے ایک تار دے کر بھارتی فوج کے انگریز کمانڈر انچیف سر راب لاکھارٹ کو خبر دے دی کہ قبائلی مجاہدین کشمیر پر حملہ کیلئے دریائے اٹک کو پار کر چکے ہیں۔ اور یہی خبر بھارتی اخباروں میں شائع ہوئی۔ اور اس جارج کننگھم سے "چھٹکارا" کا ذکر آٹھویں باب میں ہو چکا ہے۔ لیکن کچھ اخباروں میں یہ خبریں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ کہ دونوں طرف کے انگریز جنرلوں میں سب باتیں کھلے طور پر ٹیلیفونوں پر ہوتی تھیں۔ اور ہمیں بے وقوف بنایا جاتا تھا۔ اقدار بھارتیوں اور انگریزوں کے زیادہ "مشترک" تھے اور اب بھی ہیں۔ لیکن آزادی سے پہلے بھی مسلم لیگ. جماعت اور تحریک پاکستان کو ہندو انگریزوں کی "تخلیق" کہتے تھے اور یہی راز اب ولی خان نے "افشا" کیا ہے۔ اور بھارتیوں نے اس کشمیر پر مجاہدین کے حملہ کو اپنی سرکاری تاریخ میں [25] جنرل فرینک مسروی کی تجویز کہا۔ کہ سارا کام میجر جنرل اکبر خان اور اس کا نائب بریگیڈیئر شیر خان کر رہے تھے۔ (اور اس حالت میں یہ غلطی بھی دور کرنے کی کوشش نہ کی کہ اکبر خان اس وقت کرنل تھا اور شیر خان سے جونیئر تھا) ۔ اور کہتے ہیں کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک ہزار لشکر نے اکٹھا ہونا تھا، جس کی کمانڈ فوج کے ایک میجر نے کرنا تھا اور ان لوگوں نے ۱۸ اکتوبر، ۴۷ کو ایبٹ آباد میں اکٹھا ہونا تھا۔ اور پوری جو تجویز دی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ کاش ہم کسی ایسی تجویز کو بناتے اور اس پر عمل کرتے۔ اور یہ تجویز بنوں بریگیڈ کے بریگیڈ میجر اون کارسنگھ کے ہاتھ اگست / ستمبر، ۱۹۴۷ء میں لگ گئی۔ جس کو لے کر وہ بھارت پہنچ گیا۔ اور تجویز کا نام "گلمرگ اپریشن" تھا۔ لیکن "افسوس" کہ بھارتی خفیہ اداروں والوں نے میجر اونکار کی بات نہ سنی جس پر جواہر لعل نہرو بعد میں "ناراض"

ہوا کہ قبائلی مجاہدین جب مظفر آباد میں داخل ہو گئے تو معلوم ہوا کہ اونکار صحیح تھا۔ یہ عاجز یہ اضافہ کرے گا کہ نہرو نے کیا "ناراض" ہونا تھا۔ یہاں جو کچھ ہو رہا تھا۔ نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کی مرضی کے مطابق ہو رہا تھا۔

چند سوالات اور جوابات

جو واقعات اس باب میں بیان ہو چکے ہیں ان پر بحث کیلئے کئی مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ہم نے اپنی خوش فہمیوں اور کوتاہیوں پر اس باب کے شروع میں ہی تبصرہ کر دیا تھا۔ اگلے باب میں ذکر آئے گا کہ مجاہدین ۲۵ اکتوبر کی شام کو بارہ مولا پہنچ گئے تھے۔ اب تک مجاہدین نیچے سے اوپر بلندی کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے تو کچھ مشکلات تھیں۔ اب وادی شروع ہو گئی تھی۔ اور چند گھنٹوں میں وہ سری نگر پہنچ سکتے تھے۔ ایسا کیوں نہ ہوا؟ یہ عاجز ۱۹۴۹ء کے اکتوبر میں پھر فوج کے محکمہ تعلقات عامہ میں واپس آ گیا تھا اور میجر اسلم کرنل کے طور پر بری فوج کے کمانڈر انچیف جنرل ڈگلس گریسی کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا۔ میری "دیوانگی" اور تجسس کا اس زمانے میں بھی یہی حال تھا۔ اور جنرل گریسی کے ساتھ بہت بحث ہوتی تھی کہ وہ ان دنوں پاکستان کا زبانی کلامی بڑا "ہمدرد" بنا ہوا تھا۔ وہ کہتا تھا، کہ میجر خورشید۔ انور جان بوجھ کر بارہ مولا میں رک گیا، اس کو میجر اسلم نے کہا کہ سری نگر ایک گھنٹے میں پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن خورشید انور کہتا تھا کہ اب یہ "سیاسی معاملہ" ہے، اس نے سیاستدانوں کے ساتھ رابطے کیلئے آدمی بھیج دیئے ہیں۔ اور ہمیں سری نگر میں اس طرح داخل ہونا چاہیئے کہ لوگ ہمیں "خوش آمدید" کہیں۔ یہ اور کئی باتیں کہ بنگلوں کی "بانٹ" ہو رہی تھی۔ خورشید انور آئندہ کی حکومت میں اپنا پکا حصہ مقرر کروا رہا تھا وغیرہ۔ جان بوجھ کر پھیلائی گئیں کہ وہ نااہل یا لالچی تھا کہ خورشید انور کی "اندھیرا گھپ" کرنے والی اصلی سازش سامنے نہ آ جائے۔ کہ پھر شاید لیاقت علی کا "بھرم" اسی زمانے میں پاش پاش ہو جاتا۔ خورشید انور سیاستدانوں کے ساتھ رابطے کیلئے آدمی بھیج سکتا تھا، تو طے شدہ تجویز کے تحت جو دو سو مجاہدین سری نگر کے الگ تھلگ ہوائی اڈے بڈگام کی طرف بھیجنے تھے، کہ بھارتی جہازوں کی لینڈنگ میں رکاوٹ ڈالیں (۲۶) وہ کام اب جموں و کشمیر پلٹن کی مسلمان نفری سے کرایا جا سکتا تھا۔ لیکن کوئی ایک سازش ہوتی تو قلع قمع ہو سکتا تھا۔ ہمیں بہت بے وقوف بنایا گیا اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ بہرحال خورشید انور کا سرینگر کو آزاد کرانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

جموں محاذ دراصل سب سے بڑی اور گھمبیر سازش یہ تھی، کہ سیالکوٹ کے علاقے میں مجاہدین کو یا " باندھ " دینا تھا۔ یا سرحد پر " کرفیو " لگا دینا تھا۔ کہ جموں محاذ نہ کھل سکے۔ یہ عاجز اس سلسلہ میں آٹھویں اور نویں ابواب میں کچھ اشارے کر چکا ہے۔ کہ چودھری غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر کو مہاراجہ کی " قید " میں رکھ کر لنگڑے لولے آزاد کشمیر کی بنیاد پلندری میں رکھنا تھی۔ اور سیالکوٹ چھاؤنی کو ماڈرن اور قادیانیوں مسلمانوں کی چھاؤنی بنانا تھا۔ چنانچہ مظفر آباد میں داخلہ سے بہت پہلے اکبر خان نے جو ایک ہزار رائفلیں دے کر کٹھوعہ۔ جموں روڈ کی ناکہ بندی کی تجویز بنائی۔ اس پر " کرفیو " لگا دیا گیا۔ اور اکبر خان کی ۲۲/۲۱ اکتوبر کی پرسش پر اس کے سامنے جھوٹ بولا گیا، کہ وہ مجاہدین بھاگ گئے تھے اور رائفلیں بھی خراب نکلیں۔ یہ سراسر جھوٹ تھا۔ سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر غلام کذاب کے پوتے ایم ایم احمد اور سولہ پنجاب کے کمانڈنٹ کرنل ہوبرٹ نے ان مجاہدین کو روپوچک میں رکھ چھوڑا کہ حملے کا حکم بعد میں ملے گا۔ بعد میں ان کی تعداد آٹھ۔ دس ہزار سے بھی تجاوز کر گئی اور فروری ۱۹۴۸ء میں ان پر جو " جھاڑو " پھیرا گیا وہ کہانی کچھ بائیسویں باب میں آئے گی۔ اور کچھ جھلکیاں اگلے ابواب میں آتی رہیں گی۔ دراصل سولھویں گروپ کے ہندو سکھوں کو اگست ۱۹۴۷ء میں جسڑ پل سے دو گھنٹوں میں بھارت بھیجا جا سکتا تھا۔ لیکن ان کو مندر اور گردوارے میں اپنے ہتھیار رکھنے کی اجازت دے کر نومبر ۱۹۴۷ء کے شروع تک سیالکوٹ میں رکھا گیا۔ پٹھان نفری والی فرنٹیر فورس کو سیالکوٹ سے ایبٹ آباد بھیجا گیا۔ اس کی جگہ قادیانی نفری والے پندرھویں پنجاب کو انبالہ سے لانے میں دیر بھی کی اور ان کے آنے کے بعد سیالکوٹ چھاؤنی لبرل۔ ماڈرن اور قادیانی مسلمانوں کا گڑھ بن گئی۔ جس کی کچھ تفصیل میری کتاب " تاشقند کے اصلی راز " (۲۷) میں ہے اور مقصد یہ تھا کہ جموں میں مہاراجہ کشمیر کی " پناہ گاہ " کیلئے کوئی خطرہ پیدا نہ کیا جائے۔ اور اسی وجہ سے پنجاب کے پہلے وزیر اعلیٰ نواب ممدوٹ نے ۱۹۵۴ء میں ایک ریل کے سفر کے دوران راجہ غضنفر علی کے سامنے مجھے بتایا کہ شوکت حیات اور زمان کیانی کو لیاقت علی نے " رام " (۲۸) کر لیا تھا۔ میرے ان دونوں " دوستوں " نے میری کئی کوششوں کے باوجود مجھے " ٹرخا " دیا کہ وہ خود ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ جس میں سب " وضاحتیں " ہوں گی۔ باقی فیصلہ قارئین خود کر لیں کہ پنجاب سے کوئی کارروائی کیوں نہ کی گئی۔ ان دونوں کو " بے وقوف " بنایا گیا یا وہ بھی " بے بس "

تھے۔ خان عبدالقیوم کے خلاف بھی بہت باتیں کی جاتی ہیں۔ کہ وہ کشمیری تھا۔ کشمیر کو صوبہ سرحد کا " حصہ " بنانا چاہتا تھا۔ اس عاجز نے بہت تحقیق کی ہے۔ خان قیوم کی پاکستان کے ساتھ وفاداری پر کوئی انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی۔ جہاں پوری قوم کو بے وقوف بنایا گیا۔ وہاں لیاقت اور خورشید انور نے اپنے " مقاصد " قیوم پر بھی نہ ظاہر ہونے دیئے۔ اور بھارتی تاریخ والے (۲۹) بھی خان قیوم خان کے اس مومنانہ اعلان کو نوٹس لیتے ہیں کہ صوبہ سرحد کا بچہ بچہ کشمیری مسلمانوں کی مدد کیلئے اللہ کے راستے میں ہر قربانی دینے کو تیار ہے۔

پیش قدمی کا منظر افسوسناک بات یہ ہے کہ اس بے ربط و ضبط۔ حروش کی قسم کی پیش قدمی، آجکل کی جنگ کے تقاضوں سے بالکل مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ اور گو یہ پیش۔ قدمی دل لبھانے والا نظارہ بھی تھا، کہ قبائلی مجاہدین سب کچھ اپنے دل سے نیک نیتی کے جذبہ سے کر رہے تھے، اور ان مجاہدین کو منظم بھی کیا جا سکتا تھا۔ بہرحال ہم اس کا نظارہ جنرل اکبر خان کی کتاب (۳۰) کے چند اقتسابات پیش کر کے قارئین پر کچھ نقطے واضح کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ۲۹ اکتوبر کو جو کچھ انہوں نے دیکھا، اس میں سے کچھ باتیں اس باب میں اور کچھ اگلے باب میں بیان ہوں گی۔ وہ لکھتے ہیں " اس دن بھی قبائلیوں کے قافلے سری نگر کی طرف جا رہے تھے۔ یہ منظر ایسا تھا جیسے کسی نے تاریخ کا بہت پرانا دور ہمارے سامنے رکھ دیا ہو۔ ان کا عزم، جذبہ اور لباس بھی ہمارے آبا و اجداد والا تھا۔ ہاں اب پیدل یا گھوڑوں کی بجائے وہ لاریوں کی کنوائی میں جا رہے تھے۔ جس کو نہ کسی نے منظم کیا تھا اور نہ کوئی کنوائی یا ٹولی کمانڈر تھا۔ کسی گاڑی میں چالیس کسی میں پچاس اور کسی میں ستر مجاہدین ٹھنسے تھے۔ کچھ لاریوں کے باہر لٹک رہے تھے کچھ چھتوں پر اور کچھ انجنوں پر بیٹھے تھے۔ اور ان میں نوجوان بھی تھے اور سفید ریش بوڑھے بھی۔ کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ لیکن وہ خوبرو اور پرکشش تھے۔ ان کی آنکھوں میں حریت کی تڑپ اور غیرت کی چمک دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ گاڑیاں بھی ہر قسم کی تھیں۔ بعض صرف چار پہیوں پر " ڈھانچ " تھے۔ ایک ایسی کار بھی تھی جس کا نہ چھت تھا نہ بتیاں۔ اس میں نو آدمی سوار تھے اور جھنڈا ظاہر کرتا تھا کہ یہ ریاست سوات کی فوج کا " ہیڈ کوارٹر " رواں دواں تھا " اکبر خان کی ساری کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور لفظ لفظ پر معنی ہے۔ یہ عاجز اتنے اضافہ کے بعد اس باب کو ختم کرے گا۔ کہ کاش! ہم ان " جذبات " کو ربط و ضبط اور منظم کر کے استعمال کرتے۔

خلاصہ و اسباق اس ساری پیش قدمی یا کارروائی کا مقصد مہاراجہ کشمیر کیلئے اندھیرا گھپ کرنا تھا۔ کہ وہ ڈر کے فرار کر کے اپنے آپ کو بھارت کی "حفاظت" میں دے دیوے۔ اور تمام کارروائی نہرو کی سوچ کے مطابق ہوئی کہ برف پڑنے سے پہلے بھارتی فوج۔ وادی کشمیر میں پہنچ جائے۔ ہمارے ملک میں نہرو کی اس ضرورت کو کس نے پروان چڑھایا کہ قائداعظم کو تو "بے خبر" رکھا گیا تھا؟۔

حوالہ جات

(۱)۔ تقریب سکندر مرزا کی بیٹی کی شادی تھی اور خبر کار اوی روزنامہ مسلم اخبار کے مالک آغا مرتضیٰ پویا کا والد تھا۔ (۲)۔ پنڈورا باکس صفحہ ۴۔ (۳)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر، صفحہ ۱۱۸۔ (۴)۔ میکنگ آف پاکستان، رچرڈ سائمنڈ صفحہ ۱۲۱ اور ۱۲۲۔ (۵)۔ سٹوری آف انڈین ایگریشن ڈاکٹر خالد غزنوی صفحہ ۱۰۱۔ (۶)۔ سیارہ ڈائجسٹ مارچ ۱۹۶۶ء بشیر حسین جعفری۔ (۷)۔ شامت اعمال ما، صفحہ ۱۵۶۔ (۸)۔ حنیف علی شاہ جن کا ذکر اکیسویں باب میں ہے۔ (۹)۔ کیپٹن محمد شیر کو کسی جگہ "شیر خان" اور کسی جگہ "شیر" لکھ کر ہماری سرکاری تاریخ اور سہروردی نے اکیسویں باب کے پندرھویں پنجاب کے میجر شیر محمد (خالد) کے ساتھ ملا دیا اس نے دراصل بعد میں "نوشیروان" کا نام اپنایا۔ اور راجوری کے علاقے میں فسٹ پنجاب کے میجر محمد اسلم عباسی ایم سی کے ماتحت کام کیا۔ کیپٹن اعظم اس زمانے میں تذبذب کی وجہ سے سری نگر کی طرف پیش قدمی میں نہ شریک ہوا۔ بعد میں جنوبی علاقوں میں کام کیا۔ (۱۰)۔ ٹریجیڈی آف کشمیر، صفحہ ۱۱۵۔ (۱۱)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۶۰۔ (۱۲)۔ صفحہ ۱۴۔ (۱۳)۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۸۹۵۔ (۱۴)۔ تفصیل چودھویں باب میں ہے۔ (۱۵)۔ صفحہ ۹۹۔ (۱۶)۔ نام سرکاری تاریخ میں ہیں۔ ان کی یونٹیں یا یہ صاحبان کون تھے تحقیقات کے باوجود معلوم نہ ہو سکیں۔ (۱۷)۔ صفحہ ۵۰۔ (۱۸)۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۸۸۵۔ (۱۹)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۱۸۔ (۲۰)۔ ایضاً، صفحہ ۱۱۸۔ (۲۱)۔ مہاراجہ کو فکرمند رکھنے کیلئے مینن نے یہ بھی کہا کہ شاید حالات بھارت کو بھی اس کی مدد کی اجازت نہ دیں۔ (۲۲)۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۹۱۰ اور ڈان اخبار یکم ستمبر ۱۹۷۰ء۔ (۲۳)۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۲۶۳۔ (۲۴)۔ یہ بہتر آدمی تھا۔ پشتونوں پر اچھی کتابیں لکھیں۔ (۲۵)۔ او پریشنزان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۷ تا ۱۹۔ (۲۶)۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۴۲۔ (۲۷)۔ اور۔ (۲۸)۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۴۴۔ (۲۹)۔ او پریشنزان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۷۔ (۳۰)۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۵۷ تا ۶۰

گیارہواں باب

بھارتی فوج کی آمد اور سازش کی تکمیل

سری نگر کے حالات ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جب ہری سنگھ جموں میں فرار کے بعد "الحاق" کے کاغذوں پر دستخط کر رہا تھا۔ اور خورشید انور قبائلی مجاہدین کو روک کر بارہ مولا بیٹھا تھا، تو اس دن سہروردی کے مطابق [۱] "نہ کوئی فوجی سری نگر میں نظر آتا تھا، نہ آگے بارہ مولا تک کوئی فوجی تھا۔ علاوہ ازیں سری نگر میں نہ کوئی حکومت تھی، نہ کوئی انتظامی ادارہ۔ اور نہ کوئی پولیس والا۔ لیکن افسوس کہ مجاہدین نے سری نگر کا رخ نہ کیا۔ اور بھارتی سولین افسروں اور جاسوسوں نے عبداللہ کے نیشنل کانفرنس سے یہ نعرے لگوانے شروع کر دیئے" حملہ آور خبردار نیشنل کانفرنس ہے تیار" کہ مسلم کانفرنس والوں میں کسی کا ایمان نہ جاگ اٹھے۔ اور وہ سرینگر کے معاملات کو اپنے ہاتھ میں نہ لے لیویں۔ لیکن وہ ڈرے اور لپے ہوئے لوگ مجاہدین کا "انتظار" کرتے رہے اور دوسرے دن یعنی ۲۷ اکتوبر کو دن کے ساڑھے آٹھ بجے، بھارتی فوجوں نے ہوائی جہازوں کے ذریعہ سری نگر کے بڈگام کے اڈے پر اترنا شروع کر دیا۔ کٹھوعہ روڈ سے البتہ بھارتی توپخانہ اور بکتر بند گاڑیوں نے بغیر کسی ڈر یا خطرہ [۲] کے ۲۶ اکتوبر ہی جموں کی طرف گڑگڑانا شروع کر دیا۔ اور یہ افواج (ایک بکتر بند یونٹ اور ایک توپخانہ) ۳ نومبر کو نہ صرف سری نگر پہنچ گئیں، بلکہ کچھ دن بعد ان افواج نے جموں سے اکھنور، ریاسی، بیڑی پتن، نوشہرہ، اور نہ صرف راجوری کے محاذ تک پہنچنا شروع کر دیا۔ بلکہ ایک دفعہ ایک کالم کوٹلی تک بھی پہنچ گئی جو ذکر اگلے ابواب میں آتے رہیں گے۔ اکبر خان کو بھی اس سازش کی "گہرائی" کا علم بعد میں ہوا کہ وہ اپنی کتاب [۳] میں کہتا ہے "جموں کو ہم نے چھوڑ دیا۔ لیکن جموں نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا" اور یہ عاجز اس سازش کے نمایاں پہلوؤں کو اپنی کتاب "پنڈورا باکس" میں اجاگر کر چکا ہے [۴]

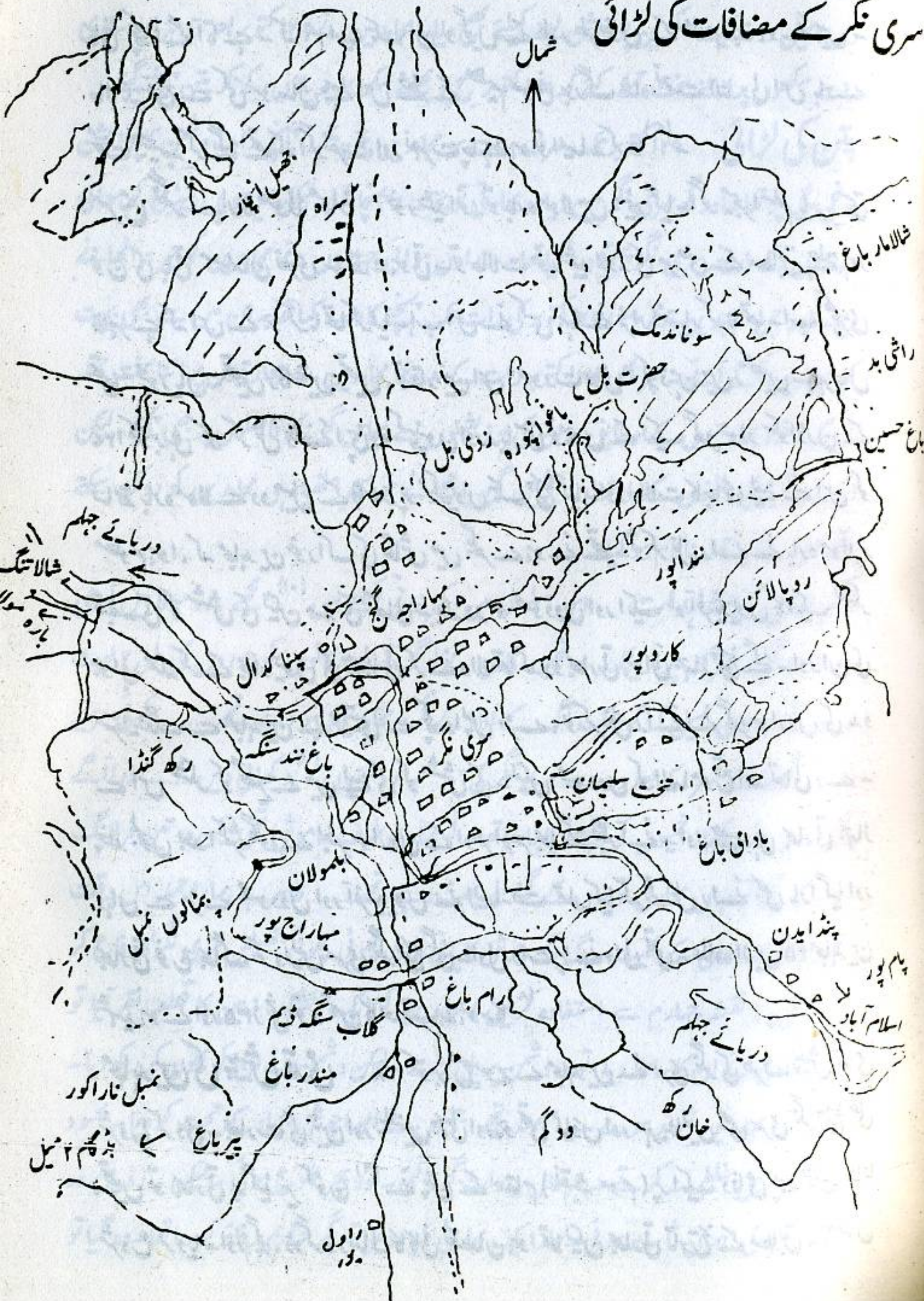
بھارتی افواج کا اجتماع بھارت کی طرف سے سکھ یونٹ، کرنل رائے سمیت ۲۷۔

اکتوبر کو سری نگر پہنچ گئی۔ اور سب سے پہلے ہوائی اڈہ کے دفاعی حصار کو مضبوط کیا۔ دوپہر تک برگیڈیئر اٹل اور خفیہ اور سولین اداروں کے افسر بھی پہنچ گئے جنہوں نے ریاستی فوج کے بکھرے ہوئے ملازموں اور کچھ فوجیوں کو اکٹھا کیا، اور سری نگر کے انتظام کو سنبھال لیا۔ ۲۹ اکتوبر تک ایک بھارتی برگیڈ کی نفری سری نگر پہنچ چکی تھی۔ اور نومبر کے پہلے ہفتے ایک پورا ڈویژن جس کی کمانڈ سکھ برگیڈیئر کلونت سنگھ کو میجر جنرل بنا کر دے دی، کہ سکھوں کو جو لڑائی میں پہلے "جھونکا" وہ خوش ہو جائیں۔ بھارتی فضائی فوج کے دستے تو دوسرے ہی دن جموں اور سری نگر دونوں ہوائی اڈوں پر پہنچ چکے تھے اور وہاں سے اڑ کر ایک طرف بارہ مولا و مظفر آباد۔ اور دوسری طرف پونچھ اور میرپور کے علاقوں میں جہاں چاہتے مجاہدین پر بمباری کر سکتے تھے۔

مواقع تقدیر قارئین! آپ بعد میں اس عاجز کے تجزیوں کو صحیح مان لیں گے۔ اور یہاں گزارش ہے کہ اس طرح بھارت نے کوئی "برتری" نہ حاصل کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک تقدیر کا موقع پیدا کر دیا تھا، کہ ہم کشمیر میں بھارتی فوجی مشین کو تتر بتر کرا کے اور پھیلاؤ دلوا کر مکمل طور پر تباہ کر دیں۔ ایک بات یاد رکھیں کہ اگر ہم منظم طریقے سے قبائلی مجاہدین کو "محدود" مقاصد کیلئے استعمال کرتے۔ اور فوج کو بھی تیار رکھتے کہ بھارتی فوج کے آجانے کے بعد۔ ایک دن ہم کو اپنی فوج کو اپنی مرضی کے مطابق بھارت کے خلاف استعمال کرنا ضروری تھا اور بعد میں ایسا ہوا بھی۔ لیکن افسوس ہم نے سب کام بھونڈے طریقوں سے کئے۔ اب بھی ذرا دھیان دیں کہ بھارت نے اپنے رسد و رسائل کے راستوں کو بہت طویل کرتے ہوئے اور اپنی گردن "دراز" کرتے ہوئے اپنا سر، وادی کشمیر میں پہنچا دیا تھا۔ اس کے "جسم" کا ہر حصہ ہماری زد میں تھا۔ لیکن افسوس ہم نے انگریزوں کو اپنے ہاں نوکر رکھا ہوا تھا۔ جن میں سے کچھ ہمارے "ہمدرد" بن کر ہمیں بے وقوف بنا رہے تھے۔ ہمارے ایک "ہمدرد" اخبار سٹیٹسمین کے ایڈیٹر آئن سٹیفن کو کھانے پر ماؤنٹ بیٹن نے بلا کر کہا کہ مسٹر جناح "قانونی" طور پر کشمیر کھو چکا ہے[5]۔ ہمارا ایک انگریز نوکر اور سرحد کا بے وفا گورنر جارج کنگھم اپنی ڈائری[6] میں ہمارے ایک اور بے وفا انگریز نوکر جنرل مسروی کے حوالے سے لکھتا ہے کہ کشمیر کی تمام تر جنگی کارروائیوں کی نگرانی ماؤنٹ بیٹن کر رہا تھا۔ یعنی ہم صرف ماؤنٹ بیٹن کو

نقشہ چہارم

سری نگر کے مضافات کی لڑائی



دشمن سمجھیں ۔ باقیوں کو اپنا "ہمدرد" سمجھیں ۔ "ان ہمدردوں" نے ہمارے ساتھ کیا کچھ نہ کیا ۔ کافی کچھ آگے آتا ہے ۔ کہ ہم اب تک ان لوگوں کے طور طریقوں کے غلام بنے ہوئے ہیں ۔ حالانکہ آج سے کئی سو سال پہلے اس خطے کے عظیم صوفی بزرگ شاہ نعمت اللہ ولی اس بارے سخت تنبیہہ کر گئے تھے کہ اگر عزت اور نصرت چاہتے ہو تو ایسا نہ کرنا (۷) ۔

سری نگر ۔ بارہ مولا محاذ خورشید انور تو بارہ مولا میں بیٹھ گیا ۔ اگر میجر اسلم یا ریاستی فوج کی باقی مسلمان نفری ساتھ نہ ہوتی ۔ تو حالات خورشید انور کی مرضی کے مطابق چلتے اور ظاہر ہے کہ اس نے جو کرنا تھا کر لیا ۔ اب اس نے کسی بہانے فرار اختیار کرنا تھا ۔ اب کھچڑی تھی "مجبوریاں" تھیں رقابتیں تھیں، تو قارئین اس "صورت حال" کو ذہن میں رکھیں ۔ بہر حال ۲۷ اکتوبر ہی کو کرنل رائے اپنی دو کمپنیوں اور ریاستی فوجوں کے ایک گھڑ سوار سکواڈرن کے ساتھ بارہ مولا سے دو میل کے فاصلہ پر ٹیکریوں تک پہنچ گیا ۔ اور حالات کا جائزہ لینے سے اس کو معلوم ہوا، کہ مجاہدین خوراک کی تلاش میں بکھرے ہوئے تھے ۔ تو کرنل رائے نے بارہ مولا پر قبضہ کی کوشش کی لیکن منہ کی کھائی ۔ بلکہ دو سو محسودوں اور ایک سو آفریدیوں کا ایک لشکر جوابی حملہ کر کے بھارتیوں کی تکا بوٹی کرنے والا تھا کہ دو بھارتی ہوائی جہاز پہنچ گئے ۔ اور ان کی سٹرائینفگ سے مجاہدین بے ترتیبی سے کچھ واپس مڑے، تو کرنل رائے نے گھڑ سواروں کی مدد سے اس لشکر کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی ۔ لیکن محسودوں کو ایسا موقع اللہ تعالی دے ۔ چند لمحوں بعد اکثر گھوڑے بغیر سواروں کے ادھر ادھر بھاگتے نظر آئے ۔ اور جیسے ہی بھارتی جہاز وہاں سے مڑے محسودوں اور آفریدیوں نے ایسا سخت حملہ کیا کہ کرنل رائے بھی مارا گیا اور بھارتی فوج بھاگ کر واپس سری نگر پہنچ گئی ۔ اول رات پڑنے والی تھی ۔ علاوہ ازیں ۲۵ مجاہدین شہید ہوئے اور ۳۵ زخمی تو دشمن کا تعاقب نہ ہو سکا (۸) ۔

مجاہدین کی پیش قدمی ۲۸ اکتوبر صبح سویرے مجاہدین نے سری نگر کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ۔ بھارت کی تین اور پلٹنیں پہلی اور چوتھی کماؤں اور مہر بٹالین بھی سری نگر پہنچ چکی تھیں تو بھارتی برگیڈیئر کٹوچ (۹) نے پتن کے مقام (نقشہ سوم) پر ایک دفاعی پوزیشن بنانا شروع کر دیا ۔ اور گو، ڈوگرہ رسالہ کا کافی نقصان ہوا تھا لیکن بھارتی تاریخ کے مطابق، سکھوں

کے صرف پانچ آدمی ہلاک ہوئے تھے اور ۱۵ زخمی ہوئے تو کٹوچ نے سکھ پلٹن کو پتن سے آگے دس میل دور ایک سکرین پوزیشن لینے کیلئے بھیج دیا ۔ مجاہدین نے ۲۸ اکتوبر بعد دوپہر اور ساری رات سکھوں پر اتنے سخت حملے کئے کہ ۲۹ اکتوبر صبح پو پھٹتے سکھ سر پر پاؤں رکھ کر پتن پہنچ گئے ۔

پتن کی لڑائی ۲۹ اکتوبر تک صرف سات سو مجاہدین پتن تک پہنچے ۔ اب دشمن کا پوزیشن اونچی جگہ پر تھا ۔ اور گو سری نگر میں زیادہ بھارتی توپخانہ نہ پہنچا تھا ۔ لیکن تیرھویں بیٹری کو ہوائی جہازوں کے ذریعہ سری نگر پہنچا دیا گیا تھا ۔ سارا دن ہوائی جہازوں نے مجاہدین کو سر نہ اٹھانے دیا ۔ اور جن مجاہدین نے ۳۰ / ۲۹ اکتوبر کی رات تک پہنچنے کا وعدہ کیا تھا ۔ ان میں سے بھی بہت کم مجاہدین آگے آئے ۔ پھر بھی ۳۰ اکتوبر رات کے ۸ بجے مجاہدین نے بھارتیوں پر اتنا سخت حملہ کیا کہ، خود بھارتیوں کے مطابق وہ ان کی پوزیشنوں سے پچاس گز کے فاصلوں پر بھی پہنچے، لیکن ایک برگیڈ کی پلٹنوں کے مارٹر اور مشین گن یا چھوٹے خودکار ہتھیار ہی مجاہدین کو روک سکتے تھے اس لئے یہ حملہ ناکام ہو گیا ۔

اکبر خان کے مشاہدات اس سلسلہ میں اکبر خان لکھتے ہیں (۱۰) "مجھے بارہ مولا میں آدھی رات ہو گئی ۔ سڑک پر ٹریفک نہ تھی ۔ گاؤں کے لوگ خالی مکانوں کو چوروں کی طرح لوٹ رہے تھے ۔ دس میل آگے ایک آگ کے الاؤ کے گرد مجاہدین سو رہے تھے .... کوئی مزید نصف گھنٹے کے سفر کے بعد دور سے سری نگر کی "مدھم" روشنیاں (۱۱) دکھائی دیں .... ذرا آگے گئے تو ہم نے دیکھا زخمیوں کو پیچھے لایا جا رہا تھا ۔ گو ہماری طرف خاموشی تھی لیکن دو تین فرلانگ ہم آگے گئے تو وہاں بھارتی توپوں کے گولے پھٹ رہے تھے .... ظاہر ہے ہمارا حملہ اس وقت ختم ہوا تھا ۔ دھان کے کھیت ۔ جگہ جگہ بارش کا پانی ۔ اور چھوٹی چھوٹی جھیلیں سری نگر کا دفاع کر رہی تھیں (نقشہ چہارم سے استفادہ کریں) مجاہدین کو ایک خشک زمین کا قطعہ نظر آیا تو خود اعتمادی نے ان کا ساتھ دیا، تو وہ دشمن پر پل پڑے ۔ لیکن دشمن نے ان کو بھون کر رکھ دیا ۔ اور متعدد مجاہدین شہید ہوئے ۔ یہ مہمند تھے، جنہوں نے ایسا جوش جہاد کے تحت کر دیا ۔ محسود یا وزیری ایسی غلطی نہ کرتے ۔ بہر حال یہ رات گزر گئی ۔ اور سحر طلوع ہوئی ۔ لیکن یہ روح پرور فضا کچھ دیر کی مہمان ثابت ہوئی ۔ جلد ایک بھارتی طیارہ غراتا، گرجتا ہم پر فائر کر رہا تھا ۔ وہ گیا تو

دوسرا آگیا۔ اور یہ سلسلہ سارا دن جاری رہا۔ بہرحال میں نے یخ پانی سے ہاتھ منہ دھویا اور سفری ناشتہ کیا[۱۲]۔ اور چلن پھر کر زمین کا جائزہ لیا، وغیرہ۔

اکبر خان کی سوچ اکبر خان کا خیال تھا کہ اس وقت تک بھارت کی فوج سری نگر کا کوئی ایسا مستحکم دفاع نہ تیار کر سکی تھی۔ جس کو توڑا نہ جاسکتا تھا۔ ایک دفعہ اگر مجاہدین شہر میں داخل ہوجاتے، تو پھر انہیں نکالنا مشکل ہوجاتا۔ سڑکیں بند ہوجاتیں۔ افراتفری اور فوج کی بھاگ دوڑ ایک طرف۔ اور پھر بھارتیوں کو سب زور ہوائی اڈہ کے دفاع پر لگانا پڑتا، کہ انہیں اسی راستہ بھارت "بھاگنا"[۱۳] تھا۔ لیکن سری نگر میں داخلہ صرف کشتیوں کے ذریعہ سے ہوسکتا تھا۔ اور کشتی والے مل نہ رہے تھے۔ تو اکبر خان نے سوچا کہ یہ کام دو بکتر بند گاڑیوں سے ہی ہوسکتا ہے، جو دشمن کے دفاع میں شگاف پیدا کردیں۔ اور جیسے سورج غروب ہوا۔ وہ راولپنڈی روانہ ہوگیا۔ آگے سے گیارھویں رسالہ کے کرنل مسعود[۱۴] اوران کی پوری رجمنٹ والے بغیر سرکاری اجازت کے سولین کپڑے پہن کر وہاں جانے کو تیار تھے۔ لیکن راجہ غضنفر علی وفاقی وزیر، برگیڈیئر شیر خان اور اکبر خان کے دوست میجر ارباب (بعد میں کرنل)[۱۵] سے مشورہ کے بعد اکبر خان نے اس سوچ کو ترک کردیا، کہ اس طرح دونوں ملکوں میں جنگ بھی چھڑ سکتی تھی اور اکبر خان محاذ کا کمانڈر نہ تھا بلکہ حالات کا مطالعہ کرنے گیا تھا۔ اور شاید بکتر بند گاڑیوں کے جانے کے بعد بھی پوری کامیابی نہ ہوتی۔

تبصرہ اکبر خان کی فوجی فراست پر کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ اور ایسے آدمی صدیوں میں ایک آدھ بار پیدا ہوتے ہیں۔ افسوس ہماری قوم ان کی فراست کا فائدہ کئی وجوہات کے باعث نہ اٹھا سکی اور لمبی کہانی ہے۔ کہ ان کے گھر کے ماحول میں کچھ "ماڈرن ازم" کے اثرات بھی تھے اور تاریخ کے بامقصد مطالعہ کے تحت ان کی اس چھوٹی سی سوچ پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ کہ اول جو جنگ چھڑنے کا خطرہ تھا۔ اس کو ذہن میں رکھنا ضروری تھا کہ جنگ ہماری مرضی کے وقت چھڑنا چاہیے نہ کہ دشمن کی مرضی کے وقت۔ لیکن افسوس ہماری قوم ایسی سوچ سے عاری ہے، کہ ستمبر ۱۹۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگیں بھی ہماری مرضی کے وقت نہ شروع ہوئیں۔ اور اس زمانے میں ہمارے انگریز جنرل شاید کیا کرتے۔ ہاں البتہ انگریزوں کو ہٹا کر اگر جہاد کا

اعلان کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرتا۔ بکتر بند گاڑیوں سے کامیابی البتہ "مشکوک" تھی۔ اگر "آرمڈ کاریں" لے جاتے تو ان کی پہیوں کو دشمن برباد کرسکتا تھا۔ اور سٹیورٹ ٹینکوں کو لے جانے کیلئے ٹینک ٹرانسپورٹروں کی ضرورت تھی۔ کہ کشمیر روڈ کی پلوں۔ خاص کر اوڑی کے پاس برباد پلوں سے یہ ٹرانسپورٹر نہ گزر سکتے۔ اس عاجز کے لحاظ سے اب صرف سری نگر اکیلے پر قبضہ کرنے کا وقت "گزر" چکا تھا۔ یہ بھاگتے چور کی لنگوٹی والی بات تھی۔ کہ ایک بھارتی برگیڈ کو "وقتی" شکست دے کر ہم اپنے مقاصد نہ حاصل کرسکتے تھے۔ کہ ہوائی اڈہ سے صرف "بھاگنے" کی بات نہ تھی بلکہ خشکی کے راستے کمک بھی پہنچ رہی تھی اور ۳ نومبر کو جموں والی سڑک سے بھی فوجی سرینگر پہنچ گئے۔ تو اکبر خان نے صرف سری نگر کی "فتح" کا خیال دل سے ضرور نکال دیا۔ کہ فوجی ماہر ہونے کیوجہ سے سری نگر کی اس کی یہ "وقتی" سوچ، راولپنڈی آکر "وسعت" اختیار کرگئی۔ جو باتیں اگلے ابواب میں آئیں گی۔ علاوہ ازیں قبائلیوں کا سری نگر شہر میں ٹھہرنا بھی مشکل تھا۔ کچھ تو لوٹ مار کرکے اسی وقت واپس چلے جاتے، اور آگے ایسے ہی ہوا۔ اس لیے اس باب کے آخر میں قبائلیوں کے اوصاف اور صحیح استعمال پر بھی کچھ تبصرہ دیا جارہا ہے۔

مجاہدین کی مزید کارروائیاں پٹن سے آگے پیش رفت نہ ہونے نے قبائلی مجاہدین میں مایوسی پھیلائی۔ اور ہماری سرکاری تاریخ میں جو سمبل اور مگام تک مجاہدین کی کالمیں بھیجنے کا ذکر ہے یہ بھی دراصل میجر اسلم کے والد کی تلاش کے سلسلہ میں تگ و دو تھی۔ البتہ قبائلی مجاہدین نے سکھ یونٹ اور پہلی کماؤں پلٹن کے علاقے میں بڑے چھاپے مارے۔ وہاں آئے ہوئے برگیڈیئر کمانڈر کٹوچ کو بھی زخمی کیا۔ اور کئی بھارتیوں کو ہلاک کیا۔ دو مجاہدین بھی شہید ہوئے لیکن بھارتی دفاع میں کوئی شگاف نہ ڈالا جاسکا۔

بڈگام کے ہوائی اڈہ پر قبضہ کی کوشش نقشہ سوم ظاہر کرے گا کہ ہوائی اڈہ الگ تھلگ جگہ پر ہے، جس پر ۳۱ اکتوبر کو میجر محمد شیر نے سالار گلاب خان کے سات سو محسودوں کی مدد سے قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ آخری وقت خورشید انور بھی ساتھ جانے کو "تیار" ہوگیا۔ اور یہ لوگ چھپتے چھپاتے ۳ نومبر کو ہوائی اڈہ سے دو میل دور پہنچ گئے اور خود بھارتی تسلیم کرتے ہیں کہ اس کالم نے پہلی کماؤں کے ۱۵ آدمی ہلاک اور ۲۶ زخمی کئے اور گولہ و بارود سے

بھری ایک گاڑی پر بھی قبضہ کرلیا۔ لیکن بھارتی ہوائی جہازوں نے اس کالم پر لگاتار سات حملے کئے۔ کہ خورشید انور بھی میجر شیر سے الگ ہوگیا تھا۔ اور اس کے محدود ساتھی بھی ایسے تتر بتر ہوئے کہ اس کے پاس کل تین سو آدمی رہ گئے۔ اب ہوائی اڈہ پر قبضہ والا معاملہ تو ختم تھا۔ اس سلسلہ میں ہماری سرکاری تاریخ میں میجر شیر کی سوچ اور کئی تجاویز کا ذکر ہے۔ کئی خبروں اور افواہوں کا ذکر ہے۔ اور آخر میں کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ صرف اپنی پلٹن کے دس۔ بارہ ساتھی رہ گئے اور ان کو خبر ملی کہ مجاہدین نے سری نگر سے مکمل فرار اختیار کرلیا ہے اور وہ لوگ ۸ اور ۹ نومبر کو اوڑی پہنچ گئے۔ لیکن جنرل اکبر خان اپنی کتاب [۱۹] میں میجر شیر کی وہاں موجودگی کا ذکر نہیں کرتے۔ تو وہ بات صحیح ہے جو یہ عاجز پچھلے باب کے حوالہ جات نمبر ۹ میں لکھ چکا ہے۔

خورشید انور میجر خورشید انور اب ثانوی حیثیت اختیار کرکے "پس منظر" میں رہ کر منظر سے "غائب" ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا، کہ بڑے محاذ یا لشکر کو میجر اسلم کے حوالے کرکے، میجر شیر کے ساتھ بڈگام کی طرف چلا گیا۔ وہاں سے ۲ نومبر کو غائب ہوگیا اور دو دن اس کی کوئی خبر نہ ملی اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ مارا گیا ہے لیکن ۵ نومبر کو وہ میجر اسلم کے پاس پہنچ گیا۔ دو دن وہ کہاں رہا؟ خورشید انور نے بندوبست کیلئے اوڑی کے مقام پر اس زمانے کے طالب علم لیڈر اور بعد میں فوج میں کرنل ایک چراغ شاہ کو اپنے رئیر ہیڈ کوارٹر کے طور پر رکھا ہوا تھا۔ چراغ شاہ کے مطابق، خورشید انور ایک شیورلیٹ کار میں سفر کرتا تھا۔ جب وہ لوگ سری نگر کے قریب پہنچ گئے، تو ان کا ڈرائیور کار لے کر بھاگ آیا۔ تو خورشید انور کے ذاتی باڈی گارڈ سراج دین نے چراغ شاہ کو اوڑی میں ایک موٹر سائیکل سوار کے ذریعہ سے خبر بھیجی کہ ڈرائیور، کار اور کار میں خورشید انور کے سوٹ کیس حاصل کرنے کے لئے راستہ کی ناکہ بندی کی جائے۔ اوڑی سے مظفرآباد تک ٹیلیفون کا رابطہ تھا۔ اور چراغ شاہ نے مظفرآباد کے نئے ڈپٹی کمشنر رحیم داد کو ٹیلیفون کردیا۔ ڈرائیور تو پکڑا گیا۔ اور اس کو گارڈ کی نگرانی میں خورشید انور تک پہنچایا گیا لیکن سراج الدین نے بعد میں چراغ شاہ کو بتلایا کہ چوروں پر مور پڑ گئے تھے۔ ڈرائیور کو پکڑنے والوں نے سوٹ کیس سے سونا نکال لیا۔ اور بیچ میں سلیپنگ سوٹ اور تولئے ٹھونس دیئے۔ اس کے بعد وہ پہلے والا خورشید انور ختم ہوگیا۔

سری نگر محاذ کے آخری ایام ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق میجر اسلم نے قبائلیوں سے ۳ نومبر کو پٹن کی بھارتی پوزیشن پر سخت حملہ کرا کے بھارتیوں کو شالا ٹنگ کے متبادل پوزیشن تک پسپا کردیا (نقشہ چہارم دیکھیں) اور یہ بڑی اعلیٰ تجویز تھی کہ میجر اسلم نے دو دن پہلے ایک لشکر کو سوپر۔ بانڈی پورا اور سمبل والے راستے دشمن کے عقب میں بھیج دیا تھا اول یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی، دوم یوسف صراف کے مطابق [۱۷] میجر اسلم یکم نومبر کو ایبٹ آباد تھا، کہ وہاں ذمہ دار لوگوں کی مدد سے محاذ سے واپس چلے گئے قبائلی مجاہدین کو پھر محاذ پر بھجوانے یا کمک کا بندوبست کرنے گیا تھا۔ اس لئے یہ عاجز اس کارروائی کے بارے بھارتی تاریخ [۱۸] کے بیان کو صحیح سمجھتا ہے کہ یہ بھارتی برگیڈئیر ایل پی سین [۱۹] کی ایک چال تھی۔ اس نے بھارتی سکھ پلٹن کے کمانڈر کے احتجاج کے باوجود، بھارتیوں سے یہ پسپائی حکماً کروائی۔ جس پر اس وقت تو، ڈویژن کمانڈر کلونت سنگھ بھی ناراض ہوا۔ برگیڈئیر سین کا خیال تھا، کہ قبائلی سری نگر کے مضافات میں لوٹ مار مچا کر ایک دفعہ لوٹا ہوا مال کسی حفاظت والی جگہوں پر پہنچانے کیلئے محاذ سے چلے جائیں گے تو پھر بھارتی بھرپور حملہ کردیں گے۔ میرے لحاظ سے بھارتی سری نگر کے دفاعی حصار کو ۳ اور ۴ نومبر تک کافی مضبوط کرچکے تھے تو تب ہی ۴ نومبر کو بھارتی وزیر داخلہ سردار پٹیل اور وزیر دفاع بلدیو سنگھ نے بھی سری نگر کا دورہ کیا۔ اس کے بعد ہماری سرکاری تاریخ [۲۰] میں جو میجر اسلم کے پانچ ہزار مجاہدین سے شالا ٹنگ پر حملہ کی کہانی ہے کہ ایسا ۶/ ۷ نومبر کو ہوا۔ تو بھارتی صحیح [۲۱] طور پر کہتے ہیں کہ ۶/ ۵ نومبر کو کچھ قبائلی آدھی رات کے بعد لوٹ و مار کیلئے آگے بڑھے۔ تو بھارتی "منتظر" تھے اور آگے سے انہوں نے ایسا جوابی حملہ کیا۔ کہ قبائلیوں نے بارہ مولا تک فرار اختیار کرلیا۔ یکم نومبر سے ۷ نومبر تک ہماری سرکاری تاریخ اور ہر جگہ میجر اسلم کو پٹن اور شالا ٹنگ کی لڑائیوں میں کچھ زیادہ ہی "سہرے" باندھے گئے۔ کہ میجر اسلم ایک بازو سے بڑھ کر ریشم کے کارخانے اور ہوائی اڈے کے درمیان پہنچنا چاہتا تھا۔ تو عین اس وقت خورشید انور وہاں پہنچ گیا۔ اور اس نے سامنے سے حملہ کرادیا۔ یوسف صراف کے مطابق [۲۲] میجر اسلم نے جنرل اکبر خان کو جو تھوڑا عرصہ وہاں تھا اس کو بھی گزارش کی کہ وہ خورشید انور کو اس غلط کارروائی سے روکیں۔ لیکن خورشید انور پر اثر نہ ہوا۔

اب اکبر خان نے تو سری نگر کا محاذ ۳۱ اکتوبر کو چھوڑ دیا تھا۔ تو یہ بعد کی بہت ساری غلط "جمع اور تفریقیں" بہت پر تضاد کہانیاں ہیں جو میجر اسلم نے اپنے آپ کو سہرے باندھنے کیلئے گھڑ لیں۔ سیدھی بات یہ ہے کہ قبائلی مجاہدین اب ایک کھلی لڑائی میں باقاعدہ بھارتی فوج کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اور میجر اسلم نے اس ناکامی کی ذمہ داری خواہ مخواہ خورشید انور پر ڈال دی اور خود کو سہرے باندھتا رہا۔

مکمل فرار قبائلی مجاہدین سری نگر سے مکمل فرار کر گئے۔ بلکہ وہ بارہ مولا میں بھی نہ رکے میجر اسلم نے اپنے گرد جو زیادہ قلعے تعمیر کر دیئے۔ اور جہاں مجھے شک پڑا، تو میں نے تصویر کا دوسرا رُخ بھی پیش کر دیا۔ حالانکہ وہ میرے دوست ہیں اور میرے ہم سفر رہے۔ اور میں اس مہم میں ان کو اور ان کے پندرہ ساتھیوں کو سلام بھی کرتا ہوں کہ وہ لوگ بارہ مولا اور اوڑی کے درمیان رام پور میں رک گئے اور دشمن کے سامنے چٹان بننے میں کوئی فرق نہ چھوڑا۔ خورشید انور پہلے اوڑی آیا، اور وہاں سے چراغ شاہ کو لے کر چتاری پہنچ گیا اور کہا کہ اس کو وہ اپنا مرکز بنائیں گے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بھارتی جہاز آیا، جس نے کافی نیچی اڑان کی، لیکن فائر کی آواز کسی نے نہ سنی۔ تو خورشید انور نے چراغ شاہ کو بلایا اور اس کو کہا کہ وہ زخمی ہو گیا ہے۔ اس کو جلد ایبٹ آباد یا راولپنڈی پہنچایا جائے۔ چراغ شاہ کچھ حیران ہوا۔ لیکن اس کو زیادہ حیرانگی اس وجہ سے ہوئی کہ خورشید انور کو گولی کا زخم ان کی ران کے گوشت میں تھا۔ چراغ شاہ جو خورشید انور کا مداح تھا۔ اس کے سامنے سوٹ کیس میں سونا ہونے اور اس واقعہ نے خورشید انور کی شخصیت کو "پاش پاش" کر دیا۔ اب ہم اس محاذ پر تیرھویں باب میں واپس آئیں گے کہ اگلے باب میں بھارتی افواج کے کشمیر میں پہنچنے کے اثرات جو حکومت پاکستان پر ہوئے ان کو زیر بحث لایا جائے گا۔

کچھ قبائلی مجاہدین کے بارے [۲۳] اس باب کو ختم کرنے سے پہلے اکبر خان کی کتاب اور اپنے تجربات اور تحقیقات سے قبائلی مجاہدین کے کچھ اوصاف بیان کئے جائیں گے۔ آزادی کے وقت مسلح قبائلیوں کی تعداد دو لاکھ تھی۔ سرحد کے ایک انگریز گورنر الف کیرو کے مطابق لڑائی لڑنا ان کو وراثت میں ملا۔ ان کے خطے نے تاریخ کے جتنے حملے دیکھے یا برداشت کئے

دنیا کے کسی اور ملک نے نہیں دیکھے۔ پچھلے سو سالوں میں قبائلیوں نے اسلام کے سپاہی کے طور پر اپنے علاقے میں لڑائیاں لڑیں۔ قبائلی کا طریقہ یہ ہے کہ جب اور جہاں وہ چاہتا ہے، غائب ہو جاتا ہے۔ تب ہی وہ غیر متوقع جگہ پر پہنچ کر کام کر جاتا ہے۔ اس لئے اس کی برتری زادانہ حرکت میں ہے یہ لوگ طویل سفر کر کے بھی صبر و تحمل سے عقاب کی طرح "شکار" پر تو جھپٹ سکتے ہیں۔ لیکن خواہ ان کو کتنا ہی زیادہ امدادی فائر دیا جائے وہ دشمن کے مضبوط دفاعی پوزیشن یا گن پوسٹ پر حملہ نہ کریں گے۔ اور نہ ہی دشمن کے تابڑ توڑ حملوں کے بعد کسی دفاعی پوزیشن میں ٹھہریں گے۔ تو ان سے بھارتی دفاعی پوزیشن پر حملہ کرانے یا قبضہ کی ہوئی جگہ پر بیٹھ رہنے کی توقع کرنا بڑی غلطی تھی۔ علاوہ ازیں وہ لوگ مہاراجہ کی فوج سے لڑنے آئے تھے جب بھارتی ہوائی جہاز اور بکتر بند گاڑیاں میدان جنگ میں آگئیں۔ تو وہ لوگ پوچھتے تھے کہاں گئی پاکستان کی فوج۔ جہاں تک لوٹ مار کا تعلق ہے۔ وہ کون نہیں کرتا۔ قرآن پاک کی سورۃ نمل [۲۴] میں واضح ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔ ستمبر ۶۵ اور دسمبر ۷۱ میں جو علاقے ہم بھارت کو دے بیٹھے۔ تو بھارتی ہمارے مکانوں کے چھتوں کے علاوہ اینٹیں بھی اٹھا کر لے گئے۔ مظفر آباد سے "لوٹ مار" سے فارغ ہونے کے بعد جب پہاڑی علاقوں میں قبائلیوں کو کوئی "شکار" نظر نہ آیا تو ایک قبائلی اپنے پولیٹکل تحصیلدار کے پاس آیا اور پوچھا "صاحب خوچہ دلی کتنا دور ہے" [۲۵] مطلب کہ اگر دہلی ابھی دور ہے تو جو کچھ اس کو مل گیا ہے وہ اس کو گھر چھوڑ آئے اور پھر آکر جہاد میں شامل ہو جائے گا۔ اگر کسی صاحب کا ماتھا اس کہانی پر "ٹھنکے" تو اپنے گریباں میں جھانک لے کہ ۴۷ سالوں سے ہم پاکستان کے "انصار اور مہاجرین" اسی لوٹ میں نہیں لگے ہوئے۔ پھر ان قبائلیوں میں کچھ "خدائی خدمتگار" [۲۶] بھی شریک تھے جو لوٹ مار بھی کراتے تھے اور قبائلیوں کو پسپا کرانے میں بھی اہم رول ادا کرتے رہے۔

غلط طریقے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہم نے جو کرنل ایس بی شاہ [۲۷] کو سری نگر بھیجا۔ تو یوسف صراف کے مطابق [۲۸] ۔ وہ اس کام کے قابل نہ تھا۔ مہاراجہ تک اس کی رسائی نہ ہوئی اور مہاجن کو وہ کچھ دھمکیاں دے آیا تھا۔ اور کچھ لوگوں کے مطابق یہ قبائلی کرنل شاہ کی "سفارش" پر مہاراجہ کو ڈرانے دھمکانے کیلئے بھیجے گئے تو پھر بھی یہ غلط کاروائی تھی۔ یہ عاجز

گزارش کرچکا ہے کہ ان مجاہدین کے صحیح استعمال کی جگہ جموں کے علاقے تھے یا اکھنور، بیڑی پتن یا نوشہرہ پر چھاپے مارے جاسکتے تھے۔ اور اگر وادی میں ان کو استعمال کرنا بھی تھا۔ تو پہلے جموں کی ناکہ بندی کی جاتی اور قبائلیوں کو پہاڑی علاقوں میں کسی مستقر میں رکھ کر چھاپے مروائے جاتے۔ مہورا پر قبضہ کرکے مہاراجہ کیلئے "اندھیر اگھپ" کرنا بڑی غلط بات تھی اور ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک سازش تھی۔ اور اصلی بات یہ ہے کہ قبائلیوں کو پوری قوم اور فوج کے ساتھ شیر و شکر کرکے کسی منظم طریقے سے گنے چنے مقاصد کیلئے استعمال کیا جاتا۔ اور یہ ذہن میں رکھنا ضروری تھا کہ بھارتی فوج مداخلت کرے گی۔ تو پاکستان فوج کو بھی تیار رہنا ہوگا۔ کہ آگے پاکستانی فوج کو استعمال کرنا پڑا۔ لیکن بڑے بھونڈے طریقے سے۔ اور افسوس کہ وادی کے کشمیری مسلمانوں نے بھی وہ جذبہ نہ دکھایا جو آج دکھا رہے ہیں۔

خلاصہ اور اسباق سری نگر پر قبضہ ہوجانے سے ہماری ایک اخلاقی فتح ضرور ہوجاتی لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کے بعد حالات سدھر جاتے۔ شاید زیادہ خون خرابہ ہوتا۔ اور ہم جموں کی ناکہ بندی کرتے تو شاید دونوں ممالک میں جنگ چھڑ جاتی۔ اور کیا نتائج نکلتے یہ لمبی بحث ہے۔ مجھے تو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے ایک ہی بات سمجھ آرہی ہے کہ اللہ تعالی تنبیہ بھی کررہا ہے۔ اور مواقع بھی پیدا کررہا ہے کہ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۰۸ کے مطابق ہم پورے طور پر اسلام میں داخل ہوجائیں اور سورہ صف کے آیات ۱۰ اور ۱۱ کے مطابق جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنائیں۔ اور ایک دن ایسے ہونا ہے۔ اور کچھ خوش قسمت لوگوں کے سر پر اسلام کا سہرا بندھنا ہے کہ میر عربؐ کو یہاں سے ٹھنڈی ہوا جاتی ہے۔ اور جہاد الھند کی جو حضور پاکؐ خوشخبری دے گئے اس کا وقت قریب ہے۔ اور کچھ لوگوں کو ۱۹۴۷ء میں خیال پیدا ہوا کہ وہ وقت آگیا ہے کہ کچھ ہندو مسلمانوں کا نام سن کر ڈر جاتے تھے کہ یوسف صراف نے اپنی کتاب میں [۲۹]۔ اسی برگیڈیر (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) سین کی کتاب سے حوالہ دیا ہے کہ قبائلیوں کے حملے سے ڈوگرہ فوج کے ۱۸۵۴ افسر اور نوجوان ایسے سہمے کہ حملے کے دو ماہ بعد دسمبر ۱۹۴۷ء میں معلوم ہوا کہ وہ بادامی باغ میں راشن کھا کر کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کے حوصلے اتنے پست تھے کہ ان میں صرف چھ سو آدمی نوکری کے قابل سمجھے گئے۔ لیکن دو ماہ بعد وہ بھی ایسے نکمے ثابت ہوئے کہ ان

کو فوج سے نکالنا پڑا۔ اس کے بعد انگریزوں نے ہمیں ہمارے "ہاتھ پیر باندھ" کر ہندو سے جو مار دلوائی وہ کہانیاں قارئین کتاب میں پڑھتے رہیں گے کہ آگے ہمیں آہستہ آہستہ ایسے مرحلے تک پہنچا دیا کہ ہم نے اس ہندو کے سامنے نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوائے۔ اور غیرت اب بھی نہیں آرہی۔

حوالہ جات

(۱)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۱۹۔ (۲)۔ مجاہدین پر ہماری حکومت نے کرفیو لگایا ہوا تھا۔ اور بھارت اس سازش سے آگاہ تھا۔ (۳)۔ کشمیر کے حملہ آور۔ صفحہ ۵۲۔ (۴)۔ صفحہ ۷ اور ۸۔ (۵)۔ بک آن پاکستان بائی آئن سٹیفن صفحہ ۲۰۳ اور ۲۰۴۔ (۶)۔ جارج کننگھم کی ڈائری ۲۸۔ ۱۹۴۷ صفحہ ۲۳۔ (۷)۔ پنڈورا باکس صفحہ ۱۰۵ اور ۱۰۶۔ (۸)۔ ہماری سرکاری تاریخ اسی کارکردگی کا سہرا میجر اسلم کو باندھتی ہے (واللہ اعلم)۔ (۹)۔ ہماری سرکاری تاریخ میں برگیڈیئر کٹوچ کی بجائے برگیڈیئر سین کا نام ہے یہ غلط ہے کہ سین تو وہاں پہنچا ہی ۲ نومبر کو تھا۔ (۱۰)۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۶۲ تا ۷۰۔ (۱۱)۔ کہ بجلی بند تھی۔ (۱۲)۔ گڑ اور چنے۔ (۱۳)۔ فوجی فراست کا اظہار کہ دشمن کو ہمیشہ "بھگاتے" رہو۔ (۱۴)۔ نویں باب میں بارود کے سلسلہ میں ذکر ہوچکا ہے۔ (۱۵)۔ کرنل نیاز ارباب جو وفاقی وزیر بھی رہے اور اکبر خان کے ساتھ جیل بھی کاٹی۔ (۱۶) کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۸۴ اور ۸۵ وغیرہ (۱۷)۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۹۳۴۔ (۱۸)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۳۸۔ (۱۹)۔ راقم اس کو جانتا تھا کہ وہ ایک قابل افسر تھا۔ (۲۰)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۶۷ اور ۶۸۔ (۲۱)۔ ایضاً، صفحہ ۳۹۔ (۲۲)۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۹۳۸۔ (۲۳)۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۷۱ تا ۸۲۔ (۲۴)۔ آیت نمبر ۳۴۔ (۲۵)۔ قبائلی مجاہدین کو بتایا گیا تھا کہ وہ دہلی فتح کرنے جارہے ہیں۔ (۲۶)۔ یوسف صراف کی کتاب کے صفحہ ۹۰۸ پر ہے کہ خان قیوم کو پیر صاحب مانکی شریف کو بھیجنا پڑا کہ ان بدحواسی پھیلانے والوں سے مجاہدین کو خبردار کرے۔ (۲۷)۔ نویں باب میں ذمہ داری کا ذکر ہوچکا ہے۔ (۲۸)۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۸۰۱ تا ۸۰۳۔ (۲۹)۔ چوبیسواں باب صفحہ ۸۸۹ تا ۹۱۴۔

بارھواں باب

حکومت پاکستان بحیثیت ایک "مجبور" تماشائی کے

ہماری بے خبری ساتویں اور نویں باب میں بیان ہو چکا ہے، کہ ۲۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کو بھارت کا وزیر اعظم نہرو۔ اپنے وزیر داخلہ پٹیل کو ایک لمبے چوڑے خط میں یہ بھی کہتا ہے کہ اکتوبر کے آخری ہفتے اور نومبر کے پہلے ہفتے کے دوران اہم واقعات "رونما" ہونے والے ہیں۔ تو ۲۲ اکتوبر کو مجاہدین کشمیر میں داخل ہو جاتے ہیں اور اسی روز بھارتی اخباروں میں یہ خبریں بھی شائع ہو جاتی ہیں کہ ایسا ہونے والا ہے اور قائداعظم ایبٹ آباد میں بیٹھا فتح کا انتظار کر رہا ہے کہ اس کے بعد وہ جلد سری نگر پہنچے گا۔ یہ بات تو نہ ہوئی۔ البتہ ایک لنگڑے لولے آزاد کشمیر کی کشمیر کے ایک مغربی کونے میں ۲۴ اکتوبر کو ایک "حکومت" وجود میں آگئی۔ ۲۶ اکتوبر کو مہاراجہ نے کشمیر کا "الحاق" بھارت سے کر دیا۔ ۲۷ اکتوبر کو بھارتی فوجیں کشمیر میں داخل ہو گئیں۔ اور ۷ نومبر تک تمام قبائلی کشمیر سے پسپا ہو کر واپس پاکستان پہنچ گئے۔ حیرانگی کی بات ہے کہ حکومت پاکستان اور ہم اس سارے ڈرامہ میں اپنے پارٹ کے بارے ۴۷ سالوں سے بے خبر ہیں۔ اور نہرو دونوں طرفین کے ان حالات سے پہلے سے "باخبر" تھا کہ کون کیا کرے گا۔ ورنہ ایک طرفہ کارروائی سے تو یہ ڈرامہ نہ "رچایا" جا سکتا۔ دسویں باب میں یہ گزارش بھی ہو چکی ہے کہ سردار قیوم کے مطابق قبائلی مجاہدین کے اس اچانک حملہ یا پیش قدمی کے بارے میں قائداعظم بھی "آگاہ" نہ تھے [1]۔ لیکن اس واقعہ کے دو سال بعد اور قائداعظم کی وفات کے تقریباً ایک سال بعد ایلن کیمپبل نے اپنی کتاب میں کئی واقعات [2] سے پردہ اتار دیا۔ اور یہ بھی کہا کہ ۲۷ اکتوبر کو قائداعظم نے بھی پاکستانی فوجوں کو کشمیر میں داخل ہونے کا حکم دے دیا تھا لیکن اس کا حکم نہ مانا گیا۔ لیاقت علی اس وقت تک زندہ تھا۔ اس سے اس بات پر تبصرہ کیلئے کہا

گیا تو اس نے جواب دیا۔ "آگے کی فکر کرو اور کشمیر میں رائے شماری کیلئے تیاری کرو۔ یہ معاملہ جنگ سے حل نہ ہو سکتا تھا" اور آج تک ہم "رائے شماری" کی تیاری کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ نہرو اس سے بھی آگاہ تھا کہ ہمارے ملک میں کیا ہو گا۔ اور قائداعظم کو خیر "آگاہ" کون کرتا۔ اس کی حکم عدولی کی جاتی ہے۔ اور نہرو کی ہر خواہش پوری ہوتی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ سب کچھ انگریز کرا رہے تھے، نہرو ان کے "اعتماد" میں تھا۔ اور مسلمان اور قائداعظم ان کے دشمن تھے۔ اور ہمارے بیچ انگریزوں کے پروردے اور وہ "کھیپ" موجود تھی جس کو انگریز "تیار کر کے ہم پر "مسلط" کر گیا۔ اور یہ لوگ وہ کچھ کرتے تھے جو ان کو انگریز کہتے تھے۔ قائداعظم ان کی "مجبوری" تھی۔ اگر آپ یہ پہلو سمجھ گئے، تو میری ساری تحقیقات اور مفروضے آپ کے سامنے بھنور کی گرہیں کھول دیں گی۔

اب کیا ہوا؟ ہم تو دسویں باب میں صرف جارج کننگھم کے حوالے سے بھارتی اخباروں میں قبائلی مجاہدین کے کشمیر میں داخلے کی خبر کی اشاعت کا ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن یہ کیمپبل اپنی کتاب میں مزید کہتا ہے کہ قبائلیوں کے کشمیر میں داخلہ سے دو روز پہلے پاکستانی بری فوج کا سربراہ مسروی بھارتی فوج کے سربراہ لاکھرٹ کو آگاہ کر چکا تھا کہ مجاہدین ایبٹ آباد کے نزدیک اجتماع کر رہے ہیں اور وہ جلد مظفر آباد والے راستے کشمیر میں داخل ہوں گے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ انگریز اس سلسلہ میں بھارتی رد عمل اور اس کے بعد پاکستان کے رد عملوں کے بارے کچھ "پیش بینی" بھی کر چکے ہوں گے۔ قائداعظم ایبٹ آباد نہ تھا۔ لاہور تھا۔ اور لیاقت بھی لاہور میں تھا۔ تو اس عاجز کی تحقیق [3] کے مطابق، قائداعظم کو صرف یہ بتایا گیا۔ کہ وہ لوگ کشمیر کو آزاد کرانے کی کچھ تیاری کر رہے تھے۔ مجاہدین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ وہ کچھ جلدی کر گئے ہیں۔ اللہ خیر کرے گا۔ اور جب یہ ناکامی ہوئی تو قائداعظم کو بتایا گیا کہ "جوا" تھا۔ یا سیاسی عمل تھا جو ناکام ہو گیا۔ اس کو اب کسی اور طرح سے آگے بڑھائیں گے۔ لیکن قائداعظم اتنا "اندھیرے" میں بھی نہ تھا۔ اور اپنی مومنانہ فراست کیوجہ سے مجاہدین کی کشمیر میں کسی کارروائی سے پہلے جموں۔ کٹھوعہ روڈ کی ناکہ بندی اور سرینگر کے ہوائی اڈہ پر قبضہ کے ضروری عملوں سے وہ نہ صرف آگاہ تھا، بلکہ اس کو معلوم ہو چکا تھا، کہ ان دونوں عملوں کی

طرف بہت بری طرح سے بے پرواہی برتی گئی تھی۔ کہ آگے اس کے احکام میں واضح طور پر ان دونوں کاروائیوں پر زور دیا گیا۔

حیران کن ؟ لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ قائد اور لیاقت دونوں کی لاہور میں موجودگی کے باوجود نہ دونوں میں کوئی ملاقات ہوتی ہے۔اور نہ بری فوج کے سربراہ کو قائد، کشمیر میں داخلے کے احکام اپنے وزیراعظم اور وزیردفاع لیاقت علی کی وساطت سے دیتا ہے۔ ظاہر ہے قائداعظم لیاقت سے "مایوس" ہو رہا تھا۔ لیکن کیا کرتا۔ایلن کیمپبل کے مطابق قائد گورنر۔ہاؤس لاہور میں ٹھہرا ہوا تھا۔اور اپنے ملٹری سیکرٹری کی وساطت سے بری فوج کے "وقتی" سربراہ جنرل ڈگلس گریسی کا حکم دیا، کہ اسی وقت یعنی ۲۷ اکتوبر کو کم از کم دو پلٹنوں کو بھیج کر کٹھوعہ۔جموں روڈ کی ناکہ بندی کر دی جائے۔جنرل گریسی کے دو جواب جو بعد میں اخباروں میں بھی شائع ہوتے رہے وہ یہ تھے۔کہ اول پکا سربراہ جنرل فرینک مسروی مچھلیوں کے شکار کے "شوق" میں ایسی جگہ پر ہے جہاں اس کے ساتھ رابطہ نہیں۔اور دوم وہ سپریم کمانڈر۔آکنلیک کے ساتھ رابطہ کر رہا ہے کہ وہ اس اور مسروی کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا (اب گریسی سے کون پوچھتا کہ بھارتی فوج کو مہاراجہ کے الحاق پر دستخطوں سے ایک دن پہلے سری نگر کی طرف کوچ کا حکم مل جاتا ہے۔تو اس وقت آکنلیک سے کسی نے کچھ پوچھا تھا۔یا اس نے رکاوٹ ڈالی تھی)۔ایک تیسری بات جو گریسی سے اس عاجز نے سنی وہ یہ تھی "کہ وہ التوا چاہتا تھا۔کہ ایسی بات کا قائداعظم اکیلے کو فیصلہ نہ کرنا چاہیے تھا۔پوری حکومت کے سوچ و بچار کے بعد کوئی فیصلہ ہوتا"۔بہرحال یہ سارے التوا کے بہانے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جنرل گریسی نے لاہور فون کیا کہ قائداعظم کو بتایا جائے کہ جنرل مسروی کے ساتھ رابطہ ہو گیا ہے۔اور وہ جلدی لاہور پہنچ جائے گا۔کہ اسی دوران فیلڈ مارشل آکنلیک کا فون قائداعظم کو آجاتا ہے، کہ اس کارروائی سے دونوں ملکوں میں جنگ چھڑ سکتی ہے۔اور اس نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ بات کی ہے۔وہ بھارتیوں کو سمجھائے گا۔اس کے ذہن میں ایک "خاکہ" ہے جو لے کر وہ کل لاہور پہنچ جائے گا۔اور بہت اوپر سطح پر "دونوں" ملکوں میں فیصلہ ہو جائے گا۔اتنے تک قائداعظم فوج کے کشمیر میں داخلے کے معاملہ کو "التوا" میں رکھے۔اور ۲۸ اکتوبر کو آکنلیک لاہور پہنچ گیا۔

جہاں قائداعظم، لیاقت علی، جنرل مسروی اور پنجاب کے گورنر مودی کے ساتھ اس کی ایک میٹنگ ہوئی۔جس میں قائد نے صاف کہا، کہ دونوں حکومتوں کی کانفرنس کل یا زیادہ سے زیادہ ۳۰ اکتوبر تک ادھر لاہور ہی میں ہو۔بھارت والے اپنی ساری کابینہ کو لا سکتے ہیں یا اگر ایک آدمی بھی آئے تو وہ پورے اختیار سے آئے۔بھارتیوں نے فون پر جواب دیا کہ ایسا کرنا ۱ نومبر سے پہلے ناممکن ہے۔اس دن ماؤنٹ بیٹن۔جواہر لعل نہرو اور سردار پٹیل آئیں گے اور سب فیصلے میز پر ہوں گے۔قائد نے بڑی مشکل سے یہ تاریخ مانی [4]۔یہ سب باتیں اس زمانے میں اخباروں میں شائع ہوتی رہیں۔لیکن اندرونی طور پر ہمارے ملک کے رہنما کیا کرتے رہے۔اس پر ۱۹۷۳ء تک پردے پڑے رہے۔

کچھ پردے اترتے ہیں ۱۹۷۳ء کے بعد قائداعظم کے اس زمانے کے اے ڈی سی لیفٹیننٹ کمانڈر احسن [5] نے پہلے اخباروں میں مضمون لکھ کر اور بعد میں ایک کتاب میں جو لکھا اس کے حوالے سہروردی کی کتاب [6] میں بھی موجود ہیں۔اور یہ لکھا ہے "کہ جنرل گریسی جموں کی ناکہ بندی کیلئے جب دو پلٹنیں بھیجنے کے سلسلہ میں آئیں بائیں شائیں کر کے رضامند نہ ہو رہا تھا، تو قائداعظم نے لیاقت علی پر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنی کابینہ کو قائل کرے، کہ یہ ایک قومی ضرورت ہے۔اور ساری رات کابینہ میں سوچ و بچار ہوتا رہا۔لیکن لیاقت میں یہ حوصلہ پیدا نہ ہو سکا کہ وہ اس قسم کے کسی خطرہ میں کود جائے" (یہاں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ لیاقت علی نے خورشید انور اور قبائلیوں کو جو کشمیر کی وادی میں داخل کیا۔اس میں کوئی "خطرہ" نہ تھا۔یہ ڈرامہ تھا اور لیاقت اس "سازش" میں شامل تھا)۔اکبر خان اپنی کتاب [7] میں اسی روز یعنی ۲۷۔اکتوبر کی شام کو لیاقت علی کی ایک غیر سرکاری کانفرنس کا ذکر کرتا ہے اور کتنی افسوس کی بات ہے کہ یہ بات بھی قوم کو ۲۶ سال بعد ۱۹۷۳ میں معلوم ہوئی۔کہ پہلے دن سے کشمیر کے مسئلہ کو "غیر سرکاری" بنا دیا گیا۔اس کتاب کے مطابق دیگر اصحاب کے علاوہ دفاعی سیکرٹری سکندر مرزا (بعد میں صدر) سیکرٹری جنرل چودھری محمد علی (بعد میں وزیراعظم پاکستان) سرحد کے اس وقت کے وزیراعلیٰ خان عبدالقیوم، پنجاب کے اس وقت کے وزیراعلیٰ نواب ممدوٹ، بریگیڈیئر شیر۔خان اور کرنل اکبر خان اس کانفرنس میں شامل ہوئے [8]۔اس کانفرنس کی باتوں اور ان پر اکبر۔

خان کے تبصروں کو پڑھ کر آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور اکبر خان صاف کہتا ہے، کہ جو تجویز دی جاتی تھی اس کو رد کر دیا جاتا تھا، کہ ہمارے حکمران جنگ سے ڈرتے تھے، کہ کہیں بھارت پاکستان پر حملہ نہ کردے۔ اکبر خان کے مطابق بھارت حملہ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ اور بعد میں یعنی اپریل ۱۹۴۸ء میں پاکستانی افواج بھونڈے طریقے سے کشمیر میں داخل کی بھی گئیں تو بھارت نے حملہ نہ کیا۔

اکبر خان اور قائد کی ہم خیالی اس عاجز کی تحقیق کے مطابق ہر مومن کی سوچ ایک جیسی ہوتی ہے۔ قائد اور اکبر خان دونوں غیرت مند مسلمان تھے، تو دونوں کی سوچ ایک جیسی تھی۔ کہ دونوں سرینگر ہوائی اڈہ پر قبضہ یا اس کو ناکارہ کرنے اور جموں کی ناکہ بندی کو ضروری سمجھتے تھے۔ تو اکبر خان اور قائد نے جب سنا کہ بھارتی افواج بغیر کسی رکاوٹ کے سری نگر کے ہوائی اڈے پر اتر رہی ہیں تو اکبر خان نے راولپنڈی کے کمشنر خواجہ عبدالرحیم کو فون کیا۔ کہ مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے کرنل لطیف افغانی کے ماتحت ایک سو مجاہدین کو اکٹھا کیا جائے۔ اور ان کو چھپے راستوں سے سری نگر پہنچنے کی ہدایت کی۔ جو تیس مجاہدین کی قربانی دے کر بڈگام پہنچ تو گئے، لیکن سری نگر کے اڈہ کو ناکارہ کرنے کا وقت گزر گیا تھا۔ اور پچھلے باب میں ہم نے جو وہاں بھارتیوں کے نقصان کا ذکر کیا ہے، وہ بھی شاید انہی مجاہدین نے کیا۔ اور دوسروں نے اپنے سر پر سہرے باندھ لئے۔ اکبر خان اپنی کتاب [۹] میں یہ بھی کہتا ہے کہ قبائلیوں کے کشمیر پر حملہ کے بعد بھارتی امداد، اور کمک کا آنا ایک لازمی بات تھی۔ تو جموں کی ناکہ بندی بڑی ضروری تھی۔

اکبر خان کی تجویز اکبر خان اپنی کتاب میں مزید [۱۰] کہتے ہیں، کہ انہوں نے کانفرنس میں تجویز پیش کردی، کہ جس طرح قبائلیوں کو وادی میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی ہے، اسی طرح جموں کے علاقہ میں بھی ان کو داخلے کی اجازت دی جائے۔ اس کام کے لئے انہوں نے ایک، ایک ہزار کے تین لشکروں کی سفارش کی۔ اور ان کی کمانڈ کیلئے اپنا نام بھی پیش کردیا۔ اور ساتھ ہی کہا کہ نہ وہ پاکستانی فوج کے استعمال کی سفارش کر رہے ہیں۔ اور نہ حکومت پاکستان کو اس مہم میں براہ راست وابستہ کر رہے ہیں۔ کانفرنس کے اکثر شرکاء نے کہا کہ یہ

"جوا" ہے اور نواب ممدوٹ اور خان قیوم کو چھوڑ کر سب نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ ظاہر ہے لیاقت علی نے سب "اپنے" آدمی اکٹھے کئے ہوئے تھے اور قارئین کو چودھری محمد علی کے سلسلہ میں حیرانگی ہوئی ہوگی تو یہ بھی سن لیں کہ محمد زمان کیانی جس کا ذکر آٹھویں اور نویں ابواب میں ہو چکا ہے انہوں نے کھلے طور پر اخباروں میں مضامین لکھے کہ کشمیر کے اندر بھی ان کو دریائے چناب کے مشرق کی طرف کاروائی کی اجازت نہ تھی اور ان کے پاس مارچ ۱۹۴۸ء میں حکومت پاکستان کا ایسا حکم چودھری محمد علی لے کر آیا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کی انگریزوں کی "کھیپ" کو انگریز یا تو بے وقوف بنا رہے تھے یا شروع میں انگریزوں کی کوئی تجویز تھی کہ دریائے چناب سے مغرب کے کشمیر کے علاقے پاکستان کو دیئے جائیں گے اور مشرق کے بھارت کو [۱۱]۔ اس سلسلہ میں مسٹر سہروردی [۱۲] اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ اس کو محمد زمان کیانی نے بتلایا کہ جموں کے مسلمان پاکستان پہنچ گئے تھے کہ ان کو ہتھیار دیں، وہ سب کچھ کریں گے۔ جموں شہر سے چودھری حمید اللہ اور پروفیسر اسحٰق قریشی نے پیغام بھیجا کہ اس طرف کچھ کیا جائے اور محمد زمان کیانی تیار تھا لیکن اکتوبر ۱۹۴۷ء میں سخت احکام کے تحت اس علاقے میں سب کارروائیاں روک دیں۔ تب ہی قائد اعظم کی حکم عدولی کی گئی۔ اکبر خان کی تجویز رد کی گئی اور یہ بالکل جھوٹ تھا کہ سیالکوٹ سے مجاہدین بھاگ گئے ہیں۔ وہاں ان کو روپو چک میں "باندھ" دیا گیا تھا۔ اور اگر اکبر خان کو قبائلی مجاہدین ادھر لانے کی اجازت مل جاتی تو سب بھانڈا پھوٹ جاتا اور بھارت کی اس Exterior Line (بیرونی ذرائع) کے پرخچے اڑ جاتے۔ اور اس سازش سے اور بھی پردے اتریں گے۔ کیا قارئین کو اب کچھ شک باقی ہے کہ کون کیا تھا؟ اور کون کیا کرا رہا تھا؟ غلام کذاب کا پوتا ایم ایم احمد۔ گورنر مودی اور لیاقت یہ کچھ کرا رہے تھے۔ اور اگر کوئی ایسی تجویز تھی کہ انگریزوں نے ہمیں چناب کے مغرب کے علاقے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ تو زیادہ علاقے حاصل کرکے بعد میں کم علاقوں پر سمجھوتہ آسان ہوتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہ تھی کہ آگے ۲۰ اپریل ۱۹۴۸ء کے جنرل گریسی کے خط کا ذکر آئے گا کہ انگریز ہمیں یہی کچھ دلانا چاہتے تھے جو ہمارے پاس ہے۔

لبریشن کمیٹی اکبر خان کے مطابق کانفرنس رات کے دو بجے تک جاری رہی۔ اور اکبر خان

کی صرف ایک تجویز مان کر ایک لبریشن کمیٹی بنائی گئی۔ جس کے باقی ممبر۔ سردار ابراہیم، کمشنر پنڈی عبدالرحیم۔ وزیر خزانہ غلام محمد (بعد میں گورنر جنرل)، اور پولیٹیکل محکمہ کے کرنل یوسف تھے۔ دوسرے دن صبح لیاقت علی نے اکبر خان کو کمیٹی کا فوجی ممبر اور اپنا مشیر بنالیا۔ اور جی ایچ کیو کی ڈیوٹی سے فارغ کر دیا، اور کہا کہ سیاسی مقاصد حاصل کرنے کیلئے تین ماہ تک کسی طرح کشمیر میں جنگ جاری رکھی جائے۔ اور تمام سرگرمیاں انگریز افسروں سے "پوشیدہ" رکھی جائیں۔ یعنی انگریزوں کو اپنا "دشمن" کہہ کر لیاقت علی اپنی "حب الوطنی" کا اظہار کر رہا تھا۔ کتنا بہروپیا تھا لیاقت؟ "الامان۔ الامان"۔ پچھلے دو ابواب میں سری نگر محاذ کے اکبر خان کے جو مشاہدات بیان کئے گئے ہیں، تو اکبر خان اپنے طور پر مطالعہ کیلئے گیا ہوا تھا۔ لیکن اس نے حالات کی رپورٹ کسی کو نہ دینی تھی۔ کہ یہ لبریشن کمیٹی بڑی دیر کے بعد وجود میں آئی۔ اس کے صدر جسٹس دین محمد کی حب الوطنی۔ کشمیر کے ساتھ خاندانی وابستگی اور قابلیت پر کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اکبر خان [۱۳] اور سہروردی [۱۳] دونوں کے مطابق، صدر نے اس ادارے کو عدالت کے مطابق چلا کر ایک انکوائری والا ادارہ بنا دیا۔ اور جہاد یا جنگی کارروائیوں میں ذرا بھر بھی جان نہ ڈالی جاسکی کہ سب ممبر جنگ کے تقاضوں سے نابلد تھے اور صرف لیپا-پوتی تھی کہ کمیٹی کے ممبران کی حکومت پاکستان میں حیثیت بہت معمولی تھی۔ ادھر جو محمد-زمان کیانی کے تحت آزاد کشمیر کا جنرل ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ اس کے بارے جنرل اکبر خان [۱۵] رنگروٹ کی غیر مطبوعہ کتاب میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہے، کہ یہ لوگ زیادہ وقت راولپنڈی میں گزارتے تھے اور محاذ کے بارے "بے خبر" رہتے تھے۔ اس کے باوجود سوکھی روٹی اور گڑ و چنوں پر گزارہ کرنے والوں نے ایک سال جہاد جاری رکھا۔ اور یہ عاجز اپنی کتاب میں انشاء اللہ قوم کو ان عظیم ہستیوں سے ضرور روشناس کرائے گا۔

انگریزوں کا "التوا" اب آکنلیک نے "التوا" کرا کے جس کانفرنس کا بندوبست کیا۔ اس کے بارے ۳۱ اکتوبر کی بھارتی اخباروں میں یہ خبر شائع ہوگئی کہ سردار پٹیل اپنے پتاجی کی برسی کی وجہ سے لاہور کانفرنس میں شامل نہیں ہوسکتا۔ مہاسبھائی اخباروں نے گرہ لگائی کہ باپو جی (مسٹر گاندھی) پٹیل کو گئو ماتا کے کٹے ہوئے ٹکڑے (یعنی پاکستان) جانے کی کیسے اجازت

دے سکتے ہیں۔ لیکن یکم نومبر کو اخباروں میں "تردید" شائع ہوئی کہ پٹیل ضرور آئے گا"۔ اور اگر نہ بھی آیا تو جواہر لعل اس سے پورے اختیار لے کر آئے گا۔ البتہ ۲ نومبر کو اکیلا ماؤنٹ بیٹن آیا۔ بیماری کے بہانے نہرو بھی نہ آیا حالانکہ یکم نومبر کو اس کو دہلی میں ٹھیک حالت [۱۶] میں دیکھا گیا۔ تو ۲ نومبر کی کانفرنس "نشستند، گفتند و برخاستند" والی بات تھی۔ جن باتوں پر "اتفاق" ہوا۔ وہ حسب ذیل ہیں [۱۷]۔

ا۔ بھارت اور پاکستان مشترکہ طور پر ایک وقت مقرر کریں۔ جس کے بعد ۴۸ گھنٹوں میں جنگ بند ہوجائے۔ قبائلی لشکر یہ حکم نہ مانیں تو بھارت اور پاکستان ان کے خلاف مشترکہ کارروائی کریں۔

ب۔ تمام وہ ہتھیار بند لوگ جن کا تعلق بھارت یا پاکستان کے ساتھ ہے۔ وہ فوراً ریاست جموں و کشمیر خالی کر دیں۔

ج۔ ریاست میں بھارت و پاکستان دونوں کی مشترکہ ذمہ داری کے تحت رائے شماری کرا کے لوگوں کی رائے معلوم کی جائے، کہ وہ کس ملک میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

نتیجہ ماؤنٹ بیٹن نے بھارتی کابینہ سے منظوری کی مہلت مانگی۔ اور قائد نے مشکل سے ایک ہفتہ کی مہلت دی۔ دس دن تک کوئی جواب نہ آیا۔ یاددہانی پر بھارت نے مزید ایک ہفتہ کی مہلت مانگی۔ اور بھارتی جواب نہ آنا تھا اور نہ آیا۔ اس دوران جیسا کہ پچھلے باب میں ذکر ہوچکا ہے۔ مجاہدین سری نگر کا محاذ چھوڑ کر پاکستان پہنچ چکے تھے۔ اور درجن بھر مجاہدین اوڑی محاذ پر اسلامی غیرت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اور اصلی بات یہ تھی کہ دریائے راوی پر بھارت کو ایک بہت بڑا بیلی برج بنانے کیلئے جو دو ہفتے درکار تھے انگریزوں نے ان کو دلا دیئے، اور بھارتی فوجیں کوٹلی تک پہنچنے کے قابل ہوگئیں۔ پاکستان اور ہم سب بے بس اور مجبور تماشائی بنا دیئے گئے تھے۔ اور آج بھی یہی بات ہے۔ افسوس ہم اس طرف دھیان نہیں دیتے کہ کشمیر صرف جہاد کے ذریعے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

قبائلی لشکر اگر حکم نہ مانیں؟ قارئین! اس شق کی سازش کی گہرائی میں جائیں۔ کہ پاکستان "بے چارہ" تو بے بس ہے۔ سب کچھ قبائلی اپنے آپ کر رہے ہیں۔ اگر پاکستان کچھ

کراتا تو وہ جموں محاذ کھولتا۔ بلکہ پاکستان نے تو قبائلیوں کو اس طرف آنے ہی نہیں دیا۔ اور بھارت کے خلاف یہ محاذ نہ کھلے گا، اور نہ صرف ایسا ۱۹۴۸ء میں ہوتا رہا بلکہ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں بھی سیالکوٹ محاذ سے پسپائی ہوتی رہی اور جب اس عاجز نے ۱۹۸۴ء میں ایک اخبار میں مضمون لکھ کر اور ۱۹۸۵ء میں ایک کتاب [۱۸] لکھ کر یہ راز فاش کیا کہ دراصل یہ علاقہ بھارت کی کمزور ترین بیلی ہے۔ تو ہمارے فوجی صاحبان نے بھارت کی جنگی مشق "براس ٹیکس" کے وقت کچھ بکتر بند دستے جارحانہ صورت اختیار کرنے کی سکیم کے تحت ادھر بھیجے۔ تو بھارتیوں نے مشق ختم کر کے جلد اپنی فوجوں کو ہماری سرحدوں سے ہٹالیا۔

گہری سازش اصلی اور بہت گہری سازش یہ ہے کہ ہم جہاد کو طرز زندگی کے طور پر نہ اپنا لیں اور ہمیں غلط طریقوں سے استعمال کر کے اور "باندھ" کر بھارتی بنیوں سے مروا کر جہاد کے خلاف نفرت پیدا کرنا مقصود ہے۔ اور ایسے کام کسی لمبے عمل یا کارروائی یا Process سے کئے جاتے ہیں جو اب تک جاری ہے کہ پہلے ہمیں بھارت سے ڈرانا شروع کیا کہ ستمبر ۱۹۴۷ء میں ہمارے انگریز سربراہ جنرل مسروی نے جی ایچ کیو کے افسروں کو کہا کہ پاکستان نے اگر بھارت کے ساتھ جنگ "مول" [۱۹] لے لی، تو بھارت دس دن میں پاکستان کو تہ تیغ کر ڈالے گا۔ صرف غیر تمند اکبر خان نے جو اس وقت کرنل تھا آگے سے پروٹیسٹ کیا۔ ہمارے باقی سینئر افسران خاص کر سیالکوٹ کا برگیڈیئر کمانڈر افتخار خان (بعد میں میجر جنرل) دسمبر ۱۹۴۷ء میں ہمیں یہی "لوری" دے رہا تھا کہ ہم بھارت کے ساتھ لڑائی نہیں لڑ سکتے کہ اس کی فوج ہم سے تین گنا ہے اور اس عاجز نے آگے سے پروٹیسٹ کیا جو ذکر بائیسویں باب میں ہے۔ اور انشاء اللہ اس کتاب میں سب "کھوٹے سکوں" کی باری باری نشاندہی ہوتی رہے گی۔

ذرائع ابلاغ بد قسمتی سے ہمارے دانشور اور ذرائع ابلاغ صرف زبانی جمع تفریق کر کے ہمیں "جہان۔گیر"، "شاہ۔جہان" اور "عالم۔گیر" [۲۰] کے غلط دعووں کی طرح، دنیا کا پانچواں بڑا ملک اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کہہ کر غلط نشوں میں مدہوش کر رہے تھے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری کئے ہوئے ہیں کہ عوام کو بھی اللہ کا شریک بنایا جا رہا ہے، ملک اور قوم کا بیڑہ جس طرح یہ لوگ غرق کر رہے ہیں یا جتنے گئے گزرے لوگوں نے دانشوری کا

"لبادہ" اوڑھ رکھا ہے، یہ عاجز اس کی جھلکیاں اپنی کتاب "پنڈورا باکس" [۲۱] میں دے چکا ہے۔ ان ہی میں سے ایک سولین وردی پوش اور محکمہ تعلقات عامہ کے ڈائریکٹر کرنل ممتاز علوی (بعد میں خارجہ سیکرٹری) نے ایک بھارتی کو سب کچھ بتا دیا کہ ہم یہ کر رہے ہیں اور اس کی تفصیل بھارتی تاریخ [۲۲] میں موجود ہے۔ ان ہی میں سے ایک اور سولین وردی پوش کرنل مجید ملک نے آزاد کشمیر کیلئے جو محکمہ تعلقات عامہ کھڑا کیا۔ اس "سفید ہاتھی" پر کروڑوں روپے خرچ کئے گئے۔ لیکن جہاد کے سلسلہ میں تو کچھ نہ کیا۔ البتہ ہماری کوتاہیوں پر پردے ڈلوانے اور قوم کو گمراہ رکھنے کے سلسلہ میں بہت کچھ کیا۔ اور جب جہاد میں جمود آیا، تو اس محکمے نے قوم کا رخ اقوام متحدہ پر امیدیں باندھنے کی طرف موڑ دیا۔ اور ہم آج تک اسی "امید" کا سہارا لئے ہوئے ہیں۔

مشکل سوالات ؟ جو لوگ کھلم کھلا غیرت مند تھے اور مرنے مارنے کو تیار تھے یا جنہوں نے کھل کر کوتاہیاں اور غداریاں کیں۔ وہ لوگ تو کھل کر سامنے آجائیں گے۔ لیکن کچھ لوگ جو بین بین تھے یا وقت کے ساتھ "گزارہ" کر رہے تھے۔ کہ شاید حالات سنور جائیں، ان میں یہ عاجز چودھری محمد علی اور برگیڈیئر شیر خان جن کو میں ذاتی طور پر جانتا تھا، کا ذکر ضرور کرے گا۔ چودھری محمد علی نے سرکاری آدمی ہوتے ہوئے غیر سرکاری طور پر برگیڈیئر صدیق ستی کو مجاہدین کیلئے بلوچستان سے ہتھیار خریدنے بھیجا۔ تو ساری کہانی پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ کہ یہ تو برگیڈیئر صدیق ستی کی دیانتداری تھی۔ کوئی اور ہوتا تو لاکھوں روپے کماتا۔ اور کتنے "سادے" تھے ہم۔ یا کرنل شیر محمد، جن کا ذکر اکیسویں باب میں آتا ہے۔ وہ جب بھارت سے پاکستان میں دیر سے پہنچے۔ اور شیر خان کو گزارش کی کہ جموں محاذ کیوں نہیں کھولا گیا۔ تو آدھا جواب دینے کے بعد شیر خان کی زبان "بند" ہو گئی کہ وہ اپنے جذبات پر مشکل سے قابو پا سکا۔ شاید وہ بہت کچھ جانتا ہو گا لیکن "گزارہ" کر رہا تھا۔ بات بڑی سیدھی ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم ایک قوم ہیں اور مسلمان ہیں تو سات سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملک عطا کر دیا۔ لیکن قائد اعظم جو ہمیشہ سچی بات کرتا تھا۔ اس کو کہا گیا۔ کہ اب وہ صرف مسلمانوں کا لیڈر نہیں۔ پاکستان کا لیڈر ہے۔ اور یہاں اقلیتیں بھی ہیں۔ چنانچہ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو سرکاری "کارندوں" نے اس کی جو تقریر تیار کی اس میں زیادہ زور اس پر تھا کہ ہم سب "پاکستانی" ہیں۔ قائد اعظم بھی شاید اس

سازش کو نہ سمجھا۔ یہ اسلام کے ساتھ ہلکی سی "منافقت" کی "بسم اللہ" تھی۔ اور "دوغلے" ہوتے ہوتے ہم اب بالکل منافق بن چکے ہیں۔ اور اس منافقت نے ہمیں کشمیر کے مسلمانوں کے سلسلہ میں ایک مجبور تماشائی بنا دیا ہے۔ ایک طرف منافقت جس کو ہم نے "مصلحت" اور سیاست کے نام دے دیئے ہیں۔ دوسری طرف اللہ اور رسولؐ کے نام پر جہاد۔ یہ حرام اور حلال کیسے اکٹھے رہتے۔ ایک سال جو "گزارہ" کیا۔ وہ کہانی سری نگر۔ اوڑی محاذ پر واپس جاتے ہوئے اگلے باب سے شروع ہو رہی ہے اور قارئین! آؤ مل کر اپنی بے حسی اور بے بسی پر آنسو بہائیں اور ندامت کریں۔ شاید مالک کو ہم پر ترس آجائے۔ ورنہ یہ منافقت اب ہمیں ختم کرنے والی ہے

خلاصہ اور اسباق حکومت کی سطح پر کیا کچھ ہوا۔ اس عاجز نے سب پردے اتار دیئے ہیں قائداعظم کو فوج نے بھی مایوس کیا۔ اور اس کی حکم عدولی ہوئی۔ وہ بیمار تھے۔ اور کسی جگہ سے ان کو راحت نہ مل رہی تھی۔ انگریزوں نے پھر سازش کی اور معاملات کو التوا میں ڈلوایا۔ بھارتیوں نے ہندو ذہنیت کا کھل کر مظاہرہ کیا۔ لیکن ہم کوئی سبق سیکھنے کیلئے تیار نہیں ہو رہے اور اب بھی کشمیر کا سیاسی حل ڈھونڈ رہے ہیں۔ اور بھارت کے ساتھ بات چیت کر کے، کشمیر کا مسئلہ حل کرنا چاہتے ہیں۔ یوسف صراف اپنی کتاب [۲۳] میں ایک فرانسیسی مصنف کی کتاب کے حوالے سے کہتا ہے کہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جنرل گریسی نے راولپنڈی سے فون نمبر ۱۷۰۴ پر بھارتی فوج کے سربراہ جنرل لاکھارٹ کو دہلی میں فون نمبر ۳۰۱۷ پر قبائلی مجاہدین کے کشمیر میں داخل ہونے ان کی نفری۔ وغیرہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا اور یاد رکھیں کہ ہمارے دشمن انگریز اور اینگلو۔ امریکن بلاک والے ہیں، ہم نے صرف اپنے ملک میں "بھنگریزہ" انگریزوں کے "پروردوں" ان کی "کھیپ" اور ان کے طریقہائے کار اپنانے والے لوگوں یا مداحوں کو تلاش کرنا ہے۔ اور خواہ ایسا غیر جانبدار کھیل کرکٹ کے ذریعہ کیا جارہا ہو۔ ہم نے ان سب طور طریقوں کو بحیرہ عرب میں ڈبونا ہوگا۔

حوالہ جات

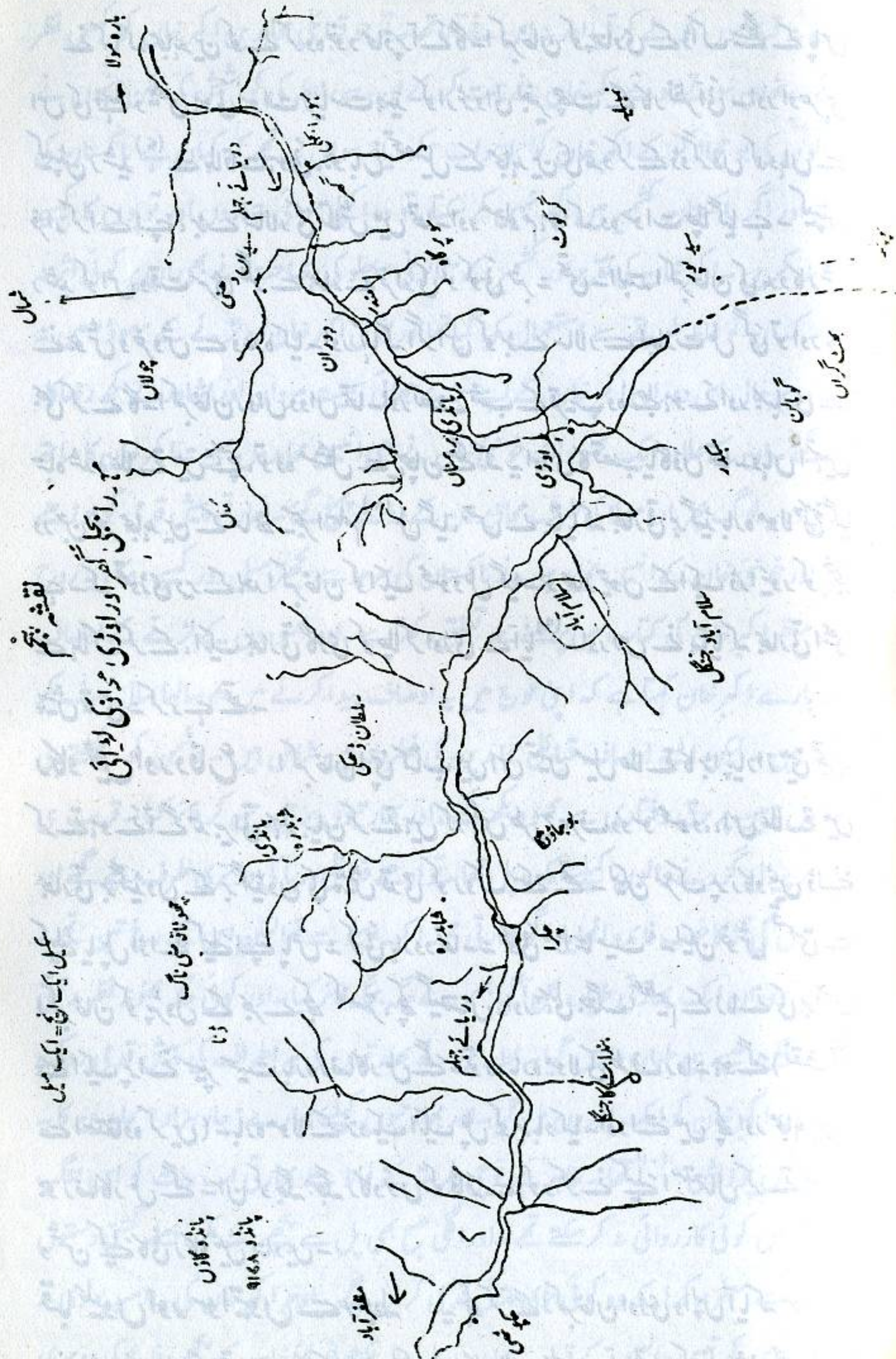
(۱) ۔ سب حوالے پہلے دے دیئے اور وہ دہرائے نہیں جارہے ۔ (۲) ۔ مشن ود ماؤنٹ بیٹن ایلن کیمپبل ۔ صفحہ ۲۶۶ ۔ (۳) ۔ کہ یہ عاجز "بن دیکھا بسمر" تھا۔ تفصیل تاشقند کے اصلی راز میں ہے خاص کر صفحہ ۸ سے استفادہ کریں ۔ (۴) ۔ اس عاجز نے آکنلیک کے ساتھ بھی کام کیا اور پاکستان بننے کے بعد بھی اس کے ساتھ "گپ شپ" ہوتی تھی ۔ اس نے مجھے بتایا کہ قائداعظم تو کہتا تھا کہ آکنلیک تجویز یا "خاکہ" بھارتیوں سے منوا کر لاتا ۔ لیکن بعد میں آکنلیک پاکستان کا بڑا ہمدرد بنتا تھا ۔ لیکن اس کے ساتھ بحث فضول تھی ۔ (۵) ۔ احسن صاحب بعد میں بحری فوج کے ایڈمرل بنے اور مشرقی پاکستان کے گورنر بھی رہے ۔ (۶) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۲۰۹ ۔ (۷) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۴۷ تا ۵۰ ۔ (۸) ۔ یوسف صراف اپنی کتاب کشمیریز فائیٹ فار فریڈم کے صفحہ ۸۵۹ پر جو خورشید انور اور چودھری حمید اللہ کی اس کانفرنس میں شرکت کا ذکر کرتا ہے وہ معاملات کو لیاقت کی پہلی کانفرنس کے ساتھ ملا دیتا ہے اور اس کی کتاب سے کوئی خاص نکتہ نہیں کھلتا ۔ کہ وہ کوئی چشم دید گواہ یا کوئی روئیداد نہ بیان کرسکا ۔ (۹) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۴۲ ۔ (۱۰) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۴۸ ۔ (۱۱) ۔ تفصیل تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۶۹ اور ۷۰ پر ہے ۔ (۱۲) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۲۰۳ ۔ (۱۳) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۲۲ ۔ (۱۴) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۲۰۹ ۔ (۱۵) ۔ جنرل اکبر خان رنگروٹ کا ذکر ہمارے سب سے سینئر افسر کے طور پر آٹھویں باب میں ہو چکا ہے ۔ کتاب کے آخری ابواب میں ان کے مشاہدات کا بھرپور ذکر آئے گا ۔ (۱۶) ۔ ایمرجنس آف پاکستان چودھری محمد علی صفحہ ۲۹۷ (۱۷) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۷۲ اور ۱۷۳ ۔ (۱۸) ۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۴۵ ۔ اور پنڈورا باکس صفحہ ۷ اور ۸ کے علاوہ ان کتابوں میں اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا گیا ہے ۔ (۱۹) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۱۹ ۔ (۲۰) ۔ اورنگ زیب عالمگیر کے الفاظ جنہوں نے دانشوروں کو ڈانٹا تھا کہ تم نے ہمیں وہ بنا دیا ۔ جو ہم نہیں (۲۱) ۔ صفحہ ۱۰۰ اور ۱۰۱ ۔ (۲۲) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۷ اور ۱۸ ۔ (۲۳) ۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم ۔ صفحہ ۹۱۴

تیرھواں باب

سری نگر۔ اوڑی محاذ۔ اور اکبر خان کی فوجی فراست

تانے بانے اپنے "مجبور" تماشائی ہوجانے کے بیان کے بعد گیارھویں باب کے وعدہ کے مطابق، ہم سری نگر۔ اوڑی محاذ پر واپس آکر اپنی "سرکاری تاریخ"[1] کے بیانات پر کتنا افسوس کریں۔ کہ اگلے دو ہفتے کے اہم واقعات پر ایک پیرا لکھ کر سب سہرا میجر اسلم کو باندھ کر صرف اتنا کہا گیا کہ ایک سیکٹر کمانڈر بھی تھا۔ پھر "بھارتی تاریخ"[2] کے جھوٹ کے پلندوں سے خاک مدد لیں۔ کہ ان کے مطابق بارہ مولا۔ اور اوڑی کے درمیان چار ہزار مجاہدین تھے۔ اور وہ صرف اوڑی سے پونچھ کی طرف ۲۲/۲۱ نومبر کو اپنے رابطے کے نقصانات کی بات کچھ صحیح طور پر کرتے ہیں۔ یہ سیکٹر کمانڈر کرنل اکبر خان طارق تھے، جن کے راولپنڈی کے گھر میں ۷/۶ نومبر آدھی رات کو پریشان خان قیوم[3] پنجاب کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ نواب ممدوٹ۔ اور کرنل اے ایس بی شاہ پہنچے[4] جنہوں نے کرنل اکبر خان کو بتایا" کہ وہ راولپنڈی، ایبٹ آباد، نوشہرہ، اور پشاور میں کئی فوجی افسروں کو مل چکے ہیں، کہ ان میں سے کوئی خورشید انور (جس نے ہاتھ کھڑے کر دیئے ہیں) کی جگہ لینے کو تیار نہیں کہ وہ مظفر آباد کی طرف بھارتی فوج کی پیش قدمی کو روکیں۔ لیاقت حکومت کشمیر میں ہرگز مداخلت نہیں کرتی اور نہ کسی سرکاری افسر کو سرکاری حیثیت میں کچھ کرنے کی اجازت ہے[5]۔ لیکن ساتھ ہی لیاقت کہتا ہے کہ کم از کم اگلے تین ماہ کشمیر میں جنگ ضرور جاری رکھی جائے"۔

اکبر خان کا ردعمل اس عاجز نے اکبر خان کی کتاب اور اس سے سوالات[6] اور سینکڑوں لوگوں سے تحقیق سے جو نچوڑ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ اکبر خان نے سوچا، کہ کسی نے تو یہ کام کرنا ہے، تو ایک پرانی سٹیشن ویگن، دو رضاکار سگنلروں، اور دشمن سے چھینے ہوئے ایک وائرلیس سیٹ اور کیپٹن (بعد میں برگیڈئیر) تسکین الدین کے ساتھ ۷ یا ۸ نومبر کو وہ اوڑی محاذ کی طرف روانہ ہوگیا۔ قیوم خان نے قبائلی مجاہدین کو محاذ پر واپس بھیجنے کا وعدہ کیا۔ بلکہ کرنل شاہ



نے کہا کہ مجاہدین کو لے کر وہ خود محاذ پر آئے گا۔ اکبر خان کو چتاری کے ڈاک بنگلے کے پاس اس کی پہلے دیکھی ہوئی سوات ریاست ہیڈ کوارٹر والی بغیر چھت کے کار نظر آئی ۔ اور ادھر ہی کیپٹن رشید [7] سے ملاقات ہوئی، جو باغ تحصیل کے مجاہدین کی مدد کر کے ڈوگروں کو وہاں سے فرار کرا کے اپنے، بڑے سالار کی تلاش میں تھا۔ اور معلوم ہوا کہ وہ سوات چلا گیا ہے ۔ کیپٹن رشید کو اس وقت سری نگر سے ہمارے فرار کی تو کوئی خبر نہ تھی ۔ البتہ اکبر خان کی مدد کا رشید نے جوش و خروش سے وعدہ کیا۔ اور کہا کہ اگر اس کو بڑے سالار سے اجازت مل گئی تو اور مدد بھی کرے گا۔ اکبر خان رواں دواں تھا۔ اور نصف شب کے قریب وہ جلے ہوئے اور بمباری سے تباہ شدہ علاقے میں پہنچے، تو وہ مشکل سے پہچان سکے کہ یہ اوڑی کا قصبہ یا گاؤں تھا۔ وہاں انہیں درجن بھر مجاہدین کے ساتھ میجر اسلم [8] مل گیا، جس نے بتایا کہ بھارتی برگیڈ بارہ مولا پہنچ گیا ہے ۔ کہ تھوڑی دیر کے بعد اکبر خان کو ایک محسود مل گیا۔ جو بھارتیوں کے ایک ڈرائیور کو خنجر سے ہلاک کر کے، ایک بھارتی گاڑی کو چلا کر اوڑی لے آیا [9] ۔ اور اس نے بتایا کہ بھارتی ابھی پیش قدمی نہ کر رہے تھے ۔

رکاوٹیں اور دفاع اکبر خان اپنی کتاب میں اس تیس میل علاقے کا بڑا پیارا زمینی تجزیہ کرتے ہوئے آگے تدبیراتی پہلو بیان کرتے ہیں کہ کس طرح صرف دو سو محسود،، اس علاقے میں بھارتی برگیڈوں کے برگیڈوں کی پیش قدمی کو روک سکتے تھے ۔ لیکن سڑک پر رکاوٹیں ڈالنے کیلئے یا پل اڑانے کیلئے اپنے پاس نہ کوئی بارود تھا۔ نہ کوئی "ڈائنامیٹ" ۔ لیکن خوش قسمتی سے اکبر خان کو پٹرول کے بھرے کچھ کنستر، کچھ گینتیاں، اور پہلی جنگ عظیم کے زمانے کی برجس پہنے ایک پرانے سپر سمیت بارہ رضاکار مل گئے ۔ تو وہ بارہ مولا کی طرف روانہ ہوگئے (نقشہ ہفتم سے استفادہ کریں) ۔ بارہ مولا کے نزدیک ایک پل کو برباد کیا۔ اور اتنے میں کچھ اور مجاہدین یا جو رضاکار مل گئے ۔ ان کو جگہ .جگہ رکاوٹوں کو فائر سے کور کرنے کیلئے استعمال کرتے ہوئے دشمن کیلئے کافی رکاوٹیں بنا دیں ۔

قبائلیوں اور سواتیوں سے رابطہ یہ کچھ کر کے اکبر خان اوڑی واپس آیا کہ سواتیوں نے جو مدد کا وعدہ کیا تھا، اس کا کیا ہوا۔ لیکن ان کا سالار واپس نہ آیا تھا۔ کرنل شاہ بھی حسب

وعدہ نہ قبائلیوں کو لے کر آیا اور نہ اس نے آنا تھا۔ تو جو قبائلی مجاہدین اکبر خان کو کہیں نظر آئے ۔ پٹھان ہوتے ہوئے اکبر خان نے ہمت کر کے ان سے رابطہ کی کوشش کی لیکن انہوں نے سوالوں کی بوچھاڑ کر کے اکبر خان کو "لاجواب" کر دیا۔ سوال یہ تھے کہ کہاں ہے پاکستان کی فوج اور اگر پاکستان کشمیر میں کچھ نہیں کر سکتا، تو وہ اکیلے ہوائی جہازوں اور توپوں کا کیسے مقابلہ کریں ۔ اکبر خان کی تقریر اور کشمیر کے "قانونی" پہلو کی وضاحت نے بھی ان پر کوئی اثر نہ کیا۔ کہ ان کو غلط طریقے سے استعمال کیا گیا تھا اور بقول اکبر خان وہ لڑنے کے "موڈ" میں نہ تھے ۔ بہر حال اسی دوران اکبر خان کے اپنے بڑے بھائی سمیت مردان اور پشاور کے کچھ رضاکار مل گئے ۔ ان کے علاوہ ایک محسود لیڈر خونی خان نے بھی انیس مجاہدوں سمیت اکبر خان کا ساتھ دیا۔ اور یہ لوگ پھر بارہ مولا کی طرف محاذ پر دن کے دو بجے پہنچ گئے ۔ بھارتی پیش قدمی کو بوڑھے سپر اور خونی خان کے انیس مجاہدین نے پاکستان کی سرحد سے پچھتر میل دور کیسے روکا، یہ روح پرور منظر اکبر خان کی کتاب میں پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے ۔ اور محسودوں کے لڑنے کے اوصاف کے بارے اکبر خان کہتا ہے کہ اپنی فوج میں یہ اوصاف پیدا کرنے میں ہم سالہا سال صرف کر دیتے ہیں ۔ لیکن ایسے اوصاف قبائلی مجاہدین کی فطرت میں شامل ہیں ۔ دشمن کو دیکھتے ہی موزوں زمین پر برق رفتاری سے محسود بکھر گئے ، اور بھارتیوں پر چن چن کر فائر کیا۔ قریب ہی دریا پر پیدل گزرنے والوں کیلئے ایک پل تھا۔ تو آدھے قبائلی دریا کی دوسری طرف چلے گئے اور ٹیکریوں کی آڑ کا خوب فائدہ اٹھایا۔ گو بھارتی حملہ ایک پہلو سے تھا لیکن اس کے رخ تین تھے ۔ اور اسی دوران ایک بھارتی طیارہ بھی آ گیا جس نے جگہ .جگہ فائر کیا۔ اور کوئی جگہ محفوظ نظر نہ آتی تھی ۔ لیکن جیسے ہی طیارہ واپس گیا۔ مجاہدین نے بھارتیوں کی ہر اطراف کی پیش قدمی روک دی ۔ اور اکبر خان کو ایک اور دن مل گیا۔ اور بھارتیوں کیلئے ہمارے "چار ہزار" مجاہدین کا یہ "ایڈوانس پوزیشن" [10] تھا۔ ظاہر ہے فوجی طریقہ کے لحاظ سے بھارتی اب رات کو اس تنگ علاقے میں کوئی کارروائی نہ کر سکتے تھے ۔ اور اگلی صبح بھی پل سے پیچھے ہٹ کر، پہلے گشتی دستوں سے حالات معلوم کرا کے وہ کوئی بڑی پیش قدمی کریں گے ۔ ادھر اکبر خان کی یہ امید پوری نہ ہوئی کہ اس کو تیس چالیس کے قریب مجاہدین مل جاتے جو خونی خان کے پیچھے دفاع کی دوسری

لائن بناتے ۔اس لیے اکبر خان اوڑی کی طرف حالات کے مطالعہ کیلئے واپس مڑا ۔اور بھارتیوں کے لگاتار فائر سے تنگ آکر خونیٔ خان کے مجاہدین بھی اندھیرا پڑنے پر واپس اوڑی آگئے ۔

اب «کشتیاں» جل گئیں بد قسمتی سے جو قبائلی مجاہدین اوڑی میں تھے، وہ گومگو کی حالت میں تھے ۔ کبھی رضامند ۔ کبھی صاف انکار ۔ان کی بڑی شکایت یہ تھی کہ یہاں سڑک کے آرپار پاکستانی فوج ایک مستقر بناتی ۔ پھر وہ یہاں سے نکل کر بھارتیوں کی تکا بوٹی کرتے رہتے ۔ ان کو دوبارہ یہ کہہ کر بھیجا گیا تھا، کہ فوج پہنچ گئی ہے ۔یہ ان کے ساتھ دوسری دفعہ دھوکا ہو رہا ہے ۔سورج غروب ہونے کے ایک گھنٹے کے اندر پیشتر قبائلی اپنی لاریوں میں سوار ہو چکے تھے ۔ ماحول پر پسپائی اور فرار چھا چکا تھا ۔اکبر خان کو خیال تھا کہ شاید ایک سو کے قریب مجاہدین وہاں رہ جائیں ۔ شاید پاکستان سے کوئی اور مدد پہنچ جائے ۔ لیکن اس کی ساری امیدیں "خواہشات" بن گئیں ۔قبائلی مجاہدین نے پیچھے کی طرف الیسارخ موڑا، کہ کیپٹن رشید جو تین سو آدمی لے کر پہنچا تھا، اس پر بھی اس پسپائی کا اثر ہو گیا ۔اور سب کے پیچھے رخ موڑنے کی افراتفری میں بعد میں اکبر خان کو معلوم ہوا کہ اس کا سٹاف افسر تسکین الدین اور وائرلیس سیٹ والے بھی بھاگ کھڑے ہوئے ۔اس عاجز کی تحقیق کے مطابق کیپٹن تسکین قادیانی تھا ۔ اور اس کے رشتہ داروں بریگیڈیئر (بعد میں میجر جنرل) حیاء الدین اور کرنل (بعد میں میجر جنرل) غلام جیلانی کا ذکر بالترتیب پونچھ محاذ اور شمالی علاقوں میں آئے گا ۔کہ یہ سب بہروپیئے تھے ۔اوپر سے بڑے محب وطن ۔ لیکن ان کو "ہدایات" کسی اور جگہ سے ملتی تھیں ۔ اور قبائلیوں کو تذبذب میں ڈالنے میں کیپٹن تسکین نے اہم "رول" ادا کیا ہوگا، لیکن اس کو کون پوچھتا ۔اکبر-خان کی خراب رپورٹ کے باوجود وہ پاکستان آرمی میں بعد میں بریگیڈیئر بن گیا[۱۱] ۔اکبر خان کے ساتھ صرف، بارہ مجاہدین رہ گئے ۔ جن میں میجر اسلم، ایک سابق صوبیدار، کرنل لطیف افغانی[۱۲]، دو ڈرائیور، دو پرانے فوجی، ان کا بڑا بھائی، ایک باورچی اور تین سولین شامل تھے ۔اکبر خان خود کے مطابق اس کا مشن مکمل ناکام اور چوبیس گھنٹوں کی کوششیں خاک میں مل گئیں، لیکن اس مرد مجاہد نے اعلان کیا" میں تو پیچھے نہیں جاسکتا کہ میں کشتیاں جلا بیٹھا تھا" یہ عاجز اکبر خان اور ان بارہ مجاہدین کو سلام کرتا ہے کہ "کشتیاں جل گئیں" اور اس عاجز خود کی "کشتیاں"

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جل گئیں کہ میں نے اپنے جوانوں اور محاذ کو چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا[۱۳] ۔اور پھر ملک کے سربراہوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کلمہ حق کہنے کی توفیق دیتا رہا ہے[۱۴] مشیت ایزدی نے حضور پاکؐ کے سپاہی[۱۵] کا نام عطا کر دیا تھا ۔اور اب ان تصانیف کے ذریعہ سے کلمہ حق کا پرچار ضرور کر رہا ہوں ۔

چار آفریدی مجاہدین اکبر خان نے یہ رات چھ مجاہدین کے ساتھ اوڑی محاذ کا دفاع کیا اور باقی چھ کو اپنے پیچھے دوسری دفاعی لائن بنانے کو کہا ۔ صبح سحری کے وقت ایک خیال اکبر سمیت چار آفریدی مجاہدین اپنی یونٹ سے "بھگوڑے" ہو کر، پرعزم طور پر ایک جیپ سمیت محاذ پر پہنچ گئے ۔پسپا ہونے والے قبائلی ان کو راستے میں ملے ۔لیکن ان کی پسپائی نے ان پر کوئی اثر نہ کیا ۔اور بارہ نومبر تک اکبر خان اور اسلام کے ان سولہ عظیم فرزندوں نے محاذ پر دشمن کو جو یہ دھوکا دیا کہ ہر پہاڑی پر مجاہدین موجود ہیں ۔اور بھارتیوں کو جو سڑک پر محدود کر دیا، عسکری تاریخ میں یہ بے مثال کاروائی ہے ۔ ۔جنہوں نے جنگ میں شرکت کی ہو، وہی سمجھ سکتے ہیں کہ ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی پر جانا یا پوزیشن تبدیل کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں، ہوتا ۔یہاں لڑنے والوں کو لڑانے والا موجود تھا تو یہ معجزہ ہوا ۔کہ بھارتی تاریخ کے مطابق جگہ جگہ سخت مقابلہ کیوجہ سے بھارتی بریگیڈ بڑی مشکل کے ساتھ ۱۳ نومبر کو اوڑی اور اس کے گردونواح پر قبضہ کر سکا ۔اکبر خان نے چکوٹھی کے نزدیک ایک گہرے نالے پر ایک لمبے پل کو توڑ دیا تھا، کہ وہاں گاڑیوں کیلئے کوئی متبادل راستہ نہ بنایا جاسکتا تھا ۔ بھارتی فوج کے ہراول دستے وہاں تک آئے ۔اکبر خان خود پر اور ان کی گاڑی پر بھارتی جہاز نے حملہ کر کے اکبر خان کے ایک عظیم ساتھی کو بھی شہید کر دیا ۔ایک بھارتی پلٹن نے حملے کیلئے پھیلاؤ بھی اختیار کیا ۔لیکن اکبر خان جن کو اب ان کے ساتھیوں نے طارق کہنا شروع کر دیا تھا ۔اس کی اللہ تعالیٰ نے عزت رکھ لی ۔اور یہ پوزیشن ایک آخری چٹان بن گیا

پاکستان اور مقامی رضاکار اکبر خان کی کوشش سے ریاستی فوج کے ایک افسر لیفٹیننٹ قدرت اللہ کے ماتحت مقامی ۵۰ کے قریب رضاکار بھی تیار ہو گئے اور تین سو کے قریب پاکستان کے سابق فوجی بھی رضاکارانہ طور پر محاذ پر پہنچ گئے ۔ان رضاکاروں کا اکبر خان نے میجر اسلم کے ماتحت کافی اچھا استعمال کیا ۔لیکن ایسا بھی ہوا کہ ایک جگہ سے سو رضاکاروں میں

سے دشمن کے ساتھ پہلی جھڑپ میں ۹۲ رضاکار بھاگ گئے۔ لیکن اکبر خان جو طریقے استعمال کر رہا تھا اس کا اصول تھا "ضرب لگاؤ اور بھاگو" جس سے دشمن کافی پریشان ہوتا تھا۔ لیکن کچھ رضاکار صرف دو طریقے استعمال کرتے تھے اول "دیکھو اور پھر بھاگو" اور دوم "صرف بھاگو"۔ یہ کوئی پکی فوج والا نظام تھا۔ نہ تنخواہ۔ نہ ڈبل راشن۔ نہ کوئی لالچ دیا جاسکتا تھا۔ نہ حکم عدولی یا ربط وضبط کے خلاف کسی حرکت پر سزا دی جاسکتی تھی۔ کاش! وہ لوگ بھی ساتھ ہوتے جنہوں نے ان کو "بھیجا" تھا۔ "کہ چڑھ جا بچہ سولی۔ رام بھلی کرے گا" دراصل کئی لوگ جہاد کے جذبہ کے تحت محاذ پر پہنچ تو جاتے تھے۔ پھر یہ کہتے تھے کہ یہ "صریحاً قتل" ہے اور یہ کہتے ہوئے کہ کوئی "پاگل" یہاں لڑسکے گا، یہ لوگ "خاموشی" سے محاذ کو چھوڑ دیتے تھے۔ جس کی دشمن کو خبر نہ ملتی تھی۔ لیکن آنے والے زور شور سے آتے تھے۔ تو بھارتی جاسوس ان کو یہ خبریں دیتے تھے۔ اور اس ڈر سے بھارتی زیادہ پیش قدمی نہ کرسکے۔ لیکن اکبر خان کے مطابق انہی میں سے جو لوگ محاذ پر ڈٹ گئے وہی ہمارا فوجی اثاثہ[16] بن گئے۔ اور ہماری سرکاری تاریخ[17] اور بھارتی تاریخ[18] دونوں کے مطابق ۲۲/۲۳ نومبر کی رات کا واقعہ اس محاذ پر ہماری عظیم کامیابی تھی۔

ایک خٹک لشکر

صوبیدار شادی گل کے ماتحت ایک خٹک لشکر نے اگلے محاذ سے ایک بھارتی پوسٹ کی خوب دیکھ بھال کی۔ پھر ڈھکی کے مقام پر واپس آکر دریا کو عبور کیا۔ اور رات کے اندھیرے میں چھپ چھپا کر دشمن کی اس پوسٹ سے تین سو گز کے فاصلہ پر پہنچ گئے پھر بھرپور حملہ سے پوری پوسٹ کو تہ تیغ کر دیا، جس میں اپنے چار مجاہدین شہید ہوئے۔ بھارتی اپنے اس نقصان کو تسلیم کرتے ہیں اور ہماری اعلیٰ تجویز کو بھی۔ لیکن ہمارے لشکر کی تعداد نو سو بتاتے ہیں اور بہانہ یہ تلاش کرتے ہیں کہ بھارتی زیادہ توجہ اوڑی سے پونچھ محاذ کو دے رہے تھے جس کا ذکر آگے آتا ہے تو مجاہدین نے ان کی "کمزوری" کا فائدہ اٹھایا۔ اور پھر۔ اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کیلئے سکھ یونٹ کے کوارٹر ماسٹر سے یونٹ کے لانگریوں ہشتیوں سے جوابی حملہ کرا کے ہمارے اس "عظیم" لشکر کو پسپا کرتے ہیں۔ شاید کچھ "بھنگی" بھی ساتھ ہوں، کہ بہانہ بناتے ہیں کہ یونٹ کہیں اور پھیلی ہوئی تھی۔ ہمارے مجاہدین "ضرب لگا کر بھاگ" چکے تھے اور یہی ان کا مقصود تھا۔ بھارتیوں نے تسلیم بھی کیا اور ساری رات ان کی توپوں کے دہانے کھلے رہے اور ان چار مجاہدین کے بغیر ہمارا کوئی نقصان نہ ہوا۔ کہ آگے والے دستے بہت

پھیلاؤ میں تھے۔

قبائلی مجاہدین کی واپسی

اکبر خان کے مطابق کفارہ ادا کرنے کیلئے اب قبائلی مجاہدین نے واپس آنا شروع کر دیا۔ لیکن اکبر خان، خورشید انور کی طرح کسی "حروش" کی اجازت کیسے دیتا۔ اس نے پہلے عظیم محسود رہنما گلاب خان کے تحت صرف تین سو محسودوں کو آنے کی اجازت دی۔ بھارتیوں کی زیادہ توجہ پونچھ پر تھی کہ وہ ایک طرف اوڑی والے راستے اور دوسری طرف نوشہرہ۔ جھنگڑ۔ کوٹلی والے راستے پونچھ کے ساتھ رابطہ باندھنا چاہتے تھے۔ اکبر خان جنگ کے ایک نبض شناس کے طور پر دشمن کے ارادوں کو بھانپ چکے تھے، اور محسودوں کے آنے کے دوسرے دن بعد، اکبر خان نے ان کو اوڑی کے جنوب میں گوپیاں کے مقام کے نزدیک بھیج دیا[19] اور پندرہ میل کا فاصلہ چھپ چھپا کر انہوں نے طے کر لیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے دن ان کو "شکار" مہیا کر دیا۔ کہ اپنے مخصوص انداز میں وہ ایک بھارتی کنوائی پر ٹوٹ پڑے۔ بھارتی فوج کے چھتیس ٹرک جل کر راکھ ہوگئے[20] اور بے شمار بھارتی مارے گئے۔ اپنی سرکاری تاریخ اکبر خان کا نام لئے بغیر اسے سیکٹر کمانڈر کی کارروائی کہہ کر اور تفصیل میں بھارتی نقصان اور ساتھ پانچ سو کے ایک سواتی لشکر کا بھی ذکر کرتی ہے جو ناکام لوٹے (واللہ عالم)

بھارتیوں کا بیان

[21] بھارتیوں نے سارے واقعہ کو تفصیل سے اپنی تجویز کے تحت ۲۰ نومبر سے لے کر ۲۵ نومبر تک کے واقعات اکٹھے بیان کئے ہیں۔ کہ پہلی کماؤں کو پونچھ پہنچانے کیلئے آدھی ڈوگرہ پلٹن۔ رسالے کے دو بکتر بند ٹروپ، ۱۷ ماؤنٹین بیٹری اور ایک مشین گن پلاٹون اس کی حفاظت یا امدادی دستے کے طور پر ساتھ جا رہے تھے، جنہوں نے واپس آجانا تھا۔ سڑک تنگ تھی۔ فاصلہ ۲۵ میل تھا۔ کماؤں پلٹن آگے نکل گئی۔ بندوبستی دستے پیچھے رہ گئے۔ ۲۰/۲۱ نومبر کی رات راستے میں رک کر گزارنا پڑی کہ ۲۱ نومبر کو جیسے کانوائی چلی تو مجاہدین نے سخت حملہ کر دیا۔ نقصان میں صرف ۲۴ گاڑیوں کی تباہی مانتے ہیں اور سولہ جوانوں کی ہلاکت اور چودہ کے زخمی ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن کہتے ہیں کہ اگلی کالم یعنی کرنل پریتم سنگھ کو پونچھ کے گھیرے کے اندر جانے کے احکام دے دیئے۔ اور سری نگر سے چوتھی کماؤں کو بلایا گیا کہ پیچھے والی کالموں کو مجاہدین کے جنگل سے چھڑایا وغیرہ کہ آرمرڈ کاروں کے پہنچنے بھی مجاہدین نے

فائرنگ کر کے پنکچر کر دیئے اور وہ حرکت نہ کر سکتی تھیں۔ ہماری سرکاری تاریخ میں دو الگ الگ صفحوں پر متضاد بیانات ہیں[۲۲]۔ لیکن آدمیوں کے بارے بھارتیوں نے بالکل جھوٹ بولا ہے۔ لیکن ہم اکبر خان کے بیان کو صحیح مانتے ہیں کہ بھارتیوں کا اتنا نقصان ہوا۔ کہ وہ اس قابل بھی نہ رہے تھے کہ ہماری چکوٹھی سے پیش قدمی کو روک سکیں۔

مجاہدین کی پیش قدمی اس کامیابی کے بعد، چکوٹھی سے سڑک پر پیش قدمی کرنے کی بجائے۔ اکبر خان نے پہاڑوں کے اوپر ہی سے مجاہدین کو آگے پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ اور جیسے وہ آگے بڑھتے تھے۔ نیچے سے بھارتی پوسٹیں فرار اختیار کرتی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ مجاہدین اوڑی کی دفاعی فصیل تک پہنچ گئے۔ یہ نومبر کے آخری ایام تھے۔ تین ہفتے پہلے اس محاذ پر صرف بارہ مجاہدین رہ گئے تھے۔ اور اس کے بعد بھارتی اوڑی سے پونچھ کے ساتھ رابطہ بھی باندھنے پر تیار تھے۔ لیکن اب بھارتی پونچھ سے بھی کٹ چکے تھے اور اوڑی میں جاکر دبک کر بیٹھ گئے۔ جو قدرتی طور پر اعلیٰ درجے کا دفاعی پوزیشن تھا۔

اوڑی پر بھرپور حملہ اکبر خان نے مزید قبائل کو بلانا شروع کیا۔ تو سب سے پہلے آفریدی آئے۔ جن میں اکبر خان کے دو اہم جماعت تھے، تو اکبر خان نے ان کو پونچھ محاذ پر بھیج دیا کہ اس محاذ کو مضبوط کریں اور وہاں سے بھارتیوں کا اوڑی کے ساتھ رابطہ نہ قائم ہونے دیں۔ اب اکبر خان کو مہمند قبائل کا انتظار تھا۔ اور ان سے جو اہم کام کرانا چاہتا تھا، اس میں سردیوں کی وجہ سے اب دیر نہ ہو سکتی تھی۔ تو اکبر خان پھر محسودوں کو ساتھ لے کر سات ہزار فٹ بلند پہاڑوں پر سے گزر کر جہاں دو تین فٹ برف جمی تھی اوڑی کے نزدیک ایک گاؤں گوہالن (نقشہ پنجم) کے پاس پہنچ گیا۔ یہ دسمبر ۱۹۴۷ء کا دوسرا ہفتہ تھا۔ دشمن کو کچھ خبر بھی مل گئی انہوں نے بڑے ہوائی حملے کئے اور ریڈیو سے ہمارے سو مجاہدین کو شہید کرنے کی خبر بھی دی حالانکہ ایک مجاہد بھی شہید نہ ہوا تھا۔ اکبر خان نے ایک لشکر کو اوڑی۔ بارہ مولا سڑک کی پچھلی طرف بھیج دیا۔ دوسرے نے تاک میں رہنا تھا۔ اکبر خان خود ایک اونچی جگہ بیٹھا تھا۔ جہاں سے اس نے مارٹروں کو فائر کرنے کا اشارہ دینا تھا اور یہ وہی مارٹریں اور گولے تھے جو چند دن پہلے بھارتیوں سے محسودوں نے چھینے تھے۔ لیکن مارٹر والے کچھ تذبذب میں پڑ گئے اور انہوں نے تجویز کے مطابق فائر نہ کھولا۔ مجاہدین زیادہ انتظار نہ کرسکے۔ اور انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اور دو

دن دشمن میں وہ کھلبلی مچائی کہ اکبر خان نے اپنی وائرلیس پر خود سنا کہ اوڑی کا بھارتی بریگیڈیئر سین، سری نگر میں اپنے ڈویژن کمانڈر سے پسپائی کی اجازت مانگتا تھا۔ کہ وہ اوڑی پر زیادہ دیر قبضہ نہیں رکھ سکتا۔ لیکن تیسرے روز ہمارے مجاہدین کا اپنا ایمونیشن بھی ختم ہو گیا۔ لیکن ساتھ برف باری شروع ہو گئی۔ تو ہمارے گناہوں نے بھارتیوں کو بچالیا۔ اور ان کی جان میں جان آئی۔

بھارتیوں کا بیان یہ عاجز حیران رہ گیا کہ بھارتی تاریخ[۲۳] نے اوڑی محاذ پر اس کارروائی کا ذکر تک نہ کیا۔ لیکن بھارتی تاریخ کے چھٹے باب میں، جہاں وہ جھنگڑ سے پسپائی پر کچھ پردہ پوشی کرتے ہیں وہاں دوسری پنجاب کی ایک پلٹن کے نقصان کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو سکھ پلٹن کا بھٹ گراں کے مقام پر (گوہالن کے ساتھ) نقصان کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ کہ کرنل سمپورن سنگھ زخمی ہوا۔ میجر عجائب سنگھ۔ ایک جونیئر افسر۔ صوبیدار تند سنگھ وی سی[۲۴] اور دو جے سی اوز اور ۷۵ سپاہی مارے گئے۔ اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔ اور چوتھی کماؤں پلٹن کی مدد سے سکھ پلٹن کو مجاہدین کے نرغے سے نکالا گیا۔ کہ ان لوگوں نے ۱۳ دسمبر سے لے کر ۱۸ دسمبر تک حملے جاری رکھے۔ اور کل نقصان سو سے زیادہ نہ ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں ۳۰۰ حملہ آور مارے گئے اور ۵۰۰ زخمی ہوئے۔ اب بھارتیوں کے بیانات کو کون مانے کہ ہمارے تو صرف گیارہ مجاہدین شہید ہوئے۔ اور بھارتی خود مانتے ہیں کہ ان کی اس پلٹن کو محاذ سے ہٹانا پڑا۔ اور اس کے بعد بھارتی تاریخ میں فروری ۱۹۴۸ء تک اس پلٹن کا نام سننے میں نہ آیا۔ کیا صرف پورے بریگیڈ میں سو آدمی مرے اور اتنے زخمی ہونے سے ایک پلٹن تین ماہ کیلئے ناکارہ ہو گئی۔ اور یہ لوگ اتنے ڈر چکے تھے کہ آگے اکیسویں باب میں ہندواڑہ کے نزدیک ہمارے چند مجاہدین کو دیکھ کر فروری ۱۹۴۸ء میں اس پلٹن کے سورما سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

مزید کارروائیاں دسمبر ۱۹۴۷ء کے آخری ہفتہ اکبر خان نے اس سیکٹر کی کمانڈ کرنل محمد شریف[۲۵] کے حوالے کی اور خود راولپنڈی جاکر طارق ہیڈکوارٹر کی بنیاد رکھی اور وہ واقعات سولھویں باب میں آئیں گے۔ اس محاذ پر ہماری سرکاری تاریخ[۲۶] کے مطابق بھارتی فوجوں کو اور زک پہنچانے کیلئے مہورا کے بجلی گھر پر جنوری ۱۹۴۸ء کے پہلے ہفتہ میں قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ کام ۹۰۰ محسودوں، ۴۰۰ مہمندوں اور ایک ہزار ضلع پونچھ کے مجاہدین نے

کرنا تھا اس سلسلہ میں پہلے مرحلہ میں کیپٹن یوسف کے ماتحت ۱۳ جنوری کو آفریدیوں کا ایک لشکر سلطان ڈھکی سے کتھائی نالہ ۔ سفیدہ جنگل اور قاضی ناگ سے ہوتا ہوا مہورا کے پیچھے پہنچ کر دشمن کی توجہ دوسری طرف کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ ۱۶ جنوری کو سخت برف پڑی ۔ اور یہ لوگ اپنا مشن پورا نہ کرسکے اور ۲۳ جنوری کو واپس آگئے ۔ اگر یہ لوگ اپنی کامیابی کا اشارہ بھیج دیتے تو اس وقت محمود میجر رانا کے تحت اور مہمند کیپٹن جان کے تحت درکوٹ کے مقام سے اوڑی پر حملہ کر دیتے ۔ اور اگلے یا تیسرے مرحلہ میں پونچھ کے مجاہدین نے آگے پیش قدمی کرنا تھی ۔ لیکن موسم کی خرابی کی وجہ سے سب کارروائیاں رک گئیں ۔ اور اس محاذ پر جمود آگیا ۔ ساتھ ہی اکیسویں باب میں کرنل شیر محمد (خالد) کے جو اس محاذ سے بائیں طرف آگے بڑھنے کی کہانی آئے گی ۔ تو اس کے اثرات اس محاذ پر بھی ہوئے ۔ اس لئے فی الحال ہم جہاد کے پھیلاؤ کی کہانی کو اگلے باب میں وہاں لے جائیں گے جہاں سے پونچھ کے علاقوں میں جہاد کی بسم اللہ ہوئی اور آزاد حکومت قائم ہوگئی ۔ اور یہ ذکر آٹھویں اور نویں باب میں تھے ۔

نتائج و اسباق ۔ تبصرے کے طور پر یہ بڑی افسوسناک بات ہے کہ اتنے اہم واقعات کو ہماری سرکاری تاریخ میں ایک آدھ صفحے پر بیان کر دیا گیا اور اکبر خان کا نام تک نہ لکھا گیا ۔ اس عاجز کے پاس اس سلسلہ میں اتنا مواد موجود ہے کہ صرف عسکری اسباق کیلئے کئی مضمون لکھے جاسکتے ہیں ۔ لیکن اختصار میری مجبوری ہے ۔ اس لئے نتائج اور اسباق کے سلسلہ میں صرف چند تبصروں پر ہی اکتفا کی جاتی ہے :۔

ا ۔ اگر خورشید "حروش" کے طور پر جانے کی بجائے پہلے اوڑی اور بارہ مولا کے علاقوں میں کوئی فوجی مستقر بنا لیتا ۔ تو بھارتی فوج کے وادی میں آجانے کے بعد ان کی تکا بوٹی کرنا آسان تھا ۔

ب ۔ اگر ہماری حکومت پہلے دن سے معاملات اکبر خان کے ہاتھ میں دے دیتی تو کشمیر بھارتی فوج کا قبرستان بن جاتا ۔ یا کم از کم ۲۸ اکتوبر کو ہی اس کو لبریشن کمیٹی کا فوجی ممبر بنانے کے علاوہ سارے معاملات اس کے حوالے کر دیتے تو اکبر خان قبائلیوں کا ٹھیک استعمال کرتے ۔ اور سری نگر سے اس طرح پسپائی نہ ہوتی ۔

ج ۔ اگر ۷ نومبر کو بھی اکبر خان کے ساتھ کچھ فوجی جوان یا کچھ ہتھیار بھیج دیتے تو اکبر خان بھارتیوں کو بارہ مولا سے آگے نہ بڑھنے دیتا ۔ اور بھارتی فوج کو شکست دینا آسان تھی ۔

د ۔ اور اگر جموں محاذ کھولنے کی اکبر خان کو اجازت مل جاتی ۔ تو پھر بھارتیوں کی حالت قابل رحم ہو جاتی ۔

ر ۔ ہماری حکومت بڑی دیر کے بعد جاگی اور اکبر خان کی اوڑی محاذ کی کارروائی نے سب "بڑوں" کو حیران کر دیا ۔ اور پھر دسمبر ۱۹۴۷ء میں جا کر اکبر خان کو طارق ہیڈ کوارٹر بنانے کی اجازت دی کہ سارے کشمیر کے معاملات کیلئے وہ فوجی تجویز بنائے ۔ اور اکبر خان نے جو کچھ کیا تو بھارتی فوج کے پرخچے اڑنے شروع ہوگئے ۔ کشمیر ہم طاقت سے حاصل کرنے والے تھے کہ اکبر خان کو طارق ہیڈ کوارٹر سے ہٹا لیا ۔ یہ سب باتیں آپ اگلے ابواب میں پڑھیں گے ۔

س ۔ حیرانگی کی بات ہے کہ لیاقت علی کی حکومت کو چوہدری محمد علی نے ضرور بتایا ہوگا کہ ۸ نومبر ۴۷ء کو نہرو نے اس کو کہا [۲۷] کہ کشمیر کے پاکستان میں شامل ہونے سے پاکستان مضبوط ہو جاتا ہے اور بھارت کیلئے خطرات پیدا ہوسکتے ہیں " تو کیا نہرو سیدھے ہاتھ سے لیاقت کے "سیاسی عمل سے ہمیں کشمیر دے دیتا" کبھی نہیں! کشمیر صرف جہاد کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے ۔

ص ۔ کشمیر کے دریاؤں کے پانی سے آج چولستان اور بلوچستان کے صحرا سونا اگل رہے ہوتے ۔ کہ اتنی زیادہ پن بجلی پیدا ہوتی کہ نہ صرف ہماری ریل گاڑیاں اور ساری ٹرانسپورٹ بجلی سے چل رہی ہوتیں ۔ بلکہ اس بجلی سے پانی کی لفٹ سکیموں کے تحت پوٹھوار اور ڈیرہ غازی خان یا ڈیرہ اسمٰعیل کے اونچے بیابان علاقے بھی زرعی علاقوں یا خاص قسم کے جنگلات میں تبدیل ہو چکے ہوتے ۔ اور کشمیر کو ہم جو ذرائع مہیا کرتے ۔ تو سارا کشمیر جنت نظیر کے علاوہ زعفران زار بھی ہوتا ۔

ض ۔ روحانی اور سیاسی وحدت یا بین الاقوامی دنیا یا وسط ایشیا سے خاص کر جو تعلقات ہوتے تو امت واحدہ کا تصور بہت عملی صورت اختیار کر چکا ہوتا ۔

حوالہ جات

(۱) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۶۹ ۔ (۲) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۴۱ اور ۴۲ ۔ (۳) ۔ کشمیر کے حملہ

آور صفحہ ۱، اور ۲۔ بے شک خان قیوم نے بعد میں نجی محفلوں میں تسلیم کیا کہ وہ پریشان تھا کہ خورشید انور کو کسی چال کے تحت یہ ذمہ داری دی گئی۔ (۴)۔ کرنل اے ایس بی شاہ، ایوب خان وغیرہ سے بھی سینئر کنگ کمیشنڈ افسر تھا۔ ملتان کا رہنے والا تھا۔ لیکن زیادہ تعلقات پٹھانوں کے ساتھ رکھتا تھا۔ اور اپنے آپ کو ٹرانس۔ افغان معاملات کا ماہر کہتا تھا۔ اس عاجز کے لحاظ سے وہ صرف "تقریباتی" آدمی تھا اور پاکستان کیلئے ایک دھیلے کا کام نہ کیا۔ ۱۹۹۱ء میں لاہور میں اپنی بیوی کے ہاتھوں قتل ہونے والا برگیڈیئر اقبال مہدی شاہ ان کا بیٹا تھا۔ (۵)۔ اس سلسلہ میں زیادہ تفصیل پندرھویں باب میں میجر (بعد میں کرنل) محمد اسلم عباسی ایم سی کی زبانی آئے گی۔ (۶) کشمیر کے حملہ آور، ساتواں اور آٹھواں باب اور مصنف کے سوالات کی تفصیل سولھویں باب میں ہے۔ (۷)۔ کیپٹن عبدالرشید موجودہ سولہ پنجاب کے ساتھ دوسری جنگ عظیم میں جاپانی قیدی ہوگئے، جہاں سبھاش بوس کی آزاد فوج میں شامل ہوگئے۔ جنگ کے بعد شاہ نواز۔ اور سہگل وغیرہ کی طرح انگریزوں نے ان پر بھی مقدمہ چلایا۔ لیکن باقیوں کی طرح اس نے کانگرسی بھولا بھائی ڈیسائی کی وکالات منظور نہ کی۔ اور پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگا کر مسلم لیگ کو اپنی وکالت کی گزارش کی جنہوں نے قاضی عیسیٰ اور کئی اور مسلم وکلاء سے اس کا دفاع کرایا۔ (۸)۔ یہی ایک گواہی میجر اسلم کی باقی "غلطیوں" کو دھو دیتی ہے۔ ورنہ اس نے کیا نہ کیا۔ جنرل گریسی سے اپنی سینارٹی کیلئے ایک خاص آرمی انسٹرکشن بنوائی اور جلد برگیڈیئر بن گیا۔ لیکن بعد میں اوروں کے پروٹسٹ پر یہ انسٹرکشن ختم ہوئی۔ اور کافی بیڑا پار بھی کیا۔ (۹)۔ اس محمود جانباز کی کہانی اکبر خان کی کتاب میں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ کہ ہمارے پاس لڑنے والے بہت ہیں۔ کاش کوئی ان کو صحیح طور پر لڑاتا۔ (۱۰)۔ بھارتی تاریخ میں ہے کہ کم از کم حملہ آوروں کی چار پانچ سو نفری وہاں تھی۔ (۱۱)۔ پشاور کے اس سلسلہ میں ۱۹۹۱ء میں ایک سیمینار میں برگیڈیئر تسکین پر بڑے سوال ہوئے اور اس کو شرمندہ کیا گیا۔ (۱۲)۔ مسلم لیگ نیشنل گارڈ سے تعلق اور بارہویں باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ سری نگر کے اڈہ کو ناکارہ بنانے کی کوشش کی۔ (۱۳)۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۱۷۸، ۱۸۰ اور ۱۸۱۔ (۱۴)۔ ایضاً، صفحہ ۲۲۶، ۲۵۸ اور ۲۵۹۔ (۱۵)۔ ایضاً، صفحہ ۵۔ (۱۶)۔ کاش ہماری قوم کو جنگ کے تقاضے سمجھ آجاتے۔ (۱۷)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۶۹ اور ۷۰۔ (۱۸)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۵۶ اور ۵۷ کے مطابق ۲۳ / ۲۲ نومبر کو صحیح سمجھا گیا۔ (۱۹)۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۰۷ اور ۱۰۸۔ (۲۰)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۷۰۔ (۲۱)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۵۷۔ (۲۲) صفحہ ۷۰ پر ۳۰ گاڑیاں اور صفحہ ۸۱ پر ۶۰ گاڑیاں۔ (۲۳)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۸۷ اور ۸۸۔ (۲۴)۔ نند سنگھ موجودہ پانچویں بلوچ میں حوالدار تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں برما کے محاذ پر کام مسلمانوں نے کیا اور انگریزوں نے وی سی اس کو دیا۔ (۲۵)۔ مردان کے میجر جنرل جہاں زیب کا بڑا بھائی۔ (۲۶)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۷۰۔ ۷۱۔ (۲۷)۔ ایمرجنس آف پاکستان صفحہ ۲۹۸۔

چودھواں باب

پونچھ اور ملحقہ علاقوں میں جہاد کا پھیلاؤ

زمینی پہلو آٹھویں اور نویں ابواب میں جن علاقوں میں جہاد کی بسم اللہ شروع ہوئی اور آزاد حکومت کا قیام ہوا، وہاں اور ملحقہ میرپور ضلع میں اب جہاد کے پھیلاؤ کے بیان سے پہلے وہاں کا زمینی پہلو یہ ہے، کہ پونچھ اور میرپور کے یہ دونوں اضلاع دریائے جہلم اور دریائے چناب کے درمیان واقع ہیں۔ پونچھ کے اوپر پیر پنجال پہاڑ ہے۔ جس کی چھوٹی چھوٹی شاخیں۔ ندی نالوں اور تنگ گھاٹیوں کو اپنے اندر سمیٹے شمال سے جنوب کی طرف گراوٹ کرتی ہیں۔ اور جہاں یہ شاخیں ختم ہوتی ہیں تو نیچے کے کچھ علاقے ساتھ ضلع جہلم اور ضلع گجرات کے میدانی علاقوں کی طرح ہیں۔ پیر پنجال کی ایک چاند نما شاخ ضلع پونچھ اور ضلع ریاسی کے درمیان ہے، جس کا آدھا پانی مغرب کی طرف اور آدھا مشرق کی طرف بہتا ہے۔ ویسے تمام علاقے میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور ٹیکریاں ہیں، جن کی بعض جگہوں کی سطح سمندر سے اونچائی چار ہزار فٹ تک ہے۔ اور بعض ایسی پہاڑیاں اپنے "سروں" پر چھوٹے چھوٹے میدانوں کو بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور وادیوں کا کوئی حساب نہیں۔ پنجاب کے مخالف رخ پر ان پہاڑیوں پر چیل کے درخت بھی ہوتے ہیں۔ لیکن جنوبی یا نچلے علاقوں میں صوبہ پنجاب کی طرح عام درخت اور جھاڑیاں ہوتی ہیں۔ تقریباً پانچ ہزار سے زیادہ آبادی والے شہر میرپور، باغ، پونچھ، بینڈھر، کوٹلی، نوشہرہ اور راجوری وغیرہ ہیں۔ اور اب راولاکوٹ اور پلندری کی آبادی بھی بڑھ گئی ہے۔ باقی مشہور مقامات منگ، سہڑا، ھجیرہ، اور جھنگڑ دھر مسال ہیں۔ ذرائع آمد و رفت کے سلسلہ میں دوسرے باب میں کچھ ذکر ہے کہ اس زمانے میں دریائے جہلم پر صرف کوہالہ اور آزاد پتن (لچھمن پتن) کے دو پل تھے۔ جہلم سے میرپور ایک پکی سڑک سے ملا ہوا تھا۔ اور ایک کچی سڑک میرپور سے جھنگڑ کے راستے کوٹلی اور آگے پونچھ جاتی تھی۔ ان علاقے کے لوگوں کی زبان پنجابی ہے اور زیادہ تر سدھن، عباسی، دھنیال، مردیال، جاٹ، گکھڑ، گوجر اور کچھ راجپوت اور اعوان قبائل ان

علاقوں میں رہتے ہیں۔ لوگوں کے سپاہیانہ اوصاف، ہمسائیگی اور زمین کی بناوٹ ہر لحاظ سے یہ علاقے جہاد کے پھیلاؤ کیلئے بڑے موزوں تھے۔ اور اگر ان لوگوں کی طریقے سے مدد کی جاتی تو یہ اکیلے مہاراجہ کی ریاستی فوج کو چند ماہ میں ختم کر دیتے، جس کی تعیناتی کا مختصر ذکر آٹھویں اور نویں باب میں ہے۔ اب قارئین واقعات کو نقشہ ششم کی مدد سے سمجھیں۔

جہاد کی بسم اللہ باغ کے علاقے میں ستمبر ۱۹۴۷ء میں مجاہدین اور ڈوگروں کے درمیان جنگ شروع ہو چکی تھی۔ پونچھ سے ہجیرہ والے راستے ڈوگروں کی باغ کی طرف کمک کو کھائی گلہ کے مجاہدین نے سڑک پر درخت کاٹ کر پھینک دینے سے روک دیا۔ اس سلسلہ میں گولیاں بھی کھائیں لیکن لوگوں نے منظم ہونا شروع کر دیا تھا۔ سردار ابراہیم [1] کے مطابق تحصیل مری کے ایک گاؤں بسیاں میں لوگ سکہ سے خود گولیاں بنا کر "مزل لوڈ" یعنی آگے سے بارود بھر کر کچھ پرانی رائفلوں کو بھی استعمال کر رہے تھے۔ مظفر آباد سے باغ والوں کی طرف جو کمک آئی۔ اس کے ایک افسر اور دو جوانوں کو سردار عبدالقیوم اور ایک مولوی محمد بخش نے اس رائفل کی مدد سے ہلاک کر دیا۔ جو چند دن پہلے ان ہی لوگوں نے ڈوگروں سے چھینی تھی۔ اور ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو چند اور مجاہدین کی مدد سے سردار قیوم نے دھیر کوٹ کے تھانہ پر حملہ کر کے وہاں ڈوگروں نے مسلمانوں سے جو ہتھیار لے کر اکٹھے رکھے تھے، وہ چھین لئے۔ جگہ جگہ مجاہدین نے اتنی رکاوٹیں پیدا کر دیں کہ مظفر آباد سے باغ کے ڈوگرے نہ چرالہ والے راستے اور نہ چکار والے راستے، اپنی بلائی ہوئی کمکوں سے کچھ مدد حاصل کر سکے۔ منگ کے عظیم فرزند اور فوجی سردار افسر خان ایم سی اور ان کے دو بھتیجوں نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں شہادت کے سلسلہ میں بارش کی پہلی بوندیں بننے کی وہ مثال پیش کی کہ باقی مجاہدین نے آخر ڈوگروں کے برین گن کے دستہ کو ہلاک کر کے ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ تو تین سو ڈوگرہ لشکر نے تباہی مچا کر انیس سو مکانات [2] جلا دیئے اور دھوئیں کے غبار مری میں ٹھہرے ہوئے غیر ملکیوں نے بھی دیکھے۔ اس کے بعد مجاہدین نے میجر بوستان خان اور کیپٹن حسین خان شہید کے تحت اس ڈوگرہ لشکر کو راولا کوٹ کی طرف فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

علاقے کے شرفاء [3] سب سے پہلے بڑے خان کا ذکر ضروری ہے جن کا بابائے پونچھ کے طور پر آٹھویں باب میں ذکر ہو چکا ہے۔ جنہوں نے اس بوڑھی عمر میں راولپنڈی جا کر چندہ اکٹھا

کیا اور مجاہدین کیلئے ایک ستون ثابت ہوئے۔ اس کے بعد یہ عاجز کیپٹن حسین خان شہید کو سلام پیش کرتا ہے، جس کو ہماری سرکاری تاریخ نے [4] شمالی علاقہ جات کے ایک اور عظیم مجاہد کیپٹن (بعد میں کرنل) مرزا حسن خان [5] کے ساتھ ملا کر ایک شخصیت بنا دیا۔ کیپٹن حسین خان شہید نے چالیس ہزار روپے اپنے پاس سے خرچ کر کے جو اس زمانے میں بڑی رقم تھی، ۴۰۰ رائفلیں قبائلی علاقوں سے خرید کر مجاہدین میں بانٹ دیں۔ اس کے بعد ایک شیر کے بچے کیپٹن خان محمد آف منگ (چھوٹا خان) کا ذکر ضروری ہے جس کی بہادری کی داستانوں پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ لیکن رہارہ کے میجر بوستان خان اور میجر رحمت اللہ۔ پلندری کے کرنل شیر احمد [6] ۔ کیپٹن ہدایت خان، کیپٹن فیروز خان اور صوبیدار خوشحال خان اور کئی صاحبان کا ذکر بعد میں آتا ہے یہ سب اسلام کے عظیم فرزند ثابت ہوئے۔ لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ہماری سرکاری تاریخ [7] نے راولا کوٹ کے گرد جہاد کے سلسلہ میں میجر اسلم کے بڑے بھائی میجر نصراللہ کو سارے سہرے باندھ دیئے۔ اس عاجز نے اس طرف اشارہ دسویں باب میں کر دیا تھا۔ اسی نصراللہ کو کوٹلی کی فتح کا روح رواں بھی بنا دیا گیا۔ حالانکہ وہاں زیادہ کام کیپٹن (بعد میں کرنل) محمود خان نے کیا جو ذکر بعد میں آئے گا۔ اور بسم اللہ ایک سخی دلیر نے کی۔ جس کی کہانی اختصار سے بیان کرنا ضروری ہے۔

سخی دلیر سخی دلیر ایک کتاب کا مضمون ہے۔ اور اس کے ساتھ ۱۹۹۰ء میں بہت باتیں بھی ہوئیں۔ وہ بہادر اور دبنگ آدمی ہونے کے علاوہ عجیب و غریب شخصیت کا مالک ہے اور اپنی کارروائیوں اور شخصیت کے گرد وہ افسانوی قلعے بھی تعمیر کرتا رہتا ہے۔ وہ پڑھا لکھا نہیں اور دوسری جنگ عظیم میں کسی سروس کور یا ورکشاپ میں نائک تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں جاپان کے جنگی قیدی ہو جانے اور تیرھویں باب میں بیان شدہ کیپٹن رشید کے ساتھ اپنے تعلقات اور اس کے ذریعہ سے مسلم لیگ اور قائداعظم کے ساتھ وہ اپنے تعلقات کی کہانی تو میرے سامنے صحیح نہ ثابت کر سکا۔ اور اس وجہ سے اس کو البتہ سبھاش چندر بوس کی فوج میں شامل محمد زمان کیانی اور باقی آزاد ہند فوج والوں کے ساتھ جو نفرت تھی۔ وہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ بڑا حق شناس ہے کہ وہ کہتا تھا کہ یہ لوگ دل سے متحدہ ہندوستان کے حامی ہیں۔ اور پاکستان ان کو "مجبوری" ہے۔ اس کے مطابق لیاقت علی کا خفیہ طور پر جواہر لعل نہرو سے "رابطہ" تھا۔

چنانچہ جہاد کے شروع میں سخی دلیر، میجر جنرل ایس ڈی خان بن گیا۔ اور سہروردی کے مطابق [۸] جب میجر (بعد میں کرنل) رحمت اللہ سلیریا [۹] اس کو ملا، تو سخی دلیر نے میجر جنرل کی وردی پہن رکھی تھی اور اس نے رحمت اللہ کو بتایا کہ قائداعظم نے اس کو علاقے کا کمانڈر انچیف مقرر کیا ہے۔ تو رحمت اللہ جیسے ضبط والے عظیم اور وفادار سپاہی نے اس کو سلیوٹ کیا۔ اور اس کے ماتحت کام کرنے پر تیار بھی ہوگیا۔ اور کچھ عرصہ کام کرتا بھی رہا۔ خیر اس زمانے میں ان "عہدوں" کی ضرورت تھی اور سخی دلیر نے کئی لانگریوں کو کیپٹن بنادیا۔ سہروردی کی کتاب [۱۰] میں عہدوں کی بھرمار اور جنرل اکبر خان اپنی کتاب میں "دو فیلڈ مارشلوں" اور آزاد حکومت کے وزیر دفاع کرنل علی احمد شاہ کے جرمنوں کی نقل میں "کیپٹن جنرل" بن جانے کا ذکر بڑے "مزاحیہ" انداز میں کرتے ہیں۔ تو سخی دلیر کے سر پر تو آزاد پتن اور راجوری کے فاتح ہونے کا سہرا ہے، اور اس نے اپنے نانا کے سگے چچا کے بیٹے ذیلدار سیف علی [۱۱] کو اپنے ہاتھ سے ذبح کردیا، کہ اس نے ڈوگروں کیلئے مخبری کی تھی۔ اس لئے سخی دلیر کے اچھے کاموں کا پلڑا بھاری ہے اور سخی دلیر کے مطابق یہ بڑے بڑے عہدے لوگوں کو دے کر ان سے کام کرانا مقصود تھا۔

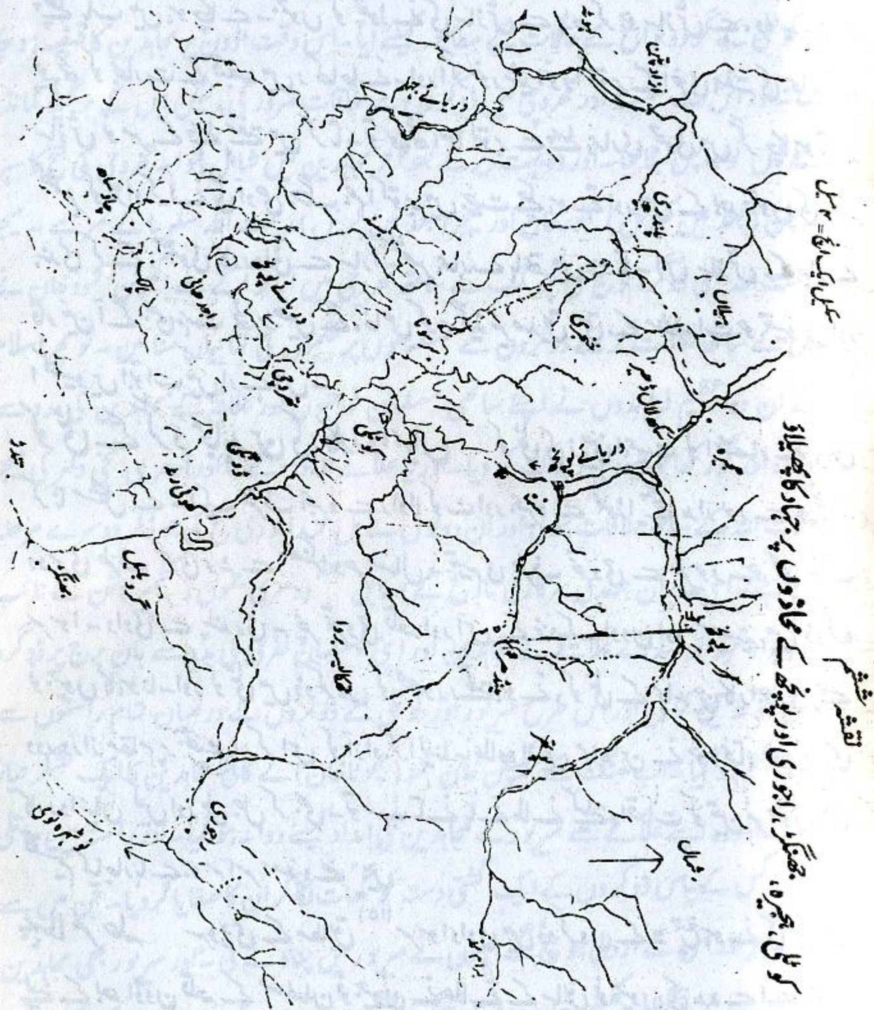
بیانات کی ترتیب کوئی مضبوط اور منظم مرکزی ادارہ نہ ہونے کی وجہ سے واقعات کسی ترتیب کے ساتھ ظہور پذیر نہ ہوئے۔ جو جگہیں پہلے فتح ہوجانا چاہیئے تھیں وہ بعد میں فتح ہوئیں، تو ہم اختصار کے ساتھ کیا کب ہوا اور کس نے کیا کچھ کیا۔ وہ پہلے بیان کریں گے کہ قارئین فتوحات کی "بے ترتیبی" والی بات سے پہلے آگاہ ہوں۔ مثال کے طور پر راولا کوٹ اور کوٹلی کے گردونواح کے علاقوں کے مجاہدین نے آزاد پتن پر اکتوبر کے دوسرے ہفتہ میں قبضہ کرلیا تھا لیکن راولا کوٹ از خود ۸ نومبر ۱۹۴۷ء کو آزاد ہوا۔ اور کوٹلی کے گردونواح کے مجاہدین نے جھنگڑ دھرمسال والے راستہ کی بجائے کیرایان والا راستہ استعمال کرکے ۱۲ نومبر ۱۹۴۷ء کو راجوری پر قبضہ کرلیا۔ لیکن کوٹلی از خود سے دشمن کا انخلا۔ ۲۷/۲۶ نومبر کو ہوسکا۔ اور میرپور صرف ایک دن پہلے ۲۵ نومبر کو آزاد ہوا، جس کیلئے مجاہدین نہ صرف منگ اور پلندری کے علاقے سے گئے ہوئے تھے بلکہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بھمبر کی فتح کے بعد بھمبر کے مجاہدین بھی میرپور کی جنگ میں شامل ہوگئے۔ اس سارے علاقے کا اہم مقام جھنگڑ دھرمسال ہے، جہاں ۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو نوشہرہ سے بھارتی افواج بھی پہنچ گئیں۔ اور راجوری کے ساتھ رابطہ میں یہ بڑی رکاوٹ

تھی کہ ۲۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو یہاں کی مجاہدین کی عظیم فتح تاریخ کے دھارا کو تبدیل کرنے والی تھی کہ کیا غداری ہوئی۔ ان سب باتوں کے تانے بانے ملانے کیلئے۔ ایک ایک مقام کی جنگ کو تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

آزاد پتن پر قبضہ راولپنڈی سے کہوٹہ اور اس کے بعد پنجاڑ کی طرف مڑنے کے بعد پنجاڑ سے چند میل آگے یہ پل ہے (نقشہ ششم) یہاں سے براستہ منگ، تھورار اور رہارہ، راولا کوٹ تک اور پلندری، تراڑ خیل اور ہجیرہ سے پونچھ تک دو برائے نام قسم کی کچی سڑکیں تھیں۔ اس زمانے میں کوٹلی کے لوگ بھی سہڑا۔ ھجیرہ، والے راستے۔ یا سیدھا پلندری آکر اسی پل سے پاکستان میں داخل ہوتے تھے۔ سہروردی کے مطابق [۱۲] اس پل اور گردونواح کے علاقوں کے آزاد کرانے کا سہرا سخی دلیر کے سر ہے۔ جس نے صرف بیس ہتھیار بند مجاہدین کو ایک "متحرک چھلاوہ" بنا کر نہ صرف پل سے ڈوگروں کو پلندری کی طرف فرار پر مجبور کردیا، بلکہ آگے پلندری اور کوٹلی کے درمیان سرسوا وادی کے ایک نالہ میں گھات لگا کر، ان تمام ڈوگروں کو ان کے گائیڈ ذیلدار سیف علی سمیت تہ تیغ کردیا۔ اس کے بعد کوٹلی کی حفاظت کرنے والے ڈوگرہ دستوں پر پے درپے حملے کرکے نہ ان کو وہاں پر محصور ہونے کیلئے مجبور کردیا، بلکہ پونچھ سے جو آرمڈ کاریں ان کی مدد کیلئے آئیں ان کو بھی پونچھ کی طرف پسپا ہونا پڑا، تو واقعی کوٹلی اور آزاد پتن کے گردونواح میں سخی دلیر کے نام کی دھاک بندھ گئی اور صحیح طور پر وہ علاقے کا کمانڈر انچیف بن گیا۔ ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق [۱۳] البتہ، آزاد پتن پر سخی دلیر اور کیپٹن حسین خان شہید کے پانچ سو مجاہدین نے مل کر کارروائی کی، جہاں تین گھنٹے ہاتھوں۔ ہاتھ لڑائی بھی ہوئی۔ اور ڈوگروں نے جو پل کو آگ لگادی تھی، مجاہدین نے اس کو بجھا کر پل کو بھی مرمت کیا۔ یہ سب باتیں ہماری سرآنکھوں پر لیکن میری تحقیق کے مطابق۔ کیپٹن حسین خان شہید کے سو کے قریب مجاہدین۔ سخی دلیر کی کارروائی کے چند گھنٹوں بعد وہاں پہنچے ضرور، اور پل کا نظام سنبھال لیا۔

سدھنوتی کے علاقہ میں جہاد میرے لئے کیپٹن حسین خان شہید کے مجاہدین بڑے عظیم ہیں اور سارے سدھنوتی کے علاقے کے گاؤں گاؤں سے اللہ اکبر کی صدائیں آرہی تھیں۔ ان مجاہدین نے پلندری اور راولا کوٹ کے علاقے میں اگر کوئی ڈوگرہ فوجی دستہ دیکھا تو یا اس

کو تہ تیغ کر دیا۔ یا راولا کوٹ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا کہ یہ اسلام کے عظیم فرزند پلندری کو بھی آزاد کرا چکے تھے۔ صوبیدار افسر خان شہید کی منگ میں خاندانی قربانی کا ذکر ہو چکا ہے۔ تو وہاں سے میجر بوستان خان کے مجاہدین نے منگ کے علاوہ تھر را(تھورار) اور ٹائیں سے بھی ڈوگروں کو بھگا دیا۔ اسی دوران کیپٹن فیروز خان اور اس کے مجاہدین نے تراڑ خیل، دیوی گلی بلکہ ہجیرہ تک کے علاقوں میں دشمن کا صفایا کر دیا۔ باغ میں سردار قیوم خان کے مجاہدین اور تیرھویں باب میں کیپٹن عبدالرشید کی ان کو مدد وغیرہ اور میرے سر کے تاج ان سب اسلام کے عظیم فرزندوں کی کامیابیوں کا مختصر ذکر ہو چکا ہے کہ اب ڈوگرہ صرف محصور حالت میں کوٹلی اور راولا کوٹ کے مقامات پر باقی رہ گئے تھے۔ چنانچہ پلندری میں آزاد حکومت کا قیام، اور تراڑ خیل میں ریڈیو سٹیشن کے قیام میں یہ فتوحات، جنجال کا جنگل، سلیر گاؤں کے نزدیک تنگ گھاٹی۔ ساتھ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں، تزویراتی طور پر یا حکمت عملی کے تحت ضرور ذہن میں رکھی گئیں کہ ۲۴ اکتوبر، ۱۹۴۷ء کو آزاد حکومت کے قیام کا ذکر نویں باب میں ہو چکا ہے۔ اس اچھے تزویراتی عمل کی آڑ میں البتہ جموں کو چھوڑ دینے یا سیاسی سازش والی بات کو نہ نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ ثانوی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ کہ یہ ایک "مرحلہ" تو ہو سکتا تھا۔ لیکن نہ وہ جو کچھ ہم "بناتے" رہے۔ بہر حال ۲۷ اکتوبر کو بھارتی افواج کے کشمیر میں داخلہ نے جہاد کے اس علاقہ میں بھرپور پھیلاؤ پر بڑے خراب اثرات کئے۔ ڈوگرے جو ہر جگہ ہتھیار پھینکنے کی تیاری کر رہے تھے، وہ باغ، راولا کوٹ، کوٹلی اور پونچھ میں کمک کی امید میں ٹھہر گئے۔ بھارتی تاریخ کے مطابق [۱۴] انہوں نے ۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو باغ اور راولا کوٹ پر ہوائی جہازوں سے دوائیاں پھینکنے کیلئے جو جہاز بھیجے، تو باغ پر حملہ آور قابض ہو چکے تھے اور گو ڈوگروں نے ۸ نومبر سے راولا کوٹ کے مکانات جلا کر اس جگہ کو خالی کرنا شروع کر دیا تھا، لیکن بھارتی تاریخ کے مطابق بھارتی جہاز ۱۱ نومبر تک راولا کوٹ کے مجاہدین پر حملے کرتے رہے۔ اور جب ڈوگرے وہاں سے بھاگے تو ان کا تعاقب بہت ضروری تھا، کہ اپنے فرار کے راستے پر وہ مسلمانوں پر ظلم پر ظلم کرتے تھے۔ اور ایسے سخت تعاقب اور بھرپور جنگ میں پونچھ اور اسلام کے عظیم فرزند کیپٹن حسین خان نے ٹولی پیر کے نزدیک اپنی زندگی کا مقصد یعنی شہادت حاصل کر لی۔ لیکن سارا علاقہ ڈوگروں کے ناپاک قدموں سے پاک ہو چکا تھا۔ کہ سب ڈوگروں نے جا کر پونچھ میں پناہ لی کہ ہجیرہ سے



نقشہ ششم

کوٹلی، ہجیرہ، جھنگڑ، راجوری اور پونچھ کے محاذوں پر جہاد

کیپٹن فیروز خان کے لشکر سمیت سدھنوں کے سدھنوتی کے تمام لشکر اور باغ سے قیوم خان اور عباسیوں کے لشکر پونچھ پہنچ گئے اور پونچھ کا محاصرہ کر لیا۔ اور اسی پونچھ کے ساتھ اوڑی محاذ سے ۲۰ نومبر کو بھارتیوں نے جو رابطہ کرنے کی کوشش کی اور اکبر خان نے اس کے پرخچے اڑائے وہ ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ جموں کو چھوڑنے کی سازش سے بڑھ کر جو سازش ہے، وہ یہ ہے کہ پونچھ کو بھارت کے قبضہ میں رکھا جائے۔ اور اگر خورشید انور اکتوبر کے آخری ہفتہ کی بجائے وہ سازش نومبر کے پہلے ہفتے میں کرتا۔ تو پونچھ ۳۱ اکتوبر سے پہلے ہماری جھولی میں گر چکا ہوتا اور کشمیر کو آزاد کرانے کی آدھی جنگ ہم اکتوبر میں جیت چکے ہوتے اور اس کے بعد جموں کی ناکہ بندی کر کے معمولی کارروائی سے سارا کشمیر ہمارے ہاتھ میں ہوتا۔ اس سازش کے بارے قارئین آگے بھی بہت کچھ پڑھیں گے، خاص کر بریگیڈیئر صدیق ستی کے مشاہدات جو تیسویں اور اکتیسویں ابواب میں آرہے ہیں۔

کوٹلی کے گرد مجاہدین کی کارروائیاں کوٹلی کی زمینی اہمیت کو اختصار سے بیان کرنا مشکل ہے۔ ایک طرف ہجیرہ سے راولا کوٹ اور ہجیرہ سے تھوڑا پیچھے مدار پور سے پونچھ۔ دوسری طرف کھوئی رٹہ سے جھنگڑ دھرمسال۔ تیسری طرف تھروچی سے میرپور۔ چوتھی طرف سرسوا۔ وادی سے پلندری۔ پھر تھروچی قلعہ اور اس کے نزدیک اوون اور سسینہ میں ڈوگرہ فوجیوں کا ہونا۔ اور کوٹلی میں ڈوگروں کو محصور رکھتے ہوئے، کوٹلی کے مجاہدین کا راجوری جیسے دور دراز مقام پر جھپٹا مار کر اس کو آزاد کرا لینا۔ علاوہ ازیں مجاہدین نے خود مختار طور پر بھی کارروائیاں کیں اور مل جل کر بھی۔ تو سب تانے بانے ملانے کیلئے واقعات کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے جو سراسر "مفروضے" ہیں

پہلا مرحلہ سہروردی کے مطابق [15] سرسوا وادی میں ڈوگروں کے تہ تیغ ہونے کی خبر سن لینے کے بعد اوون قلعہ کے مسلمان فوجیوں نے علاقے کے سابق فوجیوں کی مدد سے اپنے ساتھ گورکھا اور ڈوگرہ فوجیوں کو ہلاک کر دیا۔ سرکاری تاریخ [16] کے مطابق مسلمان پلٹون کمانڈر کا نام صوبیدار محمد اکبر ہے اور اس کی مدد صوبیدار پنشنر خوشحال خان اور علاقے کے ۷۰ سابق فوجیوں اور مجاہدین نے کی۔ کہ اس کے بعد نوشہرہ سے ڈوگرہ بریگیڈیئر چھتر سنگھ نے اوون پر دوبارہ قبضہ کرنے کیلئے جو لشکر بھیجا اُس کو بھی ان مجاہدین نے مل کر شکست دی اور یہ لشکر یا

ڈوگرہ دستہ تھروچی کے قلعہ میں چلا گیا۔ اس کے بعد سرکاری تاریخ [17] کا یہ بیان کہ تھروچی قلعہ پر قبضہ کیپٹن (بعد میں لفٹیننٹ کرنل) محمد حسین نے کیا، راقم کی تحقیق کے مطابق صحیح نہیں۔ سہروردی کی کتاب [18] کے مطابق کیپٹن محمد حسین، بریگیڈیئر چھتر سنگھ کے سٹاف افسر کے طور پر کوٹلی کے گردونواح کے حالات کے مطالعہ کیلئے آیا۔ اس وقت اوون پر مجاہدین کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اور اس نے سیسنہ اور تھروچی میں ڈوگروں سے ملاقات ضرور کی، لیکن اس کے بریگیڈ کمانڈر نے اس کو واپس بلا لیا۔ اور وہ بہت دیر کے بعد آکر مجاہدین میں شامل ہوا۔ تھروچی کی فتح کا سہرا کیپٹن (بعد میں کرنل) محمود خان اور میجر (بعد میں کرنل) رحمت اللہ سلہریا کے سر ہے۔ میجر رحمت اللہ بھی ڈوگرہ فوج کی کچھ کمک کے ساتھ تھروچی میں آیا تو آگے سے کیپٹن محمود خان نے اس کے ساتھ ملاقات کر کے ڈوگروں کے مسلمانوں پر ظلموں کی کہانیاں سنائیں۔ تو پھر اسلام کے ان دو عظیم فرزندوں نے اپنے ساتھی مسلمان فوجیوں اور علاقہ کے مجاہدین کی مدد سے ڈوگرہ اور گورکھا فوجیوں کو ہلاک کر دیا۔ اور یہ علاقے آزاد ہو گئے۔ اور ادھر ہی سخی دلیر کی میجر۔ رحمت اللہ کے ساتھ ملاقات ہوئی اور ان دونوں نے مل کر راجوری فتح کی جو ذکر دوسرے مرحلہ میں ہے۔ اسی دوران ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق [19] دوسری جموں و کشمیر پلٹن کے نائب صوبیدار عبدالرشید نے علاقے کے مجاہدین اور اپنی مسلمان نفری کی مدد سے بان برج پر ڈوگرہ نفری کو تہ تیغ کر دیا اور اس طرح میرپور اور کوٹلی کے ڈوگروں کے درمیان تمام راستوں سے رابطہ ختم ہو گیا۔ اب منگ کے کیپٹن خان محمد (چھوٹا خان) نے کافی مجاہدین کا ایک لشکر تیار کر لیا۔ اور وہ اپنے علاقے سے میرپور کے مجاہدین کی امداد کیلئے روانہ ہو گیا۔ اور راستہ میں جاتلی ہیڈ ورکس کے پاس ڈوگروں کے ایک گشتی دستہ کو گھات لگا کر ان کا صفایا کر دیا۔ جن میں سے ایک افسر اور اس کے اردلی جو بچ گئے انہوں نے میرپور میں پناہ لے لی۔ اور میرپور بھی مجاہدین کے گھیرے میں آگیا۔ کیپٹن خان دوسری جنگ عظیم میں موجودہ تیسری پنجاب کے ایک افسر کے طور پر افریقہ اور اٹلی کے محاذوں پر لڑائی میں حصہ لے چکے تھے۔ آپ ایک بڑے مدبر۔ نڈر اور بہادر افسر تھے۔ جن کے بارے آگے بہت کچھ آئے گا۔ کچھ مجاہدین نے کوٹلی کے ساتھ رابطہ والی سڑکوں کی پلیں توڑ دیں اور درخت کاٹ کر جگہ جگہ روڈ بلاک کر دی گئی۔ لیکن کوٹلی میں ڈوگروں کی تقریباً ایک پلٹن سے زیادہ نفری تھی۔ جس کو اب بھارتیوں نے ہوائی جہازوں سے

مدد دینا شروع کردی۔ تو کوٹلی کو فتح کرنا کچھ مشکل ہو گیا۔

دوسرا مرحلہ (راجوری کی فتح) میجر رحمت اللہ بڑا سلجھا ہوا مدبر فوجی تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں وہ مشرق وسطیٰ میں جنگ میں شرکت کر چکا تھا۔ وہ جھنگڑ دھرمسال کی فوجی اہمیت یعنی اس کے جنکشن پوائنٹ ہونے کے پہلو کو سمجھتا تھا۔ اور اس کو معلوم تھا کہ وہاں ڈوگرہ فوجیوں کی تعداد زیادہ نہیں اس لئے کوٹلی کے محاصرہ کو اس نے کیپٹن محمود خان کی ذمہ داری میں دے دیا اور خود سخی دلیر کو لے کر دو سو مجاہدین کے ساتھ ۹ نومبر کو جھنگڑ پر حملہ آور ہوا جو بات بھارتی تاریخ والے تسلیم کرتے ہیں [۲۰]۔ لیکن بھمبر سے بھاگے ہوئے ڈوگرہ اور نوشہرہ سے کچھ کمک جھنگڑ پہنچ گئی تھی، تو یہ حملہ کامیاب نہ ہوا۔ ساتھ ہی انہیں خبر ملی کہ راجوری جو کہ ریاسی ضلع کی تحصیل تھی۔ وہ وہاں سے نزدیک تھی اور وہاں ڈوگرہ فوج کی کل دو پلٹونیں تھیں۔ میجر رحمت اللہ نے اپنے لشکر سے دو پلٹونیں تو جھنگڑ کے شمال میں سریا کے مقام پر چھوڑیں کہ دشمن پر نظر رکھیں۔ اور خود سخی دلیر کے ساتھ راجوری کے مغرب میں چار میل کے فاصلہ کرایاں [۲۱] گاؤں پہنچ گیا۔ راجوری بڑا زرخیز اور آباد علاقہ ہے اور مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ ہے لیکن پسی ہوئی تھی۔ انہوں نے مجاہدین کے آمد کی خبر سن کر اللہ اکبر کی صدائیں دینا شروع کر دیں۔ پہلے ڈوگروں کی دو پلٹونوں سے کچھ صلح کی بات ہوئی۔ لیکن آخر حملہ کرنا پڑا۔ اور ۱۰/۹ نومبر کی رات کو حملہ، اور کچھ ہاتھوں ہاتھ کی لڑائی کے بعد راجوری فتح ہو گئی۔ ڈوگرے بھاگ گئے۔ لیکن ۱۱ نومبر تک ان کو جو مسلمان، بچہ یا عورت، راجوری کے گردونواح میں نظر آئے۔ وہ ان کو تہ تیغ کرتے رہے۔ حالانکہ وہ خود سترھویں باب میں مذکور گلگت کے گورنر برگیڈیئر گھنسارا سنگھ کی ماں سمیت کافی عورتیں اور بچے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ لیکن مجاہدین نے غیر مسلموں کیلئے ایک کیمپ بنا کر ان کو بڑی حفاظت سے رکھا۔ اور ۱۲ نومبر کو مکمل فتح کے بعد راجوری کے سول انتظام کا کام مسلم کانفرنس کے رہنما اور چودھری غلام عباس کے اس علاقے کے دست راست مرزا محمد حسین کے حوالے کر دیا۔ یہ لوگ جرال بھی کہلاتے ہیں اور راجپوت النسل ہیں لیکن مغلوں کے ساتھ دوستی کیوجہ سے مرزا کہلاتے ہیں [۲۲]۔ میجر محمد خان جرال اور کرنل محمد حسن مرزا بھی اسی خاندان سے تھے البتہ حسن مرزا کی والدہ گلگت اور شمالی علاقوں سے تھیں۔ شمالی علاقہ جات میں آپ ان لوگوں کی بہادری پر بہت کچھ پڑھیں گے۔ اگلے باب

میں ہم راجوری میں میجر (بعد میں کرنل) محمد اسلم ایم سی جن کا تعلق پرانے فسٹ پنجاب گروپ سے تھا۔ ان کے تحت یہاں جہاد کے پھیلاؤ کو زیر بحث لائیں گے۔ ہماری سرکاری تاریخ نے پھر غلطی کی اور ان کو آزاد افسر [۲۳] کہہ دیا۔

تیسرا مرحلہ (کوٹلی کی آزادی) ۳، ۵، ۹، اور اور گیارہ نومبر اور اس کے بعد باقاعدہ ہر روز بھارتیوں نے کوٹلی میں گھری ہوئی ڈوگرہ پلٹن کے لئے ہتھیار۔ سامان اور رسد وہاں جہازوں سے گرانا شروع کیا ہوا تھا [۲۴]۔ اور باہر جو مجاہدین تھے یہ جہاز ان پر گولیاں برساتے رہتے تھے۔ اور کٹھوعہ کے راستے برگیڈیئر پرانجاپے کے تحت بھارتی پچاسواں برگیڈ جموں پہنچ چکا تھا۔ اور ان کو حکم ملا کہ وہ لوگ ۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء تک ہر حالت میں کوٹلی پہنچ جائیں [۲۵]۔ اور بھارتیوں کی حوصلہ افزائی کیلئے سردار پٹیل وزیر داخلہ اور سردار بلدیو وزیر دفاع جموں آئے۔ اب اکھنور سے آگے بیڑی پتن کے علاقے پر کرنل علی بہادر چھاپے مار رہا تھا، جن کا پورا ذکر پندرھویں باب میں ہے۔ بھمبر کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے مجاہدین نوشہرہ پر چھاپے مار رہے تھے۔ اور ان میں سے کچھ میرپور چلے گئے لیکن کچھ جھنگڑ دھرمسال کے سامنے تھے۔ کوٹلی از خود کے گرد کیپٹن محمود خان کے علاوہ اس علاقے کا سیکٹر کمانڈر کرنل تاج محمد اور لہتراڑ کے علاقے سے ایک ستی بٹالین کے علاوہ دیری لشکر بھی وہاں پہنچ گیا۔ اور مجاہدین کی کل نفری چھ ہزار کے قریب ہو گئی۔ اور کھوئی رٹہ سے کوٹلی تک سڑک پر مجاہدین نے جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کی ہوئی تھیں۔ ان حالات میں برگیڈیئر پرانجاپے جس کے پاس بکتر بند، توپخانہ اور انجینیئر سب کچھ تھا، بالکل اس طرح پیش قدمی کرتا رہا۔ جس طرح انگریز آزادی سے پہلے قبائلی علاقوں میں کیا کرتے تھے یعنی دائیں بائیں پکٹیں چڑھا کر پیش قدمی کرنا [۲۶]۔ تو تب وہ بڑی مشکل کے ساتھ ۱۹ نومبر کو جھنگڑ اور ۲۶ نومبر کو کوٹلی پہنچ سکا۔ کہ صرف کھوئی رٹہ اور کوٹلی کے درمیان ۴۷ رکاوٹیں تھیں۔ مجاہدین نے ۲۰ نومبر سے کوٹلی میں گھری ہوئی فوج پر سخت حملے شروع کئے ہوئے تھے۔ اور پرانجاپے کو یہ حکم بھی تھا کہ وہ کوٹلی سے پونچھ کا رابطہ بھی بحال کرے۔ لیکن اس نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ ۲۷ نومبر کو کوٹلی سے ڈوگرہ پلٹن کو نکال کر جھنگڑ کی طرف فرار ہو گیا۔ ۲۵ نومبر کو مجاہدین نے میرپور کو بھی فتح کر لیا تھا تو ۲۷ نومبر تک کیپٹن خان آف منگ، اور بھمبر کے میجر افضل شہید اور کیپٹن اعظم [۲۷] بھی جھنگڑ کے گردونواح میں پہنچ گئے۔

تو پرانجاپے نے ایک پلٹن جھنگڑ میں چھوڑی اور خود باقی برگیڈ کے ساتھ نوشہرہ چلا گیا۔ بھارتیوں کو جہاں کوئی مسلمان نظر آیا اس کو شہید کر دیا۔ بلکہ کمینگی کی حد کر دی کہ کوٹلی کے ڈوگرہ فوجیوں کے ساتھ لیفٹیننٹ سردار علی کو بھی ساتھ نوشہرہ لے گئے، جہاں اس کو اس لئے شہید کر دیا کہ اس کا بڑا بھائی میجر (بعد میں کرنل) شیر علی مجاہدین میں شامل ہو گیا تھا[۲۸]۔ لیکن بھارتی حکومت نے پرانجاپے کی پسپائی والی بات کو پسند نہ کیا۔ اور اس کو بے عزتی کے ساتھ فوج سے نکال دیا اور اس کی جگہ برگیڈیئر محمد عثمان کو مقرر کیا۔ درحقیقت برگیڈیئر پرانجاپے کی کاروائی نے بھارت کو بہت فائدہ دیا۔ کہ نوشہرہ سے کوٹلی تک علاقے ایک برگیڈ سے سنبھالنا ناممکن تھا۔ بہرحال ابھی ہم نے بھمبر اور میرپور کے آزاد ہونے کی کہانی بیان کرنا ہے جس کو بیسویں باب میں بیان کرنے کے بعد جموں۔ نوشہرہ کے ذرائع آمد و رفت کے سلسلہ میں کہانی بائیسویں باب میں بیان کر کے تیئسویں باب میں جھنگڑ۔ نوشہرہ محاذ پر واپس آئیں گے۔ کہ اگلے باب میں جہاد کو راجوری کے محاذ پر پھیلا کر ہم نے مرکزی اداروں اور شمالی علاقہ جات کی کہانی بھی بیان کرنا ہے۔ کہ ہر محاذ پر جہاد کی پیش رفت کے ایک دوسرے کے ساتھ تانے بانے ملائیں۔ جنگ کے اس ارتقاء کو قرآن پاک کے الفاظ کے مطابق تھم تھم کر کے بیان کرنے میں مقصد یہ ہے کہ ہم آہستہ آہستہ اور ساتھ ساتھ چلیں۔ کہ اگر ایک محاذ کی پوری کہانی اکٹھی بیان کرتے جائیں تو پھر ہر اگلا باب ایک جھٹکے کے ساتھ شروع کرنا پڑے گا۔

خلاصہ ہزاروں غازیوں اور شہدا کی کہانیاں مجھ تک نہ پہنچیں۔ ان کی جزا اللہ کے پاس ہے کہ انصار مدینہ کی طرح اس دنیا میں ان کی شہرت اللہ کو منظور نہ تھی[۲۹]۔ لیکن کسی ایک کتاب میں آپ کو اتنے حالات کا نچوڑ نہ ملے گا۔ لیکن میں پھر بھی ان واقعات کو حالات کا خلاصہ ہی کہوں گا۔ اور اپنوں کے بارے مجھ سے کچھ زیادہ صرف یوسف صراف کی دو جلدوں والی کتاب میں ہے[۳۰]۔ البتہ دو تبصرے ضروری ہیں۔ اگر خورشید انور "حروش" سے کاروائی نہ کرتا۔ تو مہاراجہ کو تب حالات کا پتہ چلتا کہ پونچھ اور میرپور کے مجاہدین درہ بانہال کے پاس پہنچ چکے ہوتے اور پھر وہ اس آسانی سے اور سامان لے کر جموں تک فرار نہ کر سکتا۔ دوسرا کہ ہم منظم نہ تھے۔ کوئی مرکزی ادارہ نہ تھا۔ اور آگے سولھویں باب میں جنرل اکبر خان نے جو طارق

ہیڈ کوارٹر بنا کر ہمیں بہت بعد میں کچھ منظم کر لیا۔ تو تاریخ کا دھارا تبدیل ہونے لگا۔ لیکن .... اس کا انتظار کریں کہ کیا ہوا۔ یہ بھی آپ نے پڑھ لیا ہوگا کہ لڑنے والے تو بہت تھے لیکن ان کو صحیح طور سے لڑایا نہ گیا۔

حوالہ جات

(۱)۔ دی کشمیر صنعا۔ صفحہ ۹۔ (۲)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۰۸۔ (۳)۔ ان صاحبان سے معذرت کرتا ہوں۔ جن کے واقعات مجھ تک نہ پہنچ پائے۔ (۴)۔ دی کشمیر کیمپین۔ صفحہ ۵۴۔ (۵)۔ مرزا حسن خان کا آگے شمالی علاقہ جات میں سترھویں باب اور اس سے آگے کافی ذکر ہے۔ (۶)۔ کرنل شیر احمد بعد میں آزاد کشمیر کے صدر رہے اور بھلے آدمی تھے۔ آپ کو کئی دفعہ اکیسویں باب میں بیان شدہ کرنل شیر محمد (خالد) کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے۔ جو بعد میں جھنگڑ دھرمسال کے نزدیک بھلی سیکٹر کے کمانڈر بنے اور ان شیر احمد نے ان کے ماتحت کام کیا۔ (۷)۔ راولاکوٹ کیلئے دی کشمیر کیمپین کے صفحہ ۵۵ پر اور کوٹلی کے لئے اسی کتاب کے صفحہ ۸۷ پر سارا سہرا میجر نصر اللہ کو باندھ دیا گیا۔ تو اس عاجز نے اب کہانی اپنی تحقیق کے مطابق لکھی ہے۔ (۸)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۴۵ اور ۱۴۶۔ (۹)۔ میجر رحمت اللہ دو تھے۔ اس لئے ان میجر رحمت اللہ کے نام کے ساتھ سیلر یا لکھا جا رہا ہے۔ آپ عظیم مجاہد تھے۔ آپ کا اگلے باب اور بعد میں راجوری سے پونچھ تک بھارتی پیش قدمی کے سلسلہ میں بہت ذکر آئے گا۔ (۱۰)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۳۵۔ (۱۱)۔ کچھ لوگوں نے سیف علی کو نکی لیر کا ماموں کہا۔ مجھے یہ نانے کے چچیرے بھائی والا رشتہ خود نکی دلیر نے بتایا۔ (۱۲)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۰۹۔ (۱۳)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۵۵۔ (۱۴)۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۴۹۔ (۱۵)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۴۴ اور ۱۴۵۔ (۱۶)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۵۴۔ (۱۷)۔ ایضاً صفحہ ۷۷۔ (۱۸)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۴۵۔ (۱۹)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۷۷۔ (۲۰) او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۴۹۔ (۲۱)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۸۔ (۲۲)۔ میجر محمد خان جرال کا ذکر شمالی علاقہ جات میں سترھویں باب اور اس کے بعد کئی ابواب میں آئے گا۔ (۲۳)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۷۹۔ (۲۴)۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۴۹۔ (۲۵)۔ ایضاً، صفحہ ۵۵۔ (۲۶)۔ اس طرز جنگ کو فرنٹیئر وار فیئر کہتے ہیں اور بڑا وسیع مضمون ہے۔ (۲۷)۔ کیپٹن اعظم وہی ہیں جن کی تذبذب کا ذکر دسویں باب میں ہو چکا ہے۔ (۲۸)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۴۷۔ (۲۹)۔ حضور پاک کا جلال و جمال صفحہ ۴۲۱ اور ۴۲۲۔ (۳۰)۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم، تیئسواں باب۔

پندرھواں باب

علاقہ راجوری میں جہاد کا پھیلاؤ اور تنظیمی عمل

تانے بانے راجوری کی فتح کا ذکر جو پچھلے باب میں ہو چکا ہے، تو یہاں سے جہاد کو پھیلاؤ دینا بہت ضروری تھا، کہ اول چنگس سے آگے بڑھ کر نوشہرہ محاذ کے بھارتیوں کو الجھایا جاسکتا تھا دوم اندرونی طرف سے بیڑی پتن، پاونی بارکھ (یا پونی بھارکھ) کے راستے اکھنور اور نوشہرہ سڑک پر ناکہ بندی یا گھاتیں لگانے کا کام کیا جاسکتا تھا۔ علاوہ ازیں بدھل اور گول کے راستے درہ بانہال اور رام بن کے علاقوں پر چھاپے مار کر جموں۔ سرینگر روڈ کیلئے خطرات پیدا کیۓ جاسکتے تھے (نقشہ اول سے استفادہ کریں) اسی طرح شمال کی طرف تھنہ منڈی اور درہ شپیاں تک جہاد کو پھیلاؤ دیا جاسکتا تھا لیکن ایسے کام کیلئے کوئی منظم مرکزی ادارہ ہونا چاہیئے تھا اور جو کچھ اس وقت تک تھا اس کا اجمالی خاکہ اسی باب میں پہلے بیان کر کے پھر میجر (بعد میں کرنل) محمد اسلم ایم سی کو اکبر خان نے طارق ہیڈ کوارٹر کی طرف سے جو اوپر بیان شدہ کارروائیوں کیلئے راجوری بھیجا، تو اس کا مختصر تذکرہ اسی باب میں کردیں گے۔ اور اکبر خان کی طارق کے روپ میں سارے کشمیر کے سلسلہ میں جو سوچ تھی یا کارروائیاں کیں یا کرنے کا ارادہ تھا، اس کو اگلے یعنی سولھویں باب میں بیان کیا جائے گا۔ راجوری محاذ کی ان متوقع حرکتوں اور کارروائیوں کے ڈر، نے بھارتیوں کو نوشہرہ محاذ پر پوری طرح نہ جمنے دیا کہ آگے تیئیسویں باب میں ۲۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو بھارتی جو جھنگڑ کے محاذ پر بری طرح شکست کھا گئے تھے، تو تاریخ کا دھارا تبدیل ہوتے ہوتے رہ گیا۔

جہاد اصغر ہم جہاد اکبر (یعنی جنگ کی تیاری کے بغیر) جہاد اصغر میں الجھ چکے تھے۔ آزاد جموں و کشمیر کی حکومت سے یہ امید رکھنا، کہ وہ اس جہاد کو کنٹرول کرسکے گی، یہ صحیح بات نہ تھی۔

نہ ان کے پاس پیسہ تھا نہ ذرائع۔ نہ ہتھیار نہ بارود۔ اور سب کچھ حکومت پاکستان کو کرنا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ہم نے ایک آزاد کشمیر کا جنرل ہیڈ کوارٹر بنادیا۔ اور کشمیر میں بھی کئی سیکٹر، کتابی طور پر بنادیئے۔ یہ سب افسر جو آزاد جی ایچ کیو یا سیکٹروں میں کام کرتے تھے، راقم نے ان میں سے اکثر کو ۱۹۴۱ء میں ملایا میں لیفٹیننٹ یا کیپٹن کے طور پر دیکھا۔ پھر یہ لوگ دوسری جنگ عظیم میں جاپانی قیدی بن گئے۔ اور ایک کیپٹن موہن سنگھ نے جس کو میں جانتا تھا، جنرل بن کر ۱۹۴۲ء میں آزاد ہند فوج کھڑی کی، جس میں یہ سب لوگ شامل ہوگئے۔ موہن سنگھ کے جاپانیوں کے ساتھ کچھ اختلافات ہوگئے اور سبھاش چندر بوس کانگرسی ہندو لیڈر وہاں پہنچ گیا، تو پہلی آزاد ہند فوج کو توڑ کر کیپٹن محمد زمان کیانی نے میجر جنرل بن کر دوبارہ بوس کے تحت ایک آزاد ہند فوج کھڑی کی۔ جس میں یہ سب لیفٹیننٹ اور کیپٹن، کرنل۔ برگیڈیئر اور میجر جنرل بن گئے۔ راقم قید نہ ہوا تھا۔ اور برٹش انڈین آرمی کے ساتھ برہما۔ ملایا وغیرہ کی جنگوں میں ایک مبصر کے طور پر ان لوگوں میں سے اکثر کو انگریزوں کے قیدی کے طور پر ملایا قید ہوتے رنگون اور بنکاک وغیرہ میں دیکھا۔ ان لوگوں کو جنگ کا کوئی تجربہ تو حاصل نہ ہوا۔ اور یہ لوگ ایک پروپیگنڈا فوج کے طور پر جاپانی فوج کے ساتھ ہوتے تھے۔ اب ان لوگوں سے یہ توقع کرنا، کہ وہ ہمارے جہاد اصغر کو صحیح چلالیں گے، ٹھیک نہ تھا۔ ان کو نہ جہاد کی شدبد تھی اور نہ فوجی حکمت عملی کا ان کو کوئی تجربہ تھا۔

آزاد کشمیر کی فوج کی تنظیم بہرحال یہی محمد زمان کیانی آزاد کشمیر کے ہیڈ کوارٹر میں آزاد فوجوں کا کمانڈر انچیف بن[1] گیا۔ اور اسی کی پرانی یونٹ اور موجودہ پانچویں پنجاب کا حبیب الرحمن جو بھمبر کے نزدیک کا رہنے والا تھا اور سبھاش چندر کا ایجوٹنٹ رہ چکا تھا، وہ برگیڈیئر بن کر محمد زمان کیانی کا چیف آف سٹاف بن گیا۔ آگے [2] ضلع پونچھ کے دو سیکٹر بنائے گئے اول باغ سیکٹر جس کا کمانڈر مری کے گاؤں کرور کے رہنے والے کرنل تجمل حسین کو بنایا گیا۔ دوسرا سیکٹر راولا کوٹ اور کوٹلی کا تھا، جہاں ضلع اٹک کے کرنل تاج محمد خانزادہ کو سیکٹر کمانڈر بنایا گیا۔ اور پچھلے باب میں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ ضلع میرپور کے بھی دو سیکٹر بنائے گئے۔ اول میرپور، جس کی کمانڈ کرنل آر ایم ارشد کو دی گئی۔ جس کے بارے واقعات میں سے صرف اتنا ذکر ملتا ہے

کہ وہاں غیر مسلموں کے ایک کیمپ [۳] کے بنانے میں مدد دی۔ دوسرا بھمبر سیکٹر، جس کی کمانڈ کرنل حبیب الرحمن کو دی گئی جو جیسا اوپر ذکر ہے جلدی بریگیڈئر بن کر چیف آف سٹاف بن گئے ایک کٹھوعہ۔ اکھنور سیکٹر کا بھی ذکر ہے۔ جس کا کمانڈر محمد زمان کیانی کا رشتہ دار کرنل عنایت جان کیانی تھا۔ جو نام کیلئے سیکٹر کمانڈر تھا۔ ویسے بھی اس نے زندگی گپ شپ مار کر گزاری۔ دراصل یہ سیالکوٹ سیکٹر تھا اور اس کیلئے جو مجاہد جاتا تھا اس کو روپو حک میں "باندھ" دیا جاتا تھا یہ سب لیپا پوتی تھی۔ اس عاجز نے بہت تحقیق کی، کہ ان صاحبان نے جہاد میں کونسا عملی کام کیا۔ مجھے کہیں کچھ نظر نہ آیا۔ لیکن جہاں کوئی ذکر آیا وہ بھی بڑا سرسری ہے کہ عملی جہاد میں یہ لوگ بس "پانچوں سواروں" میں شامل ضرور تھے۔ البتہ سہروردی کی کتاب کے مطابق [۴] ۔ ایک ڈیفنس کونسل تھی جس کے صدر وزیر دفاع کرنل علی احمد شاہ تھے۔ ممبر وزیر خزانہ نذیر حسین شاہ، میجر جنرل محمد زمان کیانی اور بریگیڈیئر حبیب الرحمن تھے۔ جو افسروں کو کمیشن وغیرہ دیتے تھے۔ بہر حال ان لوگوں نے کچھ بندوبستی معاملات سنبھال لئے تھے۔ خاص کر جوانوں یا مجاہدوں کو کچھ تنخواہ۔ ہتھیاروں اور سامان کی بانٹ یا رسد ورسانی کا بندوبست وغیرہ۔

بٹالین اور برگیڈ پلٹنوں اور برگیڈوں کے معاملات واضح کرنے کیلئے کئی صفحات کی ضرورت ہے اور اس وسیع تحقیق سے صرف چند باتیں یہاں لکھی جارہی ہیں کہ اب آگے کتاب میں ان پلٹنوں اور برگیڈوں کے نام لے کر ان کی جہاد میں شرکت کا ذکر ہوگا تو قارئین ان کے کھڑا ہونے کے پس منظر یا فوجی نوعیت اور اہلیت یا "علاقیت" کو سمجھ سکیں۔ مجاہدین نے نومبر ۱۹۴۷ء سے اپنے آپ کو یا اپنے لشکروں کو پلٹنوں اور برگیڈوں میں منظم کرنا شروع کردیا [۵] ۔ اور یہ سلسلہ فائر بندی تک جاری رہا۔ کاش یہاں بھی دس۔ سینکڑہ اور ہزاروں والا اسلامی طریقہ شروع کیا جاتا، کہ ویسے بھی بعض پلٹنوں کی نفری دو یا تین سو ہوتی تھی۔ اور تین ایسی پلٹنوں کو ملا کر ایک برگیڈ بنا دیا جاتا تھا۔ اور برگیڈ کی نفری سات، آٹھ سو سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ اور پلٹن کے پاس ہتھیار بھی صرف رائفلیں ہی ہوتیں یا تین چار برین گنیں یا کوئی ایک آدھ مارٹر ہوتا تھا اور ان پلٹنوں یا برگیڈوں کو ہمارے برگیڈوں کے مشابہ نہ سمجھا جائے۔ بہر حال پہلا، دوسرا اور تیسرا سدھن برگیڈ تھے۔ چوتھا اور پانچواں قیوم یا عباسی برگیڈ تھے۔ چھٹا راجوری اور ساتواں

مینڈھر برگیڈ تھا اور ایک حیدری برگیڈ بھی تھا جس کو آٹھواں کہہ لیں۔ آزاد کشمیر کا جنرل ہیڈ کوارٹر، پلٹنوں کے نمبر شمار بھی "ایک" [۶] یا کسی نمبر شمار کے تحت نہ کر سکا کہ دوسری آزاد بٹالین بھی تھی۔ اور دوسری مظفر آباد کی پلٹن بھی تھی تیسری نام سے ایک آزاد۔ ایک باغ آزاد اور ایک پونچھ تین پلٹنیں تھیں۔ اور پہلی آزاد بٹالین میں ایک کے بانی میجر اسلم اور دوسری کے بانی لیفٹیننٹ قدرت اللہ کا ذکر بارہویں اور تیرھویں باب میں ہو چکا ہے۔ چوتھی آزاد پلٹن بھی تھی اور چوتھی پونچھ پلٹن بھی تھی۔ پانچویں پونچھ پلٹن بھی تھی۔ اور پانچویں شان آزاد بھی۔ چھٹی آزاد پلٹن تھی اور ساتویں ریاسی آزاد پلٹن تھی۔ پھر آٹھویں سے لے کر چودھویں تک آزاد پلٹنیں تھیں۔ اس کے بعد کچھ نمبر شمار خالی چھوڑ کر سولھویں، بائیسویں، اٹھائیسویں، چونتیسویں، اور چھتیسویں آزاد پلٹنیں تھیں [۷] ۔ علاوہ ازیں کچھ پلٹنیں بغیر نمبر شمار کے تھیں جو، اعظم، بدھل خان آزاد، محمود خان آزاد، راجوری، حیدری [۸] ، ستی آزاد، شاہین آزاد، شاہسوار آزاد، سدھن آزاد اور فرقان (قادیانیوں کی پلٹن) کے ناموں سے جانی جاتی تھیں یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ مشہور پلٹنیں دو ناموں سے مشہور ہوں۔ کہ کوئی نمبر شمار بھی ہو اور صفاتی نام بھی ہو۔ لیکن میری تحقیق میں جو کچھ ریکارڈوں سے نظر آیا، یا لوگوں سے معلوم کیا وہ لکھ دیا ہے۔ اور اس دوغلے پن کے بیان میں مقصد یہ ہے کہ قارئین سمجھیں کہ آزاد کشمیر کا جنرل ہیڈ کوارٹر جو راولپنڈی میں باغ سرداراں میں بنایا گیا، وہ ناموں پر مہر لگا دیتا تھا۔ یا پاکستان کے جی ایچ کیو سے جو کوئی سامان ملا۔ اس کو آگے بانٹ دیا۔ یہ بڑی غلطی تھی۔ جنگ لڑانے والے ایسے ہیڈ کوارٹر یا اس کے ٹیکٹیکل (تدبیراتی) ہیڈ کوارٹر کو آزاد کشمیر کے اندر ہونا چاہیئے تھا۔ اور بندوبستی یا ریکارڈ والے ہیڈ کوارٹر کو پاکستان کی سرحد میں کہوٹہ وغیرہ کے پاس تو تب کام ٹھیک چلتا۔ پنڈی میں بیٹھ کر اس آزاد جنرل ہیڈ کوارٹر کے افسر دریائے جہلم کو پار ہی نہ کرتے تھے۔ اور صرف کرنل تجمل اور کرنل تاج خانزادہ کے بارے کچھ اچھی خوشبو کی باتیں سنی جاتی ہیں کہ وہ اپنے سیکٹروں کے محاذوں پر جاتے رہتے تھے۔ یا آزاد ہند فوج کے کچھ جونیئر لوگ جو گڑ، چنے پر گزارہ کرنے والے آگے والے مجاہدین میں شامل ہوگئے۔ ان میں سے اکثر نے بڑے بہادری کے جوہر دکھائے۔ بہر حال کوئی مجبوری تھی یا حکومت پاکستان کی پالیسی ایسی تھی آزاد کشمیر کا جنرل۔

ہیڈ کوارٹر، جہاد میں کوئی پر اثر کام نہ کر سکا۔لیکن یہ بھی غنیمت ہے کہ انہوں نے اتنا کچھ کر لیا۔
اور پلٹنوں کے نمبر اور ناموں کی کہانی کو اب ان کے رجمنٹل سنٹر کو صحیح کرنا چاہیئے، کہ انہوں
نے جس نام سے جو کاروائی کی اس عاجز نے ایسے ہی لکھ دی۔

اکبر خان کی آمد تیرھویں باب میں اکبر خان کے اوڑی محاذ کو چھوڑ کر راولپنڈی آکر طارق
ہیڈ کوارٹر کو منظم کرنے کے بارے میں نہ کوئی سرکاری ریکارڈ موجود ہے کہ انگریز پاکستان
چھوڑنے سے پہلے سب ایسے ریکارڈ جلا گئے۔اور نہ اکبر خان اپنی کتاب میں کچھ تفصیل لکھتا ہے،
سوائے اس کے کہ انہوں نے ۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو راولپنڈی میں وزیر اعظم کے ساتھ ملاقات کی (۹)
جس نے پھر کشمیر میں کم از کم تین ماہ تک جنگ جاری رکھنے کی بات کی۔اس کے بعد ادھر ہی
اکبر خان کو ہماری فوج کا انگریز سربراہ جنرل فرینک مسروی ملا، جس نے کہا کہ اکبر خان "اب
تم صرف لاٹھیوں سے نہ لڑو گے" اس کے بعد اکبر خان اپنی کتاب میں تمام معاملات پر سرسری
تبصرے کرتے ہیں، کہ ہمارے مجاہدین کے پاس نہ "فائر" تھا نہ "بھرپور حرکتی کارروائی"۔اور
یہ دونوں چیزیں ہم قبائلی مجاہدین کے کسی اچانک چھاپہ یا ایسی جگہ پر حرکت کرکے پہنچ جانے
سے حاصل کرکے مجاہدین کی کچھ مدد کر سکتے تھے۔اور لوگوں کی یہ شکایت جائز تھی کہ قبائلی
مجاہدین کچھ ایمونیشن "چوری" کر لیتے تھے۔یا کم فائر کرکے خرچ زیادہ بتاتے تھے۔لیکن یہ ہماری
"ضرورت" تھی کہ قبائلی تھوڑے ایمونیشن سے بھی دشمن کا کافی نقصان کرتے تھے اور یہ "سودا"
مہنگا نہ تھا وغیرہ۔اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ فروری ۱۹۴۸ء میں انہیں کشمیر کی جنگ سے فارغ
کر دیا گیا (۱۰) اور کشمیر کی جنگ کی ذمہ داری فوج کے "سپرد" کر دی گئی۔اس عاجز کے لحاظ سے
وہ سازش کا تیسرا مرحلہ تھا۔جس پر آگے کھل کر بحث ہوگی۔کہ سازش کے پہلے مرحلہ میں کشمیر
پر ہمارے "قانونی" حق کو ختم کرکے ہمیں ڈاکوؤں کا "رسہ گیر" بنایا گیا جو ذکر نویں باب میں
ہے اور پھر "مجبور تماشائی" بنایا گیا۔جو ذکر تیرھویں باب میں ہے۔اور اب دوسرا مرحلہ شروع
ہوا۔کہ ہمارے انگریز نوکر "چوری چھپے" ہماری مدد کریں گے کہ ہم لاٹھیوں سے نہ لڑیں گے۔
اور کچھ فوجیوں کو اجازت دی گئی کہ وہ "بھگوڑے" بن کر کشمیر کے جہاد میں شرکت کر سکتے ہیں
وغیرہ۔ان "بندھنوں" اور سازشوں کے باوجود اکبر خان اور فوجی "بھگوڑوں" رضاکاروں، قبائلی

مجاہدین اور کشمیر کے مجاہدین نے اگلے چند دنوں یا دو ماہ کے عرصہ میں جو کچھ کیا۔یا کرنے
والے تھے تو تاریخ کا دھارا تبدیل ہونے والا تھا۔اور بھارتی فوجی مشین کشمیر میں تباہ ہونے
والی تھی۔کہ انگریزوں نے سازش کے ذریعہ سے اکبر خان کی کشمیر کی جنگ کے سلسلہ میں ذمہ۔
داری ختم کرائی۔اور اکبر خان نے تو محتاط انداز میں کہا ہے کہ معاملات فوج کے سپرد ہو گئے۔
بلکہ یہ عاجز کہے گا کہ ہم نے جہاد کے پاکیزہ عمل کو فروری ۱۹۴۸ء میں اپنے انگریز نوکروں یا
جنرلوں کو "سپرد" کر دیا۔جنہوں نے ہمیں یعنی خاص کر فوج کو بہت بھونڈے طریقے سے
استعمال کرکے پہلے ہمارے دلوں میں جہاد کیلئے نفرت پیدا کرائی اور پھر یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو
جہاد کو پکا جمود دے دیا۔اور یہ تھا سازش کا تیسرا مرحلہ۔

تحقیق انگریزوں کی اس سازش کے دوسرے مرحلہ میں ناکامی والی بات بہت گہری تحقیق
چاہتی ہے۔سرکاری کتابوں میں سے اور چشم دید گواہوں سے صرف چند واقعات سامنے آتے ہیں
لیکن ان کی چھان بین سے کئی راز کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔اس عاجز نے یہ چھان بین دسمبر
۱۹۴۸ء میں ہی شروع کر دی تھی۔اور پیش لفظ میں جس معاہدہ کا ذکر ہے کہ میں یہ کتاب لکھوں
گا، تو فیصلہ ہوا تھا، کہ یہ عاجز سب سچ لکھے گا لیکن ساتھ حوالہ ضرور دے گا۔آگے ان واقعات پر
تبصروں اور جائزوں کے سلسلہ میں مصنف پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔البتہ مصنف خود اپنی
سوچوں کو حرف آخر نہیں کہتا۔بہر حال مضمون کی طرف واپس آتے ہوئے ان تین ماہ کے
واقعات کے بارے اور ان تجاویز کے بارے اکبر خان کی کتاب کافی "خاموش" ہے جس کے
تفصیلی وجوہات اگلے باب میں اکبر خان خود دیتا ہے، کہ اس نے کارروائی کی تفصیل اس لئے
نہیں لکھی، کہ ہماری حکومت کے کسی بین الاقوامی معاہدہ یا وعدہ کو "ٹھیس" نہ پہنچے۔اور اس
نے کتاب ۱۹۷۳ء میں لکھی تھی۔اب ۱۹۹۰ء میں اس سلسلہ میں میری تحقیقات کی تفصیل،
کتاب تاشقند کے اصلی راز، اور اکبر خان سے چالیس کے قریب سوالات لے کر میجر جنرل ریاض
اللہ ان کے پاس گیا۔اور کئی دفعہ جا کر ان کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔تو اپنی بیماری کے باوجود،
اکبر خان کبھی جذبات کی رو میں بہہ جاتا تھا۔کہ ہماری حکومت نے اس مرد جلیل کو ذہنی طور پر
نہ صرف مفلوج کیا بلکہ اس کے خلاف پولیس کے ہتھکنڈے بھی استعمال کئے اور اس کو کال

کوٹھڑی میں بھی رکھا۔ پھر نارمل ہو کر ریاض اللہ کو کہتا تھا کہ اس آدمی یعنی مصنف نے بہت زیادہ سچ اور حق تلاش کر لیا ہے۔ اور وہ قوم کے سامنے حق پیش کرنے میں کامیاب ہوگا۔ کہ میرے بعض جائزوں نے اس کو بھی حیران کر دیا تھا۔ بہر حال یہ تفصیل تو اگلے باب میں ہے۔ اس سلسلہ میں راجوری محاذ پر جہاد کو پھیلاؤ دینے کی کہانی ادھر ہی لکھی جا رہی ہے اور ساتھ یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ اکبر خان نے ایسی تجاویز ہر محاذ کیلئے بنائیں جن میں کچھ کا ذکر اگلے باب میں ہے۔

بارہ رضاکار افسر؟ یہ کہانی ہماری فوج کے ایک مایہ ناز کرنل محمد اسلم ایم سی کی وساطت سے لکھی جا رہی ہے۔ جنہوں نے دوسری جنگ عظیم میں افریقہ اور اٹلی کے محاذوں پر ایک کمپنی کی کمانڈ کی اور ادھر ہی ان کو ایم سی کا اعزاز ملا۔ وہ خود ایک باعمل مسلمان اور عربی کے مترجم ہیں۔ میرے استاد بھی رہ چکے ہیں اور اب میرے پوتوں کے نانا ہیں۔ ان کے مطابق ان سمیت بارہ افسروں کو دسمبر ۱۹۴۷ء کے شروع میں ایک فوری سگنل کے ذریعہ سے جی ایچ کیو راولپنڈی میں ایک کورس کرنے کیلئے بلایا گیا۔ وہاں ان کی ملاقات ایک کرنل اکبر خان کے ساتھ ہوئی، جن کو ان کے ماتحت طارق کہتے تھے۔ وہاں اُن سب کو ان طارق صاحب نے کہا" کہ کورس وغیرہ بہانہ تھا۔ ان کا ریکارڈ دیکھ کر ان کو کشمیر کے جہاد کیلئے بلایا گیا ہے۔ اور جو جہاد میں خوشی سے شرکت نہ کرے وہ خوشی سے بغیر کسی بدنامی کے یونٹ میں واپس جا سکتا ہے۔ لیکن جو شریک ہونا چاہیں، وہ کان کھول کر سن لیں، کہ کچھ مجبوریاں ہیں، کہ ان کو فوج سے " بھگوڑا" قرار دیا جائے گا۔ دوم اگر ان میں سے کوئی بھارت کی قید میں چلا جائے گا، تو پاکستانی فوج اس کا ذمہ نہ لے گی۔ سوم شہید ہو جانے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان کے لواحقین کو پنشن بھی نہ ملے۔ البتہ تنخواہ زندگی تک ملتی رہے گی، چہارم اسلحہ اور بارود ضرور مہیا کیا جائے گا۔ لیکن اس سلسلہ میں پوری یقین دہانی نہیں ہو سکتی۔ پنجم رسد و رسانی کا زیادہ کام خود کرنا ہو گا۔ لیکن آزاد کشمیر کا فوجی ہیڈ کوارٹر ضرور کچھ مدد کریگا" اتنی عجیب و غریب شرائط اور حالات کے باوجود۔ سب افسر جہاد میں شرکت پر تیار ہو گئے۔ کرنل اسلم جو اس وقت میجر تھے، تو یونٹ سے "غیر حاضری" کیوجہ سے ان کی، ان کے پکے عہدہ کیپٹن پر تنزلی ہو گئی۔ اور

اس سے ان کا جو نقصان ہوا اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ یہی کچھ دوسروں کے ساتھ ہوا۔ لیکن میجر اسلم کو سوائے دوسرے میجر اسلم کے جن کا ذکر دسویں، گیارھویں، اور تیرھویں ابواب میں ہو چکا ہے اور کوئی نام یاد نہ آیا۔ ان دوسرے میجر اسلم کو گلگت اور شمالی محاذ پر بھیجا گیا اور اٹھارویں و ستائیسویں ابواب میں ان کا بھرپور ذکر ہے۔ مصنف کے تحقیق پر دو اور نام سامنے آئے۔ ان میں ایک میجر سرفراز تھے[10] جن کا نوشہرہ محاذ پر بتیسویں باب میں بھرپور ذکر ہے اور ایک اور صاحب کیپٹن خالد تھے جو پانڈو کی جنگ میں شہید ہوئے اور ان کا ذکر تیتیسویں باب میں ہے۔

مزید تحقیق اس سلسلہ میں ساری تحقیق کئی مضامین میں بھی ختم نہیں ہوتی۔ کہ صرف یہ بارہ افسر نہ تھے اور نہ صرف افسر سیکٹر کمانڈری کیلئے بلائے گئے۔ ان افسروں کی آمد کا سلسلہ فروری ۱۹۴۸ء تک جاری رہا۔ اور کوئی صرف قبائلی مجاہدین کے ساتھ رابطے کا کام کرتا تھا کسی کو میجر اسلم سے بھی زیادہ ذمہ داری دی گئی۔ کوئی صرف بندوبستی معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ کوئی مجاہدین کی تربیت کرکے ان کو محاذ پر لے جاتا تھا جیسے اکیسویں باب میں ہندواڑہ کی طرف کرنل شیر محمد (خالد) کی پیش قدمی کی کہانی ہے۔ کوئی کرنل (بعد میں میجر جنرل) سید غواث کی طرح جموں۔ نوشہرہ سڑک کی ناکہ بندی کیلئے گیا، جو ذکر بائیسویں باب میں ہے، کہ اس کا کام سازش کے تحت روک دیا گیا اور قارئین اس سلسلہ میں کئی اور افسروں کے بارے آگے کتاب میں پڑھیں گے۔ اس لئے اگلے باب میں، ہم اکبر خان کے طارق کے روپ دھارنے اور سوچ کے سلسلہ میں اپنی تحقیق کی جھلکیاں دیں گے اور یہاں میجر اسلم کو جو راجوری محاذ پر بھیجا گیا ان واقعات کو بیان کرنے میں مقصد یہ ہے کہ قارئین سمجھیں کہ کتنے مشکل حالات میں جہاد کو ہم نے جاری رکھا۔ اور سب رضاکار افسروں کو یہ تکلیفات ہوئیں اور ان کے لئے یہی شرطیں تھیں۔

میجر اسلم اور پختون لشکر دسمبر ۱۹۴۷ء کی کسی آخری تاریخ کو میجر اسلم کو ایک رات کھاریاں ریلوے اسٹیشن پر سات سو زدران اور منگل قبائل کا ایک لشکر، سکاؤٹس سے ٹکنوں کی ایک نئی تربیت یافتہ پلٹون، ایک وائرلیس سیٹ اور دو پاکستانی فوج کے اوپریٹر دیئے گئے۔

اس وقت تک میجر اسلم پشتو نہ جانتے تھے اور سارا کام ایک پولیٹکل تحصیلدار کی مدد سے کرنا تھا۔ اور کھاریاں سے میرپور والے راستے ٹرکوں میں بٹھا کر میجر اسلم اپنے لشکر کو پونا تتدڑلے گئے۔ آگے سفر پیدل کرنا تھا اور لشکر نے پہلی رات جھنگڑ کے نزدیک ان دیر کے مجاہدین کے ساتھ گزاری جن کی جھنگڑ کی فتح کے سلسلہ میں شاندار کارکردگی کا ذکر تیئیسویں باب میں ہے۔ دوسری صبح یہ لشکر سیری گاؤں کے راستے کرایاں گاؤں پہنچ گیا، جہاں کچھ ٹھہرنا تھا۔ گاؤں والوں نے مکانوں میں چاولوں کی گھاس ڈال کر لشکر کے رہنے کا بندوبست کیا۔ اور مہمان نوازی کیلئے چاول، دودھ، ترکاری سب کچھ تھا۔ لیکن لشکر نے گوشت مانگا جو کچا ہی چاولوں پر ڈال دیا گیا۔ چاول پک کر گوشت کے گرد لپٹ گئے۔ تو گوشت نے نہ پکنا تھا نہ پکا۔ میجر اسلم نے پہلا سبق سیکھ لیا کہ لشکر والوں کو کچا راشن ہی دیا جائے۔ اور کئی اسباق سیکھے۔

راجوری کے حالات میجر اسلم کی خوش قسمتی کہ ان کو سول کی طرف سے جیسا کہ پچھلے باب میں ذکر ہو چکا ہے مرزا محمد حسین جیسا عظیم مسلمان ملا، جنہوں نے نوکروں کو حکم دیا کہ فلاں خچر سیکٹر کمانڈر کو پکے طور پر دے دی جائے۔ میجر اسلم کو اس وقت یہ "تحفہ" پسند نہ آیا لیکن اس خچر نے جہاں جہاں میجر اسلم کو پہنچایا۔ یا اس کے ذریعہ سے جو راحت ان کو پہنچی وہ ایک کتاب کا مضمون ہے کہ جنگ حنین میں حضور پاکؐ جس دلدل خچر[12] پر سوار تھے میجر اسلم کو وہ بات یاد آجاتی تھی۔ مجاہدین یا ہتھیار بند لوگوں کی طرف سے میجر رحمت اللہ سلیریا کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے اور جس طرح میجر اسلم کا اس لمبے چوڑے محاذ کو کنٹرول کرنے میں وہ مددگار ثابت ہوئے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ میجر اسلم کیلئے غیر مسلم آبادی کی حفاظت بھی ایک مسئلہ تھا کہ میجر شیر علی جیسے دکھی[13] آدمی ادھر پہنچ جاتے تھے کہ اگر مردوں کو تہ تیغ نہ کیا جائے تو ان کو بیگار کے کام پر تو لگایا جائے۔ راجوری بڑا زرخیز علاقہ ہے۔ اور فصل کاٹنے کے بعد وہاں چاولوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، جو پرانے زمانے میں مہاراجہ باقی کم پیداوار والے علاقوں میں بھیجتا تھا۔ میجر اسلم نے کیپٹن شاہ پال کو راشن سپلائی اور ٹرانسپورٹ افسر مقرر کیا۔ سب آبادی کو ان کی ضرورت مہیا کی اور نوشہرہ سیکٹر کے مجاہدین کو بھی غلہ مہیا کیا۔ راجوری کے علاقے کے لوگ البتہ نزدیک پونچھ اور میرپور کے اضلاع کے لوگوں کی طرح فن سپگری سے

وابستہ نہ تھے، تو میجر اسلم نے کیپٹن شاہ پال اور ساتھ پونچھ اور میرپور کے سابق فوجیوں کی مدد سے رضاکاروں کو بنیادی فوجی تربیت دینا شروع کی اور پھر ان کو راجوری یا بدھل پلٹنوں میں بھیج دیا جاتا تھا۔ ایک پلٹن باہر سے آنے والے مجاہدین کی تھی تو ادھر ان تین یونٹوں سے ایک سیکٹر ہیڈ کوارٹر جو بعد میں چھٹا راجوری یا آزاد بریگیڈ کہلاتا تھا اس کی بنیاد بندھ گئی۔ اور میجر اسلم نے راجوری کے نزدیک گردھن گاؤں کو اپنا مرکز بنایا۔ اور اس وسیع علاقے میں چل پھر کر یا خچر پر سوار ہو کر اپنی کمانڈ کو چلایا۔

فوجی کارروائیاں راجوری محاذ سے کوئی فتوحات حاصل نہ کی جا سکتی تھیں۔ یہ ایک تزویراتی عمل تھا۔ جس کے وقتی طور پر بڑے فائدے ہوئے۔ اور اگر اکبر خان کو طارق ہیڈ کوارٹر سے ہٹا نہ لیا جاتا۔ تو مستقبل میں اس سیکٹر نے بڑا اہم ہو جانا تھا۔ دشمن نے جھنگڑ میں شکست فاش کھائی۔ لیکن اس کا فائدہ دشمن کو بھی ہوا کہ اس کی طاقت ایک مٹھی میں نوشہرہ میں اکٹھی ہو گئی۔ وہ کسی راستے سے پیش قدمی کر کے مجاہدین کا صفایا کر سکتا تھا۔ لیکن وہ صرف وہاں تک بڑھتا تھا۔ جس جگہ پر قبضہ رکھ سکے اور اپنے ذرائع آمد و رفت کو بحال رکھ سکے اکبر خان کی تجویز یہ تھی کہ دشمن کو تتر بتر کر دیا جائے اور اس کے ذرائع آمد و رفت کی ناکہ بندی کی جائے۔ اور پھر جس مقام پر وہ کمزور ہو اس کو وہاں تہس نہس کیا جائے۔ یا سڑکوں پر جو دشمن کی پکٹیں ہوں۔ ان کو تباہ و برباد کیا جائے۔ جیسا کہ پچھلے ابواب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ بھارتی کشمیر میں آکر تزویراتی طور پر بری طرح پھنس چکے تھے اور اب یہ بھی ضرورت تھی کہ اپنی فوج کو بھی کسی طریقہ سے جگہ بجگہ کچھ اہم جگہوں پر مستقر بنانے کو کہا جائے۔ کہ فوج نے ایک دن اس جنگ میں شریک ہونا تھا۔ اور ہوئی۔ لیکن وہ کام انگریزوں نے بھونڈے طریقے سے کرایا۔ اور ہمیں باندھ کر بھارتیوں سے مروایا۔ اسی وجہ سے سازش کے تیسرے مرحلے پر انگریزوں نے اکبر خان کو ہٹوا کر معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ کہ اکبر خان نے جو کچھ کیا۔ اس سے بھارتی فوج کے کشمیر میں پرخچے اڑنے والے تھے۔ بھارتی نوشہرہ میں ایک مضبوط مستقر ضرور بنا چکے تھے لیکن ایک طرف سے بھمبر کے مجاہدین، دوسری طرف سے میرپور کے مجاہدین اور تیسری طرف سے کوٹلی کے مجاہدین اور دیری لشکر اور چوتھی طرف سے راجوری کی طرف

سے میجر رحمت اللہ بھارتیوں پر حملے پہ حملے کر رہے تھے ۔ لیکن کیا ہوا ۔ اور انگریزوں نے ہم سے کیا کچھ کرایا، اس کی تفصیل بتیسویں باب میں آرہی ہے ۔یہاں صرف راجوری محاذ کا کچھ حال بیان کرنا مقصود ہے ۔

راجوری محاذ میجر اسلم نے راجوری محاذ سے میجر رحمت اللہ کے چنگس کے علاقے کو خاص اہمیت دی ۔ اور اس کو پوری مدد دی کہ وہ نوشہرہ محاذ پر باقی مجاہدین کے ساتھ رابطہ رکھے اور بھارتیوں کو اس طرف سے خوب تنگ کرے ۔ علاوہ ازیں جو جموں ۔ اکھنور اور بیڑی پتن کی طرف سے سڑک آتی تھی، اس کے نزدیک پونی بارکھ میں ریاست کے ایک پرانے فوجی افسر کرنل علی بہادر نے ڈیڑھ سو مجاہدین اکٹھے کر لئے تھے اور وہ بھارتی کانوائیوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے ۔ میجر اسلم نے اندرونی راستے سے ان کے ساتھ رابطہ باندھا، ان کو اپنی کمانڈ میں لیا اور ان کی مدد کیلئے قبائلی مجاہدین کا آدھا لشکر بھیج دیا اور ساتھ ہی ان کو ہدایات دیں کہ بھمبر کے مجاہدین کے ساتھ رابطہ رکھ کر دشمن کے ذرائع آمد و رفت کی ناکہ بندی کریں ۔ اسی دوران ہماری سرکاری تاریخ میں جس کیپٹن نوشیروان (۱۴) (میجر شیر) کا ذکر ہے کہ وہ اس محاذ پہ ساٹھ مجاہدین کے ساتھ آیا تو میجر اسلم نے مقامی مجاہدین کے ساتھ اس کو بدھل اور گول کے راستے جموں ۔ سری نگر سڑک کے نزدیک بھیج دیا کہ وہ رام بن اور درہ بانہال کے علاقوں میں چھاپے ماریں ۔ اب قارئین خود اندازہ لگائیں کہ اس سڑک کی حفاظت کیلئے بھارتی فوج کس طرح تتر بتر ہو رہی تھی ۔ جو باقی آدھے قبائلی مجاہدین کا لشکر بچ گیا ۔ اس کو مقامی مجاہدین کے ساتھ شمال میں تھنہ منڈی اور شوپیاں کی طرف بھیج دیا ۔ اب قارئین خود نقشہ اول اور ششم کی مدد سے محاذ کی وسعت کا اندازہ کریں کہ اگلے چار ماہ میں، میجر اسلم نے اس محاذ پر کیسے کنٹرول رکھا کہ سب سے بڑا مسئلہ ایمونیشن کی بانٹ تھی، کہ قبائلی مجاہدین نے کھاریاں میں پہلی ڈیمانڈ ہی ایمونیشن کی دی ۔ اور پونامنڈ سے آگے تو چلنے سے انکار کر دیا کہ پہلے ان کو ایمونیشن دیا جائے ۔ بہرحال یہ سب کام خوبی سے نبھائے گئے ۔ اور اب وقت کے مطابق معاملات کو پیش رفت دینے کے اصول کے تحت ہم اس محاذ پر تینتیسویں باب میں آئیں گے ۔یہاں اس محاذ کے تزویراتی پہلو اور تنظیم کے عملی پہلو کے تانے بانے ملانے مقصود تھے ۔ اور یہی اس باب کا

خلاصہ ہے ۔ کہ میجر اسلم جو اس زمانے میں میجر کی ۱۴۰۵/ روپے ماہوار تنخواہ لے رہے تھے تو یونٹ سے "غیر حاضری" کی وجہ سے ان کو کیپٹن کی ۵۰۰ تنخواہ دی گئی اور پورے سال سے زیادہ عرصہ اس کم تنخواہ پر گزارا کرنا پڑا کہ وہاں سے سٹاف کالج میں میجر کے طور پر جانے کے بجائے کیپٹن کے طور گئے ۔ اور ظاہر ہے رپورٹ بھی "کیپٹن" والی ملی (فاعتبروا یا اولی الابصار)

حوالہ جات

(۱) ۔ کشمیر کیمپین صفحہ ۸۲ اور ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۳۵ ۔ (۲) ۔ کشمیر کیمپین صفحہ ۷۲ ۔ (۳) ۔ ایضاً، صفحہ ۷۶ ۔ (۴) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۳۵ ۔ (۵) ۔ کاش، ہم اسلامی طریقہ اپناتے ۔ (۶) ۔ کشمیر کیمپین صفحہ ۲۹۰ اور ۲۹۱ ۔ (۷) ۔ سیکورٹی کیلئے کچھ نمبر شمار خالی چھوڑے جاسکتے ہیں ۔ (۸) ۔ تین حیدری پلٹنیں تھیں ۔ (۹) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۱۹ ۔ (۱۰) ۔ یہ میجر محمد سرفراز پٹھان تھے اور چودھویں گروپ میں ہونے کی وجہ سے غلطی سے اس اور کرنل (بعد میں میجر جنرل) محمد سرفراز جس کا ذکر بیالیسویں باب میں ہے اس کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے ۔ (۱۱) ۔ بعد میں سکاوٹس میں رہے اور پشتو بھی سیکھ گئے ۔ (۱۲) ۔ حضور پاکؐ کا جلال و جمال صفحہ ۴۱۷ ۔ (۱۳) ۔ ان کے بھائی کو بھارتیوں نے جو شہید کیا اور پچھلے باب میں ذکر ہو چکا ہے ۔ (۱۴) ۔ دسویں اور گیارہویں باب میں ذکر ہو چکا ہے ۔

سولھواں باب

اکبر خان جنرل طارق کے روپ میں

(ان کی سوچ اور تجاویز)

تانے بانے:۔ پچھلے باب میں راجوری محاذ کے پھیلاؤ کا ذکر تھا۔اس سے پہلے بھمبر بھی فتح ہو گیا تھا۔جو واقعات چند صفحات میں بیان ہو سکتے ہیں۔اس لئے ۲۴ نومبر ۱۹۴۷ء کو میر پور کی فتوحات اور اس واقعہ کو ملا کر آگے بیسویں باب میں اور اس سے پہلے تین ابواب میں شمالی علاقہ جات کی فتوحات کی کہانی بیان کرنے سے پہلے۔ہم جہاد کے مرکز کی طرف واپس جاتے ہیں کہ دسمبر ۱۹۴۷ء سے لے کر فروری ۱۹۴۸ء تک اکبر خان نے طارق ہیڈ کوارٹر کی بنیاد ڈال کر جہاد کو کیسے پھیلاؤ دیا اور پھر ان کو وہاں سے ہٹا کیوں دیا گیا؟۔علاوہ ازیں کشمیر کے جہاد کے دوران جو طارق، خالد، صلاح الدین، کمال، عالمگیر، اقبال، غزنوی، غوری، رشید، موسیٰ، ہارون، قاسم، اور نوشیروان وغیرہ کے نام اپنائے گئے تھے۔ان پر بعد میں پردے کیوں ڈال دیئے گئے۔اس عاجز کو کشمیر کے جہاد کو جمود دینے پر اعتراض کرنے کیوجہ سے جو در در کی ٹھوکریں کھانا پڑیں۔تو میرے اندر حالات کی گہرائی میں جانے کا تجسس یکم جنوری ۱۹۴۹ء سے پیدا ہو چکا تھا۔ان سب کے تانے بانے ملانے کی ضرورت ہے۔

محکمہ تعلقات عامہ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۹ء میں جب پاکستان بننے کے بعد پہلی دفعہ اور ویسے تیسری دفعہ، میری محکمہ تعلقات عامہ میں آمد ہوئی، تو کافی راز خود بخود کھلنے لگے۔اور اس وقت کیپٹن بعد میں کرنل محمد علی نے اپنے بریگیڈیر اکبر خان طارق کی جو باتیں سنائیں تو مجھے یقین نہ آیا۔کہ ہمارے اندر ایک ایسی عظیم ہستی موجود ہے، اور مجھے کچھ شک پڑا کہ محمد علی اپنے بریگیڈ کمانڈر کی "شان" بڑھانے کی مشن پر ہے۔لیکن محمد علی نے ساتھ یہ بھی بتایا۔کہ اوپر والے اکبر خان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔اور جو کچھ اس نے کیا اس پر پانی پھیرنا چاہتے ہیں۔خیر یہ

بات مجھے ماننا پڑی کہ انہی دنوں سرکاری طور پر یہ ہدایات مل گئیں کہ کشمیر کے جہاد کے کسی سبق کا ہماری تربیت کے دوران حوالہ نہ دیا جائے گا۔اور یونٹوں نے جو مسلمان سپہ سالاروں کے نام جہاد کشمیر کے وقت اپنا لئے تھے۔ان کو اب استعمال نہیں کیا جائے گا۔البتہ یہ عاجز اس کے بعد جلدی کوہاٹ چلا گیا اور ۱۹۵۰ء میں راولپنڈی کا چکر لگایا۔تو یہی اکبر خان پاکستانی فوج کے چیف آف دی جنرل سٹاف بن چکے تھے۔اور مجھے اپنے پرانے رفیقوں نے بتایا کہ ایسا باوقار، مدبر، سمجھدار اور صحیح قسم کا جنرل انہوں نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔اتفاقاً یہ عاجز ۹/۸ مارچ ۱۹۵۱ء کی رات کوہاٹ سے جہلم جاتے راولپنڈی میں رک گیا۔اور صبح سویرے معلوم ہوا کہ یہی اکبر خان اور اس کے کچھ ساتھی حکومت پاکستان کے خلاف "سازش" کر رہے تھے اور ان کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔یہ سازش کیا تھی اب تو ظاہر ہو گیا ہے کہ اکبر خان اور ان کے ساتھیوں کو سازشی بنانا دراصل پاکستان کے خلاف ایک بہت بڑی سازش تھی۔اس لئے یہ عاجز یہ کہانی بہت اختصار کے ساتھ ضمیمہ "ج" میں دے رہا ہے۔علاوہ ازیں کشمیر میں فائر بندی اور جہاد کے جمود کے اثرات کو یہ عاجز کتاب کے آخری ابواب میں زیر بحث لا رہا ہے جہاں تمام سازشوں کی کڑیاں ملائی جائیں گی۔کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ تک یہ عاجز بھی کافی حد تک نمک کی کان میں نمک بن چکا تھا۔کہ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ ہم اتنی گئی گزری قوم ہیں۔اور ہمارے بیچ کوئی ایک آدمی بھی کام کا نہیں اور چند سینئر افسروں کو چھوڑ کر ہمارے سینئر افسروں نے اپنے گردریت کی بنیاد پر قلعے تعمیر کئے ہوئے تھے۔میرے لئے تو یہ سارے قلعے ۱۹۶۵ء میں دھڑام سے گر گئے۔لیکن میری باتوں پر اس زمانے میں کسی نے یقین نہ کیا۔اور ۱۹۷۱ء میں البتہ جب ہم نے بے غیرتی سے آدھا ملک کھو دیا اور نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا کر اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا، تو پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ "یار تم کچھ ٹھیک ہی کہتے تھے"۔

سچائی اور غیرت ستمبر ۶۵ کی جنگ کے بعد اس عاجز نے کوئی لگی لپٹی باقی نہ رکھی۔جو لمبی کہانی ہے کہ ستمبر ۱۹۷۰ء میں بھرے ایوب ہال میں اس عاجز نے جنرل یحییٰ خان اور اس کے حواریوں کو بہت کچھ کہا اور صاف کہا کہ وہ لوگ ملک کے دولخت ہونے پر صدارت کرنے والے ہیں [1]۔اور یہ ساری باتیں حاضر اور سابق فوجیوں میں آگ کی طرح پھیل گئیں اور انہی دنوں

میں ایک دن محکمہ تعلقات عامہ میں جب اپنے دفتر میں بیٹھا تھا اور میرے پاس میرے دیرینہ دوست بریگیڈیئر طور گل اور بریگیڈیئر شیر علی باز بھی بیٹھے تھے، کہ میجر جنرل سید غواث وہاں آئے اور مجھے الگ جگہ لے جاکر کہنے لگے "کہ اکبر خان طارق نے ان کو میرے پاس بھیجا ہے کہ میری سچی باتوں کی بھنک ان تک پہنچ گئی ہے ۔ وہ کشمیر پر ایک کتاب لکھنا چاہتے ہیں ۔ کچھ ناموں اور تاریخوں پر ان کو شک ہے اور کیا اس سلسلہ میں یا کشمیر کے ان کے کچھ فوٹو جو محکمہ تعلقات عامہ میں ہیں ۔ ان کو دے کر میں ان کی مدد کر سکتا ہوں" ۔ اس عاجز نے کہا" کہ ان کے فوٹوؤں کی اشاعت کی ہم پر ۱۹۵۱ء سے "پابندی" ہے ۔ نہ کہ اکبر خان پر اور میں نہ صرف سب فوٹوز ان کو دوں گا بلکہ ہر مدد کرنے کو تیار ہوں" ۔ جنرل سید غواث کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور ایک سال کے بعد ان فوٹوؤں کے ساتھ اکبر خان کی مختصر کتاب "کشمیر کے حملہ آور" جس کا ذکر پیش لفظ میں ہے، وہ شائع ہو گئی، کتاب کے لفظ لفظ سے سچائی اور غیرت ٹپکتی ہے ۔ اور ان چند لفظوں میں اکبر خان نے اپنی فوجی فراست کو چار چاند لگا دیئے ۔ ۱۹۴۷ء سے اس عاجز کے اندر جو لاوا پک رہا تھا، اس کتاب نے اس پر صداقت کی مہر لگا دی ۔ اور ۱۹۷۹ء یا ۱۹۸۴ء میں اس عاجز نے نوائے وقت اخبار میں اپنے دفاعی اور سیاسی المیہ پر جو مضامین لکھے یا بعد میں کتاب "تاشقند کے اصلی راز" ۱۹۸۵ء میں شائع کی، تو اس سلسلہ میں مجھے "طاقت" اسی کتاب نے مہیا کی تھی۔ کہ نوائے وقت اخبار میں ایک چھپے قادیانی شکیل احمد اور پرانے ریڈیو پاکستان کے خبریں سنانے والے نے لکھا بھی، کہ ایک غیر معروف میجر سب جنرلوں کی "ایسی تیسی" کر رہا ہے ۔ کسی کو اسے "خاموش" کرنا چاہیئے ۔ اور نوائے وقت نے اس کے بعد میرے مضامین سے جان نکالنی شروع کر دی اور مجھے مضمون بند کر کے کتاب شائع کرنا پڑی ۔ لیکن آج تک ایک آدمی کو ہمت نہیں ہوئی کہ میرے خیالات یا تبصروں کے خلاف وہ ایک لفظ بھی کہہ سکے ۔

محکمہ تعلقات عامہ کے سیمنارز

۱۹۹۰ء میں جب محکمہ تعلقات عامہ نے دفاع کے سلسلہ میں سیمنارز شروع کئے ۔ تو بہت جلد شرکاء نے اس عاجز کی آراء کو بہت زیادہ وقعت دینا شروع کر دی اور لوگوں نے سچی باتیں بھی کہنا شروع کر دیں ۔ اور پنڈی کے سیمنارز میں بریگیڈیئر عطا محمد ملک نے صاف کہہ دیا کہ اکبر خان طارق کے ساتھ بڑے بھونڈے طریقے استعمال

کر کے اس کو اور کشمیر میں بہادری سے لڑنے والوں کو ذلیل کیا گیا ۔ بریگیڈیئر صدیق ستی نے پونچھ محاذ کی اپنی کہانی سنائی کہ پونچھ میں پریتم سنگھ اس کے سامنے ہتھیار ڈال رہا تھا ۔ تو صدیق ستی کو پونچھ محاذ سے ہٹا دیا گیا (بیچ میں کسی حق پرست نے لقمہ دیا کہ اس غیر تمندی کیوجہ سے صدیق ستی کو بھی اکبر خان کے ساتھ جیل میں ڈال دیا گیا) پشاور کے سیمنارز میں بریگیڈیر محمود جان نے انگریزوں کی سازش سے پردے اتارے ۔ اور ہر سیمینار میں لوگوں کی "نگاہیں" میری طرف ہوتی تھیں ۔ کہ یہ عاجز ہر محاذ کے صحیح حالات سے آگاہ تھا ۔ کہ میجر جنرل نوابزادہ شیر علی کے بارے بریگیڈیئر شمس الحق قاضی نے میری سچی باتیں سننے کیوجہ سے ایک مضمون لکھا[۲] ۔ کہ شیر علی کی شخصیت پاش پاش ہو گئی ۔ میجر جنرل غلام جیلانی پر ایسے "آوازے" کسے گئے کہ پھر اس کو کسی سیمینار میں شرکت کی ہمت نہ ہوئی ۔ اور گلگت و سکردو کے سیمنار میں اس کے "کچے چیٹھے" کو بھی کھول دیا گیا ۔ جب یہ سارے سچ سامنے آنے شروع ہوئے تو ان سیمنارز میں شور اٹھا "کہ میجر امیر افضل ان سچائیوں اور تلخ حقیقتوں کو کتابی شکل دے" ۔ اور یہ تھا وہ پس منظر جس کا پیش لفظ میں ذکر ہو چکا ہے کہ مجھے ایک معاہدہ کے تحت جہاد کشمیر ۴۸۔۱۹۴۷ء کی بامقصد، مستند ۔ اور متوازن تاریخ لکھنے کو کہا گیا ۔

اس عاجز کی تحقیقات

اکبر خان اس وقت تک زندہ تھا ۔ لیکن مفلوج حالت میں تھا اکبر خان کی کتاب بہت مختصر ہے ۔ جس میں "اشارے" بہت ہیں ۔ لیکن سوائے آنکھوں دیکھے واقعات کے اکبر خان نہ اپنی بڑی تجاویز کا زیادہ ذکر کرتا ہے اور نہ باقی محاذوں کی کارروائی کا ۔ اس لئے میجر جنرل ریاض اللہ مرحوم اور میرے درمیان لمبے چوڑے فیصلے ہوئے جن کا ذکر پیش لفظ میں ہو چکا ہے ۔ اور خاص فیصلہ یہ تھا کہ میں اکبر خان سے متعلقہ باتوں کی تحقیق کر کے اور اپنے سوالات میجر جنرل ریاض اللہ کو دوں گا ۔ جو یہ سب کچھ اکبر خان کے پاس کراچی لے جائے گا اور اس سے جواب لائے گا ۔ کہ ریاض اللہ میری تحقیقات اور سوالات سے بہت خوش تھا کہ اس خود نے سارے معاملات کا گہرا مطالعہ کیا ہوا تھا ۔ چنانچہ میری اس تحقیق کا وہ سب مواد بھی اکبر خان کے پاس لے گیا ۔ جس سلسلہ میں پچھلے باب میں راجوری میں جہاد کو وسعت دینے کا ذکر ہے ۔ اور آگے سترھویں، اٹھارویں ابواب میں ریاستی فوج کے میجر اسلم کو جو شمالی علاقوں

میں بھیجا گیا۔ یا اکیسویں باب میں جو ذکر ہے کہ اکبر خان نے کرنل شیر محمد (خالد) سے جو ہندواڑہ کی طرف پیش قدمی کرائی یا بائیسویں باب میں جو جموں۔ سیالکوٹ کی درمیانی سرحدوں کی ناکہ بندی کی تجاویز تھیں۔ یا نوشہرہ محاذ کے سلسلہ میں اکبر خان کی سوچ کا جو ذکر ہے۔ اکبر خان یہ سب کچھ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اور اس نے بڑے اعلیٰ کردار کی بلندی کا مظاہرہ کیا۔ ورنہ جو زک اس کو پہنچائی گئی تھی اور جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ کسی اور کے ساتھ ہوتا۔ کہ اس کے خلاف جو پولیس کے ہتھکنڈوں کا استعمال ہوا۔ کہ اس کے ساتھ ایک ڈاکو اور قاتل والا برتاؤ ہوا تھا اور مقدمہ کی روئیداد آج تک خفیہ رکھی جا رہی ہیں تو وہ اس موقعہ کا بڑا فائدہ اٹھاتا لیکن وہ کہنے لگا کہ نہ وہ کوئی مفروضہ بیان کرے گا، نہ دوسروں کے کام پر تبصرہ کرے گا۔ بے شک یہ تجاویز اس کی تھیں۔ اور ان پر جو یا جس طرح کا عمل ہوا وہ مصنف نے خود ڈھونڈ نکالا ہے۔ اور یہ کچھ مصنف کے الفاظ میں قوم کے سامنے جانا چاہیئے۔

اکبر خان کی تجاویز اکبر خان اپنی کتاب میں صرف یہ کچھ کہتا ہے[۳]۔ کہ قبائلی مجاہدین کے لشکروں کے ذریعہ سے وہ کمزور محاذوں کو طاقت دیتا تھا لیکن کسی تجویز کی تفصیل میں نہیں جاتا۔ خوش قسمتی سے مختلف سیمنارز اور لوگوں سے پرسش کیوجہ سے ضلع جہلم سے مصنف کو طارق کے طور پر ۱۹ دسمبر ۱۹۴۷ء کا دستخط شدہ اکبر خان کا ایک خط مل گیا تھا جو ضلع جہلم، گجرات اور سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنروں کے علاوہ کئی محاذ کے سیکٹر کمانڈروں۔ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ اور پولیٹکل محکمہ وغیرہ کو بھیجا گیا تھا۔ یہ خط جب اکبر خان کو دکھایا گیا تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور کہا کہ اگر اس خط کی کاپی اس کو ۷۱۔۱۹۷۰ء میں مل گئی ہوتی تو وہ اس کو اپنی کتاب کا حصہ بناتا اور ساتھ تبصرہ بھی کرتا۔ اب اس کا تبصرہ مصنف کی کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ اور بہتر ہے کہ مصنف دوغلے پن یا دو آراء سے بچنے کیلئے خود اس خط کو اختصار یا جیسے مرضی ہو اپنے تبصرے کے ساتھ کتاب کا حصہ بنائے کہ بیانات میں تضاد نہ ہو اور یہ معاملات یک رنگی چاہتے ہیں"۔

اکبر خان نے مجھ پر جو بھروسہ کیا، میں دعا کرتا ہوں کہ میں اس پر پورا اتروں۔

مصنف کا اختصار اس خط میں اکبر خان کہتا ہے "بھارت نے بارہ مولا پر قبضہ کے بعد بڑماری کہ وہ دو ہفتوں میں حملہ آوروں کو کشمیر سے باہر پھینک دیں گے۔ لیکن پچھلے دو ماہ میں

سولہ بھارتی پلٹنیں، آٹھ مہاراجہ کی پلٹنیں، توپخانہ، ایک بکتر بند یونٹ، ہوائی جہاز اور انجینیئرز یعنی تقریباً دو ڈویژن بھارتی فوج کشمیر میں جھونکی جا چکی ہے۔ لیکن وہ ہم سے کوئی علاقہ نہیں چھین سکے۔ ایک ہزار بھارتی ہلاک ہو چکے ہیں۔ اور اس سے تین گنا زخمی ہوئے۔ اور بھارت کے سات ہوائی جہاز اور ستر کے قریب گاڑیاں تباہ ہو چکی ہیں لیکن ہمارے ہاں کوئی منظم ادارہ یا تنظیم نہیں جو قبائلی مجاہدین یا ملک سے دوسرے رضاکاروں کو لڑائی میں ٹھیک طرح سے استعمال کر سکے۔ یہ مجاہدین "ٹکڑوں ٹکڑوں" میں ادھر ادھر پھیلا دیئے گئے ہیں۔ اور یہ لوگ دشمن کے کسی پکے حملہ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ اور جب جنگ نہ ہو رہی ہو، تو ان مجاہدین سے اپنے مقامی لوگوں کو بھی لوٹ مار، یا جو کچھ کہیں، اس سے "بچانا" ضروری ہے" اکبر خان مزید کہتا ہے "کہ قبائلی مجاہدین ایک گولی" یا گولہ" کی طرح ہیں۔ ہمیں وہ "ہتھیار" تیار کرنا ہے جو ان کو ہدف پر گرائے یہ بسم اللہ ہمیں قبائلی علاقوں سے شروع کر کے آگے اس "کام" کو ہندو بنیوں کے گھر تک پہنچانا ہوگا۔ یعنی اپنے آباواجداد کی روایات اور تاریخ کو دہرانا ہوگا۔ اگر ہمیں کشمیر سے باہر نکال دیا گیا تو اس کی وجہ یہ نہ ہوگی کہ ہمارے پاس لڑنے والا کوئی نہ تھا۔ بلکہ وجہ یہ ہوگی کہ ہم بے وقوف، کم دل، کم ہمت اور بے غیرت تھے کہ ہم لڑنے والوں کو لڑا نہ سکے۔ اگر انگریزوں کا الیور کرام ویل یہ نعرہ لگا سکتا ہے کہ ان کے ایک ہاتھ میں انجیل ہے اور دوسرے میں تلوار ہے۔ تو ہم بھی ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قرآن پاک لے کر اللہ کا نام لے کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ میں کانفرنسوں پر وقت نہیں ضائع کرتا۔ یہ پاکستان کی جنگ ہے۔ اور میں ایک "ڈھانچہ" بنا کر آپ لوگوں کو بھیج رہا ہوں جو اس جہاد کو جاری و ساری رکھے گا۔"[۱]

یہ ڈھانچہ اکبر خان کے اس خط کے ساتھ ضمیمہ الف کے طور پر اس ڈھانچہ میں اکبر خان نے طارق کے طور پر وزیر اعلیٰ سرحد اور قبائلی علاقہ کے افسروں کا ایک مشاورتی ادارہ بنایا۔ جس میں "خالد سٹاف" اور کچھ متحرک اور مقامی اداروں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ ساتھ ہی طارق۔ ہیڈ کوارٹر میں ایک چیف آف سٹاف[۴]۔ ایک پولٹیکل افسر اور ایک پولٹیکل تحصیلدار کو رکھا گیا۔ آگے ضلع راولپنڈی، جہلم، گجرات اور ہزارہ (ایبٹ آباد) کے ڈپٹی کمشنروں کو ہدایت کی

گئی کہ وہ اپنے ضلع میں کشمیر کی حد کے نزدیک مجاہدین کیلئے خیمہ بستیاں بنائیں ۔ اور ان کو ایک پولٹیکل تحصیلدار دیا گیا ۔ علاوہ ازیں کشمیر محاذ کو پانچ سیکٹروں میں بانٹ دیا گیا ۔ اول کشمیر وادی کا سیکٹر جس کو دو حصے تھے اوڑی سیکٹر (تیرھواں باب) اور ٹھوال ۔ ہندواڑہ ۔ سیکٹر جس کا ذکر اکیسویں باب میں ہے ۔ دوسرا پونچھ سیکٹر تھا جس کا ذکر چودھویں باب میں ہو چکا ہے اور زیادہ تفصیل تیسویں اور اکتیسویں ابواب میں آئے گی ۔ تیسرا کوٹلی سیکٹر تھا ۔ اور یہاں ہی خالد سٹاف کا ذکر ہے ۔ کہ یہاں راجوری بھی شامل ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور نوشہرہ محاذ بھی جس کا کچھ ذکر تیئیسویں باب کے علاوہ تینتیسویں باب میں بھی ہے ۔ یہاں اکبر خان بہت کچھ کرنا چاہتا تھا ۔ جس کی تفصیل آگے مصنف کے سوالات میں آتی ہے ۔ چوتھا سیکٹر میرپور کا تھا ۔ جس کا بیان بیسویں باب میں ہے کہ آگے ان لوگوں نے بھی تیسرے سیکٹر کے ساتھ شیر و شکر ہو جانا تھا ۔ پانچویں سیکٹر میں صرف میجر جنرل محمد زمان کیانی کا نام ہے ۔ اور آگے بھمبر ۔ منور کے ذکر کے علاوہ صرف "مشرق" کا ذکر ہے ۔ اس مہمل ذکر کی تفصیل بھی آگے مصنف کے سوالات میں آتی ہے ۔ آگے ہر ضلع میں بندوبست کیلئے یا آگے محاذوں پر جن افسروں یا سرداروں کو بھیجنا تھا ۔ ان کی تفصیل بھی ہے اور اگر سب ضلعوں سے ایسے کاغذات مل جاتے تو ہر ضلع کے لئے الگ الگ افسروں کے نام صرف ان کو بھیجے گئے ۔ کہ کسی نے کیمپ کمانڈر اور کسی نے کوارٹر ماسٹر کا کام کرنا تھا ۔ اور ساتھ پولیس اور پولٹیکل سٹاف کا بھی ذکر ہے ۔

جہلم ۔ میرپور کے بارے تجویز چونکہ یہ کاغذ جہلم سے ملا تو اس میں میرپور سیکٹر کیلئے کچھ تفصیل ہے کہ کرنل ارشد سیکٹر کمانڈر ہوں گے ۔ ڈپٹی کمشنر جہلم رابطہ اور امداد کا کام کریں گے ۔ میجر نادر خان نائب کمانڈر ہوں گے ۔ دیر کے مجاہدین کا ہزار بارہ سو کا لشکر ہو گا ۔ کچھ زدران بھی ہوں گے ۔ مقامی کشمیری مجاہدین کی ایک کمپنی کیپٹن اعظم کے ماتحت اور پونچھ کے مجاہدین کی ایک پلٹن میجر رانا کے ماتحت اس محاذ پر کام کریں گے ۔ ایک پلٹن بعد میں بھیجی جائے گی ۔ جہلم ۔ میرپور ۔ پونا ۔ ٹانڈا اور سریا میں مجاہدین کے کیمپ ہوں گے ۔ وائرلیس سیٹ اور ملاپ وغیرہ سب ہدایات موجود ہیں ۔ کہ دشمن کو نوشہرہ سے کوٹلی کی طرف پیش قدمی سے کیسے روکا جائے گا ۔ اور راجوری محاذ کے مجاہدین کے ساتھ رابطہ باندھا جائے گا وغیرہ ۔ اور ہر محاذ

کیلئے ایسی تجویزیں تھیں جن کو یہ عاجز اب واقعات کی مدد سے اگلے ابواب میں بیان کرے گا ۔

پورا ملک ایک فوجی قلعہ اکبر خان نے یہ کام صرف قبائلی مجاہدین تک محدود نہ کیا بلکہ صوبہ سرحد اور پنجاب کے بڑے بڑے شہروں یعنی پشاور، کوہاٹ، بنوں، ڈیرہ اسماعیل خان ڈیرہ غازی خان ، ملتان ، ماڑی انڈس ، میانوالی ، دریا خان ، پاک پٹن ، سلیمانکی ، پھلروان ، سرگودھا ، بھلوال اور جھنگ کے اضلاع و مقامات پر مجاہدین کے اجتماع یا تربیتی اداروں کی ایک تجویز ساتھ تھی ۔ جہاں ہر کیمپ میں مجاہدین کی تعداد اور ان کی رہائش اور خوراک کے بندوبست کیلئے ایک تجویز بھیجی ۔ اور ان کو آگے کشمیر محاذ پر لے جانے کیلئے ایبٹ آباد ، راولپنڈی ، جہلم ، گجرات ، سیالکوٹ ، نارووال اور شکر گڑھ میں مجاہدین کے لئے بڑے بڑے کیمپ تیار رکھنے کی تجویز بھی پیش کی ۔ خاص کر راولپنڈی ، جہلم اور گجرات کیلئے تو دس سے پندرہ ہزار تک مجاہدین کی رہائش کے انتظام کی سفارش کی ۔ ساتھ ہر کیمپ میں ، کیمپ کمانڈر ، ان کے نائب ، محرر ، پولٹیکل تحصیلدار ، مولوی ، ڈاکٹر ، حجام ، سویپر وغیرہ سب سٹاف کی تفصیل لکھی ۔ اور راشن و راستوں کی تفصیل کے علاوہ قبائلی علاقہ کے بڑے ملکوں کے وہاں سے گزرتے وقت ٹھہرنے کیلئے ان کی عزت کے مطابق ایک دو کمروں کی سفارش کی ۔ اور ٹرانسپورٹ اور سٹوروں کے علاوہ شہداء کے جسد ، ان کے گاؤں بھیجنے کیلئے ہر کیمپ میں بکسوں کے رکھنے تک کی ہدایات ہیں ۔

مزید ہدایات طارق ہیڈ کوارٹر کا ۱۱ جنوری ۱۹۴۸ء کا ایک خط بھی مل گیا ، جس میں صوبہ سرحد کی مسلم لیگ گارڈ ، جو اس وقت نیشنل گارڈ بن چکی تھی ، انہوں نے ایک ایک افسر اور دس دس جوان ایبٹ آباد ، سہالہ ، جہلم ، گجرات اور سیالکوٹ بھیجنے تھے جہاں انہوں نے مجاہدین کے ساتھ کام کرنا تھا ۔ بلکہ گجرات کے ڈپٹی کمشنر کو مزید پانچ افسر اور پچاس جوان بھیجے گئے جنہیں نے آگے کھاریاں ۔ ٹانڈا ۔ بریلا ۔ جلال پور اور بھمبر میں کام کرنا تھا ۔ اور سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر کو بھی مزید ایک افسر اور دس جوان بھیجے گئے کہ وہ لوگ آگے گوندل میں کام کریں گے ۔ ظاہر ہے اکبر خان جہاد کو سیالکوٹ ۔ جموں محاذ تک پھیلانا چاہتا تھا ۔ لیکن اس سلسلہ میں چھپے ہاتھوں نے کچھ نہ کرنے دیا اور ہماری سرکاری تاریخ[۵] میں اس سلسلہ میں جو "لیپا پوتی" کی

گئی۔ یا برق فورس [6] کا جو ذکر ہے۔ یہ سب ڈرامے تھے، جس سازش سے بائیسویں باب میں کچھ پردے اتارے جائیں گے۔ اکبر خان نے دسمبر ۱۹۴۷ء میں جیسا کہ پچھلے باب میں ذکر ہے کہ ریاستی فوج کے میجر محمد اسلم (بعد میں بریگیڈیئر) کو شمالی علاقوں میں بھیجا وہ تفصیل اگلے ابواب میں آتی ہے۔ لیکن ہماری سرکاری تاریخ میں جو لکھا ہے [7]۔ کہ میجر اسلم نومبر ۴۷ میں وہاں پہنچ گیا۔ وہ غلط ہے کہ اس وقت میجر اسلم اوڑی محاذ پر تھا۔ اور دسمبر میں اس نے طارق۔ ہیڈ کوارٹر میں رپورٹ کی۔ بد قسمتی سے ہر جگہ اس میجر اسلم کو غلط طو پر سہرے باندھے گئے کہ وہ ہر محاذ پر موجود تھا۔

سوالات ؟۔ اس عاجز نے ان تحقیقات کے علاوہ کوئی پچاس سے اوپر سوالات بھی اکبر خان طارق کو بھیجے جن کو پڑھ کر وہ بڑا محظوظ ہوا۔ اور ریاض اللہ کو ہنس کر کہا "کہ مصنف کے ذہن میں جو جوابات ہیں۔ وہ ان کا نام لے کر کتاب کا حصہ بنا سکتا ہے"۔ بہر حال وہ بہت خوش تھا کہ کوئی آدمی سچ کی تلاش میں ہے اور اس نے ہر سوال کا بڑا پیارا جواب دیا۔ اور تفصیل کیلئے اس سلسلہ میں کتاب میں کئی ابواب کا اضافہ کرنا پڑے گا۔ پس قارئین یہ نوٹ کرلیں کہ میری تحقیقات پر ان جوابات کے بھرپور اثرات وہ کتاب میں آگے پڑھتے رہیں گے۔ مختصراً اکبر خان نے کہا کہ وہ کسی جگہ خود بڑا حملہ کرکے یا بھارتی حملے کا ایک Pitched Battle یعنی بھرپور دفاع سے مقابلہ نہ کرنا چاہتے تھے۔ اور جہاں "شکار" ملتا اس پر جھپٹنے کے طریقۂ کار کو اپنانا چاہتے تھے۔ بھارت کے لمبے ذرائع آمد و رفت پر وہ جگہ جگہ ناکہ بندی یا حملوں کا کام کرنا چاہتے تھے۔ اور ان کے سامنے دو بڑے ہدف نوشہرہ اور پونچھ تھے۔ جہاں پر وہ بھارتیوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے قابل تھے۔ اور اس کے بعد کشمیر ہمارا تھا۔ راجوری، ریاسی، یا رام بن، بانہال یا تھٹہ منڈی سے آگے بڑھ کر جموں۔ اکھنور اور جموں سری نگر روڈ۔ سری نگر بارہ مولا روڈ پر وہ بھارتیوں کا ناک میں دم کرنے کے قابل تھے۔ وہ "مشرق" میں سیالکوٹ اور جموں تک جہاد کو پھیلاؤ دینا چاہتے تھے۔ اور اس کے بعد بھارتی یا خود بخود کشمیر چھوڑ دیتے۔ یا ان کی فوجی مشینری تباہ ہو جاتی۔ نوشہرہ، ریاسی، راجوری اور پونچھ کے سب علاقوں تک اگر ایک دفعہ مجاہدین پھیل جاتے تو کشمیر تو معمولی بات ہے۔ ان مجاہدین کو دہلی پہنچنے کیلئے کوئی نہ روک سکتا۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ کیا یہ کچھ پکی فوج کی مداخلت کے بغیر ہو سکتا

تھا؟۔ تو انہوں نے کہا کہ فوج نے ایک دن کشمیر کی جنگ میں شامل ہونا تھا۔ اور بعد میں ہمیں ایسا کرنا پڑا۔ لیکن فوج کو غلط طریقے سے استعمال کیا گیا۔ اس سلسلہ میں البتہ وہ اس تفصیل میں نہ جانا چاہتے تھے کہ فوج کو کہاں کہاں غلط طور پر استعمال کیا۔ یا بروقت استعمال نہ کیا کہ ان کے بیان کو "الزام تراشی" کہا جائے گا اور انہوں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ مصنف اس سلسلہ میں صحیح صورت خود بخود قوم کے سامنے پیش کرے گا۔ ان کو طارق ہیڈ کوارٹر سے ہٹانے کے سلسلہ میں یا اس زمانے میں پروٹیسٹ کہاں تک کیا کے سوالات کے جوابات بھی وہ تفصیل سے نہ دینا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی کتاب میں سب "اشارے" موجود ہیں۔ ان کے پروٹسٹوں کا بھی ذکر ہے۔ اور آخری بڑا "پروٹسٹ" یہ تھا کہ وہ اپنا کورٹ مارشل کرا کے قوم کے سامنے صحیح صورت حال پیش کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کی اس رضاکارانہ قربانی کو سازش کے مقدمہ میں تبدیل کرکے، قوم کو اور اندھیرے میں ڈال دیا گیا۔ ان کے بیانات کو ان کے "صفائی" کے بیانات کی بجائے الزام تراشی بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور وہ دعا کرتے ہیں کہ مصنف اس سلسلہ میں بھی سچ تلاش کرکے قوم کے سامنے پیش کرے۔

راقم کی تحقیق اکبر خان اور بریگیڈیئر صدیق ستی جیسے لوگ کئی صدیوں میں ایک آدھ دفعہ پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں لوگوں کو کچھ پڑھنے کا شوق نہیں۔ اس لئے یہ عاجز تمام تر واقعات کو بہت مختصر طور پر بیان کرتا رہے گا۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ اکبر خان نے جو تجاویز بنائیں تو ان کے تحت وہ ایک بہت بڑی فوج کے "سپہ سالار" بن گئے تھے۔ پورے ملک میں جہاد کے اپنانے کا اعلان ہو سکتا تھا۔ انگریز جنرلوں کو ولایت جانا پڑتا۔ نہرو اپنے فوجیوں پر سخت ناراض تھا [8] کہ بھارتی اوڑی سے آگے کیوں نہیں بڑھ رہے۔ اس سلسلہ میں بھارتیوں کی سوچ اور ان کی ڈیفنس کمیٹی کے فیصلے [9] پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور بھارتی فوج کے سربراہ جنرل راب لاکھرٹ نے تو پونچھ کو بھی خالی کرنے کے احکام دے دیئے تھے۔ لیکن نہرو نے سازش کے ذریعہ سے پونچھ کو اپنے پاس رکھا۔ نہرو حکم پر حکم دے رہا تھا [10] کہ ڈومیل پہنچ کر دریائے جہلم پر سارے پلوں کو برباد کر دیا جائے۔ اور اکبر خان نے کرنل شیر محمد (خالد) کے ماتحت ہندواڑہ کی طرف چند مجاہدین بھیج کر بھارت کی تمام تجاویز کو ختم کر دیا۔ یہی ایک مثال

اکبر خان کی فوجی فراست سمجھنے کیلئے کافی ہے ۔ اور بہت کچھ ہوتا لیکن فروری ۱۹۴۸ء میں اکبر خان کو طارق ہیڈ کوارٹر سے ہی تبدیل کر دیا گیا ۔ جس کی تفصیل چھبیسویں باب میں آتی ہے ۔ لیاقت علی ، قائداعظم کو ہر طرح سے اندھیرے میں رکھ رہا تھا ۔ اپنی کابینہ میں قائداعظم کے وفادار دو وزیروں راجہ غضنفر علی اور اسمعیل چندریگر کو سفارت کے بہانے باہر بھیج دیا ۔ سردار عبدالرب نشتر کے شرافت کا فائدہ اٹھایا جا رہا تھا اور سرحد میں اس کا ایک طاقتور حریف خان عبدالقیوم موجود تھا ۔ بنگالی سیاستدان کشمیر کی اہمیت کو نہ سمجھتے تھے اور قائداعظم کو یہ بتایا جاتا تھا کہ اپنی فوج کو کشمیر میں اس دن داخل کریں گے جس دن بھارت حیدرآباد پر حملہ کرے گا ۔ لیاقت علی سولین بیوروکریٹس اور انگریزوں کے پروردوں کے ساتھ مل کر ہمارا حاکم بن چکا تھا اور ہمیں ایسی ذلت میں ڈبو گیا کہ آج تک اس ذلت سے باہر نہیں نکل سکے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

حوالہ جات

(۱) ۔ تفصیل اس عاجز کی کتاب تاشقند کے اصلی راز کے صفحہ ۲۲۵ سے ۲۲۷ میں ہے ۔ (۲) ۔ نوائے وقت ۲۰ مارچ ۱۹۹۲ء ۔ (۳) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۱۷ اور ۱۱۸ ۔ (۴) ۔ یہ کرنل بعد میں میجر جنرل شوکت علی شاہ ۔ کرنل بعد میں میجر جنرل قاضی رحیم اور میجر بعد میں بریگیڈیر محمود جان تھے ۔ (۵) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۸۳ اور ۸۴ ۔ (۶) ۔ ایضاً ، صفحہ ۸۴ ۔ (۷) ۔ ایضاً ، صفحہ ۱۰ ۔ (۸) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۷ ۔ (۹) ۔ ایضاً ، صفحہ ۷۲ تا ۸۱ ۔ (۱۰) ۔ ایضاً ، صفحہ ۷۲

سترھواں باب

شمالی علاقہ جات اور گلگت پر اسلامی جھنڈا

زمینی حالات متحدہ ہندوستان میں شمال میں گلگت سے لے کر جنوب میں راس کماری (جنوبی ہند) ہی کے دو مقامات ملک کی وسعت کو بیان کیلئے استعمال ہوتے تھے ۔ اور ان دنوں ہنزہ ، نگر یا درہ خنجراب وغیرہ کے نام بہت کم سننے میں آتے تھے اور یہ شمالی علاقہ جات کے اصطلاح بھی اب عام ہوئی ہے ۔ البتہ گلگت کو چترال کا ایک ملحقہ علاقہ کہا جاتا تھا ۔ اور سکردو ، انتظامی طور پر لداخ کا حصہ ہوتے ہوئے بھی گلگت کی ایک "وسعت" کے طور پر جانا جاتا تھا ۔ لداخ کی حیثیت ، چین کی سرحد پر ایک غیر آباد علاقہ کے طور پر جانا جاتی تھی ۔ بہرحال سکردو اور گلگت کے ان شمالی علاقوں میں دریائے سندھ کوہ ہمالیہ کے مغربی حصوں میں ایک بہت بڑا "شگاف" ڈال دیتا ہے ۔ اور اس طرح شمال کی طرف والی "دیوار" کو کوہ قراقرم کہتے ہیں جو ان علاقوں اور چین کے صوبہ سنکیانگ کے درمیان ایک بہت بڑی "روک" یا "کٹہرا" ہے ۔ جنوبی بلندی یا "دیوار" بھی اتنی ہی اونچی ہے ۔ اور دونوں "دیواروں" پر کئی گلیشیئرز ہیں اور ان کی اکثر چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں ۔ البتہ جنوب کی "دیوار" کے ساتھ کچھ درے اور وادیاں بھی ہیں ، اور انہی کا واقعات میں اکثر ذکر ہوگا ۔ یہ شگاف یا وادی بھی سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فٹ سے بھی زیادہ اونچائی پر ہے ۔ دریائے سندھ سکردو سے مغرب کی طرف کبھی سیدھی اور کبھی بیضوی شکل میں جب جگلوٹ کے مقام پر پہنچتا ہے تو آگے سے گلگت اور ہنزہ دریا ، جو ایک دوسرے کے ساتھ گلگت کے مقام پر ملتے ہیں ۔ یہاں دریائے سندھ کے ساتھ ایسے ٹکراتے ہیں کہ تینوں دریا ایک دریا کے طور پر جنوب کا رخ اختیار کر لیتے ہیں ۔ اور رکھیوٹ یا رائے کوٹ کے مقام پر نانگا پربت کو مشرق کی طرف چھوڑتے دریا کا رخ پھر مغرب کی طرف ہو جاتا ہے اور سازین کے مقام پر پھر جنوب کو ۔

درے اور ملحقہ علاقے قارئین نقشہ ہفتم سے استفادہ کریں ۔ یہاں ہمیں صرف



دریائے استور اور اس کی وادی کے ذکر کی ضرورت ہے جو جگلوٹ اور رکھیوٹ کے درمیان آکر دریائے سندھ سے ملتا ہے ۔ علاوہ ازیں دریائے سندھ پر چلاس کے مقام سے دس میل، رکھیوٹ والی طرف کاغان وادی (ہزارہ) سے ایک راستہ بابوسر، درہ سے یاچوٹی سے آکر یہاں ملتا ہے ۔ لیکن ہماری کہانی کیلئے گلگت سے بونجی کے راستے دریائے استور کے ساتھ ساتھ استور کے مقام تک پھر استور سے اس کے معاونوں کے ساتھ ساتھ، رتو یا چلم پہنچ کر چند اونچے دروں مثلاً سرے والی گلی (۱۶۵۲۷فٹ)، کمری بال (۱۳۳۶۸فٹ) برزل بائی (۱۳۷۸۰فٹ) سے گزر کر ہی گریز یا دوسائی سطح مرتفع تک پہنچا جا سکتا ہے ۔ اور دوسائی سے کارگل تک بھی جا سکتے ہیں۔

آبادی اور تاریخی پس منظر ان علاقوں کی آبادی سو فی صدی مسلمانوں پر مشتمل ہے اور تھی ۔ کوئی اکا دکا غیر مسلم مل جاتا تھا۔ ۱۸۴۶ء میں انگریزوں نے معاہدۂ امرتسر کے تحت ڈوگروں کے ہاتھ جو کشمیر کو فروخت کیا تو ۱۸۵۲ء تک تو یاسین کا سردار گوہر رحمن ان علاقوں میں ڈوگروں کو تہس نہس کرتا رہا۔ اور بعد میں البتہ انگریزوں کی چترال میں دلچسپی کی وجہ سے ڈوگروں کی گلگت میں کچھ برائے نام عملداری ہو گئی کہ ۱۹۰۱ء میں کرنل ڈیورنڈ[1] کو گلگت میں انگریزوں نے اپنا پولٹیکل ایجنٹ مقرر کر دیا۔ اور اس وقت تک ہنزہ ایک خود مختار ریاست یا ملک تھا ۔ لیکن ایک طرف روس کی جنوب میں دلچسپی. اور دوسری طرف ہنزہ کی سنکیانگ کے ساتھ حدود ملنے سے اور وہاں کی اسمعیلی آبادی کے بین الاقوامی پھیلاؤ کیوجہ سے، کرنل ڈیورنڈ نے میر آف ہنزہ سے رابطہ باندھ کر اس کو انگریزوں کی سرپرستی قبول کرنے کی دعوت دی ۔ میر نے اپنی مجلس مشاورت بلائی جنہوں نے فیصلہ کیا کہ میر آف ہنزہ، نکاح ثانی کے طور پر ملکہ وکٹوریہ سے شادی کر لے، ورنہ وہ کسی انگریز کو ہنزہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور خون کی ندیاں بہہ جائیں گی ۔ یہ چیز تو خواب و خیال اور افسانہ بن گیا اور انہی دنوں بوڑھی ملکہ وکٹوریہ کا انتقال بھی ہو گیا ۔ بہرحال انگریزوں کی مدد سے جموں اور کشمیر کی فوج گلگت میں جمع ہو گئی اور انہوں نے ہنزہ پر چڑھائی کر دی ۔ دو تین دن کی لڑائی کے بعد میر، سنکیانگ بھاگ گیا ۔ لیکن انگریزوں نے اس کو واپس بلا کر ریاست کی حکومت پر بحال کر دیا۔

انگریز کی پیش بینی روس کی وسطی ایشیا کی طرف بڑھتی ہوئی دلچسپی کو بھانپتے ہوئے،

انگریز گلگت پر بھی خاص توجہ دے رہے تھے اور انہوں نے ۱۸۹۵ء میں ہی سری نگر سے بانڈی پورہ۔ گریز، منی مرگ، درہ برزل، استور، بونجی، اور جگلوٹ سے گلگت تک مہاراجہ سے سڑک بنوائی۔ اور یہ کام آفریدی ٹھیکیداروں نے کیا، جن کی باقیات اب بھی ان علاقوں میں کہیں کہیں آباد ہیں۔ اور اسی سڑک سے توپیں بھیج کر ۱۹۰۱ء میں ہنزہ پر حملہ کیا گیا۔

ہنزہ کے لوگ ہنزہ کے لوگوں کے چہروں کے نقش ونگار یونانیوں سے ملتے ہیں۔ عورت و مرد دونوں صحت منداور خوش شکل ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے سنگلاخ پہاڑوں کو دن رات محنت کر کے مرغزاروں میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ لوگ نڈر، زندہ دل اور کھلی طبعیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے روحانی معاملات آغاخان کے سپرد کر دیئے ہیں۔ اور ان کو جانثاری، حسن۔ بن صباح سے ورثہ میں ملی ہے جس نے سلاطین سلجوق کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ تو جہاد۔ کشمیر میں ان لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

گلگت کا سول انتظام ڈوگرہ حکومت گلگت کے علاقوں کے سولین انتظام کیلئے کسی مسلمان کو وزیر وزارت یا گورنر مقرر کرتے تھے اور ہمارے ملک کے ایک دانشور قدرت اللہ۔ شہاب کا والد ۱۹۳۶ء تک وہاں کا گورنر تھا۔ جب بین الاقوامی طور پر روس نے اوپر آنا شروع کیا تو اسی سال وہاں کا پورا انتظام ایک انگریز پولٹیکل ایجنٹ [۲] نے سنبھال لیا اور ۱۹۹۵ء تک سارے علاقے پٹے پر لے لئے۔ اگر صوبہ سرحد ریفرینڈم میں بھارت کے ساتھ شامل ہوتا، تو انگریز یہ "پٹے داری" بھارت کے حوالے کرتے۔ اب یہ پٹے داری پاکستان کا حق تھا۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جولائی ۱۹۴۷ء میں یہ علاقے مہاراجہ کشمیر کے حوالے کر دیئے اس وقت صرف بونجی میں مہاراجہ کشمیر کی پانچویں جموں و کشمیر پلٹن تھی۔ گلگت کا گورنر مہاراجہ نے برگیڈئیر گھنسارا سنگھ کو بنایا، کہ کرنل بلدیو سنگھ پٹھانیہ نے یہ عہدہ لینے سے انکار کر دیا۔ اور گلگت سکاؤٹس کی نفری مسلمانوں پر مشتمل تھی۔

مہاراجہ کشمیر کا تذبذب مہاراجہ کشمیر کو البتہ زیادہ فکر سری نگر، جموں اور نوشہرہ کی چھاؤنیوں کی تھی۔ اور ان علاقوں سے مسلمان نفری والی یونٹوں کی چھٹی کشمیر پلٹن کو ایک وفادار مسلمان کرنل عبدالمجید کے ماتحت گلگت کے نزدیک بونجی بھیج دیا۔ اور مہاراجہ کو زیادہ

فکر میجر مرزا حسن خان کے بارے تھی اور اسکو بھی اپنی مسلمان کمپنی کے ساتھ بونجی بھیج بیٹھا۔ کہ مہاراجہ کو خبر ملی تھی کہ حسن خان کئی اور مسلمان افسروں کی مدد سے سری نگر پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس میں کافی کچھ سچائی ہے [۳] اور پیش لفظ میں حسن خان کی کتاب "شمشیر سے زنجیر تک" کا ذکر ہے۔ کہ یہ کتاب میری پہلی تحقیق اور مسودے کے مکمل کرنے کے بعد مجھے ملی۔ ویسے حسن خان اور میجر محمد خان جرال کا تعارف پندرھویں باب میں بھی ہو چکا ہے۔ بہرحال حسن خان جو اپنی کمپنی کی پونچھی، میرپوری اور جموں والی نفری پر جا بجا اپنی کتاب میں فخر [۴] کرتا ہے، وہ لوگ ستمبر ۱۹۴۷ء کے شروع میں سری نگر سے بانڈی پور تک ٹرکوں کے ذریعہ سے گئے اور آگے پیدل چل کر بونجی پہنچے۔ وہ سارا راستہ "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگاتے گئے [۵]۔ اور یہ سفر حسن خان کے بڑا کام آیا کہ آگے اٹھائیسویں باب میں حسن خان کی اس راستے سری نگر کی طرف پیش قدمی ہماری عسکری تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ انہی دنوں سٹاف سے میجر احسان علی خان کو بھی بونجی تبدیل کر دیا گیا۔ کہ اس کے سامنے کرنل بلدیو سنگھ پٹھانیہ کہیں غلطی سے یہ کچھ کہہ بیٹھا، کہ مہاراجہ آہستہ آہستہ مسلمان یونٹوں کو توڑ دے گا [۶]۔ گلگت اور بونجی پہنچنے کے بعد میجر احسان نے سب مسلمان افسروں کو مہاراجہ کے "ارادوں" سے آگاہ کر دیا۔ آگے میجر محمد خان کے مطابق گلگت سکاؤٹس جن کی نفری ۵۸۵ تھی اور وہ سب مسلمان تھے۔ اور محمد خان پہلے سکاؤٹس میں ایجوٹنٹ اور کوارٹر ماسٹر کے طور پر تعین ہوا۔ لیکن ۱۵، اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اسے بھی چھٹی ڈوگرہ پلٹن میں بونجی بھیج دیا گیا۔ گلگت سکاؤٹس کا کمانڈر میجر براؤن تھا اور ایک ونگ کا کمانڈر بھی ایک انگریز میتھسین تھا۔ اور دوسرے کا کیپٹن محمد سعید۔ ایک اور افسر لیفٹینٹ غلام حیدر تھے۔ تیسرے اہم آدمی صوبیدار میجر بابر تھے جو نگر کے میر کے سگے چچا تھے اور بھارتی تاریخ [۷] کے مطابق ان کی شادی میر آف ہنزہ کی بہن سے ہو چکی تھی۔ بہرحال یہ حالات پاکستان کے حق میں بھی جاتے تھے۔ لیکن مہاراجہ گھنسارا سنگھ، کرنل عبدالمجید اور کیپٹن نیک عالم کی مدد سے معاملات کو کنٹرول کرنا چاہتا تھا۔ اور نیک عالم کو بھی بونجی بھیجا گیا لیکن سکردو میں مسلمان نفری کو کنٹرول کرنے کیلئے اور کرنل تھایا کی مدد کیلئے جو اس وقت لہ تھا نیک عالم کو بعد میں سکردو بھیج دیا گیا [۸]۔

بھارتی تاریخ [9] بھارتی مورخین تسلیم کرتے ہیں کہ ہنزہ اور نگر کے میر، پاکستان کے حق میں تھے، اور ریاست کے بھارت کے ساتھ الحاق کے خلاف تھے۔ اور سہروردی کے مطابق [10] ان دونوں ریاستوں کے سربراہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو سری نگر میں تھے، اور انہوں نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرے۔ اور بھارتی تاریخ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ ان علاقے کے سارے سولین اور سرکاری نوکر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے۔ گو بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ کو بھارتیوں نے ایک ہوائی جہاز کے ذریعہ سے ۳۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو گلگت پہنچا دیا تھا۔ اور اس نے انگریز پولٹیکل ایجنٹ کرنل بیکن سے اسی دن چارج لے لیا۔ لیکن حالات اس کے کنٹرول سے باہر تھے۔ بہرحال ۲۷، اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جب مہاراجہ نے کشمیر کا الحاق بھارت سے کر دیا۔ تو گورنر گھنسارا سنگھ نے کافی بہانے بنائے کہ یہ عارضی بات ہے اور گلگت کے گرد و نواح کے مسلمانوں کو پاکستان میں شامل ہونے کی اجازت دی جائے گی وغیرہ لیکن میجر حسن خان اس سلسلہ میں بہت کچھ کر چکا تھا۔ جو ذکر بعد میں آئے گا۔ بھارتی تاریخ والے تو کہتے ہیں کہ سب کچھ میجر براؤن نے کرایا کہ وہ ہمیں انگریزوں کا "پروردہ" کہتے ہیں لیکن ان کے بیانات کہ میجر براؤن، لیفٹیننٹ غلام حیدر اور صوبیدار میجر بابر نے گورنر ہاؤس کو گھیرا ڈال لیا، سراسر غلط ہیں۔ علاوہ ازیں میجر براؤن نے تو گورنر گھنسارا سنگھ کے کہنے پر صوبیدار میجر بابر کو دور دراز پوسٹ کر دیا تھا اور اس رات وہ گلگت میں موجود ہی نہ تھا۔ بلکہ میجر براؤن نے پاکستان کے ایک اور ہمدرد صوبیدار جان عالم کو نوکری سے بھی نکال دیا تھا۔ [11] بھارتی تاریخ کا البتہ یہ بیان صحیح ہے کہ گھنسارا سنگھ کا سری نگر کے ساتھ رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔ کہ گلگت کا ٹیلیگراف دفتر ایک مسلمان افسر کے تحت تھا۔ اور وائرلیس سٹیشن جو برٹش حکومت کی ملکیت تھا اس کو پشاور ریڈیو سٹیشن سے کنٹرول کیا جاتا تھا۔

اپنی سرکاری تاریخ اپنی تاریخ [12] میں گھنسارا سنگھ کو گرفتار کرنے کی کہانی اور گلگت پر اسلامی جھنڈے لہرانے کے عمل کو بڑے مہمل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ میجر حسن خان کی عظمت لوگوں کے سامنے نہ آئے، کہ کشمیر میں ہر اچھا کام کرنے والے کو یا سازش کے مقدمہ میں ملوث کر دیا گیا یا ایوب خان کے مطابق اس کے قد کو "تراش" دیا گیا۔ اور آگے ذکر آئے گا

کہ حسن خان کو بھی بریگیڈیئر صدیق سنی اور جنرل اکبر خان کے ساتھ کال کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا سرکاری تاریخ کہتی ہے [13] کہ گلگت سکاؤٹس کے لیفٹیننٹ غلام حیدر کو خبر ملی کہ بونجی سے چھٹی ڈوگرہ پلٹن گلگت آ رہی ہے اور ان کے لئے سکاؤٹس کو بارکیں خالی کرنا ہوں گی تو انہوں نے گورنر سے احتجاج کیا۔ ظاہری طور پر گورنر نے سکاؤٹس کی بات مان لی۔ لیکن پوشیدگی میں کرنل عبدالمجید کو حکم دیا، کہ ریاستی فوج زوردار مارچ کر کے جلدی گلگت پہنچے۔ لیفٹیننٹ غلام حیدر کو شک پڑ گیا۔ تو اس نے گورنر کو گرفتار کر لیا بعد میں ریاستی فوج کی مسلمان کمپنی میجر حسن خان کی کمانڈ میں وہاں پہنچی تو حسن خان، صوبیدار میجر بابر کے ساتھ کچھ مشورے کرنے کے بعد واپس بونجی چلا گیا، کہ وہاں پر باقی مسلمانوں کو حکومت کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کیلئے تیار کرے۔ کتنا جھوٹ ہے یہ کہ صوبیدار میجر بابر تو وہاں تھا ہی نہیں۔ اور مقصد صرف حسن خان کو منظر سے دور کرنا ہے۔ کہ گلگت کا نظام سنبھالنے کا سہرا اس کے سر پر نہ بندھے۔

دوسرے ذرائع سہروردی کے مطابق [14]، کرنل عبدالمجید کو احکام مل چکے تھے کہ وہ میجر حسن خان کو گرفتار کرے۔ لیکن اس کو ایسا کرنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ اور یہی ایک ثبوت کافی ہے کہ ڈوگرہ حکمران جانتے تھے کہ تمام مجاہدین کو اکٹھا کرنے والا حسن خان ہے۔ اور وہ پچھتا رہے تھے، کہ انہوں نے حسن خان کو بونجی کیوں جانے دیا۔ اور حسن خان کو بانڈی پورہ سے "لوٹ کے آ" "لوٹ کے آ" کے تار موصول ہو رہے تھے [15] بہرحال مسٹر سہروردی کے مطابق لیفٹیننٹ غلام حیدر نے گلگت میں گورنر ہاؤس کا محاصرہ، ۳۱ اکتوبر کو کر لیا تھا [16]۔ اور میجر حسن خان زوردار مارچ کر کے یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو گلگت پہنچ گئے۔ اگر وہ نہ پہنچتے تو سکاؤٹس شاید گورنر کو تہ تیغ کر دیتے کہ وہ آگے سے مقابلہ کر رہا تھا۔ حسن خان نے اپنے ایک نمائندہ کو سفید جھنڈے کے ساتھ گورنر کے پاس بھیجا کہ وہ مجاہدین کی پناہ میں آ جائے تو اس کے ساتھ اس کے عہدہ کے مطابق برتاؤ کیا جائے گا۔ گورنر نے یہ پیش کش منظور کر لی۔ راقم نے بہت تحقیق کی اور میجر محمد خان جرال کا زبانی بیان بھی تقریباً یہ کچھ کہتا ہے۔ کہ سب کام میجر حسن خان اور لیفٹیننٹ غلام حیدر نے مل کر کیا۔ میجر احسان کو بھی عارضی طور پر کرنل عبدالمجید کے ساتھ دکھاوے کے طور پر حراست میں لیا گیا۔ اور پھر رہا کر دیا گیا۔ عبدالمجید، اور گھنسارا سنگھ دونوں

حراست میں تھے ۔ اور یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو حسن خان نے گلگت پر پاکستان کا جھنڈا لہرا دیا ۔ اور گلگت سے ایک بااثر شخص رئیس خان کو گلگت کا منتظم مقرر کیا ۔ ساتھ ہی حکومت پاکستان کو درخواست بھیجی کہ وہ گلگت کیلئے کوئی پولٹیکل ایجنٹ مقرر کریں ۔ اور حکومت پاکستان کی طرف سے محمد عالم خان نے ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو پولٹیکل ایجنٹ کا عہدہ سنبھال لیا ۔

تانے بانے یہ ساری تحقیق اس عاجز نے حسن خان کی کتاب " شمشیر سے زنجیر " پڑھنے سے پہلے کی تھی اور اب تانے بانے ملانے کیلئے اس سے ایک دو حوالے بھی دے دیئے ہیں ۔ جو صاحب تفصیل چاہتے ہیں ، وہ حسن خان کی کتاب سے استفادہ کریں ۔ یہاں پر صرف اتنا اضافہ کیا جاتا ہے ۔ کہ حسن خان نے بونجی پہنچ کر سب ہم خیال لوگوں سے رابطے باندھے ، جن میں میجر محمد خان جرال ، کیپٹن محمد سعید ، لیفٹیننٹ غلام حیدر اور صوبیدار میجر بابر خاص کر قابل ذکر ہیں ۔ لیکن ان کے ساتھیوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور ہم ان سب کو سلام کرتے ہیں ۔ خاص کر ہیڈ کلرک گلاب دین کو جو حسن خان کو ہر اوپر سے آنے والے پیغام سے آگاہ کر دیتا تھا ۔ اور حسن خان کو اپنی گرفتاری کے احکام کی بھی خبر اس نے دی تھی ۔ اور ۳۱ اکتوبر کو گورنر گھنسارا سنگھ نے بونجی سے سکھ کمپنی کی مدد طلب کی ، تو ہیڈ کلرک نے حسن خان کو آگاہ کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ سکاؤٹس بھی شک میں تھے کہ سکھ کمپنی گلگت آرہی ہے ۔ لیکن حسن خان نے کسی طرح سے کرنل عبدالمجید سے اپنی کمپنی کو وہاں بھجوانے کی بات منوالی ۔ اور گلگت سے نو میل دور جب وہ بھوپ سنگھ کی پڑی پر پہنچا تو آگے سکاؤٹس کا صوبیدار صفی اللہ سکھوں کے ساتھ لڑنے کو تیار تھا ۔ علاوہ ازیں سارے کام حسن خان نے بڑے سلیقے اور تدبر سے انجام دیئے ۔ کہ گورنر کے " ذریعہ " سے کرنل عبدالمجید اور میجر احسان کو گلگت بلوایا اور ان کو حراست میں لیا ۔ تاکہ بونجی کی سکھ ڈوگرہ نفری کو آسانی سے اپنی مرضی کے مطابق گرفتار کرے یا ان کا قلع قمع کرے ۔ بہر حال گورنر گھنسارا سنگھ سے بونجی کے سکھ ڈوگروں کو ایک تسلی کا ٹیلیفون بھی کرا دیا کہ وہ مجاہدین کے ساتھ زیادہ "الجھاؤ" نہ کریں ۔

بونجی کی سکھ ڈوگرہ نفری چھٹی ڈوگرہ پلٹن میں سکھوں کی دو کمپنیاں تھیں اور کچھ ڈوگرے بھی تھے ۔ کرنل عبدالمجید کے چلے جانے کے بعد کیپٹن بدھ سنگھ ڈوگرہ نے بونجی کی

کمانڈ سنبھال لی ۔ اور دو اور ڈوگرہ افسر کیپٹن سدیو سنگھ اور لیفٹیننٹ رگھوناتھ سنگھ بھی تھے ۔ محمد خان جرال اس وقت کیپٹن تھا اور بونجی میں مسلمان ان غیر مسلمانوں کے مقابلے میں بہت تھوڑے تھے ۔ بہر حال محمد خان نے بڑی ڈپلومیسی سے کام لیا ۔ کہ سری نگر سے وہاں ایک امریکن میجر ولسن آیا ۔ جو ہنزہ کے راستے سنکیانگ جا رہا تھا ۔ اور گلگت کے خراب حالات سن کر بونجی میں قیام کے بعد جب سری نگر واپس جانے لگا تو بدھ سنگھ نے اسے سری نگر کیلئے جو پیغام دیا ۔ محمد خان نے بھی ہاں میں ہاں ملائی ۔ اور مسلمان عہدیداروں سے سکھ عہدیداروں کے دل میں ڈر بھی پیدا کرواتا رہا ، کہ قبائلی مجاہدین نے گلگت پر قبضہ کیا ہے اور وہ بونجی کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں ۔ اس لئے اکا دکا سکھوں ۔ ڈوگروں نے یکم نومبر کو ہی بونجی سے فرار اختیار کر لیا تھا ۔ بونجی کے بھی دو حصے تھے اپر بونجی میں میجر حسن خان کی ڈی کمپنی کا رئیر ہیڈ کوارٹر ، کوارٹر گارڈ پلٹن کا خزانہ اور بارود وغیرہ تھے ، جس کی حفاظت چند مسلمان کر رہے تھے ۔ لوئر بونجی میں سکھوں کی بی کمپنی ، ہیڈ کوارٹر کمپنی اور مسلمانوں کی سی کمپنی کی ایک پلٹون تھی ۔ محمد خان نے ڈوگروں کو سمجھایا ، کہ باہر سے حملہ آوروں سے بچاؤ کیلئے مسلمانوں کو سنتری کے کام پر لگایا جائے اور اس طرح اس نے پلٹن کے حصار کی حفاظت مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دی ۔ ورنہ بونجی کے اندر لڑائی شروع ہو جاتی تو سارا سامان ضائع ہو جاتا ۔

بونجی چھاؤنی مسلمانوں کے ہاتھ میں حسن خان ، گلگت میں بھی بہت معروف تھا لیکن بونجی کو بھی کفر سے پاک کرنا ضروری تھا ۔ پوری کہانی حسن خان کی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ ہے ۔ اور بھارتی تاریخ [17] کے مطابق جگلوٹ کی ایک سکھ پوسٹ کا مسلمانوں نے بالکل صفایا کر دیا ۔ یہ کچھ دراصل چلاس کے سکاؤٹس نے کیا ۔ جو بونجی پر قبضہ کرنے کیلئے آگئے تھے ۔ اور بونجی کے ساتھ رابطہ والی پلوں کو بھی توڑ دیا ۔ اور حسن خان کے مجاہدین نے جو گلگت سے آئے ، ان کو بونجی میں داخل ہونے میں بڑی تکالیف اٹھانا پڑیں کہ بونجی کے نزدیک چار میل پر شیطان نالہ پر جو لکڑی کا پل تھا وہ محمد خان نے جلوا دیا کہ ڈوگرے اس کو استعمال نہ کریں ۔ بہر حال کل سکھ ڈوگرے جن کو گرفتار کر کے بونجی جیل میں ڈالا گیا ان کی تعداد ۳۵۰ بتائی جاتی ہے کہ اکا دکا کچھ لوگ بھاگ گئے ۔

استور اور گریز پر قبضہ اب فتوحات کو سری نگر کی طرف وسعت دینے کی ضرورت تھی، تو کچھ مجاہدین کے ساتھ حسن خان نے میجر محمد خان کو استور بھیجا لیکن وہ دشکن کی طرف چلا گیا، تو حسن خان خود کو استور جانا پڑا [۱۸] جہاں کیپٹن محمد سعید اور صوبیدار غلام مرتضےٰ بھی بعد میں پہنچ گئے ۔ اور صوبیدار غلام مرتضیٰ کو آگے گریز تک بھیجا گیا کہ سرکاری خزانہ کو لوٹ کر بھاگے ہوئے ڈوگرے ساتھ نہ لے جائیں ۔ اور گریز تک جو تجارتی سامان پہنچا ہوا تھا وہ سری نگر واپس نہ چلا جائے ۔ صوبیدار غلام مرتضیٰ نے بعد میں اپنا ہیڈ کوارٹر حلیم میں بنایا جس کا ذکر بعد میں آئے گا ۔ لیکن اس نے جو گرانقدر انتظامی خدمات انجام دیں ۔ یا دشمن کے ارادوں سے اپنے اوپر والوں کو جس طرح وہ آگاہ کرتا رہا، یہ ہماری تاریخ کا سنہری باب ہے ۔ اسی طرح ایک سابقہ پولیس کا سپاہی جو بعد میں مفرور بھی رہا اس کے بارے ہماری سرکاری تاریخ ۔ سہروردی [۱۹] اور حسن خان سب نے کہانی لکھی ہے کہ سکھوں کی ایک پوری پلٹون جو سکردو کی طرف فرار کر رہی تھی اس کو یہ سپاہی جس کا نام بختاور شاہ تھا، اس نے ان سب کو دریا کے ایک پھندے میں پھنسا کر ایک ایک کو باری باری گرفتار کیا ۔ سب کے ہتھیاروں سے بولٹ نکال کر ایک گدھے پر لادے اور ان اکیس آدمیوں کو قیدی بنا کر بونجی لے آیا ۔ صرف چار زخمی روندو چھوڑے جو بعد میں سکردو پہنچ گئے ۔

آئندہ کی تیاری میجر اسلم کی اس علاقے میں آمد کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے ۔ میجر حسن خان نے اپنی کتاب میں اس کے سلسلے کچے چٹھے کھول دیئے ہیں [۲۰] کہ وہ جموں کے افسروں کی صلاح و مشورہ کہ مہاراجہ سے طاقت چھینی جائے ۔ اس سے اس زمانے میں فرار اختیار کر گیا ۔ اور یہاں آکر پولٹیکل ایجنٹ کے ساتھ مل کر اس نے حسن خان کے خلاف ہر اوچھا ہتھیار استعمال کیا ۔ پہلے اس کو گلگت سے دور رکھنے کیلئے چلاس بھیجا ۔ اس کی وفادار نفری اس سے لے کر میجر احسان کو دے دی ۔ اور حسن خان کو اور ساتھی تلاش کرنے پڑے ۔ بہر حال سب مجاہدین کو ملا کر چار ونگ بنا دیئے گئے اے ونگ میجر محمد خان جرال کی کمانڈ میں بونجی رکھا گیا ۔ اور اگلے باب میں ہم ان کی کہانی یعنی سکردو کی طرف پیش قدمی کے عمل کو زیر بحث لائیں گے بی ونگ میجر حسن خان کے ماتحت چلاس میں رکھا گیا جو بعد میں ٹائیگر فورس بن گیا جس کی

کہانی ہم بعد میں اٹھائیسویں باب میں بیان کریں گے ۔ سی اور ڈی ونگ لیفٹیننٹ بابر اور کیپٹن غلام حیدر کے ماتحت گلگت میں تھے جو بعد میں میجر احسان کے تحت زیادہ تر مارخور فورس میں شامل ہوگئے اور جس کی کہانی ستائیسویں باب میں ہے ۔ لیکن ان میں سے کچھ لوگوں نے سکردو کی لڑائی میں بھی حصہ لیا جس کا ذکر اگلے باب میں آتا ہے ۔

خلاصہ شمالی علاقہ کے مجاہدین کے کارنامے ہماری تاریخ کا سنہری باب ہے ۔ لیکن اختصار مصنف کی مجبوری ہے ۔ میجر حسن کی کتاب اس سلسلہ میں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے ۔

حوالہ جات

(۱) ۔ دی کشمیر کیمپین، صفحہ ۳، یہ ڈیورنڈ تین بھائی تھے ایک وائسرائے ہند کا خارجہ سیکرٹری رہا، دوسرے نے افغانستان کے ساتھ سرحد کی لکیر کھینچی جو ڈیورنڈ لائن کہلاتی ہے ۔ تیسرا یہ تھا ۔ (۲) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۴۹ ۔ (۳) ۔ شمشیر سے زنجیر تک ۔ صفحہ ۹۴ ۔ (۴) ۔ ایضاً، صفحہ ۱۲ ۔ (۵) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۴۰ (۶) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۵۱۴ ۔ (۷) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۸۰ ۔ (۸) ۔ شمشیر سے زنجیر تک، صفحہ ۱۱۵ ۔ (۹) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۷۹ تا ۲۸۲ ۔ (۱۰) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۵۶ ۔ (۱۱) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۵ اور ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۵۰ ۔ (۱۲) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۵ تا ۷ ۔ (۱۳) ایضاً، صفحہ ۶ ۔ (۱۴) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۴۹ ۔ (۱۵) ۔ شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۱۱۲ ۔ (۱۶) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۵۱ ۔ (۱۷) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۸۲ ۔ (۱۸) ۔ شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۱۴۶ ۔ (۱۹) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۷، اور ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۵۲ ۔ (۲۰) ۔ شمشیر سے زنجیر تک کے مطابق ۔ میجر اسلم نے کرنل پاشا کا نام اپنا لیا تھا تفصیل صفحہ ۱۵۴ سے لے کر صفحہ ۱۶۰ تک میں ہے ۔

اٹھارواں باب

سکردو کی طرف پیش قدمی اور اس کا محاصرہ

علاقے کا بیان سکردو، گلگت سے ۱۵۰ میل دور ہے۔ اور گلگت سے ۳۶ میل مشرق میں بونجی کے پاس سے دریائے سندھ کے کنارے کنارے جو راستہ آتا ہے تو راستے میں وہ سب چھوٹے دریا یا نالے عبور کرنا پڑتے ہیں۔ جو پچھلے باب میں بیان شدہ شمالی اور جنوبی "دیواروں" سے آکر دریائے سندھ میں گرتے ہیں۔ لیکن بڑا دریا صرف شگر ہے جو سکردو کے نزدیک آکر دریائے سندھ میں ملتا ہے۔ سکردو کے مشرق میں گول کے مقام پر دریائے سندھ کے دو بڑے حصوں کا جو ملاپ ہوتا ہے۔ اور اس سے آگے کی زمین کا بیان ستائیسویں باب میں ہوگا۔ سکردو سے ایک راستہ جنوب میں چوکی تک جاکر دوسائی سطح مرتفع کی طرف بھی جاتا ہے۔ اور سکردو سے بیس میل مغرب میں کتزرہ گاؤں سے ایک راستہ جنوب میں وادی استور کے گاؤں گدئی تک جاتا ہے۔ اور نقشہ ہشتم اتنا کچھ ظاہر کرتا ہے۔

سکردو کا محل وقوع نقشہ نہم ظاہر کرتا ہے کہ سکردو دریائے سندھ کے جنوب میں ایک گیارہ میل لمبی اور پانچ میل چوڑی وادی میں واقع ہے، جو دریا کے شمال میں بھی اتنی لمبی ہے، لیکن چوڑائی ڈیڑھ سے چار میل رکھتی ہے۔ ساری جگہ ریتلی ہے صرف درمیان میں ایک ٹیکری ہے جس کو بلکر دکھتے ہیں۔ وادی سطح سمندر سے تقریباً سات ہزار فٹ بلند ہے اور جنوبی حصہ زرخیز اور آباد ہے۔ چنانچہ آبادی، ہسپتال، سکول، سول انتظامیہ اور فوجی بارکیں اسی طرف ہیں۔ تین میل محیط والی اور ۸۸۵۳ فٹ بلند چوٹی والی ایک پہاڑی سکردو پر چھائی ہوئی ہے۔ جس پر صرف شمال یا جنوب مغرب سمت سے اوپر جایا جا سکتا ہے۔ پہاڑی کے مشرقی حصہ میں چڑھائی کے درمیان اور اونچی چوٹی کی "کور" یا چھپاؤ میں سکردو کا مشہور قلعہ ہے۔ جس نے اس علاقے کی جنگ کے رنگ کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔

انتظام اور دفاع سکردو اگرچہ ضلع لداخ کی ایک تحصیل ہے، لیکن سردیوں میں لداخ

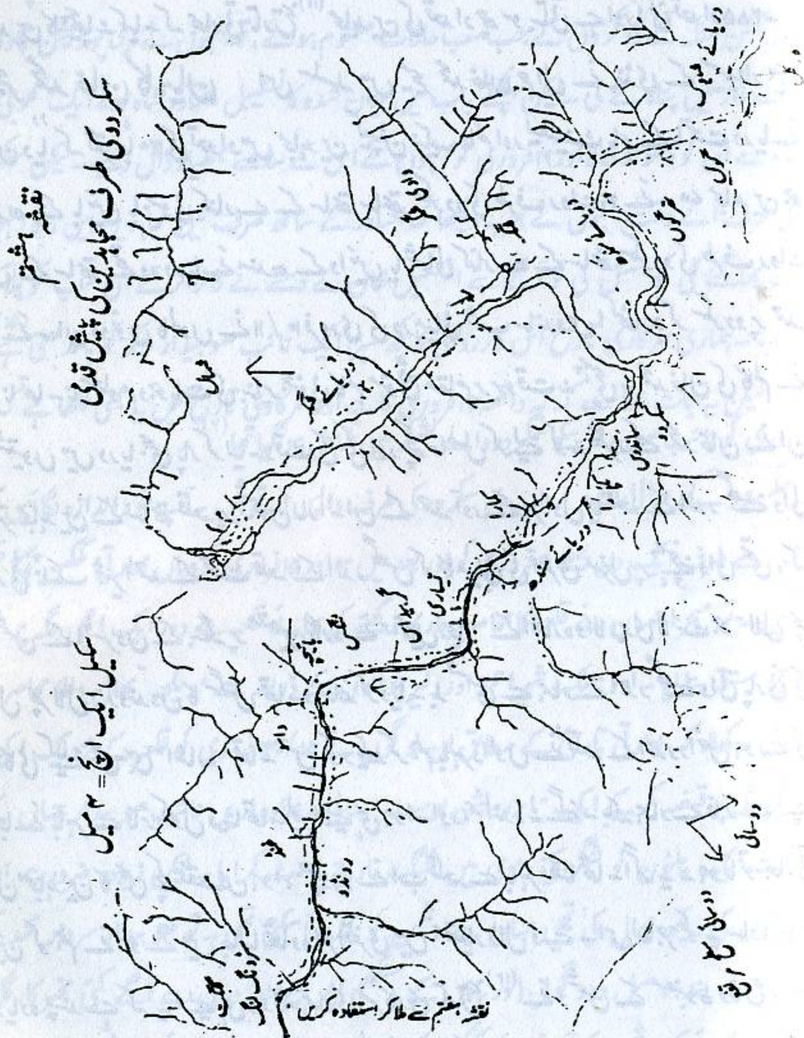
کا وزیر وزارت یہیں سے سب انتظام چلاتا تھا۔ آگے سکردو کے راجہ کے علاوہ چار اور راجگان تھے جو رونڈو، خپلو، شگر اور خرمنگ کے حکمران تھے، اور ڈوگرے ان مسلمان، راجوں کی مدد سے سو فی صدی مسلمان آبادی پر قابض تھے۔ بھارتی تاریخ والے البتہ مانتے ہیں کہ یہ لوگ کسی بھی مجاہد کی مدد کو تیار تھے لیکن ہوشیار وزیر وزارت امرناتھ نے ان سب راجوں اور کیپٹن نیک عالم کی ایسی برین واشنگ کی، کہ یہاں گلگت پر اسلامی جھنڈے لہرائے جانے کے بعد بھی کوئی ردعمل نہ ہوا۔ بھارتی حکومت بھی بڑی دیر سے جاگی اور[۲] لہ کے مقام پر ایک ڈوگرہ کمپنی کمانڈر میجر شیر جنگ تھاپا کو کرنل بنا کر، ۲۱ نومبر ۴۷ کو سکردو پہنچنے کا حکم دیا۔ اور ۲۳ نومبر کو وہ وہاں سے چل کر دو سرداروں اور ۷۵ جوانوں کے ساتھ ۳ دسمبر کو سکردو پہنچا۔ میجر حسن خان نے معتبر ایلچیوں کے ذریعہ سے نیک عالم کو نومبر کے دوسرے ہفتے ہی میں، اس کی طرف سے حکومت سنبھالنے کی دعوت دے دی تھی۔ لیکن وزیر وزارت امرناتھ کو گرفتار کرنے کی بجائے اس نے ان ایلچیوں کو گرفتار کرا دیا[۳]۔ اگر نیک عالم بات مان جاتا تو کرنل تھاپا کو جال میں [illegible] آسان تھا۔ لیکن اب تھاپا نے سکردو کا دفاع سنبھال کر کچھ دستے تسّاری تک بھی بھیج دیئے۔ اور ۱۰ فروری کو کیپٹن پربھات سنگھ ۷۵ جوانوں کے ساتھ اور ۱۳ فروری کو کیپٹن اجیت سنگھ سو [illegible]یوں کے ساتھ، تھاپا کی کمک کے طور پر سکردو پہنچ گئے۔

[illegible] خبر پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں میجر اسلم نے کرنل پاشا کا نام اپنا کر شمالی علاقوں کی فوجی سربراہی سنبھال لی۔ اور اس نے سکردو کی طرف پیش قدمی کا کام میجر احسان علی کے تحت ۲۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو شروع کرایا[۴]۔ کہ ایک سو کی نفری میجر محمد خان جرال کے ماتحت اور ڈیڑھ سو کی نفری لیفٹیننٹ بابر[۵] کے تحت دو لشکر "ایبکس کالم" کا نام اپنا کر حرموش سے کچھ سو لین مزدوروں کے ساتھ رونڈو کی طرف روانہ ہو گئے۔ کاش یہ کارروائی کرنل پاشا دو ہفتے پہلے کرتا، کہ رونڈو کے راجہ نے تین سو مجاہدین بھی تیار کر لئے تھے، جن کے پاس مزل سے لوڈ کرنے والی رائفلیں تھیں۔ اور کافی مزدور بھی اکٹھے کر لئے تھے۔ رونڈو سے یہ کالم ۶ فروری کو ستاک پہنچی، تو آگے سے نائک شیر احمد ملا جو ڈوگروں کو چھوڑ کر مجاہدین میں شامل ہونے آیا تھا۔ اور اس نے بعد میں بڑا کام کیا اور سب حالات سے میجر احسان کو آگاہ کیا۔ یہ

کالم ۸ فروری کو داسو پہنچی ۔ایک دن آرام کیا اور پھر چپکے سے جانوروں کی کھالوں پر تیر کر دریا کو عبور کیا اور شگس کے قریب کی ڈوگرہ چوکی کا صفایا کر دیا۔

تساری میں کامیابی تساری میں دریا کے شمال میں کیپٹن نیک عالم کی پلٹون اور دریا کے جنوب میں کیپٹن کشن سنگھ کی پلٹون تھی ۔ نیک عالم جو ضلع میرپور کے گاؤں اکال گڑھ کا تھا، ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق ان سے رابطہ باندھ کر ان کے مجاہدین کو میجر احسان نے اپنے ساتھ ملا لیا۔اور سہروردی کے مطابق (۶) نیک عالم نے کچھ "جھجک" کے بعد ایسا کیا۔ لیکن میجر حسن خان اپنی کتاب میں صاف کہتا ہے کہ نائک مرزا محمد انور نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کو میجر احسان کے حوالے کیا۔ جس نے اس کو معافی دے دی (۷) بہرحال صوبیدار عالم جان جو نوکری میں واپس آگیا تھا۔ اس نے تساری اور سکردو کے درمیان والے اہم علاقہ پر قبضہ کر کے، کشن سنگھ کا رابطہ سکردو سے کاٹ دیا۔ جس کی کہانی بعد میں لکھیں گے کہ مجاہدین جلدی سے ۲۵ میل آگے سکردو پہنچ گئے۔

سکردو پر حملے کی تجویز ۹ فروری تک سکردو کے ڈوگرہ تساری کی کارروائی سے بے خبر تھے ۔ کہ بھارتی تاریخ کے مطابق ۱۱ فروری کو سکردو پر ایک حیران کن حملہ ہو گیا (۸) ۔ اور ان کے مطابق میجر احسان زیادہ تدبر نہ رکھتا تھا کہ اس نے ایک اچھا موقع کھو دیا اور سکردو پر قبضہ نہ کر سکا۔ ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق حملہ ۱۲ فروری کو ہوا (۹) ۔ اور لمبی چوڑی وضاحتیں ہیں کہ میجر احسان کو جلدی بھی تھی اور وہ کارروائی کو خفیہ بھی رکھنا چاہتا تھا۔ کہ لیفٹیننٹ بابر کے مجاہدین ابھی وہاں نہ پہنچے تھے ۔ اور کیپٹن نیک عالم جس نے برج ہیڈ بنانا تھا وہ ادھر نہ پہنچ سکا۔ کہ ایک جھوٹی خبر یا افواہ نے اس کو غلط فہمی میں ڈال دیا ۔ اور وہ افواہ یہ تھی کہ سری نگر اور کارگل کے راستے سکردو میں دشمن کو کمک پہنچنے والی ہے تو وہ ادھر چلا گیا ۔ میجر احسان کچھ دیر پریشان رہا ۔ لیکن جب وہ ساندوس پہنچا، تو وہاں ڈوگرہ لشکر سے بھاگے ہوئے چند مسلمان ان کو ملے اور بتایا کہ ڈوگرے مجاہدین کی آمد سے اس وقت تک بے خبر تھے اور وہ کچھ کھڑکیاں کھلی چھوڑ آئے ہیں ۔ ہماری سرکاری تاریخ میں (۱۰) بڑی تفصیل ہے کہ کشتیاں بھی میسر ہو گئیں اور حملہ بھی کر دیا، کہ نائک شیر احمد سات بلتی مجاہدین کے ساتھ قلعہ میں داخل بھی ہو گیا ۔ لیکن



کچھ سنتریوں نے اسے دیکھ لیا۔ ویری لائٹ پسٹل چل گئے۔ اور ہر طرف سے فائر شروع ہو گیا۔ حیران کن کارروائی کوئی نتیجہ نہ حاصل کر سکی۔ لیکن ڈوگروں نے بھی قلعہ سے باہر نکل کر مجاہدین کا پیچھا نہ کیا۔ کہ بھارتی تاریخ[۱۱] مجاہدین کی تعداد چھ سو بتاتی ہے اور اپنی تعداد ۲۸۵۔

میجر محمد خان کا بیان اس سلسلہ میں میجر محمد خان جرال نے پنڈی کے سیمینار میں بیان دیا، "کہ تقریباً ۱۴۰ کی تعداد میں مجاہدین کیپٹن نیک عالم اور لیفٹیننٹ بابر کے ماتحت دریائے سندھ کے بائیں یا جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ سکردو کی طرف روانہ ہوئے۔ ۷۰ مجاہدین جو اس کے ساتھ تھے وہ دریائے سندھ کے دائیں یا شمالی کنارے کے ساتھ سکردو کی طرف روانہ ہوئے۔ ان دونوں کالموں نے ۱۱/ ۱۰ فروری کی درمیانی شب ساندوس اکٹھا ہو کر سکردو پر حملہ کرنا تھا۔ نامعلوم وجوہات کی بنا پر جنوبی کالم متوقع مقام پر بروقت نہ پہنچی۔ محمد خان کی کالم نے کشتیوں میں دریا بھی پار کر لیا۔ وقت کی کمی اور کچھ حاصل کر لینے کو مدنظر رکھتے محمد خان نے ان ستر مجاہدین کے ساتھ قلعہ پر شبخون مارا۔ ان کے حملہ آور کے ہراول یا قلعہ کے اندر گھسنے والی پارٹی نائک شیر احمد کے تحت قلعہ کے اندر گھس کر کامیابی کی آخری منزل پر پہنچنے والی تھی، کہ دشمن کے افسروں کے بنگلہ پر متعین گارڈ نے "ہمیں بچاؤ" کے اشارہ والا ویری لائٹ جو "لال پھر لال پھر لال" روندوں کا سگنل تھا۔ وہ فائر کر دیا۔ بدقسمتی سے ہمارے اندر گھسنے والی پارٹی کی ناکامی کیلئے بھی یہی "اشارہ" تھا۔ جس کو دیکھ کر ہم باہر والوں نے قلعہ کے اندر داخل ہونے کی بجائے باہر سے فائر کھول دینا تھا۔ پھر ایسے ہی ہوا۔ اور ہم اندر نہ گئے۔ بلکہ ہمارے فائر سے اپنے ان مجاہدین کا بھی کچھ نقصان ہوا، جنہوں نے اب قلعہ سے باہر نکلنا تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو بھارتی جن کو ہم نے سوتے میں جالیا تھا وہ افراتفری میں ہتھیار ڈال دیتے۔ اس عاجز کو یہ سادہ بیان زیادہ پسند ہے کہ یہ ایسے ہی ہوا۔ ہماری سرکاری تاریخ[۱۲] نے دشمن کے مضبوط دفاع، حملہ آوروں کی کم نفری اور پوری تجویز پر عمل پیرا نہ ہو سکنے کو ناکامی کی وجوہات قرار دیا۔ اور اس حملہ میں حوالدار عبدالمالک اور چار دوسرے مجاہدین کی شہادت کے ذکر کے علاوہ بھارت کے وزیر وزارت، ایک پولیس انسپکٹر اور کچھ سولین کے مارے جانے کا بھی ذکر ہے[۱۳]۔ بھارتی تاریخ والے وزیر امرناتھ، اور کئی غیر مسلمانوں کے مرنے کے علاوہ اپنے سات سپاہیوں کے مرنے کا

بھی ذکر کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک افسر اور سولہ جوان زخمی ہوئے[۱۴]۔

کشن سنگھ کا حشر جب مجاہدین آگے بڑھے تو صوبیدار جان عالم کو تو ساتھ لانا پڑا۔ کشن سنگھ کی ناکہ بندی کا کام نائب صوبیدار اسمعیل خان کے ایک چھوٹے دستے کے سپرد کیا۔ اور کشن سنگھ کے ڈوگروں کے جب سب حالات معلوم ہوئے، تو انہوں نے اپنی پوزیشن چھوڑ کر ایک غار میں پناہ لے لی۔ لیکن پچھلے باب میں بیان شدہ کانسٹیبل بختاور شاہ نے ایک کھوجی کی مدد سے ان کو ڈھونڈ نکالا اور ۱۹ فروری کو انہوں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ لیکن سکردو کی طرف آتے وقت انہوں نے جب دیکھا کہ بختاور کے ساتھ صرف تین مجاہدین ہیں، تو انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی تو آگے سے اسمعیل خان کے دستے نے فائر کر کے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ہماری سرکاری تاریخ اس کارروائی کا کچھ سہرا ایک نائب صوبیدار بکیو کو باندھتی ہے[۱۵]۔ لیکن یہ بات غلط ہے کہ یہ واقعہ ۱۹ فروری کا ہے اور سرکاری تاریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ۱۲ فروری کو نائب صوبیدار بکیو سکردو والے لشکر میں شامل ہو گیا تھا[۱۶]۔

سکردو کے حالات اب ہم سکردو کی طرف واپس آتے ہیں۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ حملہ سے صرف ایک دن پہلے ۱۰ فروری کو اور بعد میں ۱۳ اور ۱۵ فروری کو وہاں بھارتی کمکیں پہنچ چکی تھیں۔ تو میجر احسان نے قلعہ کا محاصرہ جاری رکھنے کی بجائے قلعہ سے دور ایک اچھی جگہ پر اپنا فوجی مستقر بنا لیا۔ اور نائیک شیر احمد اور دلیر جوانوں کے ذریعہ سے "دیکھ بھال والا محاصرہ" جاری رکھا، کہ بھارتی تاریخ کے مطابق ان لوگوں نے ۱۵/ ۱۴ فروری کو قلعہ کے نزدیک ایک اونچی جگہ پر قبضہ کر کے ایک "ابزرویشن پوسٹ" بنالی۔ علاوہ ازیں نائب صوبیدار جہاں کے ماتحت ایک پلٹون کو شگر کی وادی میں فلیگ مارچ پاسٹ کرایا۔ لیکن زیادہ ضرورت ان راستوں کی دیکھ بھال کی تھی جہاں سے دشمن کو کمک آسکتی تھی۔ تو صوبیدار سردار محمد کو سکردو سے پندرہ میل دور گول (دریاؤں کے سنگھم) پر بھیجا اور وہاں سے آگے کئی مخبر کارگل تک پھیلائے کہ دشمن کی آنے والی کمکوں کی خبر ملتی رہے۔ اس کارروائی کے نتیجے کے طور پر خپلو کا راجہ اور گول کا آغا، خود بخود آکر میجر احسان کو ملے اور اپنی خدمات پیش کیں اور اس کے بعد مجاہدین کی ہر طرح سے رسد و رسانی کی امداد کرتے رہے۔ سکردو میں نہر کے پیچھے دشمن نے

جگہ جگہ مضبوط مورچے یا پوسٹیں بنائی ہوئی تھیں ۔ جو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ تھیں بڑے دفاع سے ملحقہ اس قلعہ کے ساتھ چار "قلعہ جات" بھی تھے ۔ جن میں ایک سرائے ، ایک مندر، ایک مسجد اور ایک سکول شامل تھے ۔ جو تین اطراف سے اس بڑے پوزیشن اور قلعہ کو حفاظت دے رہے تھے اور چوتھی طرف سے دریائے سندھ کی ایک رکاوٹ مدد گیر ثابت ہو رہی تھی ۔ دشمن کے پاس کافی رسد اور پینے کا پانی موجود تھا ۔ سگنل یا وائرلیس سیٹ پر مسلمان کام کرتے تھے ۔ وہ مجاہدین کے ساتھ مل گئے تو کرنل تھاپا خود نے یہ ذمہ داری سنبھال لی ۔

ایک اور حملہ مجاہدین نے جارحانہ کارروائیاں جاری رکھیں، جن کا بیان بعد میں ہم بھارتی تاریخ کے حوالہ سے کریں گے ۔ البتہ اپنی سرکاری تاریخ کے مطابق مجاہدین نے ۲۷ مارچ کو قلعہ پر ایک بڑا حملہ کیا [۱۷] ۔ کہ پہلے مرحلہ میں میجر احسان نے قلعہ کے باہر کے دفاع کو ختم کرتے رات کو ایک پلٹون کو خود کمانڈ کرتے ہوئے بازار کو پار کر کے مندر اور راجہ قلعہ میں اپنا کمانڈ پوسٹ بنالیا ۔ کیپٹن نیک عالم نے ڈی ونگ کی کمانڈ کرتے ہوئے جنوب کی طرف الگ ٹیکری اور نہر کے ساتھ سرائے پر قبضہ کر لیا ۔ اور میجر محمد خان جرال نے جنوب مشرق میں ایک چھوٹی پہاڑی پر قبضہ کر لیا ۔ اور مجاہدین اندرونی دفاع کے بعض مقامات سے ۲۵ گز کے فاصلے پر پہنچ گئے ۔ لیکن افسوس کہ قلعہ پر بڑے حملہ کیلئے دوسرے مرحلہ پر عمل سے پہلے کچھ نفری کو بھارتی کمکوں کے قلع قمع کیلئے بھیجنا پڑ گیا جس کا ذکر ستائیسویں باب میں ہے ۔ اور سکردو کا اب مجاہدین نے پکا محاصرہ کر لیا ۔

جارحانہ کارروائیاں بھارتی تاریخ کے مطابق [۱۸] ۱۹ / ۱۵ فروری کو پہاڑی ۸۸۵۳ پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا تھا اور نانسک گاؤں یا سکردو کے ارد گرد کے مجاہدین کی تعداد میں اضافوں کی وہ ساری باتیں لکھتے ہیں ۔ اور اس وقت بھارتی قلعہ سے باہر نکل کر محدود گشتی کارروائیاں بھی کرتے تھے ، کہ ۲۴ فروری کو ان کی ایک پلٹون مجاہدین کے نرغے میں آئی اور وہ بڑی مشکل سے بچ نکلے ۔ ۴ مارچ، ۶ مارچ اور ۱۴ مارچ کی ہماری جارحانہ کارروائیوں کا ذکر کر کے کہتے ہیں کہ مجاہدین قلعہ کے نزدیک پہنچ رہے تھے ۔ ہمارے ۲۷ مارچ کے حملہ اور ہماری کامیابیوں کو وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ۴ اپریل کو بھارتیوں کو کچھ ریلیف ملی ۔ ظاہر ہے ہماری نفری اس وقت باہر

چلی گئی تھی ۔ اس کے بعد وہ ہمارے ، اپریل کے حملہ کا ذکر کرتے ہیں اور ۹ اپریل کو تو کرنل تھاپا نے سری نگر کو اس طرح پیغام دیا " حملہ آوروں کا حملہ جگر توڑ ہے ۔ ہماری ایک پکٹ کسی وقت ان کے ہاتھ جا سکتی ہے ۔ اگر یہ ہو گیا تو سکردو کے قلعہ کو بھی ختم سمجھو" بھارتی تاریخ کے مطابق ۱۰ اپریل کو بھی حالات قابو سے باہر تھے اور ۱۵ اپریل کو کرنل تھاپا نے سری نگر میں پیغام دیا ، کہ حملے اتنے سخت ہیں کہ جوابی فائر میں ان کا ۳ انچ مارٹر کا جو ایمونیشن تھا وہ بھی ختم ہو گیا ہے ۔ بہرحال اس کے بعد بھارتیوں نے ہوائی جہازوں سے سکردو میں سامان گرانا شروع کر دیا ۔ جس کا کچھ حصہ مجاہدین کو بھی مل جاتا تھا ۔ اور یہ پکا محاصرہ اگست ۱۹۴۸ء تک جاری رہا ۔ اور اس محاذ پر اب ہم اپنے وقت کی ترتیب قائم رکھنے کیلئے ستائیسویں باب میں واپس آئیں گے ۔

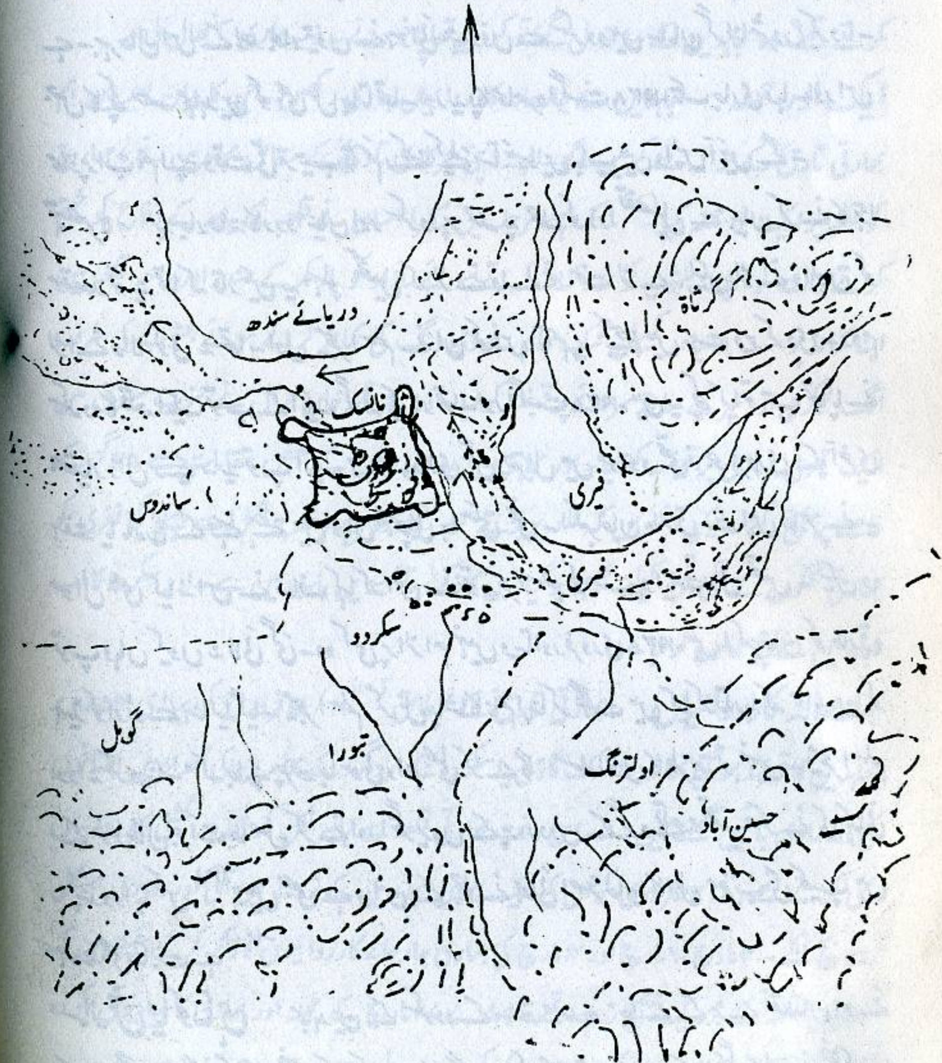
تبصرہ یہ جارحانہ کارروائیاں اور سکردو پر حملہ پہ حملہ کو ذرا تفصیل سے بیان کرنے کا بڑا مقصد تو یہ تھا کہ قارئین یہ پہلو سمجھیں کہ لڑنے والے تو سخت لڑے ، لیکن لڑنے والوں کو لڑانے والا کوئی نہ تھا ۔ اول میجر اسلم نے ان کو اس مہم پر بھیجنے میں بہت دیر کر دی ۔ دوم سکردو کا قلعہ ایک توپ کے ایک گولہ کی مار تھا ۔ اور اگست ۱۹۴۸ء میں یہ کچھ کیا تو تب تھاپا نے ہتھیار ڈال دیئے ۔ یہ توپ ایک 3.7 پہاڑی گن چترال میں موجود تھی ، جو فروری کے آخری ہفتہ یا مارچ کے پہلے ہفتے میں وہاں پہنچائی جا سکتی تھی ۔ اکبر خان طارق سے اس عاجز نے یہ سوال بھی کیا ۔ اس نے صاف کہا کہ اس نے تو میجر اسلم کو سب ہدایات دی تھیں ۔ لیکن وہ توپ وہاں کیوں نہ لائی گئی ۔ وہ کسی پر الزام نہیں دیتا اور فروری ۱۹۴۸ء میں اکبر خان کو طارق ہیڈ کوارٹر سے ہٹا لیا گیا ۔ میجر اسلم، کرنل پاشا کا نام اپنا کر گلگت میں کیا کرتا رہا کہ مجاہدین کو روانہ کر دینا ۔ " کہ جا بچہ چڑھ جا سولی رام بھلی کرے گا" مسلمانوں کا طریقہ تو نہیں ۔ میجر اسلم کے خود ہلال جرأت حاصل کرنے اور انگریزوں کے پروردوں کے گرد قلعے " تعمیر" کرنے کی کہانی " پنڈورا باکس [۱۹] " میں بھی ہے ۔ اس کے چھوٹے بھائی اصغر خان کا اہل مغرب کی کھیپ میں ہونا بھی ثابت ہے [۲۰] ۔

سازش یا کوتاہی مجاہدین کے سکردو کے ساتھ "بندھ" جانے کے بڑے نقصان ہوئے کہ یہ لوگ کارگل کو بھی فتح نہ کر سکے ۔ اور کارگل ان کو میجر حسن خان کے ٹائیگر کالم نے فتح کر دیا

نقشہ نہم

سکردو کا محاصرہ

سکیل ایک انچ = ایک میل



جو ذکر اٹھائیسویں باب میں آتا ہے۔ اور ان لوگوں اور سری نگر کے درمیان صرف کارگل میں چند بھارتی دستے تھے۔ یہ لوگ آسانی سے مارچ میں زوجیلہ پہنچ سکتے تھے۔ اور سونامرگ اور کنگن میں جاکر میجر حسن خان کے ساتھ مل کر سری نگر کیلئے ایسے خطرات پیدا کرتے کہ بھارتی سوپور اور ہندواڑہ محاذ پر کرنل شیر محمد (خالد) پر آٹھ پلٹنوں سے حملہ کرکے اس طرح اسے ٹٹھوال کی طرف دھکیل دینے کی ہمت نہ کرتے یہ سب کہانیاں آگے اکیسویں اور چونتیسویں باب میں آرہی ہیں۔ اور اصلی سازش اکبر خان کو طارق ہیڈ کوارٹر سے ہٹانا تھا۔ علاوہ ازیں ان دور دراز علاقوں کے مجاہدین کو ہماری فضائی فوج نے جو چھپ چھپا کر رسد و رسانی کی امداد پہنچائی وہ ہماری عسکری تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ بھارتی تاریخ[۲۱] کے مطابق کرنل تھاپا نے ۲ دسمبر کو گول اور سکردو کے درمیان سفر میں ایک پاکستانی ہاورڈ جہاز اڑتا دیکھا اور ہماری سرکاری تاریخ[۲۲] کے مطابق گلگت کے ہوائی اڈہ پر صرف ہاورڈ طیارے اتر سکتے تھے۔ تو اگلے باب میں اس فضائی امداد کی ایک جھلک دینا ضروری ہے۔

حوالہ جات

(۱) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۸۲ ۔ (۲) ۔ ایضاً، صفحہ ۲۸۳ تا ۲۸۶ ۔ (۳) ۔ شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۱۵۴ ۔ (۴) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۱ ۔ (۵) ۔ صوبیدار میجر بابر لیفٹیننٹ بن گئے ۔ (۶) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۵۴ ۔ (۷) ۔ شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۱۵۴ ۔ (۸) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۸۶ ۔ (۹) دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۵ ۔ (۱۰) ۔ ایضاً، صفحہ ۱۴ ۔ (۱۱) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۸۶ ۔ (۱۲) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۵ ۔ (۱۳) ۔ ایضاً، صفحہ ۱۵ ۔ (۱۴) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۸۶ تا ۲۸۷ ۔ (۱۵) دی کشمیر کیمپین، صفحہ ۱۳ ۔ (۱۶) ۔ ایضاً، صفحہ ۱۴ (۱۷) ۔ ایضاً، صفحہ ۱۷ ۔ (۱۸) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۸۷ ۔ ۲۸۹ ۔ (۱۹) ۔ صفحہ ۱۴ ۔ (۲۰) ۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۹۷ تا ۹۹ ۔ (۲۱) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۸۳ ۔ (۲۲) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۳۱

انیسواں باب

شمالی علاقہ جات میں سپلائی کی مہمات اور فضائی فوج کے کارنامے

غیر معمولی حالات ۔ شمالی علاقہ جات کو رسد و فوجی ساز و سامان مہیا کرنا کوئی حسب معمول یا عام بات نہ تھی اور نہ کوئی پکا یا نارمل گنا چنا انتظام ہو سکتا تھا۔ کسی وقت ان ہونی ہو سکتی تھی اور ہر کارروائی پر خطر تھی۔ خود، اندرونی بہت بڑے پھیلاؤ کے لئے محدود گزرگاہوں کے علاوہ، خشکی سے گلگت کو چلاس سے ہو کر ایک ہی راستہ جاتا تھا۔ جو چودہ ہزار فٹ بلند بابوسر کی چوٹی سے گزرتا تھا۔ اور سردیوں میں تین ماہ بند رہتا تھا۔ یا ضلع ہزارہ اور سوات سے لمبا خچروں کا دریائے سندھ کے کنارے کنارے ایک راستہ تھا جہاں آجکل سے ہماری شاہراہ گلگت گزرتی ہے۔ اور یہ ایک ماہ کا سفر تھا۔ آگے گلگت۔ بونجی سے سکردو اور پھر کارگل۔ یا گلگت سے استور۔ حلیم چوکی۔ برزل بائی۔ گریز یا دوسائی سطح مرتفع پر گلتاری تک جو مہمات نے وسعت اختیار کی۔ اور ان لوگوں تک سامان کیسے پہنچایا گیا، یہی کچھ اس باب میں بیان کریں گے۔

صورت حال ۔ ان علاقوں میں لوگ اتنا غلہ پیدا کرتے تھے، جو ان کے لئے کافی ہو، کہ ذرائع آمد و رفت باہر سامان لے جانے کیلئے موزوں نہ تھے۔ مجاہدین کے زیادہ اکٹھے ہو جانے کی وجہ سے۔ اور گدھوں گھوڑوں کو خوراک مہیا کرنے سے ان علاقوں میں بھی غلہ وقت سے پہلے ختم ہو گیا۔ مٹی کا تیل، نمک، گڑ، چینی، کپڑا وغیرہ پہلے بھی باہر سے آتا تھا۔ تو خشکی کے راستے خچروں اور قلیوں کے ذریعہ سے کچھ سامان منگوایا گیا۔ لیکن اس سے گزارہ نہ ہو رہا تھا۔ علاقے میں کوئی ہوائی اڈے نہ تھے۔ اور ویسے بھی بھارت کے ساتھ علاقہ حالت جنگ میں تھا۔ بھارت کسی طیارے کو وہاں خوشی سے اترنے یا سامان پھینکنے کی کیسے اجازت دیتا۔

فضائی فوج ۔ نئی نئی آزادی ملی تھی اور ہوائی جہازوں میں ہمارے حصے میں دو ڈکوٹے، ۲۱ ٹیمپیسٹ، ۱۹ ہاورڈ، ۵ آسٹر اور ۸ ٹائیگر ماؤتھ آئے۔ جن میں سات ٹائیگر ماؤتھ تو راستے میں اتارنے پڑے کہ جودھ پور کے ہوائی اڈے پر بھارتیوں نے ان کی فیول ٹینکوں میں چینی ڈال دی تھی۔ بہر حال ان ہوائی جہازوں کیلئے سٹور۔ یا میل ملاپ کیلئے راڈار یا اور ذرائع اول تو اتنے ترقی یافتہ نہ تھے پھر ہمارے پاس سب ضرورتوں کیلئے برائے نام سامان تھا۔ علاوہ ازیں ہماری فضائی فوج والے صرف مغربی پاکستان اور بھارت کے درمیان چودہ سو میل اور افغانستان کے ساتھ چار سو میل لمبی حدود کے فضائی دفاع کے ذمہ دار بھی تھے۔ اور آگے اس فضائی فوج کی "عمارت" بھی تعمیر کرنا تھا کہ جدید زمانوں کی ضرورت کے ساتھ ساتھ چلنا تھا۔ کشمیر کے ان شمالی علاقہ جات میں سفر کرنا بھی کوئی آسان نہ تھا۔ وادیوں کو چھوڑ کر اکثر پہاڑ دس ہزار فٹ سے بیس ہزار فٹ بلند تھے۔ چلاس، سکردو اور گلگت میں ہوائی اڈے بن سکتے تھے۔ لیکن صرف گلگت میں دو سو گز لمبا رن وے رکھتے ہوئے ایک اڈہ تھا، جس کے ایک سرے کے سامنے دریا بہہ رہا تھا اور دوسرے کے سامنے پہاڑی آجاتی تھی۔ اور ہلکے ہوائی جہازوں کو صبح سویرے یا شام سے تھوڑا پہلے یہاں اتار کر کچھ زخمیوں کو پاکستان لانے یا اہم شخصیتوں کو وہاں پہنچانے کا کام چوری چھپے نومبر ۱۹۴۷ء میں شروع کر دیا گیا تھا۔ چلاس ہماری سرحد کے نزدیک تھا، تو بھارتی فضائی لڑاکا جہازوں کا خطرہ کم تھا۔ لیکن وہاں سے آگے سامان لے جانا مشکل تھا۔ سکردو میں سامان پہنچانا ہماری تزویراتی ضرورت تھی۔ لیکن اپنے لڑاکا جہاز، سامان پہنچانے والے جہازوں کی حفاظت کیلئے اتنے دور نہ بھیجے جا سکتے تھے، کہ بھارت کے ساتھ پھر کھلم کھلا جنگ ہو جاتی۔

ہمارے عظیم ڈکوٹے ۔ تو ہمارے پاس برما کے محاذ پر کئی سال سامان گرانے والے یہ دو "خستہ حال" ڈکوٹے تھے۔ جن کو ہماری فضائی فوج کے جیالوں نے عظیم ڈکوٹے بنا دیا۔ سامان بہت زیادہ اونچائی سے نہیں پھینکا جا سکتا۔ زیادہ بلندی پر پرواز، کی خبر دشمن کو بھی لگ جاتی ہے۔ اور زیادہ بلندی سے، چکر لگانے کی کشمیر کی وادیاں اجازت نہیں دیتیں کہ سامان گرانے والے مقام پر جہاز نیچے آئے۔ چنانچہ یہ جہاز پر خطر صورت میں پہلے محدود وادیوں کے علاقوں میں داخل ہو کر اور نیچی اڑان کرتے ہوئے۔ مقررہ جگہ پر سامان گرا، آتے تھے۔ یہ ایسا

پرپیچ اور سنسنی خیز سفر ہوتا تھا، کہ کئی دفعہ معلوم ہوتا تھا کہ جہاز کا دوسرا پر، یا سرا، یا دم کسی پہاڑی سے اب ٹکرایا کہ اب ٹکرایا۔ پھر اس محدود جگہ پر بھارتی لڑاکا جہازوں کے حملے کا خطرہ ہر وقت موجود ہوتا تھا۔ کہ وہ کئی دفعہ ان ڈکوٹوں کی تلاش میں آئے۔ آگے سے یہ نہ ملے، تو ۷جولائی ۱۹۴۸ء کو انہوں نے گلگت کے ہوائی اڈہ پر اتنی سخت بمباری کی کہ دو سولین شہید ہوئے اور تیس زخمی ہوئے۔ ۲۴ اگست کو وقفہ وقفہ کے ساتھ گلگت کے ہوائی اڈے پر گولیاں برساتے رہے۔ ۲۶ اکتوبر کو گلگت اور، نومبر کو چلاس کے اڈوں پر بمباری کی اور ۱۳ نومبر ۱۹۴۸ء کو دونوں جگہوں پر وغیرہ۔

ہمارے پائلٹ اس وقت ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا کہ پائلٹوں کو بتاتے کہ آگے موسم کیسا ہے، اور کس قسم کے بادلوں یا ہوا کے چکروں میں سے وہ گزریں گے۔ یہ فیصلہ پائلٹ خود کو کرنا ہوتا تھا، کہ کونسی وادی سے ان علاقوں میں داخل ہو اور کونسی وادی سے واپس آئے۔ اور پھر یہ فیصلہ ہوا، کہ سامان وادی چلاس، وادی گلگت اور وادی سکردو کی فلاں فلاں جگہوں کے لمبے چوڑے علاقوں میں گرایا جائے گا۔ بلکہ بعد میں بہت زیادہ سامان دوسائی کے علاقہ برزل میں بھی گرانا پڑا۔ بات یہ تھی کہ جہاز بار بار وادیوں میں چکر لگا کر محدود، علاقہ میں سامان نہ گرا سکتے تھے۔ اور جو اہم سامان پیراشوٹوں کے ذریعے سے گرایا جاتا تھا۔ وہ زیادہ اونچائی سے گرایا جاتا۔ اور عام سامان کافی نچلی پرواز کر کے گرایا جاتا۔ پائلٹ اپنی وائرلیس سیٹ پر بات بھی نہ کر سکتا تھا۔ کہ بھارت والوں کو اس کی "موجودگی اور مقام" کا پتہ نہ چل جائے۔ وہ صرف جو کچھ سننا چاہتا تھا سنتا رہتا تھا۔

تیاری وغیرہ تو ان ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر بڑی تیاری کی گئی۔ سب سے پہلے سامان پھینکنے والا عملہ تیار کیا اور وادی پشاور میں ان کو سامان پھینکنے کی تربیت دی۔ اس کے بعد گلگت کے ہوائی اڈہ کی توسیع کی، کہ ایمرجنسی میں کسی ڈکوٹا وغیرہ کو وہاں اتارا جا سکے۔ سکردو اور چلاس میں بھی چھوٹے چھوٹے ہوائی اڈے بنائے گئے۔ جہاں ہلکے جہاز آسانی سے اور ڈکوٹا بھی مجبوری کی حالت میں اتر سکے۔ ان تین جگہوں سمیت اور بونجی کے مقام پر زمینی وائرلیس سٹیشن قائم کر دیئے جو اپنے جہازوں کو مقام، موسم اور اگر بھارت کا کوئی طیارہ نزدیک ہو، تو اس کی خبر

دیتے رہتے تھے۔ اور ڈکوٹا کے پائلٹوں کو رات کو لنڈی کوتل اور گردونواح کے علاقوں میں پروازیں کر کے اپنے آپ کو دھندلے حالات میں جہاز چلانے کے کام اور سامان گرانے کی تربیتیں بھی دی گئیں۔

عمل کی بسم اللہ پہلے دن دونوں ڈکوٹوں نے مل کر اس عمل کو شروع کیا اور اس "سورٹی" کے کمانڈر فلائینگ افسر پولے شاہ کی اس سلسلہ کی زبانی کہانی کئی اخباروں میں شائع ہو چکی ہے۔ کہ دونوں کی حالت یہ تھی جیسے کسی سرکس کے موت کے کنوئیں میں ایک کے بجائے دو موٹر سائیکل دوڑ رہے ہوں۔ پس دوسرے جہاز سے پولے شاہ کے جہاز پر جو بوریاں گرنے والی تھیں، ان سے اس نے اس کو بچایا تو آگے جہاز ایک پہاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے مشکل سے بچ سکا۔ یہ کام تجربوں کے بعد بہتر طور پر جاری رہا۔ ایک جہاز کو کسی طرف جانا پڑا تو ایک اکیلے ڈکوٹے نے بھی یہ ڈیوٹی بڑی خوبی سے انجام دی۔ اسی دوران کچھ اور ڈکوٹے خریدے گئے اور ہماری بری فوج نے ۴۰۳، ایئر ڈسپیچ کمپنی کھڑی کر دی۔ جو سامان کو سٹور بھی کرتے تھے اور سامان گرانے کیلئے ان کا عملہ بھی ساتھ جاتا تھا۔

مزید کوششیں سطح مرتفع دوسائی کے علاقہ میں سامان گرانے کیلئے انگریزوں سے دو پرانے ہیلی فیکس بمبار طیارے خرید لئے گئے۔ جو دوسری جنگ عظیم میں اونچائی سے بم گرا جاتے تھے۔ یہ جہاز خطرہ کی صورت میں تیزی سے اتنی بلندی پر اٹھ جاتے تھے، کہ بھارتی لڑاکا جہاز ان کو نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔ ان میں کچھ تبدیلیاں بھی کیں، کہ جہاز کی پٹرول کی ٹینکی کے نیچے ایک فالتو بکس یا "سٹور ہاؤس" لگایا گیا کہ مزید ایک ہزار پونڈ وزن کا سامان بھی لے جایا جائے۔ یہ جہاز بھارتی لڑاکا جہازوں کے ساتھ "ڈاگ فائیٹ" تو نہ کر سکتے تھے لیکن حملہ کے وقت بھیڑ بکریوں والی موت مرنے کے بجائے ہر جہاز کے سامنے والے حصے میں ایک لوئیس گن اور پچھلے حصہ میں ایک برین گن بھی لگا دی گئیں۔ سب سے مشکل بات البتہ یہ تھی کہ جہاز کبھی بیس ہزار یا اس کے قریب بلندی پر پہنچ جاتا، تو عملے کے بدن سردی سے سن ہو جاتے۔ ایک دفعہ فلائیٹ لیفٹیننٹ احمد دن دہاڑے سکردو کے نزدیک سامان گرا رہا تھا تو تین بھارتی لڑاکا طیارے اس کے گرد گھیرا ڈال کر جہاز کو ختم کرنے والے تھے، کہ پائلٹ کو نیچے سے

ہمارے وائرلیس سٹیشن نے حالات سے آگاہ کر دیا۔ احمد نے ایک بادل کی اوٹ لی اور چند لمحوں میں بیس ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ گیا۔ بھارتی پائلٹ کچھ حیران ہوئے لیکن اتنی دیر میں یہ جہاز پاکستان کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا اور بحفاظت پشاور کے ہوائی اڈہ پر اتر گیا۔

بھارتی بھی میدان میں آگئے قارئین اگلے ابواب میں پڑھیں گے کہ ہمارے شمالی علاقے کے مجاہدین نے فضائی فوج کی مدد سے جو رسد یا فوجی سامان حاصل کر لیا تو وہ سری نگر کے گرد و نواح میں پہنچ گئے، تو بھارتی بری فوج نے بھارتی فضائی فوج کو لعنت ملامت کی۔ اس کے بعد کوئی نہ کوئی بھارتی لڑاکا طیارہ سارا دن فضاؤں میں موجود رہنے لگا۔ اور اکتوبر ۱۹۴۸ء کے بعد بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت پڑ گئی۔ اور ۴ نومبر ۱۹۴۸ء کو ہمارا ایک ڈکوٹا سکردو میں سامان گرانے کے بعد جب چلاس کے نزدیک پہنچا تو دو بھارتی ٹیمپسٹ طیاروں نے اس کو آلیا۔ یہ پوری کہانی فلائیٹ لیفٹیننٹ ڈوگر کی زبانی کئی دفعہ ہماری اخباروں میں شائع ہو چکی ہے۔ وادی چلاس کے چوڑے علاقے کا فائدہ اٹھا کر لیفٹیننٹ ڈوگر نے جہاز کو اڑن کھٹولا بنا کر۔ یا پتنگ کی ڈوری کی طرح جس طرح کھینچ کر چلایا۔ ہوائی جہاز کے ساتھ کوئی ڈوگر جیسا مجاہد ہی یہ کچھ کر سکتا تھا۔ بھارتیوں نے فائر کی کوئی حد نہ چھوڑی۔ جہاز تو بچ کر رسالپور کے ہوائی اڈہ پر پہنچ گیا۔ لیکن عملہ سے نائک محمد دین زخمی ہوا، اور اس مہم میں اللہ تعالیٰ نے اس کو شہادت کی عظمت سے سرفراز کر دیا۔

رات کی پروازیں ہم یہاں پر اپنی فضائی فوج کو سلام کرتے ہیں کہ ۱۸/ ۱۷ نومبر ۱۹۴۸ء سے انہوں نے اس علاقے میں رات کی پروازیں شروع کر کے فضائی فوج کی تاریخ میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کیا۔ اس کام کی بسم اللہ ونگ کمانڈر (بعد میں ایئر مارشل) اصغر خان نے جہاز کے کیپٹن کے طور پر اور سکواڈرن لیڈر ایم جے خان نے امدادی پائلٹ کے طور پر کی۔ اس رات بعد میں دو اور "سارٹیز" بھی بھیجی گئیں۔ چاندنی رات بہتر رہتی تھی۔ لیکن بادل آجانے یا کسی وادی میں چاند کے کسی اوٹ میں ہو جانے سے معاملہ اندھیری رات والا ہو جاتا تھا۔ پھر بھی فائر بندی تک یہ کام بڑی لگن کے ساتھ جاری رکھا گیا۔

کل سامان؛ فضائی فوج نے ۳۱ دسمبر ۱۹۴۸ء تک ان شمالی علاقوں میں ۔/ ۱۲۷۰۰ ٹن

سامان گرایا۔ جس کی تفصیل یہ ہے

ا۔ گلگت یا بونجی وغیرہ	۲۴۳،۸۸۴ پونڈ	۷۹ سارٹیز
ب۔ بزرل اور دوسائی سطح مرتفع وغیرہ	۵۱۴،۴۵۴ پونڈ	۲۹۹ سارٹیز
پ۔ چلاس	۳۲،۴۳۳ پونڈ	۸ سارٹیز
ت۔ سکردو	۲۲۴،۶۹۵ پونڈ	۵۱ سارٹیز

سڑک کی تعمیر یہ چیز ظاہر تھی کہ شمالی علاقوں میں سامان کو صرف ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے پہنچانا مشکل ہے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۴۸ء سے بابو سر چوٹی کے راستے خچروں اور ٹٹوؤں کے ذریعہ سے سامان چلاس اور گلگت پہنچنا شروع ہو گیا۔ اور کچھ ٹھیکیداروں نے پولیٹیکل ایجنٹ اور میجر اسلم کے ساتھ مل کر خوب کمائی کی۔ لیکن مئی ۱۹۴۸ء میں کسی کو خیال آگیا، کہ کاغان کی وادی میں بالا کوٹ تک تو پہلے ہی جیپوں کیلئے کچھ سڑک تھی۔ بالا کوٹ سطح سمندر سے ۴۰۰۰ فٹ بلندی کے بعد بابو سر کی چوٹی ۱۴۰۰۰ فٹ بلند ہے اور پھر نیچے چلاس ۳۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ہے تو گریڈ نیٹ بہت زیادہ ہے۔ ان مقامات پر سڑک بنانے کا کام دو انجینئرز یونٹوں ۶۷، اور ۷۰، فیلڈ کمپنی نے، جون ۱۹۴۸ء کو شروع کیا۔ اور ۱۹ اگست کو مکمل کر لیا، کہ پہلے کی ۳ فٹ خچروں والی سڑک کو ۹ فٹ چوڑا کر دیا۔ بالا کوٹ سے بٹا کنڈی کے مقام تک پہلے ۴۰ میل پر کام اتنا مشکل نہ تھا۔ لیکن اگلے چالیس میلوں پر سب انجینئرز "فرہاد" بن گئے اور پھر ساری کور نے یہ نام بھی اپنا لیا۔ بہر حال چلاس سے آگے گلگت یا سکردو کی وادی میں دریا کے ساتھ کام اتنا مشکل نہ تھا اور وہاں بھی جیپوں کیلئے کچھ سڑکیں بنالی گئیں۔

جیپوں کی کانوائی ۹۰ جیپیں اور ٹریلر پشاور کے گرد و نواح کی یونٹوں سے اکٹھے کئے گئے اور پانچویں رسالے کے میجر (بعد میں لیفٹیننٹ کرنل) ریاض الکریم کے تحت ان کو بالا کوٹ بھیجا گیا۔ جہاں سروس کور کی ۱۰۲ کمپوزٹ پلٹون کو متعین کیا، کہ ۳۰۰ ٹن وزنی فوجی سامان ان جیپوں کے ذریعہ سے گلگت پہنچایا جائے گا۔ ۲۲ اگست ۱۹۴۸ء کو کانوائی بٹا کنڈی تو پہنچ گئی۔ لیکن ٹریلر اگلی چڑھائی پر ساتھ نہ جا سکتے تھے۔ جیپیں بھی پرانی تھیں۔ اور تیسرے آرمرڈ بریگیڈ کی ایک

، ورکشاپ اور ۱۲۵ ورکشاپ کو ایبٹ آباد سے بالا کوٹ اور بٹ کنڈی کے علاقے میں بھیجا گیا۔ جہاں فٹرز دن رات ان جیپوں کی ہر طرح مرمت اور دیکھ بھال کرتے تھے تو تب کچھ کام چلتا تھا بٹ کنڈی ایک بلک بریکنگ پوائنٹ یا ٹرانزٹ کیمپ بن گیا۔ کہ وہاں تک جیپیں اور ٹریلر دونوں آتے جاتے تھے۔ آگے صرف اکیلی جیپیں چکر لگاتی تھیں۔ بابوسر پاکستانی علاقہ میں تھا۔ آگے جیپوں کو ایک ایک کرکے صبح سویرے یا شام کو چلایا جاتا۔ اور یہ کام ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۸ء تک جاری رہا۔ لیکن مشکل سے ۲۵۰ ٹن سامان پہنچایا جاسکا۔ جس پر پچاس ہزار گیلن پٹرول خرچ کرنا پڑا۔

دوسرے ذرائع قلی۔ خچر، ٹٹو سب کچھ استعمال کرنا پڑا، اور یہاں قارئین کے لئے نپولین کا یہ مقولہ دہرا کر اس باب کو ختم کیا جاتا ہے "کہ فوج اپنے پیٹ کے بل چلتی ہے" اور یہ سب کچھ کرنا ضروری تھا۔

نوٹ دی کشمیر کیمپین کے چوتھے باب سے مدد لے کر اور محکمہ تعلقات میں ہوتے ہوئے ذاتی واقفیت کی وجہ سے کتاب کے اس اہم باب کو یہ شکل وصورت دی۔

بیسواں باب

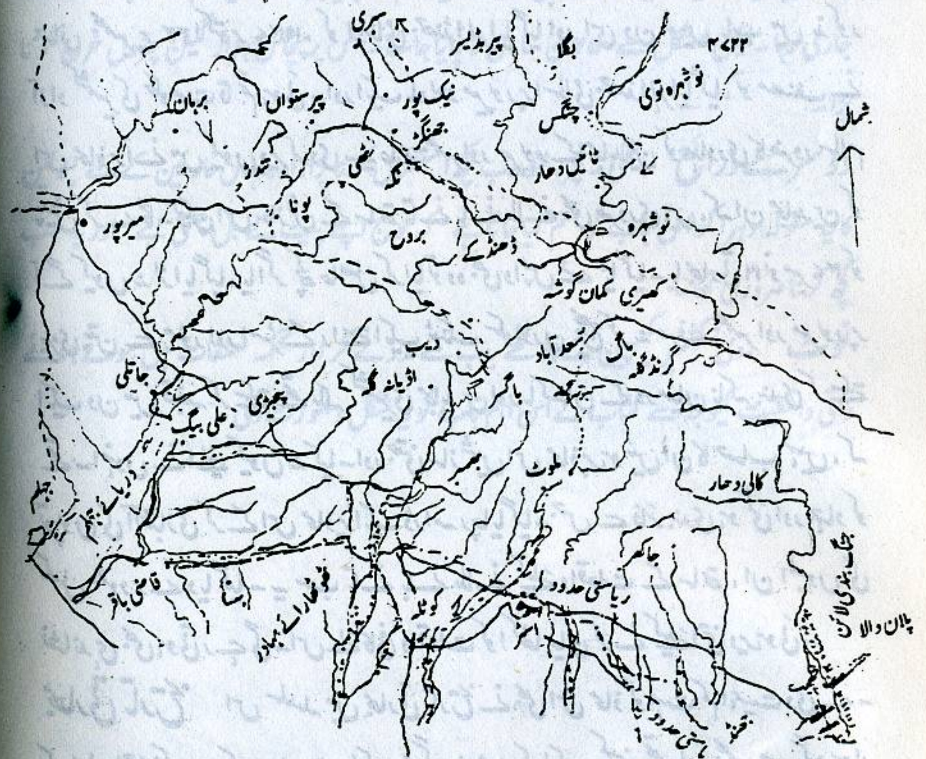
میرپور اور بھمبر کے وسیع علاقوں پر اسلامی جھنڈے

دیر کردی آنے میں قارئین کو اس شکایت کا حق ہے، کہ پنجاب سے لگتے ملحقہ علاقوں، جہاں بھمبر پر ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اسلامی جھنڈا لہرایا گیا اور اسی دن نویں باب میں مذکور آزاد کشمیر کی حکومت قائم ہوئی۔ اور ایک ماہ بعد میرپور پر اسلامی جھنڈا لہرایا گیا، تو مصنف نے اس محاذ پر آنے میں کیوں دیر کردی۔ یہ عاجز بھمبر اور میرپور کے مجاہدین کو بہادری کا ضرور سلام پیش کرے گا۔ لیکن اس سازش کے ساتھ تانے بانے ملانے بھی ضروری ہیں، کہ ان مجاہدین کو آگے کیوں نہ لڑایا گیا، یا اگر کچھ حاصل کرلیا تو وہ بھی واپس دے دیا گیا۔ یا بھارتی ۱۶ نومبر ۴۷ کو بیڑی پتن سے منور اور اسٹر کے راستے ایک ٹینک سکواڈرن بھیج کر نہ صرف بھمبر اور میرپور پر ایک دن میں قبضہ کرسکتے تھے بلکہ کشمیری مجاہدین اور پاکستان کے درمیان ناکہ بندی کرسکتے تھے۔ انہوں نے ایسے کیوں نہ کیا۔ اور جتنی سازشیں اس محاذ پر ہوئیں ان کا حساب نہیں، کہ توپوں کی آتشبازی کرکے اس محاذ پر ایک ڈرامہ رچایا گیا۔ جس سے فائر بندی ہوگئی اور جہاد کو مکمل جمود دے دیا گیا۔ یہ سب تانے بانے ملانے کیلئے واقعات کے ساتھ، ان المیوں کی نشاندہی بھی ہوتی رہے گی۔ اس لئے کافی واقعات کو اکٹھا بیان کرنے کیلئے اتنی دیر ہوئی۔

بھارتی تاریخ اس سلسلہ میں بھارتی تاریخ نے بھی اس محاذ کو بہت کم اہمیت دی ہے۔ کہ اول اتنا ذکر ہے کہ میرپور میں ایک ڈوگرہ یونٹ کی ایک کمپنی تھی اور بھمبر میں گھڑسوار رسالہ کا ایک سکواڈرن [1]۔ کشمیر میں ان کے داخلے کے بعد میرپور کے بارے وہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ اس کا گھیرا تنگ ہو رہا تھا [2]۔ ۱۵ نومبر کو میرپور پر انہوں نے کچھ سامان گرایا۔ اور کتاب کے صفحہ ۶۴ پر تسلیم کرتے ہیں کہ میرپور اور بھمبر پاکستان کی سرحد کے بہت قریب ہیں ان کو بچایا نہ جاسکتا تھا۔ جواہر لعل نہرو مظفرآباد۔ ڈومیل پر دوبارہ قبضے کا سخت حکم دیتا ہے۔ اس کے مشیر اس کو پونچھ سے عزت سے نکلنے کا مشورہ دیتے ہیں تو وہ نہیں مانتا۔ اور سازش سے پونچھ پر

نقشہ دہم

میرپور اور بھمبر کے علاقوں میں مجاہدین کا کامیابیاں



سکیل ایک انچ = ۲ میل

قبضہ قائم رکھتا ہے۔ لیکن کبھی میرپور پر دوبارہ قبضہ کا نام نہیں لیتا اور بھارتی تاریخ میں صرف ایک جگہ بھمبر تک پیش قدمی کی تجویز ہے۔ عمل اس پر بھی نہ کیا گیا۔ اور نہرو جو کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ کہتا تھا وہ طاس کے منصوبہ کے تحت میرپور پاکستان کو منگلا ڈیم بنانے کے لئے دے گیا۔ بھارتی تاریخ میں ایک "ضبطی کے علاقہ" (Prescribed area)[۳] کی تجویز کا ذکر ہے، جس میں بھمبر۔ میرپور اور کوٹلی وغیرہ کے علاقے تھے، کہ آبادی کو سر نہ اٹھانے دو۔ یا تباہ و برباد کرتے رہو۔ لیکن اس پر نہرو نے عمل رکوا دیا۔

حیلۂ فرنگی یہ سارے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کو آگاہ کیا ہوا تھا کہ کتنا سارا لنگڑا لولا کشمیر وہ لنگڑے لولے پاکستان کو دیں گے اور اس میں تھوڑی بہت ایڈجسٹمنٹ یا تبدیلی کر لی جاتی تھی۔ انگریز نے ہندوؤں کو صاف طور پر بتایا ہوا تھا۔ شاہراہ پاکستان سے نظر آنے والے بھمبر اور میرپور پر پاکستانی مسلمان۔ ہندو کو ہرگز برداشت نہ کرے گا اور پوری مسلمان قوم جہاد کیلئے اٹھ کھڑی ہوگی۔ قائداعظم کو ایسے لڑا کے مسلمانوں کا انتظار ہے۔ لیاقت علی اور اس کے حواری پرخچے کے ساتھ اڑ جائیں گے، اس لئے بھمبر کی پہاڑیوں کی "اوٹ" میں بیٹھو۔ اور سازش اتنی گہری تھی کہ انگریز نوشہرہ۔ اور پونچھ کبھی بھی مسلمانوں یا پاکستانیوں کو دینے کو تیار نہ تھے۔ کہ اس کے بعد بھارتی وادیوں میں نہ ٹھہر سکتے تھے۔ اسی وجہ سے مجاہدین نے جو، ان محاذوں سے جھنگڑ۔ اور راجوری کو آزاد کرا لیا تھا وہ ڈراموں اور غداریاں یا کوتاہیاں کروا کے بھارت کو واپس دلا دیئے گئے۔ انگریز پاکستان کی اہم سرحدوں سے دور پہاڑوں میں جذبہ جہاد رکھنے والے مسلمانوں کو بھارتیوں سے خوب "پٹائی" کرا کے ان کے دماغ سے جہاد کا "کیڑا" نکالتا رہا۔ اگر قارئین اس تناظر میں اس محاذ کی کارروائیوں کا مطالعہ کریں گے۔ تو بڑے راز آشکارا ہوں گے۔

مظفرآباد کا سیمینار جہاد کشمیر کے سلسلہ میں مظفرآباد میں جان بوجھ کر سیمینار، نومبر ۱۹۹۰ء میں سب سے بعد کرایا گیا۔ کہ کئی دانشوروں کو بھی ادھر اُدھر سے وہاں لے جانے کا پروگرام تھا اور میجر جنرل وجاہت حسین جو جنرل ڈگلس گریسی کا اے ڈی سی رہ چکا تھا۔ اور بریگیڈیئر نور حسین جو قائداعظم کا اے ڈی سی رہ چکا تھا۔ ان کو بھی ساتھ اس مقصد کیلئے لے

جایا گیا۔ کہ ان سے بھی کچھ "اگلوائیں"۔ وجاہت بے چارے کی مرعوبیت کی تو وہی حالت تھی اور آج بھی وہ انگریزی طرز زندگی کا مداح ہے۔ کہ اس زمانے میں اکثر مجھے ٹوکتا تھا، کہ میں گریسی کو اس قسم کی سیدھی باتیں کیوں کہہ دیتا تھا۔ بریگیڈیئر نور حسین نے البتہ صاف کہا، کہ قائداعظم اپنے انگریز نوکروں سمیت اپنے کئی کھوٹے سکوں سے نالاں تھے۔ لیکن ان کو کوئی صورت نظر نہ آتی تھی کہ کیا کریں۔ کہ انگریزوں کی عیارانہ چالوں کو سمجھنا بہت مشکل بات تھی۔ اس کے بعد اس نے ایک لمبا چوڑا واقعہ بیان کیا جو کراچی کی ڈان اخبار [4] میں شائع ہو چکا ہے۔ اور مختصراً بات یہ ہے کہ پاکستان کی فوج کے ایک سابق سربراہ جنرل محمد موسیٰ نے اکتوبر۔ ۱۹۴۷ء میں جب وہ لاہور ڈویژن کے جی ون اور کرنل تھے۔ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بغیر پہلے کسی پروگرام کے اور اچانک اطلاع پر ہماری فوج کا انگریز سربراہ جنرل مسروی اور اس کا نائب جنرل گریسی۔ دوسری طرف سے بھارتی فوج کا سربراہ جنرل لاکہرٹ اور اس کا نائب جنرل بوچر والٹن کے ہوائی اڈہ پر اکٹھے ہوئے۔ اور نقشوں پر دوپہر کے کھانے تک تین گھنٹے کانفرنس کرتے رہے، جس میں کسی پاکستانی کو شرکت کی اجازت نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ وہاں کشمیر کیلئے "ریڈ کلف ایوارڈ جیسا کوئی فارمولا" زیر بحث رہا۔ کہ ڈراموں سے موجودہ فائر بندی لائن کا فیصلہ ہوا، کہ ۲۰ اپریل ۱۹۴۸ء کو جنرل گریسی نے حکومت پاکستان کو ایک ایسی لائن کی نشاندہی کر کے الٹا بے وقوف بنایا کہ وہ ہمارا "ہمدرد" ہے اور پھر یہی کچھ ہوا، جو باتیں اگلے ابواب میں آئیں گی۔ جنرل موسیٰ پاکستان کا محب وطن بننے کیلئے اور "پانچویں سواروں" [5] میں شامل ہونے کے لئے اب بھی یہ کہہ دیتا ہے کہ اس نے تو لیاقت علی کو اس زمانے میں ساری رپورٹ بھیج دی تھی اور "سرخرو" ہو جاتا ہے۔

علاقے کا زمینی پہلو (نقشہ دہم) دس ہزار [6] نفوس کی آبادی کا شہر بھمبر، اس زمانے میں بھی ایک تجارتی مرکز تھا، اور اس پرانی شاہراہ کی پہلی منزل پر تھا، جو نوشہرہ۔ راجوری سے آگے کشمیر جاتی ہے۔ وہ ایک طرف کوٹلہ کے راستے گجرات سے ملا ہوا تھا اور دوسری طرف سے پنجیڑی والے راستے میرپور کے ساتھ جو ضلع کا مرکز تھا، جہاں سے نوشہرہ کی طرف بھی راستے جاتے تھے اور سیدھے راستے کوٹلی کو بھی اور میرپور از خود پکی سڑک سے جہلم کے ساتھ بھی ملا ہوا

تھا۔ اور میرپور سے دینہ تک بھی ایک راستہ جاتا تھا۔ زمینی حالات ساتھ ملحقہ پنجاب والے تھے۔ لیکن جیسے شمال کو جاتے تھے۔ تو جگہ جگہ ٹیکریاں اور ٹوٹی پھوٹی زمین تھی اور ندی نالے بھی شمال سے جنوب کی طرف بہتے تھے۔ گرانڈ گڑھ، کبوتر گڑھ، پونا، تندڑ، ٹائیں دھار، جھنگڑ اور متعدد جگہوں کے نام ان علاقوں کی لڑائی میں اگلے ابواب میں آتے رہیں گے۔

جہاد کی بسم اللہ آٹھویں اور چودھویں ابواب میں ضلع پونچھ اور میرپور کے نزدیک کوٹلی وغیرہ میں جہاد کی بسم اللہ اور پھیلا کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور وہاں کیپٹن خان آف منگ (چھوٹا۔ خان) کے لشکر کے میرپور کی طرف کوچ کا ذکر بھی ہے۔ پندرھویں باب میں تنظیمی عمل کے تحت میرپور میں کرنل ارشد اور بھمبر میں کرنل حبیب الرحمن کا ہماری سرکاری تاریخ [7] کے مطابق سیکٹر کمانڈر ہونے کی بات بھی ہو چکی ہے۔ اور مسٹر سہروردی [8] اپنی کتاب میں محمد زمان کیانی سمیت آزاد ہند کے ان سابق افسروں کی تجربہ کاری کے بڑے گن گا کر کہتا ہے کہ ان لوگوں نے بڑی اونچے پایہ کی تجاویز بنا رکھی تھیں اور اگر قبائلی لوگوں کو کشمیر میں نہ داخل کیا جاتا تو یہ لوگ مہاراجہ کی فوجوں کو ختم کر دیتے۔ سہروردی [9] یہی کچھ آزاد کشمیر کے موجودہ وزیراعظم سردار عبدالقیوم کے بارے بھی کہتا ہے کہ ان کے ذہن میں بھی سری نگر کی طرف ایک بازو سے بڑھ کر مہاراجہ کی فوجوں کو ختم کرنے کی تجاویز تھیں۔ بے شک قبائلیوں کو غلط طریقے سے ایک سازش کے تحت استعمال کیا گیا۔ لیکن ان دوسرے صاحبان کی یہ باتیں بھٹو کے "تاشقند کے راز" اور بعد کی سوچیں ہیں۔ نہ جہاد کے دوران ان صاحبان نے کوئی عملی کام کیا۔ اور نہ جہاد کے بعد یہ صاحبان زبانی جمع تفریق کے بغیر کوئی کتاب بھی لکھ سکے کہ انہوں نے کیا کچھ کیا اور کوتاہی کیا تھی۔ ان کے تجربہ کا ذکر بھی پندرھویں باب میں ہو چکا ہے۔

بھمبر کا محاذ اس عاجز کی تحقیق اور سہروردی کے بیان [10] کے مطابق حبیب الرحمن کے خاندان سے میجر محمد افضل کو اپنے ذرائع سے معلوم ہو گیا تھا۔ کہ نوشہرہ کے بریگیڈ کمانڈر کو مہاراجہ کی طرف سے سرحدی علاقے کے مسلمانوں کو قتل کرنے یا پاکستان میں دھکیلنے کی ہدایات موصول ہو گئی تھیں۔ میجر حسن خان بھی کہتے ہیں [11] کہ میجر راجہ افضل کے عزم و ہمت پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ اور پہلی تجویز کے مطابق انہوں نے نوشہرہ چھاؤنی پر قبضہ کرنا تھا۔

بہرحال ڈوگروں نے سب سے پہلے بھمبر میں ایک مسلمان چوکیدار کو شہید کیا۔ پھر ایک مسلمان عبدالحکیم کو ایک ہندو دوست کے ذریعہ سے خبر ملی کہ بھمبر شہر پر راشٹریہ سیوک سنگھ کا حملہ ہونے والا ہے۔ تو مسلمانوں نے یہ شہر چھوڑ کر نزدیک والے کئی گاؤں میں پناہ لے لی۔ اکھنور اور چھمب کے ہتھیار بند ڈوگروں نے نہ صرف کئی مسلمانوں کو ان علاقوں سے نکال دیا، بلکہ پاکستان کے اندر ضلع گجرات میں میلو، چک بڈھا، متیانوالہ، دھان اور پنڈی عبداللہ میں آکر ڈاکے مارے، کہ مسلمان بستے تھے۔ جواباً گجرات کے خان ملک نے ایک پولیس انسپکٹر کے ساتھ مل کر وثالہ اور منور پر حملے کیئے جو زیادہ کامیاب نہ ہوئے۔ بہرحال حکومت پنجاب نے کچھ بارڈر پولیس اور فوج نے گیارہویں رسالہ کا ایک سکواڈرن بھیج کر سرحد کے علاقوں کے پاکستانی مسلمانوں کی تو کچھ حفاظت شروع کر دی۔ لیکن بھمبر کی فتح کیلئے ہماری سرکاری تاریخ کے [۱۳] مطابق سارے سہرے کرنل حبیب الرحمن کو باندھ دیئے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میجر افضل نے عزت دینے کیلئے حبیب الرحمن کو ساتھ شامل ضرور کیا۔ لیکن میجر افضل چونکہ بعد میں جہاد میں شہید ہو گئے تو حبیب الرحمن نے سارے سہرے خود باندھ لئے۔ حبیب الرحمن تو ان دنوں سری نگر کے چکر لگا رہا تھا اور مہاراجہ سے کچھ مراعات لینے کے چکروں میں تھا اسی وجہ سے جو تھی جموں کشمیر پلٹن کا محمد اعظم سری نگر کی طرف پیش قدمی میں شامل نہ ہوا کہ وہ حبیب الرحمن کا قریبی رشتہ دار تھا۔ ہماری سرکاری تاریخ میں [۱۴] حبیب الرحمن کا یہ بیان کہ قبائلی مجاہدین کی سری نگر کی طرف پیش قدمی کے بعد جموں سے ڈوگروں کو کمک ضرور پہنچتی تو اس نے بھمبر پر حملہ کر دیا، بڑا عجیب وغریب ہے، کہ ۲۲/۲۱ اکتوبر کو پیش قدمی ہوئی اور حبیب الرحمن نے سارے حملے کی دو دن تیاری کر کے ۲۴ اکتوبر کو بھمبر فتح بھی کر لیا۔ حالانکہ سہروردی کے مطابق وہ یہ بھی کہتا ہے [۱۵]۔ کہ کچھ لوگوں نے بڑے روڑے اٹکائے کہ ایک قائم شدہ حکومت پر حملہ کیوں کیا جائے (دراصل یہ اسکا اپنا دل کہتا تھا) ساتھ ہی حبیب الرحمن کہتا ہے کہ اس نے بڑی منت سماجت سے کرنل مسعود سے امدادی فائر لیا کہ پہلے اس نے صاف انکار کر دیا۔ یہ بھی سراسر جھوٹ ہے، کہ اکبر خان [۱۶] کے مطابق، کرنل مسعود تو پوری یونٹ سری نگر فتح کرنے کیلئے بھی بھیجنے کو تیار تھا۔ اور یوسف صراف اپنی کتاب میں کرنل بعد میں بریگیڈیئر

ٹامی مسعود کو ایسا خراج تحسین پیش کرتا ہے کہ جو پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ اور مصنف کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ سب کچھ گیارہویں رسالہ والوں نے خود بخود کیا۔

عملی پہلو میجر محمد افضل نے بھمبر کے گردونواح سے پاکستانی علاقوں سمیت کوئی پانچسو مجاہدین کو جو رائفلیں سرحدی علاقوں کیلئے اکبر خان نے پنجاب پولیس کو بھجوائی تھیں کچھ ان سے اور کچھ درہ والی بندوقوں سے ہتھیار بند کر دیا۔ اور نوشہرہ اور اکھنور سے جو بھمبر کو راستے آتے تھے ان کی ناکہ بندی کر لی۔ علاوہ ازیں میرپور بھمبر کے درمیان کچھ گھات لگانے والے دستے چھوڑ دیئے۔ یہ کام اکتوبر کے وسط تک مکمل ہو چکا تھا۔ کرنل مسعود نے اس علاقے میں اپنے ماتحت سکواڈرن کمانڈر کیپٹن بعد میں کرنل محمد نواز کو ہدایات دے دیں کہ جب مجاہدین بھمبر پر حملہ کریں وہ ان کو مکمل فائر سپورٹ دیں۔ ۲۱ اکتوبر کو مجاہدین نے بھمبر کا گھیرا تنگ کر لیا۔ اور تجویز کے مطابق ۲۴ اکتوبر کو صبح کے وقت بھمبر کی فضائیں نعرہ تکبیر سے گونج رہی تھیں۔ تو ڈوگرہ فوج نے سرکاری خزانہ والی عمارت میں پناہ لے لی۔ مجاہدین میں انجنیئر کے بوڑھے لیفٹیننٹ عنایت خان بھی تھے۔ جنہوں نے بارود لگا کر عمارت کی دیواروں میں شگاف ڈال دیئے۔ بھمبر کی گلیوں میں دو گھنٹے کی لڑائی کے بعد کچھ ڈوگرے قید ہوئے اور کچھ اکھنور کی طرف بھاگ گئے۔ سہروردی [۱۷] کے مطابق مجاہدین نے چند جیپوں، مشین گنوں، مارٹروں اور کچھ ایمونیشن پر قبضہ کر لیا اور بہترین جیپ کا نام قائداعظم جیپ رکھا۔ اپنے ایک باریش بزرگ کی شہادت کا ذکر بھی ملتا ہے جن کو بہت منع کیا گیا کہ وہ صرف دعا کریں۔ لیکن وہ صاحب صرف شہادت کیلئے آئے تھے اور لوگ ان کو شہید بابا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یوسف صراف [۱۸] کے مطابق تحصیل کھاریاں کے گاؤں کوال کے کیپٹن سردار خان کو بھمبر کا پہلا منتظم مقرر کیا گیا۔ بعد میں خرد برد کی وجہ سے ان کو ہٹانا پڑا۔ بھمبر اب ایک بہت بڑا محاذ بن گیا تھا اور اگلی ساری کارروائیوں میں اس کو خاص اہمیت ہو گی جن کا ذکر باب کے آخر میں آرہا ہے۔ اب ذرا میرپور چلتے ہیں

میرپور کے حالات منگلا ہیڈورکس جہاں سے نہر اپر جہلم نکلتی ہے اور اب جو منگلا ڈیم بن گیا ہے۔ تو پرانے اور نئے میرپور کو ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی، جس کا جغرافیائی پہلو

بیان ہو چکا ہے۔ لیکن وہ حصہ جہاں لڑائی ہوئی وہ اب ڈوب چکا ہے۔ بس یہ جان لیں کہ میرپور کے گردونواح دیہات میں تو مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ لیکن میرپور مہاجنوں کا شہر تھا۔ دونوں ملکوں میں معاہدہ تبدیلی آبادی کے بعد راولپنڈی جہلم کے کئی ہندو میرپور آگئے جو سلسلہ مارچ ۱۹۴۷ء سے شروع تھا۔ اور شہر میں غیر مسلموں کی آبادی بیس ہزار کے قریب پہنچ گئی تھی [۱۹]۔ چنانچہ میرپور میں ڈوگروں کی ایک نصف پلٹن کو تین انچ مارٹروں کے ساتھ متعین کیا ہوا تھا، جس کی فوجی چوکیاں منگلا ہیڈورکس، چیچیاں اور ڈھڈیال میں بھی تھیں۔ میرپور میں آزادی کی تڑپ کے سلسلہ میں یوسف صراف [۲۰] ضلع کے مسلم کانفرنس کے صدر الٰہی بخش، اور جنرل سیکرٹری میجر بعد میں کرنل سید علی احمد شاہ (بعد میں آزاد حکومت کے وزیر دفاع) کے بارے کہتا ہے کہ وہ تو جہاد میں نظر نہ آئے۔ البتہ میرپور کی فتح کے بعد علی احمد اور کرنل ارشد میرپور کے خزانہ اور وہاں سے جو سونا ملا، اس کو ضرور راولپنڈی لے گئے۔ وہ مفتی عبدالحکیم، قاضی محمد بشیر، فوجی سرداران محمد حسین، منگاخان، محمد اسمٰعیل، امام علی، محمد فاضل اور مولوی کرم الٰہی کا خاص ذکر کرتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان آبادی کو شہر سے نکالا اور چالیس درہ سے بنی ہوئی رائفلوں، اور کلہاڑیوں و نیزوں سے علاقہ کے لوگوں کو مسلح کر کے جہاد کیلئے تیار کیا۔ قاضی محمد بشیر کے رابطہ سے کیپٹن خان اور ایک مفرور دوست محمد بھی مجاہدین کی مدد کیلئے پہنچ گئے اور انہی نے سکھ چین پور تھانہ پر حملہ کر کے وہاں ڈوگرہ پولیس کو تہ تیغ کر کے سب ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران گوجر خان کے علاقہ سے کیپٹن سید عجائب حسین کے تحت ایک مجاہدین کا دستہ آیا، جن کے میزبان مصنف کے ذاتی دوست دلاور خان تھے جو بعد میں فوج سے بریگیڈیئر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ آزاد ہند فوج کے ایک کیپٹن دلاور خان بعد میں کرنل اور آزاد حکومت کے دفاعی سیکرٹری نے بھی مجاہدین کا دستہ تیار کیا۔ اور اپنی یونٹ کو چھوڑ کر نائب صوبیدار، رتاسب بھی ایک برین گن کے ساتھ آکر مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو گئے۔

میرپور پر اسلامی جھنڈے بھارتی تاریخ کے مطابق انہوں نے ۱۵ اور ۱۷ نومبر کو میرپور کے محاصرین کیلئے کچھ سامان گرایا۔ لیکن یہ بے دلی کی باتیں تھیں۔ بھمبر کی فتح کے بعد میجر راجہ

محمد افضل بھی میرپور پہنچ گئے اور ان کے مجاہدین کو شہر کو مغرب کی طرف سے محاصرہ پر لگایا گیا کہ شمال کی طرف کیپٹن خان ان کی تمام چوکیوں کو تہس نہس کر کے ان کے سر پر آ بیٹھا تھا۔ تھروچی کے قلعہ جس کی فتح کا ذکر چودھویں باب میں ہوا ہے وہاں سے ایک کیپٹن نصیر کچھ مجاہدین لے آئے اور ۲۲ نومبر کو دیر کے علاقے سے بھی پانچ سو مجاہدین پہنچ گئے۔ یوسف صراف اور سہروردی کے مطابق تمام مہمات کی نگرانی کرنل ارشد کر رہا تھا جس کا ہیڈ کوارٹر منگلا ریسٹ ہاوس میں تھا۔ یہ جگہ وہاں سے سات میل دور تھی۔ تو قارئین خود اندازہ لگائیں کہ وہ کیا کر سکتا ہو گا۔ میری تحقیق کے مطابق ضلع سرگودھا کے عظیم فرزند اور رسالہ کے اپنے زمانے کے مشہور افسر کرنل محمد نواز جو اس زمانے میں کیپٹن تھے اور بھمبر کی فتح میں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ ۲۳ نومبر کو بکتر بند گاڑیاں اور اس دفعہ تین انچ مارٹریں بھی ساتھ لے آئے۔ لیکن بکتر بند گاڑیوں کو استعمال کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ چند مارٹر کے گولے فائر کیے۔ دیری لشکر بھی میجر افضل کے ساتھ مل گیا تھا اور انہوں نے مغرب کی طرف سے بھرپور حملہ کیا۔ شمال سے پہلے ہی کیپٹن خان محمد سخت دباؤ ڈال رہا تھا۔ پس ڈوگروں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ کچھ مارے گئے۔ اور باقی جھنگڑ پہنچ گئے کہ انہی دنوں بھارتی نمبر ۵۰ بریگیڈ کوٹلی کو خیرباد کہہ کر جھنگڑ پہنچا تھا۔ اور ۲۴-نومبر ۴۷ کو میرپور پر بھی اسلامی جھنڈے لہرا دیئے گئے۔ مجاہدین کے ہاتھ کافی ہتھیار (جن میں کچھ مارٹر اور مشین گنیں بھی تیں) اور کچھ گاڑیاں اور ایمونیشن بھی لگا۔ سب سے بڑا مسئلہ غیر مسلموں کیلئے خیمہ بستیاں بنانے کا تھا، جو کام آزاد سول حکومت نے سنبھال لیا۔ مجاہدین نے اس کے بعد جھنگڑ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ جو کہانی تینتیسویں باب میں آئے گی۔

بھمبر کا دفاع میرپور کی فتح کے بعد جنوب کی طرف بھمبر محاذ اب اور زیادہ اہمیت اختیار کر گیا۔ کہ بھمبر کی فتح کے بعد کچھ مجاہدین نے شمال میں نوشہرہ کی طرف پیش قدمی کی اور سوانی وادی کی کچھ پہاڑیوں اور قلعہ امرگڑھ تک پہنچ گئے۔ میانوالی کے مجاہدین کا ایک لشکر انہی دنوں وہاں پہنچا، اور اس کو بھی ادھر ہی بھیج دیا گیا۔ چند دنوں کے بعد ایک بھارتی ہوائی جہاز آیا تو ان لوگوں نے نیچے سے گولیاں چلانا شروع کر دیں تو بھارتی جہاز نے ایک ۵۰۰ پونڈ کا بم ان پر گرا دیا جس کے پھٹنے کی آواز سن کر کچھ لوگ محاذ سے چلے گئے۔ جنگ سے نابلد لوگ یہی کچھ کرتے

ہیں ۔ میانوالی کے لوگوں نے تو کچھ جذبہ دکھایا کہ وہاں تک آئے تو سہی ۔ کئی اضلاع کے لوگ گھروں سے نکلنے کو تیار نہ تھے ۔ مشرق کی طرف گجرات کے خان ملک، ۴۵ قبائلی مجاہدین کو لے آئے اور دیوا و ٹالہ پر حملے کرتے رہے ۔ اس کے بعد پیر آف وانا کی وساطت سے کچھ سلیمان خیل لشکر آ گئے ، جنہوں نے منور، دیوا، وٹالہ اور چھمب پر قبضہ کر لیا ۔ یوسف صراف (۲۱) اور ہماری سرکاری تاریخ (۲۲) میں محمد زمان کیانی اور حبیب الرحمن کے مشرقی محاذ کو کھولنے اور کئی تجویزوں کا ذکر آتا ہے ۔ لیکن عملی طور پر اس محاذ پر کچھ بھی نہ ہوا ۔ بلکہ تماشا یہ بنا کہ انہی دنوں جو نوشہرہ پر حملے کی تجویز بن رہی تھی تو مشرقی محاذ سے کئی مجاہدین شمالی محاذ کی طرف چلے گئے ۔ صرف پیر آف وانا کا سلیمان خیل لشکر وہاں رہا، لیکن دسمبر ۱۹۴۷ء وسط میں بھارتیوں کے سخت حملوں کیوجہ سے ان کو بھی دیوا ۔ وٹالہ خالی کرنے پڑ گئے ۔ شمال کی طرف جارحانہ کارروائیوں سے خودبخود بھمبر کا دفاع ہو رہا تھا ۔ لیکن یہاں سے چھوٹی قسم کی کارروائیاں کی گئیں کہ یوسف صراف (۲۳) کے مطابق میجر رانا، کرنل کمال اور کیپٹن نیازی کے لشکروں نے بیڑی پتن کے علاقے سے گزر کر جموں، سری نگر روڈ کے رام بن کے علاقوں پر جا کر چھاپے مارنے تھے اور پلیں توڑنا تھیں ۔ اس میں زیادہ کامیابی بھی نہ ہوئی ۔ یہ کام جیسا کہ پندرھویں باب میں ذکر ہے میجر اسلم اور نوشیروان کر رہے تھے تو شاید یہ ایک لاحصل مشق ثابت ہوئی ۔ شمالی محاذ پر اہم ریچھ اور بینڈک کی پہاڑیاں تھیں جہاں بہت کم مجاہد رکھے گئے جس کی وجہ سے بعد میں بہت نقصان اٹھانا پڑا ۔ اور دراصل بھمبر، نوشہرہ اور جھنگڑ محاذ پر اتنے زیادہ مجاہدین اکٹھے ہو گئے تھے ۔ کہ ان کو کسی وحدت میں پروگرام سے بہت کچھ کرایا جا سکتا تھا اور اکبر خان طارق نے کچھ ایسا سوچا بھی ۔

میجر سرفراز کی آمد چنانچہ اکبر خان نے مصنف کے ایک ذاتی دوست میجر سرفراز خان (پٹھان) کو ان اہم علاقوں کی ذمہ داری دی، جس کا اشارہ پندرھویں باب میں ہو چکا ہے ۔ سرفراز دسمبر کے وسط میں بھمبر پہنچ گئے انہوں نے جو کچھ شمالی محاذ پر کیا اس کا ذکر تو بیسویں باب میں ہے ۔ انہوں نے خوب دیکھ بھال کے بعد طارق ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ دی کہ مشرقی محاذ پر محمد زمان کیانی اور حبیب الرحمن نے کچھ بھی نہیں کیا ہوا، اور بھارتی پیش قدمی کو ادھر

بالکل ہی نہیں روکا جا سکتا ۔ یہاں پھر طارق ہیڈ کوارٹر نے گیارھویں رسالہ کے کرنل مسعود سے مدد مانگی، جس نے پاکستانی علاقے کی حفاظت کے علاوہ آزاد فوجوں کی مدد کا وعدہ بھی کیا اور ۱۸ پنجاب کی ایک کمپنی بھی ادھر متعین کی گئی ۔ یہ کارروائی بڑی ہی بروقت تھی کہ ۳ جنوری ۱۹۴۸ء کو بھارتی فوج نے اس علاقہ میں ایک بڑا حملہ کر دیا ۔

بھارتی ٹینکوں کا حملہ بھارتی پیدل فوج نے یہ حملہ بکتر بند، توپخانہ اور ہوائی جہازوں کی سپورٹ سے اسڑ گاؤں کے پاس آزاد اور قبائلی مجاہدین کے ایک چھوٹی سی پہاڑی کے پوزیشن پر کیا ۔ یہاں صوبیدار محمد افضل نے ایک چھپاؤ میں پوزیشن لیا ہوا تھا، جہاں سے اچانک فائر کر کے بھارتیوں کو روک دیا تو بھارتیوں نے اس کی بازو کش کرنے کی کوشش کی، تو اس نے ایسا متبادل پوزیشن اختیار کیا، جس سے آگے بڑھ کر بھارتی پیش قدمی کرنے والے دستوں کو گھیرے میں لیا جا سکتا تھا ۔ تو بھارتیوں نے پھر بکتر بند دستوں کو آگے بڑھایا تو پلٹون کے پاس ایک چھوٹا ٹینک توڑ (ایم نائن اے ون) روند تھا، جس کے فائر کے دھماکے سے بھارتی بکتر بند دستے رک گئے ۔ لمحہ بعد بھارتی پیدل اور بکتر بند دستوں نے مل کر پیش قدمی شرع کی ۔ اسی دوران ہماری بکتر بند گاڑیاں جو پاکستانی علاقے میں تھیں، انہوں نے جب یہ دیکھا تو میدان جنگ کی طرف صرف حرکت کی، کہ بھارتی فوجیں جو اب تک کافی نقصان بھی کرا بیٹھی تھیں، انہوں نے کافی ہتھیار اور فوجی سامان ادھر چھوڑتے ہی فرار اختیار کر لیا ۔ یہ سامان مجاہدین کے ہاتھ لگا ۔ اسی دوران ایک بھارتی لڑاکا جہاز کو بھی مار گرایا گیا جس کا پائلٹ چھتری سے نیچے ذرا دور اترا لیکن نائب صوبیدار بگا خان اس کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا ۔ سہروردی (۲۴) کے مطابق ایک جہاز یکم دسمبر ۱۹۴۷ء کو بھی گرایا گیا، جس کے پائلٹ کے علاوہ ایک فوٹوگرافر مسٹر شرما، بھی انہی علاقوں میں چھتری سے کود ے اور ان کو بھی گرفتار کر لیا گیا ۔

بھارتی کیا کہتے ہیں (۲۵) بھارتی اس جنگ کو اپنی ۲۰/۱۹ دسمبر کی کارروائیوں کا حصہ کہتے ہیں، کہ وہ پاکستان کے کئی دستوں کے ساتھ برسرپیکار تھے ۔ جنہوں نے کئی غیر مسلموں کو علاقے سے نکال دیا تھا تو ۴۵۰۰۰، پناہ گیر اکھنور پہنچ گئے ۔ وہ اپنے ۲۶۸ بریگیڈ، پہلی پٹیالہ، تیسری مدراس، ریاستی فوج کی کچھ ڈوگرہ کمپنیوں، مہار رجمنٹ کے مشین گنوں، ساتویں رسالے کے

ایک بکتر بند ٹروپ اور ساتویں رجمنٹ کی ایک بیڑی کے استعمال کے علاوہ بعد میں دوسری جاٹ رجمنٹ کے ان میں شامل ہوجانے کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس لاؤ لشکر سے گرہ کلیت، کلیاں اور پلانوالہ پر حملے اور بعد میں پہلی مدراس کے آجانے پر چھمب پر قبضہ کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ اور ہمارے چالیس مجاہدین کو شہید کرنے اور ۳۰، کو زخمی کرنے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ اور اپنے صرف ۷، آدمیوں کی ہلاکت اور چودہ آدمیوں کے زخمی ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اگلی لڑائی میں اپنے ایک افسر اور سولہ جوانوں کے گم ہوجانے کی بات کرتے ہیں (۲۶) اور انہی صفحات پر ۲۶ میل دور جھنگڑ پر ہمارے حملوں یا کمان گوشہ میں سخت جھڑپوں کے علاوہ راجوری محاذ پر چنگس کی طرف اپنی کچھ ناکامیوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ یہ سب بیان کرنے میں مقصد یہ تھا کہ یہ محاذ کتنا اہم ہوگیا تھا۔ اور بھارتیوں کی کتنی بڑی باقاعدہ فوج کے مقابلہ میں ہمارے مجاہدین جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ جنہیں کسی مقصد کے تحت لڑانے کی بجائے۔ لیاقت علی کا یہ حکم پورا کیا جارہا تھا کہ مزید دوماہ تک جنگ جاری رکھی جائے کہ اس سے کچھ سیاسی فائدہ اٹھا لیا جائے۔ کیا کبھی دنیا میں اس قسم کی کوئی جنگ لڑی گئی۔ کہ اس محاذ کی اہمیت واضح ہونے کے بعد ہم اب اگلے باب میں اوڑی والے اہم محاذ سے دباؤ کم کرنے کی تگ ودو کی ایک کہانی سنائیں گے لیکن وہ محنت بھی بعد میں ضائع ہوگئی۔ اور اس محاذ پر بتیسویں اور زیادہ تر چوالیسویں باب میں واپس آئیں گے۔

تبصرہ یہاں صرف ایک تبصرہ کیا جارہا ہے۔ کیا بھارت کو معلوم نہ ہوا، کہ بھمبر اور میرپور کی فتح میں ہماری فوج نے شرکت کی اور اب ہمارے بکتر بند دستے بھی انہوں نے دیکھ لیئے، تو انہوں نے پاکستان پر حملہ کیوں نہ کیا۔ جس کی وہ ہمیں دھمکی دے رہے تھے اور انگریز جنرل ڈراتے رہتے تھے۔ بھارت اس زمانے میں ہمارے جذبۂ جہاد کو جانتا تھا اور قائداعظم زندہ تھے وہ کبھی ہم پر حملہ نہ کرتا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء میں اینگلو امریکن بلاک نے بھارت کو یہ "باور" کرالیا۔ کہ پاکستان میں اسلام آہستہ آہستہ ختم ہورہا ہے اور یہ لوگ کالے انگریز بن رہے ہیں تو ۱۹۷۱ء میں بھارت نے ہمیں ذلت آمیز شکست دے کر دولخت کر دیا۔ یہ اس لئے ہوا کہ ہماری مسلمانی ختم ہوگئی تھی۔ یاد رہے مسلمان کبھی شکست نہیں کھا سکتا۔ وہ یا غازی بنتا ہے یا شہید۔ ۶۵

ہماری طرح بے غیرت نہیں، ہوسکتا کہ اب بھی کوئی سبق سیکھنے کو تیار نہیں

حوالہ جات

(۱) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۴۵۔ (۲) ایضاً صفحہ ۴۷۔ (۳) ۔ ایضاً صفحہ ۶۴ تا ۶۵۔ (۴) ۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۹۱۱۔ (۵) ۔ جنرل محمد موسیٰ خود اس کیمپ میں شامل تھا جو انگریز ہم پر مسلط کرگئے۔ اور اس سلسلہ میں بائیسویں باب میں بہت کچھ ہے۔ (۶) ۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۹۶۶۔ (۷) ۔ دی کشمیر کمپیین صفحہ ۷۲۔ (۸) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۳۹۔ (۹) ۔ ایضاً صفحہ ۱۰۸۔ (۱۰) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۴۰۔ (۱۱) ۔ شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۱۹۴۔ (۱۲) ۔ ایضاً صفحہ ۹۶۔ (۱۳) ۔ دی کشمیر کمپیین صفحہ ۷۴۔ (۱۴) ۔ ایضاً صفحہ ۷۴۔ (۱۵) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۴۱۔ (۱۶) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۷۰۔ (۱۷) ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۴۲۔ (۱۸) ۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۹۶۶۔ (۱۹) ۔ ایضاً صفحہ ۹۵۶۔ (۲۰) ۔ ایضاً صفحہ ۹۵۶ تا ۹۶۲۔ (۲۱) ۔ ایضاً صفحہ ۹۶۹ اور ۹۷۰۔ (۲۲) ۔ دی کشمیر کیمپس صفحہ ۸۵۔ (۲۳) ۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۹۶۷ اور ۹۶۸۔ (۲۴) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۴۳۔ (۲۵) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۹۰ تا ۹۱۔ (۲۶) ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۹۷

اکیسواں باب

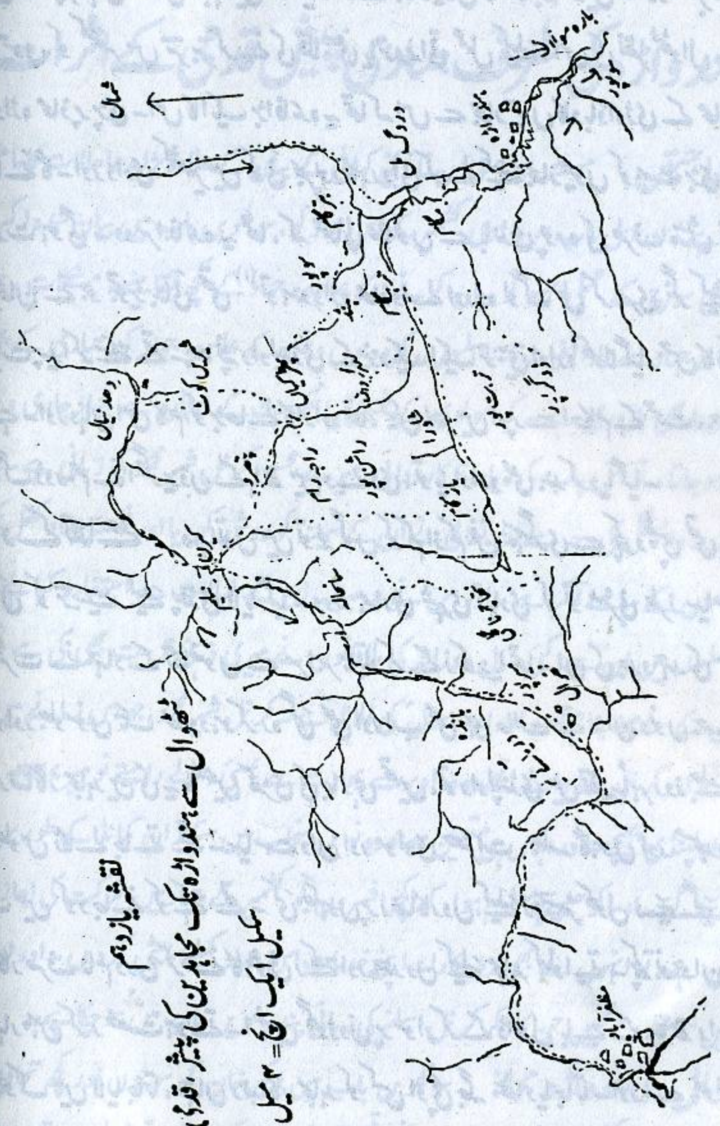
ہندواڑہ کی طرف ہماری پیش قدمی کے اثرات

کچھ وضاحتیں مستند اور متوازن تاریخی کہانی کے بیان کے علاوہ بڑا مدعا حالات کا بامقصد مطالعہ ہے۔ اور اس باب میں وادی کشمیر کے اس محاذ کو، سولھویں باب میں بیان شدہ اکبر خان۔ طارق کی سوچ کے عملی پہلو کو بیان کرنے کے علاوہ، جہاد کے کچھ تقاضے، مشکلات، ہماری جنگ اور جہاد سے ناواقفیت۔ نااہلیوں، کمزوریوں وغیرہ کے علاوہ، جہاد کی تیاری کے پہلو کی جھلکی دینا بھی ضروری ہے۔ کہ مولوی کے فتویٰ یا حکومت کے اعلان سے جہاد جاری و ساری نہیں ہوجاتا۔ تو اس باب کی زیادہ تر کارروائی، میرے محسن کرنل شیر محمد کی زبانی ہے۔ ان کا کشمیر سے وابستگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے سینہ کو روشن کردیا اور فلسفہ جہاد کھل کر ان کی آنکھوں کے سامنے آگیا ہے۔ اور میں نے نہ صرف ان کے خیالات سے استفادہ کیا ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں ان سے کئی سال روزانہ کی ملاقاتوں نے میری ذہنی تربیت بھی کی ہے، کہ ہم دونوں کے سامنے بڑا مقصد اللہ اور رسولؐ کی غلامی ہے۔ کرنل شیر محمد، جو اس زمانے میں سینئر میجر تھے اور کرنل بننے والے تھے وہ ذرا دیر سے بھارت سے بمبئی والے راستے نومبر ۱۹۴۷ء کے آخر میں راولپنڈی پہنچے۔ اور یہاں ہی متعین موجودہ نویں پنجاب میں سیکنڈان کمانڈ کے طور پر پوسٹ کر دیئے گئے۔ ان کو جیسے ہی معلوم ہوا، کہ کچھ افسروں کو کشمیر کے جہاد میں شرکت کی اجازت دی جارہی ہے، تو انہوں نے بھی رضاکارانہ اپنی خدمات اس جہاد کیلئے پیش کردیں۔ اور ان کو وہ شرطیں "منظور" تھیں جن کا ذکر کرنل اسلم کی زبانی پندرھویں باب میں ہوچکا ہے۔

ٹھٹوال۔۔ ہندواڑہ محاذ سولھویں باب میں اکبر خان کی سوچوں اور کچھ تجاویز کا ذکر ہوچکا ہے کہ وہ کشمیر کے جہاد کے لئے جونئی قسم کی فوج تیار کر رہا تھا، تو معلوم ہوتا ہے اس کے ذہن میں کئی باتیں تھیں، کہ قبائلی مجاہدین کے علاوہ، سابقہ فوجیوں اور رضاکاروں کی یونٹیں تیار کی جائیں، جن میں کچھ فوجی ربط و ضبط پیدا کرکے اور ان کو کچھ تربیت دے کر ایسے محاذوں پر

بھیج دیا جائے جہاں مقامی مجاہدین پہلے سے موجود نہیں۔ اور ایسی یونٹیں وہاں جاکر کچھ جہاد بھی کریں اور پھر وہاں مقامی مجاہدین کو تیار کرکے بھارتیوں کا مقابلہ کریں۔ اور اکبر خان کی بھارتیوں کو کشمیر میں تتر بتر کرنے کی فلاسفی یا تزویراتی عمل کیلئے، اس کی نظر ٹھٹوال سے آگے ہندواڑہ محاذ پر پڑی۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ اس سے بھارتیوں کا دباؤ اوڑی کے محاذ سے کم ہوجائے گا۔ اور وادی کشمیر میں کوئی بھرپور کارروائی کرنے کیلئے بھارتیوں کو بہت بڑی فوج کی ضرورت ہوگی۔ دوسرا فائدہ یہ تھا، کہ شمالی علاقوں سے بانڈی پورہ کی طرف پیش قدمی کی اکبرخان نے جو تجویز بنائی تھی [1] تو ہندواڑہ محاذ والے اور وہ لوگ مل کر سری نگر کیلئے بڑے خطرات پیدا کرسکتے تھے۔ چنانچہ راولپنڈی کے نزدیک ایک تربیتی ادارہ کھولا گیا، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اور وہاں اس کام کو بڑھانے کا ارادہ تھا، لیکن بعد میں اوپر سے احکام کے تحت، جب جہاد کی باگ ڈور ہم نے انگریزوں کے ہاتھ میں دے دی، تو یہ ادارہ بھی بند کردیا گیا۔

جہاد کے تقاضے دیہاتوں میں تو لوگوں کو کم از کم فن سپہگری سے کچھ دلچسپی تھی اور انہی لوگوں کو تربیت کیلئے پنڈی لایا گیا۔ ورنہ ہماری شہری آبادی کو تو مغربی طرز سیاست اور معاشرت نے جہاد کے تقاضوں سے سراسر نابلد کرکے رکھ دیا تھا۔ ان کی جدوجہد کی معراج، جلسہ اور جلوسوں تک محدود ہوکر رہ گئی تھی اور اب بھی یہی حالت ہے۔ ان دنوں جب راول میں رضاکار مجاہدین کی یہ پلٹنیں کھڑی کی جارہی تھیں، تو راولپنڈی میں تقریباً ہر روز جلسے ہوتے اور جلوس نکالے جاتے تھے۔ سیاست دان اور مولوی حضرات، جلسہ گاہوں اور مسجدوں میں جنگ میں کود جانے کو کہتے تھے۔ کئی جگہوں پر رضاکاروں کیلئے رجسٹر کھول دیئے گئے۔ اور یہ رضاکار صرف نام درج کرانے کا شوق رکھتے اور چند دن کیلئے مجاہد کہلواتے۔ کچھ نوجوان گھروں سے ہار پہن کر رخصت ہوتے۔ انہیں گھوڑوں پر سوار کرکے ڈھول باجے کے ساتھ راجہ بازار کے چوک میں لایا جاتا، جہاں رضاکار مجاہد کو کسی اونچی جگہ بٹھا دیا جاتا۔ اور اسے پھولوں اور روپوں کے ہار پہنائے جاتے اور پھر اس کے اوپر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی جاتیں۔ اور اللہ اکبر کے نعرے کے ساتھ اسے پھر گھوڑے پر سوار کیا جاتا۔ اور مری یا مظفر آباد جانے والی بس پر بٹھا دیا جاتا۔ ان میں سے کوئی بھی راول کے تربیتی کیمپ میں حاضر ہونے کی تکلیف نہ کرتا تھا۔ کیونکہ



ان کا پروگرام مری کے کسی ہوٹل میں ٹھہر کر سیر و تفریح کا ہوتا تھا۔ انہی دنوں کئی لوگوں نے مذہبی لوگوں کے جذبات کا فائدہ اٹھایا، اور کشمیر جہاد فنڈ کی رسیدوں سے اپنی جیبیں خوب بھریں۔ مغربی زندگی نے مسلمان کو ایک شتر بے مہار کی طرح گلیوں اور سڑکوں پر چیختا، چنگھاڑتا اور ضبط نفس سے عاری رکھنے کے علاوہ ایک پرلے درجے کا منافق بنا دیا ہے۔ اسی وجہ سے ۴۷ سالوں سے ہم ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

جہاد کے ساتھ مذاق حکومت پاکستان کی گونگو پالیسی کے تحت موجودہ راول ڈیم جہاں اس زمانے میں ایک سرائے ہوتی تھی، وہاں کرنل بعد میں میجر جنرل شاہد حامد کے ماتحت ایک تربیتی کیمپ بنایا گیا۔ جہاں کچھ سابق فوجیوں کو تربیت دے کر ایک پلٹن تیار کی جس کی کمانڈ شیر محمد کو دی جنہوں نے کرنل خالد کا نام اپنا لیا۔ فی جوان ۲۰ راؤنڈ ایمونیشن، اور آدھے جوانوں کو پکی رائفلیں اور آدھوں کو درہ میڈ رائفلیں دیں۔ پوری پلٹن میں چار لائٹ مشین گنیں دیں۔ اور ان کو ہوائی جہازوں، بکتر بند گاڑیوں اور توپخانہ کی سپورٹ سے لڑنے والی بھارتی پیدل فوج کے مقابلے کیلئے دسمبر ۱۹۴۷ء کے آخری ہفتہ تک تیار کر لیا۔ اور کوئی فوجی گاڑی دینے کے بجائے سولین بسوں میں بٹھا کر مظفر آباد پہنچایا۔ جس پر تین دن صرف ہوئے۔ کل نفری چھ صد تھی۔ اور آگے دریا کے کنارے پگڈنڈی پر پیدل سفر کر کے ٹھوال سے گزر کر کیرن اور دھد نیال جا کر نیلم وادی میں دشمن کی پیش قدمیوں کو روکنا تھا۔ بار برداری کیلئے گدھے اور ٹٹو بھی بہت کم ملے۔

زمینی حالات (نقشہ یازدہم) وادی نیلم کی کئی چھوٹی وادیوں کے درمیان میں نیچیاں اور نتھا چھنی کی گلیات ہیں۔ کیرن کے مشرق میں پھرکیاں نامی گلی واقع ہے۔ دھد نیال کے سامنے ایک گلی ترھگام کے پاس جا کر اترتی ہے۔ اور شاردا سے ایک راستہ ایک گلی پر سے گزرتا ہوا کپواڑہ کے پاس جاتا ہے۔ علاقے بہت سرد ہیں اور مجاہدین کے پاس صرف دو دو کمبل تھے۔ یہاں تک آبادی زیادہ تر "پنجابی" تھی اور سب پاکستان کے حق میں تھے۔ سوائے دھد نیال کے مولوی مسعودی کے گھرانے کے۔

عملی کام چنانچہ مجاہدین نے جنوری ۱۹۴۸ء میں کیرن اور دھد نیال میں تو پاؤں جمالئے

تھے ۔ لیکن فی جوان ۲۰ روپے تنخواہ ملتی تھی اور کچھ لوگ سردی سے گھبرا گئے اور کچھ بھگوڑے ہوگئے ۔ تو کرنل خالد نے چھٹی کھول دی کہ لوگ رائفلیں نہ ساتھ لے جائیں ۔ تو جنوری ۱۹۴۸ء کے آخری ہفتہ تک چالیس جوان چھٹی پر چلے گئے ۔ اور پلٹن کے نفری کوئی چار پانچ سو باقی رہ گئی ۔ تو اپنے ہیڈ کوارٹر میں ایک تربیتی مرکز کھول کر مقامی لوگوں کو مجاہد بنا لیا ۔ ساتھ ہی کرنل خالد نے فیصلہ کیا کہ دور سے دیکھ بھال کرنے کی بجائے وادی میں پیش قدمی کی جائے اور دشمن کو "نزدیکی" سے دیکھا جائے ۔ بھارتیوں کو بھی کچھ جاسوسوں نے خبر دے دی ۔ اور ان میں سراسیمگی پیدا ہوئی تو انہوں نے جلدی سے پچاس گورکھوں کی ایک پوسٹ شلوارا میں قائم کی ۔ اور ایک صد شیخ عبداللہ کے نیشنل ملیشیا کو ترہگام میں تعینات کیا ۔ اور اوڑی محاذ سے ایک پلٹن ہٹا کر اس کو سوپور لایا گیا ۔ جس کی ایک کمپنی کو ہندواڑہ بھیجا گیا ۔ دشمن کو البتہ یہ امید نہ تھی کہ اتنی برف کے ہوتے ہوئے مجاہدین وادی میں بھی پیش قدمی کر آئیں گے ۔

وادی کشمیر میں ورود کرنل خالد نے کیرن میں اپنا ریئر ہیڈ کوارٹر، بندوبست، ملاپ اور کمکوں کیلئے چھوڑ دیا ۔ اور دو سو کی نفری کو ادھر ہی سے اپنے ساتھ ۳ فروری ۱۹۴۸ء کو اور باقی دو سو نفری کو دھدنیال سے ۲ فروری کو وادی کشمیر میں ترہگام کی طرف پیش قدمی کرا دی ۔ کیرن والی کالم نے راستہ سے ذرا ہٹ کر پچاس نفری گورکھوں پر شلوارا پر حملہ کر کے ان کو ایسے بھگایا کہ وہ ایمونیشن، راشن اور بستر یعنی کمبل بھی وہاں چھوڑ گئے ۔ جو بڑے کام آئے کہ کرنل خالد سمیت کئی مجاہدین بغیر بستر کے تھے کہ راستے میں پہلے کچھ مزدور ان کے سامان سمیت غائب ہوگئے تھے ۔ دوسری کالم، اس کالم سے پہلے ترہگام پہنچ گئی، جہاں سے نیشنل ملیشیا نے ان کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور کچھ نے مجاہدین میں شمولیت کی درخواست بھی دے دی جو منظور کر لی گئی ۔ یہاں دو دن آرام کرنے کے بعد کرنل خالد نے کھلم کھلا ہندواڑہ کی طرف پیش قدمی سڑک کے دونوں اطراف نعرہ تکبیر کی صداؤں کے ساتھ شروع کی کہ مجاہدین کی وادی میں آمد اب کوئی راز نہ تھا ۔ چنانچہ ہندواڑہ میں بیٹھے سکھ فوجیوں نے سمجھا کہ مجاہدین کا کوئی ٹھاٹھیں مارتا سمندر ان کی طرف آرہا ہے، تو انہوں نے سمندر میں "غرق" ہونے سے پہلے ہی شہر کو خالی کر دینا مناسب سمجھا، اور جب لشکر کے ہراول دستے شہر کے قریب پہنچے تو سکھ یونٹ کی آخری گاڑیاں

شہر کو چھوڑ رہی تھیں ۔

ہندواڑہ میں قیام ہندواڑہ جو بارہ مولا کی ایک تحصیل تھی، اس رات وہاں شیخ عبداللہ کا مشیر خاص اور جواہر لعل نہرو کا رشتہ دار مشہور پنڈت ڈی پی دھر ادھر ہی تھا لیکن بڑی تلاش کے بعد وہ مجاہدین کو نہ مل سکا ۔ اور دوسرے روز وہ وہاں سے نکل گیا ۔ اپنے ان مجاہدین میں بھی فوج والا ڈسپلن نہ تھا ان میں سے اکثر رات کو شہر میں "غائب" ہوگئے ۔ اور بڑی کوشش کے بعد کرنل خالد دوسرے دن سویرے پچاس مجاہدین کو اکٹھا کر سکا ۔ اس لئے سوپور کی طرف پیش قدمی اور دشمن سے اپنی تعداد کو چھپانے والی بات ختم ہوگئی تھی ۔ تھوڑی نفری کے ساتھ کرنل خالد اور اس کے جونیئر کمانڈروں نے سوپور کی طرف سے آنے والی اہم پل پر جو تیس مجاہدین اور نیشنل کانفرنس کے آدمی لگائے وہ بھی غائب ہوگئے ۔ دو دن کے بعد سکھ پلٹن کو حالات سے آگاہی ہوئی اور اوپر والوں نے ان کو لعنت پھٹکار کی، تو انہوں نے سوپور سے ہندواڑہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ۔ لیکن وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے ۔ تو کرنل خالد نے ہندواڑہ کو چھوڑنے کا اس طرح پروگرام بنایا ۔ کہ چند معتبر مجاہدین کو پیچھے چھوڑ دیا کہ پیش قدمی کرنے والے دشمن پر وہ فائر کرتے رہیں اور باقی مجاہدین کو ادھر ادھر سے نکال کر ترہگام اور شلوارا کے درمیان ایک نالے کے کنارے دفاعی پوزیشن بنائے گئے ۔ سکھ پلٹن والے ترہگام تک پہنچے اور کسی بڑے لشکر کے ساتھ نہ ٹکراؤ سے حیران تھے ۔ تو انہوں نے شلوارا کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ۔ آگے ایک دفاعی پھندا تھا ۔ سکھوں کو بالکل نزدیک آنے دیا گیا ۔ اور جب وہ بالکل نزدیک آئے تو آگے والوں کے فائر نے انہیں ڈھیر کر دیا ۔ پیچھے والوں نے جہاں حملے کیلئے "اجتماع" کیا ۔ وہی بڑا پھندا تھا، جہاں نزدیک چھپے ہوئے مجاہدین جن کو سکھوں نے نہ دیکھا تھا انہوں نے اس اجتماع کو ڈھیر کر دیا ۔ راستے سے ہٹ کر قد آدم پھیلی ہوئی برف کی وجہ سے حرکت بھی ناممکن تھی ۔ اگر کوئی ہٹا، تو کمر تک برف میں پھنس گیا ۔ ایک گھنٹے کی گھمسان کی جنگ کے بعد سکھوں نے ایسا فرار کیا کہ مجاہدین نے ان کا دروگ مولا اور ترہگام تک تعاقب کیا ۔ اور سکھ اپنی کچھ لاشوں کو گھسیٹتے ہوئے پھر ہندواڑہ پہنچ گئے اور مجاہدین نے کپواڑہ ۔ ھیری اور ترہگام تک پیش قدمی کر کے وہاں دفاعی پوزیشن اختیار کی اور آگے ہندواڑہ تک محض چھاپہ

مار کارروائی پر اکتفا کیا۔

میدان جنگ کے اثرات ہماری جنگ سے نابلد قوم کو یہ ہرگز معلوم نہیں، کہ جنگ اور جہاد کیلئے عقیدہ، ربط و ضبط، اطاعت امیر اور جذبہ وغیرہ کئی اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے۔ انگریز نے ہمیں "رجمنٹیشن" کے اصول اور چند بنیادی لڑاکا قبائل کو لڑاکا فوج میں لڑایا۔ ورنہ سروسز کوروں کے لوگ بھی اگلے مورچوں پر نہیں ٹھہرتے۔ یہ سابقہ فوجی ایسی ہی ملی جلی کوروں کے تھے، جن میں شاید ہی کسی نے جنگ دیکھی ہو۔ تو ان پر اس "عارضی" فوج کے ڈسپلن کے شکنجے بہت کمزور تھے۔ پہلے چھٹی کی درخواستیں۔ پھر حجت بازی۔ ایک ٹولی کو ایک خطرناک مہم پر بھیجنے کا حکم دیا گیا۔ تو وہ جا کر ایک گرم کمرے میں سو گئے۔ اور کہا کہ وہ اللہ کی فوج کے آزاد سپاہی ہیں صرف اللہ کا حکم مانتے ہیں اور مرضی سے کام کرتے ہیں۔ وہی بات جو خارجیوں نے حضرت علیؓ کو کہی۔ اور اس "آزاد" ملک کے پندرہ کے قریب "آزاد سپاہی" ایک دن اٹھ کر چل دیئے اور گلیات کے پار جا کر دم لیا۔ کرنل خالد بھیس بدل کر پوسٹوں کا چکر لگاتا تھا۔ ایک دن ایک ٹولی کو دیکھا، کہ انہوں نے بغیر اجازت کے محاذ چھوڑ دیا تھا۔ جب پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کیا ہے۔ تو کہنے لگے سیکٹر کمانڈر، ہندوؤں کا جاسوس معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہمیں سیدھا دشمن کے سامنے بٹھا دیا ہے اور ایسی حرکت کوئی ڈوگروں کا ایجنٹ کرے گا۔ یہ تھا تصویر کا ایک رخ۔ اور ہمارے، جنگ سے نابلد دانشور، صحافی اور مصنف قوم کے سامنے ایسی سچی تلخ حقیقتیں بیان نہیں کرتے۔ بہر حال ادھر اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتا تھا، کہ انہی دنوں ایک صوبیدار کالا خان، سو آدمیوں کی کمک لے کر پہنچ گیا۔

محاذ جنگ کی صورت حال بھارتیوں کا جاسوسی کا نظام بہت اچھا تھا۔ مجاہدین کی ہر حرکت ان کو معلوم ہو جاتی۔ سیکٹر کمانڈر نے ترہگام میں ایک متروکہ ہسپتال میں رہنا شروع کیا۔ تو اس پر توپوں کے گولے گرنے شروع ہوئے۔ تو دوسرے دن ہسپتال کے باہر کچھ مورچے کھودے کہ بمباری کے وقت، ان میں گھس جایا کریں گے۔ دو دن کے بعد جب بھارتی توپوں نے منہ کھولے اور سیکٹر کمانڈر، اپنے سٹاف کے ساتھ وہاں جانے لگا تو ایک مجذوب ساتھی حنیف علی شاہ جن کا تعارف بعد میں آتا ہے۔ اس نے سب کو پکڑ لیا اور کہا یہی جگہ بہتر ہے۔

صبح جب اٹھے تو دیکھا کہ وہ تمام مورچے توپوں نے ہموار کر دیئے تھے۔ اس کے بعد ایک ڈاک بنگلہ کو مرکز بنایا۔ تو وہاں اسی طرح فائر ہوتا تھا۔ لیکن وہ ایک ٹیکری کی اوٹ میں تھا۔ اس لئے بھارتی جب تھک گئے کہ نقصان نہیں ہو رہا تو تب چپ کی۔ ان علاقوں کی کشمیری آبادی کا مذہب کے ساتھ گہرا لگاؤ ہے اور صبح سویرے فجر کی نماز کے بعد ہر مسجد سے درود و سلام کی صدائیں آتی ہیں اور علاقے کی بھاری اکثریت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی عقیدتمند ہے لیکن ان دنوں شیخ عبداللہ ان لوگوں کے اذہان پر چھا چکا تھا۔ اور ہر خبر وہ بھارتیوں کو پہنچاتے تھے۔ مارچ ۱۹۴۸ء کے آخر میں، ہیڑی کے نزدیک ایک پوسٹ کی سستی کی خبر ان لوگوں نے بھارتیوں کو پہنچا دی، کہ رات کو سنتری سو جاتے تھے۔ سکھوں نے خاموشی سے چوکی کو گھیرے میں لے کر کچھ مجاہدین کو شہید کر دیا اور کچھ کو قیدی بنا لیا۔ چند دن کے بعد یہ لوگ بھارتیوں کی دو کمپنیوں کی پیشوائی کرتے ان کو ایسی جگہ لے آئے، کہ مجاہدین کے پورے آگے والے دفاعی پوزیشن پر وہ لوگ ایسے جھپٹے کہ آدھ گھنٹے میں انہوں نے سارے پوزیشن کو لپیٹ لیا۔ اس پوزیشن میں ۳۰ کے قریب کشمیری طالب علم مظفرآباد میں چند ہفتوں کی تربیت کے بعد وہاں آئے تھے۔ بھارتیوں نے ان کو چھٹے باب میں مذکور شیخ عبداللہ کے ساتھی صوفی محمد اکبر کے حوالے کر دیا۔ جس نے ان سب کو ایک قطار میں کھڑا کر کے اور غلیظ گالیاں دے کر گولیوں سے بھون دیا۔

عظیم نقصان کرنل خالد اس حادثہ سے صرف ایک دن پہلے اس پوزیشن کا چکر لگا آئے تھے۔ کچھ ایمونیشن کی کمی کی بھی شکایت تھی اور ادھر ادھر سے دوسرے دن کچھ خبریں مل رہی تھیں کہ اس پوزیشن پر بھارتی قابض ہو گئے ہیں۔ بھارتیوں کی وائرلیس سیٹوں کے پیغامات نے بھی کرنل خالد کو کچھ چوکنا کیا۔ ادھر ادھر کی چوکیوں سے کچھ مجاہدین کو اکٹھا کیا۔ سید حنیف علی شاہ گھوڑے پر ایک ایمونیشن کا باکس لے کر سب سے پہلے وہاں پہنچے اور شہید بھی ہو گئے۔ ملی جلی نفری نے سیدھا حملے کرنے کی بجائے۔ ایک بازو سے حملہ کر کے بھارتیوں کو وہاں سے بھگا دیا۔ لیکن جو نقصان ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ اور اس جوابی حملہ میں گڑھی حبیب اللہ کے بوئی پٹھانوں کے بھی پانچ مجاہدین شہید ہو گئے۔ اور ان کے چالیس مجاہدین ان شہیدوں کو اٹھا کر

پاکستان چلے گئے ۔ یہ بہادر لوگ تھے ۔اس سے نفری میں کمی اور بڑا نقصان ہوا ۔ پاکستان سے کسی مزید امداد کی کوئی امید نہ تھی ۔ اکبر خان، طارق ہیڈ کوارٹر سے جا چکے تھے ۔ کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ میں لے جانے کی "سازش" پروان چڑھ چکی تھی ۔اور جہاد میں اوپر سے جمود کے احکام مل چکے تھے ۔

نتھا چھنا گلی پوزیشن کرنل خالد کی نفری اب وادی میں پھیل کر رہتی، تو دشمن کیلئے ترنوالہ تھی، کہ شیخ عبداللہ کے آدمی ان کو سب خبریں دے رہے تھے اس لئے مزید کمک کے آنے تک سیکٹر کمانڈر نے "پنجابی" آبادی کی نتھا چھنا گلی میں ایک دفاعی پوزیشن اختیار کر لیا ۔ جس کی خبر بھارتیوں کو چند دن کے بعد ملی تو انہوں نے بھی بڑے پھونک پھونک کر قدم رکھے اور صرف شلوراتک ایک پلٹن کو لے آئے اور وہاں انگریزوں کی سکھلائی کے مطابق سرحدی کیمپ کی شکل بنا کر وہ بھی آکر مزید کمک کی امید میں بیٹھ گئے ۔اور کبھی مجاہدین کی طرف کسی جارحانہ قسم کے گشتی دستہ کو بھی نہ بھیجا ۔ دراصل جو کچھ اب تک ہوا اس میں ایک بات یہ تھی کہ کرنل خالد نے ایک طلسماتی روپ [۲] دھار لیا تھا ۔ عین برف باری کے موسم میں وہ اپنے لشکر کے ساتھ گلیات کے راستے وادی میں اترے تھے اور دشمن پر بجلی بن کر گرے ۔ انہوں نے اپنے چار پانچ سو کے لشکر کو دشمن کیلئے ایک بہت بڑی پلٹن بنا دیا جس کے ساتھ دشمن کو کئی قبائلی لشکر نظر آئے ۔ حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ انہوں نے موجودہ سترہ پنجاب کے صوبیدار اعظم خان، محمد اشرف اور محمد شریف وغیرہ کو لوکل میجر بنا کر کمپنی کمانڈر بنا دیا ۔ اور اپنے اس لشکر کو اسلامی جذبہ اور فوجی ڈسپلن کے ساتھ طریقے سے لڑایا ۔ اور باقی ماندہ کہانی چوتیسوں باب میں اپنے وقت کے لحاظ سے آئے گی ۔ اگر کرنل خالد بھی خورشید انور کی طرح حروش سے جا کر ہندواڑہ یا آگے بڑھ کر سوپور پر قبضہ کر لیتا تو ایک ہفتہ میں اس کے لشکر کی بھی وہی گت بنتی جو قبائلی مجاہدین کی بنی تھی ۔ سید حنیف علی شاہ کی لشکر میں شمولیت اور سیکٹر کمانڈر کی معیت میں رہنا اور پھر شہادت، فقرا کی زندگی کا ایک نامکمل باب ہے ۔ جو راز ہم پر اس جہان میں نہیں کھلتے ۔ وہ ایک سیلانی قسم کے سیاہ پوش بزرگ تھے اور نویں باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ کب کی صدائیں دے رہے تھے "کشن گنگا نہیں ۔ قتل گنگا ہے" ۔ آپ شادی وال ضلع

گجرات کے رہنے والے تھے اور انگریزی فوج میں چند سال نوکری بھی کی ۔ اور شہباز قلندر کے مزار پر بہت جاتے تھے ۔ آپ کی شہادت کے وقت عمر کوئی چالیس برس ہو گی ۔

اپنی اور بھارتی تاریخ اپنی تاریخ میں سارے محاذ کی کاروائی کھچڑی [۳] ہے ۔ پہلے مانتے ہیں کہ میجر شیر محمد کا تعلق پرانی ۱۵ پنجاب سے تھا ۔ پھر آپ کو چوتھی جموں و کشمیر پلٹن کا میجر شیر خان [۴] بنا دیتے ہیں ۔ اور مسٹر سہروردی بھی [۵] یہی کرتا ہے ۔ اور صرف یوسف صراف حالات ٹھیک بیان کرنے کے علاوہ بعد میں کرنل شیر محمد کے دوسرے سیکٹر کا برگیڈ کمانڈر رہنے کا بھی ذکر کرتا ہے ۔ بھارتی البتہ جنگ کے دوران کرنل خالد کے سلسلہ میں اپنے ریڈیو سے جو کچھ کہتے تھے وہ زیادہ تر کرنل خالد کی طلسماتی شخصیت سے اپنی فوجوں کے ڈر کو دور کرنے کی تگ و دو ہوتی تھی ۔ اور اب اپنی تاریخ کے کل سترہ ابواب میں پورا ایک باب [۶] اس محاذ پر لکھا ہے ۔ دبی زبان میں وہ یہ سب کچھ مانتے ہیں جو ہم لکھ آئے ہیں ۔ لیکن اپنے فرار وغیرہ کے سلسلوں میں وضاحتیں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کام پاکستان آرمی کی ایک پلٹن کر رہی تھی جس کے ساتھ متعدد لشکر تھے ۔

کارروائی کے نتائج اکبر خان کے ذہن میں جو تجویز تھی ۔ اس پر شیر محمد کے صحیح طور پر عمل کرنے کے سلسلہ میں برگیڈیر شیر خان مرحوم ان کے لئے کسی بہادری کے تمغہ کی سفارش کر گئے تھے ۔ کہ بعد میں شیر محمد کو ستارہ جرات سے نوازا گیا ۔ بھارتیوں کی اوڑی کی پیش قدمی رک گئی ۔ اور اس ہندواڑہ کے محاذ پر ان کو ایک برگیڈ نمبر ۱۶۳ کھڑا کرنا پڑا ۔ لیکن ہماری ساری تجویزوں پر مارچ ۱۹۴۸ء سے جہاد میں جمود کی وجہ سے جو کارروائیاں روک دی گئیں تو یہ بڑی کوتاہیاں تھیں ۔ ایسی ہی کئی کوتاہیاں اگلے باب میں سیالکوٹ ۔ جموں محاذ کے سلسلہ میں آ رہی ہیں ۔

حوالہ جات

(۱) ۔ اٹھائیسویں اور انتیسویں باب سے استفادہ کریں ۔ (۲) ۔ پندرھویں باب سے استفادہ کریں ۔ (۳) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۱۳۷ تا ۱۳۹ ۔ (۴) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۸۷ اور ۱۸۸ ۔ (۵) ۔ کشمیرز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۹۵۲ ۔ (۶) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر نواں باب صفحہ ۱۴۰ تا ۱۶۲

بائیسواں باب

جموں۔ سیالکوٹ کی درمیانی سرحدوں کی ناکہ بندی؟

عجیب و غریب عنوان اس باب کا یہ عجیب و غریب عنوان اپنی سرکاری تاریخ کے سولھویں (1) باب سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ باقی مقامات پر تو ہم "حملہ آور" تھے۔ لیکن یہاں ہم نے اپنے مجاہدوں کیلئے جموں کے اندر داخل ہونے کی "ناکہ بندی" کی ہوئی تھی۔ جو میرے لحاظ سے غداری تھی۔ تو ہماری سرکاری تاریخ والوں نے کہا، کہ نہیں ہم تو سیالکوٹ ضلع کے اندر ڈوگروں کے حملہ سے یہ بچاؤ کر رہے تھے۔ اور یہ ناکہ بندی تھی۔ لیکن جھوٹ مارتے شرم نہ آئی ایسی "ناکہ بندی" سیالکوٹ میں متعین ۱۰۴ بر گیڈیا دور جمنٹل سنٹرز اور ایک کور سنٹر نے کیوں نہ کی؟ اب ہماری سرکاری تاریخ (2) یہ بھی کہتی ہے کہ اکتوبر کے تیسرے ہفتے میں سیالکوٹ کے علاقے میں کرنل عنایت جان کیانی، جموں کی طرف محاذ کھولنے کیلئے مجاہدین تیار کر رہے تھے۔ یوسف صراف، اپنی کتاب (3) میں لکھتا ہے کہ جموں۔ کٹھوعہ روڈ پر کارروائی کرنے کے لئے ستمبر ۱۹۴۷ء میں سیالکوٹ کے مقام پر ایک سیکٹر کھولا گیا۔ اور اس کی رہنمائی کرنل عنایت جان کیانی کر رہے تھے۔ جن کے ساتھ سابق آزاد ہند فوج کے سات افسر اور پانچ سو جوان بھی شامل ہو گئے اور مجاہدین کی تعداد تین ہزار سے لے کر ساڑھے تین ہزار تک پہنچ گئی، جن میں زیادہ لوگ سرگودھا ضلع کی تحصیل خوشاب (4) سے تعلق رکھتے تھے۔ اس سیکٹر کو آگے چار چھوٹے سیکٹروں میں بانٹ دیا گیا۔ جو تحصیل شکر گڑھ کے گاؤں، شمال۔ روپو چک، باجرہ گڑھی اور چپراڑ میں بنائے گئے۔ ۱۹۴۸ء کے شروع میں اس علاقہ میں مجاہدین کی تعداد ۲۵۰۰۰ تک پہنچ گئی، کہ کچھ سلیمان خیل اور محسود لشکر بھی آ گئے۔ قارئین! اتنے لوگ اکٹھے کئے گئے یا ہو گئے یا ان کو ادھر "باندھ" کر رکھ دیا گیا۔ ان سب باتوں سے پردے اتارنے ضروری ہیں، کہ ان لوگوں کو بعد میں، پہلے "ہلکا" کیا اور پھر "تتر بتر" کر دیا گیا۔ لیکن ان سے کوئی کام نہ لیا گیا۔ کیا یہ لوگ اسلئے سیالکوٹ میں اکٹھے کئے گئے تھے کہ ڈوگرہ "حملہ آوروں" سے بے چارے سیالکوٹی "نامردوں" کو

بچایا جائے۔ بات کرتے بھی شرم آتی ہے۔

برق فورس اب ہماری سرکاری تاریخ کے اڑھائی صفحوں کے سولھویں باب میں ایک برق فورس کا ذکر ہے۔ کہ کچھ قبائلی مجاہدین اس علاقے سے گزر رہے تھے، تو انہوں نے سیالکوٹ کی "مظلوم" آبادی کی مدد کی۔ تو ان قبائلیوں کا ایک گروپ یا جماعت بنا دی گئی اور دسمبر ۱۹۴۷ء میں کرنل سید غواث نے ان کی کمانڈ سنبھال لی اور سیالکوٹ سے ۱۵ میل دور دریائے چناب کے کنارے سید پور کے مقام پر انہوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ سرکاری تاریخ کہتی ہے کہ اس لشکر میں احمد زئی، اتمان زئی، وزیر، داور اور محسود سب قبائل تھے۔ اور کیپٹن حمید اور کیپٹن گل خان نے رضا کارانہ طور پر اس لشکر میں شمولیت اختیار کر لی۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں ایک سلیمان خیل قبائل کے لشکر کی بھی وہاں آمد کا ذکر ہے۔ یہ سارے بیانات آدھے سچ اور آدھے جھوٹ ہیں۔ کہ قبائلی مجاہدین یہاں سے گزر رہے تھے۔ بھلا جا کہاں رہے تھے؟ سب کچھ پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ حالانکہ یوسف صراف اپنی کتاب میں صاف کہتا ہے کہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ۳۵۰۰ قبائلی مجاہدین کا ایک لشکر کرنل سید غواث کی کمانڈ میں سیالکوٹ سیکٹر میں آیا، اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت وہ سمبڑیال سے دریائے چناب کے ایک بند پر گوندل گاؤں پہنچ اور ان کی ذمہ داری کا علاقہ بجوات گاؤں سے جموں۔ توی کے خشک دریا یا نالوں تک تھا۔

لشکروں کو تتر بتر کرنا قارئین کے سامنے یوسف صراف اور سرکاری ذرائع سے یہ ثبوت تو پیش کر دیئے کہ یہ لشکر وہاں پہنچے یا پہنچائے گئے تھے۔ اور اب یوسف صراف اس سلسلہ میں مزید کہتا ہے۔ کہ قبائلی مجاہدین نے تھوڑا عرصہ وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد ان میں جھگڑے شروع ہو گئے۔ اور ان لوگوں کو واپس کر دیا گیا۔ اور ان کے پاس جو ایمونیشن تھا، یا دشمن سے انہوں نے جو ہتھیار چھینے تھے، وہ ان کے ایک افسر میجر اسحق نے سیکٹر ہیڈ کوارٹر کو دے دیئے۔ اس کے بعد فروری۔ مارچ ۱۹۴۸ء میں سیکٹر ہیڈ کوارٹر کو بھی ختم کر دیا گیا۔ اور دشمن سے چھینے ہوئے ہتھیار اور تقریباً پانچ لاکھ راؤنڈ اس سیکٹر نے سیالکوٹ کے بر گیڈ کمانڈر (بعد میں جنرل) محمد موسیٰ کو دے دیئے۔ اپنی سرکاری تاریخ سیکٹر ہیڈ کوارٹر کو ختم کرنے کے سلسلہ میں خاموش ہے۔ البتہ برق فورس کو ختم کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ ڈوگروں کے حملوں سے سیالکوٹ

کے لوگوں کو بچانے کیلئے آئے تھے۔ جب بھارتی فوج آگئی تو انہوں نے اپنی حفاظت کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈوگروں کو کنٹرول کرلیا۔ تو پھر ان مجاہدین کو وہاں رکھنے کی ضرورت نہ تھی تو ان کو واپس کردیا۔ ان مجاہدین یا اس سے پہلے شکر گڑھ کے علاقوں سے مجاہدین نے جموں کی حد کے اندر جو حملے کئے یا یوسف صراف کے مطابق دشمن سے جو ہتھیار چھینے۔ اس سلسلہ میں اپنی سرکاری تاریخ کی "خاموشی" ضروری ہے، کہ وہ راز نہ کھل جاتا کہ یہ لوگ کٹھوعہ۔ جموں۔ اور آگے اکھنور تک دشمن کے ذرائع آمدورفت کی ناکہ بندی کیلئے بھیجے گئے تھے۔ کچھ کام کرتے تھے تو اوپر سے کوئی چھپا ہاتھ رکاوٹ ڈال دیتا تھا۔ اور آخر فروری۔ مارچ ۱۹۴۸ء میں مجاہدین پر سیالکوٹ محاذ پر "جھاڑو" پھیر دیا گیا۔

کارروائیوں کے ثبوت

ان آدھی کارروائیوں کا بھارتی تاریخ میں [5] بھی ثبوت موجود ہے کہ ۳ ستمبر، ۱۷ ستمبر اور ۲۲ ستمبر کو پاکستانی حملہ آوروں نے کوٹھا۔ چک ہریا۔ سامبہ اور رنبیر سنگھ والا کے علاقوں پر حملے کئے۔ تو ظاہر ہے یہ حملے تو برق فورس کے وہاں پہنچنے سے پہلے پنجاب کے مجاہدین نے کئے۔ اپنی سرکاری تاریخ بھی البتہ ۲۴ جنوری اور ۳۱ جنوری ۱۹۴۸ء کو ڈوگروں کے پاکستان میں گھس آنے اور ان کو برق فورس کے تہس نہس کردینے کا ذکر کرتی ہے جن سے برق فورس نے کچھ خودکار ہتھیار بھی چھینے۔ جو پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ کہ سولین ڈوگروں کے پاس خودکار ہتھیار کہاں سے آئے۔ دراصل یہ برق فورس کے جموں کے اندر حملے تھے۔ جس سلسلہ میں بھارتی تاریخ [6] والے کہتے ہیں کہ جنوری ۱۹۴۸ء میں دشمن نے کٹھوعہ روڈ پر سامبہ اور جسمیر گڑھ کے علاقہ پر چھاپے مارنے شروع کردیئے۔ تو جموں، کشمیر کی فوج کی مدد کیلئے مشرقی پنجاب سے ۷۷ نمبر برگیڈ کو اس سڑک کی حفاظت پر لگایا گیا۔ اب بھارتی تاریخ [7] کے مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو کٹھوعہ۔ جموں روڈ کی حفاظت کا کام ان کے ۲۶۸ برگیڈ نے سنبھال لیا تھا تو برق فورس دسمبر ۱۹۴۷ء میں کون سے ڈوگروں کے ڈاکوؤں کے خلاف بھیجی گئی؟ بلکہ بھارتی اپنی تاریخ میں [8] دبی زبان میں یہ بھی کہتے ہیں کہ جموں سے آگے نوشہرہ تک یہی نمبر ۲۶۸ برگیڈ سڑک کی حفاظت کا کام کرتا تھا۔ کہ بھارتی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کٹھوعہ سے جموں تک اکیلی پہلی مدراس پلٹن سڑک کی حفاظت پر مامور تھی [9]۔ تو ظاہر ہوا کہ پنجاب

کے مجاہدین کو تو نومبر ۱۹۴۷ء سے شکر گڑھ کے علاقوں روپو چک میں "باندھ" دیا گیا تھا لیکن دسمبر میں برق فورس نے آکر بھارتیوں کو نہ صرف وہاں ایک اور برگیڈ بھیجنے پر مجبور کردیا۔ بلکہ یوسف صراف کے مطابق انہوں نے دشمن کا بے پناہ جانی نقصان کیا۔ اور بھارتی فوجیوں سمیت مقامی ہتھیار بند دستوں سے ۱۵۰۰ سے لے کر ۲۰۰۰ ہتھیار چھینے۔ اور سامبہ کے اندر مسلمان گوجر مجاہدین کو دو سو رائفلیں دے آئے۔ مقامی مجاہدین کے ساتھ رابطہ باندھا۔ اور جنوری ۱۹۴۸ء میں جب بھارتیوں نے اکھنور سے چھمب کی طرف حملہ کیا، تو برق فورس نے بھارتیوں کے ذرائع آمدورفت پر حملے کئے۔

جموں کے دکھ میں عدم شرکت

سیالکوٹ۔ جموں محاذ کی کہانی کی "ہیرا پھیریوں" پر ایک پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ کہ سہروردی کے مطابق، محمد زمان کیانی نے ان کو بتایا کہ جموں سے چودھری حمید اللہ اور پروفیسر اسحق قریشی نے آکر اپنی خدمات پیش کیں کہ ان کی کچھ مدد کی جائے وہ خود بھارتیوں کے خلاف لڑیں گے۔ لیکن محمد زمان کیانی کو ایسا کرنے کی اجازت نہ ملی لیکن انہوں نے پورا راز فاش نہ کیا۔ البتہ یوسف صراف [10] نے لکھا ہے "کہ ایک بہت ہی ذمہ دار شخص کے ذریعہ سے ان کو معلوم ہوا، کہ نواب ممدوٹ نے پنجاب کی طرف سے شوکت حیات کے تحت جموں کی طرف حملہ کرانا تھا۔ لیکن یہ کام کسی چھپے ہاتھ نے روک دیا"۔ یہ بات البتہ بہت افسوسناک ہے کہ جموں کے مسلمانوں کا بچہ بچہ "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگا رہا تھا۔ لیکن مدد تو دور کی بات ہے۔ ان کے قتل عام پر بھی ہماری رگ ذرا نہ پھڑکی۔ اور پچھلے ۴۷ سالوں سے ہم جو ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جموں کے مظلوم مسلمانوں کی چیخیں اور پکاریں ہمیں ان کی طرف متوجہ نہ کرسکیں۔ اس سلسلہ میں یوسف صراف کی کتاب کی دوسری جلد کا بائیسواں باب پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ بھارتیوں کے ان ظلموں کو چند الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے، کشتواڑ۔ اودھم پور، رام نگر اور ریاسی یا جموں کے گرد و نواح میں مسلمانوں کو نہ صرف قتل کیا گیا، بلکہ ان کی عزتیں بھی لٹیں۔ اور ہماری جو نوجوان بیٹیاں اغوا کی گئیں ان میں مجاہد الملت چودھری غلام عباس کی بیٹی بھی تھی جس کو کئی سال کی کوششوں کے بعد بڑی مشکل سے واپس کیا گیا۔ لیکن

ایک اور لیڈر چودھری حمیداللہ کی چھوٹی بچی تو شاید بازیاب بھی نہ ہو سکی۔ فاعتبروا یااولی الابصار

گہری سازش جموں۔ سیالکوٹ محاذ کی ساری غداریوں اور کوتاہیوں کا یہ عاجز چشم دید گواہ ہے۔ البتہ کچھ باتیں دیر سے سمجھ میں آئیں۔ لیکن اب یہ عاجز اپنی کتاب "تاشقند کے اصلی راز" کے [11] متعدد صفحات پر اور "پنڈورا باکس" [12] میں بہت کچھ لکھ چکا ہے۔ کہ جموں۔ کٹھوعہ روڈ بھارت کی "کمزور بیلی" بھی ہے۔ لیکن سازش اتنی گہری ہے کہ ستمبر ۱۹۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں بھی ہم نے سیالکوٹ کے علاقے سے کوئی جارحانہ کارروائی کرنے کی بجائے۔ وہاں اپنے محاذ کو کمزور رکھا۔ یا غلط طور پر دسمبر ۱۹۷۱ء میں الٹا "پسپائی" اختیار کی کہ دشمن کو پھنسائیں گے اور جو کچھ مفت میں کھو دیا وہ دوبارہ حاصل کرنا ناممکن تھا۔ بہر حال یہ سازش پاکستان بننے سے پہلے کی جاری ہے کہ زیادہ مسلم آبادی والا ضلع گورداسپور اور لاہور و سیالکوٹ سے ملحقہ امرتسر ضلع کا زیادہ مسلم آبادی والا علاقہ بھارت کو دے دیا گیا۔ اور قادیان کو تو بھارت میں رکھنا تھا کہ کوئی من چلا اس کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادے۔ البتہ قادیانیوں کو "مظلوم" بنا کر پاکستان میں لے آنا تھا۔ اور سیالکوٹ ضلع کو ان کا گڑھ بنانا تھا کہ وہاں ظفراللہ کا گاؤں ڈسکہ بھی سیالکوٹ کا حصہ تھا۔ اور سیالکوٹ کا پہلا ڈپٹی کمشنر مرزا غلام کذاب قادیانی کے پوتے ایم ایم۔ احمد کو مقرر کرنا تھا۔ اور سندھ میں ہمارا "ہمدرد" بن کر گورنر سر فرانسس مودی کو لاہور میں آکر بٹھانا تھا کہ ماؤنٹ بیٹن کے "چنیدہ" جنرل مسروی اور جنرل گریسی کے ساتھ مل کر پاکستان کی جڑوں کو تیل دینے کا کام سیالکوٹ سے شروع کرنا تھا۔ سب سے پہلے سیالکوٹ چھاؤنی سے بارہ فرنٹیر فورس کو ایبٹ آباد بھیجا گیا۔ اور اس کی جگہ قادیانیوں سے بھری پندرھویں پنجاب کو انبالہ سے سیالکوٹ لانا تھا۔ جس میں غلام کذاب کے پوتے کرنل داؤد اور میجر (بعد میں میجر جنرل) بشیر احمد سمیت متعدد قادیانی افسر اور جوان تھے۔ کہ وہاں مقیم سولھویں پنجاب میں اختر ملک برادرز اور متعدد اور قادیانی تھے جن میں فیروز الدین۔ نواب علی اور صفدر بیگ۔ وغیرہ چند ناموں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ سولھویں پنجاب کے سکھ ڈوگرہ لوگوں کو نومبر ۱۹۴۷ء کے وسط تک۔ مندروں میں اپنی رائفلیں رکھنے کی اجازت دے کر سیالکوٹ چھاؤنی میں جان بو. رکھا گیا، کہ بھارتی فوج جب جموں کا کنٹرول سنبھال لے، تو تب وہ لوگ بھارت جائیں

تو مجاہدین کو "باندھنے" یا روکنے کا اس زمانے میں اوپر یا ہم لوگوں کے سامنے یہ بہانہ بنایا گیا کہ سکھ ڈوگرہ نفری کے چلے جانے کے بعد اس محاذ سے مجاہدین کارروائی کریں گے۔ لیکن اس نفری کے چلے جانے کے بعد بھی سیالکوٹ محاذ نہ کھلا۔

دکھ بھری داستان پاکستان اور کشمیر کے درمیان معاہدہ سٹینڈ سٹل تھا اور ڈاک کی گاڑیاں جموں سے آتی جاتی ہیں۔ لیکن لوگوں کیلئے دونوں طرف سے کرفیو لگا دیا گیا کہ میاں افتخار الدین راولپنڈی والے راستے سری نگر گیا۔ مہاراجہ کے ساتھ بغاوت کرنے والے شیخ عبداللہ کو رہا کر دیا گیا۔ لیکن معاہدہ سٹینڈ سٹل کے باوجود لیاقت علی کی حکومت نے جموں کے مسلم کانفرنس کے رہنماؤں چوہدری غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر کو رہا کرانے کی کوشش نہ کی کہ وہ لوگ جموں محاذ نہ کھلوا دیں۔ یا لیاقت حکومت جو ایک کونے پر لنگڑے لولے پاکستان کیلئے ایک لنگڑے لولے آزاد کشمیر کی حکومت بنا رہی تھی یا بنا چکی تھی، اس کو بعد میں جموں یا اکھنور میں نہ لایا جاسکے۔ قائداعظم کے احکام کے تحت بڑی مشکل سے چودھری غلام عباس کو رہا کرایا گیا۔ اور قائداعظم نے کشمیر کے مہاجرین کی آبادکاری کیلئے غلام عباس کو صدر بنایا اور کشمیر کی آزادی کی تحریک کا سپریم کمانڈر۔ لیاقت علی کو اس کے ماتحت ایک ممبر بنایا کہ شاید تحریک میں کچھ جان پڑے، لیکن قائد اس کے بعد چند دن زندہ رہے۔ اور لیاقت نے اپنی اس "تنزلی" کا بدلہ غلام عباس سے مشتاق احمد گورمانی کے ذریعہ سے جس طرح لیا وہ دکھ بھری داستان ہے۔ بہر حال جموں محاذ ہرگز نہ کھولا گیا کہ اکبر خان [13] اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ انہوں نے کٹھوعہ روڈ کو بند کرانے کا بندوبست کر رکھا تھا۔ ۲۷ اکتوبر کو جب قبائلی مجاہدین کو ایک ڈرامہ کی صورت میں سرینگر کی طرف پیش قدمی کرائی۔ تو اکبر خان ساری سازش سے آگاہ نہ تھا۔ اس نے کٹھوعہ روڈ کی ناکہ بندی کے بارے پرسش کی کہ ایک ہزار رائفلوں والے آدمی سڑک کی ناکہ بندی کر رہے ہیں یا نہیں، تو اس کو بتایا گیا کہ سب مجاہدین بھاگ گئے ہیں۔ یہ جھوٹ تھا۔ ان مجاہدین کو کرنل ہوبرٹ اور ایم ایم احمد کے احکام کے تحت روپوچک میں "باندھ" دیا گیا تھا۔ بہر حال جب بھارتی فوج دندناتی ہوئی کشمیر میں داخل ہوئی۔ تو قائداعظم کے سامنے بھی جھوٹ مارا کہ سڑک کو ناکہ بندی کرنے والے مجاہدین بھاگ گئے ہیں تو

قائد اعظم نے کٹھوعہ روڈ کی ناکہ بندی کے احکام فوج کو دیئے، تو ان کو جو حشر ہوا وہ کہانی بارھویں باب میں بیان ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اکبر خان نے جو قبائلی مجاہدین کو جموں محاذ پر استعمال کرنے کی پیش کش کی اس کو بھی لیاقت علی نے ٹھکرا دیا۔ اور ہم سب تفصیل پچھلے ابواب میں لکھ آئے ہیں کہ اکبر خان پکار اٹھا "جموں کو ہم نے چھوڑ دیا۔ جموں نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔"

سیالکوٹ قادیانیوں کا گڑھ ویسے قادیانیوں کو تو سیالکوٹ اور پنجاب کے زرخیز علاقوں میں بسایا جا رہا تھا۔ لیکن سرحدی شہر ہونے کی وجہ سے قادیانیوں کے جھوٹے نبی کے مرکز کو قادیان سے نزدیک سیالکوٹ یا شکر گڑھ میں نہ لایا گیا۔ اس کیلئے فوجی گارڈوں کے ساتھ سو سو ٹرکوں کی تین کنوائیوں سے اس مرکز کو پہلے لاہور لے جایا گیا اور قائد اعظم کی وفات کے چوتھے دن بعد موجودہ ربوہ کی زمین کوڑیوں کے بھاؤ قادیانیوں کو دے کر یہ "مرکز" پنجاب کے وسط میں بنایا گیا، کہ پاکستان میں قادیانی اسلام یا سرسید کے اسلام کا نفاذ مقصود ہے اور تب ہی اب تک ہم کافرانہ نظاموں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ بہر حال یہ عاجز ان دنوں سیالکوٹ میں متعین تھا اور سول فوج کے رابطے کا تقریباً ہر کام میرے سپرد کیا جاتا۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے آخری دنوں میں پنجاب کے وزیر مال ممتاز دولتانہ نے سیالکوٹ کا دورہ کیا۔ معززین نے اول یہ شکایت کی کہ مجاہدین کو جموں کی طرف کوئی کارروائی نہیں کرنے دی جا رہی۔ دوم۔ ڈپٹی کمشنر ایم ایم احمد، یہاں صرف قادیانیوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ دولتانہ نے مجاہدین کے بارے میں کہا کہ فوجی ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ اور ایم ایم احمد کی وہ وہاں سے تبدیلی کا پکا وعدہ کر گیا۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ کچھ دن بعد مرکزی وزیر راجہ غضنفر علی نے سیالکوٹ کا دورہ کیا۔ اور اس عاجز کے ان کے ساتھ تحریک پاکستان میں کام کرنے اور دہلی میں اکٹھے رہنے کے ذاتی تعلقات بھی تھے۔ اور اب سیالکوٹ میں فوجی رابطہ افسر کے طور پر میں ان کے ساتھ تھا۔ کہ معززین نے ان کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کی، جس میں یہ عاجز بھی موجود تھا۔ لوگوں نے تمام دکھڑے سنائے۔ جموں کے قتل عام۔ اور سرحد پر کرفیو لگ جانے کی بات کی۔ اور کچھ لوگوں نے راجہ صاحب کو رلا دیا کہ کیا مسلمان اتنے بے غیرت ہو گئے ہیں۔ تو غضنفر علی نے وعدہ کیا کہ وہ وزیر اعظم کو ان حالات سے باخبر کریں گے۔

لیاقت علی کا دورہ گو بیگم لیاقت کی وجہ سے اور ویسے دہلی میں لیاقت علی کے ساتھ ۱۹۴۶ء میں ایک دو ملاقاتوں کی وجہ سے اس عاجز کے سامنے لیاقت علی کا "نقش" کچھ اچھا نہ تھا۔ لیکن یہ حالت بھی نہ تھی جو اب سمجھ آئی۔ بہر حال نومبر کے آخر یا دسمبر کے پہلے ہفتے لیاقت علی اچانک ہمارے سولھویں پنجاب سنٹر کے دورے کیلئے سیالکوٹ پہنچ گیا۔ جو اس کا کسی فوجی یونٹ کا وزیر اعظم کے طور پر پہلا دورہ تھا۔ یہ معاملہ ایم ایم احمد اور ہمارے کرنل ہوبرٹ کے درمیان اتنا جلدی میں طے ہوا کہ فوج کے سربراہ جنرل مسروی اور پنجاب کا وزیر اعلیٰ ممدوٹ بھی وہاں نہ پہنچ سکے۔ صرف گورنر مودی ساتھ تھا۔ اور یونٹ کے ملاحظہ والا تو بہانہ تھا۔ لیاقت علی نے زیادہ وقت سرکٹ ہاؤس میں گورنر مودی۔ کرنل ہوبرٹ اور ایم ایم احمد کے ساتھ گزارا۔ میم شین۔ اور ممتاز احمد صاحب اور اس زمانے کے بڑے بڑے اخبار نویس کرنل مجید۔ ملک کے ساتھ، ایک بس میں لاہور سے سیالکوٹ پہنچے اور راقم فوج کی طرف سے رابطہ افسر تھا۔ جموں سے چودھری حمید اللہ اور کئی مہاجرین لیڈر آئے ہوئے تھے۔ جنہوں نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے لیاقت علی کو کھری کھری سنائیں لیکن اس نے ان کو مایوس کیا اور یوسف صراف اپنی کتاب میں میری اس بات کی تصدیق [14] کرتا ہے۔ کرنل ہوبرٹ البتہ کچھ عزت نفس کا خیال رکھتا تھا اور جو کچھ سیالکوٹ میں ہو رہا تھا۔ ہم نے اس کو کئی دفعہ کہا۔ کہ فوج بجائے اس کے کہ مجاہدین کی مدد کرے، یہاں ایم ایم احمد کے ساتھ مل کر ہم مجاہدین کیلئے کرفیو میں حصہ دار بنے ہوئے ہیں۔ کرنل ہوبرٹ پریشان تھا۔ کہ وہ سیالکوٹ کا عارضی سٹیشن کمانڈر بھی تھا۔ کہ وہاں جو نیا بریگیڈ آیا تھا۔ ان کا کمانڈر نہ آیا تھا۔ تو ہوبرٹ نے ہمیں بتایا کہ اس نے جی ایچ کیو کو تو پہلے بتلا دیا تھا اور اب اس نے وزیر اعظم کو صاف کہہ دیا ہے کہ وہ سٹیشن کمانڈر کا کام نہیں کر سکتا اور چند دنوں تک ہمارا نیا پاکستانی بریگیڈ کمانڈر سیالکوٹ پہنچ جائے گا۔

ہمارے نئے بریگیڈ کمانڈر چند دن بعد چھ فٹ سے بھی طویل "دو تکمیوں [15]" والے ہمارے نئے بریگیڈیئر افتخار خان، جن کو ایک سال پہلے راقم نے دہلی میں میجر کے طور پر دیکھا تھا سیالکوٹ پہنچ گئے۔ ساتھ ایک انگریز میجر تھے۔ دو ماہ بعد یہی صاحب میجر جنرل بن کر لاہور میں ہمارے ڈویژن کمانڈر بن گئے اور ان کا انگریز بریگیڈ میجر، کرنل بن کر ان کا جی ون بن گیا۔ انہوں

نے دسمبر ۱۹۴۷ء میں سیالکوٹ کے افسروں اور سرداروں کو اکٹھا کر کے ہمیں خوب "جھاڑ" دی کہ کچھ دیوانے کشمیر میں جہاد کیلئے سیالکوٹ محاذ کھولنے کی بات کرتے ہیں۔ہم بھارت کے ساتھ لڑائی نہیں لڑ سکتے وہ تعداد میں ہم سے تین گنا زیادہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔یہ عاجز تو چپ نہ رہ سکا اور گزارش کی کہ پھر "فوج کو توڑ دیں اور ہم گھر چلے جائیں" لیکن مجھے ساتھیوں نے بٹھا دیا۔اور کچھ دن بعد میری تبدیلی راہوالی ہو گئی۔بعد میں اکبر خان کی کتاب سے معلوم ہوا[16] کہ یہ "ہز ماسٹرز وائس" تھی۔کہ چند دن پہلے یہی کچھ جنرل مسروی نے جی ایچ کیو کے افسروں کو کہا تو آگے سے صرف اکبر خان نے پروٹسٹ کیا۔کہتے ہیں کہ اسی افتخار نے بری فوج کا پہلا سربراہ بننا تھا راقم اپنی کتاب میں جنرل گریسی کے حوالے سے [17] ثابت کر چکا ہے کہ یہ غلط اطلاع تھی، اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا۔بہرحال اگر یہ صاحب اوپر آجاتے تو ایوب خان سے بہتر ہرگز نہ ہوتے۔کہ ایوب خان میں تو کافی مروت اور اخلاق تھا۔یہ صاحب اس سے بھی عاری تھے اور ان کی بیوی بھی غیر مسلم تھی۔سپاہیوں کے ساتھ بھی اکھڑ پن سے بات کرتے تھے۔

برق فورس ؟ تو انگریزوں اور لیاقت کا یہ چنیدہ برگیڈئیر افتخار برق فورس کو سیالکوٹ محاذ سے بھارت کے خلاف کیسے کام کرنے دیتا۔سید غواث کے ساتھ میرے تعلقات کا ذکر سولھویں باب میں ہو چکا ہے۔انہوں نے صاف کہا کہ انہوں نے راول کیمپ میں مجاہدین کو دسمبر ۱۹۴۷ء میں اکبر خان طارق کے حکم کے تحت اکٹھا کیا۔اور ابھی انہوں نے کام کی بسم اللہ ہی کی تھی، کہ ان کے مجاہدین کو توڑ پھوڑ دیا گیا۔کرنل شیر محمد نے تصدیق کی کہ جس زمانے میں ان کا لشکر ہندواڑہ کیلئے تیار ہو رہا تھا تو سید غواث کا لشکر بھی وہاں تھا۔اکبر خان طارق کو ریاض اللہ کے ہاتھ جو سوالات بھیجے گئے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ اکبر خان نے صاف کہا کہ اس کی تجویز میں "مشرق" کے لفظ کا مطلب یہی سیالکوٹ محاذ تھا انہوں نے سیالکوٹ سے بھی تھوڑا مغرب میں مرالہ میں سید غواث کو متعین کیا کہ کہا جاتا تھا جب وقت آیا۔تو جموں روڈ کی ناکہ بندی کی جائے گی۔انہوں نے تیاری کر لی۔بعد میں انہیں بھی طارق ہیڈ کوارٹر سے ہٹا لیا گیا جس کا ذکر چھبیسویں باب میں آتا ہے۔اگر برق فورس اور روپو چک کے مجاہدین کو کٹھوعہ۔جموں۔اکھنور سڑک کی ناکہ بندی کی اجازت مل جاتی تو نوشہرہ کے علاقے پکے ہوئے پھل کی

طرح ہماری جھولی میں گر جاتے۔کہ جھنگڑ کی ہماری عظیم فتح جس کی کہانی اگلے باب میں ہے، اس نے سارے راستے پیدا کر دیئے تھے۔لیکن سیالکوٹ محاذ کون کھولنے دیتا۔کہ یہاں تو کرنل سلطان علی شاہ کی پوسٹنگ برگیڈیر (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) ناصر علی خان نے، سیالکوٹ کی بجائے ڈیرہ اسمٰعیل خان کر دی کہ سلطان علی شاہ جیسے آدمی کے سیالکوٹ میں ہونے سے ہم بھارت کے ساتھ جنگ میں آلودہ ہو سکتے ہیں [18] بغیر پلٹن، برگیڈ، یا ڈویژن کی کمانڈ کے یہ ناصر علی لیفٹیننٹ جنرل بن گئے اور کئی سال ہماری آرمی کے چیف آف سٹاف رہے اور "عظیم بابو" کے نام سے مشہور تھے۔انگریزوں اور اپنے ڈویژن کمانڈر میجر جنرل افتخار خان کے حکم پر فروری۔مارچ ۱۹۴۸ء سیالکوٹ کے علاقہ میں مجاہدین پر مکمل "جھاڑو" دینے والے برگیڈیر محمد موسیٰ کو بھی بعد میں بری فوج کی سربراہی "عطا" ہو گئی۔

کیا اب بھی کسی مزید وضاحت کی ضرورت ہے ؟ یہ تھے ہمارے سربراہ اور رہنما

حوالہ جات

(۱) ۔دی کشمیر کیمپین صفحہ ۸۳ ۔(۲) ۔ایضاً صفحہ ۷۲ ۔(۳) ۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۹۸۱ تا ۹۸۳ ۔ (۴) ۔میاں رکن الدین کے صاحبزادے مولوی غلام احمد سمیت میرے متعدد جاننے والے وہاں تھے جن کو میں ملتا رہتا تھا ۔(۵) ۔او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۳ ۔(۶) ۔ایضاً صفحہ ۳۷۶ ۔(۷) ۔ایضاً صفحہ ۵۳ ۔ (۸) ۔ایضاً صفحہ ۶۴ ۔(۹) ۔ایضاً صفحہ ۹۰ ۔(۱۰) ۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۸۶۰ ۔(۱۱) ۔ صفحہ ۹، ۴۲، ۶۴، ۴۹ اور ۵۰ ۔(۱۲) ۔ صفحہ ۷ اور ۸ ۔(۱۳) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۴۲ ۔(۱۴) ۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۷۱۴ اور متعدد صفحات ۔(۱۵) ۔یعنی ہم جیسے نکے لوگ بھی دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے اپنی چھاتی پر پانچ چھ تمغوں کی ٹپڑیاں لگائے پھرتے تھے ۔اور ہم سے آٹھ نو سال سینئر صاحب صرف دو تمغوں وار میڈل اور انڈیا سروس کی دو پٹڑیاں لگائے ہوئے تھے ۔(۱۶) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۱۹ ۔(۱۷) ۔تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۵۲ اور ۵۳ ۔۱۸۶) ۔شامت اعمال ما، صفحہ ۱۸۹ ۔

تئیسواں باب

جھنگڑ کی فتح اور نوشہرہ محاذ پر کامیاب چھاپے

زمینی حالات (نقشہ دوازدہم) جھنگڑ دھرمسال، گو آبادی کے لحاظ سے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ لیکن نوشہرہ سے بارہ میل شمال مغرب کا یہ گاؤں ایک جنکشن پوائنٹ پر واقع ہونے کیوجہ سے بڑی فوجی اہمیت کا حامل ہے۔ گو نوشہرہ سے آنے والی سڑک، یہاں میرپور سے آنے والی سڑک کے ساتھ جھنگڑ سے ڈیڑھ میل دور مغرب میں ملتی ہے لیکن میرپور سے آنے والی سڑک پر تتدڑ کے مقام سے اس زمانے میں ایک پگڈنڈی اور آجکل کی سڑک کوٹلی والی سڑک کے ساتھ کھیورٹہ کے مقام پر ملتی ہے۔ جھنگڑ خود ایک تنگ گھاٹی میں بہت اچھی دفاعی پوزیشن ہے۔ کہ ساتھ میرپور والی سڑک پر مسلاشی کی چھوٹی پہاڑی پر قبضہ کئے بغیر جھنگڑ پر قبضہ مشکل ہے۔ اور پھر کئی اور چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں دفاع کو بہت مضبوط بنا دیتی ہیں۔

دشمن کی پوزیشن بھارتی تاریخ کے مطابق [1] برگیڈئیر پرانجاپے نے کوٹلی سے نوشہرہ کی طرف پسپائی کے وقت (چودھواں باب) جھنگڑ میں ۱/۲ پنجاب، ساتویں رسالے کے ایک ٹروپ مہار پلٹن کی ایک مشین گن کمپنی اور متعدد انجینئرز اور سگنل یونٹوں کو اس پلٹن کے امدادی دستوں کے طور پر چھوڑا۔ پرانجاپے کو بھارتیوں نے وہاں سے ہٹا کر برگیڈئیر عثمان کو نوشہرہ کی کمانڈ دی، جو ایک انڈیپینڈنٹ برگیڈ گروپ اور نوشہرہ کے ٹوٹے پھوٹے ڈوگرہ برگیڈ کی مدد سے نوشہرہ کو دفاعی حصار میں تبدیل کرنے کیلئے متعدد یونٹوں کی حرکت سے۔ جھنگڑ والے دفاعی حصار کے ساتھ رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ بلکہ برگیڈئیر عثمان نے ہمارے مجاہدین کے راجوری اور چنگس کی طرف سے اپروچ کی طرف کئی حرکتیں کیں، کہ اس طرف سے نوشہرہ توی بھارتیوں کے نوشہرہ کے دفاع میں اہم مددگار ہو سکتی تھی۔ اور نوشہرہ بھارتیوں کا ایک بہت بڑا مستقر بن سکتا تھا اور بعد میں بن بھی گیا۔ برگیڈئیر عثمان نے اس لئے نوشہرہ کے شمال میں ٹائیں دھار (۳۷۵۴) پر اپنے پوزیشن کو مضبوط کیا۔ اور ۱۴ دسمبر سے ۱۸ دسمبر تک بھارتیوں نے چنگس

تک کئی حملے کئے، جن میں کوٹ گاؤں۔ آمبلی دھار پہاڑی اور کمیلا گاؤں وغیرہ شامل ہیں لیکن میجر محمد اسلم کی طرف سے اس علاقے کے ذمہ دار میجر رحمت اللہ نے ان کے دانت کھٹے کئے اور بھارتیوں کو ۲۰ دسمبر نوشہرہ واپس آنا پڑا اور کمیلا کے نزدیک اونچی چوٹی (۴۶۶۲) کی بجائے ٹائیں دھار (۳۷۵۴) پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔

دیگر مجاہدین چنگس کے علاوہ بھارتیوں کو بیڑی پتن سے لے کر اپنے عقب اور بھمبر محاذ کے ہمارے مجاہدین سے بھی خطرہ تھا، کہ بیسویں باب میں بیان ہو چکا ہے کہ میجر سرفراز وہاں آچکے تھے، جنہوں نے نوشہرہ کی طرف تمام راستوں یعنی کلال اور سوانی کے درمیان یا کمان گوشہ جیسے اہم مقامات پر پکی پکٹیں لگا دیں۔ ان کے پاس چند مقامی مجاہدین کے علاوہ منگل، وزیری اور توری خیل مجاہدین بھی تھے۔ علاوہ ازیں افغانستان کے زدران قبائل بھی تھے، جن میں ایک غلزئی پٹھان کشمیرا خان نے ذاتی بہادری اور مصمم ارادہ ہونے کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کر لی تھی۔ اور ان قبائل کی کل تعداد چار ہزار کے قریب ہو گئی۔ یہ لوگ جھنگڑ سے نوشہرہ روڈ کے جنوبی حصہ اور نوشہرہ سے بیڑی پتن تک سڑک پر سے گزرتی کانوائیوں پر چھاپے مار رہے تھے [2]۔

جھنگڑ کے مجاہدین چودھویں باب میں کوٹلی سے اور بیسویں باب میں میرپور کی فتح کے بعد دیر کے دو لشکروں کے جھنگڑ پہنچنے کا ذکر ہو چکا ہے جو اب ایک لشکر بن گئے اور کیپٹن شاہ تمروز نے ان کی متحدہ کمانڈ سنبھالنے کے بعد مقامی مجاہدین سے مشورہ کے بعد جھنگڑ کی فتح کیلئے ایک متحدہ تجویز [3] بنائی۔ مقامی مجاہدین میں کرنل شیر احمد کا پانچسو کا سدھن لشکر تھا علاوہ ازیں میرپور کی فتح کے بعد کیپٹن خان آف منگ اور میجر راجہ محمد افضل بشمول کیپٹن اعظم کے بھی تین یا چار چار سو کے دو لشکروں اور کوٹلی کی فتح کے بعد کیپٹن محمود خان کے دو تین سو کے لشکروں کا جو ذکر ہوا تھا کہ وہ جھنگڑ آگئے وہ بھی ادھر ہی تھے۔ اس متحدہ تجویز میں مجاہدین نے دشمن کی نفری یا طرز دفاع کا جو اندازہ لگایا، وہ بالکل صحیح "سوچ و بچار" "Appreciation" تھی، کہ بھارتی بھی یہی کہتے ہیں۔

بھارتیوں کا بیان [4] بھارتیوں کے مطابق جھنگڑ کا دفاع تھالی نما یا چلمچی کی شکل کا

تھا۔ ۱/۲ پنجاب کی ایک کمپنی مشین گنوں اور تین انچ کے مارٹروں کے ساتھ مسلاشی پہاڑی کا دفاع کر رہی تھی۔ اور دوسری کمپنی اس کے بازو پر جنوب کی چھوٹی ٹیکریوں پر تھی۔ باقی دو کمپنیوں کو چہار طرف پھیلا کر دس پکٹیں بنا لی گئی تھیں۔ آرمرڈ کاریں درمیان میں تھیں۔ پکٹوں کا ایک دوسرے سے فاصلہ بعض جگہ پانچ سو گز اور بعض جگہ آٹھ سو گز تھا، اس لئے ہر جگہ ایک دوسرے کیلئے امدادی فائر میسر نہ تھا۔ بھارتیوں کے مطابق حملہ آور دسمبر شروع سے پے در پے چھوٹے چھوٹے حملے کر رہے تھے اور ۹ دسمبر کو مسلاشی پہاڑی پر ایک بڑا حملہ بھی ہوا۔ ۱۹ دسمبر کو جب بھارتی چنگس پر حملہ کر رہے تھے تو نوشہرہ۔ جھنگڑ روڈ پر حملہ آوروں نے کانوائیوں پر حملے کئے، ۱۹ دسمبر کو نوشہرہ سے اکھنور جانے والی پچیس گاڑیوں کو حملہ آوروں نے گھات لگائی اور ایک بھارتی افسر اور سولہ جوان لاپتہ ہوگئے۔ اور بھارتی ہمارا نقصان بھی بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہوئے، ۱۹ دسمبر کو ہمارے چالیس مجاہدین کو شہید کر دیتے ہیں۔

بڑا حملہ ہمارے حملے کی تجویز کو وہ صحیح اور مکمل مانتے ہیں، کہ حملے کے مرحلوں کے اوقات بڑی محنت کے ساتھ مقرر کئے گئے۔ اور ۲۴ دسمبر صبح پو پھٹتے بڑا حملہ ہوا۔ اور اس سے ایک دن پہلے ۲۳ دسمبر شام کو جھنگڑ۔ نوشہرہ روڈ اور نوشہرہ۔ بیری پتن روڈ کی ناکہ بندی بھی کر دی گئی۔ اور حملے سے کئی دن پہلے حملہ آور (۵) دفاعی پوزیشنوں کی چھان بین کیلئے جارحانہ گشتی دستے بھیجتے رہے۔ جھنگڑ۔ نوشہرہ سڑک پر حملہ سے ایک دن پہلے چار رکاوٹیں خود بخود بن گئیں یعنی حملہ آوروں نے جو دو روڈ بلاک لگائے تھے ان کے علاوہ نوشہرہ سے راشن والی کانوائی کا حفاظتی آرمرڈ کاروں کا ٹروپ اور پہلی راجپوت کی کمپنی کی گاڑیاں نوشہرہ کی طرف رکی ہوئی تھیں۔ اور دوسری طرف جھنگڑ سے نوشہرہ جاتا ہوا آرمرڈ کاروں کا ٹروپ رکا ہوا تھا۔ اور قریباً پندرہ سو حملہ آور سڑک پر دائیں بائیں سے فائر کر رہے تھے۔ راجپوت کمپنی گاڑیوں سے اتر کر نالے میں چلی گئی۔ ان کی پلٹن کی دوسری کمپنیاں، کمان گوشہ کی طرف حملہ آوروں سے برسرپیکار تھیں، تو وہ مدد کو نہ آسکیں۔ کمپنی کمانڈر زخمی ہوگیا۔ تین جوان مارے گئے اور کچھ لاپتہ ہوگئے۔ اس لئے آرمرڈ کاریں سارا دن اور رات بغیر انفنٹری کی مدد کے اکیلی لڑائی لڑتی رہیں۔

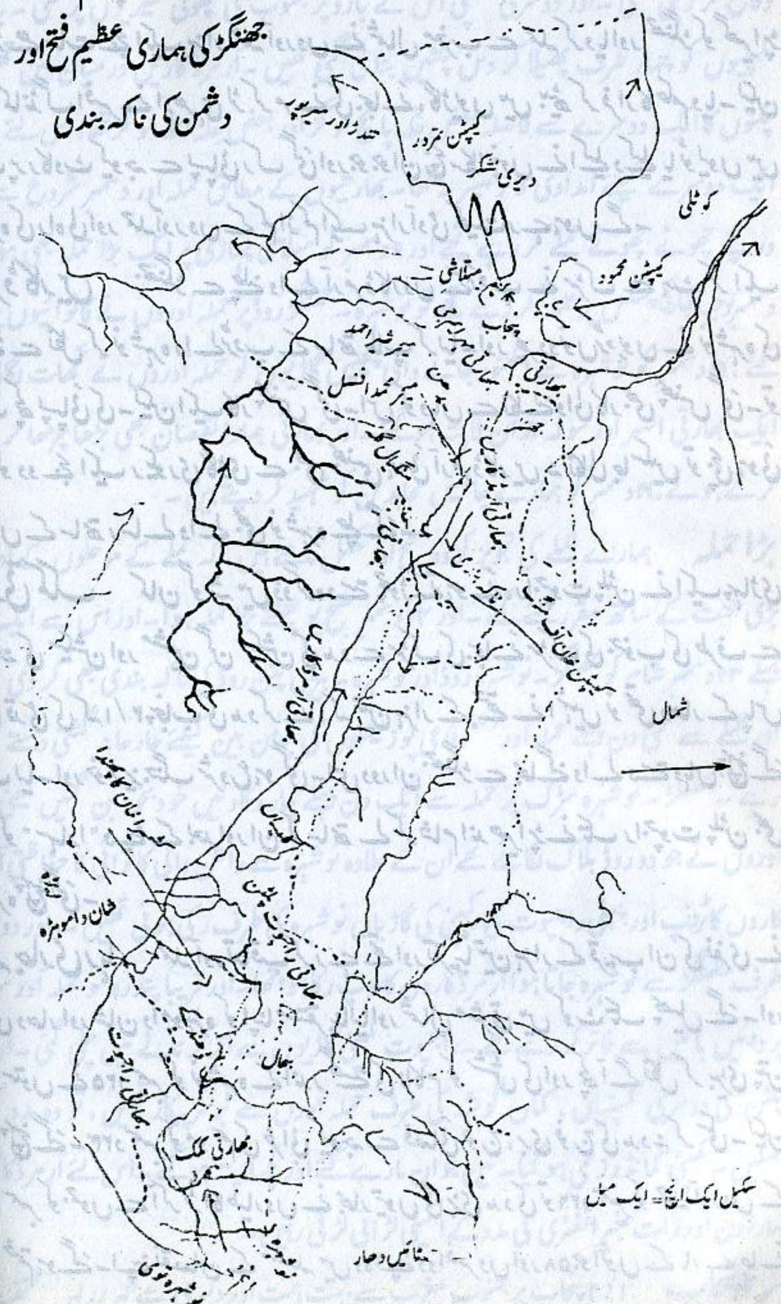
۱/۲ پنجاب ۱/۲ پنجاب پر جنوب مغرب سے بہت ہمت اور دلیری سے ہر در ہر (۶) تقریباً دو

ہزار کے جتھے نے اتنے سخت حملے کئے، کہ ایک گھنٹے کے اندر انہوں نے مسلاشی پہاڑی پر قبضہ کر لیا۔ بازو والی کمپنی بہتر حالت میں تھی۔ لیکن وہ بھی حملوں کی تاب نہ لا سکی۔ جب سورج نکلا تو ساڑھے سات بجے ایک ہزار حملہ آوروں نے شمال مغرب سے حملہ کر دیا اور جھنگڑ کو گھیرا پڑ گیا۔ کمانڈنگ افسر نے ادھر ہی لڑ کر مرنے کی بجائے، گاڑیوں میں بیٹھ کر فرار کا حکم دیا۔ لیکن سڑک پر رکاوٹ کیوجہ سے پسپائی رک گئی اور جو جوان بچ سکا انہوں نے اکیلے دکیلے یا ٹولیوں میں نوشہرہ کی راہ لی اور حملہ آوروں کے کم از کم ایک ہزار آدمی کھیت رہے ہوں گے۔

آرمرڈ کاریں جھنگڑ سے چلنے والے آرمرڈ کاروں کے ٹروپ نے سڑک سے ہٹ کر ایک راستے سے نکل کر نوشہرہ والے ٹروپ کے ساتھ ملاپ کر لیا۔ اور پھر دونوں ٹروپوں نے نوشہرہ کی طرف کچھ پسپائی کی۔ لیکن ایک کار پھنس گئی۔ اس کو وہاں سے نکالنے والی کار بھی پھنس گئی۔ تو دن کو دو بجے ایک ریکوری گاڑی سے بھی پھنسی ہوئی آرمرڈ کاریں نہ نکالی جاسکیں تو بچی ہوئی گاڑیوں کے ساتھ رسالے والے بھی نوشہرہ چلے گئے۔

بھارتی کمک کمان گوشہ میں ڈوگرہ دستے چھوڑتے ہوئے، راجپوت پلٹن نے ایک پہاڑی توپخانہ کی سیکشن اور مشین گن سیکشن کی مدد سے سڑک کی بجائے سڑک کی جنوب کی طرف سے پیش قدمی کی کہ ۱/۲ پنجاب کی مدد کرے، کہ تین ہزار کے جتھے نے انہیں نوتھی دھار کے پاس روک لیا۔ اور خونریز جنگ شروع ہوگئی۔ اسی دوران جھنگڑ سے بھاگنے والے دستے وہاں پہنچ گئے جن کو "سہارا" دینے کے بعد اور ان کو ساتھ لے کر شام اندھیرا پڑنے تک راجپوت پلٹن بھی نوشہرہ پہنچ گئی۔

حملہ جاری رہا حملہ آور تعاقب کر رہے تھے اور تقریباً تین ہزار کے قریب ان کی نفری نے نوتھی دھار اور شان داموہڑہ کو اپنا مستقر بنا لیا اور شمال مشرق میں کوٹ تک پھیل گئے۔ اور کچھ دستوں نے ۲۵ دسمبر کو نوشہرہ کے اندر گھسنے کی ناکام کوشش کی اور کچھ آگے نکل کر بیری پتن تک پہنچ گئے۔ ۲۴ دسمبر کو موسم کی خرابی کیوجہ سے فضائی فوج، بری فوج کی مدد نہ کر سکی۔ لیکن ۲۵ دسمبر کو جموں سے آکر لڑاکا طیاروں نے بھارتیوں کی بڑی مدد کی تو ۲۶ دسمبر کو حملہ آوروں کے حملے ختم ہوگئے۔ اپنے نقصان کے سلسلہ میں وہ اپنے دو افسروں اور ۵۸ جوانوں کے مارے جانے



تین افسروں ۔ دو سرداروں اور ۵۱ جوانوں کے زخمی ہونے اور ۴۲ جوانوں کے لاپتہ ہونے کا ذکر کرتے ہیں ۔ سامان میں چار آرمرڈ کاروں ، پانچ ، ۳ انچ کی مارٹروں ، چار میڈیم مشین گنوں ، ۱۴ ہلکی مشین گنوں ، ۷۰ رائفلوں اور متعدد گاڑیوں کے ضائع ہونے کا ذکر کرتے ہیں ۔ اور ہمارے ہزاروں مجاہدین کی شہادت کا دعوے تو انہوں نے صرف جھنگڑ میں کر دیا تھا۔

تبصرہ اس جنگ کے بھارتیوں کے لمبے چوڑے بیانات کو انہی ہی کی زبان میں مختصر طور پر بیان کر دیا گیا ہے ۔ واقعات ، جھنگڑ کی شکست اور اپنے فرار کی بات پر وہ پردہ نہ ڈال سکتے تھے ۔ لیکن اسی کروڑ آبادی والے بھارتی اپنے مرنے والوں کی تعداد کو کم بیان کر کے موت سے کراہت کا شکار ہو رہے ہیں ۔ اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ " مرنے اور لڑنے والے کبھی نہیں مرتے " ۔ اس سلسلہ میں ایک ثبوت کافی ہے کہ ان کی پلٹن ۱ / ۲ پنجاب ان کی تاریخ کے صفحہ ۹۷ سے دسمبر ۱۹۴۷ء میں " غائب " ہو جاتی ہے اور ، پانچ ماہ بعد اپریل ۱۹۴۸ء میں کتاب کے صفحہ ۲۲۱ پر دوبارہ " ظاہر " ہوتی ہے ۔ اور اس کی جگہ ایک اور پلٹن ۲ / ۲ پنجاب لے لیتی ہے ۔ کشمیر کے محاذ پر تین سو بھارتیوں کو جو بہادری کے تمغے ملے اس میں ۱ / ۲ پنجاب اور راجپوت پلٹن کو اس محاذ پر کوئی تمغہ نہ ملا ۔ اور بعد کے اعزازات میں بھی ۱ / ۲ پنجاب کے ایک آدمی کا نام ہے ۔ سو یا ڈیڑھ سو آدمیوں کے مارے جانے اور زخمی ہونے سے ایک پلٹن چار پانچ ماہ " ناکارہ " کیسے رہ سکتی ہے ۔ ستمبر ۶۵ کی جنگ میں راقم کی پلٹن سولہ پنجاب کے سو جوان شہید ہوئے اور ڈیڑھ سو زخمی ۔ اس سے ہمارا جذبہ اتنا بہتر ہوا کہ ایک ہفتہ کے بعد ہم نے محاذ پر سب سے آگے والی صفوں میں جگہ سنبھال لی تھی ۔ بھارتیوں کے نقصان کے بیانات جھوٹ کا پلندہ ہیں ۔ ان کی ۱۹ ، تین انچ کی مارٹریں ہمارے ہاتھ لگیں ۔ اور باقی تفصیل بعد میں آتی ہے ۔ اور اپنی کہانی اپنے الفاظ میں بیان کرنے کے بعد اس باب کے آخر میں بھارت کے رد عملوں سے ثابت کیا جائے گا کہ ان کا کتنا نقصان ہوا تھا۔

اپنی کہانی اپنے لشکروں کا ذکر ہو چکا ہے ۔ ان میں کیپٹن سعادت اور لیفٹیننٹ محمد حیات [7] کچھ دیریوں کو تبدیل کرنے والے جوانوں اور کچھ یوسف زئی جوانوں کو لے کر آئے اور فاتحین میں شامل ہو گئے ۔ ۱۲ دسمبر کو تجویز کے تمام عملی پہلوؤں پر اتفاق ہو گیا ۔ کیپٹن تمروز

نے ڈیری اور یوسف زئی لشکر کے ساتھ منگلاشی پہاڑی پر حملہ کرنا تھا۔اور میجر راجہ افضل کا آدھا لشکر سڑک کی ناکہ بندی پر مامور تھا اور باقی ڈیریوں کے دائیں بازو کی حفاظت پر۔ کیپٹن محمود کے لشکر نے پہلے سریا پہاڑی پر حملہ کرنا تھا۔اور شیر احمد کے سدھن لشکر نے منگیال گلہ سے جھنگڑ شہر پر حملہ کرنا تھا۔جہاں کیپٹن محمود نے بھی آکر ان کے ساتھ مل جانا تھا۔ کیپٹن خان آف منگ نے اپنے لشکر اور ایک سو ڈیریوں کی مدد سے نکہ کے مقام پر ناکہ بندی اور رکاوٹ کا کام کرنا تھا، کہ نوشہرہ سے نہ کوئی کمک آسکے اور نہ جھنگڑ والی فوج کسی ترتیب کے ساتھ نوشہرہ کی طرف پسپائی اختیار کرسکے۔اور حملہ نے ۲۳ دسمبر کو صبح چار بجے ہونا تھا (۸)۔ تمام کارروائی تجویز کے مطابق عمل پذیر ہوئی، صرف سدھن لشکر کا حملہ کچھ دیر سے ہوا۔لیکن جو افراتفری مچی وہ بھارتیوں کے بیان سے ظاہر ہے۔ڈیریوں نے البتہ زیادہ کام تلوار کے استعمال سے کیا۔کہ دشمن سے وہ، دو دو ہاتھ رائفل کی سنگین کی بجائے تلوار سے کرتے ہیں۔اور رائفل کو سلنگ کے ساتھ کندھے پر لے لیتے ہیں۔تب ہی بھارتیوں نے تلواروں کی اس چمک کو "ہر دار حملہ" کا نام دیا۔یہ عاجز اپنی نوکری کے دوران کئی ایسے مجاہدین کو مل چکا ہے جو کیپٹن خان کے لشکر میں تھے اور انہوں نے فرار کرنے والے بھارتیوں کے پرخچے اڑا دیئے۔اور یہ ہماری عسکری تاریخ کا سنہری باب ہے۔جس پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔

ڈھنڈ کے کا پھندا بھارتیوں کی زبان میں نوشہرہ سے ان کی کمک کی رکاوٹ کا جو ذکر ہے وہ مجاہدین نے بوہانی کے مقام پر ان کو گھات لگائی تھی، جس کو انہوں نے کئی ہزار کا لشکر کہہ دیا۔بہرحال تمام ترجنگ کو بھمبر محاذ سے چاہی کے مقام سے کشمیرا خان اپنے زوران لشکر کے ساتھ اور لیفٹیننٹ امین گل دوسرے قبائلی مجاہدین کے ساتھ سب کچھ دیکھ رہے تھے تو انہوں نے ڈھنڈ کے، کے مقام پر سڑک کی ناکہ بندی کرکے دشمن کیلئے ایک اور پھندا لگا دیا۔بھارتی کمک والے اور جھنگڑ سے بھگوڑے، جب نوشہرہ واپس جانے لگے تو اس پھندے میں پھنس کر تہس نہس ہوگئے۔اور ان مجاہدین کے حصے میں بھی کافی مال غنیمت آیا جس میں ہتھیار ایمونیشن، گاڑیاں اور آرمرڈ کاریں شامل تھیں۔ڈھنڈ کے کا پھندا بھی نکہ کی ناکہ بندی کی طرح ہماری عسکری تاریخ کا سنہری باب ہے۔

جانی و دیگر نقصان ہماری تاریخ کے مطابق تقریباً ۵۰۰ بھارتی مارے گئے۔جن کے مردوں پر مجاہدین نے مٹی ڈالی۔اور بھارتی تاریخ سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایک پلٹن کا نام نشان پانچ ماہ کیلئے مٹ گیا۔ہمارے مجاہدین کے مطابق انہوں نے دس بھارتی افسروں کے مردوں کو بھی پہچانا۔اور اندازہ ہے کہ اتنے یعنی ۵۰۰ یا اس سے کچھ زیادہ بھارتی زخمی ہوئے ہوں گے۔چار بکتر بند گاڑیاں، سو کے قریب دوسری گاڑیاں، ۱۹ مارٹریں، چار میڈیم مشین گنیں، متعدد چھوٹے ہتھیار، راشن اور کچھ کلوذنگ سٹورز بھی مجاہدین کے ہاتھ لگے۔اپنے صرف پچاس مجاہدین شہید یا سخت زخمی ہوئے۔جن میں بھمبر کی فتح کا روح رواں میجر راجہ محمد افضل بھی تھا۔ آپ زخموں کی تاب نہ لا کر چند دن بعد شہادت سے سرفراز ہوئے۔آپ نے میرپور کی فتح میں بھرپور کردار ادا کیا تھا، تو میرپور کے محلہ گو بند پورہ کا نام تبدیل کرکے افضل پورہ رکھ لیا گیا (۹)۔ بھاریوں کے مطابق حملہ آوروں کی نفری ساڑھے سات ہزار ہوگی۔ہمارے ریکارڈ کے مطابق کل ساڑھے تین ہزار کے قریب مجاہدین نے اس عظیم فتح میں حصہ لیا۔

نوشہرہ کے گردو نواح میں مجاہدین کے حوصلے بلند تھے، لیکن نوشہرہ میں بھارتیوں کو ایک پکے بریگیڈ کی دو مزید پلٹنوں کی فوری امداد پہنچ گئی۔اور ٹوٹا پھوٹا ڈوگرہ بریگیڈ بھی ادھر ہی تھا۔تو مجاہدین کے پاس نہ کوئی ایسی تنظیم تھی۔نہ ایسے ہتھیار یا ذرائع کہ وہ بھارتیوں کی افراتفری کا فائدہ اٹھاتے۔نوشہرہ کا دفاع، زمینی لحاظ سے بھی بہت اچھا تھا کہ نوشہرہ توی۔اور جھمبیر نالہ یہاں آکر ملتے تھے، جن کے گرد کئی چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں تھیں۔ان سب مقامات کی مدد سے بھارتیوں نے ایک اندرونی دفاع اپنایا ہوا تھا۔اور اس دفاع کے باہر کالر، ننیال، ٹائیں دھار اور رنجیل کے مقامات پر جو چوکیاں تھیں تو وہ نوشہرہ کا بیرونی دفاع بن گیا۔تو مجاہدین جب نوشہرہ کے گردو نواح پہنچے، تو انہوں نے صحیح طور پر اندازہ لگایا، کہ نوشہرہ کو فتح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔بہرحال راجوری کی طرف سے میجر رحمت اللہ کے دستے بڑھتے پہنچے ہوئے تھے تو جھنگڑ کے مجاہدین نے بھی دشمن کے نزدیک اس طرح پوزیشن لی کہ شیر احمد کے سدھن لشکر نے دندلیسر، ڈیریوں نے لنگر اور محمود خان کے لشکر نے موہڑہ کے پاس دفاعی پوزیشن اختیار کی۔ کشمیرا خان کو ڈھنڈ کے رہنے دیا اور کیپٹن خان آف منگ کو بھی ان کے

نزدیک رکھا گیا۔ بھمبر محاذ کے باقی مجاہدین جو سعد آباد وادی میں پہنچ چکے تھے ان کو "ریچھ" اور "مینڈک" پہاڑیوں پر نوشہرہ کے جنوب کی ذمہ داری دے دی گئی۔

صلاح الدین ہیڈکوارٹر

اتنے بڑے محاذ کو سنبھالنے کیلئے اب فیصلہ کیا گیا کہ راجوری کے مجاہدین کو چھوڑ کر بھمبر اور جھنگڑ کے سب مجاہدین، میجر سرفراز خان کے ماتحت مل کر نوشہرہ پر حملہ کریں گے یا دباؤ جاری رکھیں گے۔ کافی لوگ کرنل بنے ہوئے تھے تو سرفراز کو لوکل برگیڈیر بنا دیا گیا، اور انہوں نے اپنے برگیڈ کا نام صلاح الدین ہیڈ کوارٹر رکھا۔ اور نوشہرہ سے دس میل دور کلسیان کو اپنا مرکز بنایا، کیپٹن محمد نوازان کے برگیڈ میجر تھے۔ اور دشمن سے جو سامان حاصل کیا، اس کو سب مجاہدین میں ضرورت کے مطابق بانٹ دیا گیا۔ راجوری محاذ سے غلہ منگوا کر راشن کا بندوبست بھی ہو گیا۔ اور ذمہ داریوں میں کچھ تبدیلیاں کیں یا واضح احکام دیئے گئے۔ جنوب میں کلال اور کمان گوشہ پر صوبیدار عبداللہ کے ماتحت منگل اور توری خیل مجاہدین کو متعین کیا۔ انہی دنوں میجر آفریدی، اورک زئی آفریدیوں کا ایک لشکر لا کر وہاں پہنچا تو اس کی مدد کیلئے کچھ منگل مجاہدین بھی دیئے گئے اور کنگروٹہ کے اہم علاقے کی ذمہ داری ان کو سونپی۔ کشمیرا خان کو نوشہرہ کے اور نزدیک لایا گیا۔ اور نوشہرہ چھاؤنی کے نزدیک جھیر نالہ اس کے جتھوں کے حوالے کیا گیا۔ کیپٹن خان آف منگ کو ٹائیں پہاڑی کے علاقہ میں بھیجا گیا۔ پونچھ سے ایک اور چھوٹا لشکر میجر رحمت اللہ سدھن کے ماتحت آیا، تو ان کو کہا گیا کہ وہ کشمیرا خان کے جتھوں کیلئے وہاں ایک مستقر بنائیں۔ شیر احمد کو اب کرنل اور سدھن برگیڈ کمانڈر کہا جاتا تھا۔ ان کو شمال اور شمال مشرق پترادیسر سے دشمن کے ذرائع آمد و رفت کی ناکہ بندی کے کام بھی سونپے گئے کہ وہ پندرھویں باب میں بیان شدہ کرنل علی بہادر کے ساتھ سیوٹ میں رابطہ کریں اور بھارتیوں کے اکھنور سے نوشہرہ تک کی سڑک پر آنے والی کانوائیوں پر چھاپے مارتے رہیں۔ لیکن بھارتی اب اپنا سارا دفاع توپوں کے فائر سے کرتے تھے جہاں ذرا حرکت ہوئی تو توپوں کے منہ کھل جاتے۔ رات کو وقفے وقفے کے بعد ویسے ہی فائر ہوتا رہتا تھا۔ سارا دن بھارتی ہوائی جہاز نوشہرہ پر فوجی سامان خاص کر توپ خانہ کا ایمونیشن گراتے رہتے۔

گومگو کی حالت

جنوری ۱۹۴۸ء میں حالات عجیب صورت حال اختیار کر گئے۔ اصلی وجہ تو تفصیل سے پچیسویں باب میں آتی ہے کہ یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو بھارت نے کشمیر کا مقدمہ سیکورٹی کونسل میں پیش کر دیا[10] تو ہمارے انگریز "دوستوں" اور "نوکروں" نے ہمیں ڈرایا۔ کہ ہم مزید فتوحات حاصل نہ کریں کہ بھارت کا Case مضبوطی اختیار کر جائے گا۔ یہ جہاد میں جمود ڈلنے کی بہت بڑی سازش تھی اور اس سلسلہ کی سب باتیں پڑھ کر قارئین کے رونگٹے کھڑے ہوتے رہیں گے۔ دوسری بات یہ تھی کہ انگریز جنرل اب جگہ جگہ بھارتیوں کے ساتھ ہمیں PITCHED قسم کی لڑائی لڑا کر مروانا چاہتے تھے۔ کہ ہمارے دل میں جنگ اور جہاد سے نفرت پیدا ہو۔ اکبر خان طارق اس طریقے کی مخالفت فوجی لحاظ سے کر رہے تھے کہ انگریزوں کا "سازش" کا پہلو تو ان کو، ان کے مطابق اس زمانے میں سمجھ نہ آیا۔ اسی وجہ سے جھنگڑ کی فتح کے بعد انہوں نے میجر محمد اسلم کو راجوری بھیج دیا تھا جو ذکر پندرھویں باب میں ہو چکا ہے۔ کہ راجوری سے آگے لمبا چوڑا محاذ کھولا جائے۔ اسی طرح اب جو کرنل شیر احمد اور کرنل علی بہادر کو بیڑی پتن، سیوٹ، اور پونی بارکھ کی ذمہ داری دی جا رہی تھی یہ بھی بھارتیوں کو ان کے لمبے ذرائع آمد و رفت پر تتر بتر کیا جانے کی تگ و دو تھی کہ کرنل سید غواث کا مرالہ میں پہنچنے کا پچھلے باب میں ذکر ہو چکا ہے۔ بہرحال مجاہدین تو ۲۷ دسمبر سے نوشہرہ پر حملہ کرنے کیلئے پر تول رہے تھے لیکن اکبر خان کی ہدایت پر میجر سرفراز نے اس کو التوا میں ڈال دیا، کہ اکبر خان نہیں چاہتا تھا، کہ مجاہدین خواہ مخواہ نوشہرہ کے ساتھ سر پھوڑیں۔ اب کچھ مجاہدین بے صبر ہو رہے تھے اور انہوں نے محاذ سے "کھسکنا" شروع کر دیا۔ اور بھارتیوں نے ۲۲ جنوری کو ٹائیں پہاڑی اور کانگروٹا پر قبضہ کر لیا۔ اکبر خان کے لحاظ سے اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ ان کے مطابق نوشہرہ کو صرف "Hold" کرنا چاہیے تھا۔ اور بھارتیوں کی پیش قدمیوں کو بھی نہ روکا جانا چاہیے تھا۔ اور بھارتیوں پر تب اور اس جگہ حملہ کیا جائے جہاں "آسان شکار" موجود ہو۔ علاوہ ازیں اکبر خان نے یہ سفارش بھی کر دی تھی کہ ایک نہ ایک دن پاکستان کی فوج کو اس جنگ میں شامل ہونا ہے اور اس کا وقت آ گیا ہے۔ کہ بھارت کی اتنی زیادہ فوج کشمیر میں پھنس چکی ہے کہ وہ لوگ پاکستان پر جوابی حملہ کی بات سوچ ہی نہیں سکتے۔ اکبر خان نے آزاد فوج کے کمانڈر انچیف محمد زمان کیانی کو نوشہرہ محاذ پر ہدایات دے کر ۲۵ جنوری کو

وہاں [۱۴] بھیجا کہ دشمن کے ذرائع آمد و رفت پر حملے لئے جائیں، اور نوشہرہ پر حملہ تب کیا جائے کہ کامیابی کی امید ہو۔ اب محمد زمان کیانی کو چودھری محمد علی حکومت پاکستان یہ ہدایات پہنچا چکے تھے کہ دریائے چناب کے مشرق کی طرف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔ تو اس نے ذرائع آمد و رفت پر حملوں کی بجائے نوشہرہ کے مجاہدین کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کیا کہ چلو یکم فروری کو نوشہرہ پر حملہ کر کے دریائے چناب کے اس طرف تو کچھ حاصل کر لیں۔ لیکن ایمونیشن کے بروقت نہ پہنچنے کی وجہ سے نوشہرہ پر حملہ ۹ فروری کو کیا گیا جو کہانی بتیسویں باب میں بیان کی جائے گی۔ کہ قارئین ان سازشوں کی باقی "کڑیوں" کو بھی سمجھ سکیں کہ جنوری ۱۹۴۸ء میں اس محاذ پر دو طرفہ کارروائیوں کے کافی واقعات ہماری سرکاری اور بھارتی تاریخ میں موجود ہیں۔ جن پر تبصرہ بھی بتیسویں باب میں ہوگا۔

جھنگڑ کی فتح کے اثرات جھنگڑ کی فتح کے فوری ثمرات یا عطیات تو ہم حاصل نہ کر سکتے تھے۔ کہ اگر ہماری پکی فوج کی ایک پلٹن بھی یا اپنا توپخانہ ہمارے ساتھ ہوتا، تو ۲۷ دسمبر کو نوشہرہ بھی پکے ہوئے پھل کی طرح ہماری جھولی میں گر جاتا۔ اس کے اثرات سے البتہ بھارت نے بہت سبق سیکھے اور فائدہ اٹھایا اور ہم گھاٹے میں رہے۔ اسی دن ان لوگوں نے اپنے ۲۶۸ برگیڈ کی دو پلٹنیں نوشہرہ پہنچا دیں۔ اور ۸۰ نمبر برگیڈ کو اکھنور سے آگے نوشہرہ تک کے ذرائع آمد و رفت کی دیکھ بھال پر لگا دیا۔ ۷۷ نمبر برگیڈ کو مشرقی پنجاب سے لا کر اکھنور سے پیچھے جموں۔ اور کٹھوعہ تک پھیلا دیا۔ بھارتی ایک زیڈ (Z) برگیڈ کے وہاں پہنچ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ اور بعد میں حالات ٹھیک ہو جانے پر اس برگیڈ کو شمالی علاقوں میں لے جاتے ہیں جس کا ذکر اٹھائیسویں باب میں ہوگا۔ اور ممکن ہے یہ ایک فرضی برگیڈ ہو جس سے مقامی طور پر کچھ "مرعوبیت" کا عمل کیا جاتا ہو۔ بہرحال ایک پلٹن ۲/۲ پنجاب کو بھی ۱/۲ پنجاب کی جگہ نوشہرہ لایا گیا۔ کشمیر میں فوجوں کو سامان پہنچانے کیلئے پندرہ ڈکوٹا ہوائی جہاز خریدے گئے [۱۲] ایک نیا لاجسٹک ایریا کھڑا کیا گیا، جنہوں نے کٹھوعہ سے جموں تک سڑک کی حفاظت بھی کرنا تھی اور جموں تک سب فوجی سامان پہنچانا ان کی ذمہ داری تھی۔ دس ہزار نفری کی سول آرمڈ فورس، کشمیر میں ڈوگروں اور راشٹریہ سیوک سنگھ کی مدد سے کھڑی کی گئی۔ **اتنی ہی نفری کے دس ونگ** بھارتی مشرقی پنجاب میں کھڑے کر کے کشمیر بھیجے گئے۔ مشرقی پنجاب کے ایریا کمانڈر کو حکم دیا

گیا کہ وہ چھ کنسٹیبلری یونٹیں کھڑی کرے جن میں سے تین کو فوری طور پر کشمیر بھیج دے۔ مہاراجہ پٹیالہ کو کہا گیا کہ وہ ایک پلٹن کھڑی کر کے بھارتی فوج کا حصہ بنائے [۱۳]۔ اس کے علاوہ بھارتی تاریخ کے مطالعہ سے ایک اور بات سامنے آئی کہ ان کی فوج کے افسر بہت بزدل ہیں [۱۴]۔ گو جوان اتنے نالائق نہیں۔ تو سفارش ہوئی کہ ۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے اچھی کارروائیوں پر بہادری کے تمغے دیئے جائیں۔ اور سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ بھارت نے "مظلوم" بن کر کشمیر کا مقدمہ سیکورٹی کونسل میں پیش کر دیا کہ پاکستان والے "شرپسند" ہیں۔ پوری کہانی پچیسویں باب میں آرہی ہے۔ "کہ بھارتی چور بھی تھے اور چترے بھی" لیکن اگلے یعنی چوبیسویں باب میں اب تک بیان شدہ واقعات کے تانے بانے ملانے ضروری ہیں کہ اول تو ہمیں یاد کچھ نہیں رہتا نہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا دشمن کون ہے اور ہمارے اندر بیٹھ کر کون کون ہماری جڑیں کاٹ رہا ہے اور یہ ہیں تاشقند کے اصلی راز [۱۵]۔ اور بنیادی راز یہ ہے کہ ہمارے بیچ ایمان کی کمی ہے اور ہم مومن کی فراست سے عاری ہیں کہ ہم طاغوت کے ساتھ کفر نہیں کرتے۔ تو جھنگڑ کی عظیم فتح سے ہم ذرہ بھر بھی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

حوالہ جات

(۱)۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۹۴ اور ۹۷۔ (۲)۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۸۶۔ (۳)۔ ایضاً صفحہ ۸۹۔ (۴)۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۹۹۔ (۵)۔ بھارتی تاریخ میں مجاہدین کو "دشمن" یا "حملہ آور" کے الفاظ کے استعمال سے واضح کیا گیا ہے۔ اکبر خان کی طرح مصنف کو بھی حملہ آور کا لفظ پسند ہے تو بھارتی الفاظ کو تبدیل بھی نہ کرنا پڑا۔ (۶)۔ وریوں کی تلوار زنی اور تلواروں کی چمک کی وجہ سے اس منظر کو بھارتی صحیح طور پر سمجھ گئے۔ (۷)۔ کچھ لوگوں نے لیفٹیننٹ محمد حیات کو بعد کے آزاد کشمیر کے صدر محمد حیات کے ساتھ ملا دیا۔ جو اس زمانے میں ایک آزاد پلٹن میں کلرک تھے۔ یہ لیفٹیننٹ محمد حیات پٹھان ہیں اور ۱۹۷۱ء کی جنگ میں جیسور کے محاذ پر برگیڈیئر تھے۔ (۸)۔ بھارتیوں کا بیان کہ حملہ ۲۴ دسمبر کو ہوا زیادہ صحیح ہے کہ وہ لوگ وار ڈائریوں کا استعمال کرتے تھے۔ (۹)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۴۴۔ (۱۰)۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۱۰۴۵ء اور ۱۰۴۶۔ (۱۱)۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۹۴۔ (۱۲)۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۰۲۔ (۱۳)۔ ایضاً صفحہ ۱۰۳۔ (۱۴)۔ ایضاً صفحہ ۱۰۴۔ (۱۵)۔ تاشقند کے اصلی راز کے صفحہ ۲۰۸ پر یہ وضاحت ہے۔

چوبیسواں باب

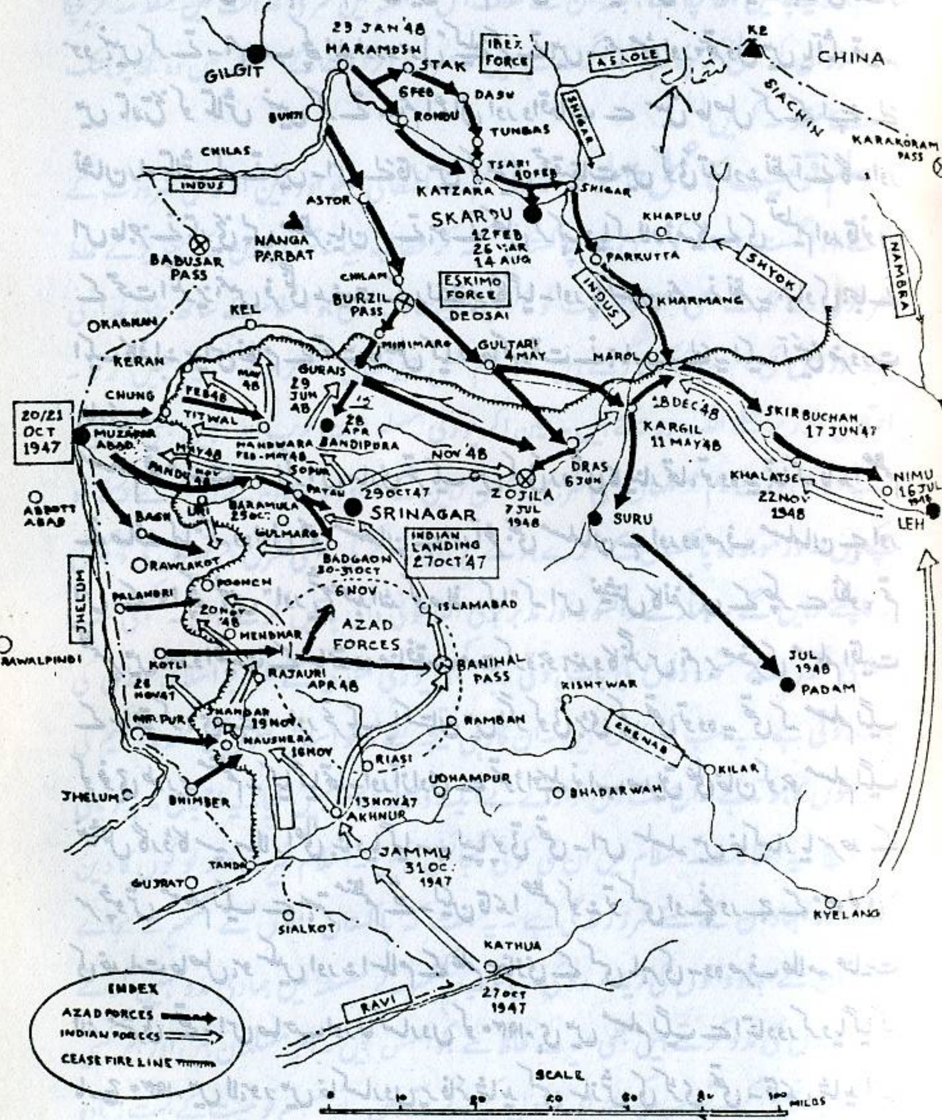
واقعات کے تانے بانے اور چند تبصرے

حاصل کلام جو کچھ اب تک بیان ہو چکا ہے۔ ہماری ان کوتاہیوں پر تبصرے کیلئے کئی کتابوں کی ضرورت ہے اور اس کا اختصار یہ عاجز اپنی کتاب پنڈورا باکس کے صفحہ ۵ سے صفحہ دس تک، دس پیراگرافس میں بیان کر چکا ہے۔ جو کچھ آگے آئے گا اس کا اختصار اسی کتاب کے اگلے پانچ صفحوں میں اتنے ہی پیراگرافس میں واضح کر دیا گیا ہے۔ یہاں پر صرف چند وضاحتوں کے ساتھ ان کوتاہیوں کے تانے بانے ملانے ہیں کہ اگلے باب میں ایک بین الاقوامی سازش کے تحت ہم مظلوموں کو "شرپسند" بنانے کی ایک تگ و دو کا بیان ہے۔ بعد میں توپوں کی آتش بازی کا ڈرامہ رچایا گیا جس کے تحت فائر بندی کرا کے نہ صرف کشمیر کے جہاد میں پکا جمود ڈال دیا گیا۔ بلکہ ہمیں اہل مغرب کا ایسا پروردہ بنا دیا گیا کہ ہم اب تک ان کی ڈگڈگی پر ناچ رہے ہیں۔ اور پچھلے ۴۷ سال بے غیرتی اور بے عزتی سے گزار آئے ہیں کہ قائداعظم کو نہ صرف ہمارے لیڈروں یا سرکاری نوکروں نے مایوس کیا۔ بلکہ ہم پوری قوم نے مایوس کیا۔ وہ سوچ ہی نہ سکتے تھے، کہ مسلمان اتنے کمزور ہیں کہ بھیڑ بکریوں کی طرح کوئی ان کو ذبح کر دے گا۔ اور ہمارے دشمنوں کو اس ایک اکیلے مومن کی فراست والے ہمارے رہنما سے اتنا ڈر تھا، کہ ان کی زندگی میں وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ وہ گئے تو ہماری رہی سہی عزت بھی ساتھ لے گئے۔ دوسرے دن بھارت نے حیدرآباد پر حملہ کر دیا اور چوتھے دن ہمارے وسط میں جھوٹے نبی کے مرکز کی ربوہ میں بنیاد ڈال دی گئی، اور پھر فائر بندی سے جہاد میں پکا جمود ڈال دیا۔

بامقصد مطالعہ ہمارے ملک میں تحریک آزادی، پاکستان کے وجود میں آنے اور کشمیر پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، جن کے حوالے اس عاجز نے جگہ جگہ کھل کر دیئے۔ لیکن افسوس ہمارے اپنوں نے بھی اپنی کتابوں میں قرآن پاک کے احکام کے تحت ہماری زبوں حالی کا بامقصد مطالعہ نہیں کیا۔ قرآن پاک ایک تاریخی صحیفہ بھی ہے، اور اس عاجز نے اسی وجہ سے

نقشہ سیازدہم

فروری ۱۹۴۸ء تک مجاہدین کی کامیابیاں اور طرفین کہاں کہاں تک پہنچے



رسول پاکؐ کی زندگی کے پہلو پر علامہ اقبال کی زبان میں آپؐ خود کے قرآن پاک ہونے کی بات کو حضور پاکؐ کا جلال و جمال کا نام دے کر چند ماہ پہلے ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے۔ جس میں ہمارے لئے نشان راہ ہے۔ ہم تاریخ میں مقام حاصل کرنے یا تاریخ ساز شخصیت بننے کی تگ و دو نہیں کرتے۔ ہم سب کچھ اللہ اور رسولؐ کیلئے کرتے ہیں۔ ہم مٹی اور پتھروں میں یا آثار قدیمہ میں تاریخ کو تلاش نہیں کرتے۔ ہم اعمال اور واقعات سے سبق حاصل کر کے اپنے لئے نشان راہ تلاش کرتے ہیں۔ اس لئے قارئین کو میری تحقیقات میں کوئی تضاد نہ نظر آئے گا۔ اور اس عاجز نے تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے کھل کر کہہ دیا کہ لارڈ میکالے کی تعلیم اور قانون کے تحت انگریز ہمیں فرنگی مدنیت کے راستے پر لگا گیا۔ اور پاکستان ہم نے نظریہ جہاد کی بجائے ایک کافرانہ سیاسی نظام کے تحت حاصل کیا کہ حاکم وقت نے ہمارے لئے یہ ایک آئینی ضرورت بنادی۔

مسلم قومیت اگر اس ساری تحریک میں کوئی روشنی کا مینار تھا، تو وہ یہ تھا کہ قائداعظم نے صاف کہا" کہ وہ اول بھی مسلمان ہے اور آخر بھی مسلمان ہے اور وہ صرف مسلمان ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں" اور شیخ عبداللہ کو صاف کہا" کہ اس نیشنل کانفرنس کے چکر سے نکلو، تم کشمیر میں ہندو اقلیت کے ساتھ وہ منافقت مت کرو جو ہندو کانگرس ہم برصغیر کی مسلم اقلیت کے ساتھ کر رہی ہے"۔ اور تحریک پاکستان میں اگر کوئی بڑی کمی تھی تو وہ یہ تھی کہ مسلم لیگ کو فوجی طور پر منظم نہ کیا گیا تھا۔ اور آزادی سے تھوڑا پہلے نواب صدیق علی خان کو جو مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا سپہ سالار اعلیٰ بنا دیا گیا۔ یہ لیپا پوتی تھی۔ اس سلسلہ میں خاکسار یا سرحد کے سرخپوش مسلم لیگ سے بہتر منظم تھے۔ لیکن قائداعظم کو نہ تو کسی اونچے درجے کے "مولوی" کی خدمات حاصل ہو سکیں اور نہ اسلام کے علم مغازی کے کسی ماہر کی۔ وہ صرف علامہ عنایت اللہ مشرقی تھے۔ اس صاحب اور خاکساروں کو ۱۹۴۰ء ہی میں مسلم لیگ سے اتنا دور کر دیا گیا کہ مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں خاکساروں پر فائر شاید کسی سازش کی کڑی تھی۔ قائد، شاید اس سازش کو سمجھتے تھے کہ انہوں نے سر سکندر کی مخالفت کے باوجود زخمی خاکساروں کی عیادت کی اور شاید چھپے ہاتھوں نے علامہ مشرقی اور قائداعظم کو ایک نہ ہونے دیا۔ اور یہ بڑا المیہ ہے۔

ہماری دینی سیاسی جماعتوں کے رہنما تحریک پاکستان کے زمانے میں بھی اسلامی فلسفہ حیات سے اتنے نابلد تھے جتنے آج کل ہیں۔ بلکہ یہ لوگ اسلام کے ساتھ "فراڈ" کر رہے ہیں۔ اور یہ عاجز ان سب کو یہ باتیں لکھ چکا ہے، بلکہ ان کے خلاف اس سلسلہ میں شرعی عدالت میں مقدمہ کر چکا ہے اور ان کو چیلنج کر چکا ہے کہ اگر وہ سچے ہیں تو میرے الزامات کے سلسلہ میں وہ مجھ پر ہتک عزت کا مقدمہ کریں[1]۔

مسلم قومیت کا عملی پہلو قائداعظم نے انتظامی پہلو اور بین الاقوامی ضرورت کے تحت ۱۱، اگست ۱۹۴۷ء کو ہمیں جو "پاکستانی" کہہ کر خطاب کیا۔ تو اس دن کے بعد بڑے غلط طریقوں سے ہم نے بھی مسلم قومیت کو ثانوی حیثیت دے دی جو اسلام کے ساتھ بڑی غداری ہے اور اس کی ہم سزا بھگت رہے ہیں۔ اسلام کسی جغرافیائی نیشنلزم کو تسلیم نہیں کرتا۔ انتظامی طور پر خطے الگ رہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر پوری مسلم امت حزب اللہ نہیں بنتی تو ایک ارب آبادی والے ہم مسلمان اسی طرح بکاؤ مال رہیں گے۔ اور پاکستان کے دو ٹکڑے پہلے ہو چکے ہیں۔ اور موجودہ پاکستان کے ٹکڑے ہونے میں دیر نہ لگے گی یا اسی طرح ہم غیروں کی ڈگڈگی پر ناچتے رہیں گے۔ ہمارے دانشور اور مدبر بڑی افلاطونی والی باتیں کرتے ہیں۔ کبھی سب اسلامی ملکوں کے متحدہ دفاع کی بات ہوتی ہے کبھی یورپی منڈی کے طرز پر اسلامی منڈی کی بات ہوتی ہے۔ یہ سب بکواس ہیں۔ ان کا وہی نتیجہ نکلے گا جو اسلامی ملکوں کی متحدہ تنظیم کی کانفرنسوں کا ہوتا ہے۔ آج تک اس ادارے نے ایک دھیلے کا کام نہیں کیا۔ یہ احتجاج۔ یہ زبانی جمع خرچ، یہ اعلانات۔ اسلام میں ان کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام غیرت مند لوگوں کا دین ہے۔ اور جہاد ان کے لئے طرز زندگی ہے۔ یہ بحث کہ پاکستان والوں نے کشمیر کے بجائے افغانستان کے جہاد والوں کی زیادہ مدد کی۔ یا عرب کشمیر کے سلسلہ میں ہماری مدد نہیں کرتے اور ہم عربوں کی مدد کرتے ہیں بھی میرے لحاظ سے بکواس ہیں۔ ہم مسلمان ہیں اور ہم کسی کے لئے کچھ نہیں کرتے سب کچھ اللہ اور رسولؐ کیلئے کرتے ہیں۔ تو مسلم قومیت کے بہت زیادہ تقاضے ہیں اور یہ ایک پوری کتاب کا مضمون ہے۔ لیکن افسوس پاکستان بنانے کے بعد ہم اس اہم ضرورت کو پاش پاش کر چکے ہیں۔ آؤ اسلام کی پیروی کریں جو دین ہے۔

جہاد جہاد مسلمانوں کیلئے طرز زندگی ہے۔ یہ ہمارا فلسفہ دفاع ہے[۲]۔ آزادی کے بعد پہلی ضرورت یہ تھی کہ کافرانہ مغربی نظام دفاع کی بجائے ہم اس اسلامی فلسفہ دفاع کو اپناتے۔ اور خان قیوم کی تجویز کو مانتے اور بھارتی پنجاب میں مسلمانوں کی مدد کیلئے قبائلی مجاہدین کو بھیج دیتے تو تاریخ کا دھارا تبدیل ہو جاتا، کہ ہم سب نے جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنا لیا ہوتا۔ نیزوں سے لڑتے۔ بھالے استعمال کرتے۔ سلطان ٹیپو کی طرح شیروں کی موت مرتے۔ افسوس لیاقت حکومت نے یہ تجویز بھی نہ مانی۔ فطرت ہم پر کھڑی ہنس رہی تھی۔ ہم نے جو اپنے اندر جھوٹے نبی کے شجرہ خبیثہ کو پروان چڑھنے دیا، تو ہم نے بے عزت ہونا تھا۔ ستر ہزار نوجوان عورتیں کفار کے پاس چھوڑ دیں اور قادیان کے گرد کئی سو میل کے علاقہ میں اللہ اور رسولؐ کے نام کی صدا آنی بھی بند ہو گئی۔ افسوس سبق پھر بھی نہ سیکھا۔ ربوہ میں جھوٹے نبی کا مرکز موجود ہے اور ہم نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا کر ملک کو دولخت کرا چکے ہیں۔ لیکن ندامت کرنے کو تیار نہیں۔ نئے ہجری سالوں کا جشن مناتے ہوئے ہمیں شرم نہیں آتی۔ یہ عاجز اس سلسلہ میں حکومت کو جو کچھ لکھ چکا ہے وہ بھی ایک کتاب کا مضمون ہے۔

کشمیر کا جہاد بہر حال اللہ تعالیٰ نے ایک اور راستہ کھول دیا، کہ ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کشمیر میں جہاد کی بسم اللہ ہو گئی۔ اور اس کے بعد واقعات بڑی تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں کہ کوتاہیوں یا غداریوں کا شمار ناممکن ہے۔ جہاد کیلئے کچھ بہترین علاقے تو گلگت۔ سکردو وغیرہ تھے۔ کہ آبادی سو فی صدی مسلمانوں کی تھی۔ اور وہ لوگ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ وہاں بہت کم توجہ دی۔ لیکن بہترین علاقہ جموں کے گردو نواح میں تھا۔ لیکن وہاں کے لیڈروں میں غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر کی رہائی کی کوشش نہ کی گئی۔ وہاں سے قتل عام کی صدائیں آتی رہیں۔ لوگوں نے ہتھیار مانگے۔ لیکن جو مجاہدین سیالکوٹ میں ان کی مدد کیلئے اکٹھے بھی ہوئے۔ ان کو بھی وہاں "باندھ" چھوڑا۔ قبائلی مجاہدین کے استعمال کیلئے یہ بہترین علاقہ تھا کہ بھارتی فوج کے آجانے کے بعد اکبر خان نے دوبارہ مجاہدین کے اس علاقے میں استعمال کی تجویز دی۔ یا اس کے بعد ریاسی یا نوشہرہ یا پونچھ بھی ٹھیک تھا۔ لیکن ایک سازش کے تحت غلط علاقوں یعنی وادی کشمیر کے علاقہ میں ان سے پیش قدمی کرائی گئی، جہاں کے لوگوں پر شیخ

عبداللہ کا بھوت سوار تھا۔ اور پھر ان لوگوں سے صرف مہورا کا بجلی گھر بند کرایا گیا۔ کہ مہاراجہ کے لئے "اندھیرا گھپ" ہوا جس کو اس کا وزیراعظم مہاجن اور بھارتی سیکرٹری مینن "فرار" کرا کے جموں لے گئے۔ جس جگہ کی "حفاظت" ہم کر رہے تھے۔ اور وہاں اس نے بھارت کے ساتھ الحاق پر دستخط کئے یا یہ صرف "شوشہ" چھوڑا کہ انگریز گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن کو "قانونی جواز" چاہیے تھا، کہ وہ بھارتی فوج کو کشمیر میں داخل کر سکے جو ایک دن پہلے تیار کھڑی تھی۔

سازش اگر جہاد کو طریقے سے پھیلاؤ دیتے تو بھارتی فوج کو کشمیر میں داخلے کی ہمت ہی نہ پڑتی۔ ہم نے تو سری نگر کے ہوائی اڈہ کی ناکہ بندی بھی نہ کی۔ اور اکبر خان اور قائداعظم کے سامنے جھوٹ بولا گیا، کہ سیالکوٹ یا شکر گڑھ کے مجاہدین نے جموں۔ کٹھوعہ روڈ کی ناکہ بندی نہیں کی۔ حالانکہ قادیانی ڈپٹی کمشنر ایم ایم احمد نے ان پر وہاں کرفیو لگا دیا تھا۔ کہ سیالکوٹ۔ جموں کو پہلے سے ہی کوئی اہمیت نہ دینا تھا۔ اور لنگڑے لولے پاکستان کیلئے ایک الحاق پاکستان حکومت بنانے کے بجائے ایک لنگڑے لولے آزاد کشمیر کی حکومت شمال مغرب میں راولپنڈی کے نزدیک بنائی گئی کہ خود مختار کشمیر کے نعرے بھی لگتے رہیں۔ قائداعظم نے جب فوج کے داخلے کا حکم دیا، تو جنرل مسروی مچھلیوں کے شکار کا "شوق" فرما رہا تھا اور اس سلسلہ میں جنرل گریسی اور آکنلیک نے جو التوا کرائی یا بعد میں ماؤنٹ بیٹن نے اکیلے آکر جھوٹے وعدے کئے اور ان پر کبھی عمل نہ کیا اور نہ کرنا تھا۔ لیکن اس کے باجود ہم نے صرف جنرل مسروی اور گورنر کننگھم سے چھٹکارا حاصل کیا۔ باقی ہمارے انگریز نوکروں نے ہماری وفاداری کا دم بھر کر ہمیں بے وقوف بنایا۔ یا کامن ویلتھ کلب کے تحت غلام کذاب اور سرسید کے پیروکاروں یا باقی ابن الوقت لوگوں کو "متحد" کیا اور ہم پر حکومت کرنے کیلئے جو کھیپ وہ تیار کرتے رہے، اس کو ہم پر ایسے مسلط کر گئے کہ اب تک وہی لوگ مسلط ہیں۔ کبھی مسلم لیگ کی شکل میں، کبھی پیپلز پارٹی کے روپ میں اور کبھی مارشل لا کے ڈنڈے کے طور پر۔

جہاد کی برکت لیکن قارئین دیکھیں کہ جہاد کے پاکیزہ عمل کی برکت سے ہم نے کتنا کچھ حاصل کر لیا۔ ساتھ نقشہ سبز دہم لگا رہے ہیں۔ اور قارئین دیکھیں کہ ہم نے دو تہائی کشمیر آزاد کرا لیا تھا یا ہمارے اثر کے نیچے تھا۔ ہمارا انگریز نوکر حیران تھا۔ کہ اگر جہاد ہماری مرضی کے

مطابق جاری رہتا۔ تو ہمارے مجاہدین رہنما انگریزوں سے بھی چھٹکارا حاصل کر لیتے اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا مجاہدین کا یہ سمندر کشمیر میں بھارتی مشینری کو تہس نہس کر دیتا۔ لیکن انگریز نے تو فیصلہ کیا ہوا تھا کہ ایک لنگڑا لولا آزاد کشمیر ہمیں دے کر بھارت اور ہمیں ایک فائر بندی لائن پر بٹھانا تھا۔ اس لئے وہ ہم سے " محدود جنگ " لڑا رہے تھے۔ سیالکوٹ محاذ ہمیں وہ نہ کھولنے دیتے تھے۔ دریائے چناب کے پار ہمیں وہ نہ جانے دیتے تھے اور کہتے تھے کشمیر کو بھارت اور پاکستان میں دریائے چناب کی حد پر بانٹ دیا جائے گا۔ کہ حیدر آباد جنوب میں ایک آزاد ملک رہ سکے۔ اقوام متحدہ میں ہمیں وہ نہ جانے دیتے تھے۔ کہ ہمارے پاس " قانونی جواز " نہیں۔ اور بھارت کو وہ کب کا مشورہ دے رہے تھے کہ وہ کشمیر کا مقدمہ سیکورٹی کونسل میں لے جائے۔ لیکن بھارت فتح کی امید میں کسی الجھاؤ میں نہ پڑنا چاہتا تھا۔ تو ہماری جھنگڑ کی فتح نے بھارت کو مجبور کر دیا کہ وہ اقوام متحدہ میں " مظلوم " بن کر جائے اور انگریزوں کو ہمارے جہاد میں جمود ڈلوانے کا راستہ مل گیا۔ اس سلسلہ میں اگلے آٹھ دس ماہ۔ انگریزوں نے ہمیں باندھ کر ہم سے جو محدود جنگ کرائی۔ یا ہماری فوج کو جس بھونڈے طریقے سے کشمیر کی جنگ میں استعمال کروایا اور کچھ آزاد علاقے بھارت کو واپس دلائے تو ہماری تاریخ کے یہ تاریک ابواب ہیں۔ ہمارے اندر بیٹھ کر حیلہ فرنگی سے جس طرح ہمیں بے وقوف بنایا گیا اور آج تک بنایا جا رہا ہے یہ عاجز ان باتوں سے پردے اتارنے کیلئے اگلے باب میں اس سازش کی پہلی کڑی کو بیان کرے گا کہ کشمیر کے مقدمہ کو اقوام متحدہ میں لے جا کر ہمیں کس طرح نکو بنایا گیا۔ اور کچھ سازشیں پچھلے باب میں بیان ہو چکی ہے کہ سیالکوٹ محاذ پر کیسے جھاڑو پھیر دیا گیا۔ اور محدود جنگ کی وضاحت کر کے اس باب کو ختم کیا جاتا ہے۔

محدود جنگ محدود جنگ ایک مہمل اصطلاح ہے۔ جنگ۔ جنگ ہے اور کلی طور پر یہ فتح کیلئے لڑی جانی چاہیے کہ دشمن کی قوت مزاحمت کو ختم کر دو۔ چند علاقے فتح کر کے یا فائر بندی کے انتظار میں لیاقت علی کے سیاسی عمل کیلئے تین ماہ جنگ لڑنا۔ یا صرف Battle لڑنے کی تیاری کرنا، یہ سب چیزیں مولانا مودودی کی مصلحانہ اور مدافعانہ جنگوں کا حصہ تو ہو سکتی ہیں۔ لیکن جنگ کے ماہر ایسی اصطلاحیں پڑھ کر ہنستے ہیں اور یہ عاجز کلاسوٹز کے فلسفہ

جنگ کی تیسری جلد میں اس پر بھرپور تبصرہ کر چکا ہے۔ جنگ ایک بھرپور عمل ہے۔ اس کے تقاضے اس عاجز نے اپنی کتاب حضور پاکؐ کے جلال و جمال میں تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں اور یہاں چند اشارے ہیں۔

لیکن کشمیر کی جنگ جس بھونڈے طریقے سے ہم لڑتے رہے۔ ایسی بری مثال ساری دنیا کی کسی جنگ میں نہ ملے گی، اس کے باوجود ہم نے اتنا کچھ حاصل کر لیا تو قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ اگر ہم اس زمانے میں بھرپور طور پر جہاد اکبر کا اعلان کر کے کشمیر میں جہاد اصغر کو جاری رکھتے۔ تو بھارت کے پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ اب یہاں بھارت کے پرتھوی میزائل یا تباہ کن ہتھیاروں سے ڈرنے والوں کو بھی یہ باور کرانا ضروری ہے کہ ہتھیار کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ اول حیثیت انسان کو ہے۔ ہم آٹھ کروڑ مسلمان اگر اللہ کی فوج بن جائیں تو بھارت ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ غلامی ڈرنے والی اور کم دل قوموں کو نصیب ہوتی ہے۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے اس جہان دنیا کا وارث قرار دیا۔ لیکن افسوس ہم اپنے مقامات کو نہیں سمجھتے۔

حوالہ جات

(۱)۔ پنڈورا باکس صفحہ ۹۸ اور ۹۹۔ (۲)۔ حضور پاکؐ کا جلال و جمال پچیسویں باب سے استفادہ کریں۔

پچیسواں باب

بھارتی بوکھلاہٹ اور اقوام متحدہ میں مقدمہ

بھارتی بوکھلاہٹ بھارتیوں کی بوکھلاہٹ ان کی اپنی تاریخ سے واضح ہے جب وہ ۳۱۔ دسمبر تک جنگ کے رنگ کی جھلکی دیتے ہیں [۱]۔ جس میں لکھا ہے "دسمبر ۱۹۴۷ء میں اوڑی محاذ پر حملہ آوروں نے اپنی ماہرانہ تدبیرات کے تحت پہلی سکھ پلٹن کو اپنے چنگل میں پھنسا کر اور اس پر گھات لگا کر اس کا بہت نقصان کیا۔ جنوبی محاذ پر بیڑی پتن کے نزدیک ۱۹ دسمبر ۱۹۴۷ء کو سدھوٹ کے مقام پر ایک کنوائی پر گھات لگا کر کافی تباہی مچائی اور دوسری جاٹ پلٹن کا بھی کافی نقصان کیا۔ ۲۳ دسمبر کو جھنگڑ اور نوشہرہ روڈ پر جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کر کے اور جھنگڑ پر کامیاب حملہ کر کے حملہ آوروں نے ثابت کر دیا، کہ ان کے پاس اعلیٰ پایہ کی تجاویز بھی ہیں اور ذرائع بھی۔ علاوہ ازیں انہی مہینوں میں گلگت اور شمالی علاقہ جات کے وسیع خطوں پر اسلامی جھنڈے لہرانے کے بھی اثرات تھے۔ لیکن بھارت والوں نے اپنی بوکھلاہٹ پر پردہ رکھ کر اقوام متحدہ میں مقدمہ اس وجہ سے پیش کیا۔ کہ پاکستان والے جہاد میں سستی کریں۔ اور پھر ایسے وقت وہ پاکستان کے ساتھ فائر بندی کا معاہدہ کریں، جب ان کو وہ سب علاقے مل چکے ہوں جن پر وہ قابض ہونا چاہتے ہیں [۲]۔

بھارتی شکایت یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو بھارت نے سیکورٹی کونسل میں اپنا مقدمہ ان الفاظ میں پیش کیا [۳] "اس ضرورت کے تحت کہ بھارت کی سرزمین سے حملہ آوروں کو جلد سے جلد خارج کیا جائے اور وہ لوگ کوئی مزید حملہ نہ کر سکیں، تو بھارت کی فوج کو پاکستان کی سرزمین میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ تو تب ہی حملہ آوروں کو پاکستان کی سرزمین سے جو سپلائی مل رہی ہے یا وہاں ان کے جو مستقر ہیں ان کو ان کے استعمال سے روکا جا سکتا ہے۔ حملہ آورں کو پاکستان کی یہ مدد ایک جارحانہ عمل ہے۔ چنانچہ بین الاقوامی قوانین کے تحت بھارت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ پاکستان کی سرزمین میں اپنی فوج کو بھیج کر وہ حملہ آوروں اور ان کے مستقروں کو ختم کر دے۔ ایسی کاروائی سے البتہ پاکستان کے ساتھ مسلح ٹکر ہو سکتی ہے۔ تو اقوام متحدہ کے

چارٹر نمبر ۳۵ کے تحت بھارتی حکومت تمام معاملہ اقوام متحدہ میں پیش کر کے ان کو گزارش کرتی ہے کہ وہ حکومت پاکستان سے مندرجہ ذیل عمل کرائے۔

ا۔ حکومت پاکستان اپنے فوجی اور سول نوکروں کو کشمیر پر حملے کی مدد یا شمولیت سے روکے۔

ب۔ پاکستان کے شہریوں کو جموں و کشمیر کی لڑائی میں شرکت کرنے سے منع کرے۔

ج۔ کشمیر پر حملہ آوروں کو اپنی زمین نہ استعمال کرنے دے۔ اور فوجی یا دوسری سپلائی یا ہر قسم کی مدد دینا بند کرے۔

ہماری نا سمجھی ہماری نا سمجھی کی یہ حالت ہے کہ اس زمانے میں ہمارے لیڈروں نے جو بیانات دیئے یا اخباروں نے جو اداریئے لکھے۔ اور آج تک یہ عاجز اس سلسلہ میں جو خرافات پڑھتا ہے تو میں اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا ہوں۔ کہ اکثر کہا گیا اور کہا جاتا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ سیاسی ہے اور بھارت بھی اس مسئلہ کے سیاسی حل کیلئے تیار ہو گیا ہے، کہ مقدمہ اقوام متحدہ میں لے گیا۔ اور یہ مسئلہ بات چیت سے حل ہو گا۔ اور کمیشن مقرر کئے گئے۔ ثالثی کی تجویزیں آئیں۔ اخباروں کے کروڑوں صفحے سیاہ کئے گئے وغیرہ۔ بہر حال یہ عاجز اس وقت بھی اعلان کرتا تھا اور کرتا رہا کہ یہ مسئلہ جہاد سے حل ہو گا۔ اور آج بھی یہی اعلان کرتا ہوں۔ اس وقت بھی بھارت ہمارے جہاد میں جمود ڈلوانے کیلئے یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں لے گیا۔ اور اب بھی کشمیر کے لوگوں کے جہاد سے گھبرا کر بھارت بات چیت پر تیار ہوتا ہے۔ لیکن ہم تاویلوں میں وقت ضائع کرتے رہتے ہیں کہ حکومت آزاد کشمیر کے سابق چیف سیکرٹری مسٹر سہروردی ۱۹۸۳ء میں اپنی کتاب [۴] میں کہتے ہیں کہ پہلے مقدمہ میں بھارت نے پاکستان کو جارح نہیں قرار دیا تھا۔ بعد میں رائے شماری سے بچنے کیلئے پاکستان کا جارح قرار دینا شروع کیا۔ یہ عاجز بار بار گزارش کر چکا ہے کہ ہر ہندو "چانکیا" ہے۔ اس کی کتاب جواہر لعل نہرو کے سرہانے کے نیچے رہتی تھی اور ہمارے کئی بھولے بسرے دانشور، نہرو کو بڑا لبرل انسان قرار دیتے ہیں۔ ہندوؤں کے بارے ان کے اپنے شاعر تلسی داس کے لفظ موزوں ہیں "کہ دغا باز کی بات بات میں گھات ہے۔ جیسے کیلے کے پات پات میں پات ہے"۔ اس مقدمہ کے لفظ لفظ سے شرارت، اور بے ایمانی ٹپکتی ہے۔ کہ کشمیر کا ذکر ہی بعد میں کیا اور ہمارے مجاہدین کی کاروائی کو بھارتی سرحد کے اندر حملہ قرار دیا۔ یہ تو ذکر ہی نہیں کہ ریاست کے لوگ ظالم مہاراجہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ کہ مہاراجہ نے

وہ اصول توڑ دیا یا اس سے تڑوایا گیا۔ جس کے تحت برصغیر کی تقسیم ہوئی تھی۔ آگے بھارت
والے گیدڑ بھبکی بھی دیتے ہیں۔ اور خدا کرتا وہ ایسے کرتے کہ اس زمانے میں ہمارے اندر کچھ
ایمان باقی تھا۔ لیکن سب سے بڑی شرارت یہ تھی کہ ہمیں چار گروہوں میں بانٹ دیا۔ کہ اول
حکومت پاکستان جس کو اب بین الاقوامی طور پر بھی "بے بس تماشائی" کی حیثیت دے دی گئی
اور اگر ایسا نہیں تو وہ چوروں اور ڈاکوؤں کا رسہ گیر ہے۔ دوم ہمارے سرکاری اور سولین
نوکروں میں کچھ "منہ زور" لوگوں کو پاکستان "لگام" دے۔ سوم۔ پاکستان اپنے شہریوں کو
امن پسند بنائے کہ وہ "شر پسندی" پر اتر آئے ہیں۔ اور چہارم حملہ آور یا قبائلی مجاہدین۔ کہ وہ
پاکستان کے "شہری" بھی نہیں ہیں اور وہ آزاد ہیں۔ یہ باتیں یاد کرکے اپنی بے حسی۔ نالائقی
اور بے غیرتی پر رونا آتا ہے (۵)۔ کہ اسی سازش کے تحت مولانا مودودی نے بھی ہمیں گروہوں
میں بانٹ دیا۔

ہمارا جوابی دعویٰ اصلی بات تو یہ تھی، کہ ہم جہاد بھی بھرپور طور پر جاری رکھتے اور
بین الاقوامی ضرورت کے تحت ہمیں اکتوبر ۱۹۴۷ء میں مقدمہ کشمیر، کو خود اقوام متحدہ میں لے
جانا چاہیے تھا۔ اور وہ غلطی ہوگئی تھی۔ تو جوابی دعویٰ میں سیدھی بات کرتے کہ کشمیر
مسلمانوں کا علاقہ ہے اور وہ پاکستان کو ملنا چاہیے۔ بھارت غاصب ہے۔ ہماری کمزوری کا فائدہ
اٹھا رہا ہے۔ ہم اپنی مسلمان رعایا کو ہرگز نہیں روک سکتے کہ وہ کشمیر کے مسلمانوں کی مدد کو
نہ جائیں۔ اور اپنی سالمیت کیلئے شاید ہمیں اپنی فوج کو بھی استعمال کرنا پڑے۔ قارئین میری
ان باتوں کو لال بجھکڑ کے تجویزیں نہ کہنا۔ بعد میں ہم نے ایسے کیا اور ایسے کہا لیکن غلط وقت پر
اور بھونڈے طریقے سے۔ اس زمانے میں ہم نے جوابی دعویٰ کے طور پر بڑے بھونڈے طریقہ
سے اور مہمل قسم کے یا فضول قسم کے تین الگ الگ مسودے پیش کئے۔ اول مسودے میں
کہا کہ پاکستان نے قبائلی مجاہدین کی کشمیر میں داخل ہونے کی حوصلہ شکنی کی تھی اور اب بھی
کرتا رہے گا۔ دوم بھارت پر جواباً الزام لگایا کہ بھارت والوں نے اپنے ملک میں مسلمان آبادی
کیلئے جینا حرام کردیا ہے۔ اور بیچ میں جوناگڑھ، منگرول اور مناوادر کے معاملات کو لایا گیا۔ کہ
وہاں کے حکمرانوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تھا۔ اور بھارت نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔
اور وہاں قبضہ کرلیا ہے۔ اب سیدھی بات تھی اور کہتے کہ ہم کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق کو

تسلیم نہیں کرتے۔ اور جب بھی ہمیں قوت حاصل ہوئی۔ ہم بھارتی غاصبوں کو کشمیر سے باہر
پھینک دیں گے۔ لیکن ایک تیسرا لمباچوڑا مہمل اور فضول باتوں سے بھرا ہوا مسودہ بھی اقوام۔
متحدہ میں پیش کردیا۔ کہ ریاست کشمیر کا ہمارے ساتھ معاہدہ سٹینڈ سٹل تھا، تو یہ الحاق بھی
ناجائز ہے اور بھارت کا وہاں فوج بھیجنا بھی ناجائز ہے۔ اور بھارتیوں کے تحت رائے شماری میں
انصاف نہیں ہوسکتا اور الزام لگایا، کہ بھارت نے ہمارا فوجی سامان روک رکھا ہے۔ اور اقوام۔
متحدہ کو گزارش کی کہ وہ ایک کمیشن مقرر کرے جو دونوں طرفین کے الزامات کی چھان بین
کرے، کشمیر میں جنگ بندی ہو۔ اور تمام باہر کے فوجی کشمیر سے نکالے جائیں۔ اور اقوام متحدہ
کے تحت کشمیر میں رائے شماری کرائی جائے۔ یعنی سب کچھ گڈمڈ کردیا۔

حیلہ فرنگی انگریز نمائندہ مسٹر فلپ نیول بیکر (۶) نے بھی اقوام متحدہ میں کہہ دیا کہ کشمیر
کا مسئلہ بھارت اور پاکستان کے درمیان حل طلب ہے۔ اور اس کا حل صرف یہ ہے کہ اقوام۔
متحدہ کے تحت رائے شماری ہو۔ اور بھارتی فوج کو وہاں سے نکلنا ہوگا۔ اور کشمیر کیلئے انتظامیہ
بھی شیخ عبداللہ کی بجائے کوئی غیر جانبدار ہو۔ یہ خبر پاکستان پہنچی تو ہمارے دانشوروں نے
خوب بغلیں بجائیں۔ ظفراللہ قادیانی پہلے ہمارے وفد کا صرف سربراہ تھا۔ اور امریکہ میں ہمارے
سفیر مسٹر اصفہانی اور چودھری محمد علی اس کے نائب اور مددگار تھے۔ یہاں جو ظفراللہ کو خراج
تحسین پیش ہوا۔ تو اس کو ہماری حکومت کا ایک وزیر بنا دیا گیا۔ اور وزارت خارجہ کا قلمدان
اس کو دے دیا۔ اور جہاد میں جمود کی تیاری شروع ہوگئی کہ ہر محاذ پر حکم دیا گیا کہ کوئی
جارحانہ کارروائی نہ ہوگی۔ تو انگریزوں نے دو مقاصد حاصل کرلئے۔ اپنے پروردہ ظفراللہ قادیانی
کو پاکستان کا وزیر خارجہ بنوالیا۔ جس نے غیر ملکوں میں ہمارے تمام سفارت خانوں کو
قادیانیوں اور بے دین لوگوں سے بھر دیا۔ اور کرنل سلطان علی شاہ (۷) کے مطابق، ۱۹۵۸ء
میں جب وہ لندن گیا تو اس نے دیکھا کہ پاکستان ہائی کمیشن کی مسجد میں تمام مسلمان انتظار کر
رہے ہوتے تھے کہ جمعہ کے دن، قادیانی کی ووکنگ مسجد سے ایک قادیانی نے آنا ہوتا تھا، جو
وہاں آکر نماز پڑھاتا تھا۔ ادھر اللہ اور رسولؐ کے نام پر بنائے گئے ملک میں ۱۹۵۳ء تک کسی کو
ہمت نہ ہوئی کہ وہ قادیانیوں کے خلاف ایک لفظ منہ سے نکالے۔ اور جب ایسے کیا تو تین ہزار
مسلمان شہید ہوئے (۸)۔ جو بات اب تک قوم سے پوشیدہ ہے۔ اس کے بعد پہلے قادیانی

جسٹس منیر کی انکوائری سے جو اسلام کو پاش پاش کرایا گیا، وہ ہماری تاریخ کا اندھیرا گوشہ ہے اور قادیانی اور چھپے قادیانی اب تک ہمارے معاشرے پر چھائے ہوئے ہیں، کہ ۱۹۷۳ء میں ہم "احمدیت" کو ایک اقلیت اور مذہبی گروہ تسلیم کر چکے ہیں، کہ ان کو کھلی چھٹی ہے کہ ہمارے اندر سے روح محمدی نکال کر وہ لوگ نظریہ جہاد کو پاش پاش کر رہے ہیں اور ہمیں بے غیرت بنا دیا ہے۔ یہ عاجز اس مسئلے کو ۱۹۸۹ء میں شرعی عدالت میں لے گیا[9] جہاں ایک مہمل فیصلہ ہوا اور پھر یہ معاملہ سپریم کورٹ میں بھی گیا۔ جہاں پھر بھی ادھورا[10] فیصلہ ہوا۔ بہر حال حیلہ فرنگی کے تحت انگریزوں کا دوسرا مقصد ہمیں جہاد سے دور رکھنا تھا۔ تو اس کی بنیاد رکھ دی گئی اور آگے چھبیسویں باب میں واضح ہو جائے گا کہ کشمیر کے پاکیزہ جہاد کے عمل کی باگ ڈور ہم نے اپنے انگریز جنرلوں کے ہاتھ میں دے دی۔ اور انہوں نے اپنی عیارانہ چالوں سے ہمیں تگڑم ناچ نچایا۔ سنتے ہیں کہ اس زمانے میں جواہر لعل نہرو نے انگریز وزیر اعظم اٹیلی کے ساتھ رابطہ پیدا کر کے نیول بیکر کے بیان پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ باتیں ہمیں بے وقوف بنانے کیلئے پھیلائی جاتی ہیں۔ جیسے آجکل بھی برطانوی پارلیمنٹ کے ممبر آکر کشمیریوں کے "دکھ" میں شریک ہونے کا اعلان کر جاتے ہیں۔ کاش ہماری بھولی بسری قوم حیلہ فرنگی کو سمجھ سکتی کہ وہ ہمارے دشمن نمبر ون ہیں۔ اور عملی طور پر ان لوگوں نے آج تک ایک دھیلے کی ہماری مدد نہیں کی۔

لاحصل مشق پس اقوام متحدہ نے ایجنڈا میں کشمیر کے مسئلہ کی بجائے اس جھگڑے کو "انڈیا۔ پاکستان مسئلہ" کا نام دے دیا تو ہم پھولے نہ سمائے کہ بھارت نے تبدیلی کی مخالفت برائے مخالفت کی تھی۔ لیکن اس سے نقصان ہمارا ہوا۔ پہلے کشمیر کو ثانوی حیثیت ملی اور بعد میں وہ بھی "صفر" ہو کر رہ گئی۔ شیخ عبداللہ پہلے مہاجن کے ماتحت انتظامی امور کا سربراہ تھا۔ اس کو بھارتیوں نے وزیر اعظم کشمیر بنا کر اس سے اقوام متحدہ میں ایک تقریر کروا ڈالی۔ ہمارا ظفر اللہ، سردار ابراہیم کو ساتھ لے گیا تھا، لیکن اس کو کسی جگہ بین الاقوامی طور پر کوئی حیثیت نہ دلوا سکا یا جان بوجھ کر نہ دلوائی۔ کیا فائدہ آزاد کشمیر کی حکومت بنانے کا جس کو آج تک دنیا کے کسی ملک نے تسلیم نہیں کیا۔ تو الحاق پاکستان حکومت ہی ہماری ضرورت تھی لیکن ہماری قوم کی یہ حالت ہے کہ بھارتی گھاگ نمائندہ گوپال سوامی آئینگر[11] نے فروری ۱۹۴۸ء میں جب

بحث میں التوا کی درخواست کی کہ وہ بھارت جا کر اپنی حکومت سے مشورہ کرے گا، تو ہمارے اخباروں نے سرخیاں لگائیں کہ بھارتی نمائندہ ہمارے "شیر" ظفر اللہ کے مقابلے سے بھاگ گیا۔ اور چھپے قادیانی یوسف صراف جیسے لوگ ۱۹۷۹ء میں لکھی ہوئی اپنی کتاب میں ظفر اللہ کی کارکردگی کو خراج تحسین پیش کر رہے ہیں[12]۔ اور تصویر کا صحیح رخ قارئین کے سامنے بعد میں آئے گا۔ بہر حال سارا نتیجہ یہ نکلا کہ اقوام متحدہ نے مارچ ۱۹۴۸ء میں اپنی میٹنگ نمبر ۲۳۰ میں تین ممبروں کا ایک کمیشن بنایا۔ اور پھر اس کی تعداد پانچ کر دی اور ان لوگوں نے برصغیر میں پہنچنے پر چار ماہ لگا دیئے۔ اور جولائی ۱۹۴۸ء میں جب برصغیر پہنچے تو بھارت کشمیر میں جو کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا، اس کے نزدیک پہنچنے والا تھا۔ اور باقی سب کچھ حاصل کرنے کے لئے بھارت نے مندرجہ ذیل مطالبات پیش کر دیئے[13]۔

ا۔ جنگ ضرور ختم ہو۔ اور قبائلی و پاکستانی[14] باشندے ہر حالت میں کشمیر سے نکل جائیں۔

ب۔ جب امن بحال ہو جائے اور ریاست کی حفاظت یقینی ہو جائے تب مہاجرین واپس آسکتے ہیں۔

پ۔ بھارت کو جب کشمیر کے اندرونی اور بیرونی دفاع کی تسلی ہو جائے، تو وہ وہاں اپنی فوجوں کے کم کرنے کی[15] "پیش کش" کرے گا، اور شیخ عبداللہ کشمیر کا وزیر اعظم ہو گا۔

ت۔ ثالثی کمیشن کشمیر میں پہنچ کر فوجی مہمات ختم کرائے اور فائر بندی کی نگرانی کرے۔

ٹ۔ شیخ عبداللہ کے انتظام کے نیچے ایک صوبائی اسمبلی تشکیل ہو گی، اور انتخابات کے بعد، قومی یا اکثریت والوں کی حکومت ہو گی۔

ث۔ یہی حکومت اقوام متحدہ کے مشورہ سے رائے شماری کرائے گی اور ریاست کیلئے قانون بنائے گی۔

پاکستان کا جواب بھارت کی تجویز پر تبصرہ کر کے اپنا سر پیٹنا ہے کہ پرنالہ ادھر ہی ہو گا۔ پاکستان نے صرف یہ کہا کہ ان کو بھارتی مطالبات منظور نہیں۔ کہ ان کے مطابق درمیانہ عرصہ کیلئے ایک غیر جانبدار حکومت ہو۔ اور سب فوجیں کشمیر سے نکل جائیں، تمام مہاجرین اپنے گھروں کو واپس جائیں اور غیر جانبداری کے ساتھ رائے شماری ہو۔

اقوام متحدہ جب کچھ فیصلہ ہونے لگا تو انگریز نمائندہ مسٹر نیول بیکر بھی اپنی تقریر بھول

گیا۔ انگریز تو بھارت کو بھی "کامن ویلتھ" میں چاہتے تھے۔ اور گورنر جنرل کے بجائے ملک کے سربراہ کو بے شک صدر بنالیا جائے۔ ان انگریزوں نے تو بٹوارے کے وقت مسلم اکثریت کے علاقے بھارت کو دے دیئے۔ وہ اقوام متحدہ میں ہمارے ساتھ خاک انصاف کراتے۔ اس سلسلہ میں اقوام متحدہ کو مہمل قرارداد کو کتاب میں دہرانا ضروری ہے :۔

ا۔ ریاست جموں و کشمیر کا الحاق بھارت یا پاکستان کے ساتھ آزاد اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کے ذریعہ سے ہوگا۔

ب۔ پاکستان تمام قبائلیوں اور اپنے شہریوں کو کشمیر سے نکالنے کا یقین دلائے گا۔

پ۔ اور جب کمیشن کو شق ب کے عمل پر تسلی ہوجائے، تو تب بھارتی حکومت کمیشن کے ساتھ مشورہ کرکے کچھ فوج کو کشمیر سے نکالے گی اور اتنی تعداد وہاں رکھے گی جس کی انتظامیہ کو امن قائم رکھنے کیلئے ضرورت ہو۔

ت۔ قانون اور امن کے نفاذ کیلئے ہر ضلع کے آدمی بھرتی کئے جائیں گے۔

ٹ۔ بڑی سیاسی پارٹیاں وزارتی سطح پر رائے شماری کے وقت شامل ہوسکتی ہیں۔

ث۔ انتظامیہ سیکرٹری جنرل کے نمائندہ کی سربراہی میں رائے شماری کرائے گی۔

ج۔ تقریر۔ پریس۔ حرکت یعنی کسی جگہ دخول وغیرہ سب چیزوں کی آزادی ہوگی۔

ح۔ وہ بھارتی جو پہلے کشمیر میں رہتے تھے ان کو چھوڑ کر باقیوں کو وہاں سے نکلنا ہوگا۔

خ۔ جو کشمیری گڑبڑ کیوجہ سے باہر چلے گئے ان کو واپس آنے کی دعوت دی جائے گی۔

د۔ کمیشن فیصلہ کرے گا کہ کیا رائے شماری آزادانہ اور غیر جانبدارانہ تھی۔

تبصرہ یہ رہنما اصول تھے۔ اور اتنے مہمل کے سوائے فائر بندی کے جو اس وقت کی گئی کہ بھارت جو کچھ باقی حاصل کرنا چاہتا تھا، اس نے وہ کچھ بھی حاصل کرلیا۔ اور وہ تفصیل آخری ابواب میں ہے۔ صرف قائد اعظم کی وفات کا انتظار تھی۔ اور اس کے چوتھے دن ظفر اللہ کی "خدمات" کیوجہ سے لیاقت علی کے حکم پر پنجاب کے وزیر مال میاں ممتاز دولتانہ نے ربوہ کی زمین قادیانیوں کو چند کوڑیوں کے بھاؤ پر پکے طور پر دے دی [16]۔

قائد اعظم اور ظفر اللہ ظفر اللہ نے جس بری طرح ہماری وکالت کی، وہ کچھ قائد اعظم کے پاس بہت بعد میں پہنچا کہ ایک دیانتدار وکیل ہوتے ہوئے وہ سوچ بھی نہ سکتے

تھے کہ وکیل اپنے موکلوں کے ساتھ اتنی بے ایمانی کرے گا۔ جب ہاشم گزدر کا انکشاف جس کی تفصیل آگے آتی ہے، وہ ان کے سامنے آیا تو انہوں نے راجہ آف محمود آباد کو بتایا کہ انہوں نے حکومت کو قادیانی وزیر خارجہ کی کارکردگی پر کڑی نگاہ رکھنے کو کہا ہے کہ اس کی وفاداری مشکوک نظر آتی ہے [17]۔ لیکن افسوس قائد کی زندگی میں چھان بین نہ ہوسکی۔ اور قائد خود کے ساتھ کیا ہوا۔ قارئین ان باتوں کا انتظار کریں۔ جب علماء نے ۱۹۵۲۔۵۳ء میں ظفر اللہ کے خلاف بیان دینے شروع کئے کہ اس کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے۔ تو ظفر اللہ نے کہا کہ جس دن اس کو وزارت سے ہٹایا گیا۔ اس کے بعد وہ ایک دن بھی پاکستان میں نہ ٹھہرے گا [18]۔ لیکن جتنے دن اس نے رہنا تھا، ۱۹۵۴ء تک وہ ڈنکے کی چوٹ کے ساتھ پاکستان میں رہا۔ پھر بین الاقوامی عدالت کا جج بن گیا۔ اور کھلم کھلا مانتا تھا کہ ان کی جماعت کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات ہیں [19]

قائد اعظم کے ساتھ اس کو دلی نفرت بھی تھی کہ ان کے جنازہ میں نہ شرکت کرکے اس بات کو اس نے خود اچھالا۔ ورنہ یہ کچھ وہ خاموشی سے بھی اور مصلحت سے بھی کرسکتا تھا۔ بلکہ اپنی شرکت نہ کرنے کے دو معنی ہم تک پہنچائے جن میں ہمارے لئے عبرت ہے۔ اس نے کہا "کہ اس کو کافر حکومت کا مسلمان وزیر کہہ لو۔ یا مسلمان حکومت کا کافر وزیر"۔

ہاشم گزدر کا انکشاف ہاشم گزدر تحریک پاکستان کی صف اول میں تھے۔ صوبہ سندھ مسلم لیگ کے نائب صدر۔ اسمبلی کے سپیکر اور وزیر اور دستور ساز اسمبلی کے ممبر وغیرہ بھی رہے۔ ۲جون ۱۹۴۸ء کو کراچی میں مسلم پارٹیز کنونشن میں ان کی ایک تقریر کے چند اقتباسات یہ ہیں [20]۔

"جن دنوں چودھری ظفر اللہ کشمیر کا مقدمہ پیش کرنے کیلئے لیک سیکسیں گئے تھے میں بھی وہاں تھا۔ وہاں لابی میں مشہور تھا کہ سر ظفر اللہ وہی کچھ کرتا ہے جو بھارت چاہتا ہے۔ میں نے تمام باتوں سے حکومت پاکستان کو مطلع کیا۔ اس کے بعد میں کئی اور ملکوں میں گیا تو دیکھا کہ ہمارے سفارت خانے مرزائیت کی تبلیغ کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ ظفر اللہ کے انگریزوں اور ہندوؤں کے ساتھ گہرے مراسم ہیں اور وہ پاکستان کی نسبت اپنے امام مرزا بشیر کا زیادہ وفادار ہے۔ اور میرے کئی جاننے والے محض دنیاوی فوائد حاصل کرنے کیلئے قادیانی ہوگئے ہیں

اور ایسے لوگوں میں سے ستر فی صدی ہمارے ملک کی کلیدی آسامیوں پر فائز ہیں"۔

جلال بابا ایبٹ آباد کے ایک مخلص، تحریک پاکستان کے رہنما جو کچھ دن مرکزی وزیر بھی رہے، انہوں نے ۱۹۵۲ء میں ایبٹ آباد میں ایک تقریر میں کہا[۲۱] "پاکستان کے پانچ سالہ تاریخ میں ہم نے جو کام ظفر اللہ کے سپرد کیا اس میں ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا"۔

سازش جاری ہے ظفر اللہ ہو یا باقی بے دین اور ابن الوقت لوگ۔ یہ سب انگریزوں کی پیداوار ہیں۔ اور جاتے جاتے انگریز ان لوگوں کو ہم پر مسلط کر گئے ہیں۔ ہمارے ہاں اگر کسی نے اسلامی غیرتمندی کا مظاہرہ کیا یا انگریزوں کی ڈگڈگی پر ناچنے کو نہ تیار ہوا اور کامن ویلتھ کلب کی "ممبری" منظور نہ کی تو اس کا وہی حشر ہوا جو اکبر خان طارق کا ہوا۔ اور اگلے باب میں ہم اس پر پہلے وار کی کہانی بیان کریں گے۔

حوالہ جات

(۱) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۰۴ اور ۱۰۵ ۔ (۲) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۸۹ ۔ (۳) ۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۱۰۴۵ اور ۱۰۴۶ ۔ (۴) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۷۳ ۔ (۵) ۔ اور اب بھی یہی حالات ہیں ۔ (۶) ۔ سکیورٹی کونسل اوفیشل ریکارڈ نمبر ۲۴۳ آف ۱۹۴۸ ۔ (۷) ۔ شامت اعمال ما، صفحہ ۲۱۸ ۔ (۸) ۔ روزنامہ مسلم ۵ مارچ ۱۹۹۱ء ۔ مولانا عبدالستار خان نیازی کا بیان ۔ اور کتاب "قادیانی امت" کے مصنف رائے محمد کمال کے مطابق اس کے صفحہ ۳۵ پر درج ہے کہ دس سے تیس ہزار مسلمان شہید ہوئے ۔ (۹) ۔ پنڈورا باکس صفحہ ۸۵ اور ۸۶ ۔ (۱۰) ۔ ایضاً صفحہ ۱۱۴ اور ۱۱۵ ۔ (۱۱) ۔ پانچویں اور آٹھویں باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ کشمیر کا وزیراعظم اور بعد میں بھارتی دفاعی کمیٹی کا ممبر بنا ۔ (۱۲) ۔ کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۱۰۵۷ ۔ (۱۳) ۔ ایضاً، صفحہ ۱۰۵۲ ۔ (۱۴) ۔ یعنی قبائلی لوگ پاکستان کے باشندے نہیں ۔ (۱۵) ۔ چانکیہ کے پیروکاروں کے الفاظ پر دھیان دیں کہ کوئی بات پکے طور پر نہیں مانتے ۔ (۱۶) ۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۸ء کو موجودہ ربوہ (پرانا گاؤں ڈگیاں) کی ۱۰۳۳ ایکڑ سات کنال آٹھ مرلے زمین ایک آنہ فی مرلہ کے حساب سے کل ۱۰۳۳۹ روپے میں قادیانیوں کو فروخت کی ۔ (۱۷) ۔ ہفت روزہ ختم نبوت ۶ تا ۱۲ فروری ۱۹۸۷ء ۔ (۱۸) ۔ روزنامہ زمیندار لاہور ۱۲ اگست ۱۹۵۲ ۔ (۱۹) ۔ روزنامہ جنگ لاہور ۱۷ دسمبر ۱۹۸۷ ۔ (۲۰) ۔ ہفت روزہ لولاک فیصل آباد نے ۱۹ جون ۱۹۸۷ء کو کراچی کے اخباروں کے حوالے سے دوبارہ یہ کچھ شائع کیا ۔ (۲۱) ۔ روزنامہ آزاد ۳۰ جون ۱۹۵۲۔

چھبیسواں باب

اکبر خان کی تبدیلی اور اس کے اثرات

(انگریز جنرلوں کی عیارانہ چالیں)

تانے بانے کشمیر کے جہاد کے سلسلہ میں ہر محاذ کی کہانی تقریباً جنوری کے آخری ہفتہ اور فروری ۱۹۴۸ء کے شروع تک بیان ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں اس سازش کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ کہ غاصب بھارت کشمیر کے مسئلہ کو چور اور چترا ہوتے ہوئے بھی اقوام متحدہ میں لے گیا۔ کہ وہاں پر ہمیں چوروں اور ڈاکوؤں یا شرپسندوں کا "رسہ گیر" ثابت کیا جائے اور کشمیر میں جو بھارت کی غلامی کو تسلیم نہ کرے اس کو "شرپسندوں" کے زمرے میں ڈال دیا جائے۔ اور اس میں وہ آج تک کامیاب ہے، کہ مارچ ۱۹۹۴ء میں ہماری حکومت نے بھارت کا نام لئے بغیر جنیوا میں کشمیریوں کے حقوق غصب ہونے کی جو ریزولیوشن پیش کی تھی اس سے بھی ہماری حکومت تبردار ہو گئی ہے کہ بھارت نہ "غاصب" ہے۔ اور نہ کشمیریوں کے کوئی حقوق یا بنیادی حقوق ہیں۔ کہ بقول علامہ اقبال ہمارا "شیخ[۱] فتوے دے چکا ہے کہ یہ زمانہ قلم کا ہے اب تلوار نہیں کارگر" تو نتیجہ دیکھ لیں کہ جو قوم متاع تیموری کو کھو دے اس کی یہی حالت ہوتی ہے۔ کہ تقدیر کا قاضی ازل سے کمزور قوموں کے مرگ مفاجات کا فتوی دے چکا ہے۔

محدود جنگ انگریزوں نے ہمارے افسروں کو لڑائی (Battle) لڑنے یا جھڑپوں میں حصہ لینے کی تو کچھ تربیت دی، لیکن حکمت عملی یا تزویرات کے تحت جنگ (War) کرنے کی تربیت نہ دی۔ بلکہ جاتے جاتے ایک محدود اور وقتی جنگ کی طرح ڈال گئے۔ کہ فائر۔ بندی تک چند Battles لڑ لو، پھر اقوام متحدہ معاملات کو سنبھال لے گی۔ ستمبر ۱۹۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی لڑائیوں کو جنگ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ اور یہ عاجز اپنی کتاب "تاشقند کے اصلی راز" میں ثابت کر چکا ہے کہ ستمبر ۶۵ کی جنگ ایوب کو "تخت" سے ہٹانے اور ملک کو دولخت کرنے کی ایک سازش تھی، اور چند جھڑپیں کرائیں۔ لیکن معاملات مرضی کے مطابق نہ چلے تو

فائر بندی کرا دی۔ اور یہی کھیل دسمبر ۱۹۷۱ء میں کھیلا گیا۔ اور جلد "کامیابی" حاصل ہو گئی تو فائر۔
بندی کرا دی گئی۔ اس عاجز نے ۱۴ ستمبر ۱۹۷۰ کو ایوب ہال میں جنرل یحییٰ خان کو کھلے طور پر اس
سلسلہ میں تنبیہ کی [۲] اور ۵ اکتوبر ۱۹۷۰ کو لکھ کر دیا، جو مسودہ میرے پاس موجود ہے اور آگے
اس کی جھلکیاں بھی آئیں گی کہ اس میں پیش بینی تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم
نے کچھ نہ سوچا اور بے غیرتی کی زندگی گزار رہے ہیں، کہ انگریز اور باتوں کے علاوہ ہمیں فرسودہ
فرنگی نظام دفاع کی پیروی پر لگا گیا ہے اور اس وجہ سے حالات اسی بے غیرتی والے رہیں گے۔
کشمیر میں جہاد یا اسلامی نظام دفاع خود بخود ظہور پذیر ہو گیا، جس کی برکت سے ہم نے فوجی لحاظ
سے بھارت کے ساتھ توازن حاصل کر لیا۔ کہ جہاد اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظام ہے۔ اور مکمل نظام
ہے، جس کے آگے سارے کافرانہ دفاعی نظام گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔

طاقت میں توازن نفری، ہتھیاروں یا طاقت میں زیادتی یا برابری کا موازنہ جس کو
فوجی زبان میں Relative Strength کہتے ہیں، اس میں ظاہری طور پر بھارت کی طاقت
ہم سے دوگنا یا کچھ زیادہ تھی اور پچھلے ابواب میں ذکر ہو چکا ہے کہ جنرل مسروی اور ہمارا سیالکوٹ
کا برگیڈ کمانڈر ہمیں ڈرا رہے تھے، کہ ہم بھارت کے ساتھ لڑائی نہیں لڑ سکتے۔ اکبر خان طارق
ایسی سوچوں کو مذاقاً لیبروں کی لڑائی کہتے تھے [۳]۔ بہرحال اس عاجز نے اپنی ضخیم کتاب
حضور پاکؐ کے جلال و جمال میں اس پہلو کو کئی دفعہ حضور پاکؐ کی طرز جنگ یا فلسفہ جہاد کے
تحت ثابت کیا ہے کہ حکمت عملی اور تدبیرات دونوں کے تحت حضور پاکؐ یا بعد میں انؐ کے
جانشینوں نے ہمیشہ کم نفری اور کم طاقت کے ہوتے ہوئے زیادہ نفری اور زیادہ طاقت والے
دشمن کو شکست فاش دی۔ اور اس زمانے میں جہاد کی برکت سے یہی حالت برصغیر میں ظہور۔
پذیر ہو گئے۔ آزادی کے وقت بھارت کے حصہ میں تقریباً آٹھ ڈویژن فوج آئی جس میں سے دو
سے کچھ اوپر ڈویژن جنوری ۱۹۴۸ء تک کشمیر میں "پھنس" چکے تھے ایک سے کچھ زیادہ ڈویژن کے
برابر نفری بھارت کے اندرونی ذرائع کی حفاظت کیلئے درکار تھی۔ اور بھارت چار سے بھی کچھ کم
ڈویژن کی نفری، ہماری چار ڈویژن فوج کے مقابلے کیلئے لا سکتا تھا۔ تو یہ توازن ہو گیا۔ لیکن
قائداعظم نے تو ہر ضلع میں ایک نیشنل گارڈ بٹالین کھڑا کر کے ۳۶ پلٹنیں یا چار ڈویژن فوج تیار

کرا چکے تھے۔ جو خواہ نیزوں اور بھالوں سے لڑنے اور ان کی تعداد بڑھانا آسان تھا۔ اب ہمیں
بھارت پر ایسی برتری تھی کہ بھارت ہم پر حملہ نہ کر سکتا تھا۔ اور صرف ایک پلٹن اور چند توپیں
بھیج کر ہم بھارت کے نوشہرہ برگیڈ کو تہس نہس کر سکتے تھے۔ اور صرف ایک توپ بھیج کر
بھارت کے پونچھ برگیڈ سے ہتھیار ڈلوا سکتے تھے۔ اس کے بعد جموں سے سری نگر اور سری نگر سے
اوڑی ہم جہاں چاہتے، بھارتی ذرائع کو مجاہدین کے ذریعہ سے ایسا ختم کر سکتے تھے کہ بھارت
والے نہ صرف کشمیر چھوڑ دیتے بلکہ وہ حیدرآباد پر حملہ کرنے کا نام بھی نہ لیتے۔ یہ بات یاد رہے
کہ کشمیر میں بھارتی فوج Exterior Lines پر تکیہ کر رہی تھی۔ اور ہم۔ Interior
Lines سے [۴] کچھ بھی کر سکتے تھے۔ جیسے ستمبر ۶۵ میں چھمب پر حملہ کرنے والی افواج کا کچھ
حصہ بعد میں سیالکوٹ کے دفاع کیلئے بھی پہنچ گیا۔ اب قارئین اس عاجز کی اس بات کو "مجذوب
کی بڑ" [۵] نہ کہیں گے کہ قبائلی مجاہدین کو اگر مشرقی پنجاب میں داخل کر دیتے تو بھارت کیلئے
حالات اور خراب ہو جاتے، کہ سارا بھارت، خانہ جنگی کا شکار ہو جاتا۔ اور جو ستر ہزار عورتیں ہم
کفار کے پاس چھوڑ آئے۔ وہ نیزوں اور بھالوں سے لڑ کر یا ان کی پچاس لاکھ بہن بھائی بھارت کو
جلا کر خاکستر کر دیتے۔ کہ فلسفہ جہاد میں بڑی برکتیں ہیں۔

بھارتی کیا کہتے ہیں بہرحال ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر خان طارق نے جہاد کو آگے
بڑھانے کیلئے جو کچھ سوچا یا تجاویز بنائیں، وہ باتیں بھارت نواز لوگوں نے بھارت ضرور پہنچا دیں
کہ بھارتی تاریخ [۶] ہمارے ان ارادوں کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہے۔

ا۔ ایسی کارروائیاں کرنا کہ بھارتی فوج ٹکڑوں میں بٹ جائے۔ اور ان "ٹکڑوں" کو اپنے وقت
اور مرضی کے مطابق برباد کرنا۔ اور راستوں کی ایسے ناکہ بندی کرنا کہ جو بھارتی ان "ٹکڑیوں"
کو فوجی سامان پہنچا رہے ہوں ان کو راستوں پر برباد کرنا۔

ب۔ تمام ذرائع آمدورفت کے "کمزور" مقامات کی ناکہ بندی۔

ج۔ جہاں مجاہدین نہ پہنچ سکیں وہاں ایجنٹ بھیج کر مسلمانوں کو بھارت کے خلاف اٹھ کھڑا
ہونے میں مدد دینا۔

د۔ سیالکوٹ سے جموں کے علاقوں پر چھاپے مارنا۔ اور کٹھوعہ۔ جموں روڈ کی ناکہ بندی کرنا۔

تبصرہ قارئین سولھویں باب میں واپس جائیں ۔ یہ عاجز اکبر خان کی سوچ کے نیچے یہ سب کچھ لکھنے کے بعد اور اس کے بعد کے ابواب میں جہاد کے عملی نتائج بھی بیان کر چکا ہے ۔

بھارت کے خدشات بھارتی تاریخ کے [7] مطابق پاکستان کے حملہ آور مندرجہ ذیل کار وائیاں کر سکتے تھے :۔

ا ۔ مشرقی پنجاب میں چھاپے مارنے کیلئے پاکستان کے پاس تین ہزار ہتھیار بند لوگ موجود ہیں ۔ پاکستان ان لوگوں کو مشرقی پنجاب میں داخل کر کے لوٹ مار مچانے کے علاوہ منظم طریقے سے کسی مقصد کے تحت بڑے حملے بھی کرائے گا کہ مشرقی پنجاب سے کشمیر کی طرف جانے والے راستوں کی ناکہ بندی ہو ۔

ب ۔ بہاولپور کے علاقوں سے تقریباً پانچ ہزار کے قریب ہتھیار بند لوگوں سے راجپوتانہ کے ریاستی علاقوں میں چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں حملے کرائے گا کہ زمینی حالات اور ذرائع آمد و رفت وہاں سے زیادہ نفری یا بڑے حملوں کے لئے موزوں نہیں ۔

ج ۔ اور تقریباً اتنی ہی تعداد کے لشکر سندھ سے گجرات ، کاٹھیاواڑ کے علاقوں میں حملے کر سکتے ہیں ۔

د ۔ یعنی پاکستان ضرور بالضرور بہت اچھے اور منظم حملے تو مشرقی پنجاب میں کرے گا ۔ لیکن راجپوتانہ اور گجرات کاٹھیاواڑ کے علاقوں میں انحرافی حملے ہوں گے ۔ کہ بھارت والوں کو اپنی فکر پڑی رہے اور وہ زیادہ فوج کشمیر میں نہ لے جاسکیں ۔

بھارت کے دفاعی منصوبے ان سب پیش بینیوں کے تحت بھارتی تاریخ کے مطابق بھارت کے دفاعی منصوبوں کا اختصاریہ ہے ، کہ مشرقی پنجاب کے اضلاع گورداسپور ، امرتسر ، جالندھر ، ہوشیارپور اور فیروزپور کے دفاع کیلئے ایک ڈویژن فوج کے علاوہ ایک خودمختار برگیڈ ، ایک امدادی بکتربند یونٹ اور ایک اضافی توپخانہ کی میڈیم رجمنٹ کی ضرورت ہوگی ۔ ان کی مدد اور اندرونی امن کیلئے ایک برگیڈ دہلی ایریا میں ۔ دوسرا انبالہ میں ، اور تیسرا رہتک ۔ گوڑ گاؤں وغیرہ میں ہوں گے ۔ بکتربند برگیڈ میرٹھ میں ہوگا ، جس کی ایک رجمنٹ رہتک میں ہوگی ۔ ریاست پٹیالہ ، نابھہ اور فرید کوٹ کی پلٹنوں کو ان برگیڈوں میں شامل کیا جائے گا ۔ تو تب ان

کی نفری پوری ہوگی ۔ بلکہ امدادی دستے یعنی بکتربند یونٹیں ۔ توپخانہ ، انجنیئرز اور سگنلز یا سروسز کے دستے اور جگہوں سے لانا پڑیں گے تو تب مشرقی پنجاب کی فورس کی ضرورت پوری ہوگی ۔ راجپوتانہ کے دفاع کیلئے وہاں کی ریاستوں کی تمام پلٹنوں کو اجمیر برگیڈ کے ماتحت کر کے ان کو نئے ہتھیار دے کر منظم کرنا ہوگا ۔ گجرات کاٹھیاواڑ [illegible] گا ، جو ایک پلٹن احمد آباد اور دوسری راج کوٹ میں رکھیں گے اور کاٹھیاواڑ ریاست کی فوجوں کو بھی منظم کرنا ہوگا ۔

حیدر آباد کا مسئلہ بھارتی تاریخ کے [8] مطابق حیدر آباد کا مسئلہ خراب صورت اختیار کرتا جا رہا تھا ۔ گو حیدر آباد کے پاس کل چھ پلٹنوں کی فوج تھی ۔ دو ہلکی بکتربند یونٹیں ، ایک گھڑ سوار رسالہ اور ایک فیلڈ بیٹری امدادی دستے تھے ۔ اور پندرہ سو کے قریب ہتھیار بند رضاکار تھے لیکن بھارت کیلئے ضروری تھی کہ وہاں فوجی دباؤ قائم رکھنے کیلئے ایک " لاؤ لشکر " رکھے ۔ چنانچہ ایک خودمختار برگیڈ گروپ اور ایک بکتربند برگیڈ ، پونا و احمد نگر کے علاقے میں تھا ۔ دوسرا برگیڈ گروپ اور ایک ہلکی بکتربند رجمنٹ ناگپور کامٹی کے علاقہ میں ۔ تیسرا برگیڈ بنگلور کے علاقہ میں ۔ ایک پلٹن وجیاواڑا ہوائی اڈہ کے دفاع کیلئے ۔ علاوہ ازیں سکندر آباد چھاؤنی میں بھی بھارتی افواج کو کچھ کمک بھیجنے کی ضرورت تھی ۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں حیدر آباد سے ایک وفد دہلی جانے والا تھا ، کہ بھارت کے ساتھ کچھ "الحاق" یا "نیم خودمختاری" کا کوئی سمجھوتہ کرے ، تو اس زمانے میں کشمیر میں جہاد شروع ہو جانے کیوجہ سے قاسم رضوی کے مجاہد رضاکاروں نے ان کو روک لیا ۔ اور اب مہاراجہ کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کے اعلان اور بعد میں مجاہدین کی کامیابیوں کیوجہ سے قاسم رضوی کے مجاہدین نظام حیدر آباد کو مجبور کر رہے تھے کہ یا وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرے یا خودمختاری کا اعلان کرے ۔

تبصرہ قارئین چوبیسویں باب میں اور نقشہ سیزدہم میں کشمیر میں مجاہدین کی کامیابی اور ان جہاد کی برکتوں کی کہانی بھارت کی زبانی سن لینے کے بعد ثابت ہو جاتا ہے ، کہ اقوام متحدہ میں بھارت نے جو گیدڑ بھبھکی دی تھی ۔ کہ وہ پاکستان میں داخل ہو کر حملہ آوروں کے مستقروں پر حملہ کر سکتا ہے ۔ تو یہ کچھ بھارت کی زبانی ثابت ہو گیا کہ بھارت کو اپنی فکر کھائے

جارہی تھی۔ وہ ہم پر حملہ کرنے کے قابل نہ تھا۔ لیکن مجاہدین بھی اکیلے طور پر بھارت کی فوج کو کشمیر میں ختم نہ کر سکتے تھے۔ اگر ایسے ہوتا تو پھر پیشہ ور افواج کی ضرورت ختم ہو جاتی تھی۔ مجاہدین نے جو کچھ کرنا تھا وہ کر لیا، کہ بھارت کی افواج کو تتر بتر کر دیا۔ نہ وہ اس قابل تھے کہ بھارت کی کسی سخت دفاعی پوزیشن یا بڑے شہر پر قبضہ کر سکتے۔ نہ وہ بھارت کی باقاعدہ فوج کے ساتھ Pitched Battle لڑ سکتے تھے اور نہ بھارتی فوج کی کسی پیش قدمی کو روک سکتے تھے۔ اور نہ کسی دفاعی پوزیشن میں بیٹھ کر بھارت کے کسی سخت حملہ کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ محدود جنگ کی کوئی حد ہوتی ہے۔ اب اپنی پکی فوج کی مدد سے مجاہدین کی طاقت میں اضافہ کرنے کی ضرورت تھی۔ اور طرز جنگ میں تبدیلی لانے کی ضرورت تھی لیکن افسوس کہ ہم نے یہ سنہری مواقع کھو دیئے۔

انگریزوں کی عیارانہ چالیں

انگریز جنرل اب "خاموشی" سے جہاد کشمیر کی کامیابیوں کے "حصہ دار" بن گئے۔ قائداعظم ایک دیانتدار اور بین الاقوامی قانون کے ماہر کی حیثیت سے خوش تھے، کہ معاملات اقوام متحدہ میں پہنچ گئے تھے۔ وہ ایسا سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ مہاراجہ۔ کشمیر اور شیخ عبداللہ دو آدمی، کشمیر کی قسمت کا فیصلہ کر سکتے ہیں[9]۔ لیکن شاید یہ بات ان کو بھی سمجھ نہ آئی کہ یہاں شاطر میکاویلی کے پیروکار انگریز اور مکار چانکیہ کے پیروکار ہندو، مل کر برصغیر کے مسلمانوں کے فلسفہ جہاد کو عملی طور پر نیست و نابود کی دوررس سازش کے سلسلہ میں بڑے گہرے مطالعوں کے بعد بڑی بھیانک تجاویز بنا چکے ہیں۔ ہم نے جو کچھ جہاد کی طاقت سے حاصل کیا تھا یا تو فروری ۱۹۴۸ء کے پہلے ہفتہ میں فائر بندی ہو جاتی۔ یا فائر بندی تب ہوتی کہ بھارت اپنا بوریا بستر کشمیر سے باندھنے والا ہوتا۔ لیکن یہاں سازش یہ تھی کہ ہمیں لنگڑا لولا کشمیر دینا تھا۔ اس سلسلہ میں آج تک کسی کتاب میں انگریزوں، قادیانیوں، اور لیاقت علی کی نااہل[10] حکومت کے گٹھ جوڑ کی باتوں کی تفصیل نہیں ملتی۔ صرف کرنل حسن خان اپنی کتاب میں صاف طور پر کہتا ہے کہ لیاقت کی حکومت دراصل انگریز ہائی کمشنر مقیم کراچی کی حکومت تھی اور مرزائی جنرلوں اور انگریزوں کے گٹھ جوڑ سے روزانہ ایک نئی سازش جنم لیتی تھی[11] اور وہ ساری کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ کرنل حسن کہتا ہے اس وقت ہمارے

رہنما تو ایسے ویسے تھے لیکن عام مسلمان خدا کا شیر تھا اور اب ٹی وی کی عریانیوں کی نمائش سے عام مسلمان بھی مسلمان نہیں بلکہ راکھ کا ڈھیر ہے۔[12]۔ بہرحال ہمارے یہ انگریز نوکر لیاقت علی کی مدد سے قائداعظم کی کچھ تسلی دے سکے کہ بین الاقوامی طور پر فیصلہ پاکستان کے حق میں ہوگا۔ اور کشمیر میں زیادہ جارحانہ کارروائیوں سے پاکستان "بدنام" ہو جائے گا یا ہمارا مقدمہ "کمزور" ہو جائے گا اور اب فوج کشمیر کے معاملات کو خفیہ طور پر سنبھال لے اور یہ کچھ لیاقت علی نے اکبر خان طارق کو اشارتاً باور کرایا[13]۔ لیکن قائداعظم بھارتی فوج کے کشمیر میں داخلہ کے وقت نخرے اور پاجامہ انگریز جنرل مسروی کو تو یہ ذمہ داری دینے کو تیار نہ تھے کہ وہ اس دن مچھلیوں کے "شکار" کا شوق فرما رہے تھے۔ انہوں نے جنرل ٹکر کا نام دیا۔ لیکن وہ کچھ با اصول آدمی تھا وہ اتنی بے غیرتی کی حد تک نہ جاتا۔ کہ ماؤنٹ بیٹن بھی اس کو پسند نہ کرتا تھا۔ تو ہمیں جنرل ڈگلس گریسی دیا گیا۔ جو نہ صرف ماؤنٹ بیٹن کے ماتحت کام کر چکا تھا۔ بلکہ اس کا پروردہ بھی تھا۔ اور مٹی کا مادھو بن کر جتنا نقصان اس آدمی نے پاکستان کا کیا جنرل مسروی اس کے عشر عشیر برابر نقصان بھی نہ کر سکا۔ اس کا سب سے پہلا ہدف اکبر خان طارق اور کشمیر کی جنگ میں حصہ لینے والے پاکستان آرمی کے افسر تھے۔

اکبر خان کی تبدیلی

اکبر خان اپنی کتاب[14] میں لکھتا ہے کہ موسم سرما ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ آزاد کشمیر کی انتظامیہ میں بدعنوانیاں شروع ہو گئیں۔ اور کمبل یا دوسرا سامان جو لوگ مجاہدین کو بھیجتے تھے۔ وہ پنڈی کے بازاروں میں کھلے بندوں بیچا جانے لگا۔ اور انتظامیہ کے کئی لوگ یا ہیڈ کوارٹر کے فوجی افسروں نے کشمیر کی عمارتی لکڑی کی پرائیویٹ تجارت شروع کر دی۔ کرنل چراغ شاہ جن کا ذکر دسویں باب میں ہو چکا ہے انہوں نے جو خود تفتیش کی یا اس عاجز کو گلگت میں کام کرنے والے ایک بڑے افسر کی "ٹھیکیداریوں" کی خبر ہے یہ سب باتیں لکھنے سے کہانی بہت لمبی ہو جائے گی۔ اکبر خان ان سب کے خلاف کارروائی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے پاس کچھ کرنے کی "اتھارٹی" نہ تھی۔ اکبر خان نے اپنے بالا افسروں یعنی جی ایچ کیو سے اس سلسلہ میں کچھ مدد یا تعاون کی بات کی تو وہ جو کچھ مدد دے رہے تھے اس سے بھی انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا کہ ان کو حکومت پاکستان نے جو کچھ کہا تھا۔ اس کو تحریری طور پر Confirm

نہیں کیا۔اس لئے وہ کوئی مدد نہیں دے سکتے۔وہ کچھ حیران ضرور ہوا۔اور اپنی کتاب میں (۱۵)
لکھتا ہے" کہ انہی دنوں پاکستان آرمی کے ان افسروں کی مخالفت شروع ہو گئی جو رضاکارانہ طور
پر کشمیر کی جنگ میں شریک ہوئے تھے"۔یہ عاجز اس سلسلہ میں اتنا اضافہ کرے گا کہ مجھے ذاتی
طور پر اس سلسلہ میں بہت کچھ معلوم ہے کہ پندرھویں باب میں کرنل محمد اسلم ایم سی کی
مثال پیش کی گئی کہ ان کو میجر۔ کیپٹن بنا دیا گیا اور ان کی تنخواہ چودہ سو روپے کی بجائے پانچ
سو رہ گئی۔سٹاف کالج سے میجر کی بجائے کیپٹن کی سطح کی رپورٹ ملی۔اور شیر محمد جن کا ذکر
اکیسویں باب میں ہو چکا ہے اور آگے ان کا بہت ذکر آئے گا، کہ ان کو کرنل نہیں بنایا جا رہا تھا۔
اور اکبر خان رنگروٹ کے ساتھ کیا ہوا۔اور ایوب خان خود اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ ان لوگوں
کو ان کے قد کے مطابق "تراشنا" ضروری تھا۔اکبر خان اپنی کتاب میں مزید کہتا ہے۔کہ وہ زیادہ
حیران اس لئے ہوئے کہ پھر ان کی ذات کے خلاف ایک باقاعدہ مہم شروع کر دی۔جس سازش
کو وہ پوری طرح جا کر ۱۹۵۱ء میں سمجھ سکے۔جب ان کو کال کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا۔بہر حال اس
زمانے میں جب ان کو جنوری ۱۹۴۸ء کی تنخواہ کی سلپ ملی تو اس سے پچھلے تین ماہ کی کمانڈ پے
کاٹی ہوئی تھی۔کہ چند دن بعد ان کو ایک سرکاری خط ملا جس میں کہا گیا کہ وہ چھٹی لئے بغیر
نوکری سے غیر حاضر ہیں۔انہوں نے سمجھا یہ کوئی سرکاری ضرورت ہو گی۔پھر وہ بڑی سنجیدگی سے
کسی کا نام (۱۶) لئے بغیر کہتے ہیں، کہ باتوں ہی باتوں میں ان کو معلوم ہوا کہ ان سے دو جونیئر
افسروں (۱۷) کو برگیڈیر بنایا جا رہا ہے۔اور ان کا نمبر کاٹ دیا گیا ہے۔یہ کچھ ان کی برداشت سے
باہر تھا۔اور جب انہوں نے اپنے بالا حاکموں سے پوچھا تو ان کو بتایا گیا، کہ جس جگہ پر وہ کام کر
رہے ہیں اگر وہاں رہیں تو ان کو ترقی نہیں مل سکتی۔اگر برگیڈیر کا عہدہ چاہتے ہو تو کوہاٹ جا
کر برگیڈ کی کمانڈ کرو۔اکبر خان نے لیاقت علی کا انٹرویو مانگ لیا۔جس نے کہا کہ وہ قانون کے
ہاتھوں مجبور ہے۔اکبر خان کو ترقی چاہیے تو وہ کہہ دے کہ اس کو اس کام سے فارغ کر دیا جائے
اور لیاقت کے اشارے کا ذکر ہو چکا ہے کہ اکبر خان کو طریقے سے بتلا دیا گیا کہ اب یہ کام یعنی
کشمیر کے جہاد کو بری فوج خود سنبھال لے گی۔یعنی اکبر خان کو فارغ کرنے کیلئے یہ ڈرامہ کیا۔

نیا طریق کار اکبر خان کے طارق ہیڈ کوارٹر سے چلے جانے کے بعد، یہ ہیڈ کوارٹر ایک

لحاظ سے ختم ہو گیا۔البتہ طارق ہیڈ کوارٹر کے سٹاف کو ملٹری اوپریشنز کا ایک حصہ بنا دیا گیا۔
اور اکبر خان کے سب کاموں کو برگیڈیر شیر خان ڈائریکٹر ملٹری اوپریشنز نے ایک اضافی
ذمہ داری کے طور پر سنبھال لیا۔اور یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جنرل گریسی کے احکام کے تحت اس
ہیڈ کوارٹر کے تمام ترکاغذات جلوا دیئے گئے اس لئے اندرونی کہانی معلوم کرنا مشکل ہے۔اب
فیصلہ تو یہ تھا کہ کشمیر کی جنگ کو وسط فروری ۱۹۴۸ء سے جنرل گریسی کے ماتحت، انگریز جنرل
میک کے، انگریز میجر جنرل ہٹن اور برگیڈیر شیر خاں کنٹرول کریں گے۔لیکن انگریزوں کی اس
جنگ میں شمولیت کو "خفیہ" رکھا جائے گا۔انگریز افسر محاذ پر بھی نہ جائیں گے۔اور ساتویں
ڈویژن کے انگریز کمانڈر میجر جنرل لافٹس ٹاٹنھم کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ وہ اور اس کے برگیڈ
مجاہدین کو "سہارا" دیں گے، ایک برگیڈ کو جنوبی یعنی نوشہرہ محاذ پر "سہارا" دینے کی ڈیوٹی دی
گئی۔اور ایک کو شمالی محاذ یعنی وادی کشمیر میں یہ خفیہ کام سونپا گیا۔اور انگریز جنرلوں نے
حکومت پاکستان کو کہا کہ وہ ان پر بہت بڑا "احسان" کر رہے ہیں کہ پاکستان کو غیر قانونی طور
پر کشمیر کے ایک ٹکڑے پر "دانت اڑانے" کے سلسلہ میں مدد کر رہے ہیں۔اور بری فوج کو
مجاہدین کی "مدد" یا "تھپکی" کیلئے ضرور استعمال کیا جائے گا۔ہماری جاہل یا نااہل حکومت اسی
بات پر خوش ہو گئی۔لیکن اصلی سازش بہت گہری تھی۔فوج کو بھونڈے طریقے سے استعمال
کر کے اور بھارتیوں سے غلط جگہ اور غلط وقت پر پٹوا کر ہمارے دل میں جہاد کیلئے نفرت پیدا کرنا
مقصود تھا۔اور جو اچھے کشمیر کے آباد علاقے ہم ہنستے ہنستے ہوئے جہاد کے نظریہ پر عمل کر کے
بھارتیوں کے قبضہ سے چھڑا چکے تھے، وہ بھارت کو واپس دلانے مقصود تھے، کہ پتھروں اور
جنگلوں میں موجودہ ایک ہزار لمبی فائر بندی لائن پر ہمیں اس طرح بٹھانا تھا جیسے پچھلے ۴۶ سالوں
سے بیٹھے ہیں۔

جنرل گریسی کا خط اس فائر بندی لائن کا فیصلہ ہمیں جنرل گریسی نے اپنے ۲۰ اپریل
۱۹۴۸ء کے خط میں سنا دیا تھا (۱۸)۔حالانکہ اس زمانے میں ہم کشمیر کے وسیع علاقوں کو آزاد
کرا چکے تھے۔گریسی نے اس خط میں کہا "اگر پاکستان چاہتا ہے کہ تخریب کار سیاسی قوتوں کی
[illegible] اور وہ پاکستان پر نہ ٹوٹ پڑیں تو یہ لازمی ہے کہ ہندوستانی فوج کو اوڑی۔

پونچھ ۔ نوشہرہ لائن سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے " ہماری جاہل قوم اور نااہل حکومت نے اس خط پر شادیانے بجائے ۔ اقوام متحدہ میں کہا گیا کہ ہمارا غیر ملکی نوکر بھی ہمیں یہ مشورہ دے رہا ہے ۔ یہ نہ سوچا گیا کہ وہ غیر ملکی نوکر باقی کشمیر بھارت کے "حوالے" کرنے کی بات بھی دبی زبان میں کہہ گیا ہے ۔ اب ان سازشوں کو کس طرح عملی جامہ پہنایا گیا یہی کچھ اگلے ابواب میں بیان ہوگا کہ سازش کی سکیم "الفا" فیل ہو جاتی تو متبادل سکیم "بریوو" تیار ہوتی ۔

۱۲ جولائی ۱۹۹۱ء کے نیوز اخبار میں لیفٹیننٹ جنرل حبیب اللہ کا جو مضمون شائع ہوا اور اس میں شیر خان اور اکبر خان کی چپقلش کا ذکر ہے کہ کشمیر کے جہاد کو اس سے نقصان پہنچایا بریگیڈیئر قاضی شمس الحق جو کچھ لکھتا رہا ہے ۔ یہ ادھوری باتیں ہیں ان باتوں پر کتاب کے آخری ابواب میں تبصرہ ہوگا کہ جب تک تمام معاملات کو نہ سمجھا جائے ۔ ایک آدھا مشاہدہ یا سوچ قوم کو غلط ڈگر پر چلا دے گی ۔ اے رب العالمین ہمیں جہاد کے راستے پر لگا دے کہ ہمیں مومن کی فراست حاصل ہو جائے ۔

حوالہ جات

(۱) ۔ یعنی مرزا غلام کذاب قادیانی ۔ (۲) ۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۲۲۶ اور ۲۲۷ ۔ (۳) ۔ ایضاً صفحہ ۴۷ ۔ (۴) ۔ فوجی حکمت عملی یا تزویرات میں ان اصطلاحات اور ان کے ضروریات یا تقاضے بہت وسیع مضامین ہیں ۔ یہاں یہ اپنے فائدے کا مختصر ذکر کافی ہے ۔ (۵) ۔ پنڈورا باکس صفحہ ۶ ۔ (۶) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۶۶ ۔ (۷) ۔ ایضاً صفحہ ۶۸ ۔ (۸) ۔ ایضاً صفحہ ۶۹ ۔ (۹) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۲۳ ۔ (۱۰) ۔ شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۲۹۹ ۔ (۱۱) ۔ ایضاً صفحہ ۲۹۷ ۔ (۱۲) ۔ ایضاً صفحہ ۲۸۸ ۔ (۱۳) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۲۸ ۔ (۱۴) ۔ ایضاً صفحہ ۱۲۶ ۔ (۱۵) ۔ ایضاً صفحہ ۱۲۷ ۔ (۱۶) ۔ ایضاً صفحہ ۱۲ ۔ (۱۷) ۔ راقم نے اس سلسلہ میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ کرنل شاہد حامد اور کرنل ایم اے لطیف تھے جو بعد میں میجر جنرل بنے ۔ اور لیاقت ان کی ترقی گنگا جمنی ہونے کی وجہ سے کر رہا تھا ۔ (۱۸) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۳۰ اور ۱۳۱ ۔

ستائیسواں باب

شمالی علاقوں کی بھارتی کمکوں کا قلع قمع

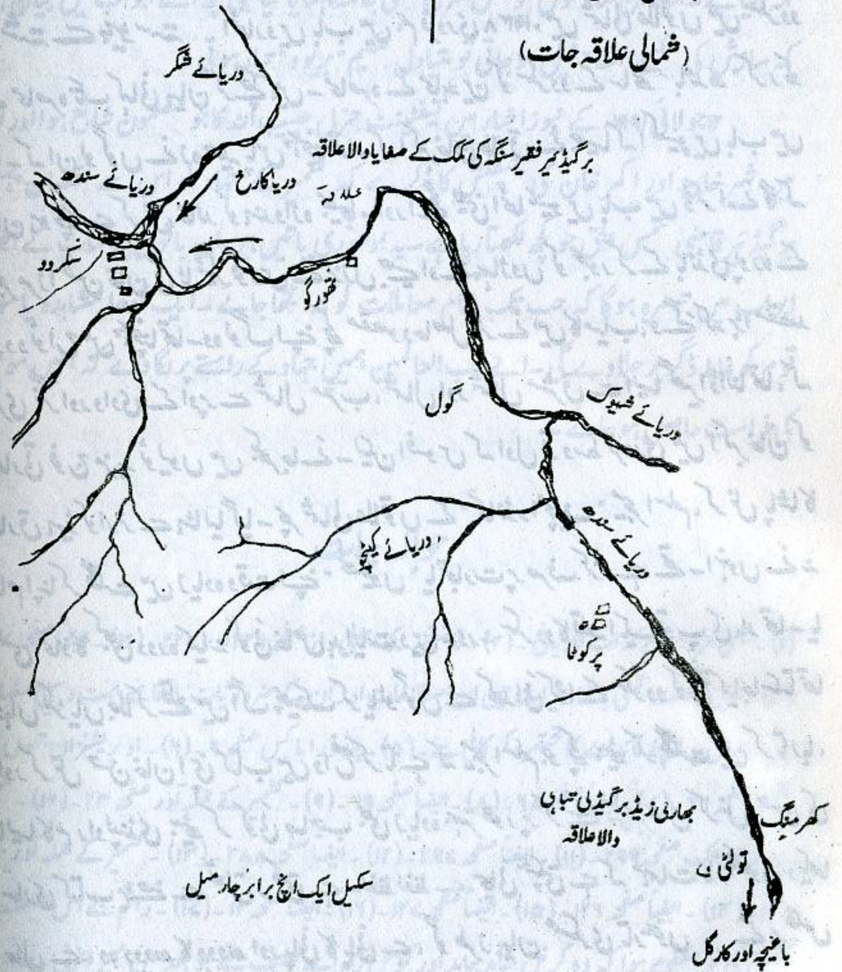
گذشتہ سے پیوستہ اٹھارویں باب میں ہم فروری ۱۹۴۸ء میں شمالی علاقوں میں سکردو کے محاصرہ تک کہانی بیان کر چکے ہیں ۔ محاصرہ نے مجاہدین کو سکردو کے ساتھ " باندھ " کر رکھ دیا ۔ کہ ان لوگوں نے زوجیلہ پاس پہنچنا تھا ۔ کہ اکبر خان طارق نے جیسا کہ اکیسویں باب میں بیان ہو چکا ہے کرنل خالد کو ہندواڑہ بھیجا ۔ اور اگلے یعنی اٹھائیسویں باب میں ذکر آئے گا کہ میجر مرزا حسن خان کی ٹائیگر فورس نے برزل جیسے اونچے پہاڑوں کو عبور کر کے بانڈی پورہ کے گردونواح میں پہنچنا تھا ۔ وہ لوگ اپنے کچھ مقصود حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ بڑا مقصد سری نگر اور وادی کے اوپر سے شمال مغرب ، شمال اور شمال مشرق سے ایسا گھیرا ڈالنا تھا ، کہ بھارتی فوج مزید ٹولیوں میں بکھر جائے ۔ لیکن افسوس کہ اول تو وسط فروری میں اکبر خان کو طارق ہیڈ کوارٹر سے ہٹا لیا گیا ۔ پھر شمالی علاقوں کے " کمانڈر انچیف " میجر اسلم ، کرنل پاشا کا نام اپنا کر گلگت میں زیادہ وقت اپنے " ٹھیکوں " یا تجارت پر صرف کر رہے تھے ۔ انہوں نے نہ کسی محاذ کا کبھی دورہ کیا نہ کوئی خاص ہدایات دیں ۔ ورنہ سکردو کا قلعہ ایک توپ کی مار تھا ۔ یا وہاں لکڑیاں جلا کر قلعے میں آگ پھینک کر یا لوگوں سے کھدائی کروا کے سکردو کو فتح کیا جا سکتا تھا اور کرنل حسن خان اپنی کتاب میں واضح کرتا ہے کہ میجر اسلم جو کچھ بیٹھ کر گلگت میں کرتا رہا ، ایسا کام راولپنڈی بیٹھ کر کوئی صاحب بھی زیادہ بہتر طور پر کر سکتے ۔ بہر حال کرنل حسن کی ساری کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے ۔ لفظ لفظ ۔ سچائی ٹپکتی ہے کہ مہمات کا آنکھوں دیکھا حال ہے ، وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہے ، گو طرز بیان عسکری تاریخوں کے برعکس افسانوی قسم کا ہے ۔

تھور گوپڑی کا چھاپہ لیکن سکردو کا محاصرہ کرنے والے چوکنے ضرور تھے ، کہ جیسا اٹھارویں باب میں بیان ہو چکا ہے ۔ انہوں نے آگے کارگل تک اپنے مخبروں کا جال بچھا رکھا تھا ۔

نقشہ چہار دہم

بھارتی کمکوں کا قلع قمع

(شمالی علاقہ جات)



قارئین نقشہ چہار دہم سے استفادہ کریں۔ کہ سکردو سے ۱۸ میل دور گول تک اپنے مجاہدین بھی پہنچ ہوئے تھے۔ اور ان کو خبر ملی کہ بھارتیوں کی کمک، نفری تقریباً ایک پلٹن، برگیڈیئر۔ فقیر سنگھ کے ماتحت کارگل سے آگے نکل چکی ہے اور دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔ فورس کمانڈر میجر احسان نے بہت اچھا سوچا، کہ سکردو کے محاصرین اور کمک کے درمیان رابطہ سے پہلے اس کمک کا قلع قمع کیا جائے۔ تو اس نے میجر محمد خان جرال اور کیپٹن نیک عالم کو تقریباً ایک سو مجاہدین کے ساتھ ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق ۱۵ مارچ کو دشمن پر گھات لگانے کیلئے تربوچنگ کے علاقے میں بھیج دیا[1]۔ چھپاؤ کیلئے یہ بڑا موزوں علاقہ تھا۔ دریائے سندھ یہاں ایک تنگ زاویہ پر اپنا رخ موڑ دیتا ہے اور اس سے پہلے ایک طرف جنوب میں تھورگو پڑی اور شمال میں شمشاک کی چٹانوں کی تنگ گھاٹی میں دریا ایک "لکیر" کی طرح نظر آتا ہے۔ تمام حالات اور واقعات میجر محمد خان نے راولپنڈی کے سیمینار[2] میں بھی بیان کئے۔ اور اس عاجز نے سرکاری کاغذات اور باقی کتابوں سے بھی تحقیق کی۔ دریا کی جنوبی سمت جس پر دشمن چل رہا تھا وہاں راستہ سے اوپر کیپٹن نیک عالم دو پنجابی پلٹونوں صوبیدار محمد حیات اور نائب صوبیدار عبدالرحمن کے ساتھ متعین تھا اور ان کی مدد کیلئے کوہی چٹانوں کو چوٹیوں پر سینکڑوں سولین مجاہدین چٹانیں اکٹھی کر کے بیٹھے تھے، جنہوں نے یہ چٹانیں اشارہ ملنے پر دشمن پر "لڑھکانی" تھیں۔ دریا کی دوسری طرف میجر محمد خان چند مجاہدوں اور تین انچ مارٹر کے ساتھ لڑائی کو کنٹرول کرنے کیلئے موجود تھا۔ اور چھپاؤ کے اگلے سرے پر حوالدار نذیر نے ایک چھپاؤ سے دو میڈیم مشین گنوں سے دشمن پر پہلا وار کرنا تھا تو پھر سب کارروائی نے شروع ہونا تھا۔

دشمن نرغے میں ہماری سرکاری تاریخ[3] کے مطابق ۱۷ مارچ ۴۸ کو دشمن دن کے ساڑھے گیارہ بجے چھپاؤ کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ تقریباً ایک پلٹن نفری کے ساتھ کارگل اور دوسائی کے علاقے کے چار سو مسلمان مزدور، فوجی سامان سے لدے ہوئے دو سو خچر یا پہاڑی ٹٹو اور کچھ گھوڑے بھی اس کالم میں تھے کہ فقیر سنگھ اور میجر کوٹس گھوڑوں پر سوار تھے۔ جب یہ لوگ چھپاؤ کے نزدیک پہنچے، تو فقیر سنگھ نے دوربین سے علاقے کا جائزہ لیا۔ سکردو بھی فضاؤں میں نظر آ رہا تھا۔ خاموش فضا سے اثر لے کر فقیر سنگھ نے کالم کو روکا اور کھانا کھانے کیلئے بیٹھ

گئے - مجاہدین کیلئے یہ بڑی صبر آزما گھڑیاں تھیں اور اللہ تعالی نے ان کو صبر دیا- فقیر سنگھ نے اب زیادہ بھروسے کے ساتھ، کہ شام تک وہ سکردو پہنچ جائے گا، چند سکاؤٹس اور رہنما آگے نکال کر کھانا کھانے کے بعد کوچ کا حکم دے دیا- حوالدار نذیر خود ایک گن پر نمبر ون کا کام کر رہا تھا- اس نے دشمن پر فائر صرف چند گز کے فاصلہ سے کھول کر آگے والے دستوں کو ڈھیر کر دیا کہ میجر محمد خان کے مطابق دشمن کیلئے یہ موت کا پیغام تھا- اس کے بعد دریا کی دوسری طرف سے مارٹر کے گولے - اور نزدیک سے پنجابی نفری کا فائر اوپر سے پتھروں کا لڑھکنا- ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق فقیر سنگھ نے صرف پندرہ منٹ لڑائی لڑی- اس کے بعد افراتفری تھی- مزدور ہوشیار نکلے - سب گڑھوں میں لیٹ گئے اور بچ گئے- صرف بھارتیوں کا ایک رہنما عبدالرحمن مارا گیا- سب ٹٹو اور ان پر لدا ہوا سامان سوائے جو ٹٹو دریا میں گر گئے مجاہدوں کے ہاتھ لگا- فقیر سنگھ زخمی حالت میں کارگل پہنچا- یہاں سے اسے سری نگر بلا کر بے عزتی سے فوج سے نکال دیا- فوجی سامان میں سے دو مشین گنیں، متعدد چھوٹے ہتھیار، ایک لاکھ راؤنڈ، تین انچ مارٹر کے ۲۶۰ بمب ہاتھ لگے - ہمارے اندازے کے مطابق بھارت کی پانچ سو نفری سے ستر یا بہتر جوان کارگل پہنچ سکے - میجر احسان نے سکردو میں بڑی حاضر دماغی [۴] کا مظاہرہ کیا- کہ سکردو کے محاصرین پر اپنی کم نفری کو ظاہر نہ ہونے دیا- اور قلعہ سے باہر نکلنے والے راستوں کی دیکھ بھال کے علاوہ وقفے کے ساتھ قلعہ پر مارٹروں اور مشین گنوں کا فائر کرواتا رہا- کہ کمک اور محاصرین میں کوئی رابطہ نہ بندھ جائے-

بھارتیوں کا بیان بھارتی تاریخ اس واقعہ پر پردہ نہیں ڈال سکتی [۵] - البتہ نفری اور نقصان بہت کم بتاتے ہیں- ٹٹوؤں اور مزدوروں کا نام نہیں لیتے - اپنی دو سو نفری سے ۲۶ آدمیوں کے مارے جانے، ۷ کے گم ہونے کا اور ۱۸ زخمیوں کا ذکر کرتے ہیں- اگر یہ بات درست مان لی جائے تو پھر بچی ہوئی ۱۵۰ نفری کا صوبیدار اسمعیل اولڈنگ تک اپنے ۳۰ آدمیوں کے ساتھ کیسے تعاقب کرتا رہا- کہ یہ لوگ کارگل پہنچ گئے- بھارتی اپنے سامان میں بھی صرف دو مشین گنوں، ۲۷ رائفلوں، ۶۴۰۰۰ روانڈوں اور ۲۰۴ تین انچ مارٹر کے بمبوں کے نقصان کا ذکر کرتے ہیں- بھارتی کمک اور سکردو کے محاصرین میں رابطہ نہ ہونے کیوجہ فقیر سنگھ کی وائرلیس کی

خرابی بتاتے ہیں- حالانکہ سری نگر سے سکردو میں کرنل تھاپا کو خبریں مل رہی تھیں کہ کمک ۱۸- مارچ تک پہنچ جائے گی- اور موسم کی خرابی کیوجہ سے ہوائی امداد بھی نہ مل سکی-

ایک اہم سبق تیرھویں باب میں بھارتیوں کی پونچھ کو کمک پہنچانے میں ناکامی کا ذکر ہو چکا ہے- اور ایک ذکر آگے آتا ہے- لیکن بھارتیوں نے سبق سیکھ لیا- اور آگے بیالیسویں اور تینتالیسویں ابواب میں ذکر ہے کہ راجوری کے ساتھ انہوں نے پونچھ کا رابطہ کیسے باندھا- عسکری تاریخ کا یہ بڑا اہم سبق اور طریقہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں انگریز، عراق میں قط العمارہ کے ساتھ رابطے میں ناکام ہوئے- لیکن دوسری جنگ عظیم میں کوہیما کے ساتھ آسام میں امفال اور دیماپور دونوں جگہوں سے رابطہ قائم کر لیا- اور اس عاجز نے عراق کے محاذ سے جناب- خالدؓ کی کمک کے ساتھ شام میں جناب ابو عبیدہؓ کے لشکر سے رابطہ کے سلسلہ میں جناب ابو- عبیدہؓ نے جس طرح جناب شرجیلؓ سے ان کی "پیشوائی" [۶] کرائی کو ایک اہم سبق کے طور بیان کیا کہ کمک کی پیشوائی ضروری ہوتی ہے-

کارروائی کے فوری نتائج اس کارروائی نے بھارتیوں کے پروگرام میں بڑا خلل ڈالا اور وہ جو کارروائی اوڑی اور ہندواڑہ محاذ پر کرنا چاہتے تھے، اس کو انہیں روکنا پڑا- اور ہمارے مجاہدین کو اللہ تعالی نے شمالی علاقہ جات میں کافی فوجی سامان مہیا کر دیا کہ وہ جہاد کو آگے بڑھائیں- لیکن برا ہو انگریزوں کی سازشوں کا، کہ انہوں نے جو سیالکوٹ محاذ پر مجاہدین پر "جھاڑو لگوا دیا- اور مرالہ سے کرنل سید غواث کو بھی ہٹوا لیا- تو اکھنور کے علاقے میں بھارتیوں نے جو "زیڈ" "بریگیڈ" کھڑا کیا تھا، اس کی صرف ایک یونٹ کو وہاں بیڑی پتن کی حفاظت پر چھوڑ کر اس بریگیڈ کو جلدی سری نگر بھیجا گیا اور وہاں سے کارگل، کہ وہ سکردو کو کمک پہنچائیں- جو کہانی ہم بھارتی تاریخ سے آگے تفصیل سے بیان کریں گے- اپنوں نے تھور گوپڑی کی کامیابی کے بعد، ایک دفعہ پھر پوری نفری کے ساتھ سکردو پر سخت حملے شروع کئے کہ اپریل کے پہلے ہفتہ [۷] میں میجر احسان کو بھارتیوں کی اس تجویز کی خبر مل گئی کہ مزید کمک- سکردو آرہی ہے- کرنل مرزا حسن خان، جن کا میں مداح ہوں، ان کے ساتھ مجھے ایک اختلاف یہ ہے کہ انہوں نے سکردو- بلتستان محاذ کی کارروائیوں کی رفتار کو مایوس کن حد تک سست کہا ہے [۸] - اور بے شک ان

خود اور ان کے ٹاسیئر فورس نے جو کامیابیاں حاصل کیں وہ بے مثال ہیں ۔ لیکن مارخور فورس بھی اتنی نکمی نہ تھی کہ کرنل حسن اس کی "پنجابی" اور "بلتی" نفری دونوں کا از خود مداح ہے ۔ اس لئے یہ عاجز کرنل حسن کی کتاب [9] ۔ اپنی سرکاری تاریخ [10] اور پنڈی سیمنار میں میجر محمد خان کے بیان [11] اور متعدد اور ذرائع سے واقعات کو جس طرح سمجھا ہے اس کو اپنی زبان میں پیش کرے گا، اور مارخور فورس کو سرکاری تاریخ میں آئی بکس کالم کہا گیا ہے ۔

اپنی تجویز میجر احسان نے اپنے پاس پکی نفری سے صرف پچاس مجاہدین رکھے اور علاقائی رضاکاروں کی مدد سے سکردو کے محاصرہ کو قائم رکھا ۔ باقی تقریباً چار پلٹونوں کی نفری کے ساتھ ۱۲ ۔ اپریل کو میجر محمد خان کو پرکوٹا کی طرف روانہ کر دیا ۔ جہاں وہ لوگ ۱۴ اپریل کو پہنچے ۔ صوبیدار اسمعیل اولڈنگ سے باغیچہ آچکا تھا ۔ میجر محمد خان نے وہاں صرف چند مخبر رکھے اور صوبیدار اسمعیل کو اپنے پاس بلا کر پوری طاقت اپنی مٹھی میں کر کے پرکوٹا کے علاقے کو دشمن کے روکنے کیلئے چنا گیا ۔ یہ جگہ سکردو سے ۴۰ میل اور کارگل سے تقریباً ۵۰ میل ہے (نقشہ چہارم دہم سے استفادہ کریں) یہاں دریا کیتچو آکر دریائے سندھ سے ملتا ہے ۔ اور کئی چھوٹے دریا یا نالے ان علاقوں میں معاون کے طور پر دریائے سندھ میں ملتے ہیں اور کئی وادیاں بناتے ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے گاؤں موجود ہیں اور یہاں سے آٹھ دس میل شمال میں دریائے شیوک بھی آکر دریائے سندھ میں مل جاتا ہے ۔ پرکوٹا اور کارگل کے درمیان دریائے سندھ کے کنارے کھرمنگ یا خرمنگ کے مقام پر دریائے سندھ ایک تنگ گھاٹی سے گزرتا ہے ، جہاں ایک رسوں والی پل بھی تھی ۔ ماروّل کا مقام بھی اسی طرف ہے جہاں آکر لہ کی طرف سے آنے والے دریائے سندھ سے دریائے کاہگل بھی آکر ملتا ہے ۔ کھرمنگ کے بالمقابل دریا کے بائیں طرف تولٹی اور باغیچہ دو بڑے گاؤں آباد ہیں ۔ ویسے ایک طرف دریائے سندھ کی وادی اور دوسری طرف دریائے شیوک کی وادی کا تقریباً سو میل لمبائی کے علاقے میں درمیانی فاصلہ کی اوسط صرف ۳۰ اور ۴۰ میل کے درمیان ہے ۔ اور دونوں کے درمیان کئی وادیاں اور گزرگاہیں بھی ہیں اور ایک درہ بھی ۔ میجر محمد خان نے دشمن کو گھات لگانے کیلئے دریا کے دونوں طرف پرکوٹا اور سرمک کے درمیانی علاقہ کو چنا ۔ جہاں مجاہدین مختلف پوسٹوں پر رات کے وقت دریا کی گزرگاہ کے

نزدیک آجاتے تھے اور دن کے وقت چھپاؤ والے چند سنتری اور مشین گن پوسٹوں والے اپنی جگہوں میں دبک کر بیٹھے رہتے تھے ۔ باقی نفری اونچائیوں پر چلی جاتی تھی ۔ جہاں پتھروں کے ڈھیر اکٹھے کئے ہوئے تھے ۔ کہ ایمونیشن بچانے کیلئے زیادہ کام پتھروں سے لیں گے ۔

دشمن کا عمل بھارتی زیڈ بریگیڈ کی پانچویں اور ساتویں لائٹ پلٹنیں کرنل سمپورن سنگھ اور اس کے سٹاف افسر میجر کوٹس کے ماتحت مارچ کے آخری ہفتہ میں کارگل پہنچ گئیں ۔ اسی دوران بھارتی ہائی کمانڈ نے لہ سے ایک کمپنی کو دریائے شیوک والے راستے سکردو کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا ۔ اور سمپورن سنگھ نے بھی یکم اپریل کو کارگل سے سکردو کی طرف پیش قدمی شروع کی ۔ لیکن بھارتی پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے ۔ وہ لوگ چند میل سفر کر کے علاقے کی تلاشی لیتے ، اور پھر آدھا سفر واپس جا کر کسی جگہ رات گزارتے ۔ ہمارے مجاہدین نے ۳ ۔ دن میں سفر کر کے جتنا فاصلہ طے کیا اور پرکوٹا پہلے پہنچ گئے ۔ بھارتیوں نے اتنا فاصلہ دو ہفتے میں طے کیا اور بعد میں ۱۹ اپریل کو وہ سرمک گاؤں کے نزدیک پہنچ سکے اور ۲۰ اپریل جب آگے پیش قدمی کی تو مجاہدین کی ایک پلٹون نے غلطی سے اپنا پوزیشن بھارتیوں پر ظاہر کر دیا ۔ اور دشمن پر گھات لگانے کی بجائے وہ اس کے چنگل میں پھنس گئی ۔ اور میجر محمد خان نے دوسری پلٹون کی مدد سے ان کو دشمن کے نرغے سے نکالا ۔ لیکن سودا مہنگا نہ رہا ۔ اپنا صرف نائک عبدالمجید شہید ہوا ۔ لیکن بھارتیوں کا شاید زیادہ نقصان ہوا ، کہ وہ لوگ ۲۰ رائفلیں اور ایک لائٹ مشین گن میدان جنگ میں چھوڑ کر پسپائی پر مجبور ہو گئے ۔

دو بدو لڑائی گھات والا معاملہ اب ختم تھا ۔ بھارتیوں کو نفری اور ہتھیاروں میں برتری تھی ۔ میجر محمد خان اب صرف زمین کے استعمال اور جذبہ جہاد سے بھارتیوں کے ساتھ کچھ توازن قائم رکھ رہے تھے ۔ لیکن بھارتیوں کو حالات معلوم ہو گئے اور انہوں نے صوبیدار جان عالم کی پلٹون کی پوزیشن پر کئی روز بار بار حملے کر کے پرکوٹا کے بالمقابل پانڈا گاؤں پر قبضہ کر لیا ۔ لیکن بہادر اور مشہور صوبیدار جان عالم جن کی بہادری کا ذکر پچھلے ابواب میں ہو چکا ہے ، اس نے ساتھ ایک متبادل اور اہم پہاڑی پوزیشن پر قبضہ رکھ کر بھارتیوں کو زیادہ پیش قدمی نہ کرنے دی ۔ میجر محمد خان اپنی کمزوری کو بھانپ چکا تھا اور سکردو سے صوبیدار دوست محمد کو کمک کے طور پر

ایک دستے کے ساتھ منگوالیا تھا، جس کو ۶ مئی کو چالیس میل لمبا چکر کاٹ کر دریائے سندھ اور
دریائے شیوک کے ملاپ والی جگہ کے راستے دشمن کے عقب پر حملہ کرادیا [۱۲] اس پر خطر چال
کے ذریعہ سے ۱۰ مئی صبح ساڑھے چار بجے دوست محمد کے مجاہدین کے سنہری عمل نے دشمن میں
ایسی افراتفری مچائی کہ انہوں نے اپنا پوزیشن چھوڑدیا۔اور میجر محمد خان نے اپنے ہم نام نائب
صوبیدار محمد خان ڈومال کو دشمن کے تعاقب میں بھیج دیا۔اب تماشا یہ بنا کہ دراصل سمپورن
سنگھ کے زیڈ برگیڈ کو تو یہ کام دیا گیا تھا کہ وہ سکردو تک کمکیں پہنچائیں اور ذرائع آمد ورفت کی
حفاظت کریں ۔ لیکن سکردو میں ایک برگیڈ نفری کی کمانڈ پانچویں لائٹ انفنٹری کے کرنل
کرپال سنگھ نے سنبھالی تھی، جو سری نگر سے بہت بعد چلا اور اس کے ساتھ ایک کمپنی حفاظت
کے طور پر تھی ۔ کرپال سنگھ کا سمپورن سنگھ کے ساتھ اور اس کی فوج کے ساتھ ملاپ ہی نہ ہو سکا کہ
وہ لوگ مجاہدین سے مقابلہ کے بعد فرار ہو چکے تھے ۔ چنانچہ کرپال سنگھ اور اس کی کمپنی اچانک
محمد خان ڈومال کے ہتھے چڑھ گئے جس میں کرپال سنگھ زخمی ہوا اور گھبرائے ہوئے اس کے
ساتھیوں نے بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا شروع کردیا۔ میجر محمد خان ایک اونچے مقام سے یہ
حالات دیکھ رہا تھا۔اس نے دریا کے بائیں طرف سے صوبیدار شیر احمد کو آگے بڑھایا۔جس نے
سمپورن سنگھ کے علاقہ میں بچے ہوئے ساتھیوں پر حملہ کر کے کئی آدمیوں کو ہلاک کردیا اور
درجن بھر ہتھیار بھی چھین لئے۔

دشمن میں افراتفری

دراصل دشمن میں اس سب افراتفری کی ایک اور وجہ بھی تھی کہ
انہی دنوں میجر مرزا حسن کے ٹائیگر اور اسکیمو فورس جس کی کہانی اگلے باب میں بیان ہوگی، وہ
لوگ ایک طرف بانڈی پورہ کے قریب اور دوسری طرف کارگل پہنچ گئے تھے، اور کرپال سنگھ تو
اپنی ایک سو نفری کے ساتھ اس گھیرے سے بچ بچاؤ کرتا، ایک ماہ کے بعد سری نگر پہنچ گیا۔
سمپورن سنگھ کی فورس نے ابھی ایک اور پھندے میں پھنس جانا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میجر۔
احسان کو بھی، میجر اسلم نے گلگت سے کچھ ایسی خبردی [۱۳] کہ وہ کیپٹن نیک عالم کو ساتھ لے
کر آگے محاذ پر آ گیا۔اور سکردو کی ذمہ داری چترال سے آئی ہوئی کمک کے حوالے کی۔ لیکن میجر۔
اسلم یعنی کرنل پاشا یا تو حالات کو بھانپ نہ سکا۔یا سستی کی ۔اس خود کو اب کارگل پہنچ کر

ٹائیگر فورس اور مارخور فورس میں بہتر رابطہ کرا کے بہت جلد سری نگر کے مضافات سے
بھارتیوں کے گرد گھیرا ڈالنے کیلئے اپنے ہیڈ کوارٹر کو دوسائی کی کسی جگہ یا گریز وغیرہ لاکر بلتستان
کی مارخور فورس سے زوردار کارروائی کرانا چاہیے تھی ۔ لیکن وہ ڈیڑھ سو میل دور گلگت میں بیٹھا
رہا۔اور صحیح و پوری خبر نہ ہونے کیوجہ سے میجر احسان بھی واپس سکردو چلا گیا۔

کھرمنگ میں دشمن کی بربادی

میجر محمد خان نے ایک انحرافی راستہ سے کیپٹن۔
نیک عالم اور صوبیدار دوست محمد کو ایک سو مجاہدین کے ساتھ ۱۸ مئی کو کھرمنگ یا خرمنگ کی
طرف بھیج دیا، کہ وہ لوگ وہاں کوئی چھپاؤ لگائیں کہ دشمن اب کارگل کے راستے کی بجائے لہ
کے راستے پسپائی اختیار کرے گا، کہ ادھر رسوں کی ایک پل کا ذکر ہو چکا ہے ۔ بھارتی دستے ایک
ایک کر کے ۲۰ مئی کی صبح سے کھرمنگ پہنچنے شروع ہو گئے اور مجاہدین نے شام چار بجے تک
چھپاؤ میں ان کا انتظار کیا۔اور جب ڈوگروں نے شام کا کھانا پکانا شروع کیا، تو مجاہدین کے فائر
کی تھرتھراہٹ سے ساری وادی گونج اٹھی۔اور ڈوگرہ کمانڈروں کے صرف یہ الفاظ سنے گئے" کہ
لوگو اب اپنی اپنی لڑائی ہے اور اپنی جان بچاؤ" پھر کیا تھا کوئی زمین پر لیٹ گیا۔ کسی نے پہاڑوں
کا رخ کیا۔البتہ ۲۰ آدمیوں کو لے کر سمپورن سنگھ بچ کر لہ پہنچ گیا۔ تقریباً تین سو بھارتی مارے
گئے ۔ اور تقریباً اتنے ہی قیدی بنے جو کمک یعنی ایک کمپنی جو لہ کی طرف سے آرہی تھی وہ بھی
واپس چلی گئی اور ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق [۱۴] ، کرپال سنگھ کی "تلاش" میں بھی کچھ
مجاہدین بھیجے گئے لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔

بھارتیوں کا بیان

بھارتی اپنی عددی برتری کے باوجود ہمارے چند مجاہدین سے مار
کھانے کی بات کو مانتے ہیں کہ انہوں نے سینکڑوں مربع میل علاقہ چند ہفتوں میں کھودیا۔
صرف اپنی نفری اور مرنے والوں کی تعداد کچھ کم کر کے بتاتے ہیں ۔ اور ہماری اخباروں میں [۱۵]
ہمارے ایک مبصر کے ۱۹۴۸ کے مضمون کی مدد سے اپنی تاریخ میں وہ سب کہانی بیان کرتے
ہیں ۔ ہمارے کمانڈروں کے مصمم ارادوں اور جوانوں کے جذبہ جہاد کو تسلیم کرتے ہوئے
بھارتی نفری کی نالائقی کو مانتے ہیں [۱۶] اور سب کہانی کو "سانحہ کارگل" کا عنوان دیتے ہیں [۱۷] ۔
وہ پانچویں اور ساتویں پلٹنوں کے جموں سے سری نگر اور آگے اپنے ۱۹۳ برگیڈ کے حکم کے تحت

کارگل تک مسافت طے کرنے میں ایک ایک گروہ کے چلنے کے اوقات سے لے کر باغیچہ تک ایک ایک کمپنی کی پیش قدمی کے معاملات کی تفصیل میں جاتے ہیں ۔ وہ ۸ اپریل کو کرنل۔ کرپال سنگھ کے بعد میں چلنے کو بھی واضح کرتے ہیں ۔ اور سمپورن سنگھ اور کرپال سنگھ کے بارے جو ذمہ داری یہ عاجز لکھ آیا ہے اس کو تسلیم کرتے ہیں ۔ لیکن ۱۷ اپریل کو جب اپنی فوج کو پرکوٹا پہنچاتے ہیں تو ساتھ کہتے ہیں کہ رات دن سفر کیوجہ سے ایسا ہوا [۱۸] ۔ اور یہ بھول جاتے ہیں کہ سترہ دنوں میں کل پچاس ساٹھ میل سفر کیا ۔ جس کی روزانہ اوسط تین یا چار میل بنتی ہے ۔ آگے موسم کی خرابی ، اور چاروں طرف سے "دشمن" کے فائر ، اور ۲۰ اپریل کے چھ آدمیوں کے مارے جانے اور نو کے زخمی ہونے کی بات کرتے ہیں ۔ سمپورن سنگھ کے بارے کہتے ہیں کہ اس نے ۲۹ اپریل تک سکردو پہنچ جانا تھا لیکن بڑی مشکل سے وہ ۲۶ اپریل تک باغیچہ پہنچ سکا ۔ آگے سمپورن سنگھ اور کرپال سنگھ میں سے کون کہاں کا کمانڈر تھا ، اور کچھ متضاد احکام کا ذکر کرتے ہیں ۔ لیکن یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے "مخالفین" کہیں دبک کر بیٹھنے کو تیار نہ تھے [۱۹] البتہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس "سانحہ" یا ناکامی کی بھارتیوں کو ہرگز سمجھ نہ لگ سکی کہ بھارتی تاریخ کے "حاشیہ" میں وہ سمپوران سنگھ اور میجر کوٹس کے بارے دو الگ الگ کہانیاں بیان کرتے ہیں [۲۰] ۔ اور کھرمنگ کی رسیوں کی پل والی جگہ جو کچھ ان کے ساتھ ہوا وہاں صرف دو سو آدمیوں کے مارے جانے کی بات تسلیم کرتے ہیں کہ سب مزدور بھاگ گئے ۔ اور یہ واقعہ ۲۲ مئی ۱۹۴۸ء کا ہے ۔ ہم نے البتہ کرنل کرپال سنگھ کے ساتھ صرف ایک سو نفری کا ذکر کیا لیکن بھارتی تاریخ والے صحیح طور پر کہتے ہیں کہ دونوں پلٹنوں کے بچے کھچے چھ سو جوان اس کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے [۲۱] ۔ اور ۱۲ مئی ۱۹۴۸ء کو اس نے پیغام دیا "چاروں طرف سے گھر چکا ہوں ۔ دشمن ہر طرف سے حملے کر رہا ہے ۔ اور حالات بڑے نازک ہیں" ایسے پیغام کئی دفعہ دینے کے بعد اس نے ہوائی امداد کی گزارش کی ۔ سری نگر کے بھارتی ڈویژن کمانڈر میجر جنرل تھمایا نے اس کی گزارش کے بارے ویسٹرن کمانڈ کو آگاہ کیا اور کہا کہ اگر ہوائی مدد نہیں مل سکتی تو سب فوجوں کو اس علاقہ سے جان بچا کر نکلنے کی اجازت دی جائے جو اجازت مل گئی ۔ اور تب انہوں نے فوجوں کو مارول کی طرف پسپائی کا حکم دیا ۔ اور سکردو والوں کو اجازت مل گئی کہ وہ جب تک

چاہیں قلعہ بند رہ سکتے ہیں ۔ لیکن یہ احکام اور کارروائی نامکمل ہے ۔ کرپال سنگھ تقریباً ڈیڑھ سو نفری کے ساتھ شگو ۔ گلتاری وغیرہ کے راستے جون ۱۹۴۸ء کے وسط میں سونامرگ اور پھر سری نگر پہنچا ۔ بہرحال باقی باتیں اگلے باب میں پڑھیں ۔

ہماری کامیابی کی وجوہات

اول تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں شکر کی عرض ہے کہ چند میجروں نے بھارتی جنرلوں کو اتنی شکست فاش دی ۔ زیادہ سہرا ٹائیگر فورس کے سر ہے جن کا ذکر اگلے باب میں ہے ۔ اور اتنا دور انگریز جنرل سازش کیلئے وہاں موجود نہ تھے ، جیسی سازشیں وہ جنوب میں کرتے تھے ۔ علاوہ ازیں مجاہدین میں زیادہ تعداد پکے فوجیوں کی تھی ۔ لیکن افسوس ہماری حکومت یا فوجی بڑوں نے اس کامیابی کے فوری ثمرات وصول کرنے کی کوشش نہ کی اور نہ دوررس نتائج کو اپنے فائدے کیلئے استعمال کیا ۔ اور بے شک میجر اسلم کا ان کامیابیوں میں کوئی حصہ نہیں ۔

حوالہ جات

(۱) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۶ ۔ (۲) ۔ محکمہ تعلقات عامہ کا سیمینار برائے جہاد کشمیر ۔ (۳) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۵ ۔ (۴) ۔ ایضاً صفحہ ۱۷ ۔ (۵) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۸۷ تا ۲۸۹ ۔ (۶) ۔ فتوحات شام و فلسطین صفحہ ۴۷ تا ۴۹ ۔ (۷) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۸ ۔ (۸) ۔ شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۲۲۵ ۔ (۹) ایضاً صفحہ ۲۲۱ تا ۲۳۴ ۔ (۱۰) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۸ تا ۲۲ ۔ (۱۱) ۔ محکمہ تعلقات عامہ کا سیمینار ۔ (۱۲) ۔ دی کشمیر کیمپین کے صفحہ ۲۰ پر جو ، چوربت والے راستے کا ذکر ہے وہ غلط بات ہے کہ اس راستے فاصلہ سو میل بنتا ہے ۔ دفتر میں بیٹھے کسی مورخ کو نقشے پر ایک درہ نظر آیا تو بغیر فاصلہ ناپے اس نے صوبیدار دوست محمد کو اس راستے پر ڈال دیا ۔ (۱۳) ۔ یہ بڑی افسوسناک بات ہے کہ میجر اسلم گلگت میں بیٹھ کر ٹائیگر فورس اور بلتستان کی مارخور فورس کی کارروائیوں کو ٹھیک Coordinate نہ کر رہا تھا ۔ (۱۴) دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۲ ۔ (۱۵) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۹۴ اور ۳۰۶ ۔ (۱۶) ۔ ایضاً صفحہ ۲۹۳ ۔ (۱۷) ۔ ایضاً صفحہ ۲۹۰ ۔ (۱۸) ۔ ایضاً صفحہ ۲۹۱ ۔ (۱۹) ۔ ایضاً صفحہ ۲۹۳ ۔ (۲۰) ۔ ایضاً صفحہ ۳۰۷ ۔ (۲۱) ۔ ایضاً صفحہ ۲۹۶

اٹھائیسواں باب

شمالی علاقوں کے مجاہدین کی بے مثال اور شاندار ضرب

کچھ وضاحتیں پچھلے باب میں بھارتی زیڈ برگیڈ کی تباہی اور شمالی علاقوں میں مجاہدین کی سینکڑوں مربع میل کی فتوحات کا سرسری ذکر تھا۔ کہ یہ سب کچھ کرنے والے ٹائیگر فورس اور اسکیمو فورس کے مجاہدین تھے۔ جن کی کارروائی کو بھارتی تاریخ والوں نے بھی Brilliant Stroke کہا اور ان کے باقی تاثرات کی جھلکیاں بھی دی جا چکی ہیں [۱]۔ لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ اپنی تاریخ میں میجر محمد اسلم خود نے ہلال جرأت حاصل کرنے کیلئے تمام تر واقعات کے بیانات کو اس طرح گول مول اور غلط طریقے پر پیش کرایا، کہ نہ جائز بہادروں کی بہادری سامنے آئی اور نہ مشکلات کو پوری طرح واضح کیا گیا [۲]۔ اپنی تاریخ میں یہ پڑھ کر حیرانگی ہوئی کہ دو صفحات اس بات پر ضائع کیے گئے، کہ میجر اسلم کو یہ کارروائی کرنا بھی چاہیے تھی یا نہیں۔ اور انہوں نے بڑا خطرہ مول لیا۔ اور بڑی کامیابیاں حاصل کیں [۳]۔ خطرہ، خاک تھا۔ کسی جگہ کا بہترین دفاع وہ ہوتا ہے جس طرح حضور پاکؐ نے باہر متحرک دستے نکال کر مدینہ منورہ کے مستقر کا دفاع کیا [۴]۔ میجر اسلم کیلئے گلگت میں کیا خطرہ تھا، جو میجر حسن مرزا متحرک ہو کر گلگت سے ڈیڑھ سو میل دور دشمن کو روکے ہوئے تھے اور اسلم نے گلگت سے ایک قدم باہر نہ نکالا۔ پھر چار سو مجاہدین کو سکردو بھیج دینے کے باوجود گلگت میں میجر اسلم کے پاس سات سو مجاہدین تھے [۵]۔ ان میں سے ایک سو اپنے پاس رکھے۔ چھ سو کو باہر بھیجنے سے کونسا خطرہ تھا۔ دراصل بات یہ ہے کہ اسلم بعد میں جنرل گریسی کا پرائیویٹ سیکرٹری بن گیا۔ اور "اسلم انسٹرکشن" کے ذریعہ سے [۶] جلد ترقیاں حاصل کر کے برگیڈیئر بن گیا۔ اور ان کا چھوٹا بھائی اصغر خان فضائی فوج میں عام عہدوں پر تھا، اور امریکن جنرل ڈیکر کی سفارش پر اس کو فضائی فوج کی سربراہی ملی [۷]۔ تو یہ خاندان بھی اس "کھیپ" میں شامل ہے جو انگریز ہم پر "مسلط" کر گئے۔ چونکہ گریسی اور انگریز نہ چاہتے تھے کہ ہم مغربی فلسفہ دفاع کو چھوڑ کر اسلامی فلسفہ دفاع

(جہاد) کو اپنائیں۔ تو اسلم نے انگریزوں کے "اشارے" پر ان عظیم کامیابیوں کے واقعات کے بیانات کو گول مول اور کچھ غلط الفاظ میں بیان کروایا۔

ایک اور بد قسمتی جس طرح کشمیر میں اور لوگوں کو جو بہادری سے اور غیرتمندی سے لڑے، اور ان کو خواہ مخواہ پنڈی سازش کے مقدمہ میں "ملوث" کر دیا۔ یعنی جنرل اکبر۔ خان طارق اور برگیڈیئر صدیقی ستی وغیرہ۔ اسی طرح شمالی علاقوں کی جنگ کے روح رواں اور اس ٹائیگر فورس کے کمانڈر کرنل مرزا حسن کو بھی اس سازش میں ملوث کر کے کال کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا۔ تو تمام واقعات کو اپنی سرکاری تاریخ میں اس غلط طریقے سے بیان کیا گیا، کہ کہیں حسن خان کی بہادری ظاہر نہ ہو جائے۔ اب اپنی سرکاری تاریخ میں لکھا ہے، میجر حسن ۴۔ اپریل کو استور سے بانڈی پورہ روانہ ہوئے [۸]۔ اور آگے صرف ایک فقرہ موجود ہے کہ حسن۔ خان کی کمپنی نے بانڈی پورہ کے علاقہ میں اپنا کام خوش اسلوبی سے نبھایا [۹]۔ اور باقی جو کامیابیاں حاصل ہوئیں ان میں حصہ سے حسن خان کو "فارغ" کر دیا۔ یہ ساری بات ہی غلط ہے۔ حسن خان کی ٹائیگر فورس تو ۳ مارچ استور پہنچی اور ۴ مارچ کو چلم چوکی کی طرف روانہ ہو گئی [۱۰] کہ بھارتی تسلیم کرتے ہیں کہ ۱۵ اپریل تک حسن خان نے استور سے تقریباً سو میل دور بانڈی پورہ میں بھارتیوں کو چکروں میں ڈالا ہوا تھا۔ میجر اسلم نہیں چاہتا تھا کہ حسن خان نے مارچ میں جس تکلیف کے ساتھ برزل پہاڑ کو پار کیا۔ وہ بات لوگوں کو معلوم ہو۔ اور زوجیلہ پر چونکہ میجر اسلم بلتستان کی مارخور کالم کو پہنچانے میں صحیح رہنمائی نہ کر سکا۔ تو سرکاری تاریخ میں یہ بھی لکھوا دیا کہ میجر حسن نے دو پلٹونیں زوجیلہ بھی بھیجا تھیں [۱۱]۔ اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے کنگن اور سونامرگ کی طرف سے بانڈی پورہ کو جو راستہ آتا ہے اس کی ناکہ بندی بھی کرنا تھی [۱۲] قارئین ذرا نقشہ پانزدہم سے استفادہ کریں کہ میجر حسن یہ سارے کام کیسے سرانجام دیتا۔

حسن خان کی کتاب حسن خان کی اپنی کتاب اس عاجز کو بہت دیر کے بعد ملی کہ میں نے اپنی تحقیق اس کی اشاعت سے ایک سال پہلے مکمل کر لی تھی۔ اور اس اختصار میں بھی تقریباً اپنی پرانی تحقیق پر قائم ہوں۔ حسن خان کی کتاب میں کافی سچی باتیں ہیں لیکن بیانات کو

افسانوی اور ادیبانہ رنگ دے دیا گیا ہے ۔ اور بے شک حسن خان کے ساتھ بڑے ظلم اور ناانصافیاں ہوئیں ۔ لیکن کتاب کے بیانات میں طنزیانہ رنگ الجھن پیدا کر دیتا ہے ۔ اور کتاب کو عسکری تاریخ کی کتاب ہرگز نہیں کہا جاسکتا ۔ یہ صرف دل کی بھڑاس کا اظہار ہے ۔ اور کتاب کے صفحہ ۲۳۶ پر کارگل پر قبضہ کے سلسلہ میں جو لکھا ہے کہ جب کرپال سنگھ اپنی کمپنی کے ساتھ سکردو کی طرف بڑھ رہا تھا تو کرنل اسلم نے بونجی میں میرے ریزور ونگ جس کی مجھے سخت ضرورت تھی کو ۴ مارچ کارگل روانہ کر دیا تو یہاں میجر حسن سے اختلاف ہوسکتا ہے ۔ کہ ہم ستائیسویں باب میں بیان کر آئے ہیں کہ کرپال سنگھ تو ۳۰ اپریل کو کارگل پہنچا ۔ اور خود مرزا حسن خان جب ۴ مارچ کو اپنے مقصود کی طرف جارہا تھا تو میجر اسلم نے اگر انہی دنوں میں بونجی میں مقیم ہمزہ ونگ کو کارگل کی طرف روانہ کر دیا تو اس کی ضرورت بھی تھی اور اس کے بڑے فائدے بھی ہوئے گو آگے اس کالم کی پوری کہانی بیان ہو رہی ہے ۔ علاوہ ازیں مرزا حسن خان نے بھی بعض جگہ اپنی ذات پر بہت زیادہ بھروسہ کر کے دوسروں کو خوب نکو بنایا ہے ۔ لیکن پھر بھی اس کی کتاب پڑھے بغیر پورے حالات سمجھ نہیں آسکتے ۔ البتہ یہ عاجز بھی اس مختصر باب میں اس عظیم الشان کاری ضرب کے ساتھ انصاف نہ کرسکے گا ۔

کاری ضرب بھارتی تاریخ[۱۳] والے ہماری ۱۹۴۸ء کی اخباروں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مجاہدین کی اس پیش قدمی کیلئے حلیم چوکی کے مقام کو چنا گیا، جہاں سے ایک، ۲۵۰ کے لشکر نے درہ برزل کو پار کر کے پہلے گریز پر قبضہ کرنا تھا ۔ اور وہاں سے تراگبل اور بانڈی پورہ کی طرف زوردار حربی مظاہرے کرنے تھے ۔ اور پھر گریز واپس آجانا تھا، جہاں سے تلیل وادی میں دو کالمیں بھیجنا تھیں ۔ جن میں سے پہلی کالم نے غنڈ کے مقام پر اور دوسری کالم نے پنڈراس کے مقام پر بھارتی ذرائع آمد و رفت میں رخنے ڈالنا تھے، کہ وہ سری نگر سے کارگل اور آگے سکردو کوئی کمک نہ بھیج سکیں ۔ تیسری اور چوتھی کالم نے حلیم چوکی سے دوسائی سطح مرتفع کے راستے وادی شگو کے راستے اکٹھے گلتاری پہنچ جانا تھا ۔ وہاں سے سو مجاہدین کی نفری کی تیسری کالم نے پر قبضہ کرنا تھا اور ۲۵۰ کی نفری کی چوتھی کالم نے شگو دریا کے ساتھ ساتھ چل کر کارگل پر قبضہ کرنا تھا ۔ اور تمام لشکروں نے آخری مقصودوں پر ۱۰ مئی ۱۹۴۸ء کو حملہ کرنا تھا ۔ تو سب کالموں نے اپنے "مارچنگ ٹیبل" یعنی پیش قدمی کے زماں و مکاں کو اپنے ڈی ڈے (مقررہ حملہ والے

دن) کے مطابق ڈھال لیا تھا ۔ اور سکردو محاذ سے جو مجاہدین پرکوٹا پہنچے ہوئے تھے اور انہوں نے بھارتی زیڈ بریگیڈ کو اس علاقے میں الجھائے رکھتا تھا ۔ پہلی کالم ۳ مئی کو اپنے مقصودوں کی طرف روانہ ہو گئی اور اس راستہ پر سونامرگ اور گنگن کے درمیان لکڑی کی بنی ہوئی پلوں کو تباہ کر کے واپس آگئی ۔ لیکن دوسری کالم ۱۰ مئی کو اپنے مقصود پنڈراس سے ۳۰ میل دور تھی ۔ اور وہاں پوری کامیابی نہ ہوئی ۔ تیسری کالم نے اپنے مقصود، دراس پر حملہ ضرور کیا ۔ لیکن ان کو کامیابی ایک ماہ بعد ہوئی (یہ ذکر بعد میں ہوگا) ۔ چوتھی کالم نے کارگل پر قبضہ کر کے اپنا مقصود اور مقاصد حاصل کر لئے ۔ اور یہی بڑی کامیابی تھی جس نے بھارتی زیڈ بریگیڈ کو پاش پاش کر دیا

تبصرہ دراصل یہ جو کچھ ہماری اخباروں میں شائع ہوا تھا ۔ میجر اسلم نے اس کو اپنی کامیابی کے طور پر شائع کرایا تھا ۔ لیکن وہ چونکہ گلگت میں بیٹھا تھا اور عملی طور پر کار روائی پر اثر انداز نہ ہوسکا، تو ہماری اخباروں نے مضمون میں کانٹ چھانٹ کر کے سارے سہرے اس کو نہ باندھے ۔ پھر اس میں کچھ غلط بیانی بھی تھی کہ پہلی اور دوسری دونوں کالمیں دراصل ایک ہی کالم تھی جس کو ہم آئندہ میجر حسن کی گریز والی فورس کہیں گے ۔ یہ لوگ گریز ہرگز واپس نہ آئے اور وہاں وہ لوگ نہ صرف سوپور تک حربی مظاہرے کر رہے تھے بلکہ اپنے دائیں بازو پر تلیل وادی میں کرنل خالد کی مدد کو بھی تیار تھے[۱۴] جن کا ذکر اب جو تنتیسویں باب میں آئے گا، کہ اپنی فوج نے ان کی بروقت مدد نہ کی ۔ میجر اسلم نے جان بوجھ کر آگے تاریخی ریکارڈ میں حسن۔ خان کو ایک "چوتھائی حصہ" کا کمانڈر بنا دیا کہ اس کی اہمیت کم ہو ۔ یا جس طرح اس کو محاذ سے ہٹا کہ سیلیکشن بورڈ میں پاکستان آرمی کا کمیشن لینے بھیج دیا جو حسن خان کے مطابق ان کو "مہنگا" پڑا[۱۵] ۔ اور ان کی غیر حاضری میں ہم نے بہت کچھ کھو دیا کہ میجر اسلم وہاں کی کمانڈ اپنے نوجوان بھائی لیفٹیننٹ انور کو دینا چاہتا تھا ۔ جو وہاں تو نہ ملی لیکن اسلم نے اس کو ۱۹۴۹ میں کرنل بنوا لیا[۱۶] ۔ یہ سب کہانیاں حسن خان کی کتاب میں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں کہ ذاتی مفاد کیلئے ہم کیا نہیں کرتے ۔ بہرحال انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر میجر اسلم آگے گریز میں، ہوتا تو ان کامیابیوں کے بڑے ثمرات مل سکتے تھے اور انہی دنوں ہمارا زوجیلہ پر آسانی سے قبضہ ہو جاتا ۔ اور جو فرنٹیر کانسٹیبلری کے لشکر یا برہان الدین کے چترالی لشکر یا خیام لشکر[۱۷] وہاں

آئے ہوئے تھے ان کو ٹھیک طور پر استعمال کیا جاتا تو نیلم وادی بھی ہمارے ہاتھ سے نہ جاتی۔ اور لہ کے علاقے پر بھی ہمارا قبضہ ہو جاتا۔ ہماری سرکاری تاریخ میں تیسری اور چوتھی کالم جس کو یہ عاجز اب دوسائی فورس کہے گا (اور حسن خان اس کو اپنا ریزرو ونگ کہتا ہے) میرے لحاظ سے میجر اسلم نے ان کو صحیح طور پر استعمال کیا اور ان کے سفر کے تمام واقعات بھی ہماری تاریخ میں موجود ہیں لیکن حسن خان اپنی فورس کے ساتھ اسی راستے مارچ کے مہینہ میں نکلا اور نہ صرف یہ ساری تکلیفات جھیلیں بلکہ آگے ترا گبل۔ بھگتور اور کنزلواں تک بہت تکالیف اٹھائیں ان کے بارے ہماری سرکاری تاریخ میں صرف ایک فقرہ ہے کہ ان کا لشکر بھی برفانی طوفانوں، اور دشوار گزار، دروں سے گزر کر اچانک ۲۸ اپریل کو بانڈی پوری کے سامنے نمودار ہو گیا حالانکہ بھارتی کہتے ہیں کہ وہ ۱۵ اپریل سے وہاں تھا۔ دراصل حسن خان نے بھارت کی اس تجویز کو بھی پاش پاش کر دیا کہ برف پگھلے گی تو وہ لوگ تراغ بل یا ترا گبل کے درہ کو عبور کر کے پہلے نیلم کی وادی میں گریز تک جائیں گے اور آگے برزل درہ کو پار کرنے کے بعد وہ برجی والے راستے سکردو کی طرف پیش قدمی کریں گے اور وادی استور سے گلگت کی طرف۔ بھارتی یہ تو سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ منجمد شمالی یا جنوبی جیسے سرد موسم میں کوئی فوج دو اونچے دروں کو پار کر کے ۱۳۰ میل لمبا سفر کر کے بانڈی پور پہنچ جائے گی۔

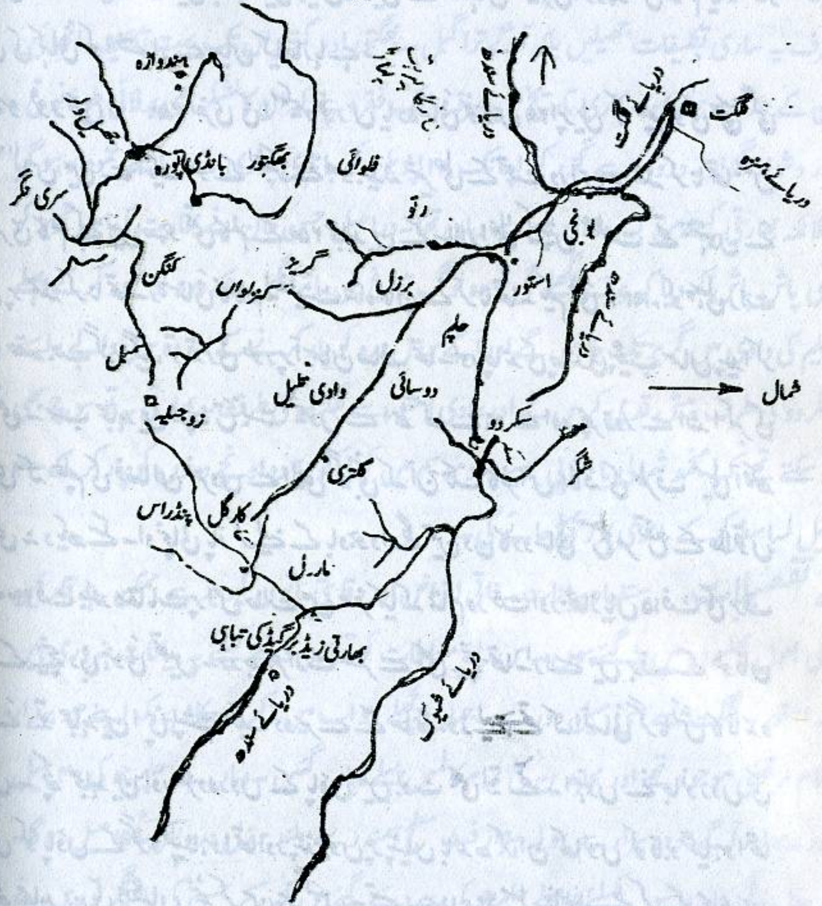
کچھ تفصیلات متضاد بیانات۔ ذاتی اغراض اور رقابتی باتوں کیوجہ سے ممکن ہے قارئین بھی بھول بھلیوں میں پڑ گئے ہوں۔ اس لئے معاملات کو توازن دینے کیلئے یہ بیانات ضروری ہیں کہ استور۔ گلگت سے اسی میل دور ہے۔ جہاں پچھلے ابواب میں ذکر ہو چکا ہے کہ اپنے صوبیدار۔ غلام مرتضیٰ موجود تھے اور مجاہدین کی تمام کالمیں پہلے وہاں گئیں۔ وہاں سے حلم چوکی ۴۰ میل دور ہے اور آگے چودہ ہزار سے سولہ ہزار فٹ سطح سمندر سے بلند برزل درہ تقریباً ۱۵ میل ہو گا۔ بہر حال اگلی کارروائیوں کیلئے فاصلے حلم چوکی سے دیئے گئے ہیں کہ میجر حسن کی ٹائیگر فورس نے بانڈی پورہ تک ۱۳۰ میل سفر کرنا تھا اور تیسری اور چوتھی کالم یا دوسائی فورس یا اسکیمو فورس نے کارگل تک ۱۱۵ میل اور دراس تک کوئی ۱۱۰ میل سفر کرنا تھا۔ انتظامی بندوبست یہ تھا کہ ہر آدمی نے اپنا کمبل اٹھانا تھا اور ساتھ سات دن کا پکا ہوا کھانا بھی اور ۱۵۰ راؤنڈ ایمونیشن بھی اٹھانا تھا۔ کچھ Sledges (برف پر چلنے والے ٹھیلے بھی ساتھ تھے، جن کو خود کھینچنا یا چلانا تھا

اور ان پر لشکر کا دس دن کا ریزرو راشن اور ایمونیشن تھا۔ اور سب نے ۱۸۵۶۶ فٹ سطح سمندر سے اونچی کاؤبل گلی کو عبور کرنا تھا۔ میجر حسن نے پہلے مرحلہ میں آگے منی مرگ اور چوروان کے راستے گریز کی طرف پیش قدمی کی اور کئی ماہ وہ طرا گبل کے علاقوں میں دشمن کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیلتا رہا اور ایک پورے بھارتی بر گیڈ کو الجھائے رکھا اور ہم اس گریز سیکٹر کی لڑائیوں کی کہانی اگلے یعنی اٹھتیسویں باب میں بیان کریں گے یہاں تیسری اور چوتھی کالم یا اسکیمو فورس کی کہانی کو اختصار سے بیان کیا جا رہا ہے۔

اسکیمو فورس ۳۵۰ نفری کی اسکیمو فورس یا دوسائی فورس ۲۹ اپریل کو حلم چوکی پہنچ گئی تھی [۱۹] اس میں سے ایک سو کے لشکر نے صوبیدار شیر علی کے تحت دراس پر حملہ کرنا تھا جس کو تیسری کالم کہتے ہیں۔ چوتھی کالم کے ۲۵۰ مجاہدین کے سالار اعلیٰ کیپٹن عظمت تھے جنہوں نے کارگل پر حملہ کرنا تھا۔ رہنمائی کا کام لیفٹیننٹ شاہ خان نے کرنا تھا۔ یکم مئی ۱۹۴۸ء کو پہلی رات کا آدھا حصہ جب گزر گیا، تو قدرتی طور پر آسمان صاف تھا۔ اور چاند کی چاندنی عجیب سماں پیدا کر رہی تھی۔ سب مجاہدین لپنے یخ بستہ خیموں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر زور سے اللہ اکبر کی صدا دی کہ حلم کی فضا ان نعروں سے ایسی گونجی کہ آج تک کافر اس علاقہ کی طرف میلی آنکھ سے بھی نہ دیکھ سکے۔ اونچائی پار کر لینے کے باوجود اگلے تین دن کا دوسائی سطح مرتفع کے علاقوں میں ۱۲۰۰۰ فٹ بلند مقامات پر اس حالت میں سفر کیا کہ تمام درخت اور جھاڑیاں ۱۵ فٹ کی برف کی تہ کے نیچے دبی ہوئی تھیں۔ درجہ حرارت صفر سے بھی نیچے تھا۔ راستے میں برف کے طوفان بھی آئے، تو مجاہدین اپنی پشت ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ لیتے تھے کہ انسانی گرمائش کا فائدہ اٹھائیں۔ کچھ مجاہدین اور مزدوروں کے پاؤں میں بوٹ بھی نہ تھے۔ انہوں نے جانوروں کی کھالوں کو پاؤں کے گرد لپیٹا ہوا تھا اور پنڈلیوں پر پٹیاں باندھ کر ان کھالوں کو قابو کیا ہوا تھا اسلئے کچھ مجاہدین کی انگلیاں ٹھٹھر کر سن ہو گئیں۔ تیسرے دن ۶۰ میل فاصلہ طے کر کے مجاہدین گلتری پہنچے تو ان کی جان میں جان آئی۔ گو یہاں بھی چار فٹ برف تھی۔ جگہ کی ناکہ بندی کی، کہ دشمن کو خبر نہ ملے۔ پکٹیں لگائیں اور خالی مکانات میں آگ جلا کر باری باری مجاہدین نے آرام کیا۔ اس سفر میں چار مجاہدین کو شہادت نصیب ہوئی۔ اور ساٹھ کے پاؤں خراب ہوئے۔ اس کے بعد گلتری سے آگے چند میل کے فاصلوں پر دونوں کالموں یعنی (تیسری اور چوتھی) نے ایک

نقشہ پانزدہم

گلگت سے بانڈی پورہ اور کارگل کی طرف پیش قدمی اور بھارتی زیڈ برگیڈ کی تباہی



دوسرے کو الوداع کہا کہ ۹ مئی کو دونوں نے اپنے مقصودوں سے ۵ میل کے فاصلہ پر پہنچ جانا تھا اور مقامی رہنما مدد کیلئے ساتھ تھے۔

دراس پر حملہ دراس اس علاقے کا اہم مقام ہے۔ سری نگر۔ زوجیلہ سے ایک راستہ یہاں سے ہو کر کارگل جاتا ہے۔ گریز۔ باؤداب سے ایک پگڈنڈی بھی یہاں آتی ہے۔ اور صوبیدار شیر علی مسکی نالہ کو استعمال کر کے ۱۰/ ۹ مئی کی رات کو دراس کے نزدیک پہنچ گیا۔ میجر حسن خان کے کچھ مجاہدین نے پنڈراس کی طرف سے ادھر آنا تھا۔ وہ لوگ بروقت پنڈراس میں بھی نہ پہنچ سکے۔ اس لئے کسی دو طرفہ حملہ کی بجائے صوبیدار شیر علی نے ۱۰ مئی کو پو پھٹتے ہی حملہ کر دیا۔ جو کامیاب نہ ہوا۔ لیکن دوپہر تک میجر حسن کے مجاہدین پنڈراس پہنچ گئے اور انہوں نے دراس کا رابطہ زوجیلہ سے توڑ دیا، اور زوجیلہ کے علاقہ کے بھارتی جوانوں نے دراس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی، تو ان کے تقریباً ساٹھ آدمی مارے گئے[19] بہرحال دراس کی بھارتی فوج کی تقریباً ایک کمپنی کی نفری گھیرے میں آگئی اور انہوں نے ۶ جون ۱۹۴۸ء کو ہتھیار ڈالے اور اس وقت تک پرکوٹا اور کارگل سے ہوتے ہوئے مارخور فورس کے میجر محمد خان بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔

بھارتیوں کا بیان بھارتی اپنی ان ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی بہت کوشش کرتے ہیں[20] وہ دراس میں اپنی نفری کیپٹن کشمیر سنگھ کے ماتحت صرف دو پلٹونیں بتاتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کے پاس ۳ انچ مارٹر اور مشین گنیں بھی تھیں۔ پھر زوجیلہ سے پہلی پٹیالہ پلٹن کی صرف ایک پلٹون آگے نکالنے کی بات کرتے ہیں۔ لیکن مجاہدین کے بلند حوصلوں اور ایک تھانیدار اور چار سپاہیوں کو اغوا کی آڑ میں اپنی ایک کمپنی کا مجاہدین پر حملہ کا ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے پچاس مجاہدین کو شہید کر دیا۔ اپنے ۱۷ آدمی مارے جانے اور ۱۵ کے زخمی ہو جانے کی وجہ سے دراس کو امداد نہیں دے سکنے کی کہانی بیان کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ ۲۲ مئی کو ہوا۔ بہرحال آخر میں تسلیم کر لیتے ہیں کہ دراس کے بھارتیوں میں سے دو آدمیوں کو چھوڑ کر سب مارے گئے یا قیدی ہو گئے۔ اور ہمارے نقصانات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا بھارتیوں کی عادت ہے۔

کارگل پر قبضہ کی کہانی کارگل کو دفاعی لحاظ سے ایک قلعہ بند پوزیشن میں تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ ... بے شمار نالے یہاں آکر دریائے سرو میں گرتے ہیں اور بھارتیوں نے

جگہ جگہ پکٹوں اور دیکھ بھال والے دستوں کو متعین کر رکھا تھا۔ لیکن انہی دنوں بھارتی زیڈ بریگیڈ جس طرح چھوٹی چھوٹی کالموں میں پرکوٹا کی طرف جا رہا تھا، تو مقامی دفاع والوں نے کارگل کو ایک "سرحدی پوسٹ" کے بجائے "پرامن چھاؤنی" سمجھ لیا۔ مجاہدین نے بڑی مومن کی فراست کو استعمال کیا۔ ۱۰/۹ مئی کی آدھی رات کو صوبیدار صفی اللہ نے ہردوس پل پر اور ایک اور دستے نے اہم پل چالیس کبو پر قبضہ کر کے، کارگل کے شمال اور مغرب کے دو اہم راستوں کی ناکہ بندی کر لی تھی۔ اور جنوب میں دریائے سرو، والا راستہ خالی تھا۔ لیکن یہ اہم نہ تھا۔ کیپٹن عظمت باقی تقریباً ۱۸۰ مجاہدین کو پلٹونوں میں ترتیب دے کر ۱۰ مئی کو دن کے دس بجے کارگل سے دو میل کے فاصلہ پر چھپ چھپا کر پہنچ گئے۔ جہاں گھوڑے پر سوار ایک ڈوگرہ افسر اور اس کا اردلی ملا، جن کو گرفتار کر کے سب حالات معلوم کر لئے، کہ کارگل میں ایک پولو کا میچ ہو رہا تھا۔ کیپٹن عظمت نے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصہ خاموشی سے جنوب کی طرف دو۔ ٹیکریوں پر چڑھ گیا۔ جب انہوں نے اشارہ کیا کہ پولو گراؤنڈ ان کی مار میں ہے تو دوسرے حصہ نے آگے بڑھ کر مارٹر کے فائر کے کور میں پیش قدمی شروع کر دی۔ پس کھلبلی مچ گئی، ۳۰۔ ڈوگرے ادھر ہی کھیت رہے اور بیس نے قیدی ہونے کی ترجیح دی، اور کچھ لوگ بھاگ بھی گئے مجاہدین کے ہاتھ کافی ایمونیشن، راشن اور کلودنگ بھی لگا۔ جلدی سے لہ والے راستے کی طرف بھی ایک پکٹ بنائی اور شمال میں سکردو یا پرکوٹا والے راستے پر جو دستے بھیجے تھے ان کو کمک بھیج دی۔ جنوب میں دراس سے خبر مل گئی، کہ صوبیدار شیر علی کے دستے وہاں پہنچ گئے ہیں۔ یہی خبریں آگے پرکوٹا میں بھارتی زیڈ بریگیڈ کے پاس پہنچیں تو اس کا جو حشر ہوا وہ ستائیسویں باب میں بیان ہو چکا ہے اور اپنی سرکاری تاریخ کے مطابق [21] کارگل پر ہمارے قبضہ کے بعد بھارتی زیڈ بریگیڈ کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ بھارتی تاریخ والے سب کچھ تسلیم کرتے ہیں بلکہ یہ اضافہ بھی کرتے ہیں کہ یہ کارروائیاں اتنی حیران کن تھیں کہ شگو دریا کی کھرل پل کی حفاظت کرنے والے گورکھوں میں سے ایک جوان بھی زندہ نہ بچا [22]۔

سکردو پر اسلامی جھنڈے جنرل تھمایا نے پرکوٹا کے بھارتیوں کو علاقہ چھوڑنے اور سکردو کے محاصرین کو مرضی استعمال کرنے کی اجازت ۱۶ مئی کو دے دی [23]۔ بھارتیوں نے اس کے بعد زوجیلہ اور گریز کی طرف سے سکردو کی طرف جو پیش قدمیاں کرنے کی کوشش کی [24]

ان کا ذکر اگلے باب میں آتا ہے۔ اب وہ سکردو سے ۱۵۰ میل دور تھے لیکن سکردو میں چترال سکاؤٹس کے کرنل متاع الملک جولائی میں جب پہنچے تو انہوں نے اس وقت چترال سے دو 3.7 انچ کی ہوٹزر گنیں منگوالیں۔ دیر صرف بار برداری والی خچریں بروقت نہ ملنے کی وجہ سے ہوئی۔ اگست کو تنبیہ کے طور پر اور ۱۲ اگست کو آخری دفعہ متاع الملک نے چند گولے وہاں سکردو قلعہ میں پھینکے، تو ۱۴ اگست ۱۹۴۸ کو کرنل تھاپا نے جنرل تھمایا سے اجازت لے کر ہتھیار ڈال دیئے اور اس دن وہاں پاکستان کا جھنڈا لہرا دیا گیا۔ متاع الملک کو بھی بریگیڈیر ٹامی مسعود (دسویں باب میں ذکر) کی طرح کچھ دن "حراست" میں رکھا گیا [25] اور کشمیر میں ہر بہادری سے لڑنے والے کے ساتھ ایسا کچھ کیا گیا۔ بھارتی تاریخ والے سکردو کے محاصرہ کے خاتمہ کی کہانی پانچ صفحات میں بیان کرتے ہیں [26] جس میں ہمارے مطلب کی کوئی بات نہیں سوائے اس کے کہ ہم غلط طور پر وہاں اتنا عرصہ "بندھے" رہے۔

حوالہ جات

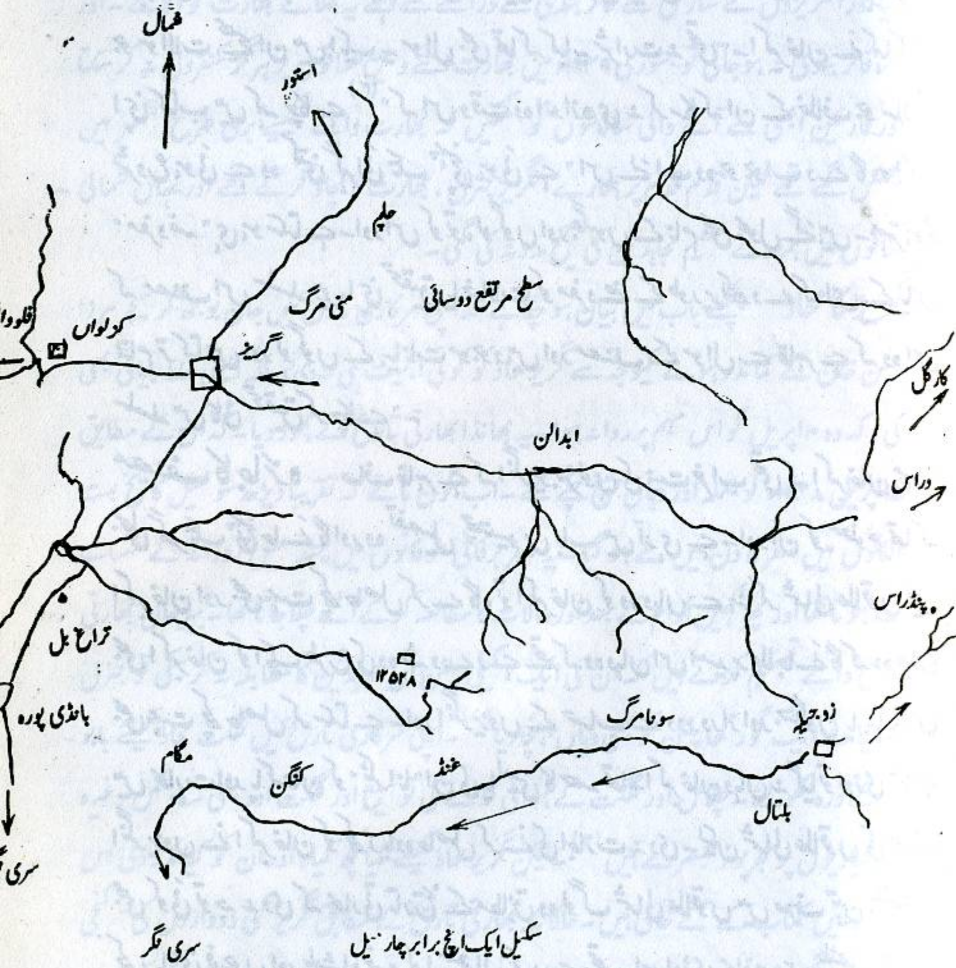
(۱) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۹۷ تا ۳۰۷۔ (۲) ۔ پنڈورا باکس صفحہ ۱۴۔ (۳) ۔ کشمیر کمپین صفحہ ۲۲ اور ۲۳۔ (۴) ۔ حضور پاکؐ کا جلال و جمال نواں باب۔ (۵) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۲۔ (۶) ۔ (اسلم انسٹرکشن) ایک سرکاری ہدایت نامہ جنرل گریسی نے جاری کرایا جس کو لوگ اسلم انسٹرکشن کہتے تھے کہ میجر اسلم کو ایسی سنیارٹی دلوا دی کہ وہ جلدی بریگیڈیر بن گیا۔ بعد میں یہ ہدایت نامہ منسوخ ہو گیا۔ اور اسلم کو زیادہ ترقی نہ ملی۔ (۷) ۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۹۹۔ (۸) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۲۴۔ (۹) ۔ ایضاً صفحہ ۲۷۔ (۱۰) ۔ شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۱۷۱۔ (۱۱) ۔ کشمیر کمپین صفحہ ۲۴۔ (۱۲) ۔ ایضاً صفحہ ۲۳۔ (۱۳) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۹۴ اور ۳۰۶۔ (۱۴) ۔ شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۲۲۲۔ (۱۵) ۔ ایضاً صفحہ ۲۰۶ اور ۲۰۸۔ (۱۶) ۔ ۱۹۴۹ میں جنرل گریسی کے ملاحظہ کے دوران یہ عاجز اس نوجوان کرنل انور کو دیکھ کر حیران ہو گیا کہ وہ کیسے اس عہدہ پر پہنچ گیا۔ (۱۷) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۳۱۔ (۱۸) ۔ ایضاً صفحہ ۲۴۔ (۱۹) ایضاً صفحہ ۲۵ اور ۲۶۔ (۲۰) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۹۷ اور ۲۹۸۔ (۲۱) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۲۶۔ (۲۲) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۹۵۔ (۲۳) ۔ ایضاً صفحہ ۲۹۶۔ (۲۴) ۔ ایضاً صفحہ ۳۰۷۔ (۲۵) ۔ شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۲۳۲۔ (۲۶) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۳۰۰ تا ۳۰۶

انتیسواں باب

گریز، زوجیلہ، اور لہ کی لڑائیاں

گذشتہ سے پیوستہ شمالی علاقہ جات میں جنرل اکبر خان طارق کی اچھوتی اور انوکھی تجاویز رنگ لا رہی تھیں، لیکن جنرل طارق وہاں موجود نہ تھا کہ ان کامیابیوں کو نیلم وادی میں ہندواڑہ کے کرنل خالد کی کارروائیوں سے شیر و شکر کرتا۔ وہ صرف اپنی کتاب میں اشارتاً ذکر کرتا ہے کہ ان دنوں ہندواڑہ سے دشمن کی چار پلٹنوں کا برگیڈ ٹھوال کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ اور وہاں ہماری ایک رائفل کمپنی تھی [۱]۔ اب بھارتی تاریخ سے معلوم ہوا کہ چار نہیں بلکہ پانچ پلٹنیں تھیں [۲]۔ اور ہماری اس اکیلی کیپٹن (بعد میں جنرل) محمد اقبال کی کمپنی کو جنگ میں شرکت کی اجازت بھی نہ تھی اور وہ لوگ دریائے نیلم کے مغرب میں بیٹھے تھے۔ تو بھارت کی ان پلٹنوں نے کرنل خالد کے مٹھی بھر مجاہدوں کو درگ مولا وغیرہ سے باہر پھینک دیا، جو کہانی چونتیسویں باب میں آرہی ہے۔ اکبر خان نے ان حالات پر رنج کا اظہار کیا تو ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو اس کو حکم ملا کہ اوڑی محاذ پر وہ اپنا برگیڈ کسی اور کے حوالے کر کے ٹھوال کے راستے شمالی علاقہ جات میں چلا جائے، جہاں ان کو پانچ ہزار قبائلی بھیجے جائیں گے، جن کی مدد سے وہ سری نگر کی سمت میں دور دراز تک شب خون اور چھاپے مارے، کہ بھارتی مظفر آباد کی طرف پیش قدمی نہ کریں [۳]۔

اکبر خان کا رد عمل اکبر خان اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ یہ تجویز اچھی تھی بشرطیکہ اس پر کچھ عرصہ پہلے عمل کیا جاتا۔ اور پورے پہلو کا خوب تجزیہ کرتا ہے کہ ان پانچ ہزار قبائلیوں کو اکٹھا کرنے اور ان کیلئے انتظام کرنے، مزدوروں کی ضرورت وغیرہ کی تفصیل اوپر والوں کو ۱۹-مئی کو لکھی کہ وہ تیاری کسی اور سے کرائیں اور ان کو اس اہم محاذ پر رہنے دیں۔ اس کے بعد اگر اس محاذ کے حالات نے اجازت دی تو وہ یہ کام سنبھال لے گا۔ ورنہ اس کو اسی محاذ پر رہنے دیا جائے اور پھر حالات نے اکبر خان کو اجازت نہ دی اور وہ کہانی ہم چھتیسویں باب میں بیان



کریں گے۔اب ہمارے اوپر والوں کی نیت صحیح ہوتی، تو اس سلسلہ میں کچھ تیاری کرتے یا کسی اور کو اس کام پر لگاتے۔ لیکن جو کچھ بھونڈے طریقے سے کیا وہ کہانی کچھ اس باب میں اور کچھ انتالیسویں باب میں آرہی ہے۔ بہر حال اس عاجز کو شک پڑا کہ یہ ایک شرارت تھی اور مقصد اکبر خان کو اوڑی محاذ سے ہٹانا تھا، اس لئے میں نے جنرل ریاض اللہ کے ذریعہ سے اکبر خان کو جو سوالات بھیجے ان میں ایک یہ سوال بھی تھا کہ کیا یہ شرارت نہ تھی؟۔ اکبر خان نے کہا کہ وہ اپنی کتاب میں کہہ چکا ہے [۴] "کہ اس وقت وہ اندازہ ہی نہ کر سکا کہ ان کے خلاف جو سازش شروع ہوئی ہے وہ کتنی گہرائی تک پہنچی ہوئی ہے" اس لئے اب وہ جو جواب دے گا وہ ایک "مفروضہ" ہی ہو سکتا ہے۔اور اس کو تو، لوگوں اور جگہوں کے نام بھی بھول گئے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ مصنف اس سلسلہ میں اپنی تحقیق یا خیالات کو مفروضے کے طور پر لکھ دے کہ اس کے پاس تمام تر کتابیں اور لوگوں کے بیانات موجود ہیں اور مصنف کے سوال سے ظاہر ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کافی تحقیق کر چکا ہے"۔

مصنف کا جائزہ صاف ظاہر ہے کہ انگریز جنرلوں کی نیت خراب تھی کہ اکبر خان مہورا بجلی گھر تک پہنچ جائے گا اور وہ تفصیل چھتیسویں باب میں آرہی ہے۔اور ان کو معلوم تھا کہ اکبر خان اور بھی بہت کچھ حاصل کرے گا، تو اکبر خان کو وہ وہاں سے ہٹا کر شمالی علاقوں میں بھی اکبر خان کو ایک طرح کی وہ شہ دے رہے تھے کہ وہ وہاں اس امید پر چلا جائے گا کہ وہ وہاں بھی بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔اور انگریزوں کے حساب سے دور دراز اور جنگلوں یا بیابانوں میں بھارت اور پاکستان کو "ٹکرانا" ان کی پالیسی کا حصہ تھا۔ اکبر خان وہاں نہ گیا تو اوڑی محاذ پر انگریزوں نے اکبر خان کو کچھ زیادہ حاصل کرنے کی اجازت نہ دی۔ لیکن شمالی علاقوں کی طرف بھی کوئی توجہ نہ دی کہ بھارتی تاریخ کے مطابق وہ لوگ شمالی علاقوں میں صرف تین پلٹنوں، کچھ ریاستی فوجوں اور ملیشیا وغیرہ کو استعمال کر رہے تھے۔اور اوڑی محاذ پر دس پلٹنیں تھیں۔ اور کرنل خالد کے چند سو مجاہدین سے اتنے ڈرے ہوئے تھے کہ وہاں پانچ پلٹنیں لے گئے [۵]۔ اگر ہم ایک پکی پلٹن کو بروقت کرنل خالد کی مدد کیلئے بھیج دیتے تو بھارت کو اس محاذ پر بھی کم از کم دو اور پلٹنیں بھیجنا پڑ جاتیں، کہ اگست ۱۹۴۸ء میں سری نگر کا بھارتی ڈویژن کمانڈر ہندواڑہ محاذ

کیلئے دو اور پلٹنیں مانگ رہا تھا۔ حالانکہ اس وقت اس کے پاس تمام محاذ پر اٹھارہ پلٹنیں موجود تھیں [۶]۔ اگر ہم شمالی علاقوں میں بھی بروقت پانچ ہزار کی بجائے صرف تین ہزار مجاہدین بھیج دیتے۔ پونچھ محاذ پر وہ غلطیاں نہ کرتے جن کا اگلے تیسویں باب میں ذکر ہے۔ یا سیالکوٹ محاذ پر مجاہدین کے اوپر "جھاڑو" نہ دیتے تو بھارت وہ کچھ کبھی نہ کر سکتا جو کچھ اس نے نومبر ۱۹۴۸ء میں کیا اور انگریزوں نے سازش سے فائر بندی کے ڈرامے سے پہلے یہ علاقے بھارت کو دلائے۔ اور اگر فائر بندی نہ ہو جاتی تو جنوری ۱۹۴۹ء میں بھارت اتنے وسیع علاقوں پر ہر گز کنٹرول نہ کر سکتا اور قارئین ابھی سے آنے والی سازشوں کو سمجھیں کہ بھارت والے کیسے بری طرح کشمیر میں پھنس گئے تھے لیکن قدم قدم پر ہمارے انگریز جنرل، بھارت کا بچاؤ کرتے تھے اور یہاں شمالی علاقوں میں ہمارے عظیم مجاہدین کی صحیح مدد نہ کی گئی۔

گریز کا محاذ پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ اپنی سرکاری تاریخ میں جان بوجھ کر میجر مرزا حسن خان کے کمانڈر ہونے کیوجہ سے گریز محاذ کو کوئی اہمیت ہی نہ دی گئی بلکہ ایسی غلط بیانی بھی کی، کہ وہ ۱۰ اپریل کو اس مہم پر روانہ ہوا۔ یہ بھانڈا بھارتی تاریخ نے پھوڑ دیا۔ کہ ان کے مطابق ۱۵ اپریل ۱۹۴۸ء کو حملہ آور وہاں پہنچ چکے تھے۔اب کون مانے کہ تقریباً ڈیڑھ سو میل کا یخ بستہ علاقوں میں سفر ۵ دن میں طے ہو گیا۔ یہ سفر برفانی طوفانوں میں چند میل روزانہ کے حساب سے ہوتا تھا اور پھر کہیں آرام کے بعد اور حالات کا مطالعہ کر کے آگے چلا جاتا تھا۔ بہر حال بھارتی تاریخ والے تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی ایک اکیلی پلٹن ان مجاہدین کا مقابلہ نہ کر سکی تو جنرل تھمایا نے ایک گورکھا پلٹن کو بھی وہاں پہنچا دیا [۷]۔ اپنی سرکاری تاریخ میں گلگت محاذ کیلئے بابو سر کے درہ کھولنے۔ چلاس اور گلگت کے ہوائی اڈے کی توسیع اور گلگت اور بلتی سکاؤٹس وغیرہ کی تیاریوں پر بھرپور تبصرے ہیں [۸]۔ لیکن گریز محاذ کیلئے کیا کچھ کیا، اور ان کو کیا مدد دی اس سلسلہ میں کتاب کے صفحے خالی ہیں۔ حالانکہ بھارتی تاریخ کے مطابق گریز کئی دروازوں کی "کنجی تھی" [۹]۔ گریز، تین میل چوڑی اور تیرہ میل لمبی خوبصورت وادی میں دریاء نیلم کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جو سری نگر سے گلگت جانے والے مسافروں کیلئے ایسا ہے جیسے ریگستان میں کوئی نخلستان ہو۔ صاف و شفاف ندیاں، ٹراؤٹ مچھلی اور جنگلی جانوروں کے شکار کی کشش

کے علاوہ، یہ اہم ذرائع آمد ورفت کا مرکز بھی ہے ۔یہاں سے دریائے نیلم کے کنارے ٹھٹوال، کیرن، دھدنیال، شاردی، کیل، قلووائی اور بھگتور وغیرہ کے راستوں سے مظفر آباد بھی پہنچ سکتے ہیں ۔ مشرق میں یہاں سے کارگل اور دراس بھی جاسکتے ہیں اور شمال میں دو راستوں اول درہ کمری اور کلیانی والے راستے اور دوم منی مرگ ۔ برزل کے درہ اور حلیم چوکی کے راستے، وادی استور اور پھر آگے گلگت جاسکتے ہیں ۔اور بانڈی پورہ یا سوپور کی طرف جانے کیلئے آگے کنزلوان، کورگ بل یا چوروان گاؤں کا ذکر آئے گا۔ اگر حسن خان کی صحیح مدد کی جاتی تو وہ بانڈی پورہ پر اور کرنل خالد، ہندواڑہ پر آسانی سے اسلام کا جھنڈا لہرا دیتے۔ اور پونچھ تو بھارتیوں کو ویسے ہی خالی کرنا پڑتا کہ ان کا انگریز کمانڈر انچیف بھی ان کو بتا چکا تھا کہ پونچھ پر قبضہ رکھنا ایک لاحصل مشق ہے (۱۰) ۔اب اپنی تاریخیں تو وہ کچھ بھی نہیں بتاتیں جو کچھ مقامی مجاہدین کر رہے تھے کہ اقوام متحدہ سے ظفراللہ نے کہلوا بھیجا کہ لڑائی میں جمود ڈالا جائے ۔تو ہم بھارتیوں کے حوالے سے واقعات کے تانے بانے ملاتے ہیں ۔جو طویل بیانات اور رام کہانیاں ہیں ۔ لیکن ہم اپنے مقصد کی باتیں وہاں سے نکالیں گے۔

بھارتی بیانات اول اپریل۔مئی میں موسم کھل رہا تھا۔اور اب سری نگر کے گردونواح یا مقامی طور پر بھارتیوں نے اتنا لاؤ لشکر اکٹھا کر لیا تھا کہ سری نگر ان کے لئے Interior Lines کا مرکز بن گیا تھا۔اور وہاں سے وہ اوڑی محاذ یا ٹھٹوال محاذ۔یا بانڈی پورہ۔گریز محاذ یا زوجیلہ محاذ یا لہ محاذ پر جس وقت چاہتے تھے کوئی کمک بھیج کر کچھ حاصل کر لیتے تھے اور بھارتی فوجوں کو کسی اہم مقام پر تھوڑی نفری کے ساتھ بٹھالیتے تھے ۔ بہر حال شروع میں بھارتیوں نے گریز محاذ پر چند مجاہدین سے بڑی مار کھائی ۔۱۵ اپریل کو بھارت کی دوسری بہار پلٹن تراغ بل میں ہمارے تین سو مجاہدین کے پہنچنے کی خبر سن کر بانڈی پور پہنچ کر اس کے تین میل شمال میں پوزیشن لے چکی تھی (۱۱) ۔ گو ہمارے مجاہدین کی تعداد صرف ۱۸۰ تھی لیکن پھر بھی ۱۵ اپریل کو کیپٹن کرینل سنگھ کے تحت بھارتیوں کے ایک گشتی دستہ کا مجاہدین نے کافی نقصان کیا۔اور بہار رجمنٹ کے ہر گشتی دستہ نے مجاہدین سے ایسی مار کھائی کہ پلٹن میں کچھ افراتفری مچ گئی۔ تو ان کی جگہ پہلی گرینڈیئر پلٹن پہنچی، جنہوں نے تراغ بل تک سڑک بنانی شروع کی اور زیڈ

برگیڈ کی تباہی کی خبر انہوں نے انہی دنوں سنی، تو بھارتی پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے، تو بڑی مشکل سے بھارتیوں نے ۲۷ مئی ۱۹۴۸ء کو تراغ بل کے شمال میں راجدحانی کے درہ پر قبضہ کر لیا۔ البتہ یکم جون کو بھارتی ہماری ایک کمک کے وہاں پہنچ جانے کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی مخبری صحیح ہے کہ ہماری سرکاری تاریخ (۱۲) میں فرنٹیر کنسٹبلری اور چترال سکاؤٹس کے وہاں پہنچ جانے کا ذکر ہے اور حسن خان کی کتاب میں بھی ذکر ہے۔ بھارتی تاریخ کے مطابق ۱۷ جون ۱۹۴۸ء کو میجر جنرل تھمایا بھی تراغ بل پہنچ جاتا ہے (۱۳) اور بھارتی گرینڈیئر پلٹن کی مدد کیلئے ۲/۴ گورکھا رائفلز اور پٹیالہ ماؤنٹین بیٹری بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں ۔۲۱ جون کو جنرل تھمایا نے دوبارہ تراغ بل پہنچ کر گریز کے علاقے پر ۲۵ جون کو حملہ کی بڑی تجویز بنائی ۔ جس کیلئے گورکھا پلٹن نے ایک دن پہلے چار پتھر پر قبضہ کر کے مجاہدین کو یہ تاثر دیا کہ حملہ کنزلوان کی طرف سے آرہا ہے جس سے وہ دو حصوں میں بٹ گئے ۔ اور تین دن کی لڑائی کے بعد ۲۸ جون کو بھارتیوں نے گریز اور کنزلواں پر قبضہ کر لیا۔ اور وہ لوگ ہمارے میجر حسن خان کے زخمی ہونے کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

اپنی کہانی۔ اپنی تاریخ میں سب ناکامی پر پردہ پڑا ہوا ہے ۔صرف میجر اسلم کو سہرا باندھا گیا (۱۴) ۔ کہ حالات کو بچانے کیلئے وہ گریز کے علاقہ میں پہنچ گئے۔ اور جو نفری ان کو مل سکی اس کو کمری درہ کی طرف بھیج کر بھارتیوں کے دل میں ڈر پیدا کیا کہ ان کو گھیرا پڑ سکتا ہے تو ان کو پیش قدمی روکنا پڑی ۔ ورنہ گریز پر قبضہ کرنے کے بعد اگر بھارتی چاہتے تو استور والے راستے وہ گلگت پہنچ سکتے تھے ۔ یہ کچھ نہ صرف سراسر جھوٹ اور غلط بیانی ہے ۔ بلکہ بھارتی گریز سے آگے گلگت کی طرف پیش قدمی کے بارے میں اب سوچ بھی نہ سکتے تھے ۔ کہ وہ اپنے زیڈ برگیڈ کا حشر دیکھ چکے تھے ۔ درہ برزل کی طرف پیش قدمی کرنا کوئی آسان کام نہ تھا اور استور تو بہت دور تھا۔
دوم ہماری اخباروں میں اس زمانے میں بعد میں جو مضمون آیا اس میں بھی میجر اسلم کے حلیم چوکی تک پہنچنے کی بات تھی ۔ اور اتنا دور سے میجر اسلم محاذ پر ہرگز اثرانداز نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ حلیم چوکی بھی نہ گیا۔ کہ انہی دنوں اس کی تبدیلی ہو رہی تھی ۔ صحیح کہانی حسن مرزا کی کتاب میں ہے ۔ جس کا اشارہ پچھلے باب میں کر دیا تھا۔ اور ہماری کمک کی تعداد ۷۰۰ نہیں بلکہ یہ ۲۰۰۰ کی

فرنٹیر کنسٹیبلری تھی، جن کی مدد سے حسن خان تراگبل پر دوبارہ قبضہ کرنے کی تجویز بنا رہا تھا[۱۵]

لیکن میجر اسلم نے حسن خان کو محاذ سے ہٹادیا اور اپنے بھائی لیفٹیننٹ انور کو کمانڈ دینے کے لئے حسن خان کو پاکستان آرمی میں کمیشن حاصل کرنے کے لئے بھیج دیا، جو حسن خان کے مطابق اس کو اور ملک کو بڑا "مہنگا" پڑا۔ اور پوری کہانی آگے حسن خان کی کتاب میں موجود ہے کہ[۱۶] کس طرح راولپنڈی سے حسن خان کو بذریعہ ہوائی جہاز گلگت بھیج کر اس محاذ کو سہارا دلوایا گیا۔ اور یہ سب برگیڈیئر شیر خان نے ذاتی طور پر کیا کہ اس کو سمجھ آگئی کہ شمالی علاقہ جات میں سب کامیابیاں حسن خان کیوجہ سے حاصل ہوئیں۔

بھارتیوں کی تجویزیں اور سوچ بھارتی تاریخ کے گہرے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ گریز تک صرف گرینڈئیر پلٹن کو رکھ کر آگے ایک قدم بھی نہ جانا چاہتے تھے۔ اور گورکھا پلٹن کو بھی واپس بلا کر کسی اور جگہ استعمال کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ مانتے ہیں کہ راجدھانی کے درہ کے پاس گورکھا پلٹن کی دو کمپنیوں کو حملہ آوروں نے گھیرے میں لے لیا۔ کہ ۲۶ جولائی ۱۹۴۸ء کو جنرل تھمایا کو پھر ذاتی طور پر اس محاذ پر جا کر اس محاذ کو سہارا دینا پڑا تھا[۱۷]۔ اور گریز سے گرینڈئیر کی دو کمپنیوں کو پیچھے لانا پڑا۔ اپنی سرکاری تاریخ اس سلسلہ میں خاموش ہے۔ اور میجر حسن خان نے اپنے کتاب میں ان لڑائیوں پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن عسکری تاریخ کی طرح زمان و مکان کو ٹھیک طرح سے بیان نہیں کیا۔ اس لئے تمام تر واقعات کے تانے بانے ملانے مشکل ہیں۔ کہ دشمن کے ساتھ منی مرگ سیکٹر اور گریز کے ہوائی اڈہ کے گرد[۱۸] اور آگے بھگتور یا فلووائی تک جو جھڑپیں[۱۹] بیان کی ہیں۔ یا وادی گریز پر اپنے آخری حملہ کا جو ذکر کیا ہے۔ ان سب سے ایک نتیجہ واضح ہے کہ جو کچھ اس علاقے میں ہمارے پاس رہ سکا وہ حسن خان اور اس کے ساتھیوں کی کوششوں کیوجہ سے رہ سکا اور اگر ان کو صحیح طور پر بروقت امداد دی جاتی تو بھارتی فوج بانڈی پور سے آگے کبھی نہ نکل سکتی۔

زوجیلہ کا محاذ پچھلے باب میں دراس پر ہمارے قبضہ اور میجر محمد خان جرال کے وہاں پہنچنے کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق میجر احسان نے گلگت سکاؤٹس کے اے اور بی ونگز دونوں کی کمانڈ میجر محمد خان کو دے دی کہ وہ زوجیلہ پر قبضہ کرے[۲۰]۔ نقشہ

شانزدہم سے استفادہ کریں کہ درہ زوجیلہ، سری نگر سے چالیس میل شمال مشرق، اور دراس سے ۲۵ میل جنوب میں ہے۔ یہ سطح سمندر سے ۱۱۵۷۸ فٹ بلند ہے۔ اور اس کے اردگرد اس سے بھی چار پانچ ہزار فٹ بلند پہاڑ ہمیشہ برف سے ڈھکے رہتے ہیں جہاں بعض جگہوں پر دوپہر کو بھی سورج کی کرنیں نہیں پڑتیں۔ اور علاقہ خود ایک چھوٹی سی الگ سطح مرتفع بھی ہے۔ مغربی سلسلہ کے مشہور پہاڑ نانگا پربت کی ایک شاخ اور ہری پربت پہاڑ کی ایک شاخ بھی یہاں آکر ملتی ہے۔ اور یہاں ذرا نچلا ہو کر پھر ابھرتی ہوئی ایک شاخ ننکن پہاڑ کی چوٹیوں تک جا پہنچتی ہے لطف کی بات یہ ہے کہ اس درہ سے دو ندیاں، دریائے سندھ میں۔ ایک ندی، دریائے نیلم کے ذریعہ سے دریائے جہلم میں اور ایک جا کر دریائے چناب میں گرتی ہیں۔ اپنی سرکاری تاریخ کے مطابق درہ زوجیلہ کا دفاع پٹیالہ ریاست کی ایک پلٹن کر رہی تھی۔ جس کی دو کمپنیاں۔ درہ کے شمالی حصہ کھوروہ پہاڑ اور گمری کے درمیان متعین تھیں اور باقی دو گہرائی میں تھیں[۲۱]۔

زوجیلہ کی فتح زوجیلہ کو فتح کرنے کی تجویز اور اس پر عمل ہماری عسکری تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ جس کے تفصیلی حالات کیلئے ایک الگ باب کی ضرورت ہے۔ مختصراً میجر محمد خان نے بھارتیوں پر ۱۲ جون ۱۹۴۸ء سے سامنے سے محدود طور پر بازو کش قسم کے ایسے حملے شروع کئے جن سے بھارتیوں کو یہ خطرہ پڑ گیا کہ ان کو گھیرے میں لیا جا رہا ہے۔ اور دشمن مکمل طور پر ان حملوں کے ساتھ الجھ کر رہ گیا۔ لیکن اسی دوران لفٹیننٹ شاہ خان، شمالی بازو سے سترہ ہزار فٹ بلند پہاڑ کو عبور کر کے دشمن کے عقب میں مقررہ وقت یعنی ۱۶ جون سے دو دن بعد ۱۸ جون کو پہنچا۔ لیکن کارروائی کرنے لگا تو اپنے سر پر دشمن کی ایک پکٹ کو بیٹھے دیکھا۔ جس کا ۲۱ / ۲۰ جون کی رات کو بڑی چابکدستی سے اپنے صوبیدار رستم خان کی پلٹون سے قلع قمع کرایا۔ اور پھر لیفٹیننٹ شاہ خان نے دشمن کے اندر ایک اہم زمین پر قبضہ کر لیا۔ اب سامنے والے دشمن کو میجر محمد خان سر نہ اٹھانے دیتا تھا۔ پچھلے دشمن نے ہوائی جہاز۔ توپخانہ سب کچھ لیفٹیننٹ شاہ خان کے خلاف استعمال کیا۔ لیکن پہاڑیوں کے Fold (اوٹیں) ایسی تھیں کہ مجاہدین کا نقصان نہ ہوتا تھا۔ دشمن کی نفری چھوٹی چھوٹی پکٹوں میں بٹی ہوئی تھی۔ مجاہدین نے سارے دفاع کو چھلنی کر کے رکھ دیا۔ کہ سارا دن چھپے رہتے اور رات کو کسی ایک پکٹ کے نزدیک پہنچ

جاتے اور پو پھٹتے اس پکٹ میں دشمن کا صفایا کر دیتے تھے ۔ کہ بھارتی پکٹوں کا باہمی رابطہ نہ تھا اور آخر تقریباً بیس دن کی لڑائی کے بعد، جولائی ۱۹۴۸ء بھارتی پٹیالہ پلٹن نے درہ زوجیلہ کو خالی کر دیا اور سونا مرگ و زوجیلہ کے درمیان بلتال کے مقام پر جا کر دفاعی پوزیشن اختیار کی ۔ ہمارے مجاہدین کے اندازے کے مطابق تقریباً چار سو بھارتی مارے گئے یا زخمی ہوئے اور کافی فوجی سامان اور ایمونیشن مجاہدین کے ہاتھ لگا۔

بھارتیوں کی وضاحت بھارتی تاریخ میں زوجیلہ کی شکست کو بغیر کسی عنوان کے جس طرح بیان کیا گیا ہے اس کو پڑھ کر ہنسی آتی ہے [۲۲]۔ پہلے یہ بات مان کر، کہ پٹیالہ پلٹن کی دو کمپنیاں زوجیلہ درہ سے آگے نکل کر حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہی تھیں ۔ اس شکست کیلئے کہتے ہیں کہ زوجیلہ کا دفاع پانچویں ڈوگرہ یونٹ کے بچے کھچے جوان کر رہے تھے ۔ اور ۱۸ جون کو ہمارے ایک بڑے حملے میں ہمارے بیس جوانوں کو شہید کر دیتے ہیں ۔ اور ۲۱ جون کو ہمارے ایک اور بڑے حملہ کیوجہ سے ۲۵ جون کو پٹیالہ پلٹن اور ۲۹ جون کو مدراس یونٹ کی ایک کمپنی کو زوجیلہ کی جنگ میں شریک کرتے ہیں ۔ اور ہماری ۴۵۰ مجاہدین کی نفری کو دو پلٹنوں کا حملہ بتاتے ہیں ۔ ساتھ ہی کہتے ہیں کہ ۲۶ جون کو مجاہدین نے ان پر سات ہزار گولیاں اور ۲۷ جون کو نو ہزار گولیاں فائر کیں (یہ تعداد کس نے گنی؟) تو پٹیالہ پلٹن کے کرنل سکھدیو نے میجر جنرل تھمایا کو مجاہدین کے سری نگر سے ۲۵ میل دور کنگن کی پل کو توڑ دینے کی خبر دی ۔ اور حملے اتنے سخت تھے کہ ۲ اور ۳ جولائی کو بھارتی ہوائی جہازوں نے مجاہدین پر بہت فائر کر کے ان کو حراساں کیا، ورنہ دفاع میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا تھا، تو ۶ جولائی ۱۹۴۸ء کو جنرل تھمایا نے پہلی پٹیالہ پلٹن کو پسپائی کی اجازت دے دی ، اور انہوں نے زوجیلہ کی سری نگر والی طرف پوزیشن لے لی ۔ یہاں بھارتی مورخ جائزہ بھی پیش کرتا ہے کہ آیا جنرل تھمایا کا یہ عمل صحیح بھی تھا یا نہیں اور "مجبوریوں" کی آڑ لے کر نومبر ۱۹۴۸ میں جب بھارتیوں نے دراس اور کارگل دوبارہ فتح کر لیا یا کرنا تھا، تو جنرل تھمایا نے سوچا ہو گا کہ اس وقت زوجیلہ کو بھی فتح کر لیا جائے گا ۔ یہ بڑی بھونڈی دلیل ہے ۔ وہ "فتوحات" ایک بہت بڑی سازش تھی، جس سے انتالیسویں باب میں نہ صرف پردے اتارے جائیں گے بلکہ ۶ ستمبر اور ۱۸ ستمبر کو دو دفعہ ایک ایک بر گیڈ کے زوجیلہ پر

حملہ آوروں کے میجر محمد خان نے جس طرح دانت کھٹے کئے ۔ اور ہمارے ایک میجر نے جس طرح ایک بھارتی میجر جنرل کو انگلیوں پر نچایا، یہ کہانی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اور اس وقت تو محمد خان کو کرنل بنا کر آزاد کشمیر میں ایک پلٹن کی کمانڈ دے دی گئی ۔ لیکن بعد میں اس کو بھی راولپنڈی سازش کے مقدمہ میں ملوث کرنے کیلئے کیپٹن بنا دیا گیا ۔ لیکن کوئی "ہوائی" ثبوت نہ گھڑا جا سکا ۔ البتہ کوئی بہادری کا تمغہ نہ دیا ۔ اور بھارت کا یہ میجر جنرل تھمایا بعد میں بھارتی بری فوج کا چیف آف سٹاف بن گیا۔

لداخ اور لہ کا محاذ (زمینی پہلو) لداخ کا علاقہ کارگل سے تبت تک، کوہ ہمالیہ اور قراقرم دونوں سلسلوں کے علاوہ چینی ترکستان (سنکیانگ) تک پھیلاؤ رکھتا ہے ۔ اونچے پہاڑوں میں چند یخ بستہ وادیاں بھی ہیں جن میں سے شمال میں دریائے شیوک ، قراقرم اور لداخ کے پہاڑوں کو چیرتا ہے ۔ اور جنوب میں دریائے سندھ وادی سندھ سے گزرتا ہے، جس کی پشت پر زنسکار پہاڑی سلسلہ اور کوہ ہمالیہ کی شاخیں ہیں ۔ دریائے زنسکر بھارتی علاقہ چمبہ اور لاہول سے ہوتا ہوا، لہ کے نزدیک آکر دریائے سندھ میں شامل ہوتا ہے ۔ اور یہ وادی غیر آباد اور خانہ بدوش لوگوں کا مسکن ہے ۔ دریائے سرو کوہ ہمالیہ کی پشت سے بہتا ہوا مارول کے مقام پر آکر دریائے سندھ میں شامل ہوتا ہے ۔ دریائے نوبرا، قراقرم پہاڑ کے گلیشیرز سے نکل کر دریائے شیوک میں آکر شامل ہوتا ہے ۔ سرو اور نوبرا کی وادیاں بہتر حالات میں ہیں ۔ کہ کچھ پیداوار بھی ہوتی ہے اور لوگ بھی آباد ہیں ۔ خاص کر کارگل کے نزدیک سرو کی وادی میں خوش حال آبادیاں بھی ہیں ۔

لہ کی اہمیت لداخ کے بیابان علاقوں میں صرف لہ کے مقام کی کچھ اہمیت ہے ، کہ اس سے مشرق میں تبت اور بھارتی علاقہ کلو کی طرف اور مغرب میں شیوک وادی سے سکردو تک راستے جاتے ہیں ۔ شیوک وادی سے چینی ترکستان کو بھی کچھ اونچے درے ، چنگ لا (۱۸۰۰۰ فٹ بلند) ، دگرلا (۱۷۰۰۰ فٹ بلند) کھردنگ لا (۱۸۲۹۹ فٹ بلند) وغیرہ عبور کر کے جایا جا سکتا ہے ۔ بہرحال سارا علاقہ بہت سرد اور خشک ہے کہ برف اور بارش دونوں زیادہ نہیں ہوتیں ۔ پیداوار بھی بہت کم ہے ۔ مل یخ یا: ڈکھربو کے بعد مشرقی علاقوں میں زیادہ آبادی بدھ مذہب

والوں کی ہے۔اور بھارتی تاریخ کے مطابق [۲۳] یہاں کی سرخ گالوں اور چھریرے بدن وا
خوبصورت عورتوں کے مقابلہ میں مرد ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔اور سادہ ہوتے ہیں۔اور ا
علاقوں میں زنسکار کے گردونواح میں عورت، مرد کو بیاہ کر لاتی ہے۔اور مہابھارت کی کہا
میں جس طرح پانچوں کے پانچوں پانڈو، دروپدی کے خاوند تھے ان علاقوں میں عورت ایک۔
زیادہ خاوند رکھ سکتی ہے۔یہ سب کچھ بیان کرنے میں ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ ان علاقوں میں
ملخ سے مشرق کی طرف ہماری پیش قدمی کسی فوری، سیاسی، روحانی یا فوجی اہمیت کی حر
حامل نہ تھی۔بھارت کیلئے البتہ لہ بین الاقوامی لحاظ سے اہم جگہ تھی۔اور اگر ہم وہاں بروقت
قبضہ کرلیتے تو تب تو ٹھیک تھا لیکن ہم نے ادھوری کارروائی کی جس سے الٹا نقصان ہوا۔

لہ کی طرف پیش قدمی ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق [۲۴] بھارتی زیڈ بریگیڈ
تباہی کے بعد مجاہدین کی ایک پلٹون کو مل یخ بھیج دیا گیا تھا۔اور یہ صحیح کارروائی تھی لیکن !
میں میجر احسان نے لیفٹیننٹ بابر کو لہ فتح کرنے کیلئے ایک کمپنی کے ساتھ بھیج دیا۔جس نے ا
سے ۹ میل دور نیمو کو ۱۶ جولائی ۱۹۴۸ء کو فتح کرلیا اور اپنی تاریخ میں بابر کی دشمن کے ساتھ لامایار
سکر بچن، اور خلصی کے مقامات پر کئی جھڑپیں ہوئیں۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۱۷ اگست
دشمن نے جوابی کارروائی کے طور پر بابر کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب
ہوئے۔محاذ کے نئے کمانڈر کرنل (بعد میں میجر جنرل) غلام جیلانی نے اس محاذ میں بڑی دلچسپی
اور خود بھی وہاں گیا۔لیکن لہ کو فتح نہ کرسکا۔حسن خان اپنی کتاب میں کہتا ہے۔کہ خواہ مخواہ
گئے لہ ایک پکے ہوئے پھل کی مانند جھولی میں گر سکتا تھا [۲۵]۔بھارتی تاریخ بھی لہ کے بارے
میں عجیب و غریب تاثرات دیتی ہے۔ایک زمانے میں وہ لہ کو خالی کرنے کیلئے بھی تیار تھے [۲۶]
لیکن ہم نے ادھر کوئی بھرپور کارروائی نہ کی تو جنرل تھمایا خود بھی لہ گیا [۲۷]۔اور جولائی ۱۹۴۸ء میں
وہاں دو گورکھا پلٹنیں بھی بھیج دیں۔لیکن ہمارے لئے درہ زوجیلہ کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔
اور نومبر ۱۹۴۸ء میں بھارتیوں کی وہاں کامیابیوں۔اور اپنوں کی کوتاہیوں نے لہ کی طرف
ہماری پیش قدمی کو ایک لاحاصل مشق بنادیا، جس کی تفصیل اپنے وقت کے ارتقاء کے ساتھ
انتالیسویں باب میں ہے۔کہ گرمیوں کے موسم میں بھارتیوں کیلئے سری نگر کا علاقہ

Inleror Lines کا مرکز بن گیا تھا۔اور بھارتی کسی یونٹ کو ایک محاذ پر کچھ کام کرا کے
دوسرے محاذ پر لے جاتے تھے، کہ انہوں نے چند دنوں میں ہندواڑہ۔ٹٹھوال محاذ سے شلورا کے
مقام سے ایک گورکھا یونٹ کو لہ پہنچا دیا [۲۸] اگلے باب میں ہم البتہ پونچھ محاذ پر جاتے ہیں
جہاں سے جہاد کی بسم اللہ ہوئی اور ایک سازش کے تحت کشمیر کے عظیم فوجی اثاثہ کو وہاں
"باندھ" کر رکھ دیا گیا اور ان علاقوں میں انتالیسویں باب میں واپس آئیں گے۔

حوالہ جات

(۱)۔کشمیر کے حملہ آور، صفحہ ۱۴۸۔(۲)۔او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۳۵۰۔(۳)۔کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۳۴ اور ۱۳۵۔(۴)۔ایضاً صفحہ ۱۲۷۔(۵۔اور ۶)۔او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر۔صفحہ ۳۵۰۔(۷)۔ایضاً صفحہ ۳۱۵۔(۸)۔دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۷۔(۹)۔او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۳۰۹۔(۱۰)۔ایضاً صفحہ ۸۱۔(۱۱)۔ہم یہاں اپنے ریکارڈ کو کہ وہ ۲۸ اپریل کو وہاں پہنچے غلط اور بھارتیوں کے ریکارڈ کو وہ ۱۵ اپریل کو وہاں پہنچ چکے تھے صحیح سمجھتے ہیں۔(۱۲)۔دی کشمیر کیمپین صفحہ ۳۱۔(۱۳)۔او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۳۱۵۔(۱۴)۔دی کشمیر کیمپین صفحہ ۳۱۔(۱۵)۔شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۲۰۷۔(۱۶) ایضاً صفحہ ۲۱۱ تا ۲۱۴۔(۱۷)۔او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۳۲۲۔(۱۸)۔شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۲۱۶ تا ۲۲۰۔(۱۹)۔ایضاً صفحہ ۲۸۲۔(۲۰)۔دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۹ اور ۳۰۔(۲۱)۔ایضاً صفحہ ۲۹۔(۲۲)۔او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۹۹ اور ۳۰۰۔(۲۳)۔ایضاً صفحہ ۳۲۶۔(۲۴)۔دی کشمیر کیمپین صفحہ ۳۲ (۲۷)۔او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۳۳۰۔(۲۸)۔ایضاً صفحہ ۳۳۱۔

تیسواں باب

پونچھ کا محاصرہ؟

تانے بانے آٹھویں باب میں پونچھ میں جہاد کی بسم اللہ، اور چودھویں باب میں پونچھ کے محاصرے اور تیرھویں وچودھویں ابواب میں پونچھ کے ساتھ پہلے اوڑی اور پھر کوٹلی کی طرف سے بھارت کے ناکام رابطوں کی کوششوں کے سلسلہ میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ کتاب کے ہر باب میں پونچھ کے درمیانی محاذ ہونے کیوجہ سے اس کا کچھ نہ کچھ ذکر آیا۔ اور بھارت کی بری فوج کے انگریز سربراہ جنرل لاکھرٹ نے جنرل رسل کو جواہر لعل نہرو کے پاس بھیجا کہ اس کو بتائیں کہ پونچھ میں تقریباً تین ہزار فوجیوں اور ۴۵۰۰۰ سولین کا پیٹ بھرنا کٹھن کام ہے۔ اور پونچھ پر حملہ آوروں کا قبضہ، پونچھ کو خود خالی کرنے کے مقابلہ میں بہت بڑا المیہ ہوگا۔ چنانچہ بھارتی تاریخ کا اس سلسلہ میں "مطالعہ"[1] بڑی دلچسپی کی باتوں کا احیا کرتا ہے۔ کہ نہرو تمام تر سفارشات کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتا تھا، اور اس کا جواب ہوتا تھا" یہ سیاسی مسئلہ ہے" جواہر لعل نہرو جنگ بندی پر بھی تب تیار ہوا۔ جب نومبر ۱۹۴۸ء میں راجوری وبینڈھر کے راستے نوشہرہ اور پونچھ میں رابطہ بحال ہوگیا۔ کیا جواہر لعل نہرو تزویرات کا "ماہر" تھا؟۔ یا فقیر تھا۔ کہ ۲۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کو سردار پٹیل کو اپنے خط میں کہتا ہے" اکتوبر کا آخری ہفتہ اور نومبر ۱۹۴۷ء کا پہلا ہفتہ بڑے اہم ہیں۔ سردیاں آرہی ہیں۔ ان سے پہلے مہاراجہ کشمیر کی امداد ضروری ہے۔ اور ہم نے دسویں باب میں بیان کردیا ہے کہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ کو "امداد پہنچ گئی"۔ اور چودھویں باب میں سخی دلیر کے تاثرات بھی بیان کردیئے گئے ہیں کہ ہمارے ملک میں کون لوگ جواہر لعل نہرو کیلئے کام کررہے تھے۔ تو نہرو "آگاہ بھی تھا اور جو کچھ "چاہتا" تھا وہ ہو بھی جاتا تھا۔ البتہ ہمارا "حجاب" ہمارے قلب ونظر کی ناپاکی کی وجہ سے ہے۔

ڈاچی کا ٹھن (ہونٹ) پنجابی کی اس کہاوت کے مطابق ہر مرنے والے کے ہونٹ مرنے سے پہلے لڑھک جاتے ہیں۔ لیکن اونٹنی کے ہونٹ قدرتی طور پر لڑھکے ہوتے ہیں اور کشمیر کے ہمارے

عظیم فوجی اثاثے یعنی سدھنوں اور عباسیوں یا دیگر لڑاکا قبائل یا لوگوں کو اس انتظار میں بٹھا دیا گیا کہ اونٹنی (ڈاچی) ابھی مری کہ مری، پس تم اور کہیں مت جاؤ۔ یہ لوگ کشمیر میں کیا نہ کرسکتے تھے۔ ان میں جو حسد، رقابت، یا "لالچ" پیدا کیا گیا۔ یا ان متحرک مجاہدین کو جس طرح "ساکن" کردیا گیا۔ کہ متحرک دین کے ان عظیم فرزندوں کو ان کے آقا حضرت محمد مصطفیٰؐ، جو متحرکانہ طرز جنگ کی راہ پر لگا گئے[2]۔ ان کو اس پر عمل نہ کرنے دیا جائے۔ اور جو سازشیں، یا غداریاں، یا کوتاہیاں اس محاذ پر ہوئیں۔ ان سب کو بیان کرنے کیلئے ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ عاجز بہت اختصار کے ساتھ صرف چند پردے واقعات کے بیان کی مدد سے اتار سکے گا۔

زمین کا جائزہ ان دو ابواب کے ساتھ دو نقشے ہفت دہم اور ہشت دہم لگائے جارہے ہیں جو مددگار ہوسکتے ہیں۔ دریائے پونچھ کے شمالی کنارے پر آباد پونچھ شہر صوبہ جموں کا ایک ضلع اور آبادی کے لحاظ سے ریاست کشمیر کا چوتھا بڑا شہر ہے۔ اور تزویراتی، روحانی، جغرافیائی، فوجی اور سیاسی لحاظ سے ہمارے لئے پونچھ کی اہمیت جموں یا سری نگر سے بھی زیادہ تھی اور ہے۔ اوڑی اور حاجی پیر کی اونچان سے پونچھ کو راستہ بتیر یا بتیار نالہ کے مشرقی کنارے کے ساتھ آتا ہے، اور یہ نالہ پونچھ شہر کے جنوب مغربی کنارہ کے پاس زاویہ قائمہ کے طور پر دریائے پونچھ سے آکر ملتا ہے۔ اور مشرق میں دریائے پونچھ کے ساتھ چند میل اور آگے رخ تبدیل کرکے ایک راستے سے منڈی اور آگے سری نگر کے نزدیک گلمرگ تک جاتے ہیں۔ اور دریا کو چندک کے مقام پر عبور کرکے کچھ راستے بینڈھر کی وادی یا سرن کی وادی سے آگے راجوری تک جاتے ہیں۔ پونچھ سے دس میل مغرب دریائے پونچھ کے کنارے کے ساتھ مدارپور (سہڑ) گاؤں کے پاس سے ایک راستہ راولاکوٹ اور دوسرا کوٹلی کی طرف جاتا ہے۔ پونچھ کے شمال میں دیگوار۔ چڑی کوٹ، اور رہتا نوالی۔ مغرب میں ڈھیری۔ گل پور۔ کھڑی دھرمسال۔ عیدی نوٹ۔ حجبہ پہاڑی۔ سہڑ (مدارپور) اور بجیرہ۔ اور جنوب میں سلوتری، جھلاس، پیر مرغوث غازی اور خنیتر گلی وغیرہ جگہوں یا مقامات کا واقعات میں ذکر آتا رہے گا۔

جہاد کی بسم اللہ ہماری سرکاری تاریخ[3] کے مطابق۔ پونچھ کی طرف پیش قدمی کرنے

والوں اور یہاں کا محاصرہ کرنے والوں کا تعلق راولا کوٹ، باغ، پلندری، منگ اور کوٹلی وغیرہ کے علاقوں سے تھا۔ اور چودھویں باب میں صوبیدار میجر محمد خان شہید۔ کیپٹن حسین خان شہید اور ان کے عظیم لشکروں۔ صوبیدار ریٹائرڈ (اور بعد میں میجر) بوستان خان کی کمانڈ سنبھالنے۔ اور علاقہ کے لوگوں کے جوشِ جہاد کا ذکر بھی ہو چکا ہے میرے پاس پونچھ محاذ پر متعدد صاحبان یعنی سدھنوتی کے میجر / کرنل رحمت اللہ، کیپٹن شیر محمد۔ کیپٹن منور حسین، کیپٹن علی شیر۔ لیفٹیننٹ فرمان۔ لیفٹیننٹ بقا محمد۔ لیفٹیننٹ سردار خان۔ لیفٹیننٹ اللہ دتہ صوبیدار ہدایت اور نائب صوبیدار محمد افضل کے نام پہنچے کہ انہوں نے اس محاذ پر کام کیا[۴] اور کہا جاتا ہے کہ میجر / کرنل رحمت اللہ سیکٹر کمانڈر تھے اور سابق آزاد ہند فوج کے کرنل تاج محمد خانزادہ ان کے مشیر تھے۔ تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی، نویں اور بارھویں پلٹنوں کو انہی نے منظم کیا ہوا تھا۔ اور پونچھ کو ایک طرف سے محاصرہ میں لیا ہوا تھا۔ سردار عبدالقیوم جو انگریزی فوج میں ایک کلرک تھے انہوں نے کرنل کی وردی پہن لی تھی اور متعدد باغ بٹالینز کو منظم کیا، جن کی تفصیل پندرھویں باب میں بیان ہو چکی ہے۔ اور دوسری طرف سے پونچھ کا محاصرہ انہوں نے کیا ہوا تھا۔ اور ان کے مشیر کے طور پر سابق آزاد ہند فوج کے کرنل تجمل حسین کا نام لیا جاتا ہے۔ اور کچھ محسود قبائل بھی ان کی مدد کیلئے پہنچ گئے جس کا ذکر تیرھویں باب میں ہو چکا ہے۔ لیکن فروری ۱۹۴۸ کے آخری ہفتہ میں بریگیڈئیر صدیق ستی (اس وقت کرنل) کے اس محاذ پر پہنچنے سے پہلے یہاں اپنی کوئی متحدہ کمانڈ نظر نہیں آتی۔ اس عاجز نے اکبر خان طارق کو اس سلسلہ میں جو سوال بھیجا کہ اس نے طارق ہیڈ کوارٹر سے اس محاذ کیلئے کیا تجویز بنائی تو ان کا جواب تھا" کہ پونچھ محاذ صرف ایک توپ کی مار تھا۔ اور جھنگڑ کی فتح کے بعد انہوں نے یہ توپ مانگی، جو انہیں تو نہ ملی لیکن بریگیڈئیر صدیق ستی نے بعد میں کچھ توپیں حاصل کر لیں۔ ان توپوں کے استعمال میں جو رکاوٹیں ڈالی گئیں اور صدیق ستی کو جس طرح ان کے ساتھ کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں مصنف ساری کہانی کی، ان کی وساطت سے تحقیق کرے" اور اب قارئین اس کا انتظار کریں کہ اس عاجز نے یہ کچھ کر لیا ہے۔

پونچھ میں ڈوگرہ اور بھارتی افواج ہماری سرکاری تاریخ[۵] کے مطابق اور تیرھویں

باب میں بیان شدہ واقعات کے تانے بانے ملاتے ہوئے کرنل پریتم سنگھ پہلی کماؤں پلٹن کے ساتھ پونچھ کے محاصرہ کا بریگیڈیر بن گیا، اور اس نے پہلی۔ آٹھویں اور نویں (کل نفری تقریباً دو ہزار) ڈوگرہ پلٹنوں کو بھی منظم کر کے اپنی کمانڈ کا حصہ بنایا۔ پہاڑی توپخانہ کی ایک بیٹری بھی وہاں تھی۔ اور وہاں جو معمولی سا ہوائی اڈہ تھا، اس کے ساتھ مسلمانوں کے قبرستان کو معدوم کر کے اڈہ کو بڑھا دیا گیا، کہ ۱۵ دسمبر ۱۹۴۷ء سے بھارتی ڈکوٹہ جہازوں نے بھی وہاں اترنا شروع کر دیا۔ غیر ضروری سولین لوگوں اور مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ اور بھارتی فضائی فوج ہر وقت مدد کیلئے سامان پہنچانے یا مجاہدین پر حملے کرانے کیلئے بلائی جا سکتی تھی۔ اور راقم اس کو " محاصرہ " نہ کہے گا۔ بلکہ چند ہزار بھارتی نفری کے ساتھ ہمارا اعظیم فوجی اثاثہ یعنی تقریباً دس بارہ ہزار مجاہدین " بندھ " کر رہ گئے۔ کہ بھارتی مرضی کے مطابق کمک بھی بلا سکتے تھے۔ اور جنوری کے آخری ہفتہ اور فروری ۱۹۴۸ء کے پہلے ہفتہ میں ہوائی جہازوں سے ۳ / ۹ گورکھا رائفلز بھی وہاں کمک کے طور پر پہنچ گئی۔ اور بھارتی یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو اپنے دفاعی حصار کو پونچھ کے شمال میں ایک اہم پہاڑی اور دلان گاؤں تک پھیلاؤ دے چکے تھے۔ بھارتی تاریخ والے[۶] بھی یہی کچھ کہتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے پونچھ سے باہر کالمیں نکالتے رہتے تھے۔ اور بریگیڈئیر پریتم سنگھ جو میری پلٹن کا تھا اور میں اس کو ذاتی طور پر جانتا تھا۔ اس نے بھارتیوں کی بڑی خدمت کی لیکن ایک آدھ بھارتی بنیا کو شاید ناراض کیا کہ فائر بندی کے بعد اس کا بھارتیوں نے کورٹ مارشل کیا اور اس کو بے عزتی کے ساتھ فوج سے نکال دیا۔

مجاہدین اور محاصرین کی جھڑپیں اپنی سرکاری تاریخ[۷] میں بھارتیوں کی جنوری ۱۹۴۸ء میں چڑی کوٹ اور دیگوار کی طرف پیش قدمیوں کو روکنے اور کئی جھڑپوں کا ذکر ہے، جس کی ترتیب بھارتی تاریخ میں[۸] وار ڈائریوں کے صحیح ہونے کی وجہ سے زیادہ تفصیلی ہے۔ جن میں ۸، ۱۳، ۱۴، ۱۷، ۱۸ جنوری کی جھڑپوں میں وہ ہمارے ۸۹ شہداء اور ۹۰ زخمیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اپنے صرف دو جوانوں کے مرنے اور ۹ کے زخمی ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ دراصل تمام تر کاروائی " طاقت کی نبرد آزمائی " تھی۔ بھارتیوں کے پاس توپخانہ کے علاوہ ہر یونٹ میں چھ چھ، تین انچ کی مارٹریں یعنی کل ۳۰ مارٹریں تھیں۔ اور اپنے پاس صرف ایک مارٹر تھی جس کا سائیٹ

بھی نہ تھا۔ لیکن اپنا جانی نقصان بہت کم ہوا۔ اور بھارتی اس سلسلہ میں حسب عادت دروغ گوئی کر رہے ہیں۔

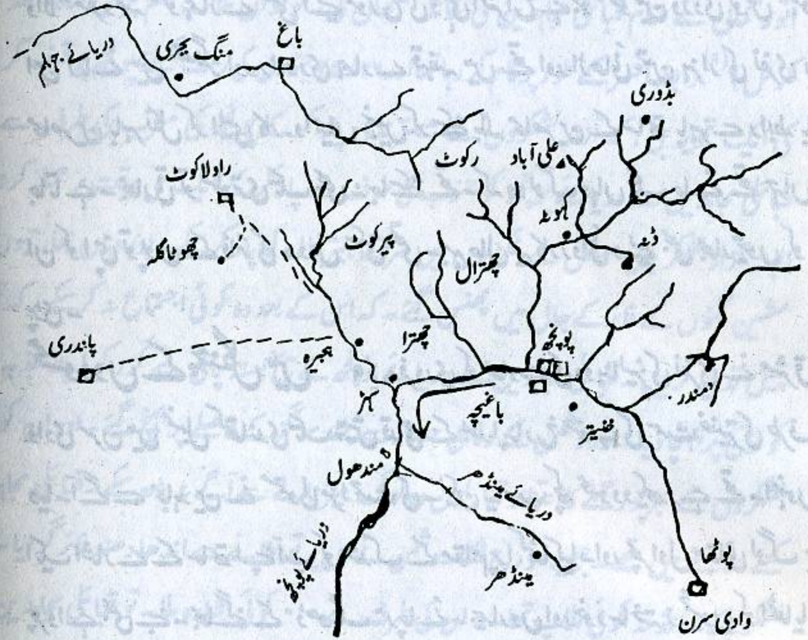
قبائلی مجاہدین کی آمد جنوری ۱۹۴۸ء کے آخری دنوں میں قبائلی مجاہدین جن میں زیادہ کا تعلق افغانستان کے زدران قبیلہ سے تھا پونچھ محاذ پر پہنچ گئے۔ اور آزاد کشمیر کے ایک کرنل انور کمال نے تمام قبائلی مجاہدین کی کمانڈ سنبھال لی۔ نوجوان طالب علم چراغ شاہ (بعد میں کرنل)[9] رابطہ افسر کے طور پر کام کر رہا تھا اور ۲۶/ ۲۵ جنوری کی رات کیلئے پونچھ پر قبضہ کرنے کی ایک تجویز بنی، کہ آزاد لشکروں نے بیسٹر ندی پار کر کے پونچھ کی مغرب کی طرف سے اور قبائلی مجاہدین نے دریائے پونچھ کو جنوب کی طرف سے پار کر کے ایک ہی وقت پر حملہ کرنا تھا البتہ آزاد لشکر بڑی مشکل سے ٹکڑیوں میں صرف بیتر نالہ کو پار کر سکے۔ اور وہاں بھارتیوں کی مشین گنوں کے فائر کے جال میں پھنس گئے۔ کہ اس کے بعد وہ کوئی اجتماع نہ کر سکے، کہ آگے پیش قدمی کریں۔ قبائلی مجاہدین نے دریائے پونچھ کے تخ بستہ پانی سے گزر کر اپنے جذبہ جہاد کو اوج پر پہنچا دیا۔ اور دشمن کے دفاعی حصار سے چند سو گز کے فاصلے پر پہنچ گئے۔ اور ان کو آزاد لشکروں کے بھرپور حملے کا انتظار تھا، لیکن وہ لوگ بیتر نالے سے آگے نہ بڑھ سکے۔ قبائلی مجاہدین کھلے علاقے میں تھے۔ جیسے سورج نکلا۔ دشمن نے ان پر توپخانے سے اندھا دھند فائر گرایا۔ آزاد لشکر کے ساتھ نہ کوئی ملاپ تھا۔ نہ ان کی طرف سے کوئی اشارہ ملا۔ تو قبائلی مجاہدین نے بھی پسپائی شروع کر دی اور ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق قبائلی مجاہدین کا کافی نقصان ہوا[10] جس کے بعد ان میں سے کچھ نے ہجیرہ کی طرف جانا شروع کر دیا۔ جس کا باقی مجاہدین پر بھی اچھا اثر نہ پڑا۔ بھارتیوں کو شاید یہ تو نہ معلوم ہو سکا کہ یہ ہمارا ایک بہت بڑا حملہ تھا جو ناکام ہو گیا۔ انہوں نے اپنی تاریخ میں یہ کچھ لکھا[11]۔ کہ حملہ آوروں نے ان کی چار پکٹوں پر لگاتار حملے کئے اور دو سو کے قریب حملہ آور ان کے دفاعی حصار کے نزدیک بھی پہنچ گئے جن کو ۲۶ جنوری کی صبح انہوں نے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ دراصل یہ حملہ پہلی رات کو کر دیا گیا تھا۔ اگر آدھی رات کے بعد کرتے تو یہ "خاموش" حملہ شاید کامیاب ہو جاتا۔ کہ ہمارے پاس فائر پاور تو تھی ہی نہ۔

بھارتی لوٹ مار کی کالمیں ۸/ ۹ فروری کو بھارتیوں نے پونچھ سے مشرق اور جنوب میں خانیتر کی طرف جو کالمیں بھیجیں وہ ان کو غلہ اکٹھا کرنے والی کالموں کا نام دیتے ہیں۔ یعنی یہ کالمیں لوٹ و مار کیلئے نکلیں۔ اپنی سرکاری تاریخ والے کہتے ہیں کہ بھارتیوں کو شاید افغانستان کے مجاہدین کے محاذ سے چلے جانے کی بھنک لگ گئی، کہ جنوب کی طرف سے محاصرہ کرنے والوں کی تعداد گھٹ گئی۔ کہ انہوں نے خانیتر اور سلوتری گاؤں کی طرف نکل کر مینڈھر وادی کے راستے نوشہرہ محاذ کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ خیر نوشہرہ محاذ کے ساتھ رابطہ والا "مفروضہ" تو ہمارے کسی ایسے مورخ کی ذہنی اختراع ہے جو "سولین وردی پوش" ہوگا کہ اس زمانے میں جھنگڑ اور راجوری ہمارے قبضہ میں تھے اور اڑھائی تین ہزار کی نفری والے محاصرین باہر نکل کر ایسی کارروائیاں نہیں کر سکتے بلکہ محاصرین کے ساتھ باہر سے رابطہ باندھا جاتا ہے۔ بھارتی تو سلوتری تک بھی نہ جا سکتے تھے۔ کہ وہ لوگ وہاں تک جاتے تھے جہاں تک ان کو اپنی توپوں کے فائر کی مدد مل سکتی تھی۔ بہرحال یہ کارروائی ویسے بھی بھارتیوں کو مہنگی پڑی۔

محسودوں کے چنگل میں ۹/ ۸ فروری کو بھارت کی دو بٹالینز کی نفری نے مشرق میں وادی سرن میں نمبل کتھاندی تک پیش قدمی کے بعد اپنا رخ جنوب کی سمت خنیتر کی طرف موڑ دیا۔ آگے سے مجاہدین نے معمولی مزاحمت کی۔ لیکن یہ سب کچھ محسود دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ایک اشارے کے ساتھ اپنے آپ کو چندک کے مقام پر اکٹھا کیا۔ اور ہر اول مقامی لوگ بن کر چرواہے بھی بنے۔ بھاگنے کے "ڈھونگ" رچائے۔ بیماروں اور خود ساختہ زخمیوں کو اٹھایا۔ اور شام تک بھارتی دستوں میں "گھل مل" گئے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے بھارتیوں نے کچھ مورچے کھودنے شروع کئے کہ محسود ان کے "اندر" سے ان پر پل پڑے۔ بھارتیوں نے بے ترتیبی سے پسپائی شروع کی، لیکن شہر کے نزدیک بھارتیوں نے اپنے دفاعی حصار سے ایک کمپنی کو باہر نکال کر ان دو پلٹنوں کے بھگوڑوں کو سہارا دیا۔ اور مجاہدین کو ان کے تعاقب سے روکا کہ بھارتی توپیں امدادی فائر بھی دے رہی تھیں۔ پھر بھی بھارتی چار افسروں سمیت ۱۲۰ لاشیں چھوڑ گئے۔ اس کارروائی میں کیپٹن میر بادشاہ (جنرل عالم جان محسود کے والد) کے قبیلہ کے ایک سردار عالم خان اور آزاد فوج کے نائک غلام احمد نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔

نقشہ ہفت دہم

پونچھ کی طرف پیش قدمی اور پونچھ کا محاصرہ



سکیل ایک انچ برابر چار میل

مغربی سمت کی بھارتی پیش قدمی بھارتی تاریخ [۱۲] ۱۴ سے ۱۸ فروری تک مغربی سمت سے ۵، ٹن غلہ اکٹھا کرنے کی ایک کارروائی کا ذکر کرتی ہے ۔ اس کے لئے بھارتیوں نے فرنٹیر وار فیئر والا طریقہ اختیار کیا ۔ اور نین سکھ گاؤں تک پہنچ گئے اس سے آگے کچھ مجاہدین کے دائیں بائیں کے حملوں کیوجہ سے اور کچھ توپوں کے فائر کی پوری امداد نہ ملنے کیوجہ سے بھارتیوں نے اپنا رخ سلوتری ۔ جھلاس کی طرف موڑ دیا ۔ ان جھڑپوں میں بھارتی اپنے دو آدمیوں کے ہلاک ہونے اور گیارہ زخمیوں کا ذکر کرتے ہیں ۔ اور ہمارے ستر مجاہدین کو شہید کر دیتے ہیں ۔ حالانکہ ہمارا صرف ایک مجاہد شہید ہوا ۔ اور درجن بھر جوان زخمی ہوئے ۔ کہ ہمارے مجاہدین " ساکن " اور پکٹوں کے اندر بیٹھ کر لڑائی لڑتے رہے ۔ اور ہمارے ذرائع کے مطابق بھارتیوں نے بہت زیادہ نقصان اٹھایا ۔ اور یہ ان کی ایک لاحاصل مشق ثابت ہوئی ۔ ہمارے مورخ اس کو بھی بھارتیوں کے نوشہرہ محاذ کے ساتھ رابطہ کی کوشش کہتے ہیں جو تجزیہ غلط ہے ۔ ہاں بھارتی یہ ضرور دیکھ رہے تھے کہ اگر باہر سے ان کو کوئی امداد آئے تو وہ اپنے دفاعی حصار سے کتنا دور نکل کر ان کی سواگت کر سکتے ہیں ۔ اور اس عاجز کا یہ تجزیہ صحیح ہے کہ عملی طور پر پونچھ کا کوئی محاصرہ نہ تھا ۔ اس لئے عنوان کے ساتھ سوالیہ نشان لگایا گیا ۔

بھارتیوں کی ایک اور مہم گو اپنی تاریخ اس سلسلہ میں خاموش ہے ۔ لیکن بھارتی تاریخ [۱۳] کے مطابق یکم مارچ ۱۹۴۸ء کو انہوں نے پہلی کماؤں پلٹن ۔ آدھی آٹھویں کشمیر پلٹن اور مہر پلٹن کی مشین گنوں اور مارٹروں والی کمپنی کی ایک کالم نکال کر کھنیتر کے علاقے پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا ۔ کہ بعد میں گورکھا پلٹن کی دو کمپنیاں بھی وہاں بھیجی گئیں ۔ اور توپخانہ بھی کچھ علاقے تک ساتھ تھا ۔ ان جھڑپوں میں وہ پہلے ایک جگہ صرف ایک آدمی کے ہلاک ہونے اور چار زخمیوں کا ذکر کرتے ہیں ۔ لیکن بعد میں تسلیم کرتے ہیں کہ سات آدمی ہلاک اور آٹھ زخمی ہوئے ۔ اور واللہ اعلم پورا نقصان کتنا تھا ۔ لیکن کھنیتر کو چھوڑنے کے سلسلہ میں ایک عجیب و غریب کہانی بیان کرتے ہیں ۔ کہ ان کو وہاں حملہ آوروں کی سات لاشیں ملیں ، جن کی تلاشی سے معلوم ہوا کہ یہ آدمی پاکستان آرمی کی ۳ / ۱۶ پنجاب رجمنٹ (موجودہ ۱۵ پنجاب) سے تعلق رکھتے تھے ۔ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے کہ کاغذوں پر صرف رجمنٹ یعنی ۱۶ پنجاب تو ہو سکتا ہے ۔ لیکن

پے بک پر پلٹن کا نام نہ ہوتا تھا۔ اور ان دنوں راقم ۳ / ۱۹ پلٹن میں گوجرانوالہ کے نزدیک راہوالی میں متعین تھا۔ اور ہمارا کوئی آدمی رضاکار بن کر بھی ان دنوں جہاد کشمیر میں نہ گیا تھا۔ یہ سب شرارت پریتم سنگھ کا کورٹ مارشل کرنے کیلئے کی، کہ ۳ / ۱۹ اس کی پرانی پلٹن تھی اور اس پر الزام لگایا کہ جہاں اس کا کوئی جاننے والا پاکستانی یا اس کی پلٹن کا کوئی آدمی اس کے سامنے ہوتا تو وہ بھرپور کارروائی نہ کرتا تھا۔ اور یہ بھارتی بنیا کی ذہنی پستی کی مثال ہے۔ کہ اگر سکھ ان کی مدد نہ کرتے تو بھارت آزادی کے وقت اپنے پاؤں پر نہ کھڑا ہوسکتا۔ لیکن اب سکھوں کے ساتھ ہندو بنیئے کیا کچھ نہیں کر رہے۔

اپنی لیپا پوتی اپنی سرکاری تاریخ کے صفحہ ۱۲۱ سے ۱۲۴ تک پونچھ محاذ کی تمام تر کارروائیوں کے سلسلہ میں برگیڈیئر (بعد میں میجر جنرل) حیاء الدین کو سہرے باندھے گئے ہیں۔ حالانکہ پونچھ محاذ پر ان کا کل قیام دو ہفتے ہے۔ جن میں انہوں نے تین چار دن وہاں کے کمانڈر کرنل (بعد میں برگیڈیئر) صدیق ستی کے ساتھ رابطے میں گزارے اور اگلے دس دن بھارت کے ساتھ اس محاذ پر عارضی فائر بندی کی نگرانی میں گزار دیئے۔ اور اس کے بعد موجودہ نویں ایف ایف کے کرنل صدیق راجہ کو چارج دے دیا۔ لیکن میجر اسلم کی طرح جگ ہنسائی سے بچنے کیلئے کہ وہ اپنے آپ کو ایک ہی وقت میں اوڑی محاذ پر بھی بتاتا تھا اور گلگت محاذ پر بھی۔ حیاء الدین ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے سرکاری تاریخ میں اپنے "کارناموں" کے بیانات کے ساتھ سے "کب" یعنی کس دن کیا ہوا جیسے الفاظ کو حذف کرا دیا، کہ اس کو جو ہلال جرات سے نوازا گیا وہ جھوٹ قوم کے سامنے ظاہر نہ ہو۔ لیکن جولائی ۱۹۹۰ء میں جہاد کشمیر کے سلسلہ میں محکمہ تعلقات عامہ کے راولپنڈی کے سیمینار نے سب پول کھول دیئے۔ برگیڈیئر صدیق ستی جو ایک بہت بڑا سکالر ہونے کے علاوہ اونچے پایہ کا مقرر بھی ہے۔ اس کے بیانات سے اس سیمینار میں جی ایچ کیو ایڈیٹوریم پر سناٹا چھا گیا۔ چند الفاظ یہاں لکھے جاتے ہیں۔ "پونچھ کا بھارتی کمانڈر برگیڈیئر پریتم سنگھ ہتھیار ڈالنے پر تیار ہوگیا۔ تمام شرائط طے ہوگئیں کہ ہمارے انگریز سپہ سالار جنرل گریسی نے مجھے عارضی جنگ بندی کا مشورہ دیا۔ کہ میں بھارتیوں کو پونچھ سے بیمار اور زخمی بذریعہ ہوائی جہاز کے نکالنے کی اجازت دے دوں۔ کچھ ریزرویشنز اور پروٹیسٹ کے بعد مجھے یہ حکم ماننا پڑا

کہ مجھے بتایا گیا کہ یہ فیصلہ نہرو اور لیاقت کے درمیان طے ہوچکا ہے۔ پہلے بھارتی جہاز میں دکھاوے کیلئے کچھ نرسیں آئیں۔ لیکن بیچ سے کچھ بھارتی سامان اترتا نظر آیا۔ دوسرے جہاز سے ہتھیار اترتے صاف نظر آئے، تو میں نے بھارتی جہاز پر فائر کرنے کا حکم دے دیا۔ اور مزید جہاز آنے بند ہوگئے۔ برگیڈیئر حیاء الدین جس کو وہاں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس نے کہا کہ اب وہ پونچھ محاذ کا کمانڈر ہے اور جنرل گریسی نے مجھے جنرل لافنس ٹاٹنھم کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ میں محاذ حیاء الدین کے حوالے کر دوں۔ تو میں وہاں سے راولپنڈی آگیا۔ اور حیاء الدین ایک ہفتہ تک اس فائر بندی کی "نگرانی" کرتا رہا۔ اور قوم کو معلوم ہے کہ پونچھ اب بھی بھارت کے قبضے میں ہے"۔

محتاط بیانی صدیق ستی نے یہ بیان بھی بڑے محتاط الفاظ میں دیا۔ کہ اس کے پاس آکر حیاء الدین کا ہم زلف اور ہم عقیدہ میجر جنرل غلام جیلانی بیٹھا تھا۔ جس کی اپنی غداریوں یا کوتاہیوں کی کہانی انتالیسویں باب میں آرہی ہے۔ کہ اس کے بعد غلام جیلانی کو کسی سیمینار میں حاضر ہونے کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر جن ہتھکنڈوں سے جنرل اکبر خان طارق اور برگیڈیئر صدیق۔ ستی گزرے اور جس طرح کال کوٹھڑیوں میں ان کو ذہنی طور پر مفلوج کیا گیا۔ یا جو جھوٹے گواہ ان کے خلاف پیش کئے جنہوں نے بات کا بتنگڑ بنایا۔ تو صدیق ستی نے تمام تر بیانات بہت زیادہ محتاط الفاظ میں دیئے۔ اور صرف برگیڈیئر عطا محمد ملک کی کچھ سچی باتوں سے ان کی حوصلہ افزائی ہوئی تو اتنا کچھ بھی کہہ دیا کہ یہ عاجز سچائی کی تلاش میں کچھ "لقمے" دے رہا تھا۔ لیکن سیمینار کے آخری لمحوں میں اس عاجز نے جب میجر جنرل نوابزادہ شیر علی کو تلخ حقیقتوں سے اس طرح دوچار کیا، کہ لاجواب ہوکر وہ مائیک سے ہٹ گئے۔ اور پھر تمام سامعین کو اس عاجز نے مختصراً ان سازشوں اور غداریوں سے آگاہ کیا جن کی میں تحقیق کر چکا تھا۔ تو صدیق ستی نے سیمینار کے اختتام پر مجھے آکر گلے لگا لیا۔ لیکن وہ زیادہ حیران اس وقت ہوئے جب میں نے ان کو بتایا کہ میں ان کو دوسری جنگ عظیم میں ۱۹۴۴ء میں برہما محاذ پر مل چکا تھا۔ اور دہلی کے نزدیک ۱۹۴۶-۴۷ء میں گڑھ مکتیشر میں انہوں نے جو مسلمانوں کی حفاظت کی اس کا میں چشم دید گواہ ہوں۔ تو ہمارے پرانے تعلقات عود کر آئے۔

راقم کی تحقیق یہ عاجز پونچھ محاذ پر عارضی فائر بندی کے نقصانات کا ذکر پہلے بھی اپنی
ایک کتاب جو ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی اس میں کر چکا ہے [۱۴]۔ حیاء الدین بھی ۱۹۴۴ء سے برہما
محاذ پر میرا ذاتی دوست بن گیا تھا۔ کہ وہ اس زمانے میں میجر تھا اور دل سے تحریک پاکستان کا
حامی تھا۔ اور میں اس کو محاذ پر ڈان یا باقی مسلم لیگی اخباروں کی کاپیاں دیا کرتا تھا۔ لیکن پونچھ
میں جو کچھ اس نے کیا یا کرایا۔ اس سلسلہ میں اس عاجز نے ہمیشہ اس کو اس کے منہ پر کہا کہ
اس سے غلطی ہوئی۔ لیکن یہ تو مجھے اب باقی تحقیقات کے تانے بانے ملانے کے بعد معلوم ہوا
کہ قادیانی ہونے کی وجہ سے وہ تو سازش کی ایک کڑی تھا۔ جنرل گریسی، گورکھا یونٹوں کا
ہونے کیوجہ سے پاکستانی افسروں میں سے بہت کم افسروں کو جانتا تھا۔ لیکن حیاء الدین اور
صدیق ستی دونوں نے برہما محاذ پر اس کے ماتحت کام کیا تھا۔ اور دونوں انگریزوں کے منظور نظر
تھے کہ آزادی کے وقت حیاء الدین متحدہ ہندوستان کی طرف سے کرنل کے طور پر لندن میں
ملٹری اٹاشی تھا۔ اور صدیق ستی کیمرلے سٹاف کالج میں کورس کر رہا تھا۔ جب بریگیڈیئر شیر خان
نے جنرل گریسی کو بتایا، کہ صدیق ستی پونچھ محاذ پر جا رہا ہے، تو گریسی خوش ہوا کہ کیمرلے کے
رنگ میں رنگا ہوا اس کا "آدمی" ایک اہم محاذ پر جا رہا ہے۔ تو صدیق ستی کو بلا کر اس کے ساتھ
اس نے ملاقات کی۔ تو حیلہ فرنگی کا ماہر گریسی بھانپ گیا۔ کہ صدیق ستی با اصول آدمی ہے۔
انگریزوں کے ساتھ اس کی وفاداری وعدہ اور اصول کی وجہ سے تھی۔ اب وہ پاکستان کا زیادہ
وفادار ہو گا۔ اور پھر صدیق ستی جس طرح توپیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا، تو گریسی نے
توپوں کے استعمال پر کئی پابندیاں لگائیں اور یہ سب کہانیاں تفصیل کے ساتھ آگے آئیں گی
کہ گریسی اور انگریزوں پر ظاہر ہو گیا تھا کہ پونچھ پاکستان کی جھولی میں گرنے والا ہے۔ اور
صدیق ستی ملک کے ساتھ غداری نہ کرے گا۔ تو تب ہی گریسی نے حیاء الدین کو پونچھ محاذ پر
بھیج دیا جو قادیانی ہونے کی وجہ سے انگریزوں کی ہر بات ماننے کو تیار تھا۔ ورنہ وہ اکبر خان طارق
اور بریگیڈیئر شیر خان سے بھی سینئر تھا۔ اور اتنے سینئر آدمی کو ایک محاذ پر بھیجنا۔ اور صرف دو
ہفتے رکھنا۔ سب باتیں بڑی عجیب و غریب لگتی ہیں۔

صدیق ستی۔ پونچھ محاذ پر صدیق ستی جیسے ولایت سے واپس آئے تو چودھری محمد علی

نے پہلے تو ان کو بلوچستان میں "سمگلروں" سے ہتھیار خریدنے کیلئے بھیج دیا۔ جن سمگلروں پر
بلوچستان کی حکومت چھاپہ مارنے والی تھی جس کی خبر صدیق ستی کو اپنے ایک دوست کرنل
مظفر کے ذریعہ سے مل گئی اور صدیق ستی نے ان ٹوٹے پھوٹے ہتھیاروں پر رقم ضائع نہ کی۔
لیکن صدیق ستی کے اندر جذبہ جہاد کی آگ بھڑک رہی تھی، اور وہ اپنے آبائی علاقہ کہوٹہ کے
نزدیک پونچھ محاذ پر جنگ بندی التوا کو دیکھ کر اپنے اندر کڑھ رہے تھے۔ وہ پونچھ کی عسکری یا
سیاسی اہمیتوں کو خوب تر سمجھتے تھے جس کا یہ عاجز ذکر کر آیا ہے۔ ان کو معلوم تھا کہ پونچھ کشمیر
کی فتوحات کی کنجی ہے۔ ہمیں پہاڑوں میں ٹکرایا جا رہا ہے۔ اوڑی۔ بارہ مولا وغیرہ کی پونچھ کے
مقابلے میں کوئی اہمیت نہ تھی۔ پونچھ کی فتح کے بعد گلمرگ سے لے کر نیچے سری نگر سے جموں
سڑک تک درہ بانہال۔ رام بن وغیرہ تک مجاہدین پہنچ کر بھارتیوں کو وادی کشمیر میں مجاہدین
کوئی چیز نہ پہنچنے دیں گے۔ تو انہوں نے فروری ۱۹۴۸ء میں رضاکارانہ طور پر اس محاذ پر جانے کیلئے
اپنی خدمات پیش کر دیں اور فروری کے آخری ہفتہ میں محاذ پر پہنچ گئے۔ کہوٹہ کے نزدیک پنجاڑ
سے آگے تراڑ خیل تک انہوں نے پیدل سفر کر کے آزاد کشمیر کی حکومت سے ملاپ کیا اور ان پر
زور دیا کہ وہ پونچھ تک سڑک بنائیں کہ میجر (بعد میں بریگیڈیئر) ریاض الحق کی ۴۲ فیلڈ انجنیئر کمپنی
والے جنوری ۱۹۴۸ء میں آزاد پتن تک ایک سڑک بنا رہے تھے اور ہماری سرکاری تاریخ میں جو
لکھا ہوا ہے کہ اس کا حکم حیاء الدین نے محاذ پر جاتے وقت دیا، یہ بات "زماں" کے لحاظ سے غلط
ہے یا جو لکھا [۱۵] ہے کہ حکومت پاکستان نے جو پونچھ محاذ پر چند توپیں اور کچھ فوجی بھیجے اور
حیاء الدین ان کو ساتھ لے گیا۔ یہ بھی غلط ہے کہ حیاء الدین پونچھ پر ۱۷ مارچ کے بڑے حملے سے
صرف دو دن پہلے پہنچا جس کی تفصیل اگلے باب میں آتی ہے۔ البتہ حیاء الدین موجودہ نویں۔
ایف ایف کی ایک کمپنی کیپٹن محمد نواز کے تحت اپنے ساتھ لے گیا۔ لیکن ان کو استعمال نہ کیا
گیا۔

صدیق ستی کی انتظامی اور حربی سوچیں تو پونچھ محاذ کی طرف ساری سڑک
صدیق ستی نے رضاکاروں سے بنوائی اور ان کی کوشش سے لوگوں نے پانچ ہزار من گندم اور
دو ہزار من چاول رضاکارانہ طور پر اکٹھے کئے۔ اور وادی مینڈھر کے لوگوں نے گھی بھی اکٹھا کیا۔

صدیق ستی نے محاذ کا جائزہ لیا۔ تو ان کو سمجھ آگئی کہ اگر ملٹری اکیڈمی ڈیرہ ڈون کا ان کا پرانا ساتھی پریتم سنگھ جس کو وہ "پریتو" کہہ کر پکارتے تھے، پونچھ نہ آجاتا اور ہوائی اڈہ نہ بنواتا تو ڈوگرے کب کے ہاتھ کھڑے کر چکے ہوتے۔ تو اس نے لبریشن کمیٹی کے سربراہ دین محمد کو کسی طرح توپوں کی ضرورت اور اس کے استعمال کی بات باور کرالی، اور دین محمد اس سلسلہ میں حکومتِ پاکستان کے پیچھے پڑگیا۔ گو صدیق ستی کی مرضی کی ۲۵ پاونڈ گن توپونچھ محاذ پر بہت دیر کے ساتھ بھیجی گئی لیکن میجر (بعد میں کرنل) عدالت اور میجر (بعد میں کرنل) گلزار کی تیسری اور چوتھی پہاڑی بیٹریوں کا ہماری سرکاری تاریخ میں جو پہنچ جانے کا ذکر ہے۔ اس کا یہی پس منظر تھا۔ اور جنرل گریسی اس بات پر بڑی مشکل سے راضی ہوا۔ اور وہ وقتاً فوقتاً صدیق ستی کو ہدایات بھیجتا رہتا تھا، کہ توپوں کا استعمال اس کی اجازت سے ہوگا۔ لیکن اس کو صدیق ستی پر ہرگز پورا اعتبار نہ آیا۔ اور اس نے حیاء الدین کو بھی پونچھ محاذ پر بھیج دیا۔ اور اس کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اس کو محاذ سے جلد "فارغ" کرکے لندن میں، ہمارا ملٹری اتاشی بنا دیا جائے گا۔ میرے دوست چراغ شاہ کے مطابق یہ سن کر حیاء الدین کی باچھیں کھل گئیں۔ کہ ہمارے جیسے غریب ملک کا لندن میں اتاچی برگیڈئیر کے عہدہ کا ہو۔ جب کہ متحدہ ہندوستان میں یہ کام کرنل کرتا تھا۔ اور ہماری سرکاری تاریخ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ پونچھ میں جو کچھ حاصل کرلیا گیا تھا۔ وہ بھی ختم ہوگیا کہ حیاء الدین نے لشکروں کو پرانی پوزیشنوں پر آنے کا حکم دے دیا[16]۔ اور ادھر ہماری سرکاری تاریخ میں حیاء الدین کو ہر قسم کے سہرے بھی باندھے گئے ہیں کہ حیاء الدین کے محاذ پر پہنچنے کے پندرہ دن کے اندر پونچھ تک سڑک بھی تیار ہوگئی[17] ان سب تضادوں سے اگلے یعنی اکتیسویں باب میں پردے اتارے جائیں گے۔

افسوسناک پونچھ محاذ کی ساری کہانی افسوسناک ہے۔ میجر تجمل کے علاوہ میرے ایک جاننے والے سکالر قسم کے اور اونچے فہم و فراست والے میجر ظہیرالدین نے بابر کا نام اپنا کر اس محاذ پر کام کیا۔ وہ ۱۹۵۱ء میں جی ایچ کیو میں ڈپٹی ڈائریکٹر آف ملٹری انٹیلیجنس تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی عجیب و غریب زندگی میں کتنے اتراؤ چڑھاؤ اور مایوسیاں دیکھیں۔ کہ ۱۹۵۳ء میں خودکشی کرلی وہ مجھے پونچھ کے بارے بتایا کرتے تھے کہ سب کچھ افسوسناک ہے۔ ہم لڑنے والوں کو صحیح طور

پر نہ لڑا سکے۔ یہ عاجز اس سلسلہ میں آزاد کشمیر کے موجودہ وزیراعظم سردار قیوم کی مثال دے گا کہ اب وہ جو کہتے ہیں کہ ان کے ذہن میں سری نگر فتح کرنے کی تجویز تھی۔ وہ بے چارے بھی اس زمانے میں پونچھ کی اہمیت کو نہ سمجھ سکے۔ جس کے آزاد ہونے کے بعد بھارتی سری نگر اور وادی میں نہ ٹھہر سکتے تھے او سردار قیوم بھی پونچھ کے نزدیک ہی بیٹھے رہے۔ جنوری ۱۹۴۸ء تک سدھن اور عباسی لشکر قبائلی مجاہدین کی مدد سے پونچھ کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے تھے۔ لیکن متحدہ کمانڈ نہ تھی اور محمد زمان کیانی وغیرہ بھی کوئی رہنمائی نہ دے سکے۔ اب صدیق ستی نے آکر کچھ حاصل کرلیا تو وہ کہانی اگلے باب میں پڑھیں کہ کیا غداریاں ہوئیں

حوالہ جات

(۱)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر۔ صفحہ ۸۱۔ (۲)۔ حضور پاک کا جلال و جمال صفحہ ۵۱۵ اور ۵۱۶۔ (۳)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۱۶۔ (۴)۔ میرے لئے سب مجاہدین عظیم ہیں۔ مجھے جو نام اور عہدے معلوم ہوسکے وہ میں نے لکھے دیئے۔ جن کے نام میرے تک نہ پہنچے۔ یا جن کے عہدے میں نے صحیح نہ لکھے میں ان سے معافی کا خواستگار ہوں کہ ان کے لئے جزا اللہ کے پاس ہے اور اللہ ان کے روز قیامت بڑے عہدوں سے نواز دے گا (۵)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۱۷۔ (۶)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۳۸۔ (۷)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۱۸۔ (۸)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۳۹۔ (۹)۔ ان کا ذکر سری نگر کی طرف پیش قدمی کے وقت میجر خورشید انور کے معاون کے طور پر ہو چکا ہے۔ (۱۰)۔ اوپریشنز ان جموں و کشمیر صفحہ ۲۴۰۔ (۱۱)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۲۰۔ (۱۲)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۴۰۔ (۱۳)۔ ایضاً صفحہ ۲۴۱۔ (۱۴)۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۳۵۔ (۱۵)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۲۱ اور ۱۲۲۔ (۱۶) ایضاً صفحہ ۱۲۴۔ (۱۷)۔ ایضاً صفحہ ۱۲۲۔

اکتیسواں باب

پونچھ کی فائر بندی کی سازش اور اس کے اثرات

تضاد بیانی یہ عاجز اپنی کتاب حضور پاکؐ کے جلال و جمال اور پنڈورا باکس کے متعدد صفحات [۱] پر رونا رو چکا ہے کہ پچھلے ۴۷ سالوں میں دو تین کتابوں کو چھوڑ کر ہمارے ملک میں نہ سیرت نبیؐ پر نہ اپنے ملک کے حالات پر کوئی کتاب لکھی گئی۔ جس میں کوئی تحقیقی پہلو ہو یا واقعات کا بامقصد مطالعہ ہو۔ لیکن کشمیر کے جہاد کے سلسلہ میں اپنی تاریخ کو تو تاریخ برائے تاریخ کی کتاب بھی نہیں کہہ سکتے کہ کسی "عمارت" کی بجائے یہ پتھروں اور مٹی کا ڈھیر ہے۔

بائیسویں باب میں اس کتاب کے دسویں باب کی غلط بیانیوں اور مہمل باتوں پر کچھ تبصرہ ہو چکا ہے۔ اب ذرا اس کتاب کے سولھویں باب کی پر تضاد باتوں کو پڑھیں۔ لکھا ہے [۲]

"حیاء الدین کو ۴/ ۱۳ فرنٹیر فورس کی کمپنی کو حملہ کرنے کیلئے استعمال کرنے کی اجازت تو نہ ملی اور بھارتی اس دوران کچھ حوصلہ میں آگئے اور انہوں نے اپنے آپ کو منظم کر لیا۔ تو حیاء الدین نے آزاد فوجوں اور قبائلیوں کو اپنی پرانی پوزیشنوں پر واپس آجانے کا حکم دے دیا۔ تو بھارتیوں نے بغیر کسی لڑائی کے ان پوزیشنوں پر قبضہ کر لیا۔ اور بھارتی فوجی اور سولین پونچھ میں حد سے زیادہ خوف وہراس کا شکار تھے۔ کہ اس طرح گلا گھونٹنے والی حالت کا وہ کبھی شکار نہ ہوئے تھے۔" اب اس میں کس بات کو صحیح مانا جائے کہ بھارتی خوف وہراس کا شکار تھے تو کیا حیاء الدین نے اپنی فوجوں کو قبضہ کئے ہوئے علاقوں سے واپس بلا لیا تو بھارتی فوج کو حوصلہ دینا مقصود تھا۔ لیکن کتاب کا اگلا صفحہ [۳] پڑھیں تو نام لئے بغیر کتاب حیاء الدین کو "ننگا" کر دیتی ہے "اپنے لوگوں کو فائر بندی والی بات سمجھ تو نہ آرہی تھی لیکن پھر بھی پاکستان والے فائر بندی پر سختی سے عمل کر رہے تھے، کہ اپنی فوجوں کو حکم ملا، کہ وہ ہرگز بھارتیوں پر فائر نہ کریں گے" اب لطف کی بات یہ ہے کہ بھارتی تاریخ نے ساری جنگ بندی پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ صرف یہ کہتے ہیں کہ ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو پونچھ میں ۲۵ پاؤنڈز توپ نہ اتاری جا سکی اور

بعد میں جب وہ توپ اتری تو حالات ٹھیک ہوگئے [۴] اپنی سرکاری تاریخ کے مطابق ۲۴ اور ۲۵ مارچ کو یہ بھارتی توپ پونچھ میں اتار دی گئی [۵]۔ یعنی فائر بندی کا مقصد یہ تھا کہ بھارتی ۲۵ پونڈز کی توپ وہاں اتار لیں۔ اور حیاء الدین کو وہاں بھیجنے کا مقصد یہ تھا، کہ صدیق ستی نے پہاڑی توپوں اور مجاہدین کے حملوں سے جو کچھ حاصل کیا تھا، اس پر پانی پھیر دے اور بعد ازاں صدیق ستی کو اس "وفاداری" کی وجہ سے کال کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا۔ اور اس چیز کو آگے ذرا وضاحت سے بیان کریں گے۔ اور واقعات کے تانے بانے ملائیں گے۔

پونچھ پر حملہ پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ پہاڑی توپخانہ کی دو بیٹریاں پونچھ محاذ پر پہنچ چکی تھیں۔ صدیق ستی ۸ یا ۹ مارچ کو پونچھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بارشوں کی وجہ سے ایمونیشن نہ پہنچ سکا، تو حملہ کیلئے ۱۷ مارچ [۶] کی تاریخ مقرر کی۔ اور مجاہدین کو آہستہ آہستہ آگے بڑھا کر پونچھ کے گھیراؤ کو تنگ کیا گیا۔ اور شہر کے نزدیک تقریباً ایک ایک میل کے فاصلہ پر مضبوط پکٹیں یا دیکھ بھال والے مستقر بنا دیئے۔ کہ بھارتیوں کو زیادہ دبک کر اپنے دفاعی حصار میں بیٹھنا پڑ گیا۔ بھارتی ہوائی جہازوں سے۔ بچاؤ کیلئے حملہ شام کو اسی تجویز کے مطابق کرنا تھا جس کا ذکر پچھلے باب میں تھا کہ ۲۶/ ۲۵ جنوری کو آزاد مجاہدین نے مغرب سے اور قبائلی مجاہدین نے جنوب سے حملہ کیا۔ صرف اتنا فرق تھا کہ اس دفعہ حملہ سے پہلے بیتر نالہ کے مغرب میں ڈھیری رتبانوالی اور اس کے ساتھ ٹیکری پر بھارتی چوکیوں کا قلع قمع کرنا تھا کہ توپخانہ کا فائر میسر تھا۔ حملہ تجویز کے مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۴۸ء شام کو شروع ہو گیا [۷]۔ اور پہاڑی توپوں کا بھارتی چوکیوں پر پہلی دفعہ فائر ایک حیران کن کارروائی تھی، کہ بھارتی سورماؤں نے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے میں اپنی بہتری سمجھی، بلکہ بھارتی تاریخ کے مطابق ان میں کھلبلی مچ گئی۔ [۸] محمود لشکروں نے خانیتر سے نکل کر چندک کے مقام پر دریائے پونچھ کو پار کر کے دریا کے دائیں کنارے سے آگے بڑھ کر دشمن کے دفاع کو چیر پھاڑ دیا۔ مغرب سے آزاد لشکر مغربی چوکیوں کو ختم کر کے مائنز لگے ہوئے علاقے میں اپنی "گزرگاہیں" تلاش کر رہے تھے۔ جنوب سے سلوتری۔ بھیانچ پہاڑی سلسلہ سے ملے جلے آزاد اور مجاہدین لشکر آگے بڑھ کر پونچھ دریا تک پہنچ گئے۔ البتہ شمال سے سردار قیوم کے باغ بریگیڈ نے کوئی کارروائی نہ کی یا شاید ان کو کوئی ذمہ داری نہ دی گئی تھی۔

بھرپور جنگ سدھن اور آزاد برگیڈ میں اب آٹھویں اور دسویں پلٹنوں کا اضافہ ہو چکا تھا اور تین اطراف سے مجاہدین پونچھ کے در و دیوار کے پاس پہنچ گئے۔ تو قدرت نے ہمیں ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے شاید سزا کا فیصلہ کیا، کہ عین اس وقت موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ چاندنی رات، اندھیری رات میں تبدیل ہو گئی، ہاتھ پر ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ساری زمین یا تو دلدل اور کیچڑ بن گئی یا ندی نالے پانی سے بھر گئے۔ کافی مجاہدین ندی نالوں کو پار کر چکے تھے۔ اگر مجاہدین کی پیشہ ور افواج کی طرح رجمنٹیشن ہوتی، تو بارش کے باوجود پونچھ کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی۔ لیکن اب جو جدھر پہنچا تھا وہ کسی آڑ میں بیٹھ گیا۔ بدقسمتی سے وائرلیس سیٹوں نے بھی تماشہ بنا دیا کہ بھارتیوں اور ہم دونوں کے پاس ایک قسم کے ASSU آرمی سپورٹ سگنل یونٹ کے سیٹ تھے۔ اور مجاہدین سیٹوں پر لاپرواہی سے بات کرتے تھے۔ پونچھ کے کافی علاقہ پر قبضہ ہو چکا تھا۔ اب ان حالات میں صدیق ستی نے، حیاء الدین کو گزارش کی کہ ان کے ساتھ جو ۴ / ۱۳ فرنٹیر فورس کی کمپنی آئی ہے اس کو استعمال کر کے ہوائی اڈہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ حیاء الدین اب تک اپنے آپ کو صرف "مبصر" اور "مشیر" کہتا تھا اور اس سلسلہ میں وہ قبائلی مجاہدین کے ساتھ رابطہ کے سلسلہ میں صدیق ستی کی مدد کرتا رہا تھا۔ جب توپخانہ استعمال ہو رہا تھا تو پلٹن کے استعمال میں کیا ہرج تھا۔ اور اگر ہمارا کوئی آدمی بھارتیوں کی قید میں چلا بھی جاتا اور ہم پونچھ پر قبضہ نہ بھی کر سکتے۔ تو بھارتی ہمارے محاصرہ میں تھے۔ اس "قیدی" کو بھارتی اقوام متحدہ میں تو نہ لے جا سکتے تھے۔ بہرحال حیاء الدین نے کہا، کہ وہ جی ایچ کیو سے مشورہ کے بغیر یہ "خطرہ" مول نہیں لے سکتا۔ لیکن آدھی رات پر امن زندگی بسر کرنے والے جی ایچ کیو میں محاذ کی باتیں کون سنتا۔ بہرحال صدیق ستی نے اپنے مجاہدین کو حکم دیا، کہ جہاں ہو ادھر ہی ڈٹ جاؤ۔ اور حیاء الدین کو "حراست" میں لینے کی بات بھی کرنل خانزادہ سے کی۔ لیکن اس سے اپنے اندر نااتفاقی ہو جاتی۔

دوسرا دن صبح ہوتے ہی حیاء الدین نے جنرل ہیڈ کوارٹر سے رائفل کمپنی کے استعمال کی اجازت مانگی جو نہ ملی (۹)۔ اور ہوائی جہازوں نے مجاہدین کے پوزیشنوں پر دن کی روشنی میں خوب حملے کئے۔ صدیق ستی نے حالات کا مقابلہ کیا۔ نئے قبضہ شدہ علاقوں میں کچھ تطابق ضرور

پیدا کیا اور بھارتیوں پر دباؤ جاری رکھا۔ ہوائی اڈہ کو بھارتی اب پہلے کی طرح استعمال نہ کر سکتے تھے۔ ہمارے توپخانہ کے فائر سے ایک ڈکوٹا جہاز تباہ ہو چکا تھا اور دوسرے کو اترتے وقت سخت نقصان پہنچا۔ گو ہمارا حملہ تھم چکا تھا۔ لیکن بھارتی فوج کی حالت اب بہت پتلی ہو چکی تھی۔

۱۸ مارچ سے ۲۶ مارچ اگلے پورے ہفتے کے واقعات کے تانے بانے ملانے کیلئے اور تحقیقی پہلوؤں پر بحث کیلئے کئی صفحات کی ضرورت ہے۔ مختصراً بھارتی تاریخ کے گہرے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ ۱۸ مارچ کو پریتم سنگھ نے اپنے بالا حاکموں کو کہہ دیا کہ آئندہ دو یا تین دنوں میں وہ اس کو ۲۵ پاؤنڈز کی دو توپیں نہیں دے سکتے تو وہ پونچھ کا دفاع نہیں کر سکتا۔ ۲۱ مارچ کو دن کے بارہ بجے بھارتیوں نے ایک ڈکوٹا کو پونچھ میں اتارنے کی کوشش کی جس میں ۲۵ پاونڈز کی توپ تھی لیکن اس میں وہ کامیاب نہ ہوئے (۱۰)۔ تو اسی دن پریتم سنگھ نے صدیق ستی کو بذریعہ وائرلیس اطلاع دی، کہ پونچھ میں مقیم بھارتی فوج ہتھیار ڈالنے کو تیار ہے لیکن سولین آبادی کو حفاظت کے ساتھ بھارت یا باقی مقبوضہ کشمیر میں جانے کی اجازت دی جائے۔ صدیق اور پریتم سنگھ ایک دوسرے کو جاننے کی وجہ سے پہلے بھی وائرلیس سیٹ پر "گپ" لگا لیتے تھے۔ چونکہ ہتھیار غیر مشروط طور پر نہ ڈالے جا رہے تھے اور سولین کیلئے امان تھی۔ تو دونوں نے شرائط اپنی حکومتوں کو بھیج دیں۔ ۲۲ مارچ کو جنرل گریسی نے صدیق ستی کے ساتھ بیمار اور زخمیوں کو نکالنے کے سلسلہ میں اور عارضی فائر بندی کی جو بات کی اس کا ذکر پچھلے باب میں بھی ہو چکا ہے۔ ۲۳ مارچ سے عارضی فائر بندی ہو گئی۔ اور ۲۴ مارچ کو بھارتیوں نے نرسوں کی آڑ میں ہتھیار اور توپیں اتارنا شروع کر دیں، تو صدیق ستی نے فائر بندی توڑ دی۔ تو گریسی نے اس کو کمانڈ سے ہٹا کر حیاء الدین کو محاذ کا کمانڈر بنا دیا۔ جس نے فائر بندی کی بھی نگرانی کی اور بعد میں مجاہدین کو پرانی پوزیشن پر واپس لے آیا اور چند دن بعد کمانڈ ۴ / ۱۳ ایف ایف کے کرنل صدیق راجہ کے حوالے کر کے پنڈی آ گیا اور پھر ہمارا ملٹری اتاشی بن کر لندن چلا گیا (۱۱)۔

فائر بندی کی سازش پچھلے باب میں جنرل گریسی کی صدیق ستی کو جن ہدایات کا ذکر تھا کہ اوپر والوں کی منظوری سے یہ عارضی فائر بندی کی جا رہی ہے۔ اس کو اپنی سرکاری تاریخ (۱۲) میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کہ جنرل گریسی کو اس سلسلہ میں بھارتی فوج کے انگریز سپہ سالار نے پہلے فون پر اپیل کی اور پھر ایک سگنل جس کو "اونچی سطح" پر منظور کیا گیا

تھا، اس کے ذریعہ سے ان سب باتوں کی تصدیق کی گئی" ۔ کہ ان دنوں آزاد اور قبائلی مجاہدین
کے خلاف تمام فضائی کارروائیاں ختم کردی جائیں گی اور جلدی دوسرا سگنل بھی بھیجیں گے،
جس میں تفصیل ہوگی کہ پونچھ شہر اور راجوری یا ریاسی کے علاقوں کو کب تک اور کیسے خالی
کیا جائے گا" لیکن یہ دوسرا سگنل نہ آیا اور نہ اس نے آنا تھا۔ آزاد کشمیر حکومت کے سابق چیف
سیکرٹری مسٹر سہروردی اپنی کتاب میں ساری کہانی بہت تفصیل سے بیان کرتے ہیں [13] اور
کہتے ہیں "اگر ہمارے وزیر اعظم لیاقت علی خان ذرا بھر اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرتے، تو پونچھ شہر
آسانی سے آزاد کرالیا جاسکتا تھا" وہ جنگ کا سارا منظر اپنے الفاظ میں بیان کرنے کے بعد یہ اضافہ
کرتا ہے "کہ بھارت نے بہت مکروفریب سے کام لیا اور لیاقت علی کو بے وقوف بنایا" اس کے
بعد بھارتیوں کے پونچھ شہر کو ہمارے حوالے کرنے اور دونوں ملکوں کے انگریز سربراہوں کے
وعدوں کی تفصیل میں جانے کے بعد سہروردی کہتا ہے "کہ جنرل گریسی نے لیاقت علی کی
منظوری سے یہ تجویز مان لی، اور بریگیڈیئر حیاء الدین نے سختی کے ساتھ اس فائر بندی پر عمل کرایا
وہ آگے کہتا ہے "کہ مجھے محمد زمان کیانی نے بتایا، کہ اس ایک ہفتہ کے وقفہ میں بھارتیوں نے
بیماروں اور زخمیوں کے نکالنے کے علاوہ وہاں تازہ دم فوج اور ۲۵ پاؤنڈز کی توپیں بھی بھیج دیں
یہ مرحلہ ختم ہوا تو جنرل گریسی نے بھارت کے فوجی سربراہ جنرل بوچر کو وعدہ یاد دلایا، تو اس
نے جواہر لعل نہرو سے بات کی، جس نے جواب دیا کہ ایسے معاملات دونوں ملکوں کے
وزراء اعظموں کی سطح پر طے کیے جاتے ہیں۔ لیکن لیاقت علی ایسے "پھندے" میں نہ پھنسنا چاہتا
تھا، کہ پاکستان تو پونچھ کی لڑائی میں کوئی "فریق" نہ تھا۔ تو لیاقت نے کہا کہ نہرو کو آزاد کشمیر
کے صدر سردار ابراہیم کے ساتھ بات کرنا چاہیے۔ یہ سن کر نہرو آگ بگولا ہوگیا اور کہا کہ وہ
ایک ڈاکو کے ساتھ بات نہیں کرسکتا۔ اور وہ اس کو کوئی حیثیت دینے کو تیار نہیں"۔

تبصرہ اس ساری کہانی پر خاک تبصرہ کریں۔ سر پیٹنا تو معمولی بات ہے۔ زمین کے
اندر گھس جائیں۔ لیاقت نے فائر بندی کی بات کیوں مانی۔ اگر گریسی نے اس کو بے وقوف
بنایا تھا، تو اس کو لیاقت نے برطرف کیوں نہ کیا۔ یا گریسی مستعفیٰ کیوں نہ ہوا۔ یا بوچر نے جو
وعدہ کیا وہ اگر بھارتیوں نے پورا نہ کیا تو وہ مستعفیٰ کیوں نہ ہوا۔ اس عاجز کے لحاظ سے سب
"لیپا پوتی" ہے۔ لیاقت۔ گریسی۔ بوچر، نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کا ایک ہی "انجمن" سے تعلق تھا۔

جنرل لاکھرٹ نے پونچھ خالی کرنے کی سفارش کی تو نہرو اس کو نکال کر بوچر کو لے آیا۔
لیاقت علی کو کسی نے بے وقوف نہ بنایا۔ بے وقوف ہمیں ۴۷ سالوں سے بنایا جارہا ہے، اور
اندھیرے میں قائد اعظم کو رکھا جارہا تھا، جو لیاقت کے ساتھ زیارت میں آخری ملاقات کے بعد
پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور الٰہی بخش کے مطابق ان کی مزید جینے کی خواہش ختم ہوچکی تھی [14]

سچی بات دین محمد کی "ضد" کی وجہ سے انگریز جنرل مجاہدین کو پہاڑی توپیں تو دے بیٹھے
اب انہوں نے حیاء الدین کو بھیج کر پونچھ کو بھارت کے پاس رکھا، کہ جنرل گریسی اپنے ۲۰۔
اپریل ۴۸ء کے خط میں بھی نوشہرہ۔ پونچھ اور اوڑی کو ہی پاکستان اور بھارت کی درمیانی "سرحد"
کہتا ہے۔ اگر مارچ ۴۸ میں پونچھ آزاد ہوجاتا تو دو ہفتے کے اندر کشمیر میں ہم بھارتی فوج کو تہس
نہس کر دیتے۔ کہ چند ماہ بعد ہم نے ۱۰۲ بریگیڈ کو جو سردار قیوم کے باغ بریگیڈ کی مدد کیلئے بھیجا۔
اس کو اسی وقت وہاں بلالیتے تو یہ دونوں بریگیڈ بغیر لڑائی کے گلمرگ پہنچ جاتے۔ اور بارہ مولا۔
اوڑی محاذ کی بھارتی فوج کو خود بخود وہاں سے پسپائی کرنا پڑتی۔ کہ دسویں بریگیڈ کو جو بعد میں
ٹھوال بھیجا۔ اس کو بھی اس دن وہاں بھیج دیتے تو یہ لوگ کرنل خالد کی مدد کرکے ہندواڑہ
سوپور پر قبضہ کے علاوہ، اپریل کے وسط میں بانڈی پورہ میں میجر حسن خان مرزا سے رابطہ پیدا
کرچکے ہوتے۔ اور بھارتی کبھی گریز نہ جاسکتے۔ اور پونچھ سے سدھن بریگیڈ اور قبائلی مجاہدین،
راجوری میں میجر اسلم کی مدد کو پہنچ جاتے اور اندرونی راستہ بیڑی پتن پر قبضہ کرلیتے۔ تو نوشہرہ کا
بھارتی بریگیڈ جو جھنگڑ تک پھیلاؤ اختیار کررہا تھا، وہاں صرف ایک یونٹ بھیج کر اس بریگیڈ کو ہم
داؤ میں پھنسا سکتے تھے یعنی جھنگڑ کی فتح کے بعد، بھارتی فوج کو اپنی صرف دو بریگیڈ پکی فوج کے
استعمال سے ہم نے تہس نہس کرنے کا دوسرا موقع بھی ضائع کردیا، کہ جو بیسویں باب میں
بھارتیوں کی اپنی زبان سے ان کی تعیناتی کی کہانی بیان ہوچکی ہے کہ وہ پاکستان کی سرزمین پر
حملہ کرنے کے قابل نہ تھے۔

سازش کے اثرات حیاء الدین کی جگہ پونچھ محاذ پر کرنل صدیق راجہ [15] پہنچ گئے جو
انگریزوں کا اپنا آدمی تھا۔ اور انگریز جنرلوں نے اب پاکستانی فوج کو پھیلاؤ دے کر بھونڈے
طریقے سے ہر محاذ پر استعمال کرنے کا پروگرام بنالیا تھا۔ تاکہ جب بھارتی حیدرآباد پر حملہ کریں

تو پاکستانی لیڈروں اور ہم جاہل عوام کو کہا جائے ، کہ بھارت کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے کہ ہماری فوج کشمیر میں کچھ زیادہ ہی "الجھ" گئی ہے ۔ اور پونچھ محاذ سے تیسری پہاڑی بیٹری کو اوڑی محاذ پر بھیج دیا گیا ۔ خیر اب بھارتیوں کے پونچھ میں ۲۵ پاؤنڈز کی توپیں آجانے کے بعد ہماری پہاڑی توپوں کی پہلے والی اہمیت ختم ہو گئی تھی ۔ اور پونچھ محاذ پر بلی اور چوہے کا کھیل شروع ہو گیا ۔ وسط اپریل میں بھارتیوں نے چڑی کوٹ کی طرف اور جنوب میں گل پور اور کھڑی دھرمسال کے درمیانی علاقوں پر بھرپور حملے کر کے اپنے دفاعی حصار کو وسعت دینے کی کوشش کی ۔ جس میں انہیں محدود کامیابی ہوئی ۔ بھارتی تاریخ میں اس سلسلہ میں ۱۴ اپریل سے ۲۸ اپریل تک متعدد جھڑپوں ۔ اپنی جارحانہ کارروائیوں سے کچھ علاقوں کے حاصل کرنے اور بعد میں مجبوراً چھوڑ دینے کی تفصیل ہے[۱۶] ۱۴ اپریل کا کھڑی دھرمسال کے نزدیک ان کا حملہ ڈیڑھ پلٹن کا تھا ، ۱۵ اپریل کو ہمارے ۱۹ مجاہدین کو شہید کرتے ہیں ۔ ۱۶ اپریل کو مجاہدین کے جوابی حملے میں ہمارے ۲۲ مجاہدین کو شہید اور چالیس کو زخمی کرتے ہیں اور اپنا نقصان صرف ۸ آدمی بتاتے ہیں البتہ پوائنٹ ۵۷۲۴ پر حملے کے وقت اپنے ۳۵ جوانوں کی ہلاکت اور کرنل ہیرا چند سمیت متعدد لوگوں کے زخمی ہونے کی بات کو تسلیم کرتے ہیں ۔ اس کے بعد ۲۵ سے ۲۸ اپریل تک مدار پور کی طرف اپنی پیش قدمی اور مجاہدین کے جوابی حملوں ۔ جنگل کو آگ لگانے اور بھارتیوں کے اپنی بنیادی پوزیشنوں پر واپس آنے کے سب واقعات کی تفصیل ہے ، جس میں دونوں طرفین کا کافی نقصان ہوا لیکن بھارتی نین سکھ سے آگے کچھ زیادہ نہ حاصل کر سکے ۔ البتہ ۱۸ مئی ۱۹۴۸ء کو ایک گھمسان کی جنگ کے بعد بھارتیوں نے تیتری نوٹ پر قبضہ کر لیا جہاں وہ اپنے گیارہ آدمیوں کی ہلاکت اور ۲۹ کے زخمی ہونے کی بات کے علاوہ کہتے ہیں کہ ہمارے ۴۷ شہداء کی لاشیں تو ان خود نے دیکھیں اور ہمارا کل نقصان ۱۵۰ بتاتے ہیں ۔ اپنے کرنل (بعد میں جنرل) پالٹ کے زخمی ہونے کا بھی ذکر کرتے ہیں ۔ اپنے لوگوں نے واقعات کی تفصیل نہیں بتائی اور یہ عاجز پونچھ کے مجاہدین کو سلام کرتا ہے ، کہ وہ بے جگری سے لڑے اور بھارتیوں کے دانت کھٹے کرتے رہے ۔ اور انہوں نے بھارت کی شمال کی طرف مزید پیش قدمیاں روک دیں تو بھارتی اب اس " ناپ تول " میں لگے ہوئے تھے کہ کس محاذ سے پونچھ کا رابطہ باقی مقبوضہ کشمیر کے ساتھ بحال کیا جائے ۔

جنوبی محاذ کے ساتھ رابطہ سیالکوٹ محاذ پر مجاہدین پر "جھاڑو" پھر جانے کی وجہ سے ہم نوشہرہ کو آزاد نہ کرا سکے ، جس کی تفصیل اگلے یعنی بتیسویں باب میں آتی ہے ۔ اور جہاد میں جمود اور فوج کو بروقت صحیح طریقے سے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے ۱۸ مارچ کو بھارتیوں نے جھنگڑ پر قبضہ کر لیا تھا ۔ اور اس کے بعد راجوری کا مقام کسی وقت بھی پکے ہوئے پھل کی طرح ان کی جھولی میں گر سکتا تھا جو ۱۲ اپریل کو گر گیا ۔ یہ کہانی اس سے اگلے باب یعنی تینتیسویں باب میں آرہی ہے تو اب بھارتیوں نے یہ فیصلہ تو کر لیا کہ پونچھ اور اوڑی میں رابطہ کی بجائے اگر وہ راجوری والے راستے سے پونچھ کے ساتھ رابطہ باندھ لیں ۔ یا جھنگڑ سے کوٹلی اور مدار پور والے راستے تو وہ زیادہ آباد اور بہتر علاقے حاصل کر لیں گے ۔ لیکن سوال کب اور کیسے کا تھا ، کہ بہت زیادہ پھیلاؤ اور لمبے ذرائع آمد و رفت کی حفاظت بھارتیوں کیلئے مشکل تھی ، تو انہوں نے تجرباتی طور پر ایک ریہرسل کے طور پر ۱۴ اور ۱۵ جون کو راجوری سے دو پلٹنوں اور ایک پہاڑی توپخانہ سے تھنہ منڈی کے راستے ۱۸ / ۱۷ جون کو پونچھ کے ساتھ رابطہ باندھا اور ۲۳ / ۲۲ جون کو بینڈھر کے راستے واپس راجوری چلے گئے ۔ یہ کہانی تینتیسویں باب میں آرہی ہے ۔ لیکن زیادہ تفصیل بعد کے ابواب میں ہوگی ۔

پونچھ ۔ اوڑی محاذ البتہ پونچھ کی فوج نے اب اوڑی محاذ کے ساتھ بھی رابطہ باندھنے کی کوشش کی ۔ اور ایسا اس وقت کیا جب بھارتیوں نے اوڑی اور ٹتھوال محاذ پر پیش قدمی شروع کی جن پر تفصیلی بحث چونتیسویں اور اس کے بعد کے ابواب میں ہے ۔ کہ بھارتیوں نے جب پیر۔ کنٹھی پر قبضہ کیا تو ان کا یہ ارادہ بھی ہو گیا تھا ، کہ باغ پر پونچھ کی طرف سے آگے بڑھ کر قبضہ کیا جائے تو پونچھ محاذ سے حاجی پیر والے راستے اوڑی سے رابطہ کی کوشش کی کہ وہ چھترا گاؤں تک پہنچ گئے لیکن مجاہدین کے سخت حملوں کی وجہ سے بھارتی اپنے ایک کرنل کے زخمی ہونے اور ۲۸ جوانوں کے مارے جانے کا ذکر کرتے ہیں ۔ اور ہمارا نقصان تو سینکڑوں میں بتاتے ہیں اور آخر میں پونچھ کی طرف اپنی پسپائی کا ذکر کرتے ہیں ۔ یہ عاجز اس سلسلہ میں اس طرف والے مجاہدین کو سلام پیش کرتا ہے ۔ جن کی جزا اللہ کے پاس ہے کہ مجھ تک ان کی بہادری کی داستانیں نہ پہنچ

حیلۂ فرنگی

لیکن مانتے ہیں انگریزوں کی چالبازیوں کو۔ کہ کرنل صدیق ستی جب پونچھ محاذ سے واپس آیا۔ تو جنرل گریسی نے "کھلے ماتھے" سے اس کو خوش آمدید کہا۔ اور صدیق کے محاذ پر رویہ کی تعریف کی، لیکن "مجبوریوں" کا ذکر کیا۔ کہ حکومت پاکستان کو بڑے ناپ تول کر کے قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔ ساتھ ہی کہا کہ ۴/ ۱۴ پنجاب (موجودہ ۸ پنجاب) کے کرنل محمد۔ زمان[۱۷] کی کچھ بیماری اور کچھ "کمزوری" کی وجہ سے اس پلٹن کی کشمیر کے جنوبی محاذ پر کارکردگی کچھ اچھی نہیں رہی اور پلٹن کا مورال بہت نیچے چلا گیا ہے۔ صدیق ستی اس پلٹن کی کمانڈ سنبھال کر پلٹن کے مورال کو بحال کرے۔ اور دراصل صدیق ستی کو جنرل لافنس ٹاٹنھم کے ماتحت کر کے اس کی "برین واشنگ" کی، انگریز ایک اور سعی کرنا چاہتے تھے۔ کہ ۴/ ۱۳ فرنٹیر فورس کے کرنل صدیق راجہ جن کو پونچھ محاذ پر چھوڑا گیا۔ کو انگریز ایک "ایجنٹ پرووکیٹر" بنا کر پاکستان آرمی کی جڑیں ڈھیلی کرنے کی سازش کر رہے تھے۔ اس میں لافنس ٹاٹنھم نے سب کام بہت ہوشیاری سے کیا۔ اور صدیق راجہ کے انگریزوں نے کئی "چہرے" بنا دیئے تھے اور یہ کہانی کتاب میں آہستہ آہستہ عود کرتی رہے گی۔ صدیق ستی جو ایک سکالر ہے، اس کو ٹاٹنھم نے "رام" کرنا شروع کر دیا۔ کہ موجودہ دقیانوسی قسم کے اسلام۔ اور جاہل عربوں یا زوال پذیر عثمانہ طریقوں کی بجائے پاکستان کو اب سرسید اور کمال ترکی قسم کے لوگوں کی ضرورت ہے۔ اور زمانہ تبدیل ہو گیا ہے، انگریز خود سلطنت یا نوآبادیات کی بجائے اب "کامن ویلتھ" (سانجھی دولت) کے تصور کو اپنا رہے ہیں۔ اور روس سے آزاد دنیا یعنی اہل مغرب اور مسلمان ایک متحدہ محاذ بنا کر ہی بچ سکتے ہیں۔ اس کے لیے مسلمانوں کو ماڈرن ہونا پڑے گا۔ اور بھارت کو بھی ساتھ ملا کر رکھنا پڑے گا وغیرہ۔ اس کے لئے پاکستان کو کچھ قربانیاں دینا پڑیں گی۔ ورنہ بھارت سوشلسٹ کیمپ میں چلا جائے گا۔ اور کشمیر میں کچھ فائر بندی کرنا ہو گی۔ اور بھارت اب کشمیر پر قانونی طور پر قابض ہے اس کو کشمیر سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔ صدیق ستی کو یہ ساری سازش تو پوری طرح سمجھ نہ آئی۔ اور نہ وہ یہ کچھ سوچ سکا کہ پاکستان کے متعدد سیاستدان اور سرکاری نوکر انگریزوں کے پروردہ ہیں۔ لیکن وہ ٹاٹنھم کو ٹکا سا جواب دے دیتا تھا کہ بھارت کشمیر میں غاصب ہے، ہمیں تلوار کے زور سے اس کو کشمیر سے نکالنا ہو گا۔ انگریزوں کے پاس

شاید مخبروں نے یہ بات بھی پہنچا دی تھی۔ کہ جب حیاء الدین نے ۱۸/ ۱۷ مارچ کو پونچھ کے ہوائی اڈہ پر قبضہ کیلئے ۴/ ۱۳ فرنٹیر فورس کی کمپنی کے استعمال کی اجازت نہ دی تو صدیق ستی نے کرنل خانزادہ اور چند جاننے والوں سے مشورہ کیا، کہ کیوں نہ حیاء الدین کو خاموشی سے حراست میں لے لیا جائے۔ اور خود اس کمپنی کو ہوائی اڈہ پر قبضہ کرنے کیلئے استعمال کر لیا جائے۔ بہرحال جب انگریزوں کو معلوم ہو گیا کہ صدیق ستی ان کے "کام" کا آدمی نہیں تو انہوں نے اس کو دوسرے طریقوں سے "Sortout" کرنے کی تجویز بنائی۔

صدیق ستی دوبارہ پونچھ محاذ پر

اپریل۔ مئی سے پاکستانی فوج کے ہاتھ باندھ کر اس کو بھونڈے طریقے سے کشمیر کی لڑائی میں ٹھونسنا شروع کر دیا گیا تھا، تو ۲۸ جون کو صدیق ستی کو حکم ملا کہ وہ اپنی پلٹن لے کر پونچھ محاذ پر چلا جاوے لیکن اب وہاں بھارتی فوج کی دو برگیڈ فوج پہنچ چکی تھی۔ وہ لوگ ۱۷ جون ۴۸ کو راجوری کے ساتھ رابطہ باندھنے کی ریہرسل بھی کر چکے تھے۔ اور جب صدیق ستی محاذ پر پہنچا اور حالات کا مطالعہ کیا تو اس کو معلوم ہوا کہ زمین و آسمان تبدیل ہو چکے تھے اور مارچ ۱۹۴۸ء میں جس ۲۵ پاؤنڈز توپ نے پونچھ پہنچنا تھا وہ انگریزوں نے وہاں نہ جانے دی اور کہا کہ اس کی جگہ ۶ پاؤنڈز اینٹی ٹینک گن کو جوڑ توڑ کر لے جاؤ۔ لیکن راولپنڈی میں قیام کے دوران ای ایم ای کے افسروں اور توپخانہ کے ساتھ رابطہ پیدا کر کے صدیق ستی ۲۵ پاؤنڈز کو پندرہ ٹکڑوں میں توڑ کر اور پھر جوڑ کر اس سے فائر کرا چکا تھا۔ تو پھر اس نے گریسی اور ٹاٹنھم کو یہ توپ محاذ پر بھجوانے کیلئے مجبور کر دیا۔ اور بڑی کوشش سے میجر اسلام غنی اور لیفٹیننٹ یوسف پنجاڑ سے ایک ۶ پونڈ کی توپ اور ایک ۲۵ پونڈ کی توپ دو سو مزدوروں سے اٹھوا کر اگست کے پہلے ہفتہ پونچھ پہنچ گئے اور ۱۴ اگست تک یہ توپیں فائر کرنے کے قابل تھیں۔ صدیق ستی کی اپنی پلٹن کی کمپنیاں پونا۔ تندڑ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنی پلٹن کو اکٹھا کیا۔ تمام آزاد لشکروں اور قبائلی مجاہدین کو اپنی کمانڈ میں لے کر ۲۷ اگست ۴۸ء کی صبح کو پونچھ کے دفاعی حصار پر ایک بھرپور حملہ کرنے کی تجویز بنائی۔ لیکن حملہ سے دو دن پہلے جی ایچ کیو سے احکام پہنچے کہ صرف ۶ پاؤنڈز والی توپ استعمال ہو سکتی ہے۔ اقوام متحدہ میں پاکستان نے محدود دفاعی کارروائیاں کرنے والے پہلو کو مان لیا ہے۔ اس لیے ۲۵ پاؤنڈز والی توپ استعمال نہیں ہو سکتی۔ یہ بات ہماری سرکاری تاریخ میں تسلیم کی گئی ہے کہ بعد میں

سخت جھگڑوں کی وجہ سے ۶ ستمبر ۱۹۴۸ء کو توپ کے استعمال کی اجازت ملی (۱۸) ۔لیکن کیا فائدہ ۔ صدیق توپ سے ہوائی اڈہ کو برباد کرنا چاہتا تھا۔ تو اس کو حملہ کی تجویز بھی تبدیل کرنا پڑی اور صرف آدھے مقصود حاصل ہوسکے ، گو بڑی بھرپور لڑائی ہوئی ۔صرف چھجہ کی لڑائی میں بھارتیوں کے ۳۰۰ آدمی مارے گئے یا زخمی ہوئے ۔اپنا نقصان بھی ساٹھ کے قریب تھا۔ اب ہر محاذ پر فوج کو بھونڈے طریقے سے استعمال کرا کے ہمیں بھارتیوں سے ڈرایا جارہا تھا ۔یہاں اپنی توپ خاموش تھی اور اپنے جوانوں پر توپوں سے ہوا میں پھٹنے والے گولے اور بھارتی ہوائی جہاز فائر کر رہے تھے ۔ اور ہمارے دل میں بھارت کی نفری اور طاقت کا ڈر پیدا کیا جارہا تھا ۔ کہ جب فائر بندی ہو ، تو ہم سب اس کو خوشی سے قبول کریں اور انگریزی طرز دفاع کے فلسفہ یا ہتھیاروں کے سلسلہ میں انگریزوں اور اہل مغرب کی پکی غلامی قبول کرلیں ۔اگلے باب میں ہم جنوبی محاذ میں نوشہرہ پر اپنے ناکام حملے کی کہانی بیان کرتے ہیں کہ انگریز جنرل ہر جگہ ہمیں اس ہندو سپاہ سے شکست دلوا رہے تھے جس کو ہم خاطر میں نہ لاتے تھے اور پھر ایک دن ہم نے ان ہندوؤں کے سامنے نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا دیئے ۔

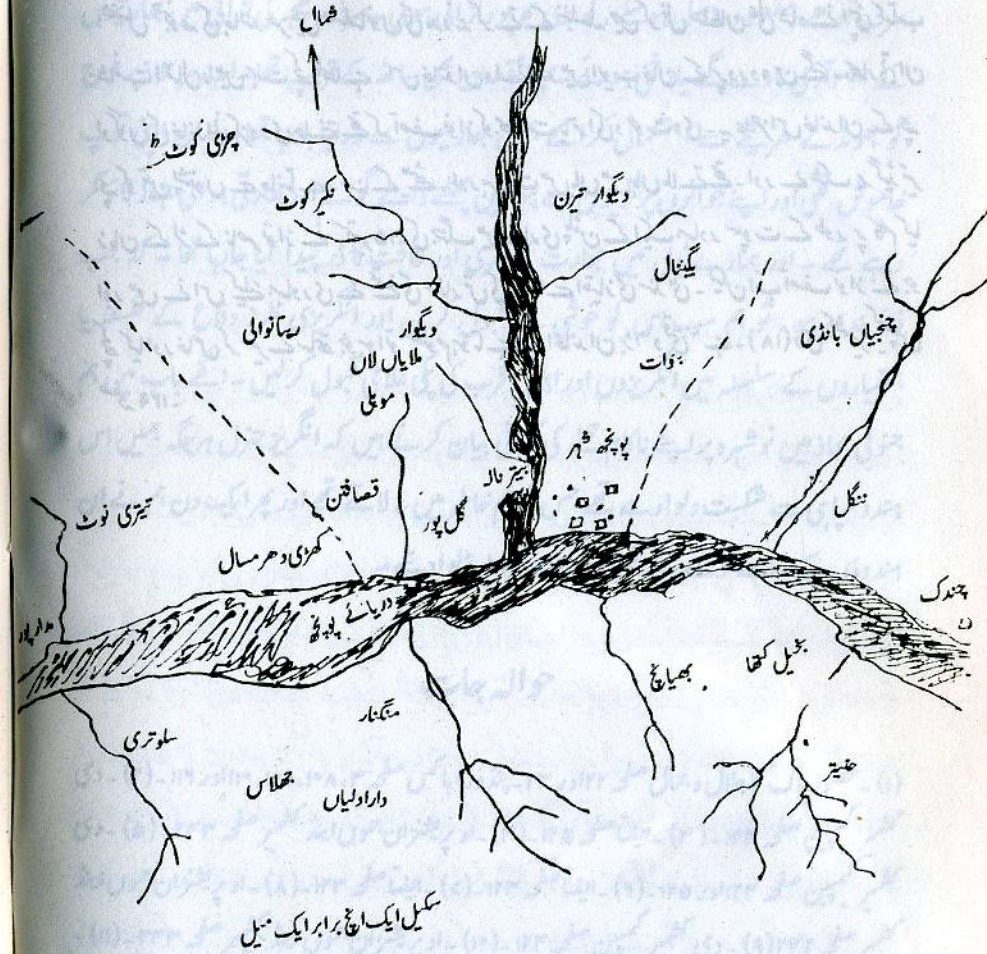
حوالہ جات

(۱) ۔ حضور پاکؐ کا جلال و جمال صفحہ ۲۲ اور ۲۳ ۔پنڈورا باکس صفحہ ۳، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰ اور ۱۱۶ ۔ (۲) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۲۴ ۔ (۳) ۔ ایضاً صفحہ ۱۲۵ ۔ (۴) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۴۳ ۔ (۵) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۲۴ اور ۱۲۵ ۔ (۶) ۔ ایضاً صفحہ ۱۲۳ ۔ (۷) ۔ ایضاً صفحہ ۱۲۳ ۔ (۸) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۴۲ (۹) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۲۴ ۔ (۱۰) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۴۳ ۔ (۱۱) ۔ بریگیڈیئر صدیق ستی اور کرنل چراغ شاہ وغیرہ متعدد مجاہدین سے انٹرویو اور تحقیقات کی مدد سے لکھا ۔ (۱۲) دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۲۴ تا ۱۲۵ ۔ (۱۳) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۲۰۹ اور ۲۱۰ ۔ (۱۴) ۔ پنڈورا باکس صفحہ ۴ ۔ (۱۵) ۔ کرنل صدیق راجہ نے ایک بہروپیا کے طور پر کام کیا اور انگریزوں کی طرف سے ایجنٹ پرووکیٹر بن کر اور بعد میں راولپنڈی سازش میں سلطانی گواہ بن کر جس بھیانک کردار کا اس نے مظاہرہ کیا ۔ اس کی

کافی جھلکیاں کتاب میں آتی رہیں گی ۔ (۱۶) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۴۴ اور ۲۴۵ ۔ (۱۷) ۔ کرنل محمد زمان (بعد میں بریگیڈیئر) نے ہی جنرل آصف نواز کو بیٹا بنا کر اس کی پرورش کی ۔ ان کے دوسرے بھائی افضل جنجوعہ کی جالندھر میں مسلمانوں کی مدد نہ کرنے کے سلسلہ میں کرنل سلطان علی شاہ نے اپنی کتاب شامت اعمال ما میں بہت کچھ لکھا ہے ۔ اس خاندان والے بعد میں ایوب خان کے پروردہ بن گئے ۔ بھارتی ان لوگوں کی خاندانی کمزوری جانتے تھے کہ آصف نواز کو بھارت یاترا کی دعوت دی ۔ یہ عاجز اس خاندان کے بچہ بچہ کو تین پشتوں سے جانتا ہے ۔ منہ کے میٹھے ۔ اور ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتے تھے ۔ اور بے شک بریگیڈیئر زمان کے لڑکے ناصر نواز نے ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں ہماری پلٹن کے ایک بہادر سپوت کے طور پر کام کیا اور میں نے اس کیلئے بہادری کے تمغے کی سفارش کی اور اسے امتیازی سند ملی ۔ لیکن اب آصف نواز نے جو کچھ کیا اور خاص کر میرے ساتھ جو ہوا تو معلوم ہوتا ہے سارا خاندان بڑا "وقتی" ہے ۔ (۱۸) دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۲۹ ۔

نقشہ ہشت دہم

پونچھ شہر کے ارد گرد کی لڑائیاں



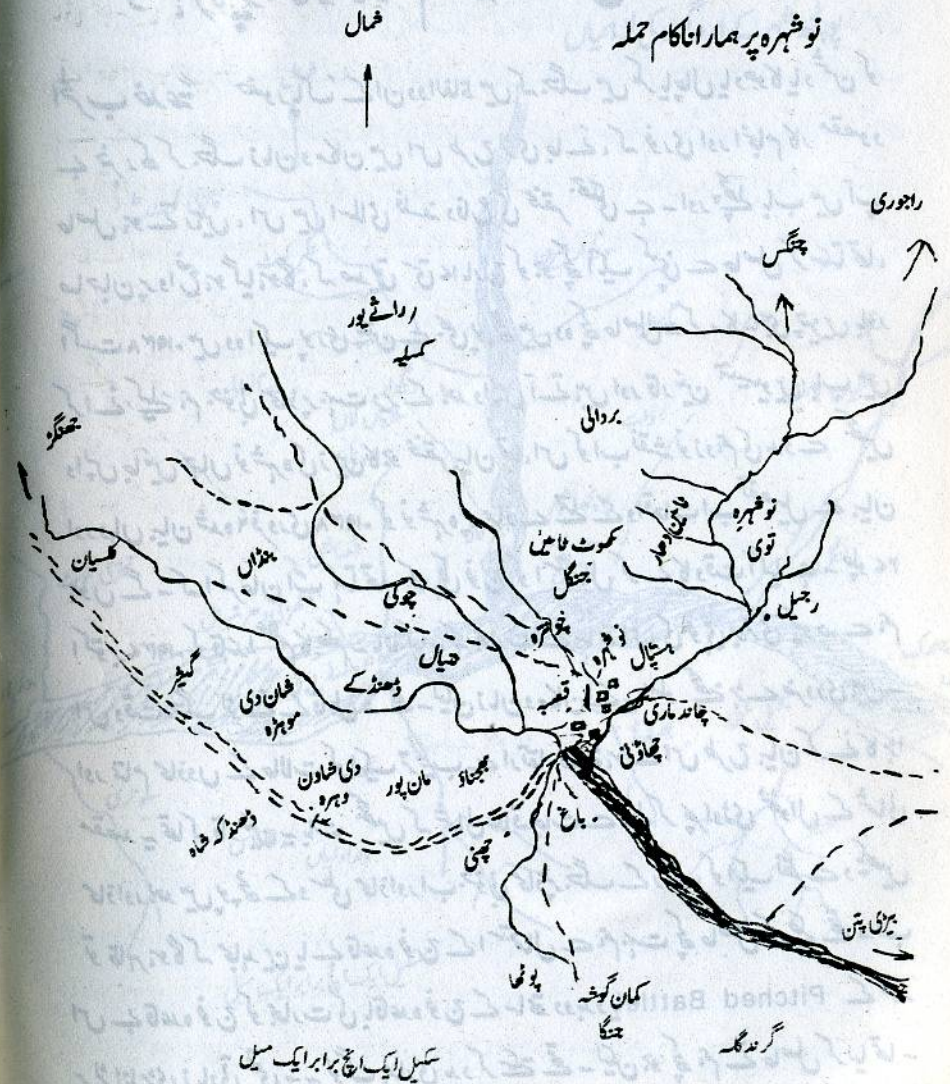
بتیسواں باب

نوشہرہ پر ہمارا ناکام حملہ اور اس کے اثرات

الحرب خدعۃ حضور پاکؐ کے ان دو الفاظ میں کہ جنگ میں مکر یا چال یا دھوکا یا دشمن کو بے خبر رکھ کر جنگ زمان و مکان میں اس طرح لڑی جائے، کہ فوری اور انجام کار مقصود حاصل ہوتے رہیں، اس میں اسلامی فلسفہ دفاع کی مختصر جھلکی ہے۔ اور پچھلے باب میں آپ صاحبان پر واضح ہو گیا ہوگا، کہ صدیق ستی ۱۷ مارچ کو جو کچھ ایک کمپنی سے حاصل کر سکتا تھا، اگست ۱۹۴۸ء میں وہ ایک پوری پلٹن سے بھی پونچھ میں وہ کچھ حاصل نہ کر سکا۔ یہی چیزیں باور کرانے کیلئے ہم جنوبی محاذ پر بہت دیر کے بعد واپس آتے ہیں اور قارئین تئیسویں باب میں واپس جائیں جہاں نوشہرہ کی زمین کا جو مختصر بیان تھا، اس کو اب نقشہ نوزدہم کی مدد سے سمجھیں اور وہاں بیان شدہ ۶ فروری ۱۹۴۸ء کو نوشہرہ پر ہمارے حملے کے واقعات اب تفصیل سے بیان ہوں گے۔ کہ اکبر خان اب کہتا تھا، کہ پکی فوج کو استعمال کرنے کا وقت آگیا ہے۔ چلو ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم کا حکم نہ مانا گیا۔ کہ بھارت کے ساتھ اس کی فوجی برتری کیوجہ سے ہم اس وقت جنگ لڑنے کے قابل نہ تھے۔ لیکن زمان و مکان کے یہ پہلو سمجھنے بڑے ضروری ہیں۔ اور تمام محاذوں کے حالات کو ایک ترتیب سے ارتقاء دیتے ہوئے اس طرح بیان کرنے کا بڑا مقصد یہ تھا کہ قارئین یہ بات سمجھیں کہ شمالی علاقہ جات سے لے کر پھراوڑی ٹٹھوال کے شمالی محاذ اور بعد میں پونچھ کے وسطی محاذ اور اب جنوبی محاذ پر جنگ کے رنگ کو ایک نظر سے دیکھیں تو ظاہر ہوگا کہ مجاہدین یا بے قاعدہ فوج کے استعمال سے ہم بہت کچھ حاصل کر چکے تھے۔ اب اس بے قاعدہ فوج کو بھارت کی باقاعدہ فوج کے ساتھ دو بدو یا Pitched Battle کے طور پر لڑانا بڑی زیادتی تھی۔ یہ لوگ ہماری مدد کر سکتے تھے۔ لیکن جو کچھ ہم نے حاصل کر لیا تھا۔ وہاں اب پکی فوج کو آگے لا کر (جس کا ایک ماہ بعد غلط طریقے سے غلط وقت پر آگے لایا گیا) اس سے آزاد کردہ علاقوں میں فوجی مستقر بنائے جاتے اور وہاں سے آگے مجاہدین کو گہرائیوں میں

نقشہ نوزدہم

نوشہرہ پر ہمارا ناکام حملہ



دشمن کے ذرائع آمد و رفت کے چھوٹے مقامات پر قبضہ کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا۔ اس سلسلہ میں ہم بڑی غداری تو سیالکوٹ میں انہی دنوں میں مجاہدین پر جھاڑو دے کر کر رہے تھے۔ اور باقی مجاہدین کو اندرونی طور پر دریائے چناب سے آگے نہ استعمال کرنے کی دوسری بڑی غداری کے احکام اب مل گئے۔ یعنی ہم لیاقت علی کے فلسفہ سیاست کے تحت محدود اور "وقتی" جنگ لڑ رہے تھے۔ اور یہ نہ سوچا کہ ہم بھارت کو وقت دے رہے ہیں کہ وہ کشمیر کو ہڑپ کر جائے۔

نوشہرہ کی جنگ چنانچہ ۶ فروری کو نوشہرہ پر بریگیڈئیر سرفراز جن کے ہیڈ کوارٹر بنائے جانے اور ان کے صلاح الدین کا نام اپنانے کا ذکر تنیسویں باب میں ہو چکا ہے کا حملہ کئی مجبوریوں کے تحت تھا۔ اول جھنگڑ کی فتح نے مجاہدین کو اس غلط فہمی میں ڈال دیا، کہ وہ دشمن کے ساتھ دو بدو لڑ کر فتوحات حاصل کر سکتے ہیں۔ دوم نکمے بیٹھ کر بے قاعدہ فوج گزارا نہیں کر سکتی۔ نوشہرہ پر حملہ میں بھی "لبھاؤ" اور لوٹ مار کا پہلو تھا۔ اور جب مجاہدین کو چناب سے آگے بھی کسی "شکار" کیلئے نہ بھیجا جا سکتا تھا۔ تو پھر صلاح الدین کیلئے یہی ایک Course Open رہ گیا تھا۔ کہ وہ نوشہرہ پر حملہ کر دے، ورنہ مجاہدین "کھسک" رہے تھے۔ اب دو بدو لڑائی میں دشمن پر تب حملہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے سے کمزور ہو یا اس کے دفاعی حصار کے کمزور مقامات پر بھرپور کارروائیوں سے اس کے دفاع کی چھلنی کر دیا جائے۔ لیکن یہاں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ بھارتی تاریخ کے مطابق [۱] بھارتی فوجوں کا کمانڈر بریگیڈئیر عثمان انہی دنوں میں مجاہدین کو نوشہرہ سے دور پھینکنے کے احکام بھی دے چکا تھا۔ یہ کام وہ اپنے بڑے کمانڈر جنرل کریاپا کے نام پر موسوم "اوپریشنز کپر" کے تحت ۳۱ جنوری ۱۹۴۸ء سے شروع کر چکا تھا، کہ کوٹ گاؤں کی طرف دو بھارتی پلٹنوں نے حملہ کیا اور ایک پلٹن نے بیڑی پتن کے علاقے میں حملے کا "ڈرامہ" کیا۔ مجاہدین کے جوابی حملوں، اور گھمسان کی جنگوں کی وجہ سے اس اوپریشن کپر کو وہ اپنی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت دیتے ہیں [۲]۔ کہ ہمارے ۱۵۶ جوانوں کو شہید کرنے اور ۲۰۱ کو زخمی کرنے کی بڑ بھی مارتے ہیں۔ اور اپنا نقصان صرف ۲ آدمیوں کی ہلاکت اور چار کے زخمی ہونے تک محدود کرتے ہیں۔ خیر نقصانات کے بھارتی بیانات تو جھوٹ کے پلندے ہوتے ہیں کہ ایک جگہ ہمارے آٹھ شہدا۔ بعد میں دو شہدا اور گیارہ زخمیوں [۳] کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

اور اپنے نقصانات کے سلسلہ میں خاموش ہیں۔ان لڑائیوں پر تبصروں میں بھارتی جو کئی اسباق زیر بحث لاتے ہیں اِن کو پڑھ کر ہنسی بھی آتی ہے کہ ان کی تاریخ کا یہ باب کسی "سولین وردی پوش" کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔صرف ایک بات صحیح ہے کہ کوٹ کے ہمارے مجاہدین نے ضرور سستی کی اور وہ سوئے ہوئے تھے (۴)۔آگے کہتے ہیں کہ برگیڈیئر عثمان ۶ فروری صبح چھ بجے کلال کے علاقوں پر ایک حملے کی تجویز بنا چکے تھے، کہ مخبروں نے ان کو اس دن ہمارے حملے کی خبر دے دی تو انہوں نے اپنی تجاویز منسوخ کر دیں اور ہمارے حملے کو روکنے کیلئے وہ تیار تھے (۵)

تبصرہ تقریباً دو برگیڈ بھارتی فوج جن کے پاس دو پہاڑی توپخانہ کی بیٹریوں کے علاوہ ۲۵ پاؤنڈز کی ۸ توپیں۔ایک مشین گن اور مارٹر کمپنی اور بکتر بند دستے تھے۔اس پر چند تین انچ مارٹروں کے امدادی فائر سے حملہ بالکل مناسب نہ تھا۔اور ہمارے لئے صرف ایک طریقہ تھا کہ دشمن کو پھیلاؤ اختیار کرنے دیا جاتا۔اور صرف وہاں ٹھہرا جاتا جہاں ٹھہر کر دشمن کو نقصان پہنچایا جاتا۔اور ہمارے حملے دشمن کے پھیلاؤ کے کمزور مقامات پر ہوتے۔لیکن ہمیں سیالکوٹ محاذ سے ہٹا کر اور دریائے چناب سے آگے نہ جانے کی وجہ سے محدود کرا کے دشمن کو زمان و مکان کے بہتر استعمال کا موقع دیا جا رہا تھا۔

ہماری تجویز ہماری سرکاری تاریخ بھارتیوں کے کوٹ پر قبضہ اور مجاہدین کے مقابلہ نہ کرنے کی بات کو تسلیم کرتی ہے (۶)۔ تو بھارتی تاریخ میں جو نقصانات بیان کئے گئے وہ تو جھوٹ کا پلندہ ہیں۔بہرحال سرکاری تاریخ آگے مجاہدین کی حملے کی تجویز کے یہ چار مرحلے بیان کرتی ہے۔

ا۔پہلا مرحلہ۔تمام قبائلی مجاہدین ۶/۵ فروری کی رات کو چاند نکلنے سے پہلے دشمن کے دفاعی حصار کے نزدیک پہنچ جائیں۔

ب۔دوسرا مرحلہ۔خان آف منگ کی آزاد پلٹن اور کشمیراخان کے لشکروں کا اپنے مقصود نوشہرہ شہر کے وسط پر حملہ۔دیریوں کا پہلے ٹائیں پہاڑی (۷) اور وہاں سے آگے نوشہرہ چھاؤنی کے شمالی حصہ پر حملہ۔میجر آفریدی کے لشکر کا، کانگروٹا پر حملہ۔یہ تینوں کارروائیاں ایک وقت

شروع ہوں گی۔اسی دوران نائب صوبیدار عبداللہ ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ نوشہرہ اور بیڑی پتن کے درمیان روڈ کو بلاک کرے گا۔

ج۔تیسرا مرحلہ۔دیری اور میجر آفریدی کا لشکر اپنے مقصودوں پر قبضہ کے بعد مغرب اور جنوب مشرق سے نوشہرہ میں بچے ہوئے دشمن کا صفایا کریں گے۔

د۔سدھن لشکر یا برگیڈ نوشہرہ سے ۸ میل تک مشرق کے دشمن کے تمام پسپائی کے راستوں کو مسدود کریں گے۔

امدادی فائر اور ملاپ جھنگڑ کی فتح کے وقت دشمن سے چھینی ہوئی ۲۰، ۳ انچ کی مارٹروں میں سے سولہ کا امدادی فائر بڑے حملے والے کشمیراخان اور خان آف منگ کے لشکروں کیلئے تھا۔اور چار کا دیریوں کیلئے اجتماع کرنے والے مقامات تک بذریعہ ٹیلیفون ملاپ تھا۔اس کے بعد پیغام رسانوں اور دیکھ بھال یا اشاروں سے کہ برگیڈیئر سرفراز اپنے ہیڈ کوارٹر کو ڈھنڈ کے، کے نزدیک لے آیا۔جہاں سے جنگ کے رنگ کو دیکھا جا سکتا تھا۔حملے کی تجویز اپنے ذرائع کے مطابق بہت ارفع و اعلیٰ تھی اور بڑی بے جگری اور ہمت کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔جس کو بھارتی تاریخ میں تسلیم کیا گیا ہے (۸)۔اور ہم ان مجاہدین کو سلام کرتے ہیں کہ امدادی فائر نہ ہونے کے برابر تھا۔پھر بھی فتح ان کے قدم چومنے والی تھی۔لیکن ہمارے گناہ ہماری کامیابی میں حائل ہوئے۔

حملے کی کارروائی دیریوں کو چھوڑ کر تمام لشکر اپنی اپنی کارروائی والی جگہوں پر بروقت اجتماع کر گئے تھے۔اور دیری جب تک ٹائیں پہاڑی پر قبضہ نہ کرتے تو نوشہرہ پر قبضہ قائم نہ رکھا جا سکتا تھا۔اسلئے کارروائی کچھ التوا سے شروع کی گئی۔دیری بھی البتہ پہنچ گئے تو حملے کا اشارہ دے دیا گیا جو ایک مارٹر نے دشمن کی توپ پر پہلا گولہ فائر کرنا تھا۔اور پھر تمام مارٹریں جن کو چھپا کر دشمن کی توپوں کے اتنا نزدیک لایا گیا تھا کہ سب نے دشمن کی گن پوزیشنوں میں گولے داغنے شروع کر دیئے۔اور اس انوکھی اور اچھوتی تجویز نے جو بڑی محنت سے تیار کی گئی تھی دشمن کو کچھ عرصہ کیلئے اپنے امدادی فائر سے محروم کر دیا۔تو پو پھٹتے ہی اللہ تعالی کا نام لے کر مجاہدین نے دشمن پر ہلہ بول دیا۔سب کارروائی حیران کن تھی۔دیریوں کے ہاتھ میں تلواریں تھیں۔انہوں نے ٹائیں پہاڑی پر بھارتیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا۔لیکن بھارتیوں کو

کوٹ گاؤں کے مضبوط دفاع سے مدد مل رہی تھی۔ اس لئے دیری آدھی پہاڑی پر قبضہ کر سکے۔ پھر بھی کشمیرا خان اور خان آف منگ کے لشکر نوشہرہ کے دفاعی حصار میں داخل ہو گئے اور میجر آفریدی کے لشکر نے کنگروٹا پر قبضہ کر لیا۔ اب سورج کافی اوپر آ گیا تھا۔ بھارتی ہوائی جہاز آ گئے اور ان کی مدد سے بھارتی توپیں متبادل پوزیشنوں میں چلی گئیں۔ اور انہوں نے بھارتیوں کو امدادی فائر دینا شروع کیا۔ نائب صوبیدار عبداللہ بھی ڈھنگ کے مقام پر تو پہنچ گیا۔ لیکن بھارتی کمک اس سے پہلے نوشہرہ کے نزدیک پہنچ گئی تھی۔ پھر بھی ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق [۹] ہمارے بڑے حملہ آور لشکر یعنی کشمیرا خان اور خان آف منگ کے مجاہدین نے آدھے نوشہرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔

اورک زئی لشکر کی آمد صبح سویرے سورج چڑھتے اورک زئیوں کا ایک ہزار کا لشکر بریگیڈیئر سرفراز کے پاس پہنچ گیا۔ اور حملہ میں شرکت کی اجازت چاہی۔ سرفراز، زیادہ لوگوں کو جنگ میں جھونکنے کا قائل نہ تھا۔ لیکن میجر آفریدی اور نائب صوبیدار عبداللہ میں رابطہ نہ ہو رہا تھا۔ تو پانچسو اورکزئیوں کو میجر آفریدی کی مدد کیلئے جو بھیجا تو ایک گھنٹہ میں وہاں دشمن تہس نہس ہو گیا۔ تو باقی اورکزئیوں کو بریگیڈیئر سرفراز نے کیپٹن خان آف منگ کی مدد کیلئے بھیج دیا اور جنگ کا رنگ ہی تبدیل ہو گیا۔ بھارتیوں میں افراتفری پیدا ہو چکی تھی۔ اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے۔ اور اسی دن بعد میں دیریوں نے بھی ساری ٹائیں پہاڑی پر قبضہ کر لیا۔ اور جنگ کے دونوں مرحلے کامیابی سے تکمیل پا چکے تھے۔

تیسرا مرحلہ اور ان ہونی بریگیڈیئر سرفراز نے تیسرے مرحلہ کیلئے پیش قدمی کے احکام دیدیئے تو متبادل پوزیشنز سے جیسے بھارتی توپوں کے گولے گرے۔ تو اورکزئیوں میں سے کچھ لوگوں نے آگے بڑھنے کی بجائے جو کچھ شہر سے ہاتھ لگا۔ اس کو اٹھا کر میدان جنگ کو چھوڑنا شروع کر دیا۔ اور مشہور ہو گیا کہ بھارتیوں نے مجاہدین کو شہر میں پھانسنے کیلئے جان بوجھ کر شہر خالی کیا تھا۔ اب وہ حملہ آوروں کو گھیرے میں لے کر تہس نہس کر دیں گے۔ ان کے فرار کو دیکھ کر کشمیرا خان کے لشکریوں نے بھی یہی کچھ کیا۔ سرفراز نے آدمی دوڑائے اور فرار کرنے والوں کو روکنے کی کوشش کی لیکن ایسی ان ہونی کو روکنا ناممکن ہوتا ہے شام تک دیریوں نے

بھی ٹائیں پہاڑیں خالی کر دی کہ ان کے کئی بڑے رہنما تلوار زنی کرتے شہید ہو گئے تھے۔ اور کمانڈ چھوٹے رہنماؤں کے ہاتھ میں تھی۔ بہرحال سورج ڈھلنے تک نوشہرہ میں ہم نے جو کچھ حاصل کیا تھا اس میں سے بہت کچھ کھو بیٹھے تھے اور نوشہرہ کے اندر خان آف منگ اور کیپٹن محمود کے لشکر سے صرف کوئی پانچسو مجاہدین رہ گئے تھے۔ بریگیڈیئر سرفراز نے تمام قبائلی رہنماؤں کو اکٹھا کیا اور شرم دلایا۔ جنہوں نے کھانا پکا کر اندھیرا پڑتے ہی دوبارہ نوشہرہ پر حملہ کا وعدہ کیا۔ جنہوں نے کھانا پکا کر کھا لیا ان میں سے کچھ جہاں لیٹے وہاں سے اٹھ نہ سکے جنہوں نے کچھ نہ کھایا۔ ان کو کمزوری نے کچھ نہ کرنے دیا۔ تو شام کا حملہ ایک ادھورا کام اور ناکام سعی ثابت ہوا۔ اور جب مزید یا دوبارہ حملے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو سرفراز نے آزاد مجاہدین کو پرانے پوزیشنوں پر واپس آنے کے احکام دے دیئے۔ اور اس ان ہونی میں شرارت یا سازش کا پہلو بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اورک زئی لشکر میں کوئی دشمن کے ایجنٹ تھے کہ بھگدڑ مچا دی گئی۔ بہرحال اس جنگ میں تقریباً دو سو مجاہدین زخمی یا شہید تھے۔ اور اپنے لئے زخمیوں کو نکالنے کیلئے صرف ایک جیپ تھی۔ اور قبائلی مجاہدین شہداء کو بھی اپنے گاؤں لے جانا چاہتے تھے۔ راشن کی بھی کمی تھی۔ اور اپنی سرکاری تاریخ کے مطابق محاذ پر صرف ایک دن کا راشن تھا۔ اب مجاہدین راشن سروں پر اٹھا کر پیچھے سے لا رہے تھے۔ تو جنگ میں التوا کرنا پڑی۔ ورنہ سرفراز کے مطابق بے قاعدہ فوج کو نکما نہیں بیٹھنے دیا جانا چاہیئے۔

بھارتیوں کا بیان بھارتی تاریخ [۱۰] کے اڑھائی صفحہ کا اس سلسلہ میں بیان جھوٹ کا پلندہ ہے۔ حملہ کیلئے تین ہزار سواتی اور تین ہزار آزاد لشکر کا ذکر کر کے مانتے ہیں کہ ایک دفعہ مجاہدین نے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اور انہوں نے جوابی حملہ سے پھر سب کچھ حاصل کیا۔ ہمارے دو ہزار مجاہدین کو شہید کرنے کے ساتھ کہتے ہیں کہ ۹۶۳ لاشیں تو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ لیکن ایک اور جگہ یہ کہہ کر کہ حملہ آوروں سے ۲۵۹ رائفلیں حاصل کیں۔ اپنے جھوٹوں سے پردہ اتار دیتے ہیں۔ کہ باقی ۷۰۰ شہدا کی رائفلیں کہاں گئیں۔ اپنا نقصان صرف ۳۳ آدمیوں کی ہلاکت اور ۲۰۲ زخمیوں تک محدود کرتے ہیں۔ اور یہ بھول جاتے ہیں کہ دیریوں کے مقابلہ میں ٹائیں دھار پر صرف ایک پکٹ پر ۲۴ آدمیوں کے ہلاک ہونے کی بات ایک اور جگہ

لکھ جاتے ہیں۔ اپنی نفری کوئی ڈیڑھ برگیڈ بتاتے ہیں۔ بہر حال نوشہرہ کی جنگ بہت بڑی بھرپور جنگ تھی جس میں دونوں طرف کا سخت نقصان ہوا۔ بھارتی جو وسط فروری تک جھنگڑ اور راجوری پر قبضہ کرنے کیلئے چھ فروری کو نوشہرہ سے نکلنے کیلئے تیاری کر رہے تھے۔ وہ بھی ایک دفعہ تو دبک کر بیٹھ گئے۔ لیکن یاد رہے کہ عام تربیت کے مطابق بھی نوشہرہ کے ڈیڑھ برگیڈ فوج پر حملہ کیلئے ہمیں ڈیڑھ ڈویژن فوج کی ضرورت تھی۔ اور بے قاعدہ فوج کیلئے نوشہرہ فتح کرنا ایک ناممکن بات تھی۔

سرفراز خفیہ مشن پر اپنی سرکاری تاریخ کے مطابق [11] سرفراز نتائج سے ہرگز مایوس نہ تھا۔ اس کے پاس ایمونیشن اور راشن کی کمی تھی اور اسے کچھ کمک کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے دشمن پر دباؤ جاری رکھتے ہوئے وہ ایک رات خفیہ طور پر نکل کر راولپنڈی پہنچ گیا۔ کہ اس کی مدد کی جائے وہ بھارتیوں کو جلد نوشہرہ میں تہس نہس کر دے گا۔ لیکن اپنے پاس باقی محاذوں پر بھارتی دباؤ کی وجہ سے نوشہرہ سیکٹر کو دینے کیلئے کچھ بھی نہ تھی۔ سرفراز عرصہ سے بھمبر اور نوشہرہ محاذ پر برسرپیکار تھا۔ وہ تھکا ہوا بھی تھا اور کچھ بیمار بھی تھا۔ اس کو آرام کرنے کا مشورہ دیا گیا اور اس کی جگہ میجر رحمن گل (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل اور سندھ کے گورنر) کو نوشہرہ کا سیکٹر کمانڈر بنا دیا گیا۔

ذاتی واقفیت مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ ہماری سرکاری تاریخ کے یہ بیانات صحیح نہیں۔ اس وقت فروری کے مہینہ میں بھارتی کسی اور محاذ پر کوئی جارحانہ کاروائی کرنے کے قابل نہ تھے۔ تو باقی محاذوں کا بہانہ غلط ہے۔ برگیڈیئر سرفراز میرے ذاتی دوست ہیں۔ ہم نے ۱۹۵۱ء میں جہلم میں پرانے چودھویں سنٹر میں اکٹھی نوکری بھی کی۔ اور انہی دنوں جنرل اکبر خان طارق اور برگیڈیئر صدیق سی کو گرفتار کر کے ان پر پنڈی سازش کا جھوٹا مقدمہ بھی بنایا گیا۔ سرفراز کو بھی اس میں "شامل" کرنے کی تجویز تھی۔ لیکن کوئی جھوٹ آگے پیش رفت نہ کرتا تھا سرفراز نے مجھے سب باتیں بتائیں کہ جب وہ پنڈی پہنچا تو اکبر خان کو طارق ہیڈ کوارٹر سے تبدیل کیا جا رہا تھا اور سرفراز نے صرف دو پہاڑی توپیں اور ایک پلٹن مانگی تھی جو بھارتیوں کو مغرب اور شمال کی طرف سے صرف بلاک کرے۔ اور اس کیلئے وہ آدھے مجاہدین اس پلٹن کے

مستقر میں چھوڑے گا۔ اور باقی مجاہدین سے بیڑی پتن اور پونی بار کھ میں حملہ کرا کے وہاں آسانی سے قبضہ کرے گا۔ اور بھارتی نوشہرہ برگیڈ ہمارے محاصرہ میں آجائے گا۔ ایسی ہی تجاویز اکبر خان طارق دے رہا تھا۔ تو سرفراز کو اکبر خان کا آدمی سمجھ کر نوشہرہ کی کمانڈ سے ہٹا دیا گیا۔ بیماری اور تھکاوٹ لیپا پوتی ہے۔

میجر رحمن گل کے مسائل میجر رحمن گل ۲۸ فروری کو تو سٹاف کالج چلا گیا اور اس کو وہاں چند دنوں کیلئے بھیجنا بڑی غلطی تھی۔ لیکن ان چند دنوں میں انہوں نے اپنی ذمہ داری بہت اَحسن طریقے سے نبھائی۔ سب سے بڑا مسئلہ راشن اور ایمونیشن سپلائی کا تھا۔ اور رحمن گل نے سپلائی افسر مقرر کر کے فوراً فوجی سپلائی والا طریقہ رائج کر دیا۔ بھمبر محاذ کو الگ سیکٹر بنوایا کہ نوشہرہ کے جنوب کی ذمہ داری محمد زمان کیانی اور حبیب الرحمن کو واپس کی لیکن انہوں نے پھر بھی ادھر کوئی خاص کام نہ کیا۔ راجوری محاذ پر میجر رحمت اللہ اور میجر محمد اسلم کے ساتھ رحمن گل نے رابطہ باندھا۔ ان سے کچھ غلہ بھی وصول کیا۔ ادھر شیر احمد کے سدھن برگیڈ کی دو پلٹنیں متعین کیں اور اوپر والوں کو گزارش کی کہ ذمہ داری کی حدود یا مل جل کر کام کرنے کی کوئی پالیسی بنائی جائے۔ لیکن اوپر آزاد ہیڈ کوارٹر میں "اخپل" بادشاہی تھی۔ اور طارق ہیڈ کوارٹر سے اکبر خان جا چکا تھا۔ شیر خان، انگریز کے سخت دباؤ کے تحت کام کر رہا تھا۔ تو ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق رحمن گل نے اپنے آپ شیر احمد کو یہ ذمہ داری دے دی کہ وہ دشمن کی راجوری کی طرف پیش قدمیوں کو بھی روکیں [12]۔ انہوں نے محمود خان جو اب کرنل کہلاتے تھے ان کے لشکر کو کیری کے مقام کا دفاع سپرد کیا۔ اور ان پر بڑا بھروسہ کیا جا سکتا تھا اور کشمیرا خان کو ڈھنڈ کے، کے مقام پر متعین کیا۔ انہی دنوں کیپٹن آغا علی اکرم (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) کچھ قبائلی مجاہدین کے ساتھ کمک کے طور وہاں آئے تو ان کو بھی کشمیرا خان کے ساتھ متعین کر دیا۔ اور خان آف منگ بھی ادھر تھے کہ بڑا مقصد بھارتیوں کی جھنگڑ کی طرف پیش قدمی کو روکنا تھا۔ رحمن گل نے بھارتیوں پر اپنی کوئی کمزوری نہ ظاہر ہونے دی اور مجاہدین دشمن پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔

بھارتیوں کی جارحانہ سوچ اور کاروائی نوشہرہ پر ہمارے حملے کی ناکامی کے بعد

بھارت کو نوشہرہ میں پورا ایک ڈویژن فوج اکٹھی کرنے کی ضرورت بھی محسوس ہوئی اور انہوں نے ایسا کر بھی لیا، جس کے ساتھ پورا توپخانہ، انجینئر اور بکتر بند دستے بھی تھے [۱۳] ۔ گو بھارتی جنرل کری آپا، نوشہرہ سے بھمبر اور میرپور کی فتح کی سفارشات کر رہا تھا۔ لیکن بیسویں باب میں واضح ہو چکا ہے کہ بھارت کے انگریز مشیروں نے بھارت کو بتا دیا تھا کہ میرپور پر حملہ پاکستان پر حملہ تصور کیا جائے گا۔ اور پاکستان کے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ وہ لیاقت علی کی حکومت کو بھی ختم کر دیں گے۔ اب ہماری گومگو کی پالیسی کی وجہ سے پہل کاری بھارتیوں کے پاس چلی گئی۔ اور وہ نوشہرہ سے نکل کر راجوری اور جھنگڑ دونوں پر یا ایک پر کسی وقت قبضہ کرنے کے قابل تھے۔ اور ہمارے مجاہدین تو ایک دن میں جھنگڑ کی فتح کے بعد نوشہرہ پہنچ گئے تھے لیکن بھارتیوں نے ان کی اپنی تاریخ کے مطابق جھنگڑ کو فتح کرنے کیلئے ایک ماہ لگایا اور کارروائی تین مرحلوں میں مکمل کی [۱۴] کہ رحمن گل نے بھارتیوں پر اپنی کمزوری کو شروع شروع میں ظاہر نہ ہونے دیا اور اپنی سرکاری تاریخ کے مطابق انہوں نے نوشہرہ پر ایسے منظم [۱۵] حملے کرائے کہ بھارتیوں کو شک پڑا کہ ابھی نوشہرہ پر ایک اور بہت بڑا حملہ ہونے والا ہے۔ لیکن بھارتیوں نے بھی مجاہدین کو "جانچنے تولنے" کیلئے ۱۳ فروری کو ہماری تاریخ کے [۱۶] مطابق ایک پلٹن (بھارتی تاریخ کے مطابق دو پلٹنوں) کی ایک کالم نے راجوری ٹریک۔ اور ۱۶ فروری کو ایک کمپنی (بھارتی تاریخ کے مطابق دو کمپنیاں) کی ایک کالم نے ڈھنڈکے کی طرف ایک پہاڑی کے کچھ علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ راجوری کی طرف سے شیر احمد کے مجاہدین اور ڈھنڈکے کی طرف سے کیپٹن اکرم کے لشکر نے سخت مقابلے کئے کہ بھارتی نوشہرہ واپس چلے گئے۔ دونوں تاریخوں کے مطابق البتہ ۲۰ / ۱۹ فروری کو توپخانہ اور ہوائی جہازوں کی مدد سے بھارتیوں نے ایک ہی وقت کرنل محمود کے آزاد لشکر اور کیپٹن اکرم کے قبائلی مجاہدین پر دو کالموں سے بھرپور حملہ کرایا۔ لیکن اس میں سخت نقصان اٹھایا۔ اور سولہ لاشیں چھوڑ کر پسپا ہو گئے۔ لیکن اب حملے روزانہ کا معمول ہو گئے کہ ڈویژن کمانڈر میجر جنرل کلونت سنگھ نوشہرہ پہنچا ہوا تھا۔

میجر رحمن گل کو احکام اور ان کا ردعمل اب آزاد ہیڈ کوارٹر کے ذرائع سے رحمن گل کو سیدھا حکم ملا کہ نوشہرہ پر مزید حملوں کو بھول جاؤ۔ اور جو کچھ نفری پاس ہے اس سے

اپنے علاقے کا دفاع کرو۔ رحمن گل نے ۱۸ فروری ۱۹۴۸ء کو اپنے بالا حاکموں کو جو رپورٹ بھیجی اور اس کا ذکر سرکاری تاریخ میں بھی ہے [۱۷] ۔ کہ قبائلی مجاہدین کسی علاقے کا دفاع نہیں کر سکتے۔ اور آزاد مجاہدین اچھی زمین کے استعمال کے بعد کسی جگہ چند گھنٹے یا چند دن ٹھہر سکتے ہیں کہ ان کے پاس امدادی فائر نہیں ہے۔ اگر بھارتیوں کو روکنا ہے تو وقت آ گیا ہے کہ اب باقاعدہ فوج اہم مقامات کا دفاع سنبھال لے۔ اور مجاہدین بھارت کا ناک میں دم کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کو بھی توپخانہ کا امدادی فائر چاہیے۔ تو ہماری حکومت نے لیپا پوتی کیلئے پچیسویں بریگیڈ کی ایک آدھ یونٹ کو میرپور بھیج دیا اور ان کا کمانڈر بریگیڈیئر (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل اور وفاقی وزیر) محمد اعظم کو محاذ پر بھیجا گیا کہ وہ مجاہدین کو "تسلی" دے آئے، کہ پکی فوج ان کی مدد کو جلد پہنچ جائے گی [۱۸] ۔

البتہ ۱۹۹۰ء میں پشاور کے مقام پر اس سلسلہ کے سیمینار میں رحمن گل نے سب کوتاہیوں سے کھل کر پردے اتار دیئے۔ کہ اس زمانے میں ایک پلٹن اور توپخانہ کی چند توپیں نوشہرہ محاذ پر بھیج دی جاتیں تو مجاہدین پورے بھارتی ڈویژن کو گھیرے میں لے لیتے۔ لیکن انگریز ہمیں بے وقوف بنا رہے تھے اور انہوں نے کئی ایسی باتیں کیں جو یہ عاجز اپنے مفروضوں کے طور پر بیان کر چکا ہے۔

بھارتیوں کے بھرپور حملے رحمن گل نے صحیح اندازہ لگایا تھا کہ بھارتی زیادہ زور ڈھنڈکے کے علاقے پر دیں گے۔ اور اس نے کرنل محمود۔ کیپٹن اکرم اور کمک میں آنے والے کیپٹن مہدی کے لشکروں کو نئے سرے سے منظم کرکے۔ کرنل محمود کو شمال مغرب میں۔ اور باقیوں کو ڈھنڈکے کا دفاع سونپ دیا۔ شیر احمد کو گہرائی میں رکھا۔ اور قبائلی مجاہدین کو حرکت میں رکھا کہ وہ بھارتیوں پر چھاپے مارتے رہیں۔ ۲۰ فروری کو بھارتیوں نے ایک بریگیڈ کے فرنٹ پر حملہ کیا۔ جہاں محمود خان نے تو ان کا حملہ پسپا کر دیا۔ لیکن ڈھنڈکے کے علاقے میں ان کو کامیابی ہو گئی اور ۲۳ / ۲۲ فروری کی رات کو ان علاقوں میں آگے بڑھ کر انہوں نے کشمیرا خان کے دفاعی حصار کی کچھ پوسٹوں پر بھی قبضہ کر لیا [۱۹] ۔ ادھر بارشیں شروع ہو گئیں اپنے مجاہدین کو ایمونیشن نہ پہنچ رہا تھا تو بھارتیوں نے حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہنڈن اور ڈھنڈکے پر ۲۵ فروری کو ایک بہت بڑا حملہ کر دیا۔ بھرپور لڑائی میں دست بدست جنگ تک بھی معاملات پہنچے۔ اور بھارتیوں کو ناکامی ہوئی۔ اور عام طور پر ناکام جگہ پر دوبارہ حملہ نہیں کیا جاتا

لیکن ۲۶ فروری کی صبح ایک پورے بھارتی برگیڈ (بھارتی تاریخ کے مطابق اس میں چار پلٹنیں تھیں) بکتر بند دستوں اور پورے ڈویژن کے توپخانہ کے امدادی فائر اور ہوائی جہازوں کی مدد سے ایک بڑے علاقہ پر حملہ کر کے کمان گوشہ کے کچھ علاقوں اور سکانہ گلی کی اہم پہاڑیوں پر قبضہ کرلیا۔ بھارتی تاریخ نے تمام کارروائی کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا ہے اور ۷ فروری سے ۲۹ فروری تک یہ کچھ پہلا مرحلہ تھا۔[20] دوسرے اور تیسرے مرحلوں کا ذکر اگلے باب میں ہے۔ اور ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق [21] ان مشکل اور ناگہانی حالات میں جب بھارتی نوشہرہ سے نکل کر جھنگڑ پر دھاوے پہ دھاوا بولنے والے تھے تو ۲۸ فروری کو میجر رحمن گل نے نوشہرہ سیکٹر کی کمانڈ میجر محمد اسحق (بعد میں برگیڈئیر) کے حوالے کردی۔ بہرحال یہ شاید مجبوری تھی کہ رحمن گل نے سٹاف کالج جانا تھا۔

تبصرہ ہم نے جنوری اور فروری ۱۹۴۸ء میں بھارتی فوج کو نوشہرہ میں تہس نہس کرنے کا ایک سنہری موقع کھودیا۔ اگر سرفراز یا اکبر خان کی باتیں مان لی جاتیں۔ تو بھارتی افواج اپنی موت نوشہرہ میں خود مر جاتیں۔ اور پونچھ والے خود بخود ہتھیار ڈال دیتے۔ اور پچھلے دو ابواب میں پونچھ پر جن حملوں کا ذکر کیا ہے ان کی ضرورت نہ پڑتی۔ چلو یہ کچھ تو ہو گیا۔ لیکن ایک سبق تو سیکھ لیں کہ اینگلو امریکن بلاک سے جان چھڑا کر اپنے معاملات کو مومن کی فراست کی مدد سے حل کریں۔ کہ ہمارے بڑے دشمن یہی یورپین ہیں۔

حوالہ جات

(۱) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۱۲۔ (۲) ۔ ایضاً صفحہ ۱۱۸۔ (۳) ۔ ایضاً صفحہ ۱۱۶۔ (۴) ۔ ایضاً صفحہ ۱۱۷ (۵) ۔ ایضاً صفحہ ۱۱۸۔ (۶) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۹۴۔ (۷) ۔ بھارتی اس کو ٹائیں دھار کہتے ہیں۔ (۸) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۱۸۔ (۹) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۹۶ ۔ ۹۵۔ (۱۰) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۱۔ (۱۱) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۹۶۔ (۱۲ ۔ اور ۱۳) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۱۰۳۔ (۱۴) ۔ او پریشن ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۲۳۔ (۱۵) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۱۰۲۔ (۱۶) ۔ ایضاً صفحہ ۱۰۳۔ (۱۷) ۔ ایضاً صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۴۔ (۱۸) ۔ ایضاً صفحہ ۱۰۴۔ (۱۹) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۲۴۔ (۲۰) ۔ ایضاً صفحہ ۱۲۳ تا ۱۲۵۔ (۲۱) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۱۰۶۔

تینتیسواں باب

جھنگڑ اور راجوری پر بھارتی قبضہ اور پاکستانی فوج کا بھونڈا استعمال

گذشتہ سے پیوستہ میجر محمد اسحق (بعد میں برگیڈئیر) اب تک زندہ ہیں اور مصنف کے ذاتی دوست ہیں۔ ان کی زبانی بھی بہت کچھ سنا۔ اور حالات تاریخوں میں بھی کافی صحیح بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ ہماری تاریخ صاف طور سے یہ نہیں کہتی کہ ہمیں بے وقوف بنایا گیا۔ یا ظفراللہ نے حکومت پاکستان کو کہا کہ مجاہدین کشمیر میں کوئی بھرپور کارروائی نہ کریں۔ کہ ہمارا مقدمہ اقوام متحدہ میں کمزور ہو جائے گا۔ لیکن اس باب کی عملی کاروائی پڑھنے کے بعد قارئین پر ظاہر ہو جائے گا کہ ہماری فوج کو کشمیر میں بہت بھونڈے طور پر استعمال کیا گیا۔ ظفراللہ سمیت انگریز ہماری سول سروسز اور فوج میں اپنی ایک بہت بڑی "کھیپ" تیار کر چکے تھے۔ جس کو خفیہ طور پر انہوں نے کامن ویلتھ کلب کا نام دیا۔ یہ لوگ ہمارا رخ مکہ و مدینہ کی بجائے لندن اور واشنگٹن کی طرف ہمیں انگریزوں کا پروردہ بنا کر رکھنا چاہتے تھے، کہ بھارتیوں سے ہمیں مار دلوا کر ہمارے دل میں بھارت کا ڈر پیدا کرنا چاہتے تھے۔ کہ ہم اہل مغرب کے سہارے زندہ رہنے والی بات کو مان لیں۔ انگریز کشمیر کا بڑا حصہ بھارت کو دے چکے تھے۔ اور وہ نوشہرہ، جھنگڑ راجوری، پونچھ اور اوڑی لائن پر سمجھوتہ کرانا چاہتے تھے۔ لیکن جواہر لعل نہرو کوٹلی والے راستے پونچھ سے رابطہ چاہتا تھا۔ اور پاکستان کو صرف بھمبر۔ میرپور۔ پلندری۔ راولاکوٹ اور باغ تک علاقہ دینا چاہتا تھا۔ اور یہی بات طارق ہیڈ کوارٹر کے برگیڈئیر محمود جان نے پشاور کے سیمینار میں کہی۔ کہ انگریزوں کا ایک سنڈیکیٹ دہلی اور دوسرا، راولپنڈی میں بیٹھ کر ہمیں اپنی مرضی کی لڑائی لڑا رہے تھے اور پھر ایک دن فائر بندی کرا کے ہمیں اپنی مرضی کی ایک ہزار میل لمبی فائر بندی لائن پر بٹھا گئے اور ہم آج تک ادھر ہی بیٹھے ہیں، تو ہمارا نوشہرہ محاذ کا نیا سیکٹر۔

کمانڈر میجر محمد اسحٰق کوئی معجزہ تو نہ کر سکتا تھا۔ جو کچھ رحمن گل اوپر والوں کو بتا گیا تھا، بھارتی اس سے کچھ زیادہ حاصل کر چکے تھے۔ اور لیپا پوتی کیلئے موجودہ آٹھویں پنجاب کو جھنگڑ اور میرپور کے درمیان اور تیرھویں پنجاب کو بھمبر کے علاقے میں متعین کیا گیا۔ کہ بھارتی میرپور پر قبضہ نہ کرلیں۔ (یعنی وہ لوگ جھنگڑ پر قبضہ کرلیں تو کوئی ہرج نہیں)۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

بھارتیوں کی بھرپور کارروائی میجر اسحٰق کے محاذ پر پہنچتے ہی بھارتیوں نے ڈھنڈ کے پر قبضہ کرلیا۔ اور میجر اسحٰق کو اپنا ہیڈ کوارٹر کلسیاں سے نکال کر پہلے بوہانی اور چند دن بعد منگلاشی لانا پڑا۔ کمان گوشہ پر قبضہ کے بعد بھارتیوں نے اس کے گرد بغیر لڑائی لڑے چاہی گاؤں اور اس کے گرد علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ کہ بھمبر محاذ پر مجاہدین کا کوئی راہنما نظر نہیں آرہا تھا۔ اور اب جھنگڑ کی طرف پیش قدمی کرنے والے بھارتیوں کا جنوبی بازو محفوظ ہو گیا (نقشہ بیست سے استفادہ کریں)۔ اور بھارتیوں نے شمال کی طرف رخ کر کے چند دستوں کو شمال مشرق کی طرف چنگس کی طرف نوشہرہ توی پر چھوڑتے ہوئے۔ راجوری محاذ کے ہمارے میجر محمد اسلم اور میجر رحمت اللہ کو بھی جھنگڑ کی جنگ سے الگ کر دیا۔ اور شمال میں ایک پورے بریگیڈ کے ساتھ اسلی گلہ میں ہمارے دیریوں کی پوزیشن پر حملہ کر دیا۔ اپنی سرکاری تاریخ[1] میں جنگ کی تفصیل ہے کہ ٹائیں دھار اور ٹانڈا کی طرف سے اس دو طرفہ بھارتی حملے کی کامیابی کے بعد میجر تمروز نے تلواروں سے جوابی حملہ کیا۔ لیکن بھارتیوں کو بچاؤ کرنا آگیا تھا کہ وہ مورچے میں سرنیچا کر لیتے تھے اور دیری کامیاب نہ ہوئے۔ اور پوری جمھیر وادی مجاہدین سے خالی ہو گئی کہ کشمیر اخان بھی جھنگڑ محاذ سے نکل کر سماہنی وادی اور بھمبر محاذ کے سعد آباد کے علاقوں میں چلا گیا تھا۔

نوشہرہ محاذ کی آخری چٹان کرنل محمود اور اس کے آزاد لشکر البتہ نوشہرہ محاذ پر کیری گاؤں میں کچھ دن آخری چٹان بنے رہے۔ اور انہوں نے کئی دن بھارتیوں کے حملوں کا مقابلہ کیا تو بھارتیوں نے توپخانہ اور ہوائی جہازوں کی مدد سے ایک بریگیڈ سے اس کی پوزیشن پر حملہ کیا۔ لیکن کرنل محمود بروقت کیری گاؤں کو خالی کر کے ساتھ ٹوٹی پھوٹی زمین پر ایک متبادل پوزیشن اختیار کر چکا تھا۔ اور سڑک سے شمال کی طرف جا کر کئی دنوں بھارتیوں کے گلے میں "استروں کا"

نقشہ بیست

جنوبی محاذ۔ جہاد میں جمود

راجوری اور جھنگڑ پر بھارتی قبضہ

سکیل ایک انچ برابر چار میل

مالا" بنارہا، کہ وہ تیزی سے جھنگڑ کی طرف پیش قدمی نہ کرسکے۔ تو میجر اسحق نے کچھ راشن اور ایمونیشن منگوالیا۔ اور محاذ کو دوبارہ اس طرح منظم کیا کہ محمود خان کو سو سیلادھار کے علاقہ میں، اور سدھن لشکر کو ٹانگنی لاکر ایک اور دفاعی لائن بنائی۔ اسی دوران ایک ہزار کا ایک محسود لشکر پہنچ گیا تو اس کو گہرائی میں مسلاشی پہاڑی پر متعین کیا۔ اور کچھ آزاد مجاہدین سے پیش قدمی کرنے والے بھارتیوں پر دائیں بائیں سے چھاپے بھی مروائے۔

بھارتیوں کی جھنگڑ پر یلغار ہماری سرکاری تاریخ[۲] کے مطابق مارچ کے پہلے ہفتہ کے آخری دنوں میں اگر بھارتی جھنگڑ دھرمسال کی طرف چل پڑتے، تو ان کو روکا نہ جاسکتا تھا اور وہ جس رخ چاہتے آگے بھی بڑھ سکتے تھے، تو مارچ کے تیسرے ہفتے کی شروع میں انہوں نے دو برگیڈ کے محاذوں پر فرنٹیر وار فیئر کے طریقہ کو اپناتے ہوئے جھنگڑ کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ راستے میں کرنل محمود کے مجاہدین نے گائے کوٹ کے جنگل کے علاقے میں جان توڑ مقابلہ کیا اور پرتھال کے علاقہ میں متبادل پوزیشن اختیار کرکے بھارتیوں کو بہت جانی نقصان پہنچایا۔ سدھنوں نے بھی بڑی بہادری دکھائی۔ لیکن محسودوں نے بغیر لڑائی کے مسلاشی کی اہم پہاڑی خالی کردی۔ اور اگر ٹھہر جاتے تو اس مشہور نشان پر ہوائی جہاز اور توپیں ان پر اتنا فائر کرتیں کہ فرار بھی مشکل ہوجاتا۔ تو اس طرح بھارتی فوج جھنگڑ پر قابض ہوگئی کہ بارہ میل کے فاصلہ کیلئے پیش قدمی پر ۲۰ دن لگائے۔ بھارتی تاریخ[۳] میں پوری کہانی کی تفصیل ہے۔ جس کے پہلے مرحلہ کو پچھلے باب میں بیان کردیا تھا۔ دوسرا مرحلہ جس کو انہوں نے "ڈبل تھرسٹ" کا نام دیا اور چار چار پلٹنوں کے دو برگیڈوں نے اس میں حصہ لیا۔ ایک کا مقصود کمان گوشہ کے گردونواح کا علاقہ تھا اور دوسرے کا اصلی دھار۔ یکم مارچ سے ۴ مارچ تک تمام کارروائی پورے ڈویژن کے توپخانہ۔ مارٹروں۔ مشین گنوں اور ہوائی امداد سے کی۔ اس میں بھرپور جنگ اور ہمارے جوابی حملوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارے بھاری جانی نقصان کے ذکر کے علاوہ اپنے ایک افسر اور دو جے سی اوز اور دس جوانوں کے مرنے اور ایک کرنل اور ۲۹ جوانوں کے زخمی ہونے کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ تیسرے مرحلہ کو "اوپریشنز وجے" کا نام دے کر ۵ مارچ سے ۱۸ مارچ کی کارروائی اور جھنگڑ پر قبضہ کی کہانی کو تو عسکری تاریخ کی بڑی مہم کہتے ہیں کہ میجر جنرل

کلونت سنگھ ذاتی طور پر وہاں موجود تھا اور پچاسویں اور انیسویں برگیڈ کی باری باری آگے پیش قدمی کو بڑی اونچے پایہ کی تدبیرات کہتے ہیں۔ اور یہ نہیں سوچتے کہ کلونت سنگھ کے مقابلہ میں نوجوان میجر اسحق تھا۔ جس کے پاس پچاس سال عمر سے اوپر والے کرنل محمود اور کرنل شیر احمد اور ان کے مٹھی بھر مجاہدین تھے جن کے پاس امدادی فائر کیلئے نہ توپخانہ تھا اور نہ ہوائی جہاز۔ بہر حال افسوس کا مقام ہے اور بات سمجھ نہیں آتی کہ ۸ پنجاب جھنگڑ اور میرپور کے درمیان اور ۱۳ پنجاب بھمبر میں کیا کر رہی تھیں۔ اگر اسی ۸ پنجاب کو فروری کے آخر میں ڈھنڈکے۔ چنگس لائن اور تیرھویں پنجاب کو کمان گوشہ۔ سعد آباد بھیج دیا جاتا۔ تو یہی مجاہدین نوشہرہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔ ان پلٹنوں کو آگے لایا گیا لیکن غلط وقت اور غلط مقامات پر۔ بہر حال تین ماہ پہلے مجاہدین نے جھنگڑ فتح کرکے بھارتیوں کو اقوام متحدہ پہنچا دیا تھا۔ اب ہماری کوتاہیوں سے "ریورس گیئر" لگ چکا تھا۔

جھنگڑ کا بھارتی دفاعی حصار بھارتیوں نے مسلاشی پہاڑی کے علاوہ پیر ستاون یا ستواں کی اہم پہاڑی پر بھی قبضہ کرلیا۔ ان کے پاس اس دفعہ سٹیورٹ ٹینکیں بھی تھیں، جو جھنگڑ پر قبضہ کے چند دن بعد کھوئی رٹہ والے راستے کوٹلی کی طرف پیش قدمی کرکے مائی طوطی کے مزار تک پہنچ گئیں۔ وہاں سدھن برگیڈ کا ایک مجاہد[۴] آگے بڑھا۔ اور ایک ۳۶ نمبر گرنیڈ ہاتھ سے ایک ٹینک کے کپولا میں ڈال دیا۔ جس کے پھٹنے سے ٹینک کے تمام Crew مر گئے۔ اور نہ صرف بھارتیوں کی پیش قدمی رک گئی بلکہ اس ٹینک کو کھینچ کر بھارتی، سب ٹینکوں کو جھنگڑ واپس لے گئے۔ جھنگڑ کو بھارتیوں نے فرنیٹر میں پرانے کیمپوں رزمک اور وانا وغیرہ کی طرح ایک دفاعی حصار میں تبدیل کردیا۔ جس کے ساتھ ہم غلط اوقات پر سر پھوڑتے رہے اور اس کے گرد بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن جھنگڑ بھارتیوں کے پاس ہے۔ کہ انگریز یہ جگہ ان کو دینا چاہتے تھے۔

راجوری محاذ ہماری سرکاری تاریخ[۵] میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ جس دن ہم جھنگڑ دشمن کو دے بیٹھے، اسی دن راجوری کی قسمت کا بھی فیصلہ ہوگیا۔ اکبر خان طارق نے جھنگڑ کی فتح کے بعد ہی پنجاب رجمنٹ کے میجر (بعد میں کرنل) محمد اسلم عباسی کو راجوری محاذ پر بڑے اہم کام

کرانے کیلئے بھیجا تھا۔ جن کا تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے کہ میجر اسلم نے سب ضروریات کی بنیادیں باندھ دیں۔ لیکن یہاں محدود۔ اور "سیاسی جنگ" انگریزوں کی سازشوں اور اپنوں کی کوتاہیوں نے اب ریورس گیئر لگا دیا تھا۔ ہماری سرکاری تاریخ میجر اسلم کو پھر ایک دفعہ آزاد افسر بنا دیتی ہے [۶]۔ پھر گلگت اور اوڑی محاذ پر ریاستی فوج کے میجر محمد اسلم اور ان میجر اسلم کو حاشیہ میں ایک شخصیت بنا دیتی ہے [۷]۔ کہ دونوں کو ایم سی کا تمغہ ملا ہوا تھا۔ پھر کسی نے سوچا کہ میجر اسلم ہر جگہ نہیں ہو سکتا۔ تو راجوری محاذ کی ساری کارروائی یعنی کامیابیوں اور ناکامیوں دونوں کیلئے میجر رحمت اللہ کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ بے شک (بعد میں کرنل) رحمت اللہ اور اب مرحوم و مغفور ایک عظیم شخصیت تھے۔ لیکن کرنل محمد اسلم ایم سی سب ناکامیوں کی ذمہ داری اٹھانے کیلئے ابھی زندہ ہیں اور انہوں نے ساری کہانی تفصیل سے سنائی۔ جس کا اختصار لکھا جا رہا ہے۔

میجر اسلم کا بیان اپریل ۱۹۴۸ء میں جب دشمن کی فوج نے نوشہرہ سے نکل کر راجوری کی طرف پیش قدمی شروع کی، تو اس طوفانی خبر نے مقامی اور مہاجرین ساری آبادی کو اس طرح اپنی لپیٹ میں لیا کہ وہ لوگ بلا امتیاز گھروں سے نکل کر پینڈھر کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے، کہ مقامی لوگوں کی نسبت پچھلے چھ ماہ سے علاقہ میں دگنے مہاجرین جو بھارتی ظلم و تشدد دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے ہر "سوتری" کو بھی مقامی لوگوں کیلئے "سانپ" بنا دیا تھا۔ تو اس ناقابل یقین انسانی سیلاب کو روکا نہ جا سکتا تھا۔ ان لوگوں سے جو لوگ مجاہدین میں شامل ہو چکے تھے وہ ابھی فوجی سکھلائی اور ربط و ضبط (ڈسپلن) میں روایتی معیار سے بہت نیچے تھے۔ یہ مجاہدین "اجازت سے" یا "بغیر اجازت" اپنے گھر والوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اور یونٹوں کی یونٹیں خالی ہو گئیں۔ حالانکہ میجر رحمت اللہ نے سب کو جلد واپس آنے کے "پیغامات" پہنچائے۔ لیکن بہت کم لوگ واپس آئے۔ اور میجر رحمت اللہ چند بچے کھچے لوگوں کے ساتھ کریاں والی پہاڑی پر آکر ایک جگہ دفاع میں بیٹھ گیا۔ اور سیکٹر کمانڈر میجر محمد اسلم کو حالات سے آگاہ کیا۔

راجوری شہر کا دفاع میجر اسلم اس وقت تک تھنہ منڈی اور رام بن وغیرہ تک لمبے

چوڑے علاقوں کے ایک تزویراتی ہیڈ کوارٹر میں بیٹھا تھا۔ اور اس کو سیدھے طور پر دشمن سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ لیکن اب دشمن رحمت اللہ کو ایک طرف چھوڑتے یا ویسے شکست دے کر سیدھا راجوری بھی پہنچ سکتا تھا۔ تو اس نے اپنے ہیڈ کوارٹر میں چند محافظوں کی گارڈ مقرر کی اور اپنی کچی پکی نفری سے تین پلٹونیں بنا کر راجوری کے آگے نوشہرہ توی کی تنگ گھاٹی پر ایک دفاعی پوزیشن اختیار کرنے کی تجویز بنائی۔ اور ہر پلٹون کو اس کی ذمہ داری کا علاقہ بتایا اور کہا کہ "جہاں وہ کھڑا تھا، وہاں کچھ پوزیشنز لگا کر، وہ سب دفاع زمین پر خود دیکھے گا۔ اب یہ کام ریزرو پلٹون کیلئے کر کے میجر اسلم آگے والی دو پلٹونوں کو زمین پر دیکھنے کیلئے گیا تو وہاں کوئی آدمی نہ تھا۔ اور تیسری پلٹون کو جہاں لگا کر گیا تھا وہاں واپس آیا تو وہ لوگ بھی غائب تھے۔ میجر اسلم جب یہ تاثرات بیان کرتا ہے، تو کہتا ہے عسکری تاریخ میں اس نے شکست کھانے والوں کی بہت کہانیاں پڑھی تھیں۔ لیکن یہ کبھی نہ پڑھا تھا کہ "سپہ سالار" کے ساتھ لشکر کا ایک آدمی بھی نہ رہ گیا۔ جس کے ساتھ وہ اپنی پریشانی کو کچھ "بانٹ" تو لیتا۔ میجر اسلم کو اس پوزیشن کی طرف جاتے ہوئے، کچھ شک پڑا تھا، کہ میجر رحمت اللہ کی یونٹوں کے آدمی راجوری آرہے تھے لیکن اس نے مصلحتاً ان کے ساتھ توں توں، میں میں، نہ کی۔ جب البتہ وہ سیکٹر ہیڈ کوارٹر میں واپس آیا، تو یہ "مجاہدین" "اپنا" "کام" کر گئے تھے، کہ سیکٹر ہیڈ کوارٹر سے حفاظتی گارڈ بھی جا چکی تھی۔ چند خٹک قبیلے کے نوجوان اور دو فوجی وائرلیس اوپریٹر وہاں رہ گئے تھے۔ میجر اسلم نے ہندو آبادی کو سمجھایا کہ وہ لوگ کیمپ نہ چھوڑیں ورنہ تباہ ہو جائیں گے، اور ہندو پورٹروں کی مدد سے اپنے سامان کو بھمبر گلی پہنچایا، کہ راجوری کی مسلمان آبادی بھگدڑ میں معروف تھی۔ ہندو پورٹر البتہ بھمبر گلی سے واپس نہ جاتے تھے کہ بھارتی ان کو مار دیں گے کہ انہوں نے مسلمانوں کی مدد کیوں کی اور بھارتی تاریخ [۸] میں جو ذکر ہے کہ ہم لوگ ہندو پناہ گیروں کو تنگ کرتے رہتے تھے پس وہ اتنی بات ہے کہ ایک دن کیلئے ان کو استعمال کیا۔ اور میجر اسلم نے حفاظت کے ساتھ ان غیر مسلموں کو راجوری واپس کر دیا۔ بلکہ برگیڈیئر گھنسارا سنگھ کی ماں اور ایک ہندو بنک مینجر کی پڑھی لکھی بیوی، بھارت پہنچ جانے کے بعد اور خاص کر فائر بندی کے بعد بھی میجر اسلم کے حسن سلوک کی تعریف میں خطوط لکھواتی رہیں۔ کہ مسلمان کمزور پر

ہاتھ نہیں اٹھاتا۔

چنگس محاذ زمینی لحاظ سے چنگس پر بھارتیوں کو روکنے یا اپنے لئے چنگس کلسیاں یا چنگس جھنگڑ لائن کو دفاعی لائن بنانا بہت آسان تھا اور آگے اکتالیسویں باب میں ذکر آئے گا کہ ہم وہاں رہ کر مٹھی بھر مجاہدین سے بہت کچھ کرا سکتے تھے۔ لیکن ہماری سرکاری تاریخ کا یہ بیان غلط ہے کہ چنگس کا دفاع رحمت اللہ کی تیرہویں آزاد پلٹن کے علاوہ کرنل علی بہادر کی چودھویں آزاد پلٹن بھی کر رہی تھی (۹)۔ جب چناب دریا کے مشرق کی طرف سب کاروائیاں ختم کیں تو علی بہادر کو احکام ملے کہ وہ چنگس یا راجوری آجائے۔ لیکن اس کے مقامی مٹھی بھر مجاہدین میں سے کچھ تتر بتر ہو گئے۔ کچھ اپنے خاندانوں کی حفاظت کر رہے تھے اور چند بھمبر محاذ کی طرف نکل گئے۔ چنگس میں بھارتیوں کے اسلی دھار پر قبضہ اور بعد میں جھنگڑ کی طرف پیش قدمی کے وقت سے یعنی یکم مارچ سے اکیلا رحمت اللہ ہی مقابلہ کر رہا تھا۔ اور اس نے جگہ جگہ نوشہرہ توی پر پوزیشن چن رکھے تھے۔ اور کل چار سو کی نفری کے ساتھ چار پلٹنوں کے بھارتی انیسویں بریگیڈ کو بڑوالی کے مقام پر دو دن روکا۔ اور چوربان کے مقام پر دشمن کو سخت نقصان پہنچایا۔ کہ اسلی دھار سے چنگس پہنچنے تک دشمن نے پانچ دن لگائے (۱۰)۔ اور بھارتی ایک حملے میں سات آدمیوں کے مارے جانے اور ۲۰ زخمیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ دوسری جگہ جاٹ پلٹن کی ایک کمپنی کے ۲۷ آدمیوں کے نقصان۔ اور تیسری جگہ ایک افسر کے زخمی ہونے اور کچھ جوانوں کے زخمی ہونے اور مارے جانے کو مہمل الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق دشمن کے مرنے والوں اور زخمیوں کی تعداد ۳۰۰ کے قریب ہوگی (۱۱)۔ بھارتیوں کے مطابق بھی چنگس سے لے کر راجوری تک کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ میجر اسلم کچھ نہ کر سکا اور اس نے بھمبر گلی میں اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ اور رحمت اللہ بھی کرایاں والے راستے پہلے قلعہ رام گڑھ پہنچا اور پھر بھمبر گلی میں سیکٹر کمانڈر کو رپورٹ کی۔ اسی دوران میجر محمد شیر رام بن کے علاقوں سے نکل کر ٹکڑیوں میں تھنہ منڈی اور لمبے راستوں سے بھمبر گلی پہنچا۔ اور کچھ مجاہدین نے واپس آنا شروع کیا، تو سیکٹر کمانڈر نے رام گڑھ کی لائن میں راجوری کے شمال میں نیا محاذ بنا لیا۔ اس دوران بھارتیوں کو روکنے والے ایک مجاہد نائک شاہ ولی اور اس کے ساتھ

آٹھ ساتھی تھے۔ جو بھارتیوں پر چھپ کر جہاں زمین اجازت دیتی وہاں سے فائر کرتے رہتے تھے۔

میجر اسلم کے تاثرات اب بھمبر گلی ہیڈ کوارٹر بن جانے کے بعد میجر اسلم کے ساتھ بریگیڈیئر محمد اعظم علاقے کے نئے کمانڈر نے وائرلیس پر کچھ بات کی، کہ وہ سیکٹر کی ذمہ داری میجر رحمت اللہ کو دے کر، راولپنڈی پہنچ جائے کہ اس نے سٹاف کالج کوئٹہ جانا ہے۔ جس کا ذکر پندرھویں باب میں ہو چکا ہے کہ ان کا عہدہ کیپٹن ہو گیا اور تنخواہ ۱۴۰۰ روپے کی بجائے ۵۰۰ روپے رہ گئی لیکن یہ بات چیت جیسے ایک سینئر اور جونیئر کے درمیان ہوتی ہے بڑے سنجیدہ ماحول میں ہوئی۔ راولپنڈی میں میجر اسلم کی بریگیڈیئر اعظم کے ساتھ ملاقات ہو گئی تو اعظم نے کہا "اسلم لگتا ہے کہ بچپن میں تمہاری گالیوں کی سکھلائی اچھی نہیں ہوئی ہے۔ جب تمہارے ساتھ وائرلیس پر بات ہوئی اور بھمبر گلی میں تمہاری جگہ میں ہوتا اور تو میری جگہ، ہوتا تو تم یاد رکھتے میں کیا کچھ نہ کہتا" پھر پیار سے کہنے لگا "اسلم تم لوگ خوش قسمت ہو کچھ تو کرتے رہے۔ ہم بدقسمت ہاتھ پر ہاتھ دھرے حکم کا انتظار کرتے رہے اور قیمتی وقت گزرتا رہا"۔ قارئین بریگیڈیئر اعظم سے اور بھی بڑی غلطیاں کرائی گئیں اور آگے ذکر آتا رہے گا۔ لیکن اس عاجز کو اعظم کے خلوص پر کبھی شک، نہ پڑا بس ہم لوگ بزدل ہیں۔ اور ہم نے اپنے غدار انگریزوں کے ساتھ ٹکر نہ لی۔ اور جنہوں نے لی ان کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ لیکن ان غیرتمند لوگوں کی جزاء اللہ کے پاس ہے۔ کاش! اب بھی لوگ اس عاجز کی کتاب حضور پاکؐ کے جلال و جمال کا پہلا باب پڑھ لیں جس میں جنرل ڈار مرحوم کے مطابق اسلامی نظریہ حیات عملی نقطہ نظر سے روزمرہ کے تکنیکی اور سائنسی تصادم کو مدنظر رکھ کر اہل علم کے سامنے پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے کہ ہم پر مومن کی زندگی کے مقاصد واضح ہو جائیں۔

راجوری دشمن کے ہاتھوں میں بھارتیوں کے پاس لاؤ لشکر تھے اور وہ متحرک تھے وہ راجوری کے پاس آکر جو رک گئے تو اس وقت اتنا کچھ ہی "ہضم" کر سکتے تھے۔ ہماری سرکاری تاریخ میں جو بیان ہے کہ شروع کے المیہ کے بعد مجاہدین راجوری کے گرد واپس آگئے۔ اور وہاں میجر رحمت اللہ نے چھٹے آزاد بریگیڈ کی بنیاد ڈالی (۱۲)۔ یہ کام بھمبر گلی کے مقام پر ہوا اور یہ بنیاد بھی میجر اسلم نے باندھی۔ البتہ سرکاری تاریخ میں کچھ صحیح تبصرے بھی ہیں۔ کہ بھارتی جو جھنگڑ اور

راجوری پر قبضہ کر کے اس کو عظیم فوجی کامیابی کہتے ہیں ۔ یہ ریت پر قلعے تعمیر کرنے والی بات ہے ۔ کہ آگے سے لڑنے والے نہ منظم تھے اور نہ اوپر والوں نے لڑنے کی کوئی تجویز بنائی ۔ نہ ہی جموں سے لے کر نوشہرہ تک دشمن کے ذرائع آمد و رفت پر کوئی حملہ کیا گیا ۔ لیکن اپنی تاریخ کا تیرھواں باب [۱۳] پڑھ کر اپنا سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے کہ تان اس پر ٹوٹتی ہے کہ مئی ۱۹۴۸ء میں حالات سے مجبور ہو کر حکومت پاکستان نے پاکستانی فوج کو کشمیر کی لڑائی میں "محدود" شرکت کی اجازت دے دی ۔ یہ عاجز ان مہمل باتوں کی تفصیل کو اپنی کتاب کا حصہ نہیں بنا سکتا ۔ میرے لحاظ سے اس دفعہ پھر ہمیں بے وقوف بنایا گیا ، اور کھلم کھلا پاکستانی فوج کو کشمیر میں داخل کرنے کے بجائے غلط وقت پر اور غلط جگہوں پر "چوروں" کی طرح بغیر کسی امدادی فائر کے چند پلٹنوں کو بھارتیوں سے "مار دلانے" کیلئے آگے بڑھایا گیا ۔ اور ہم جیسے "سر پھروں" کو خاموش کیا گیا ۔ کہ اب اپنی پکی فوج کشمیر کی جنگ میں حصہ لے رہی ہے ۔

جنرل گریسی کا ہمیں بے وقوف بنانا تو اس طرح اپریل ۱۹۴۸ء میں پاکستان کا ہمدرد بن کر اور اپنی "سرخروئی" کیلئے جنرل گریسی نے حکومت پاکستان کو جو رپورٹ کی ، اس کو ایک "متبرک مسودہ" [۱۴] بنا کر ہم نے اقوام متحدہ کے کاغذات میں داخل کرا دیا ۔ اور وہاں "مظلوم" بن کر عرض کی "کہ جناب ہمارا ، ایک غیر ملکی نوکر بھی ہمیں کہتا تھا کہ پاکستان سخت خطرات سے دوچار ہو رہا ہے اس لئے مجبوری کے تحت ہم اپنی محدود فوج ، محدود کارروائی کیلئے اور کشمیر کے محدود علاقوں میں داخل کر بیٹھے ہیں ۔ اور کوشش کریں گے کہ بھارتی فوج کے ساتھ تصادم نہ ہو" ۔ قارئین اپنا سر پیٹ لیں اس سے بڑھ کر جاہلانہ یا طفلانہ ڈپلومیسی کیسے ہو سکتی ہے جو انگریز اور ظفر اللہ ہم سے کرا رہے تھے ۔ کہ فوج کشمیر میں داخل بھی کریں اور بھارتیوں کے ساتھ تصادم نہ ہو ۔ اب ذرا گریسی کی رپورٹ کے چند الفاظ پڑھیں ۔

"بھارتی فوج کو جو آسان فتوحات خصوصاً مظفر آباد کے علاقوں میں حاصل ہوئیں ۔ اس سے یقیناً یہ باور کیا جا سکتا ہے ، کہ قبائلی لوگ پاکستان سے براہ راست مدد نہ ملنے کیوجہ سے ناراض ہوں گے ، اور پاکستان کے خلاف بھی اُٹھ سکتے ہیں ۔ اس لئے اگر پاکستان چاہتا ہے کہ ا۔ کشمیر سے بے گھر کیے ہوئے پچپن لاکھ مہاجرین کا سامنا نہ ہو اور اگر پاکستان چاہتا ہے کہ

بھارت کو اپنے دروازے پر یا عقب میں یا پہلو پر بیٹھنے کی اجازت نہ دی جائے اور یہ خیال ہو کہ شہری اور فوجی مورال خطرناک حد تک متاثر نہ ہو اور اگر پاکستان چاہتا ہے کہ تخریب کار قوتوں کی حوصلہ افزائی نہ ہو اور وہ پاکستان پر ٹوٹ نہ پڑیں تو یہ ضروری ہے کہ بھارتی فوج کو اوڑی ۔ پونچھ ۔ نوشہرہ کی لائن سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے ۔

تبصرہ قارئین ۔ اس منافقانہ رپورٹ پر تبصرہ چند الفاظ میں ختم نہیں ہوتا ۔ قبائلی مجاہدین کی بے عزتی تو ہم اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کرا چکے تھے ۔ جو گریسی کو چھ ماہ بعد سمجھ آئی ، کہ ہم نے ان کی مدد نہ کی ۔ اور کہا کشمیر صرف قبائلیوں کا مسئلہ تھا ۔ اور کیا سامبہ ، شکر گڑھ اور بجیت گڑھ سیالکوٹ کے نزدیک نہ تھے ، جہاں ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں بھارتی فوج دندناتی عقب سے اور بازو سے پاکستان میں داخل ہو گئی ۔ سوچیں کہ اکھنور میں بھی مجاہدین کو کچھ کرنے کی اجازت نہیں ۔ سیالکوٹ محاذ پر مجاہدین کے اوپر جھاڑو پھیرا جاتا ہے ۔ اور مشورہ ، وہ دیا جاتا ہے جو فیصلہ ماؤنٹ بیٹن اور انگریز جنرل پہلے سے طے کر چکے تھے کہ پاکستان کو اتنا لنگڑا لولا کشمیر دیا جائے گا اور گریسی وہی بات اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے ۔ اکبر خان اپنی کتاب میں مئی کے پہلے ہفتہ میں ان تدابیر کے تحت فوج کو غلط وقت اور غلط جگہوں پر داخل کرنے پر افسوس [۱۵] کرتا ہے کہ یہ کام بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھا ۔ اپنی سرکاری تاریخ میں بڑی لجاجت سے لکھا جاتا ہے [۱۶] کہ اپنے حصہ میں جو چار ڈویژن فوج آئی ، اس میں سے صرف ساتویں ڈویژن کو مئی ۱۹۴۸ء میں کشمیر کی جنگ کیلئے کچھ حصوں میں بھیجا گیا ۔ لیکن قارئین آگے دیکھیں گے کہ بعد میں آٹھویں اور نویں ڈویژن کے علاوہ دسویں ڈویژن سے بھی ایک برگیڈ فوج کشمیر میں غلط وقت پر داخل کر کے الجھا دی گئی اور شروع میں صرف ساتویں ڈویژن کو اس کے انگریز جنرل ٹاٹنم کیوجہ سے غلط طور پر استعمال کرنے کی راہ نکالی گئی جو نہ خود اور نہ اس کا کوئی سٹاف افسر کبھی کشمیر میں داخل ہوا ، اور یہ چیز ، آپ آنے والے ابواب میں اکبر خان رنگروٹ کی یادداشتوں میں پڑھیں گے ۔ گریسی نے بعد میں جو آتش بازی کے ڈرامہ سے فائر بندی کرائی تو ہر جگہ وہ کہتا تھا ، کہ پاکستان کے پاس جو آزاد کشمیر ہے یہ اس کی تجاویز اور مہربانی سے ہے ۔ اور میجر جنرل نوابزادہ شیر علی اب بھی اپنے آپ کو اس "مہربانی" کا شریک کہتا ہے ۔

جھنگڑ محاذ اور پاکستانی فوج کی آمد

جھنگڑ پر بھارتی قبضہ کے بعد بھارتیوں نے کوئی زیادہ کارروائی نہ کی کہ اس وقت تک چنگس اور راجوری پر بھی ہمارا قبضہ تھا۔ اور جھنگڑ کے نزدیک میجر اسحق نے سدھن برگیڈ کو، نالہ انجواس اور پاروخیل کے علاقے میں۔ کرنل محمود کے لشکر کو سریا میں۔ اور تین قبائلی لشکروں کو بروح، مکری پہاڑی، بنی کرالی اور بھیڈ کے علاقوں میں متعین کیا ہوا تھا کہ مئی کے وسط میں ہماری سرکاری تاریخ کے [۱۷] مطابق برگیڈیر اعظم، پچیسویں برگیڈ کے کمانڈر نے علاقہ کی کمانڈ سنبھال لی۔ اور یہ عاجز پہلے ذکر کر چکا ہے کہ اپنی پکی فوج کی یوشیں مارچ۔ اپریل سے دور دور پھر کر جنگ کا "نظارہ" دیکھ رہی تھیں اور افسوس کہ محاذ پر دیر سے پہنچائی گئیں۔ بہر حال بھارتی تاریخ [۱۸] ۱۶ اپریل، ۱۸ اپریل اور ۱۹ اپریل کو جھنگڑ محاذ پر مجاہدین کے ساتھ جھڑپوں اور ۲۹ اپریل کو راجوری محاذ سے تھنہ منڈی تک ایک کالم کے نکالنے کا ذکر کرتی ہے اور جون ۴۸ میں انہوں نے جو پونچھ تک جانے کی ریہرسل کی وہ ذکر اکتالیسویں باب میں ہے کہ وہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ مزید وہ کتنا دور جا کر کیا کچھ "ہضم" کر سکتے ہیں۔ بہر حال ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق فیصلہ کیا گیا کہ ۶ مئی ۴۸ کو جھنگڑ پر حملہ کر کے قبضہ کیا جائے گا اور اس کام کیلئے تیرھویں پنجاب کرنل راجہ غلام محمد (بعد میں برگیڈیر) کے ماتحت اور نویں ایف ایف کرنل صدیق راجہ کے ماتحت بغیر کسی ٹرانسپورٹ اور توپخانہ کی مدد کے اپریل کے آخری ہفتہ میں جھنگڑ کے نزدیک پہنچ گئیں، اور برگیڈ کی تیسری پلٹن پانچویں ایف ایف بھی نزدیک میرپور کے علاقہ میں تھی [۱۹]۔ ادھر بھارت کی چار پلٹنوں کا ایک برگیڈ توپخانہ کی مدد سے جھنگڑ کو ایک دفاعی حصار میں تبدیل کر چکا تھا۔

جھنگڑ پر حملہ

ہماری سرکاری تاریخ میں تفصیل ہے کہ حملہ ۶ مئی کی بجائے ۹/۱۰ مئی کی رات کو کیا گیا۔ کہ اگر مسلاشی پہاڑی پر قبضہ کر لیا جائے تو دشمن جھنگڑ میں نہ ٹھہر سکے گا۔ آگے ساری تجویز مہمل الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ حملے کے مرحلے نہیں بتائے گئے۔ پچیسویں برگیڈ کا برگیڈ کمانڈر یا ان کا کوئی سٹاف افسر وہاں تھا یا نہیں۔ یا کون کارروائی میں ارتباط پیدا کر رہا تھا کچھ واضح نہیں کہ کارروائی کا بڑا کمانڈر کون تھا۔ بلکہ مختلف یونٹوں کے مقصود بھی صحیح طور پر نہیں بتائے گئے۔ تو سب سے پہلے ساتھ نقشہ بیست یکم لگا کر اپنی تاریخ میں لکھی ہوئی باتیں۔

اور بھارتی تاریخ کی باتوں کا اختصار پیش کیا جاتا ہے۔ پھر میں اپنی تحقیق پیش کروں گا۔

اپنی تاریخ کے بیانات

جھنگڑ پر حملہ سدھن برگیڈ۔ دسویں آزاد پلٹن اور پانچ سو محسودوں کے لشکر نے کرنا تھا۔ ان کو سہارا دینے کیلئے تیرھویں پنجاب اور نویں ایف ایف کی دو دو کمپنیاں موجود تھیں۔ امدادی فائر بھی نہ تھا اور علاقہ بھی نہ دیکھا جا سکا تھا۔ لشکروں کے مقصود تو الگ الگ تھے۔ لیکن اونچی چڑھائی والی زمین تھی اور جگہ جگہ تاریں اور مائنز لگے ہوئے تھے تو کوئی لشکر اپنے رخ کو قائم نہ رکھ سکا۔ پھر بھی جھنگڑ کے نزدیک دشمن کی کچھ چوکیوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ لیکن دشمن کا حصار دفاعی قلعہ کی طرح مضبوط تھا تو لشکر، جھنگڑ گاؤں میں داخل نہ ہو سکے کہ وہ دشمن کے فائر کی باڑھوں میں پھنس جاتے تھے۔ انہوں نے پچھلے علاقوں میں اپنے آپ کو نئے سرے سے منظم کر کے بہتر طور پر حملہ کیا۔ لیکن اب روشنی ہو گئی۔ اور دشمن کے توپخانہ کے علاوہ ہوائی جہازوں نے بھی مجاہدین پر اندھا دھند بمباری کی، تو آزاد اور قبائلی مجاہدین کا خاصا نقصان ہوا، اور انہوں نے رخ تبدیل کر کے پیچھے مڑنا شروع کیا تو تیرھویں پنجاب اور نویں ایف ایف کی جو کمپنیاں ان کو "سہارا" دینے کیلئے ان کے پیچھے پیش قدمی کر رہی تھیں تو ان سے تیرھویں پنجاب کے مجاہد مسلاشی پہاڑی پر اور نویں ایف ایف کے مجاہد پیر ستادں یاستواں کے علاقے میں، دشمن کے ساتھ دو بدو ہو کر ہاتھوں ہاتھ کی لڑائی میں الجھ گئے۔

تیرھویں پنجاب کا عمل

تیرھویں پنجاب نے دوسری کمپنیوں سے آدمی لے کر دو کمپنیوں کی نفری پوری کی تھی اور آزاد لشکر کے ساتھ مل کر علاقے کی کچھ دیکھ بھال کی ہوئی تھی اور وہ لوگ مشہور نشانوں کو پہچانتے تھے۔ ان کو آدھی رات کے قریب معلوم ہوا کہ ان کے آگے جو آزاد لشکر جا رہے تھے وہ کہیں "غائب" ہو گئے ہیں۔ تو انہوں نے دو مرحلوں میں حملے کر کے صبح چار بجے تک پوری مسلاشی پہاڑی پر قبضہ کر لیا۔ اور اس لڑائی میں جوانوں نے ایک دوسرے سے بڑھ کر بہادری دکھائی۔ خاص کر حوالدار احمد خان اور نائک محمد دین نے اللہ اور رسولؐ کے نام پر اپنی جان قربان کرنے سے پہلے بھارتی پل باکسوں میں ہاتھوں سے گرنیڈ پھینکے اور بھاگتے دشمن پر فائر کر کے دشمن میں کھلبلی مچا دی۔ حوالدار علی حیدر شہداء کی لاشوں کو باری باری اٹھا کر پیچھے لے آیا۔ نائب صوبیدار محمد نواز نے بکتر بند توڑ گرنیڈوں سے دشمن کے

پکے مورچے تباہ کئے، جن میں ایک مشین گن کا مورچہ بھی تھا۔ لیکن یہ کامیابی صرف پانچ گھنٹے کیلئے تھی، کہ پلٹن کو واپس آنے کا حکم مل گیا۔ کہ پیر ستواں پر قبضہ نہ ہو سکا جو کہانی بعد میں آتی ہے۔ اور سب پکی فوجوں کو پسپائی کے احکام مل گئے کہ دشمن کے ساتھ سیدھے الجھنے کی اجازت نہ تھی۔ پلٹن نے پسپائی بڑی ترتیب سے کی۔ البتہ پشیاولی ٹولی کے لیس حوالدار محمد اکرم کی سیکشن بھارتیوں کے نرغے میں آگئی۔ اکرم اور چھ جوان شہید ہوئے۔ چار سخت زخمی، بھارت کی قید میں چلے گئے۔

فرنٹیر فورس کی عظیم قربانی فرنٹیر فورس والے سریا کی طرف سے آزاد لشکروں کے پیچھے پیچھے پیش قدمی کر رہے تھے اور یہ پیش قدمی بہت لمبے چوڑے محاذ پر تھی۔ اور ان لشکروں نے پیر ستوان کی اونچائیوں سے کنائی کی یا ان کو ایک طرف چھوڑ دیا اور رات کے اندھیرے میں اندازہ نہ لگایا گیا کہ کسی اہم جگہ پر قبضہ نہ کیا گیا تھا۔ آگے جب دشمن کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی تو آزاد لشکروں کے مجاہدین ایک ایک کر کے یا ٹولیوں میں رخ تبدیل کر کے میدان جنگ کو چھوڑ گئے اور فرنٹیر فورس کی دونوں کمپنیاں ایک طرف مائن فیلڈ اور دوسری طرف دشمن کی اونچی چوکیوں کے درمیان پھنس گئیں۔ انہوں نے حملہ کر کے کچھ چوکیوں پر قبضہ کر لیا، اور مائن فیلڈ کو صاف کرنا شروع کیا۔ تو سورج نکل آیا۔ اب دشمن نے ایک طرف ہدف دیکھ کر فائر سے ہماری پیش قدمی روکی اور دوسری طرف ایک پلٹن نے ایک ٹینک سکواڈرن سے ان پر جوابی حملہ کر دیا۔ دوپہر تک دوبدو لڑائی ہوتی رہی اور بھارتیوں نے مزید دستے جوابی حملے میں جھونک دیئے اور تمام تر توپخانہ اور ہوائی جہاز بھی فائر کر رہے تھے۔ یہ جوان بڑھتے رہے کہ شاید آزاد لشکر کہیں سے مدد کو آجائیں۔ لیکن دشمن کے ساتھ لگاؤ توڑنا مشکل ہو گیا۔ اور تقریباً ۵۰ جوان زخمی یا شہید ہو چکے تھے، جن سب کو دشمن کے نرغے سے نکالا بھی نہ جا سکا بہر حال شام تک سیکنڈ لیفٹیننٹ محبوب نیازی بچے ہوئے مجاہدوں کو دشمن کے چنگل سے نکال کر حملہ کرنے والی جگہ پر واپس پہنچ گیا۔

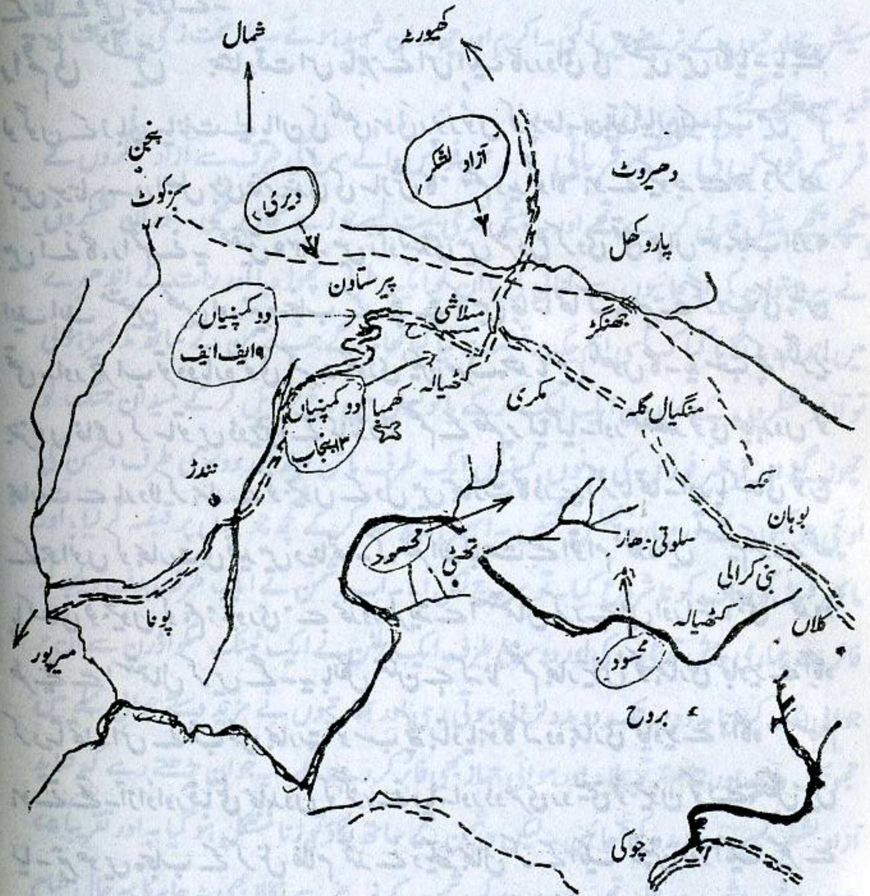
بھارتیوں کا بیان بھارتی تاریخ[۲۰] نے اس کارروائی کو جھنگڑ کی دفاعی جنگ کا نام دیا ہے، کہ آزاد برگیڈ نے دو پلٹنوں (نویں ایف ایف کا پرانا نام ۱۳/۴ بھی لکھتے ہیں) کی مدد سے

حملہ کیا۔ طرز بیان ایسا ہے کہ انہیں ہماری ہر حرکت کا پہلے سے اندازہ تھا۔ اپنے پچاسویں برگیڈ کی تین پلٹنوں اور ایک سکواڈرن کے دفاع میں ہونے اور توپخانہ کے امدادی فائر۔ اور ہوائی جہازوں کی امداد وغیرہ سب باتوں کو تسلیم کرتے ہیں اور صرف سریا کے علاقے میں اپنا نقصان چھ آدمی بتاتے ہیں اور ہمارے ۷۵ شہداء کا ذکر کرتے ہیں جن میں سے ہم ۴۳ شہداء کو دشمن کے علاقے میں چھوڑ آئے۔

راقم کی تحقیق جتنا وقت اس عاجز نے اس ایک کارروائی کی تحقیق میں لگایا۔ یا جتنے لوگوں کے زبانی بیانات لیے یا ان کی لکھی ہوئی رپورٹوں کو پڑھا۔ ان باتوں کا بیان ایک باب میں ختم نہیں ہوتا ۔ دراصل بڑی فائربندی کی سازش کا "چشم دید گواہ" ہونے کیوجہ سے جو ذکر بعد میں آئے گا، راقم نے یہ تحقیق ۱۹۴۹ء میں راولپنڈی میں شروع کر دی تھی جہاں ۱۳ پنجاب اور ۹ ایف ایف متعین تھیں اور تیرہ پنجاب کے بچے بچے کو میں جانتا تھا کہ یہ میرے گروپ کی پلٹن تھی۔ اور خیر اب تو دوبارہ کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن صرف چند باتیں لکھوں گا۔ یہ سب کچھ انگریز جنرلوں خاص کر ساتویں ڈویژن کے کمانڈر ٹاٹنھم کے حکم پر کیا گیا۔ اور مقصد فوجی مجاہدوں کو بھارت سے مار دلا کر ہمارے فوجیوں کے دل میں بھارت کا ڈر پیدا کرنا تھا۔ اور پاکستانی فوج کے جوانوں کو بھارت کی قید میں دینا تھا۔ کہ ظفر اللہ لجاجت سے اقوام متحدہ میں تسلیم کرے کہ پاکستانی فوجیوں کو ہم "مجبوری" سے محدود طریقہ سے استعمال کر رہے ہیں اور آئندہ بھی "محدود" طریقے سے استعمال کریں گے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ ٹاٹنھم بھارتیوں کو ہماری تجاویز سے آگاہ کر دیتا تھا۔ اس نے اب بھی بھارت کو سب کچھ بتا دیا ہوگا کہ وہ ہماری تجاویز سے "آگاہ" معلوم ہوتے تھے۔ آزاد اور قبائلی مجاہدوں کو گزرنے دیا۔ اور دوسری رو یعنی فوجیوں کو اپنے چنگل میں لیا۔ تیرھویں پنجاب کے کرنل غلام محمد نے دیکھ بھال کر کے ایک کیپٹن اور ایک میجر سے سب کارروائی کسی ترتیب سے کرائی اور ترتیب سے پسپائی کرائی، تو ان کا زیادہ نقصان نہ ہوا۔ نویں ایف ایف کے کرنل صدیق راجہ [۲۱] نے ایک قصائی والا کام کیا کہ ایک چند ماہ نوکری والے سیکنڈ لیفٹیننٹ محبوب نیازی سے یہ کام کرایا۔ اور خود اور پلٹن کے کیپٹن اور میجر "تماشہ" دیکھتے رہے۔ بعد میں نیازی کا منہ بند کرنے کیلئے اس کو ستارہ جرأت سے نواز دیا گیا۔ کہ اس

نقشہ بیست یکم

جھنگڑ محاذ ۔ مثلاشی پہاڑی پر حملہ کیلئے باقاعدہ فوج کا بھونڈا استعمال



سکیل ایک انچ برابر ایک میل

زمانے میں بہت بڑی بہادری ریکارڈ میں آگئی اور بے شک محبوب جو راقم کا ذاتی دوست ہے اس نے بڑی بہادری دکھلائی ۔یہاں کرنل صدیق راجہ کا بھیانک کردار کھل کر سامنے آتا ہے کہ وہ ٹاٹھم کا "پروردہ" تھا ۔ اور اس نے اپنے جوانوں کی اتنی بڑی بے مقصد قربانی انگریزوں کی خواہش پر دلوائی کہ ریکارڈ میں ہے کہ ٹاٹھم نے صدیق راجہ کو بڑی "مبارک" کی چٹھیاں لکھیں کس کی مبارک ؟ ۔ تماشہ کرانے کی اور جوانوں کو آگ میں جھونک دینے کی ۔ ساری کارروائی بے مقصد اور غلط وقت پر بہت دیر میں کی ۔ اور یہی کچھ شمالی علاقوں میں کرایا، اور اس سلسلہ میں اگلے باب میں ہم قارئین کو ٹھوال محاذ پر لے جائیں گے ۔

تبصرہ   تو یہاں راقم کے وہ تجزیئے بھی صحیح ثابت ہو جاتے ہیں کہ دو ماہ پہلے چنگس کلیساں لائن پر ہم ایک پلٹن بھیج کر دشمن کو جھنگڑ کی طرف بڑھنے سے روک سکتے تھے اور نوشہرہ پر قبضہ بھی کر سکتے تھے ۔ اور راجوری کی طرف دشمن آ ہی نہ سکتا ۔ میجر اسلم وہاں کا سیکٹر کمانڈر کہتا ہے کہ اس نے دوسری جنگ عظیم میں افریقہ اور اٹلی کے محاذوں پر کئی سالوں کی لڑائی میں اتنے سبق نہ سیکھے ۔ جتنے چند ماہ میں کشمیر میں سیکھے ۔ کہ ہماری جنگ سے نابلد قوم میں غیرت پیدا کرنے کی ضرورت ہے ۔ اور ہم صرف جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنانے سے ہی عزت سے زندگی کاٹ سکتے ہیں ۔

حوالہ جات

(۱) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۰۶ ۔ (۲) ۔ ایضاً صفحہ ۱۰۶ ۔ (۳) ۔ او پریشنزان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۲۵ تا ۱۴۰ ۔ (۴) ۔ اس عاجز نے ۱۹۷۹ء میں اخبار نوائے وقت میں اس مجاہد کو سدھن کہتے ہوئے ایک تفصیلی مضمون لکھا، تو ایک صاحب نے بذریعہ خط نوائے وقت کو آگاہ کیا کہ اس مجاہد کا نام کیا تھا اور بعد میں وہ ۱۹۴۸ء میں ہی بہادری سے لڑتا ہوا ایک اور جگہ شہید ہو گیا ۔ وہ سدھن برگیڈ میں ضرور تھا لیکن اعوان قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا ۔ [illegible] ریکارڈ مجھ سے کہیں گم ہو گیا اور میں ان کا نام بھول گیا ہوں ۔ (۵) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۰۹ ۔ (۶) ۔ ایضاً صفحہ ۷۹ ۔ (۷) ۔ ایضاً صفحہ ۳۰۱ ۔ (۸) ۔ او پریشنزان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۰۹ ۔ (۹) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۰۹ ۔ (۱۰) ۔ او پریشنزان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۱۷ تا ۲۲۱ ۔

(۱۱) ۔ دی کشمیر کمپیئن، صفحہ ۱۰۸ ۔ (۱۲) ۔ ایضاً صفحہ ۱۰۹ ۔ (۱۳) ۔ ایضاً صفحہ ۹۷ تا ۱۰۱ ۔ (۱۴) ۔ سکیورٹی کونسل ایس پی وی ۸ فروری ۱۹۵۰ ۔ (۱۵) ۔ کشمیر کے حملہ آور، صفحہ ۱۳۱ ۔ (۱۶) ۔ دی کشمیر کمپیین صفحہ ۱۰۰ (۱۷) ۔ ایضاً صفحہ ۱۱۲ ۔ (۱۸) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر ۔ صفحہ ۲۲۲ تا ۲۲۳ ۔ (۱۹) ۔ دی کشمیر کمپیین صفحہ ۱۱۳ ۔ (۲۰) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۳۲ تا ۲۳۳ ۔ (۲۱) ۔ صدیق راجہ کو اس عاجز نے بہت قریب سے دیکھا اور اس کے بارے بہت کچھ سنا ۔ انگریزوں نے اس کو کئی روپ دھارنے کی دوسری جنگ عظیم میں خوب تربیت دی کہ انگریزوں کے "پروردوں" کی طرح اوپر سے وہ انگریزوں کو خوب گالیاں نکالتا تھا لیکن انگریزوں کے واسطے سکھوں کو خوب بے وقوف بنا کر دوسری جنگ عظیم میں لڑایا ۔ اس نے اپنا ایک الگ گروہ تشکیل کیا ہوا تھا جو اس کی شخصیت کو بناتے رہتے تھے اور ایسے سکھ رجمنٹ کے مسلمان جے سی اوز وغیرہ میں سے ۱۹۴۷ء میں صوبیدار لال خان وغیرہ کہتے تھے ۔ کہ ایک دن وہ بری فوج کا کمانڈر انچیف ہوگا ۔ پھر ۱۴ پیرا برگیڈ میں جب وہ موجودہ تیسری ایف ایف کا سیکنڈ ان کمانڈ تھا تو پلٹن کے سارے سردار اس کی شخصیت بنانے پر لگے رہتے تھے ۔ اور جب وہ نویں ایف ایف کا کرنل تھا تو صوبیدار نادر خان وغیرہ کہتے تھے کہ کمال ترکی کی طرح ایک دن وہ پاکستان کو ماڈرن اسلامی ملک بنادے گا ۔ اور بھی کچھ شاید انگریز جنرل اس کو کہتے تھے تو وہ پہلے ایجنٹ پروو کیٹر بنا ۔ لیکن سازش کے مقدمہ میں سلطانی گواہ بن کر اپنے آپ کو ختم کردیا اور وہ بری طرح ننگا ہوگیا ۔ تو گم نام زندگی گزار رہا ہے ۔ لیکن جس طرح اپنی پلٹن کو اس نے استعمال کیا، اس کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔

چونتیسواں باب

ہندواڑہ سے ٹیٹھوال کی طرف بھارتی پیش قدمی

تانے بانے اکیسویں باب میں بھارتی تاریخ[۱] کے حوالے سے، ۷ فروری ۱۹۴۸ء کو ہمارے مجاہدین کے ہندواڑہ پہنچنے پر سری نگر میں ہل چل مچ جانے کے ذکر کے بعد ہم نے اس باب میں میجر شیر محمد (کرنل خالد) کے پنجابی آبادی میں ٹیٹھوال اور گلیات کے درمیان دراوہ اور کرناہ ناموں کے علاقوں میں ایک دفاعی لائن بنانے کا ذکر بھی کردیا تھا ۔ اب اس باب میں ہم یہ تفصیل بیان کریں گے کہ مارچ کے آخری ہفتے میں طارق ہیڈ کوارٹر جا کر مزید کمک حاصل کرنے کی کس طرح ۱۲ اپریل کو ایک مہم شروع کر کے مٹھی بھر مجاہدین کے ساتھ دوسری دفعہ کرنل خالد نے بھارتیوں کو ہندواڑہ کی طرف بھگا دیا تھا، لیکن مئی کے دوسرے ہفتے میں پانچ پلٹنوں کے ایک بھارتی برگیڈ نے جس[۲] کے ساتھ بکتر بند دستے، ضروری توپخانہ کے علاوہ اس کو ہوائی جہازوں کی مدد بھی میسر تھی ۔ اور مزید دو پلٹنیں اس برگیڈ کے ذرائع آمد و رفت کی حفاظت کر رہی تھیں ۔ تو اس لاؤ لشکر نے کرنل خالد کے مجاہدین کو ساری نیلم وادی سے نکال کر دریا کے دوسری طرف پھینک دیا ۔ تو تب ہمارا ایچ کیو کچھ جاگا اور دسویں برگیڈ کے ہراول دستے ۲۵ مئی ۱۹۴۸ء کو بھارتی یلغار کو روکنے کیلئے دریائے نیلم کی اپنی طرف نوسیری پہنچے ۔ کاش یہ کارروائی اپریل ۱۹۴۸ء میں کرلی جاتی تو اس برصغیر کی تاریخ کچھ اور ہوتی ۔ کہ دریائے نیلم کے مشرق کی طرف گلیات بڑے اہم دفاعی پوزیشن تھے ۔ بہر حال ان واقعات کیلئے بھی نقشہ یازدہم مددگار ثابت ہوگا۔

ہندواڑہ محاذ کا تزویراتی پہلو اکثر ابواب میں ہندواڑہ محاذ کی کارروائی کے باقی محاذوں پر اثرات کا ذکر ہوچکا ہے ۔ کہ بھارتی اوڑی کی طرف سے کچھ پیش قدمی نہ کرسکے ۔ اور دراصل بانڈی پورہ اور ہندواڑہ محاذ میں رابطہ باندھنے کی ضرورت تھی ۔ کہ گو ہماری سرکاری تاریخ[۳] کے مطابق ۲۸ اپریل ۔ لیکن بھارتی تاریخ جو زیادہ صحیح ہے اس کے مطابق میجر حسن ۔

خان ۱۵ اپریل ۴۸ کو بانڈی پورہ کے گرد و نواح [4] میں پہنچ گئے تھے۔ کرنل خالد مارچ کے آخری ہفتہ جب طارق ہیڈ کوارٹر گئے تو اکبر خان وہاں سے جا چکا تھا۔ اور اگر وہ ہوتا تو ضرور کرنل خالد اور حسن خان کی کارروائیوں کو یک جان کرتا۔ اب اس کی جگہ برگیڈیئر شیر خان، انگریز جنرلوں کے ماتحت اپنی طرف سے بہت خلوص سے کام کر رہا تھا۔ اور انگریزوں کے ساتھ "گزارہ" کر رہا تھا اور انگریزوں کی پوری سازش اس کو بہت دیر سے سمجھ آئی جس کا ذکر کتاب کے آخری ابواب میں آئے گا۔ شیر خان نے کرنل خالد کو خراج تحسین پیش کیا۔ اور اس کو بتایا کہ اوڑی اور ٹٹھوال محاذ کی ذمہ داری ایبٹ آباد میں متعین دسویں برگیڈ کو دے دی گئی ہے۔ اور اس برگیڈ کی موجودہ سترھویں پنجاب کا کرنل نوشیرواں دونوں محاذوں میں مجاہدین کی مدد کرے گا۔ اور پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ انہوں نے اپنی پلٹن سے کچھ جے سی اوز کرنل خالد کو دیئے۔ لیکن یہ بڑا ادھورا یا بے معنی قسم کا سہارا تھا۔ کہ بعد میں قارئین پڑھیں گے کہ ایک پورے برگیڈ کو یعنی اکبر خان کے ۱۰۱ برگیڈ کو اوڑی محاذ پر اور حاجی افتخار کے دسویں برگیڈ کو ٹٹھوال محاذ پر بھیجنا پڑ گیا اور یہ بے وقت کی راگنی تھی۔ انصاف یہ تھا کہ کرنل خالد نے جب دوبارہ ۱۲ اپریل کو ہندواڑہ کے محاذ پر اور حسن خان نے ۱۵ اپریل کو بانڈی پورہ میں کارروائیاں شروع کیں تو اس دسویں برگیڈ کو دریائے نیلم کے مشرق میں نتھا چھنا گلی یا ٹٹھوال۔ یا کیرن وغیرہ میں پہنچ جانا چاہیے تھا کہ بھارت والے سری نگر محاذ پر اپریل تک ۱۵ پلٹنیں اکٹھی کر چکے تھے اور بھارتی تاریخ [5] کے مطابق میجر جنرل تھمایا کو ۵ مئی ۱۹۴۸ء کو مظفرآباد پر قبضہ کیلئے ٹٹھوال اور اوڑی والے دونوں راستوں سے دو رخی کارروائی کے احکام مل چکے تھے۔ کاش ہمارے اوپر والے ہندواڑہ محاذ کے تزویراتی فوائد کے ثمرات بروقت حاصل کرتے۔

ہندواڑہ کی طرف دوبارہ پیش قدمی میجر شیر محمد (کرنل خالد) کی اس محاذ پر دوبارہ پیش قدمی کے سلسلہ میں اپنی سرکاری تاریخ سے کوئی زیادہ مدد نہیں مل سکتی۔ کہ انہوں نے میجر شیر محمد کو میجر محمد شیر (نوشیروان) [6] بنا دیا۔ جو ان دنوں رام بن کے نزدیک گول کے مقام پر راجوری محاذ پر میجر اسلم کے ماتحت کام کر رہا تھا۔ تو سرکاری تاریخ اتنے دور دراز، دو محاذوں کے جب تانے بانے نہ ملا سکی تو واقعات کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ بہر حال میجر

شیر محمد (کرنل خالد) کے پاس مارچ کے آخری ہفتہ میں راول کیمپ میں جو پلٹن کھڑی ہوئی تھی اس کی پچاس کے قریب نفری باقی تھی۔ دراوہ اور کرناہ کے مقامی لوگوں سے ایک سو کے لگ بھگ رضاکار تھے اور کرنل خالد نے مقامی لوگوں سے بڑے تعلقات قائم رکھے ہوئے تھے خاص کر ٹٹھوال کا تحصیلدار خان ہدایت اللہ ایک جاندار شخصیت کا مالک تھا اور نیم فوجی لشکروں کیلئے انتظامات میں ان کی خدمات سنہری الفاظ میں لکھی جانی چاہیں۔ اسی طرح ڈولی پورہ کے شیخ عبدالغنی [7] اور متعدد لوگوں نے مجاہدین کی بڑی مدد کی۔ کمک میں آنے والوں میں سات سو کا سواتی لشکر اپنے سپہ سالار کے تحت کافی حد تک منظم تھا۔ سترہ پنجاب نے صوبیدار محمد اشرف، صوبیدار محمد اعظم اور نائب صوبیدار محمد شریف کو کرنل خالد کی مدد کیلئے بھیج دیا اور کرنل خالد نے سیکٹر کمانڈر کے طور پر ان لوگوں کو مقامی طور پر میجر کا عہدہ دے دیا۔ اور باقی کمک میں آنے والے مجاہدین کے ان کے ماتحت تین لشکر بنا دیئے۔ ان میں تین سو محسود، میانوالی سے امیر عبداللہ روکڑی حال سینیٹر کے ماتحت، پچاس مجاہدین، ضلع جہلم سے جلال پور شریف کے حزب۔ اللہ سے، تیس مجاہدین، اور ایک محسود لیبر بٹالین کی دو کمپنیاں تھیں۔ اس طرح اس ہزار، ڈیڑھ ہزار نفری کے ساتھ پہلے کی طرح دو راستوں سے پیش قدمی کی بجائے اس دفعہ صرف شلورا کی طرف ان مجاہدین کو منظم کر کے کرنل خالد نے ۱۲ اپریل کی صبح کو نتھا چھنا گلی کو پار کر کے ہندواڑہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ بھارتی تاریخ اس نفری کو ۶۱۵۰ بنا دیتی ہے [8]

حرکت اور جارحانہ کارروائیاں برف باری کا موسم ختم ہو چکا تھا اور نیچے ڈھلوانوں میں برف بھی پگھل چکی تھی۔ کٹھ کشو یعنی دھند کا دبیز پردہ جو سردیوں میں وادی پر چھایا رہتا تھا۔ وہ بھی غائب ہو چکا تھا۔ اور مجاہدین پنزگام تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے کہ کوئی بھارتی ہوائی جہاز نہ آیا۔ کرنل خالد کو خبر ملی تھی، کہ علاقے میں دو بھارتی پلٹنیں غالباً پہلی اور ساتویں سکھ کافی پھیلاؤ میں موجود ہیں اور فرنٹیر کی طرح ساتویں سکھ شلورا کے کیمپ میں اور پہلی سکھ ڈولی پور کے ایک کیمپ میں رہتی ہیں۔ اور جب ادھر ادھر اٹھ جائیں یا سپلائی منگوائیں تو فرنٹیر کی طرح بحفاظت کنوائی والا طریقہ اختیار کیا جاتا۔ بہر حال اب بھارتی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دو

پلٹنوں کے علاوہ سیکنڈ بہار بھی اسی علاقے میں ریزرو میں تھی [۹]۔ پنزگام میں کرنل خالد نے مجاہدین کو دو لشکروں میں بانٹ دیا اور پہلے لشکر کو سواتی سپہ سالار اور سواتی اور پنجابی نفری کے ساتھ شلورا کی طرف اور دوسرے لشکر میں تمام محسودوں کو میجر محمد شریف کے ماتحت ڈولی پور کی طرف پیش قدمی کے احکام دیئے۔ شلورا میں ساتویں سکھ پلٹن چاروں طرف کانٹے دار تار لگا کر رہتی تھی۔ صرف عقب میں سے گشتی دستے نکلتے یا آنے جانے والوں کیلئے راستے تھے۔ سواتیوں کو وہاں پہنچنے کے بعد باہر کے بھارتی دستوں نے کچھ مقابلہ کیا اور پھر وہ بھی محفوظ کیمپ میں چلے گئے۔ اب اس کیمپ پر حملہ خودکشی کے مترادف تھا۔ اس لئے کیمپ کا کچھ "گھیراؤ" کیا گیا، کہ بھارتی دستے مجبور ہو کر باہر آکر حملہ آور ہوں، کہ سواتیوں نے ان کے رسد و رسائل کے تمام راستے کاٹ دیئے۔ پلٹن نے ازخود اندر سے نکل کر گھیرا توڑنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے۔ مجاہدین کے پاس بغیر سائیٹ کے ایک ۳ انچ کی مارٹر تھی۔ انہوں نے اس سے دو تین گولے بھی کیمپ کے اندر داغ دیئے۔ گو بعد میں مارٹر خراب ہو گئی اور اس کو مظفر آباد بھیجنا پڑ گیا۔ لیکن ان گولوں نے کیمپ میں خوف وہراس پیدا کر دیا۔ البتہ دوسرے محسودوں والے لشکر کو جو کامیابی ہوئی اور اس کا ذکر بعد میں آتا ہے۔ اس نے بھارتیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی طاقت کو سمیٹ کر ہندواڑہ اور کپواڑہ کی طرف لے جائیں۔ کہ اتنے پھیلاؤ میں ان کے دستے حرکت کرنے والے مجاہدین کیلئے تر نوالہ بن رہے تھے چنانچہ دوسری بہار پلٹن کی مدد سے بھارتیوں نے سواتیوں کا گھیرا توڑا اور سکھ پلٹن کو وہاں سے نکال کر اپنے متبادل پوزیشنوں میں پہنچ گئے۔ بھارتی تاریخ میں اس بات پر حیرانگی کا [۱۰] اظہار کیا گیا ہے کہ مجاہدین نے کوئی سخت قسم کا تعاقب نہ کیا۔ بہرحال ساتویں سکھ پلٹن کی خوش قسمتی تھی کہ وہ لوگ سواتیوں کے گھیرے میں آئے اگر محسودوں کے گھیرے میں آتے تو پسپائی کے وقت پلٹن کا صفایا ہو جاتا، اور جو بچ جاتا، اس کا پاؤں نہ ہوتا کہ محسود بوٹ اتارنے کی بجائے دشمن کا پاؤں کاٹ لیتے تھے اور بوٹ اپنی مرضی کے وقت اتارتے تھے۔ جن کی ان کو سخت ضرورت ہوتی تھی۔

محسودوں کی کامیابی میجر محمد شریف کے ماتحت محسودوں کا جو لشکر ڈولی پورہ کی طرف بڑھا، کامیابی نے ان کے قدم چومے، کہ دشمن کی سوچ کے مطابق اور مخبروں کی اطلاع کے

مطابق سب کارروائی شلورا کی طرح ہوئی تھی، اس لئے دوسرے لشکر کی ڈولی پورہ میں اچانک آمد کے وقت پہلی سکھ پلٹن کے لوگ بے خبر ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ کچھ مجاہدین نے بے صبری سے جلد فائر کھول دیا ورنہ دشمن کی ایک کمپنی کو آسانی سے گھیرے میں لیا جاسکتا تھا۔ بہرحال افراتفری میں بھارتی ایک ٹرک سمیت متعدد ادھر ادھر بکھرا ہوا سامان چھوڑ کر وہاں سے بھاگ کر دو ہزار گز کے فاصلہ پر ایک ٹیکری پر رک گئے اور وہاں کچھ فوجی چوکیاں بنا لیں۔ بھارتی تاریخ کے [۱۱] مطابق مجاہدین کی نفری چھ سو تھی اور انہوں نے اس جھڑپ میں ۴۸ مجاہدین کو شہید کیا۔ اور اپنے چار آدمیوں کے مارے جانے اور کچھ زخمیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ بہرحال کرنل خالد کے مطابق اپنے تو کسی مجاہد کو خراش بھی نہ آئی تھی۔ لیکن دشمن کے نقصان کا مجاہدین پورا اندازہ نہ لگا سکے۔

دور دور تک چھاپے کرنل خالد کو تجربہ ہو چکا تھا کہ بے قاعدہ فوج کسی جگہ بیٹھ نہیں سکتی۔ ان کو حرکت میں رکھ کر کچھ حاصل کرو تو انہوں نے میجر محمد اعظم کو محسود لیبر بٹالین کی دو کمپنیوں کے ساتھ ہندواڑہ اور ذچلڈارہ کے درمیان ایک چوکی بنانے کیلئے بھیج دیا کہ ہندواڑہ کے گرد بلکہ لنگیٹ اور بارہ مولا تک چھاپے مارے جائیں اور مجاہدین کا دبدبہ اور رعب ایسا چھا گیا کہ بھارتی ایک کمپنی سے کم نفری کے ساتھ باہر نہ نکلتے تھے۔ اور مجاہدین چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں شیروں کی طرح گھومتے پھرتے تھے۔ بھارتی تاریخ ان دنوں کپواڑہ کے علاقوں میں مجاہدین کے اس جارحانہ رویہ کو تسلیم کرتی ہے [۱۲]۔ انہی دنوں سترہ پنجاب کے کرنل نوشیرواں، بریگیڈیئر کمال کا نام اپنا کر اوڑی محاذ سے بھارتیوں پر ایسے ہی چھاپے مار رہے تھے۔ جس کا ذکر چھتیسویں باب میں آتا ہے۔ اور ان کے کچھ محسود بارہ مولا کے نزدیک ایک ناکام چھاپے کے بعد اوڑی واپس جانے کی بجائے ذچلڈارہ میں آکر میجر اعظم کے ساتھ مل گئے۔

انگریز جنرلوں کی چالبازی اس عاجز نے برف پگھلنے کے بعد اپنی پہلی تحقیق میں کشمیر کی اس وادی کے معاشرتی پہلوؤں اور حسن وجمال کی بھی کچھ بے نقابی کی تھی لیکن اس مختصر کتاب میں صرف مرد غازی کے جگر کی بے تابی کی بات ہی ہو سکتی ہے کہ ہمارے انگریز جنرلوں نے ہمیں ہر محاذ پر خوار کیا۔ ان کامیابیوں کے بعد ضرورت تو یہ تھی کہ پکی فوج اوڑی محاذ پر بھی

اور ٹٹھوال محاذ پر بھی اپریل کے آخر میں یا مئی کے پہلے ہفتہ میں آکر کوئی مستقر بناتی کہ مجاہدین کو سہارا ملتا۔ اٹھاسویں برگیڈ کو ان دونوں محاذوں کی ذمہ داری سے ۱۰ مئی ۱۹۴۸ء کو ہٹا لیا کہ ایبٹ آباد جا کر کھیلوں میں مصروف ہو جائے اور کوہاٹ سے ۱۰۱ برگیڈ کو ان دونوں محاذوں کی ذمہ داری اس طرح سونپی کہ وہ ایک پلٹن کے قریب اوڑی محاذ میں رکھے اور کسی دوسری پلٹن کی ایک کمپنی کو ٹٹھوال محاذ پر بھیج دے اور اکبر خان طارق کے ان کوتاہیوں پر بیانات کا ذکر ہو چکا ہے اور اگلے تین چار ابواب میں سب باتیں کھل کر سامنے آجائیں گی۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ ٹٹھوال محاذ پر ہم کافی آگے بڑھے ہوئے تھے۔ اور جنرل گریسی چونکہ اوڑی لائن سے آگے کے علاقے بھارت کو دینا چاہتا تھا اور ۲۰ اپریل کے اپنے خط میں وہ ہمیں بے وقوف بنا چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے ٹٹھوال محاذ کے ساتھ جان بوجھ کر سوتیلی ماں والا سلوک کرایا۔ اس سلسلہ میں جنرل تھمایا کو جو ۵ مئی ۱۹۴۸ء کو احکام ملے کہ مظفر آباد پر قبضہ کیلئے پیش قدمی کرے اس کا ذکر باب کے شروع میں ہو چکا ہے۔ اور وادی کشمیر میں بھارت کی سترہ پلٹنیں اکٹھی ہو چکی تھیں (۱۳) بھارتی ۱۶۳ برگیڈ نے پانچ پلٹنوں کے ساتھ ۱۸ مئی ۱۹۴۸ء کو ٹٹھوال کی طرف پیش قدمی کرنا تھی۔ اور دو پلٹنوں نے اس برگیڈ کے ذرائع آمدورفت کی حفاظت کرنا تھی۔ پانچ پلٹنوں کے ساتھ بھارتی ۷۷ برگیڈ نے اوڑی محاذ کا چارج بھارتی ۱۶۱ برگیڈ سے لے لیا تھا۔ اور ریزرو کا کام بھی کرنا تھا (۱۴) اور پانچ پلٹنوں کے ساتھ ۱۶۱ برگیڈ نے ۲۰ مئی ۱۹۴۸ء کو پیش قدمی کر کے ڈومیل پر قبضہ کرنا تھا ۔یہ ساری کہانی جا کر اٹھتیسویں باب میں ختم ہو گی۔ کہ بھارتی اپنے مقصود تو نہ حاصل کر سکے لیکن ہندواڑہ۔ ٹٹھوال محاذ پر ہم بھارتیوں کو بہت علاقے دے بیٹھے۔ کرنل خالد سمیت ہمارے کئی بڑے افسروں کا خیال تھا کہ بھارتی زیادہ زور اوڑی محاذ پر لگا کر ڈومیل پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اور ٹٹھوال محاذ پر اپنے آپ کو اس طرح نہ پھیلادیں گے اور یہ طاقت اوڑی محاذ پر خرچ کریں گے۔ اور اس طاقت کو پھیلا دینے سے بھارتیوں کو نقصان ضرور ہوا۔ اور اگر ۳۱ دسمبر ۱۹۴۸ء کو فائر بندی نہ ہو جاتی۔ تو یہ پھیلاؤ بھارتیوں کو بڑا نقصان دیتا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہے یہ عاجز ان لوگوں کو کبھی معاف کرنے کو تیار نہیں جنہوں نے پکی فوج کو بروقت ٹٹھوال محاذ پر نہ بھیجا۔ اور بے شک بڑی گہری سازش کے تحت ہمیں لنگڑا لولا آزاد کشمیر صرف

اتنا دیا کہ ہمارے دانت ان علاقوں کے ساتھ اڑے ہوئے ہیں۔

بھارتی فوجوں کی کروٹ

موسم کے کھل جانے سے بھارتی کچی سڑکوں اور پگڈنڈیوں پر کچھ کام کر کے ان کو سڑکیں بنا کر حرکت میں آگئے۔ اور ان کی فوج جو مورچوں میں دبک کر بیٹھی ہوئی تھی اس نے کروٹ لی۔ لیکن کشمیری آبادی نے بھارتی فوجوں کے اجتماع کی مجاہدین کو کوئی خبر نہ دی۔ اور ادھر یہ حالت تھی کہ سیکٹر کمانڈر جس مکان میں رہتا تھا اس پر روزانہ بمباری ہوتی تھی، اور بند محب ہوئی کہ سیکٹر کمانڈر کرنل خالد نے بھی ایک بنکر کو اپنا مسکن بنایا۔ ۱۸ مئی ۴۸ کو موجود چوتھی ایف ایف کے میجر ایس ایم این فاروقی نے کرنل خالد کو رپورٹ کی کہ اس کو آن کے سیکٹر کیلئے برگیڈ میجر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ کرنل خالد نے اس کے ساتھ صورت حال پر خیالات کا تبادلہ کیا۔ کہ آگے والے مجاہدین کسی بھارتی حملے کی تاب نہ لا سکیں گے، وہ سیکٹر ہیڈ کوارٹر کا غیر ضروری سامان اور عملہ بھی ساتھ لے جا کر رئیر ہیڈ کوارٹر میں چھوڑے۔ اور جو مقامی مجاہدین مل سکیں ان کی مدد سے پنزگام سے پیچھے گلیات میں نتھا چھنا گلی تک کچھ دفاعی پوزیشن بنائے۔ اس نے کیا کچھ کیا وہ تو معلوم نہیں، لیکن میجر فاروقی پھر دکھائی نہ دیا۔ کہ آگے جو اپنے لشکروں کی پسپائی کا ذکر آتا ہے۔ شاید ان کو فاروقی مل گیا، کہ اس نے جا کر راولپنڈی دم لیا۔ اور وہ چونکہ قادیانی تھا۔ اور قادیانیوں کی ہر کوتاہی پر پردہ ڈالا جاتا ہے تو اپنی سرکاری تاریخ میں فاروقی کے فرار پر پردہ ڈالنے کیلئے اس کو محاذ پر ہی جون ۱۹۴۸ء میں دکھایا گیا۔ (۱۵)

بھارتیوں کی پیش قدمی

۱۹ مئی ۱۹۴۸ء کو بھارتی پیش قدمی واضح ہو گئی تھی۔ گو یہ کام وہ ایک دن پہلے شروع کر چکے تھے۔ انہوں نے توپخانہ اور بکتر بند دستوں کی مدد سے دو کالمیں ہندواڑہ سے نکالیں۔ پہلی کالم رات کے دو بجے نکلی اور پو پھٹتے وقت ذچلڈارہ میں مقیم سات آٹھ سو کے لشکر اور بھارتیوں میں گھمسان کی جنگ شروع تھی کہ محسودوں کو بھارتی پیش قدمی کی اپنے گشتی دستوں سے اطلاع مل گئی تھی۔ تین چار گھنٹے خوب مقابلے کے بعد ان لوگوں نے پنزگام کی طرف پسپائی شروع کر دی۔ دوسری کالم ڈولی پورہ کی طرف بڑھی اور وہاں لیبر یونٹ کے محسودوں کا بھی وہی انجام ہوا۔ اور وہ لوگ پنزگام بھی نہ ٹھہرے بلکہ نتھا چھنا گلی پہنچ گئے۔ لیکن

بھارتیوں نے قبائلی مجاہدین کا تعاقب نہ کیا۔ کہ بھارتی سینئر افسر انگریزوں سے یہ سبق سیکھے ہوئے تھے کہ قبائلی لشکروں کا تعاقب کرنا یا ان کو گھیرے میں لینا بڑا خطرناک عمل ہوتا ہے۔ جب بھارتیوں کو تسلی ہوگئی کہ قبائلی جاچکے ہیں تو دو دن بعد یعنی ۲۱ مئی کو انہوں نے توت مارگلی اور نتھا چھنا گلی کی طرف پیش قدمی کی۔ ملاپ نہ ہونے کیوجہ سے سیکٹر ہیڈ کوارٹر اس پسپائی کے بارے بے خبر رہا۔ تیسری بھارتی کالم نے کپواڑہ کی طرف سے ترہگام کی طرف ۲۰ مئی کو پیش قدمی شروع کی۔ اس کالم میں ایک پلٹن اور بکتر بند دستے تھے اور اس محاذ پر پو پھٹنے تک سات آٹھ صد سواتی نفری نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن جیسے ہی روشنی ہوئی تو ہوائی جہاز آگئے اور انہوں نے سواتیوں کی پوزیشن پر غوطے لگا کر ہل چل مچا دی، تو سواتیوں نے سڑک کی پوزیشن کو چھوڑ دیا۔ اور جہازوں سے بچاؤ کیلئے وہ شمال کی طرف ایک جنگل میں چلے گئے۔ اب دشمن نے برگیڈ کی دوسری اور تیسری پلٹنوں کو یکے بعد دیگرے آگے بڑھا دیا۔ اور آگے سے مقابلہ میں ساؤتھ وزیرستان کی دو سکاؤٹس پلٹونیں اور سیکٹر ہیڈ کوارٹر کی تیس، چالیس کی نفری تھی۔ مجاہدین اونچائی میں تھے۔ اور دشمن نے اس طرف صرف دو کمپنیاں بھیجیں۔ اور مجاہدین نے آخری وقت تک فائر روکے رکھا، کہ دشمن کا ایک سپاہی ایک گھر کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوا اور ایک چیختی چلاتی لڑکی کو پکڑ کر باہر لایا۔ تو ایک مجاہد کی غیرت نے جوش مارا، اس نے کئی بھارتیوں کو جہنم واصل کیا اور خود بھی زندگی کا مقصود یعنی شہادت حاصل کرلی۔ اب دونوں طرف سے فائر کھل گیا۔ اور گھمسان کا رن پڑا، اور بھارتیوں کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ اور اپنے سات مجاہدین سخت زخمی ہوگئے۔ لیکن بدقسمتی سے سواتی لشکر شام تک جنگل سے واپس نہ آیا کہ کہیں پسپائی اختیار کر گیا۔ تو سکاؤٹوں کی دونوں پلٹونیں بھی اپنے شہید اور زخمیوں کو اٹھا کر محاذ سے چلی گئیں اور شلوورا میں کل چالیس کی نفری باقی رہ گئی۔

سیکٹر کمانڈر کی بے چینی ۲۱/۲۰ مئی کی رات سیکٹر کمانڈر نے بے چینی میں گزاری البتہ ایک گھڑ سوار کو محصوروں کی خبر معلوم کرنے کیلئے بھیجا، جس نے علی الصبح آکر بتایا کہ ڈولی پورہ اور ذچلڈارہ سے تمام مجاہدین جاچکے تھے۔ ایک تیز رفتار پیدل کو سواتیوں کی خبر لینے کیلئے بھی بھیجا تھا، جس نے آکر بتایا کہ سڑک حیڑی تک سنسان پڑی تھی اور سواتی ٹکڑیاں اور دھدنیال

کی طرف نکل چکے تھے۔ سیکٹر ہیڈ کوارٹر سے کچھ لوگ تو رات کو نکل گئے تھے۔ اور یہ خبریں سن کر باقی بھی کھسک گئے۔ سیکٹر کمانڈر کے ساتھ ایک غلام رضا اور اس کا دوست محمد لطیف چک صرف دو آدمی رہ گئے تھے۔ تو انہوں نے اپنا ضروری سامان جھولوں میں ڈالا اور شلوورا، سے پنزگام کی طرف روانہ ہوئے کہ راستے میں معلوم ہوا کہ ڈولی پور سے دشمن سیدھا پنزگام پہنچ چکا ہے، تو انہوں نے رخ تبدیل کر کے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا تو دیکھا کہ نیچے شلوورا میں دشمن کی بکتر بند گاڑیاں پہنچ رہی تھیں۔ کرنل خالد نے آگے ساری کہانی جس بھرائی آواز میں بیان کی یا ساری مہم پر جو تبصرے یا جائزے سنائے ان میں ہزاروں عملی سبق ہیں۔ اور خاص کر نتھا چھنا گلی سے گزرنے کے وقت کو جب وہ یاد کرتے ہیں۔ تو ان کی آواز بند ہوجاتی ہے کہ وہاں بیٹھ کر ایک رائفل کمپنی برگیڈوں کو روک سکتی تھی۔ بہر حال کرنل خالد جب ۲۳ مئی کو ٹھٹوال پہنچے تو وہاں بھی افراتفری تھی۔ پاکستانی فوج کی دوسری ایف ایف کے کیپٹن (بعد میں جنرل) محمد اقبال اور ان کے ایک افسر لیفٹیننٹ غلام حیدر[19] نے جو اس علاقے میں دریا کے نزدیک ایک کمپنی کے ساتھ متعین تھے۔ سیکٹر کمانڈر سے احکام یا مشورہ مانگا کہ ان کو کیا کرنا چاہیے کہ ان کو دشمن کے ساتھ دوبدو ہو کر لڑنے کا حکم نہیں۔ تو کرنل خالد نے ان کو مشورہ دیا، کہ ان کو اپنا سواتی لشکر مل گیا ہے جس کو انہوں نے نوسیری پہاڑی پر لگا دیا ہے جو بہت اچھا دفاعی پوزیشن ہے۔ وہ لوگ وہاں آجائیں۔ ہمارا جی ایچ کیو بھی کچھ نیند سے جاگ اٹھا اور انہوں نے ٹھٹوال محاذ پر حاجی افتخار احمد کے دسویں برگیڈ کو جلد پہنچنے کے احکام دیے اور کرنل نوشیرواں کو برگیڈیئر افتخار نے کہا کہ وہ تمام برگیڈ کو آگے لا رہے ہیں اور وہ جلدی سے جا کر سیکٹر کمانڈر بن جائے جس نے اپنے سیکنڈ ان کمان میجر (بعد میں کرنل) محمد اکبر کو دو کمپنیوں کے ساتھ ایڈوانس پارٹی کے طور پر نوسیری بھیج دیا کہ وہ کرنل خالد سے چارج لے لیویں سیہاں اتنا تبصرہ کافی ہے "کہ بہت دیر کردی آنے میں"۔ اور صرف دشمن کی پیش قدمی کو روکنے تک معاملات پہنچے۔ کیا یہی لوگ یہ پیش قدمی دو ہفتے پہلے ہندواڑہ کے پاس نہ روک سکتے تھے؟ کہ نیلم وادی ہمارے پاس رہتی۔

سرکاری نکتہ نگاہ سرکاری تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس کو سرکاری نکتہ نگاہ بھی کہہ سکتے ہیں[17] لیکن یہ باتیں صحیح نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ۲۴ اپریل کو کمک پہنچنے کے بعد میجر شیر نے

بھارت کی دو کمپنیوں کو ایک حیران کن کارروائی کرکے گھیرے میں لے لیا اور دوسری پلٹن نے آکر ان کو مشکل سے چھڑایا۔ اور میجر شیر کی تمام تر رپورٹیں اتنی حوصلہ افزا تھیں اور چار ماہ سے وہ دشمن کے ساتھ جو کچھ کر رہا تھا۔ یہ امید نہ تھی کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ (یہ کہانی وہی سوا تیوں کے ساتویں سکھ کو گھیرا میں لینے والی بات ہے۔ جس کو بہار پلٹن چھڑا کر لے گئی۔ اور یہ واقعہ وسط اپریل کا ہے)۔ دراصل موسم کے کھل جانے کے بعد میجر شیر نے اوپر والوں کو چوکنا کرنے کی بڑی کوشش کی۔ تو سرکاری تاریخ والے کہتے ہیں "کہ بھارتیوں پر ظاہر ہو گیا تھا کہ میجر شیر۔ محمد ایک بہت خطرناک دشمن ہے تو انہوں نے اتنی بھرپور کارروائی کرنل خالد کی طلسماتی شخصیت کو ختم کرنے کیلئے کی" کہ بعد میں ان کا ریڈیو کہتا رہا کہ کرنل خالد کی ناکامیوں کی وجہ سے اس کو ڈومیل کے پل کے پاس پھانسی کی سزا دے دی گئی ہے اور اس کی لاش وہاں کئی دن لٹکی رہی۔ شاید بھارتی ڈرے ہوئے بھارتیوں کو حوصلہ دینا چاہتے تھے کہ خالد سے نہ ڈریں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوا یہ عاجز صرف یہ کہے گا کہ چار ماہ کی ساری محنت رائگاں گئی۔ اور بروقت اس سیکٹر میں صحیح مقامات پر باقاعدہ فوج کو نہ بھیجا گیا تو بے قاعدہ فوج تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر گئی۔ اور باقی کہانی اگلے باب میں بیان کی جا رہی ہے۔

حوالہ جات

(۱)۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۴۰۔ (۲)۔ ایضاً صفحہ ۳۵۰۔ (۳)۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۲۴۔ (۴) او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۳۰۹۔ (۵)۔ ایضاً صفحہ ۱۵۴۔ (۶)۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۱۴۰۔ (۷)۔ چودھری عبد الغنی کو بعد میں پاکستان ہجرت کرنا پڑ گئی۔ راولپنڈی میں پشاور روڈ پر ابرار سرجری کے مالک میجر ابرار انہی کے صاحبزادے ہیں۔ جو اس جہاد کے زمانے میں چودہ سال کے لڑکے تھے اور کرنل خالد کیلئے اپنے گھوڑے لے جاتے تھے کہ وہ ان پر سوار ہو کر علاقہ کی دیکھ بھال کیا کریں۔ (۸)۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۵۶۔ (۹)۔ ایضاً صفحہ ۱۵۱۔ (۱۰)۔ ایضاً صفحہ ۱۵۲۔ (۱۱)۔ ایضاً صفحہ ۱۴۷۔ (۱۲)۔ ایضاً صفحہ ۱۵۱۔ (۱۳)۔ ایضاً صفحہ ۳۵۰۔ (۱۴)۔ ایضاً صفحہ ۱۵۵۔ (۱۵)۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۱۴۸۔ (۱۶)۔ یہ وہی لیفٹیننٹ غلام حیدر تھے جنہوں نے گلگت میں اہم کام کیا اور ان کا ذکر سترھویں باب میں ہو چکا ہے۔ (۱۷)۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۱۴۱ تا ۱۴۲

پینتیسواں باب

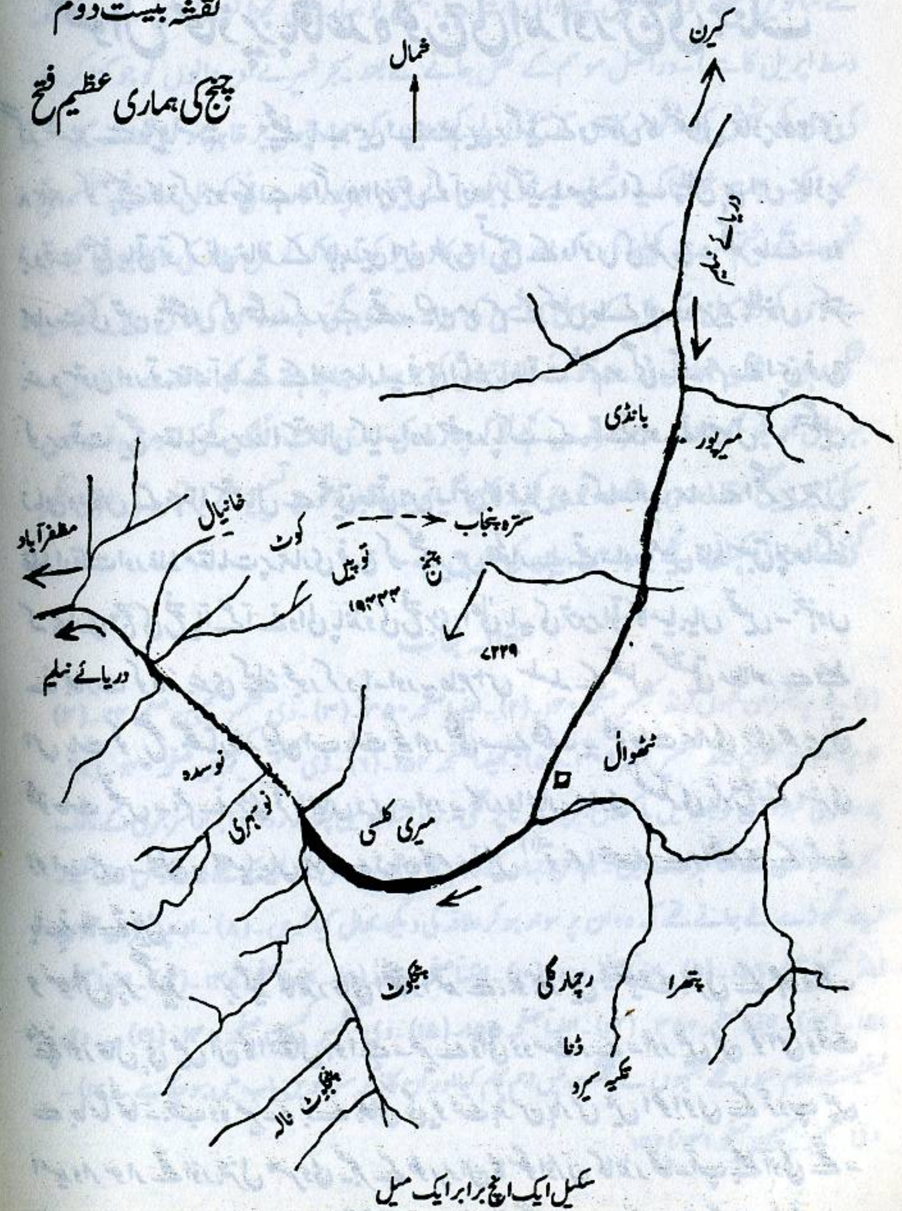
ٹھوال محاذ پر باقاعدہ فوج کی آمد اور چنج کی جنگ

گذشتہ سے پیوستہ پچھلے باب میں اپنے دسویں بریگیڈ کے دستوں کا ٹھوال محاذ پر ۲۵ مئی ۱۹۴۸ء کو پہنچنے کا ذکر ہو چکا ہے۔ اگر ۲۵ اپریل کو آدھا بریگیڈ یا صرف ایک پلٹن ہی اس محاذ پر بروقت پہنچ جاتی تو کرنل خالد کے مجاہدین اس طرح تسبیح کے دانوں کی طرح نہ بکھر جاتے۔ وہ بھارت کی تین پلٹنوں کو تنگ کر رہے تھے۔ لیکن موسم کے کھل جانے اور دو مزید پلٹنوں، بکتر بند دستوں اور توپخانہ آجانے کے بعد ہمارا یہ فوجی اثاثہ یا طاقت ختم ہو گئی۔ کہ ہم نے اپنی فوج کو بروقت صحیح مقامات پر نہ استعمال کیا۔ اور حضور پاکؐ کے بتائے ہوئے اصول کہ جنگیں زمان و مکاں کے بہتر استعمال سے جیتی جاتی ہیں۔ اس کا خیال نہ رکھا۔ اب ہمارے انگریز جنرل غلط اوقات اور غلط مقامات پر ہماری فوج کو کشمیر میں اتار رہے تھے۔ اور ہمیں غلط سبق پڑھا گئے کہ ہماری چنج کی فتح یا آگے آنے والی پانڈو کی فتح بڑی اعلیٰ پایہ کی تدبیراتی کامیابیاں تھیں۔ جنہوں نے بھارت کو فائر بندی کیلئے مجبور کر دیا۔ اور یہ عاجز اس سلسلہ کے مکمل تحقیقی مطالعہ سے پہلے اس بات کو صحیح سمجھتا رہا۔ لیکن اب بات کچھ اور نکلی۔ بے شک یہ فتوحات ہماری بڑی تدبیراتی فتوحات تھیں۔ ہم نے بڑی قربانیاں دیں۔ اور یہ کارروائیاں ہماری عسکری تاریخ کے سنہری ابواب ہیں۔ لیکن یہ کامیابیاں ہمارے زیادہ کام نہ آئیں[1] تو ہم اختصار سے واقعات کے تانے بانے ملاتے ہیں۔

دسواں بریگیڈ بریگیڈ کمانڈر حاجی افتخار احمد تھے۔ جو بعد میں لیفٹیننٹ جنرل کے عہدہ تک پہنچے اور حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ میرے ذاتی دوست رہے۔ اور میں ان کو اس وقت سے جانتا تھا۔ جب وہ میرے بڑے بھائی کی یونٹ ہڈسن ہارس میں اعوانوں کے ٹروپ میں امیدوار سوار تھے اور جنرل مسروی میجر کے طور پر ان کا سکواڈرن کمانڈر تھا۔ آپ بھلے آدمی تھے۔ انہوں نے زیادہ تر بند و بستی کام خود کیئے اور تمام تر تدبیراتی کام سترہ پنجاب کے کرنل نوشیروان

نقشہ بیست دوم

چنج کی ہماری عظیم فتح



کے ہاتھ میں دے دیئے اور جن کے سمیت اس پلٹن کے بچہ بچہ کو میں جانتا تھا اور یہ ساری مہمات اکثر ہمارے درمیان زیر بحث رہیں ۔یہی بات گائیڈ پلٹن کے کمانڈر کرنل کریم داد اور ان کے افسروں کے بارے کہی جا سکتی ہے ۔اور تیسری پلٹن کے مجاہدین یا مشین گن کمپنی وغیرہ کے افسران ۔سب صاحبان اس عاجز کے جاننے والوں میں شامل ہیں اور یہی بات توپخانہ ، انجنیرز یا ٹرانسپورٹ یونٹوں جن کی تفصیل [۲] اپنی سرکاری تاریخ میں ہے ۔ان سب کو بھی لاگو ہے ۔ برگیڈ میجر طور گل (بعد میں برگیڈیر) بھی میرے دیرینہ دوست ہیں۔

زمینی پہلو ٹٹھوال محاذ کی جنگ نوسیری کے اردگرد محدود علاقوں میں لڑی گئی ۔اور اس سلسلہ میں نقشہ بیست دوم کچھ مددگار ثابت ہوگا ۔اور نقشہ یازدہم سے بھی استفادہ کرنا ہوگا۔ اہم مقام چنج کی پہاڑی ہے ۔اور دریائے نیلم شمال میں اپنے بہاؤ کی طرف اس پہاڑی کے اردگرد ایک گھنڈی بناتا ہے ۔اور ٹٹھوال سے نیچے ڈومیل کے مقام تک جہاں وہ دریائے جہلم سے آکر ملتا ہے وہ ایک تنگ گھاٹی سے گزرتا ہے ۔چنج کی دو چوٹیاں ایک سطح سمندر سے ۷۲۲۹ فٹ بلند اور دوسری ۹۴۴۴ فٹ بلند ایک تنگ "کانگ" سے ایک دسرے کے ساتھ ملتی ہیں ۔چنج کے بالمقابل جنوب میں کافر کھن پہاڑ ہے ۔جس سے وابستہ پیر صحابہ، پوائنٹ ۷۸۰۲، رچمار گلی، اور بنی والا ڈنہ اہم مقامات ہیں ۔کافر کھن سے تقریباً متوازی اور شمالاً و جنوباً تکیہ سیر و فرگٹ کا پہاڑی سلسلہ ہے ۔اور دونوں کے درمیان سے بیج کوٹ نالہ گزرتا ہے جو میری کلسی کے مقام پر دریائے نیلم میں گر جاتا ہے ٹٹھوال سے شمال میں کیرن وغیرہ کے علاقوں میں بھی کچھ جھڑپیں ہوئیں لیکن وہاں کی زمین کے فوجی اثرات اتنے اہم نہ تھے۔

دشمن کی خبر دشمن کے لحاظ سے کرنل خالد کے مجاہدین پر ان کے توپخانہ کے اتنے گولے گرے کہ مجاہدین حیران ہوگئے [۳] اور پہلے مقابلوں کے بعد صرف نتھا چھنا گلی کے مقام پر مجاہدین نے کچھ برائے نام مقابلہ کیا۔ بہر حال بھارتی پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے کہ کرنل خالد نے پہلے کی طرح کوئی کنڈی نہ لگائی ہو ۔اور کوئی حیران کن عمل نہ کردے ۔ کہ جنرل تھمایا جو ہر محاذ پر پہنچ جاتا تھا، اس محاذ کو صرف ہوائی جہاز پر اڑتے اڑتے دیکھتا تھا اور ہر بخش سنگھ کو حکم پر حکم دے رہا تھا کہ وہ ٹٹھوال پر جلدی سے جلدی قبضہ کرے ۔ لیکن ہماری

سرکاری تاریخ[۴] کا یہ تاثر صحیح نہیں، کہ ہر بخش سنگھ نے بڑی دیر لگا دی، ورنہ ٹٹھوال اور مظفرآباد کے درمیان ایک کمپنی تھی، وہ کیا کر لیتی یا احکام ایسے تھے۔ کہ اوڑی محاذ پر کامیابی کے بعد مظفرآباد پر دو طرفہ حملہ کرنا تھا۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ آگے ہماری سرکاری تاریخ میں تسلیم[۵] کیا گیا ہے کہ ٹٹھوال تک پہنچنا پہلا مرحلہ تھا۔ آگے سڑکیں بنانے رسل و رسائل کے بندوبست کرنے تھے کہ توپخانہ کا امدادی فائر مل سکتا تو بھارتی تب ہی آگے بڑھ سکتے تھے۔ یہاں تو ان کی طاقت بکھر چکی تھی۔ بھارتی ایسے کچے راستوں پر لڑائی نہ لڑ سکتے تھے۔ ایک پلٹن ان کو تھا چھنا گلی میں روک دیتی تو کرنل خالد کے مجاہدین بھارتیوں کی ایسی تیسی کرتے رہتے۔ لیکن ہماری کوتاہیوں سے ہمارے مجاہدین بھی بکھر چکے تھے۔

اپنی خبر اپنے دسویں بریگیڈ کو آخر حکم مل گیا کہ وہ ٹٹھوال کے علاقہ میں دشمن کو روک کر مظفرآباد کا دفاع کریں گے[۶]۔ لیکن باقاعدہ فوج لڑانے کیلئے بڑے بندوبستوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں ہوائی جہازوں کی مدد میسر نہ تھی اور بھارتی ہوائی حملوں کے خطرات کے تحت دن کو حرکت کرنا صحیح نہ تھا۔ لیکن رات کا سفر بھی بڑا خطرناک تھا، کہ مظفرآباد سے آگے تیس میل کا راستہ اتنا تنگ تھا، کہ کئی خچریں بھی لڑھک کر دریا میں گر گئیں[۷]۔ تو اول جیپوں اور پھر پندرہ ہنڈرڈویٹ کی گاڑیوں کیلئے سڑک بنانا پڑی، اور دریا پر کئی رسوں والے پل بنانے پڑے۔ یہ کام بریگیڈیئر حاجی افتخار خود کرا رہے تھے اور ایک ۲۰ ملی میٹر اینٹی ایئر کرافٹ گن حاصل کی۔ اور چھ مشین گنوں کی مدد سے بھارتی ہوائی حملوں کے خلاف بچاؤ کا بندوبست کیا۔ اور ذرائع آمد و رفت کی حفاظت کیلئے ایک "جبار فورس" کھڑی کی، جس کیلئے ایک ایک کمپنی اپنے بریگیڈ کی یونٹوں سے لینے کے علاوہ، ایک کمپنی موجودہ چوتھی فرنٹیئر فورس اور ایک کمپنی پانچویں پونچھ پلٹن سے منگوائی اور کچھ مقامی مجاہدین اکٹھے کئے، کہ مظفرآباد سمیت پچھلے علاقوں کا دفاع کیا جا سکے۔ بریگیڈ کی تینوں پلٹنوں سے جوان، جو کچھ خود اٹھا سکتے تھے وہ اٹھا کر آگے پہنچے۔ لیکن آدھی نفری سامان آگے لیجانے پر لگی ہوئی تھی۔ محدود نفری کے ساتھ سترھویں پنجاب نے پوائنٹ ۷،۸۰۰، اور رچمار گلی کے علاقہ۔ پانچویں فرنٹیئر فورس نے پیر صحابہ اور میر کلسی کے علاقہ اور دوسری ایف ایف نے خاتم بال کے علاقوں کا کچھ کنٹرول سنبھال لیا[۸]۔

پہلے مرحلہ کی جھڑپیں بھارتی اپنی اگلی پوزیشنوں پر بڑے حملوں کی توقع کر رہے تھے[۹]۔ اور وہ تفصیل سے پہلے ان جھڑپوں کا ذکر کرتے ہیں۔[۱۰] انہوں نے چنج پہاڑی کے اہم مقام پوائنٹ ۷،۲۲۹، اور میری کلسی پہاڑی اور رچمار گلی جیسے اہم مقامات پر کچھ جھڑپوں کے بعد قبضہ کر لیا۔ اور اس سلسلہ میں وہ ہمارے لگاتار جوابی حملوں خاص کر ۲جون اور ۳جون کو بہت زیادہ فائر اور ۴جون کو دو سو مجاہدین کے ایک ایسے حملے کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ ایک دفعہ تو وہ اپنی کچھ توپوں کو بھی برباد کرنے والے تھے جو ہماری زد میں آ گئی تھیں۔ بہرحال بھرپور لڑائی میں اپنے ایک ایک آدمی کی بہادری اور کافی نقصان کے بعد ہمارے ۲۳ مجاہدین کو شہید اور ۳۰ کو زخمی کرنے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ اور آخر میں کہتے ہیں کہ ۹جون ۱۹۴۸ء تک ٹٹھوال کے گرد ان کا دفاعی حصار مضبوط ہو گیا، کہ پھڑکیاں گلی سے دو کمپنیاں بھیج کر انہوں نے کیرن پر بھی قبضہ کر لیا کہ وہاں تک ہماری باقاعدہ فوج تو پہنچی نہ تھی۔ قارئین کو اپنی پکی فوج کے آجانے کے بعد یہ بھارتی کامیابیاں حیران نہ کریں۔ کہ ہمارے دسویں بریگیڈ کی محدود نفری پیش قدمی کر کے پیش قدمی والوں کو کیسے روکتی۔ لاہور کو اللہ تعالیٰ نے ستمبر ۶۵ میں بچانا تھا کہ ہم نے حکم عدولی کر کے رات کے وقت کچھ دفاعی پوزیشن اختیار کر لئے تو بھارتیوں کو روک لیا۔ ورنہ حکم کے مطابق ۶ ستمبر صبح کو پیش قدمی کرتے تو ہمارے پرخچے اڑ جاتے۔ کہ بریگیڈیئر قیوم شیر کے بریگیڈ کی کچھ یونٹیں تو بھارتی حملے کے چار گھنٹے بعد بھی صبح اپنی لائنوں میں پی ٹی کر رہی تھیں یہاں بھی دسویں بریگیڈ کی پانچویں ایف ایف ایبٹ آباد میں ایک فٹ بال میچ کھیل رہی تھی، جس کو ادھورا چھوڑ کر مئی ۱۹۴۸ء کے آخری ہفتہ میں وہ لوگ محاذ پر کچھ پہنچے[۱۱] پیش قدمی کر کے پیش قدمی والوں کو نہیں روکا جا سکتا، کہ گیارہویں باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ سری نگر سے پیش قدمی کر کے بھارت کی باقاعدہ فوج قبائلی مجاہدین کی بارہ مولا سے پیش قدمی کو بہت فاصلوں اور دیر کے بعد روک سکی۔

اپنی کہانی اپنی سرکاری تاریخ[۱۲] ان پہلی جھڑپوں کو اس بے ترتیبی سے بیان کرتی ہے کہ آدمی کو افسوس ہوتا ہے کہ کیا دسویں بریگیڈ کی یونٹیں اس بے ترتیبی سے جنگ لڑتی رہیں؟۔ دراصل محدود نفری کیوجہ سے بعض مقامات پر دو یونٹوں نے مل کر کارروائی کی اور بعد میں جو

تاریخ لکھ کر بھیجی گئی اس میں ہر یونٹ نے اس کارروائی میں عملی طور پر اپنے حصہ پر زیادہ زور دیا، جس سے ہمارے "مورخین" نے ہر واقعہ دو دو یا تین تین دفعہ دہرایا۔ کہ ایک ہی کارروائی کا ہر "حصہ دار" کہانی کا محور معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال سترہ پنجاب کے میجر (بعد میں کرنل) محمد اکبر۔ فرنٹیئر فورس کے کیپٹن (بعد میں کرنل) حق نواز۔ اور صوبیدار شاندی گل۔ گائیڈ پلٹن کے کیپٹن (بعد میں جنرل) محمد اقبال۔ اور نائب صوبیدار دوست محمد [۱۳] اور ان سب صاحبان کے ماتحت جوانوں نے جو جذبہ جہاد دکھا کر جس طرح بھارتیوں کو روکا اور خاص کر حوالدار جلال خان نے جس طرح نعرہ تکبیر بلند کرا کے اپنے جوانوں سے رائفلوں پر سنگین چڑھوا کر بھارتیوں کا مقابلہ کیا اور اس نعرہ کی صدا نے بھارتیوں کو مرعوب بھی کیا [۱۴]۔ تو یہ سب کارروائیاں ہماری عسکری تاریخ میں سنہری الفاظ سے لکھی گئی ہیں۔ اور بھارتیوں کی پیش قدمی کو روک دیا گیا۔ بے قاعدہ مجاہدین میں سے اب سواتی لشکر بھی ٹھہر گیا اور انہوں نے اپنے سالار فقیر محمد کے ماتحت بھارتیوں پر تلواریں لہراتے ہوئے حملہ کیا۔ لیکن فقیر محمد کی شہادت کے بعد سواتی لشکر وہاں نہ ٹھہر سکا۔ بہر حال جب پوری نفری آ گئی اور دوسری دفاعی لائن بن گئی تو سترہ پنجاب کے صوبیدار (بعد میں صوبیدار میجر) محمد حسین ایم سی۔ اور نائب صوبیدار (بعد میں بریگیڈیئر) اکابر حسین نے دشمن کے اندر اپنے گشتی دستے لے جا کر ایک طرح سے کھلبلی مچا دی۔ تو بھارتیوں نے تقریباً ہر مقام پر پیش قدمی روک دی۔

ہمارے جوابی حملے مغربی طرز دفاع جس کو ہم نے اپنایا ہوا ہے۔ اس کے تحت مقامی طور پر بھی جب تک کسی کو دشمن کے مقابلہ میں تین گناہ برتری حاصل نہ ہو، تو دشمن کی پوزیشن پر حملہ نہیں کیا جاتا۔ لیکن ہماری مجبوری تھی کہ علاقے کے اہم مقامات دشمن سے واپس لینے کیلئے کچھ جوابی حملوں کی راہ نکالی گئی۔ چنانچہ ۱۱/۱۰ جون کو گائیڈ پلٹن کے میجر (بعد میں کرنل) خلیلی نے دو کمپنیوں کے ساتھ نیم خاموشی اور حیران کن کارروائی سے رات کو چھپ چھپا کر خاتم بال پہنچ کر سامنے اور سیدھی طرح سے چنج کے پوائنٹ ۲۲۹۷ پر حملہ کر کے ایک دفعہ تو وہاں قبضہ کر لیا۔ اور جو ہاتھوں ہاتھ لڑائی ہوئی۔ تو یہ عاجزان مجاہدین کو سلام کرتا ہے۔ بد قسمتی سے اور خاموشی کو مد نظر رکھتے ہوئے کیپٹن (بعد میں میجر جنرل اور وفاقی وزیر) راؤ فرمان

علی نے تارگٹ پہلے رجسٹر نہ کئے تھے۔ تو گائیڈ کے مجاہدین کو پورا امدادی فائر نہ دیا جا سکا۔ اور سخت بھارتی فائر کی وجہ سے شمالی بازو سے قبائلی مجاہدین بھی پیش قدمی نہ کر سکے۔ تو میجر خلیلی کے مجاہدین کو کچھ مقبوضہ جگہ چھوڑنا پڑ گئی۔ لیکن کرنل کریم داد کے تحت پوری پلٹن نے بھارتیوں کے بالکل نزدیک ایک بہت اچھی دفاعی پوزیشن اپنالی۔ بھارتی تاریخ اس کارروائی کو بہت مختصر الفاظ میں بیان کرتی ہے [۱۵]۔

تکیہ سیرو کی طرف بھارتی پیش قدمی اپنی سرکاری تاریخ میں ۱۷ جون کو بھارتیوں کی تکیہ سیرو کی طرف پیش قدمی کو مظفر آباد کو فتح کرنے کی جو ایک اور کوشش کہا گیا ہے [۱۶]۔ وہ صحیح نہیں کہ بھارتی جو کچھ حاصل کر چکے تھے تو ان کے سامنے ہماری باقاعدہ فوج کے آجانے کی وجہ سے اس سب کو "ہضم" کرنا ان کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ اور ان کی تاریخ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ اس دباؤ کو کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو ان کے دفاعی حصار پر پڑ رہا تھا [۱۷]۔ بھارتیوں کی گڑھوالی پلٹن ۱۷ جون کو صبح چار بجے خاموشی سے خالی جگہوں کو استعمال کرتے پانچویں فرنٹیئر فورس کے بٹالین ہیڈ کوارٹر تک پہنچ گئی کہ تب پیچھے سے ان پر پلٹن کی A کمپنی نے فائر کیا۔ اور داد دیتے ہیں ہم پلٹن کے ایجوٹنٹ کیپٹن محمد حسین کو کہ اس نے نائب صوبیدار فیروز خان کی دفاعی پلٹون اور لانگریوں، بہشتیوں کی مدد سے بھارتیوں کی پیش قدمی کو روک دیا۔ اور دائیں سے میجر رحمن خان کی آدھی سی کمپنی اور بائیں سے بی کمپنی کے نائب صوبیدار قمر دین کی پلٹون نے بھارتیوں کو اپنے شکنجے میں لے لیا۔ اور بھارتیوں نے جو امدادی فائر مانگا، اس سے الٹا ان کا اپنا نقصان ہوا۔ دو تین گھنٹے کی گھمسان کی جنگ کے بعد جب گڑھوالیوں نے پسپائی شروع کی تو ہماری نویں پنجاب کی مشین گنوں نے ان کو بھون کر رکھ دیا اور وہ دو سو لاشیں پیچھے چھوڑ گئے، ان کے زخمیوں کی تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ بھارتی تاریخ کا بیان البتہ جھوٹ کا پلندہ ہے کہ وہ صرف اپنے چھ آدمیوں کی ہلاکت اور اٹھارہ کے زخمی ہونے کی بات کرتے ہیں۔ اور ہمارے چالیس مجاہدین کو شہید کرنے اور متعدد کو زخمی کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پسپائی کی وجہ ایمونیشن کی کمی بتاتے ہیں۔ حالانکہ وہ میدان جنگ میں اتنا ایمونیشن چھوڑ گئے کہ فرنٹیئر فورس کیلئے ایک ماہ کیلئے کافی رہا۔ اور اپنے کیپٹن محمد حسین سمیت پانچ جوان

شہید ہوئے اور سولہ زخمی ، کہ دفاعی جنگ تھی ۔ یہ عاجز پرانی ۳ / ۲ اور موجودہ پانچویں فرنٹیر فورس کے غازیوں اور شہیدوں کو سلام کرتا ہے کہ میری تحقیق میں عظیم کیپٹن محمد حسین شہید سمیت اس پلٹن کے جوانوں کے بہادری کے جو واقعات آئے ، اس کو میں خود خون جگر کے ساتھ لکھ کر کئی مضمونوں میں ختم نہیں کر سکتا ۔ لیکن اختصار میری مجبوری ہے ۔

اپنی جارحانہ کارروائیاں بھارتیوں کی اس ناکامی کے بعد سارے بریگیڈ کے محاذ پر اپنی جارحانہ کارروائیوں میں تیزی آگئی ۔ اور فرنٹیر فورس نے جنوبی بازو اور دشمن کے عقب میں رچمار گلی تک جارحانہ گشتی دستے بھیجے ۔ کیپٹن راجہ ڈھیروخان ڈیڑھ سو کا ایک ٹوچی سکاؤٹس کا لشکر لے آئے جن کو نچیاں گلی بھیج دیا گیا کہ ٹھوال کے عقب میں دشمن کو ہراساں کریں ۔ گائیڈ پلٹن نے جون کے آخری ہفتہ میں میجر عزیز الرحمن اور لیفٹیننٹ کیانی کی کمپنیوں اور محسوددوں کے ڈیڑھ سو کے لشکر سے دوسری بار چنج پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ۔ لیکن مائنز فیلڈ سے راستہ نہ تلاش ہو سکا تو یہ حملہ جس کی بھارتیوں نے ۲۴ جون کی تاریخ بتائی ہے بھی ناکام رہا تو اس کے بعد کرنل نوشیروان نے فیصلہ کیا کہ چنج پر حملہ وہ اپنی پلٹن سترہ پنجاب سے کرے گا ۔ اس لئے یکم جولائی سے ۵ جولائی تک خاموشی سے پلٹن کے ایک ایک آدمی نے باری باری آگے بڑھ کر علاقے کا چارج گائیڈ پلٹن سے لے لیا ۔ گائیڈ پلٹن ، سترہ پنجاب کی جگہ آگئی ۔ اور اس کے ایک دستہ کو حوالدار وصال محمد کے ماتحت نیلم وادی میں ، کیرن اور دھنیال وغیرہ کی طرف پلوں کو تباہ کرنے کیلئے بھیج دیا گیا ۔ اور پانچویں فرنٹیر فورس کو کافرکھن کے علاقہ میں بنی والا ڈنہ کی طرف بھیجا گیا ۔

چنج کی جنگ چنج کی جنگ کی ایک ایک بات پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں ۔ اور چند صفحات اور یہ اختصار اس عظیم واقعہ کے ساتھ بہت بے انصافی ہے ۔ کہ جنگ کے شرکا کے بچہ بچہ کو جاننے کیوجہ سے اور تمام حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کیوجہ سے یہ عاجز تصور میں خود کو اس جنگ میں شریک سمجھتا ہے ۔ بہر حال کرنل نوشیروان نے پہلی ناکامیوں کا پورا تجزیہ کیا ۔ اور توپخانہ کے امدادی فائر کو بہت ضروری سمجھا ۔ وقت کا چناؤ بھی صحیح تھا ، کہ دشمن زوجیلہ اور پانڈو کی لڑائیوں میں بہت الجھا ہوا تھا اور کوئی کمک یہاں نہ لا سکتا تھا ۔ علاوہ ازیں پوائنٹ ۷۲۲۹ پر سامنے سے حملہ کے ناکام ہونے کیوجہ سے نوشیروان نے تمام بال وکائل گراں میں صرف دکھاوے

کیلئے آدمی چھوڑے ۔ اور چوگلی کے شمال میں بن کے جنگل میں پلٹن کا اجتماع کر کے اس طرف سے دشمن کو "ادھیڑنے" اور "اکھیڑنے" کی تجویز بنائی اور ساتھ دو سو مقامی مجاہدین کا بندوبست کیا جو جوانوں کو سامان یعنی ایمونیشن وغیرہ اٹھوانے میں مدد دیں گے ۔ لیکن نوشیروان اور میجر (بعد میں کرنل) عدالت خان نے امدادی فائر کی جو تجویز بنائی کہ ۳.۷ توپ کو ٹکڑوں میں کر کے ، انجینئر کے میجر سلون کی مدد سے ایک سلنگ کے ذریعہ سے دریا سے دوسری طرف لایا گیا ۔ اور پھر علاقے کی سب سے اونچی چوٹی ۹۴۴۴ کے قریب پہنچا دیا گیا ۔ یہ بڑی انوکھی باتیں ہیں ۔ کہ یہ علاقہ خالی تھا اور بھارتی تسلیم کرتے ہیں کہ اس جگہ پر قبضہ کیلئے بہت نفری کی ضرورت تھی اور ان کو وہم و گماں بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہاں پر سے ان پر گولے برسیں گے اور حملے کا ویسے اس طرف سے خطرہ نہ تھا کہ درمیانی "کنگ" پر ایک وقت میں ایک آدمی چل سکتا تھا ۔ بہر حال گو حملے کی تجویز سادہ نہ تھی لیکن عملی طور پر سیکشن کمانڈروں کی سطح تک دیکھ بھال اور اپنی ذمہ داریوں کو زمین پر سمجھنے کے بعد معاملات آسان ہو گئے اور سب کمانڈروں کو معلوم ہو گیا کہ بھارتی سکھ پلٹن کی ایک کمپنی خولے گاؤں میں ہے ۔ دوسری کمپنی اور بٹالین ہیڈ کوارٹر پوائنٹ ۷۲۲۹ پر ۔ تیسری کمپنی پہاڑی ۶۹۵۳ پر اور چوتھی کمپنی اس پہاڑی کے پچھلے حصہ پر تھی ۔ اپنی جن کمپنیوں نے دوسرے مرحلہ میں کام کرنا تھا ۔ ان لوگوں نے گشتی دستے بھیج کر دشمن کے گہرائی والے یا پچھلے پوزیشنوں کا مطالعہ بھی کر لیا تھا ۔

حملے کی تجویز گو ہماری سرکاری تاریخ میں حملے کے دو مرحلوں کا ذکر ہے لیکن راقم کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ حملے کے تین مرحلے تھے ۔ پہلے مرحلہ میں میجر غلام رسول کی اے کمپنی نے آزاد مجاہدین کی مدد سے صبح آٹھ بجے تک پوائنٹ ۶۹۵۳ پر قبضہ کرنا تھا ۔ اور اسی وقت صوبیدار ۔ میاں محمد کی ڈی کمپنی نے اس کے ساتھ نچلے علاقہ پر قبضہ کرنا تھا ۔ دوسرے مرحلہ میں کیپٹن (بعد میں کرنل) حبیب اللہ کی بی کمپنی نے پوائنٹ ۶۹۵۳ اور پوائنٹ ۷۲۲۹ کے درمیانی علاقہ پر قبضہ کرنا تھا ۔ تیسرے مرحلہ میں میجر ظفر اللہ کی سی کمپنی جو پہلے مرحلوں کیلئے ریزرو تھی انہوں نے پوائنٹ ۷۲۲۹ پر قبضہ کرنا تھا ۔ پوائنٹ ۹۴۴۴ سے ڈائریکٹ یعنی سیدھا امدادی فائر توپ نے لپٹنے سے دو ہزار فٹ نچلی جگہ دینا تھا جو معاملہ گڑھا کھود کر اور توپ کو درختوں کے ساتھ باندھ کر حل کیا گیا جو واقعہ توپخانہ کی تاریخ میں اپنی قسم کا آپ ہے ۔ بہر حال نوسدہ میں لگی

ہوئی توپوں کا ان ڈائریکٹ فائر بھی میسر تھا۔ اور اپنی مارٹروں اور نو پنجاب کی مشین گنوں کے فائر کو بھی تجویز میں شامل کیا گیا۔ کرنل نوشیروان نے حملے کے احکام ۲ جولائی کے دے دیئے تھے گو کاروائی نے ہفتہ بھر بعد ہونا تھا۔ لیکن وہ خود سبز کمبل اوڑھے سارا دن جوانوں کے ساتھ گپ۔ شپ لگاتے رہتے تھے۔ اور چھوٹے چھوٹے گروہوں کو خطاب کرتے ہوئے صاف کہا، کہ جو آدمی حملہ میں شریک نہیں ہونا چاہتا وہ اسی وقت ایبٹ آباد جاسکتا ہے۔ تو جوانوں کی آوازیں بھرا جاتی تھیں اور وہ مرنے مارنے پر بے تاب ہو رہے تھے۔

کارروائی ۷ جولائی کو سورج غروب ہونے کے بعد پلٹن نے حملہ کیلئے چنی ہوئی جگہ پر اجتماع کرلیا۔ ۸ جولائی کی صبح کو پلٹن نے پانچ بجے حملہ کرنا تھا اور چار بجے تک "وائرلیس سائیلینس" تھی۔ ملاپ میں کچھ تکلیفات ہوئیں۔ لیکن متبادل طریقے پر اسی وقت بگلروں نے اسلامی طریقہ پر نقارہ اور بگل کی صدا دینا تھی۔ اللہ تعالی نے مدد کی اسی رات سکھ پلٹن چلی گئی اور ان کی جگہ آنے والی مدراس پلٹن کے لوگ مورچوں میں اونگھ رہے تھے۔ اور اپنے حفاظتی امدادی فائر کے طور پر اس دن زیادہ ایمونیشن ہماری پلٹن کے پرانے پوزیشن بان کے جنگل پر پھونک رہے تھے۔ لیکن پلٹن وہ جگہ چھوڑ کر دشمن پر حملہ کرنے والی تھی اور فائر کی آواز نے الٹا ان کی مدد کی، کہ ان کی حرکت کی آوازیں دشمن نہ سن سکا، پس اللہ اکبر اور یا علی کی صدا، اور اسلامی نقاروں اور بگلروں کے ترنم میں ایسا جوش تھا، کہ وائرلیس سیٹوں میں جو ملاپ نہ ہو رہا تھا تو انہوں نے بھی بولنا شروع کردیا۔ دونوں کمپنی کمانڈر آزاد کشمیر کے میجر غلام رسول اور وادی سون سکسیر کے صوبیدار میاں محمد جہاندیدہ اور دوسری جنگ عظیم میں افریقہ کے محاذ پر داد شجاعت دے چکے تھے اور راقم کے استاد بھی رہ چکے تھے۔ وہ دونوں پچاس سال کی عمر کے ہونے والے تھے لیکن آج ان کو پر لگے ہوئے تھے کہ اللہ اور رسولؐ کے نام پر پہلی دفعہ اتنے بڑے حملے کی رہنمائی کر رہے تھے۔ مائین فیلڈز میں جو نوجوان ذرا جھجکتا تھا، تو وہ پکار اٹھتے تھے "آؤ بیٹا میرے پیچھے پیچھے آؤ" اور اللہ تعالی مجاہدین کیلئے مائین فیلڈز میں "گیپوں" کی نشاندہی کر رہا تھا۔ لیکن حوالدار نور الہیٰ جس کو کرنل نوشیروان نے حملہ سے پہلے ایک گرنیڈ دیا تھا کہ "بیٹا اس کا حق ادا کرنا" وہ زخمی ہو کر لیٹ گیا تھا، کہ حق نہ ادا ہوسکا۔ لیکن اس میں بھی راز تھا کہ لیٹتے ہی اس کو نزدیک دشمن کا مشین گن پوسٹ نظر آگیا۔ جس کے لئے وہ رینگتے ہوئے آگے

بڑھا اور اس کے پرخچے اڑا دیئے۔ اور کئی ایسے مجاہدوں کی بے شمار کہانیاں ہیں۔ کہ اللہ تعالی نے عزت رکھی۔ پہلا مرحلہ تھوڑے نقصانات کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔

دوسرا مرحلہ دوسرا مرحلہ ایک لحاظ سے مشکل ترین تھا۔ کہ حبیب اللہ کی بی کمپنی نے میجر غلام رسول کی کمپنی کے دائیں سے آگے نکل کر اپنے مقصود پر حملہ کرنا تھا۔ اس لئے اس کمپنی میں کرنل نوشیروان دو نوجوان سرداروں اور دو علویوں (یعنی ایک کہوٹہ کے علاقہ کے سید اکابر حسین (بعد میں برگیڈیئر) اور دوسرے پنڈ دادنخان کے علاقہ کے اعوان، سلیمان خان (بعد میں میجر) پر بھروسہ کر رہا تھا کہ وہ حق ادا کریں گے۔ یہ دونوں میرے عزیزان میں ہیں کہ مجھے اپنا لالہ بھی کہتے ہیں۔ غلام رسولؐ کی کمپنی اور توپخانے کے اٹھتے ہوئے فائر کے علاوہ ایک دوسرے کی مدد سے آگے بڑھ کر اس انوکھے حملے کی روئیداد پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ کہ مدراسیوں نے اسی وقت حالات کو نہ سمجھتے ہوئے غلام رسول کی کمپنی پر جوابی حملہ بھی کردیا جس کو بھارتی تاریخ والے خود بھی تسلیم کرتے ہیں۔ سید اکابر کی پلٹون نے ان کی جو گت بنائی اور جس طرح حواس باختہ ہو کر یہ لوگ واپس بھاگے۔ تو ان کی لاشیں میدان جنگ میں بکھر گئیں۔ توپخانے کے فائر نے دشمن میں کھلبلی مچا دی۔ کہ ڈائریکٹ اور ان ڈائریکٹ دونوں فائروں کو کیپٹن فرمان گولوں کی مار دیکھ کر کنٹرول کر رہا تھا۔ اور دشمن کو ہر پہاڑی سے پاکستانی توپیں چلتی سنائی دیتی تھیں اور بھارتی توپخانے کے اوپی مدراسیوں کے ساتھ بھاگ رہے تھے تو بھارتی گنوں کی رہنمائی کون کرتا۔ ہوائی جہاز البتہ مدد کو پہنچے تو توپخانہ کے صوبیدار۔ فتح محمد نے ۹۴۴۴ پوائنٹ سے سب ہتھیاروں کا فائر ان پر کھلوا دیا۔ اور ایک جہاز کو گولی لگی جس کا پائلٹ جہاز کو اپنے علاقہ میں موڑ کر چھتری سے زمین پر کود گیا۔ تو جہازوں نے آنا بند کردیا۔ اور لڑائی کے دونوں مرحلے مکمل ہوگئے۔

عظیم فتح اب لڑائی میں ٹھہراؤ تھا کہ ۱۷ انجنیئرز نے ۲۹، تک مائنز صاف کرنے تھے کہ ان کا انگریز کمانڈر میجر سلون بھی ساتھ آگیا۔ گو انگریزوں کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہ تھی لیکن اس نے مخیرق یہودی [18] کی مثال کی یاد آوری کرانا تھی، کہ وہ حضور پاکؐ کو حق پر سمجھتے ہوئے جنگ احد میں مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہوگیا اور جنگ میں مارا گیا۔ یہی کچھ میجر۔ سلون کے ساتھ ہوا، اور اس کو محاذ سے ایبٹ آباد لا کر بڑی عزت سے دفن کردیا گیا۔ ہم اس کو

خراج تحسین پیش کرتے ہیں ۔ لیکن اس کے لئے شہید کا لفظ [۱۹] استعمال نہیں کر سکتے کہ حضور پاکؐ نے مخیرق کے بارے اچھے کلمات فرمائے تھے لیکن شہید کا لفظ اس کے لئے استعمال نہ کیا۔ بہرحال ۸ جولائی کو ان دو مرحلوں کے بعد کوئی کارروائی نہ ہوئی، البتہ صوبیدار میاں محمد کی کمپنی پہلے مرحلہ میں اپنے مقصود سے زیادہ علاقے حاصل کر چکی تھی تو کرنل نوشیرواں نے سی کمپنی کے میجر ظفراللہ کو بتایا کہ تیسرے مرحلہ کیلئے احکام ۹ جولائی کی صبح کو دیئے جائیں گے۔ لیکن اس کی ضرورت نہ پڑی ۔ کچھ دشمن ۸ جولائی کو بھاگ گیا۔ اور رات کو دشمن پوائنٹ ۷۲۲۹ کو مکمل طور پر خالی کر گیا۔ جنگ کا نبض شناس [۲۰] کرنل نوشیروان سب کچھ بھانپ چکا تھا اور وہ خود پوائنٹ ۷۲۲۹ پر پہنچ گیا اور ظفراللہ کی کمپنی کو وہاں بلا بھیجا جنہوں نے اپنے مقصود سے آگے بڑھ کر چلہانہ گاؤں پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہ ایک عظیم فتح تھی اور سب کام معجزاتی طور پر ہوئے ۔ اپنے سات مجاہدین شہید ہوئے اور بیس زخمی ۔ بعد میں مائینز صاف کرتے تین اور مجاہدین شہید ہوئے اور ۵ زخمی ۔

چھنج کی فتح کے اثرات

چھنج کی فتح کے بعد کوئی بھارتی دریا کی اس طرف نہ ٹھہر سکا۔ گائیڈ پلٹن نے پہلے پوائنٹ ۹۲۲۷ اور بعد میں پوائنٹ ۷۸۰۲ پر قبضہ کر کے سارے بیاری جنگل کے علاقے اپنے قبضہ میں لے لئے۔ پانچویں ایف ایف نے رجمار گلی کی طرف سے پیش قدمی کر کے بنی والا ڈنہ کی کچھ پہاڑیوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ بھارتی اپنی شکست [۲۱] کو چند الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ پوائنٹ ۹۴۴۴ کو خالی رکھنا بڑی حماقت تھی اور برگیڈ کمانڈر سری نگر گیا ہوا تھا اور برگیڈ میجر کے مطابق مدراس پلٹن کا کمانڈر دل چھوڑ گیا۔ بہرحال اس زمانے میں یہ بھی معلوم ہوا کہ بھارتیوں نے کئی آدمیوں کے کورٹ مارشل کئے ۔ لیکن افسوس کہ ہمارے لوگوں نے اور جگہوں پر جو غلطیاں کیں کسی کو نہ پوچھا گیا اب ذرا تینتیسویں باب میں قارئین کرنل صدیق راجہ کی جھنگڑ پر حملہ میں قصائی والی کارروائی کا نوشیروان کی اس کارروائی سے موازنہ کریں ۔ بہرحال یہاں برگیڈیر حاجی افتخار احمد ۔ تینوں کرنل ۔ نوشیروان ، کریم داد اور سردار حسین ، دین دار آدمی تھے۔ اور یہی حالت برگیڈ میجر طور گل (بعد میں برگیڈئیر) اور متعدد افسران اور سرداروں کی تھی ۔ بلکہ سترہ پنجاب کا صوبیدار میجر غلام قاسم جو راقم کا استاد بھی تھا۔ اس نے ۷ جولائی سے لے کر ۹ جولائی تک کا زیادہ وقت سجدہ میں گزارا۔ کہ وہ بندوبست کے ذمہ دار تھے

اور حملہ میں ان کو شرکت کی اجازت نہ ملی ۔ بہرحال بھارتی اتنے زیادہ گھبرائے کہ جنرل تھمایا جو اس محاذ پر آنے سے " کتراتا " تھا۔ وہ ایک پلٹن کی کمک لے کر محاذ پر پہنچ گیا۔ کہ یہ لوگ اس کی " حفاظت " بھی کر رہے تھے ۔

بھارتیوں کی جارحانہ کارروائیاں

چنانچہ ۱۵/ ۱۴ جولائی کو بھارتیوں کی تین پلٹنوں نے بنی والا ڈنہ پر سخت یلغار کی اور بھارتی تاریخ [۲۲] کے مطابق گھمسان کا رن پڑا ۔ لیکن گائیڈ پلٹن اور پانچویں ایف ایف نے بھارتیوں کے منہ پھیر کر رکھ دیئے ۔ ۱۸/ ۱۷ جولائی کو بھارتیوں نے جو پانچویں ایف ایف پر حملے کئے اس کے لئے ایک راجپوت پلٹن اعلان کر کے رضاکارانہ طور پر آئی تھی ۔ جس کی مدد گڑھوالی پلٹن بھی کر رہی تھی ۔ لیکن بھارتیوں نے اتنی بری طرح مار کھائی کہ وائرلیس سیٹ پر اپنے مردے اٹھانے کیلئے تین گھنٹوں کی فائر بندی کی گزارش کی ۔ لیکن روشن ضمیر کرنل سردار حسین کو پونچھ کی غداری معلوم تھا۔ وہ فائر بندی پر تیار تھا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ بھارتی مردے ، مسلمان اٹھا کر ان کے حوالے کریں گے اور زخمیوں کو قیدی بنائیں گے ۔ لیکن بھارتیوں کی دلچسپی تو ہتھیار اور ایمونیشن تھا۔ اس لئے جب یہ چال پوری نہ ہوئی تو انہوں نے ہوائی جہازوں کی مدد مانگی ۔ لیکن کچھ حاصل نہ کر سکے اور بھارتی تاریخ میں اپنی ناکامی کو تسلیم کرتے ہیں ۔[۲۳] حالانکہ ہمارے مجاہدین نے بدبو ختم کرنے کیلئے سینکڑوں بھارتیوں پر مٹی ڈالی ۔ اور بھارتیوں کو ان شکستوں اور زبوں حالی کو جنرل کری آپا کی دہلی کو اس گزارش سے بہتر طور پر سمجھا جا سکتا تھا۔ کہ ان دنوں اس نے سری نگر محاذ کیلئے مزید کم از کم دو برگیڈ فوج کی امداد مانگی [۲۴] ۔

اپنی کارروائیاں

اب اس محاذ والے بھی ۲۵ پونڈز کی توپیں مانگ رہے تھے لیکن وہ بہت دیر کے بعد اگست ۱۹۴۸ء میں ملیں ۔ اگر وہ پہلے مل جاتیں تو گائیڈ پلٹن نے ۲۰/ ۱۹ جولائی کو بیاری پہاڑی پر جو حملہ کیا تھا وہ ضرور کامیاب ہو جاتا ۔ گائیڈ پلٹن کے اس ناکام حملے کی تفصیل میرے پاس موجود ہے اور یہ عاجز میجر خصیلی ۔ میجر شیخ ۔ میجر مسعود اور کیپٹن سرور اور ان کے ماتحتوں کو سلام کرتا ہے کہ انہوں نے جذبہ دکھانے میں کوئی حد نہ چھوڑی ۔ اور اب بھارتیوں کو ہمت نہ رہی کہ وہ اس محاذ پر کچھ کریں ۔ کرنل نوشیروان سترھویں پنجاب سے چند گز دشمن سے حاصل کرنے کیلئے " بینڈک چال " کو بھی استعمال کر کے اخروٹ والی ٹیکری پر قبضہ کرنے

کی تگ و دو میں رہا۔ اور ادھر پانچویں فرنٹیر فورس کی جگہ موجود پانچویں پنجاب آگئی تو کرنل۔ عبدالجبار اور میرے عزیز دوست کیپٹن (بعد میں برگیڈئیر) اسلم نیازی نے شمال میں سائرہ گلی وغیرہ کئی مقامات پر قبضہ کرلیا[۲۵]۔ اور نومبر کے وسط تک دسویں برگیڈ کی یونٹیں بھارتیوں پر اس محاذ پر چھائی رہیں، جب ۱۷ نومبر کو نئے برگیڈ نمبر ۱۰۴ نے اس محاذ کا چارج ان سے لے لیا۔ اس برگیڈ کے کمانڈر میرے محسن برگیڈیر گلزار احمد تھے جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اور دسویں برگیڈ کو قاضی باقر لایا گیا۔ کہ ہم "سرپھروں" کو خاموش کرنے کی ضرورت تھی کہ ہم بھارت پر بڑا حملہ کرنے والے ہیں۔ اور مقصد آتش بازی کا ڈرامہ تھا۔ کہ ہم اس لئے فائربندی کررہے ہیں کہ کشمیر ہمیں "تحفہ" کے طور پر مل رہا ہے[۲۶]۔ یہ کہانیاں آگے آرہی ہیں۔

حوالہ جات

(۱)۔ پنڈورا باکس صفحہ ۱۲۔ (۲)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۴۴ تا ۱۴۶۔ (۳)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۶۱ تا ۱۶۲ (۴)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۴۳ تا ۱۴۴۔ (۵)۔ ایضاً صفحہ ۱۴۹۔ (۶)۔ ایضاً صفحہ ۱۴۵۔ (۷) ایضاً صفحہ ۱۴۴۔ (۸)۔ اپنی سرکاری تاریخ کا بیان مہمل اور بغیرترتیب کے ہے یہ کچھ اس عاجز کی اپنی تحقیق ہے۔ (۹)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۹۲۔ (۱۰)۔ ایضاً صفحہ ۱۹۵ تا ۱۹۶۔ (۱۱)۔ پاک فوج کی کہانی از جنرل فضل مقیم صفحہ ۱۱۸۔ (۱۲)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۴۶ تا ۱۴۹۔ (۱۳)۔ سرکاری تاریخ کے علاوہ جنرل فضل مقیم نے بھی دوست محمد کو خراج تحسین پیش کیا صفحہ ۱۱۴۔ (۱۴)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۹۴۔ (۱۵)۔ ایضاً صفحہ ۱۹۴ تا ۱۹۵۔ (۱۶)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۵۲۔ (۱۷)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۹۵۔ (۱۸)۔ حضور پاکؐ کا جلال و جمال صفحہ ۳۰۳۔ (۱۹)۔ شہادت کا فلسفہ وسیع مضمون ہے۔ حضور پاکؐ کے جلال و جمال صفحہ ۳۰۲ سے استفادہ کریں۔ (۲۰)۔ نبض شناسی کا وسیع مضمون پاکستان آرمی جرنل جون ۱۹۹۰ء کے شمارہ میں ہے۔ (۲۱)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۹۶ تا ۱۹۹۔ (۲۲)۔ ایضاً صفحہ ۲۰۲۔ (۲۳)۔ ایضاً صفحہ ۲۰۳۔ (۲۴)۔ ایضاً صفحہ ۱۱۔ (۲۵)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۶۸۔ (۲۶)۔ یہ الفاظ لیاقت علی نے لیفٹیننٹ کرنل (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) حبیب اللہ کو فون پر کہے اور ۱۲ جولائی ۱۹۹۱ء روزنامہ اخبار نیوز میں حبیب اللہ کے ایک مضمون میں تھے۔ یہ لیاقت کی نادانی تھی یا وہ سازش کی کڑی تھا یہ فیصلہ قارئین پوری کتاب پڑھنے کے بعد کریں۔

چھتیسواں باب

اوڑی محاذ۔ بھارت کی جارحانہ کارروائیاں

مئی۔ جون ۱۹۴۸ء

لیاقت علی کی "ٹھک ٹھک"

تیرھویں باب اور دسمبر ۱۹۴۷ء کے بعد اب مئی۔ ۱۹۴۸ء میں بہت دیر کے بعد ہم اوڑی محاذ پر واپس آئے، کہ ان پانچ ماہ میں لیاقت علی کی سیاسی ضرورت کے مطابق اس اہم محاذ پر ہم "ٹھک ٹھک" کرتے رہے۔ اور دوسرے محاذوں خاص کر ساتھ پونچھ اور اوپر ہندواڑہ کے محاذوں کی ہماری کارروائیوں نے بھارتیوں کو بھی مجبور کردیا کہ وہ یہاں "دبکے" بیٹھے رہیں۔ اور دراصل ہمارے لئے فروری سے لے کر اپریل کے آخری ہفتے تک بھارتیوں کی فوجی مشین کو تباہ کرنے کے لئے ہر محاذ پر بہترین مواقع تھے لیکن افسوس ہمیں کچھ نہ کرنے دیا گیا۔ اس کے بعد بھارت کچھ کرنے کے قابل ہوگیا تھا۔ اور ہمارے بیچ ہمارے انگریز جنرل "باخبر" بھی تھے اور اپنی "سرخروئی" کیلئے کچھ باتیں بتا بھی دیتے تھے۔ انگریزوں کے "خصوصی ایجنٹ" کرنل صدیق راجہ کے اس عاجز کو جو کاغذات ملے۔ ان میں لکھا ہوا ہے کہ مئی کے وسط میں ان کو ان کے انگریز ڈویژن کمانڈر نے ایک پارٹی میں بتایا کہ اب نوشہرہ۔ جھنگڑ محاذ سے ہٹ کر بھارتی اوپر اوڑی۔ ٹتھوال محاذ پر ایک بہت بڑی "رائیٹ حک" مارنے والے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ اپریل کے آخری ہفتہ سے یہ جنرل کشمیر کے محاذ کا چارج سنبھال چکا تھا۔ لیکن اس نے بھارتیوں کو روکنے کی بروقت کارروائی نہ کی۔ اور مزید افسوس ہوتا ہے، کہ اب تک ہمارے جنرل نوابزادہ شیر علی۔ جنرل حبیب اللہ خٹک اور برگیڈئیر شمس الحق قاضی اس جنرل ٹاٹنھم کے حق میں مضمون لکھ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں لیاقت علی اور ظفر اللہ کا دفاع کیا جاتا ہے۔ تو اس چھوٹے سے میجر کی بات کو کون مانے گا۔ اس لئے میں نے پوری کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا کہ اپنے "افلاطونوں" کو کچھ لگام دے سکوں اور اپنی جاہل قوم

کو باور کراؤں کہ ہمارے دشمن کون تھے اور ان کے "جانشین" اب بھی ہمارے اندر بیٹھے ہیں

اوڑی محاذ (۱۹۴۸ء کے پہلے چار ماہ کے حالات کا خلاصہ) بھارتی تاریخ کے مطابق اوڑی محاذ پر متعین ۱۶۱ بریگیڈ کمانڈر بریگیڈیئر سین، ۱۹ دسمبر ۱۹۴۷ء سے مظفر آباد کو فتح کرنے کی تجاویز بنا رہا تھا [1] اور جواہر لعل نہرو بار بار ڈومیل پہنچنے کے احکام دے رہا تھا، لیکن اکبر خان طارق جو اس محاذ پر تدبیراتی روایات چھوڑ آیا تھا۔ یا طارق ہیڈ کوارٹر میں آکر تزویراتی یا حکمتِ عملی کے کام کئے اس سے بھارتی بے بس ہوگئے۔ حالانکہ ان سارے چار ماہ میں بھارتیوں کے مقابلے میں ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق چکوٹھی کے مقام پر ہمارا ٹوٹا پھوٹا آزاد ہیڈ کوارٹر تھا [2] اپنی تاریخ نے ان پلٹنوں میں سے جو وہاں کام کرتی تھیں ایک جگہ ان کو تیسری اور چوتھی پونچھ بٹالینز کا نام دیا ہے اور دوسری جگہ باغ بٹالینز [3]۔ بہر حال یہ تیسری پلٹن اوڑی۔ پونچھ روڈ کے چرندہ۔ سلی کوٹ اور ہتھلنگا کے علاقوں میں تھی اور سلام آباد کے جنگلات یا گوہالن کا پہاڑی علاقہ بھی اسی پلٹن کی ذمہ داری تھی، کہ ساتھ خیبر رائفلز کی چار پلٹونیں بھی تھیں۔ چوتھی جس کو آزاد پلٹن بھی کہا گیا ہے وہ کیپٹن غلام رسول کے ماتحت چھوٹا قاضی ناگ سے دریا کے کنارے شاہدرہ تک متعین تھی۔ اور کھڑی وخیال ڈوری کی گیارہ ہزار بلند چوٹیاں ان ہی کی ذمہ داری میں تھیں کہ محسود لشکر وزیرستان سکاؤٹس اور کرم ملیشیا والے بھی ان کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔ دوسری مظفر آباد آزاد پلٹن سگنہ سے چرندہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور ساتھ دردکوٹ میں ایک محسود لشکر بھی تھا۔ ان لوگوں کے پاس کچھ پکی اور درہ کی بنی ہوئی رائفلیں، چند [illegible] ایل ایم جیز اور ایک آدھ ۳ انچ مارٹر ہوتی تھی۔ اور نفری فی پلٹن چار پانچ سو کے لگ بھگ [illegible]۔ کھانے کیلئے سول سپلائز سے کچھ آٹا۔ دال اور آلو مل جاتے تھے اور زیادہ گزارہ گڑ چنے پر ہوتا تھا۔ بہر حال ان لوگوں کی بھارت کے ساتھ جھڑپوں کا ہمارے پاس کوئی ریکارڈ نہیں، اور ان عظیم مجاہدین کی کارروائیاں آگے بھارتی تاریخ کے حوالوں سے ہمارے سامنے آئیں گی۔

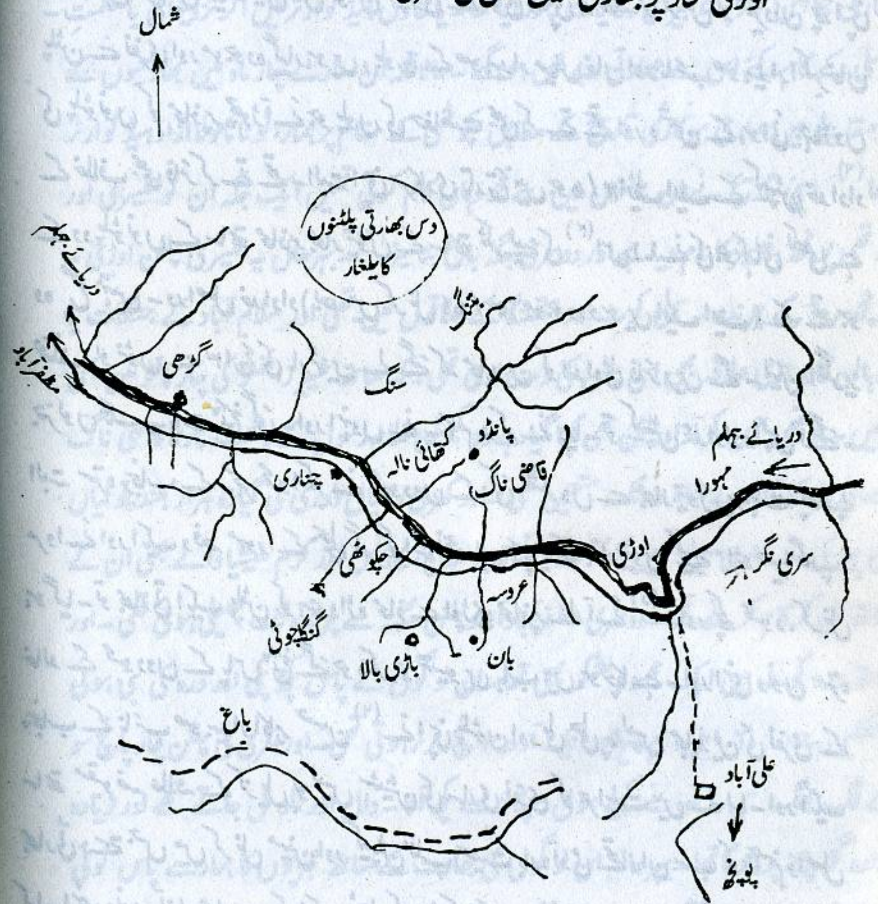
باقاعدہ فوج کا بھونڈا استعمال انگریز جنرلوں کی عجیب وغریب پالیسیاں تھیں کہ

دور دراز پہاڑوں میں اپنی باقاعدہ فوج کے محدود استعمال کی اجازت، انہوں نے فروری ۱۹۴۸ء میں دے دی، بلکہ سترہ پنجاب کے کرنل نوشیروان کو جنوری ۱۹۴۸ء میں اجازت مل گئی کہ وہ اوڑی محاذ کی دیکھ بھال کر کے فوج کے محدود استعمال کی تجاویز بنائے۔ کہ اس وقت دسویں بریگیڈ کا کمانڈر ایک ایم ای مجید بنگالی تھا جو "سفارش" کی وجہ سے اس عہدہ پر پہنچا اور سفارش سے جنرل بھی بن گیا۔ لیکن اس کو فن سپہ گری سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ تو کرنل نوشیروان کچھ اپنی پلٹن سے نفری اور موجودہ گیارہویں، بلوچ کے صوبیدار میاں خان اور نائب صوبیدار اکبر خان کی پلٹونوں کو محاذ پر چھوڑ آئے جو پلوں کی حفاظت بھی کرتے تھے اور دشمن کے ہوائی جہازوں کے خلاف بھی فائر کرتے تھے۔ البتہ اپنی سرکاری تاریخ میں جو ۵ / ۱۲ ایف ایف کے کیپٹن خداداد کے دو پلٹونوں کے ساتھ محاذ پر بھارتیوں کے ساتھ ٹکر لینے کی [4] اس زمانے کی جو کہانی لکھی ہے وہ صحیح نہیں۔ دراصل خداداد (بعد میں کرنل) ۵ / ۱۳ (موجودہ دسویں ایف ایف) کے تھے جو مختلف یونٹوں سے ۳ انچ کی مارٹریں لے گئے کہ مجاہدین کو امدادی فائر دیں گے۔ لیکن انگریز جنرلوں تک یہ بات پہنچ گئی۔ اور انہوں نے یہ کام نہ کرنے دیا۔ تو کیپٹن خداداد واپس آگئے۔ البتہ سترہ پنجاب کے میجر محمد اکبر نے محسودوں کے کئی لشکروں سے بھارتیوں پر بہت چھاپے مروائے اور ایک دفعہ مہورا کے بجلی گھر کو اتنا نقصان پہنچایا کہ بھارتیوں کیلئے "اندھیر اگھپ" ہو گیا۔ تو بھارتی ایک پلٹن کو ہندواڑہ محاذ سے اوڑی محاذ پر لے آئے [5]۔ اور کچھ محسود، کرنل خالد کے محسودوں کے پاس پہنچ گئے جو ذکر چوتیسویں باب میں ہو چکا ہے۔ اور انہی دنوں سترہ پنجاب کے نائب صوبیدار اکابر حسین [6] نے اپنی پلٹون اور ملی جلی چالیس مجاہدین کی نفری کے ساتھ مقبوضہ علاقہ کے کزیل پولیس سٹیشن کی ساری نفری کو حراست میں لے لیا۔ اور ایک بھارتی دستے جس میں کرنل مینن اور کیپٹن فلپ سمیت بارہ آدمی تھے، ان سب کو جہنم واصل کیا۔ انہی دنوں آزاد مجاہدین کی ایک ٹولی کو لے کر ایک پینشنر صوبیدار غلام رسول نے "بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی" والے فلسفہ کو صحیح ثابت کیا۔ کہ بھارتی چوکی سے ہتھیار چھین کر یہی ہتھیار ان کے خلاف استعمال کرنے شروع کر دیئے۔

بھارتیوں کا بیان بھارتی تاریخ میں تمام جھڑپوں کی بہت تفصیل ہے [7]۔ اور وہ مہورا

نقشہ بیست سوم

اوڑی محاذ پر بھارتی پیش قدمی کی آخری کوشش



سکیل ایک انچ برابر چار میل

سیکٹر میں چھ اور اوڑی سیکٹر میں بارہ یعنی کل ۱۸ فوجی چوکیوں کے ذکر کر کے ثابت کرتے ہیں کہ وہاں پر پانچ پلٹنیں تعینات تھیں ۔ اور وہ ہمارے پندرہ ۔ بیس حملوں کا ذکر کرتے ہیں ۔ اور ہمارے ایسے ۱۸ مارچ، ۱۹ مارچ، ۲۲ مارچ، ۷ اپریل اور ۱۰ اپریل کے بھارتی گشتی دستوں کو گھیرے میں لینے یا چوکیوں پر حملہ کی تفصیل کے علاوہ اپنی گڑھوالی پلٹن کے پوائنٹ ۷۷۰۶ پر جوابی حملہ کی تفصیل میں جاتے ہیں ۔ جس میں اپنا جانی نقصان ۸ آدمی بتاتے ہیں اور ہمارے ۲۴ مجاہدین کو شہید کرنے اور ۳۶ کو زخمی کرنے کا دعوی بھی کرتے ہیں ۔ لیکن زیادہ تفصیل ہمارے محسودوں کے مہورا کے گرد و نواح میں کچھ مقامات پر قبضہ کر لینے کی بتاتے ہیں ۔ کہ گو انہوں نے فرنٹیر وار فیئرز کی طرح کالمیں نکالیں لیکن اپنی تاریخ میں اس کو بڑی تدبیراتی پیش قدمی کا نام دیتے ہیں ۔ ہمارے سید اکابر کے مقابلے میں اپنے کرنل مینن کی ہلاکت کی کہانی پڑھ کر تو ہنسی آتی ہے کہ صرف تین آدمیوں کے مارے جانے کا ذکر کرتے ہیں ۔ اور باقی سات کے گم ہو جانے کا ذکر کر کے آگے کہتے ہیں شاید انہوں نے دریا میں چھلانگ لگا دی ۔ اب قارئین اس قوم کے کردار کے سلسلہ میں کیا کہیں گے کہ خواہ مخواہ بھی جھوٹ بولے بغیر گزارہ نہ کریں گے ۔

جنرل طارق اب بریگیڈیر اکبر خان کے طور محاذ پر:۔ مئی ۱۹۴۸ء کے پہلے ہفتہ میں دسویں بریگیڈ کی سترہ پنجاب کی بجائے، کوہاٹ بریگیڈ نمبر ۱۰۱ کی موجودہ ساتویں ایف ایف کو کرنل بشیر احمد کے ماتحت اوڑی محاذ پر اور گائیڈ پلٹن سے کیپٹن اقبال کی ایک کمپنی کو ٹٹھوال محاذ پر تعینات کر دیا گیا ۔ اور بریگیڈیر اکبر خان کو سارے محاذ کی غیر سرکاری طور پر ذمہ داری دے دی گئی (۸) بریگیڈ ہیڈ کوارٹر او جھڑی کیمپ پہنچ گیا ۔ دوسری پلٹن موجودہ آٹھویں ایف ایف تھی ۔ اور تیسری پلٹن گائیڈ کو بعد میں ٹٹھوال محاذ پر دسویں بریگیڈ کا حصہ بننا پڑا ۔ او واس کی جگہ ایبٹ آباد سے دسویں بریگیڈ کی پلٹن موجودہ گیارہویں بلوچ، ۱۰۱ بریگیڈ کا حصہ بن گئی ۔ ساتھ ۶۸ فیلڈ انجنیئر اور ۶۲۷ جی ٹی پلٹون وغیرہ بھی تھیں ۔ دسویں بریگیڈ کا انتظامی معاملہ ایبٹ آباد سے آسان تھا ۔ لیکن اکبر خان کے بریگیڈ کو مری میں اپنا بندوبست خود کرنا پڑا، کہ راولپنڈی سے ساتواں ڈویژن، پنڈی چھاونی کو وار سسٹم پر لے آنے کو تیار نہ تھا ۔ بہرحال اکبر خان نے پہلے اپنا ہیڈ کوارٹر مری میں بنایا ۔ جس کو بعد میں چکوٹھی لے گئے اور گو، وہ اس محاذ پر سیکشن کمانڈر

کاکام بھی کرتے رہے۔ لیکن بر گیڈ کمانڈر کے طور پر وہ پہلے افسر تھے جو کشمیر محاذ پر اپنے ہیڈ کوارٹر
کو بھی لے گئے۔ اور دن رات محاذ پر گزر بسر کی۔

زمینی پہلو اب ہم اس اور اگلے دو ابواب میں کشمیر محاذ کی سب سے بڑی دو طرفہ ٹکروں کو
زیر بحث لا رہے ہیں، تو قارئین اس محدود علاقے کو نقشہ بیست سوم اور نقشہ بیست چہارم کی
مدد سے سمجھنے کی کوشش کریں اور زمینی حالات یہ ہیں کہ دریائے جہلم یا سڑک کے شمال کی
طرف کافرکھن پہاڑ، اور قاضی ناگ کی پہاڑیاں ہیں۔ جن میں چھوٹا قاضی ناگ ۷۶۵۰ فٹ۔
خیال ڈوری ۹۸۲۶ فٹ، شاکلیاں ۱۲۶۰۰ فٹ اور گراجا گلی ۱۲۵۲۰ فٹ تقریباً ایک سیدھ میں ہیں۔
البتہ پہاڑی کی ایک شاخ مغرب میں سفیدہ جنگل کے علاقے سے گزر کر پانڈو کی چوٹی ۹۱۷۸ پر جا
کر ختم ہو جاتی ہے۔ تو پانڈو کی چوٹی یا سلسلہ مشرق میں اوڑی تک اور مغرب میں کتھائی تک
آہستہ آہستہ ڈھلوانیں اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ جنوب میں دریا کی طرف سے ایک ۷۰۰۰ فٹ بلند
کھڑی چٹان (وندی) سے مغرب کی طرف سے براستہ کتھائی نالہ اور مشرق کی طرف سے میدان
نالہ کے ذریعہ ہی سے پانڈو کی چوٹی پر پہنچ سکتے ہیں۔ البتہ چرواہوں یا بکریوں کی "گزرگاہوں" کو
سخت جان لوگ استعمال کر لیتے ہیں اور گرمیوں کے موسم میں کچھ گلیات یعنی کندیاں، ڈنگہ،
لارا، اور ایشم جو تقریباً دس ہزار فٹ بلندی پر ہیں، ان کو استعمال کیا جا سکتا ہے اس علاقے کے
چند اہم مقامات جن سے ہمیں واسطہ پڑے گا، وہ بب ڈوری، ناروجیاں، نانگا ٹاک، سنگ،
پوائنٹ ۶۸۷۳، خیطرنڑیا خیتر ناڑ، چم اور چتریاں وغیرہ ہیں۔ اوڑی اور کتھائی کے درمیان
دریائے جہلم ایک تنگ گھاٹی سے گزرتا ہے۔ اور سڑک بھی زیادہ تر دریا کے جنوب میں ہے اور
جو نالے پیر پنجال سے آکر دریا میں گرتے ہیں ان پر پلیں ہیں جن میں زیادہ لکڑی کی بنی ہوئی ہیں
اور دریائے جہلم کو آر پار کرنے کیلئے کئی رسوں کی پلیں ہیں۔ آبادی دونوں طرف ہے اور شمال
میں سلطان ڈھکی، شاہدرہ، کھلابٹ، ریوند، اودم، پہل، میرا، کوٹلہ راج خوا، گوجر بانڈی اور
کتھائی کی آبادیاں ہیں۔ جنوب کی طرف کئی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بھی ہیں جن کی چڑھائیاں بھی
کھڑی نہیں اور اونچائی بھی تین ہزار فٹ تک ہے۔ اس طرف سلام آباد، فلگئی، ایشم، عروسہ،
آپی، چکوٹھی، ملان اور چناری کی آبادیاں ہی۔ اوڑی سے چناری تقریباً بیس میل ہے۔ اور چکوٹھی

اندازاً درمیان میں ہے۔ بھارتیوں نے جنوبی علاقے کا صحیح استعمال نہ کیا کہ ان کی تاریخ کے
مطابق ان کی جنوب کی طرف "کوشش" حاجی پیر کے مقام پر جا کر بکھر گئی [9]۔

۱۰۱ بر گیڈ کی ذمہ داری اپنی سرکاری تاریخ کے مطابق اکبر خان کے بر گیڈ کی ذمہ داری
سو میل چوڑے محاذ پر تھی [10]۔ البتہ دسویں بر گیڈ کے ٹیٹوال آجانے کے بعد یہ ذمہ داری آدھی
رہ گئی۔ آزاد یونٹوں کی تعیناتی بیان ہو چکی ہے۔ اب ساتویں ایف ایف کے کرنل بشیر احمد نے
چکوٹھی کو اپنا مرکز بنایا۔ میرے دیرینہ دوست صوبیدار حبیب خان کی اے کمپنی کو فلگئی اور
سلطان ڈھکی کے علاقہ میں میرے جاننے والے میجر سیدان گل کی بی کمپنی عروسہ کے مقام پر، اور
میجر گل خان کی ڈی کمپنی ایک قبائلی لشکر کے ساتھ دردکوٹ اور پوائنٹ ۷۳۰۶ پر۔ اور سی کمپنی
ریزرو میں چکوٹھی کے پاس دفاع کی دوسری لائن میں تھی۔ امدادی فائر کیلئے صرف دو توپیں تھیں
اور اپنی ایک ۳ انچ مارٹر کو آگے سلام آباد میں رکھا ہوا تھا۔ اپنی ساری پوزیشنوں کا پھیلاؤ اتنا
زیادہ تھا، کہ وہ ایک دوسرے کو باہمی امداد نہ دے سکتے تھے۔ یعنی Mutual Support کا
بڑا اصولی مجبوری سے قربان کیا ہوا تھا۔ کہ بھارتیوں نے ۲۰/۱۹ مئی کو ایک بہت بڑا حملہ کر دیا
تھا۔

دشمن کی تجاویز اور ارادے اپنی سرکاری تاریخ [11] کے مطابق اس حملہ میں گیارہ
پلٹنیں، ایک ٹینکوں کا سکواڈرن اور توپخانہ کی ایک فیلڈ اور ایک پہاڑی رجمنٹ شامل تھیں۔
یہ پلٹنیں ۷۷ اور ۱۶۱ بر گیڈ میں بٹی ہوئی تھیں۔ لیکن توپخانہ کا امدادی فائر اور ٹینکوں کی امداد سب
کیلئے تھی۔ ۷۷ بر گیڈ نے مہورا بجلی گھر سے چھوٹا قاضی ناگ اور پانڈو کی طرف اور ۱۶۱ بر گیڈ نے
اوڑی سے چکوٹھی کی طرف پیش قدمی کرنا تھی۔ جارحانہ عمل ۱۲ مئی سے شروع تھا۔ جب سلام
آباد اور سلطان ڈھکی پر حملے کئے۔ اور ۱۴ مئی کو دوبارہ اس کارروائی کو دہرایا۔ ۱۵ مئی کو پنڈت
نہرو نے خفیہ دورہ کر کے حملہ آوروں کی حوصلہ افزائی کی۔ اکبر خان اور نوشیروان کی کارکردگی کو
کم تر دکھانے کیلئے یہ شوشہ بھی چھوڑا گیا، کہ بھارتی صرف ٹیٹوال اور چکوٹھی تک جانا چاہتے تھے
اور ان کا مظفر آباد فتح کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ تو اکبر خان کو اپنی کتاب میں [12] لمبے چوڑے
ثبوت پیش کرنے پڑے کہ بھارتیوں کا ہدف مظفر آباد تھا۔ لیکن اب بھارتی تاریخ [13] میں سب

کچھ تسلیم کیا گیا ہے اور وہ اس کارروائی کو "ڈبل تھرسٹ" کہہ کر چناری تک پہنچنے کے پانچ مرحلوں کی تفصیل میں بھی جاتے ہیں ۔البتہ اپنے مقابلے میں ہماری پلٹنوں میں صرف ساتویں ایف ایف اور بہت بعد میں آنے والی صدیق راجہ کی پلٹن کی صحیح نشاندہی کرتے ہیں لیکن سترہ پنجاب کو ٹٹھوال کی بجائے اوڑی میں دکھاتے ہیں ۔اور کافی غلط بیانیوں سے کام لیتے ہیں [۱۴] ۔

اپنی تجاویز اکبر خان اپنی کتاب [۱۵] میں اوپر سے مہمل احکام کا ذکر کرتے ہیں "کہ دشمن کی پیش قدمی کو روکا جائے ۔لیکن نہ یہ ذکر ہے کہ کن مقامات کو ہر حالت میں بچایا جائے ۔یا کون کون سے مقامات سخت دباؤ کے بعد چھوڑے جاسکتے ہیں "آگے وہ ٹٹھوال کے علاقہ میں بروقت فوج نہ بھیجنے کی کوتاہی اور اس کے الگ سیکٹر بن جانے کی جھلکی دیتے ہیں ۔لیکن کتاب کا بارہواں باب [۱۴] البتہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے ۔جس کی ایک جھلکی سولھویں اور اٹھیسویں ابواب میں بھی دی جاچکی ہے کہ ایک سازش کے ذریعہ سے ۱۵ مئی [۱۷] ۱۹۴۸ء کو اکبر خان کو اس محاذ سے ہٹا کر شمالی علاقوں میں بھیجنے کی کوشش بھی کی گئی ۔جو پروان نہ چڑھی ۔اکبر خان کی کتاب کے چند اور الفاظ یہ ہیں ۔"اوڑی کے محاذ پر ہماری نفری شدید حملے کا مقابلہ کرنے کیلئے ناکافی تھی ۔تو میں نے سوچا جب دشمن پیش قدمی کرے گا، تو اس پر قبائلی اور آزاد مجاہدین سے اس کے پہلوؤں پر حملے کرا کے اس کو اس طرح پریشان کروں گا کہ دشمن کی طاقت سڑک سے ہٹ کر پہاڑوں میں بکھر جائے گی اور ہم ان مجاہدین کو کوہالہ ۔باغ والے راستے سے سپلائی کا سامان بھیجیں گے ۔اوپر والوں نے یہ تجویز منظور کرلی ۔تو مقامی لوگوں نے بغیر اجرت کے ہمارے انجنیئرز کی ایسی مدد کی کہ چند دنوں میں ٹرکوں کی آمدورفت کیلئے پچاس میل سڑک بھی بن گئی "تو ظاہر ہے سب کچھ اکبر خان نے کیا ۔ورنہ ٹاٹھم اور گریسی تو لمبی تان کر سوئے ہوئے تھے ۔اس کے بعد اکبر خان آنے والے حملہ کی پیش بینی کرتے ہوئے ساتویں ایف ایف کی مدد کیلئے آٹھویں ایف ایف کی ایک کمپنی بھیج دیتے ہیں ۔کہ اس کے چند گھنٹے بعد (۲۰ مئی ۱۹۴۸ء) ان کو دشمن کے سخت حملوں کی خبریں مل جاتی ہیں ۔اور اوپر والوں سے اجازت لے کر وہ خود آگے والے محاذ پر پہنچ جاتے ہیں ۔

محاذ پر جنگ کا رنگ محاذ پر ساتویں ایف ایف کا کرنل بشیر احمد بھی چوکنا تھا ۔اور

ہماری سرکاری تاریخ [۱۸] کے مطابق انہوں نے نویں پنجاب کے میجر خورشید کے ماتحت محسودوں کے ایک لشکر کو سلطان ڈھکی سے آگے اور پرانے سولھویں گروپ کے کیپٹن محمد جان کو ایک لشکر کے ساتھ چرندہ کے آگے دشمن کی متوقع اجتماع والی جگہوں پر بھیج دیا ۔بلکہ پرانے فسٹ پنجاب گروپ کے کیپٹن (بعد میں برگیڈیئر) رضوی اور ایک کیپٹن اکرم کو دشمن کے عقب میں کارروائیوں کیلئے بھیج دیا ۔جن کے چھاپے کامیاب رہے اور انہوں نے آکر خبر دی کہ دشمن نے ۱۸ مئی کو ہندواڑہ سے ٹٹھوال کی طرف پیش قدمی شروع کردی ہے ۔اور پھر ۲۰ مئی ۱۹۴۸ء کو پو۔ پھٹنے سے پہلے سارا اوڑی محاذ بھارتی توپوں کے فائر کی آواز سے گونج اٹھا ۔اور متوقع حملہ شروع ہوگیا، جو دو پلٹنوں کے فرنٹ پر دریا کے جنوب اور شمال دونوں طرف تھا ۔گھمسان کا رن پڑا ۔ بھارتی پیدل دستوں کو محدود کامیابی ہوئی ، لیکن ساتویں ایف ایف نے ایک ٹینک کو برباد کر کے تمام پیش قدمی کو روک دیا ۔گو سارا دن ہوائی جہاز ہماری پوزیشنوں پر حملہ کرتے رہے لیکن ۲۰ مئی کی شام تک صرف خیال ڈوری کی طرف کامیابی کے علاوہ بھارتی کچھ زیادہ نہ حاصل کرسکے ۔دوسرے دن بھارتی سڑک پر سے ایشم کے مقام تک رکاوٹیں دور کرتے رہے ۔اور میجر ۔ گل خان کی پوزیشن پر سخت حملوں کے باوجود کچھ زیادہ کامیابی نہ حاصل کرسکے ۔صرف خیال ۔ ڈوری کی طرف سے ٹوچی سکاؤٹس نے بے ترتیب پسپائی کے بعد چھوٹا قاضی ناگ کی طرف آنا شروع کردیا تو ۲۱ مئی کو سورج غروب ہونے کے بعد حالات کچھ تشویشناک ہوگئے کہ آگے سے سب سولین مجاہدین دائیں بائیں ہٹ گئے اور اب ساتویں ایف ایف کا دشمن کے ساتھ آمنا ۔ سامنا ہوگیا ۔خیال ڈوری سے بھارتی آگے بڑھ کر چکوٹھی کی بجائے پیچھے چناری کیلئے بھی خطرہ پیدا کرسکتے تھے ، لیکن اکبر خان نے جو آٹھویں ایف ایف کی ایک کمپنی ادھر بھیج دی تھی ۔اس نے حالات کو سنبھالا دے دیا ۔اب اکبر خان خود محاذ پر پہنچ گئے اور برگیڈ کی تیسری پلٹن یعنی گائیڈ پلٹن کی بجائے جو انہیں گیارہویں بلوچ پلٹن ملی تھی اس کو بھی آگے محاذ پر منگوا لیا ۔اور پھر وہ اپنے تاثرات کی یہ تصویر کھینچتے ہیں [۱۹] ۔"وہی پرانی افراتفری تھی ۔شہری مظفرآباد سے اور دیہاتی ریوڑ ہانکتے چکوٹھی سے بھاگ رہے تھے ۔بلکہ ٹوچی سکاوٹس کی دو پلٹونیں اور ایک ڈاکٹر بھی بھگوڑوں میں شامل تھے ۔لیکن مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ ساتویں ایف ایف کا بٹالین

کمانڈر۔ اس کے افسر اور جوان ثابت قدم تھے اور پورے جذبہ سے لڑ رہے تھے" (زندہ باد ساتویں فرنٹیر فورس)

اکبر خان میدان جنگ میں اکبر خان کہتا ہے اس کا تجربہ تھا کہ چکوٹھی ایک نہایت اعلیٰ دفاعی حصار ہے تو اس کو بچانا ضروری تھا۔ رات اس نے ایک کھڈے میں گزاری۔ اور اپنے انٹیلیجنس افسر سے کاغذات منگوا کر طرفین کی طاقت کا موازنہ کیا۔ گیارہ بھارتی پلٹنوں کے مقابلے میں اس کے پاس تین پلٹنیں تھیں۔ چوبیس بھارتی توپوں کے مقابلے میں اس کے پاس دو توپیں تھیں اور بھارتی بکتر بند طاقت یا ٹینک توڑ توپوں یا ہوائی جہازوں کے مقابلے میں اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ تو جنگ کے نبض شناس اکبر خان نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی یونٹوں یا جوانوں کو بھارتی ٹڈی دل فوج سے دوبدو مقابلہ نہ کرنے دے گا کہ بھارتی کسی بھی دفاعی لائن کے پرخچے اڑا سکتے تھے۔ چنانچہ اس نے دائیں بائیں سے حملے کر کے بھارتیوں کی طاقت کو بکھیر دیا۔ اگر بھارتی اکبر خان کے رد عملوں پر نہ ناچتے اور اپنی طاقت کو مرکوز رکھتے تو اکبر خان پیش قدمی کرنے والوں کے عقب پر حملے کرتا۔ علاوہ ازیں چکوٹھی سے پہلے اکبر خان نے پانڈو کے علاقے کو بھی دفاعی حصار بنانے کی بات کو سوچ رکھا تھا۔ لیکن اس کا وقت اب گزر چکا تھا۔ اس لئے اکبر خان نے گیارہویں بلوچ کو بب ڈوری پر متعین کیا کہ پانڈو پر نظر رکھیں۔ اور تیسری پلٹن یعنی آٹھویں ایف ایف کو باغ کی طرف متعین کیا تھا کہ وہ لوگ بھارتیوں کی "سدرن سویپ" یعنی جنوب سے "جھاڑو" دینے کی کارروائی کو روکیں۔ انگریز کشمیر کے جنوبی محاذ پر برگیڈیر اعظم خان کو "باندھ" کر لڑاتے رہے۔ لیکن اکبر خان نے ان کو اپنے معاملات میں ہرگز دخل نہ دینے دیا اور اکبر خان کی سوچوں اور طریق کار یا اتنے بڑے محاذ کو کنٹرول کرنے پر اس عاجز نے تحقیق کر کے ایک بہت بڑے مضمون کا مواد اکٹھا کر لیا ہے۔ لیکن اختصار میری مجبوری ہے۔

لڑائی کی صورت حال بھارتیوں نے ۲۲ مئی دوپہر کے وقت اپنی جارحانہ کارروائیوں میں جان ڈالنے کی کوشش کی، تو کرنل بشیر نے ان کے دانت کھٹے کیے۔ چتاری سے میجر ابراہیم شاہ کے ماتحت شان پلٹن کی نئی ترتیب یافتہ ایک صد نفری کو آگے لایا گیا۔ اور اپنے میجر محمد۔

شریف (اب مرحوم و مغفور اور میرے کرم فرما کرنل محمد ظریف کے بھائی اور میرے ہم سفر) کے ماتحت ان کو پانڈو بھیجا گیا۔ اور چوتھی آزاد پلٹن اور سکاوٹس کو بھی دشمن کے دباؤ کے تحت ترتیب کے ساتھ پانڈو آنے کی اجازت مل گئی۔ اور ایسی صورت میں دوسری آزاد پلٹن کو چرندہ سے عروسہ آنے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ اور تیسری آزاد پلٹن کو سگنہ بھیج دیا گیا۔ البتہ ایک خراب خبر تھی کہ دردکوٹ سے محمود غائب ہوگئے ہیں تو میجر گل خان کو پوائنٹ ۷۳۰۶ چھوڑنا پڑ گیا۔ رات کو البتہ بھارتیوں نے عروسہ پر حملہ کر کے وہاں پر قبضہ کر لیا۔ تو اب بڑی سڑک پر ساتویں ایف ایف اور اس کے امدادی لشکر ہی ہماری آخری چٹان تھے۔ اوپر پانڈو پر "نظر" رکھنے اور بب ڈوری میں گیارہویں بلوچ نے میرے عظیم دوست میجر (بعد میں کرنل) حفیظ آفریدی کی ڈی کمپنی کو خطائی کے علاقہ میں متحرک دفاع پر لگایا۔ بی کمپنی دریا کے کنارے گوجر بانڈی اور اے کمپنی گہرائی میں سراں کیمپ میں تھی۔ چوتھی اور سی کمپنی باغ کے علاقہ میں آٹھویں ایف ایف کی مدد کر رہی تھی۔ اپنی دو 3.7 پہاڑی توپوں کو چکوٹھی کے دفاعی حصار کے اندر لگا دیا گیا۔ اور لیفٹیننٹ (بعد میں کرنل) خان زمان چلتے پھرتے آبزرور بھی تھے۔

پانڈو بھارتی قبضہ میں ان حالات میں پانڈو کو نہ بچایا جا سکتا تھا۔ بھارت کو دو پلٹنوں نے جیسے ہی قاضی ناگ سے آگے پیش قدمی کی۔ تو پانڈو کے آگے چوتھی آزاد پلٹن اور ٹوچی سکاؤٹس نے پانڈو کی چوٹی ۹۱۷۸ کی طرف پسپائی کرنے کی بجائے سڑک کی طرف پسپائی اختیار کر لی اور بھارتی ۹۱۷۸ پوائنٹ پر قابض ہوگئے۔ البتہ گیارہویں بلوچ کے میجر حفیظ آفریدی نے پوائنٹ ۶۸۷۳ کو بچا لیا اور حالات کے تحت خود اس جگہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن دوسری طرف بھارتیوں نے عروسہ پر قبضہ کے بعد پوائنٹ ۶۴۳۰ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ۲۳ مئی سے ۲۵ مئی تک تین دن کے بھارتیوں کے حملوں میں سگنہ کے علاقے میں گھمسان کا رن پڑا۔ اور لیفٹیننٹ مند علی خان کے کرم ملیشیا کو کمک بھیجنے کے باوجود ہمیں سگنہ خالی کرنا پڑ گیا۔ جو کامیابی بھارتیوں کو کافی مہنگی پڑی کہ وہاں سے آگے بھارتیوں نے تنگ راستے کی وجہ سے ایک ایک کر کے چکوٹھی کی طرف پیش قدمی کرنے کی کوشش کی۔ تو کرم ملیشیا کے نائب صوبیدار اکبر خان نے بازو سے حملہ کر کے وہاں بھارت کی ایک کمپنی کو تہس نہس کر دیا، کہ وہ خود پہلے

زخمی ہوئے اور زخمی حالت میں لڑتے لڑتے شہید بھی ہو گئے۔ جنگ کا نبض شناس اکبر خان اب حالات کو بھانپ چکا تھا، اور ۲۵ مئی کو حکم دے دیا کہ اب مزید کسی چوکی کو اس کی اجازت کے بغیر نہ چھوڑا جائے گا۔

گیارہویں بلوچ کی جاندار کارروائی گیارہویں بلوچ اب ایک طرف پانڈو پر "نظر" رکھے ہوئی تھی۔ تو دوسری طرف پلٹن کے میجر (بعد میں برگیڈیئر) امیر جان نے سفیدہ جنگل میں ایک گورکھا کمپنی کو گھات لگا کر متعدد گورکھوں کو واصل جہنم کیا۔ اس کے بعد صوبیدار کالاخان کے ماتحت اس کی اپنی پلٹوں اور باقی مجاہدین کو ملا کر ایک "کالا فورس" تیار کی گئی۔ جنہوں نے چکوٹھی اور اوڑی کے درمیان بھارتیوں کے ذرائع آمد و رفت کو چھلنی کر کے رکھ دیا اور بھاری جانی نقصان بھی پہنچایا۔ کالاخان ایک روحانی شخصیت تھے اور ان کا ذکر آگے بھی آئے گا۔

بھارتیوں کے بیانات اتنی اہم جنگ کو بھارتی تاریخ ایک ادھورے باب میں "اوڑی محاذ کی محدود کامیابی" (۲۰) کے طور پر چند صفحات میں بیان کرتی ہے۔ حالانکہ تجاویز پر کئی صفحات ضائع کئے۔ اور یہاں بھی جنرل تھمایا کی اب ایک اور تجویز کا ذکر (۲۱) کرتے ہیں کہ ›› برگیڈ کو شمال سے چناری کی طرف بڑھایا جائے۔ اور پھر تسلیم کرتے ہیں کہ ادھر بھی وہ ناکام ہو گئے (۲۲)۔ پھر ادھر ہی ٹٹھوال کی طرف اوپریشنز "سریا" کے ناکامی کے ذکر کے بعد اپنی "سدرن سویپ" (۲۳) والی تجویز پر بہت کچھ لکھتے ہیں اور آخر میں اس کی بھی ناکامی کا ذکر کرتے ہیں (۲۴) ان تمام رام کہانیوں میں ایک بھی سبق آموز بات نہیں کہ جنرل تھمایا سمیت سب بھارتی جنرل اکبر خان کے سامنے "بونے" نظر آتے ہیں۔ اپنی سرکاری تاریخ (۲۵) میں ۳۰/ ۲۹ مئی کو بھارتیوں کے پوائنٹ ۶۸۷۳ پر حملہ، کافر کھن کی طرف پیش قدمی (۲۶) یا ۲ جون کو منڈی دی گلی کے خلاف کارروائی (۲۷) یا ۳ جون کو جو نانگا ناک پر حملے کا ذکر ہے (۲۸)۔ اور ان باتوں کو الگ الگ صفحات میں پھیلا دیا گیا ہے۔ دراصل اب بھارتی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوپر بیان شدہ جنرل تھمایا کی تجویز کے تحت ایک ہی کارروائی تھی جو بھارتی ‹‹ برگیڈ نے کی۔ لیکن ہمارے انگریز جنرلوں نے شور مچایا کہ اس راستے سے اوڑی محاذ والے بھارتی ٹٹھوال محاذ کے

ساتھ رابطہ باندھ کر وہاں سے مظفرآباد پر حملہ کریں گے تو جنرل ٹاٹنھم نے اپنے "دوست" کرنل صدیق راجہ کو جنوبی محاذ سے اپنی پلٹن نویں ایف ایف کے ساتھ دسویں برگیڈ اور اکبر خان کے برگیڈ کے درمیان بھیج دیا (۲۹)۔ اور یہ پلٹن ریشیاں اور تھرادی گلی پہنچ گئی۔ اپنی سرکاری تاریخ میں اس پلٹن کی ایک کمپنی پر بھارتی حملے کا بھی ذکر ہے اور لمبی رام کہانی ہے۔ لیکن بھارتی تاریخ کے مطابق بھارتی تو ان علاقوں میں پہنچ ہی نہ سکے۔ کہ نانگا ناک کی ۱۰۰۲۷ فٹ بلند چوٹی پر بھارتی تاریخ کے مطابق جو دوسری ڈوگرہ پلٹن نے حملہ کیا تو ایسی مار کھائی کہ وہ لوگ تتر بتر ہو کر تین دن کے بعد پانڈو پہنچے۔ یہاں ہمارے کرنل قدرت اللہ کے تحت دوسری آزاد پلٹن تھی جس کی مدد کیلئے اکبر خان نے ایک مشین گن سیکشن بروقت بھیج دی تھی۔ اور ۳۰/ ۲۹ مئی کو بھارتیوں کو پوائنٹ ۶۸۷۳ پر حملہ بھی بہت مہنگا پڑا۔ کہ ان کو سو آدمی کھیت رہے۔ میجر حفیظ آفریدی صرف چند سو گز پیچھے ہٹے اور اس سے بب ڈوری کے دفاعی حصار کو ذرا بھر نقصان نہ پہنچا بہرحال کرنل صدیق راجہ سے انگریز جنرل کسی مقصد کے تحت یہ کچھ کرا رہے تھے۔ کہ جنوبی محاذ کمزور ہو، کہ آگے ذکر آتا ہے کہ وہاں انگریزوں نے بھارتیوں کو "فتوحات" دلوائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شمال میں بھی صدیق راجہ سے کوئی غلط شوشہ چھڑوا کر۔ اکبر خان۔ اور نوشیروان کو کسی غلط ڈگر پر چلانا مقصود ہو۔ لیکن ان دونوں کی فراست کام آئی۔ ورنہ اس عاجز نے ۱۹۹۱ء میں صدیق کے ایک کمپنی کمانڈر میجر (بعد میں میجر جنرل) شیرین خان سے پوچھا کہ کیا اس علاقے میں کوئی ٹکراؤ ہوا۔ تو اس نے صرف اتنا کہا کہ کسی غلط خبر کی وجہ سے خواہ مخواہ پلٹن سے اتنے سفر کرائے گئے۔ بہرحال انگریزوں کا ایک مقصد ضرور تھا کہ جنوبی محاذ کمزور ہو۔

عجیب و غریب صورتیں اب اس محاذ پر بھی بڑی کوشش سے ۲۵ پاونڈر کی توپیں پہنچ گئی تھیں۔ لیکن اپنی سرکاری تاریخ کے مطابق (۳۰) ان کو استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ اجازت تب ملی جب بھارتیوں کے حملے جان توڑ گئے۔ کہ اگر پہلے استعمال کرتے تو پاکستان پر بھرپور جنگ اور فوج کے استعمال کا الزام لگتا۔ ایسے جاہلانہ تجزیوں یا سوچوں کے بارے اکبر خان اپنی کتاب میں کہتا ہے (۳۱) "کہ اب کوئی شک باقی نہ تھا، کہ پاکستان کی فوج جنگ میں شریک ہے یا نہیں۔ تو پھر بھارت نے ہمیں پاکستان کے میدانوں میں کیوں نہ للکارا"۔ یعنی اکبر خان صاف کہتا تھا کہ بھارت پاکستان پر ان دنوں کبھی حملہ نہ کرتا اور ہمیں فوج کو

طریقے سے بہت پہلے استعمال کر دینا چاہیے تھا ۔ یہ چوروں کی طرح غلط اور ادھورا استعمال بالکل غلط بات تھی بلکہ اکبر خان اس سلسلہ میں ڈی پی مینن کا حوالہ سے مزید کہتا ہے " کہ بھارتیوں کو معلوم تھا کہ ہم کیا کچھ کر سکتے تھے کہ آج سری نگر تو کل دہلی " افسوس کہ ہماری قوم کو سمجھ نہیں کہ سازش سے ہمیں بھارتیوں سے مروا کر مرعوب کیا جا رہا تھا ۔ تو پہلے ۱۹۴۹ء میں فائر بندی سے جہاد میں جمود ڈالا گیا اور ستمبر ۶۵ء میں ہمیں "پرکھا" گیا کہ ہم میں کتنی جان ہے ۔ اور دسمبر ۷۱ء میں ہم نے نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا کر اپنے آپ کو دنیا کی ذلیل ترین قوم بنوا دیا کہ غیروں کو ڈر ہے کہ جاندار اسلام اس خطہ سے عود نہ کر آئے ۔

چکوٹھی پر بھارتی حملے

پوائنٹ ۳،۷۸۴ پر قبضہ کے بعد بھارتی شمال سے بھی چکوٹھی پر کچھ دباؤ ڈال سکتے تھے ، گو گیارہویں بلوچ کے پہل اور بن کوٹ میں متعین دستے بھارتیوں کو اس طرف سے پھیلاؤ اختیار کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے ۔ بہر حال پھر بھی ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق [۳۲] ۳۱ مئی کو شمال سے کچھ مدد لے کر بھارت کی ٹڈی دل فوج نے چار ٹینکوں اور ۸ بکتر بند گاڑیوں کی مدد سے چکوٹھی پر ہلہ بول دیا ۔ خدا بھلا کرے لیفٹیننٹ خان زمان کا کہ اس نے 3.7 پہاڑی توپ مورچے میں لگا کر اس کو ایک "اینٹی ٹینک گن" بنا دیا [۳۳] ۔ اور ڈائریکٹ فائر کر کے تین بھارتی بکتر بند گاڑیوں کو تباہ کر دیا اور اس کے بعد ہماری مشین گنوں اور مارٹروں نے بھارتی پیدل دستوں پر سیدھا فائر کر کے ان میں ایسی کھلبلی مچائی کہ ہوائی جہازوں کی مدد مانگ کر وہ لوگ سگنہ کی طرف پسپا ہو گئے ۔ اب یہ خبر بھی ملی کہ بھارتی ۷۷ بریگیڈ اپنی کارروائیوں میں بھی مکمل طور پر ناکام ہو گیا ہے ۔ کہ موسم کی خرابی کی وجہ سے ان کے سپلائی کے ذرائع منتشر ہو کر رہ گئے تھے ۔ ۵ جون کو وہ لوگ تمرادی کے گلی کے پچھلے علاقوں اور بان کے جنگلوں سے فرار اختیار کر کے پوائنٹ ۳،۷۸۴ کی مدد سے چم ، سنگ اور ڈوگ نربیکن میں واپس آ گئے [۳۴] ۔ ۸ جون ، ۹ جون اور ۱۹ جون کو مختلف اوقات میں گیارہویں بلوچ ، سدوزئی گکی خیل دستوں ، گلاب خان کے محسودوں اور خیبر رائفلز کے جوانوں نے بھارتیوں کو جو گھاتیں لگائیں یا ان کی پوزیشنوں پر چھاپے مارے یا صوبیدار کالا خان نے بھارتیوں کا ناک میں دم کر دیا ۔ تو یہ لمبی تفصیل ہے اور بھارتیوں کا بہت جانی نقصان ہوا کہ اکبر خان اب پانڈو بھی بھارتیوں سے واپس لینے والا تھا جس کی فتح کی کہانی اگلے باب میں آتی ہے ۔

جنوبی محاذ

بھارتی تاریخ میں تجاویز زیادہ ہیں اور عملی کارروائیوں کا ذکر کم ہے وہ لوگ جس کو "سدرن سویپ" [۳۵] کہتے ہیں ۔ اور دبی زبان میں گلہ بھی کرتے ہیں کہ وہ کام بہت پہلے کرنا چاہیے تھا وغیرہ ۔ لیکن اکبر خان سب معاملات کو بہت پہلے سوچ چکا تھا ۔ اور اوپر والوں کی اجازت سے جیسا کہ باب کے شروع میں بیان کیا گیا وہ اس علاقہ کا کنٹرول سنبھال چکا تھا اور اپنے بریگیڈ کی کرنل حمید اللہ خان بابر کی آٹھویں ایف ایف پلٹن کو باغ کے علاقے میں بھیج چکا تھا ۔ اب اکبر خان پر واضح ہو چکا تھا کہ بھارتی اوڑی محاذ کے شمال یا سامنے سے کوئی کارروائی کرنے کے قابل نہ تھے تو وہ جنوبی محاذ پر پونچھ کے ساتھ ملاپ کر کے یا عروسہ سے سیدھے پیر کنٹھی والے راستے باغ کی طرف پیش قدمی کر سکتے ہیں ۔ تو اس نے کرنل بابر کو حکم دیا کہ باغ کا علاقہ سردار عبدالقیوم (موجودہ وزیر اعظم کشمیر) کے حوالے کریں اور خود جلدی آکر پیر کنٹھی کا دفاع سنبھال لیں ۔ پلٹن کی کچھ نفری پیر کنٹھی کے علاقے میں ضرور پہنچ گئی ۔ لیکن علاقہ کی اہم زمین پوائنٹ ۹۴۸ پر قبضہ کرنے سے پہلے پلٹن کے میجر نقوی کی ڈی کمپنی کا بھارتیوں کے ساتھ ٹکراؤ ہو گیا [۳۶] جہاں چار جوان شہید ہو گئے اور کافی لوگ زخمی ہو گئے ، تو اس نے لیڈی گلی کی طرف پسپائی اختیار کر لی ۔ ۲۸ / ۲۷ جون کی رات کو بھارت نے پیر کنٹھی میں متعین آٹھویں ایف ایف کی دو کمپنیوں پر دو پلٹنوں ؟ سے حملہ کر کے وہاں بھی قبضہ کر لیا اور لیفٹیننٹ خان زمان کی کوشش سے اپنی توپوں کو بھارتی جنگل میں جانے سے مشکل سے بچایا جا سکا ۔ اور ساری پلٹن کو لیڈی گلی کی طرف پسپائی کرنا پڑی جہاں انہوں نے کوپرہ نیچا گلی کے علاقہ میں ایک دفاعی پوزیشن اختیار کر لیا ۔ اپنی سرکاری تاریخ میں ان واقعات کو نازک صورت حال کہا گیا ہے [۳۷] لیکن اکبر خان اب شمال کے بارے بالکل فکر مند نہ تھا اور وہاں ریشیاں گلی میں امداد کیلئے جو دوسری پنجاب پہنچی ہوئی تھی اس کے کرنل آدم خان کو اس نے حکم دیا کہ دو کمپنیاں وہاں چھوڑے اور باقی دو کمپنیوں کو لے کر وہ جلدی سے پیر کنٹھی پہنچیں اور حالات کو سنبھالا دے [۳۸] ۔ پلٹن کا شمال سے جنوب میں ۲۰ میل کا یہ پرندے کی اڑان کا سفر دراصل ۴۰ میل سے بھی زیادہ بنتا تھا کہ یہ "اترا تر کر چڑھنا" یا "چڑھ چڑھ کر اترنا" پلٹن کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے کہ ۳۰ / ۲۹ جون کو آدھی رات کو چل کر یکم جولائی کو دوپہر سے پہلے آدم خان نے محاذ کی کمانڈ سنبھال لی تھی ۔ اب یہاں تین بھارتی پلٹنیں اکٹھی ہو گئی تھیں اور آدم

خان نے ملے جلے لشکروں اور فوج سے ۸ جولائی کو تلپترا پہاڑی اور پوائنٹ ۹۴۸ پر حملہ کر دیا جس میں آدھی کامیابی ہوئی اور صرف تلپترا پہاڑی پر قبضہ ہو سکا۔ اس کے بعد پوائنٹ ۹۴۸ پر ،۱ جولائی کو بھی حملہ کیا جو کامیاب نہ ہوا اور باقی کہانی ہم اٹھتیسویں باب میں بیان کریں گے۔ بھارتی تاریخ نے ساری کہانی عجیب و غریب انداز میں بیان کی ہے کہ ۷ جون سے وہ لوگ "سدرن سویپ" والی کارروائی میں مشغول تھے [۳۹]۔ اور ۱۵ جون کو ان کی جو کالا فورس یا گیارہویں بلوچ کے کیپٹن (بعد میں کرنل) اکرم سے جھڑپیں ہوئیں۔ ان کو بھی اپنے عرصہ سے پیش قدمی میں رکاوٹ کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ اور باقی باتیں ہمارے بیانات سے ملتی ہیں۔ بہرحال یہ سارے واقعات اگلے دو ابواب میں زیادہ واضح ہو جائیں گے۔

حوالہ جات

(۱) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۶۳۔ (۲) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۳۴۔ (۳) ۔ ایضاً صفحہ ۱۳۷ اور ۱۷۲۔ (۴) ۔ ایضاً صفحہ ۱۳۴۔ (۵) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۶۵۔ (۶) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۳۵۔ (۷) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۶۳ تا ۱۷۱۔ (۸) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۳۵۔ (۹) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۸۸۔ (۱۰) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۷۱۔ (۱۱) ۔ ایضاً صفحہ ۱۷۲۔ (۱۲) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۴۷ تا ۱۴۹۔ (۱۳) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۷۔ (۱۴) ۔ ایضاً صفحہ ۱۷۹۔ (۱۵) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۳۳ اور ۱۳۴۔ (۱۶) ۔ ایضاً صفحہ ۱۲۹ تا ۱۴۷۔ (۱۷) ۔ ایضاً صفحہ ۱۳۴ اور ۱۳۵۔ (۱۸) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۷۳۔ (۱۹) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۳۸ اور ۱۳۹۔ (۲۰) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر دسواں باب۔ (۲۱) ۔ ایضاً صفحہ ۱۷۹۔ (۲۲) ۔ ایضاً صفحہ ۸۳۔ (۲۳) ۔ ایضاً صفحہ ۱۸۴۔ (۲۴) ۔ ایضاً صفحہ ۱۸۸۔ (۲۵) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۷۹ اور ۱۸۰۔ (۲۶) ۔ ایضاً صفحہ ۱۸۴۔ (۲۷) ایضاً صفحہ ۱۸۳۔ (۲۸) ۔ ایضاً صفحہ ۱۸۳۔ (۲۹) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۸۳۔ (۳۰) ۔ ایضاً صفحہ ۱۸۲۔ (۳۱) ۔ کشمیر کے حمہ آور صفحہ ۱۵۲ اور ۱۵۳۔ (۳۲) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۸۱۔ (۳۳) ۔ توپخانہ کی زبان میں اس کو "اوپن سائیٹ" کہتے ہیں۔ (۳۴) ۔ تو کرنل صدیق راجہ کے وہاں پہنچنے سے پہلے بھارتی وہ علاقے خالی کر چکے تھے۔ (۳۵) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۸۴ تا ۱۸۶۔ (۳۶) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۸۶ (۳۷) ۔ ایضاً صفحہ ۱۸۷۔ (۳۸) ۔ جب دوسری پنجاب جون میں رشیاں پہنچ گئی تو کرنل صدیق راجہ وہاں کیا کر رہا تھا؟۔ (۳۹) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۸۴ تا ۱۸۵۔

سینتیسواں باب

پانڈو کی ہماری عظیم فتح

گذشتہ سے پیوستہ ہماری سرکاری تاریخ [۱] اور جنرل اکبر خان [۲] کی مختصر کتاب میں بھی پانڈو کی عظیم فتح کیلئے ایک الگ باب وقف کیا گیا ہے۔ اور میرے پاس پانڈو کی فاتح پلٹن گیارہویں بلوچ کے اس وقت کے کمانڈنگ افسر اور میرے محسن اور عظیم بھائی کرنل (بعد میں میجر جنرل) ملک شیر بہادر کی اس تقریر کا مسودہ بھی موجود ہے جو فائر بندی کے پانچ ماہ بعد مئی ۱۹۴۸ء میں انہوں نے اس سلسلہ میں سٹاف کالج کوئٹہ میں کی۔ اگر میں بھی مکھی پر مکھی مارنے والا یا فوٹو سٹیٹ کاپی لکھنے والا مصنف ہوتا تو کسی ایک مسودے کو سینتیسویں باب کا عنوان دے دیتا۔ لیکن میں قوم کو یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں تو انگریز جنرلوں نے جہادِ کشمیر کے کسی پہلو کو زیر بحث لانا بھی ممنوع قرار دے دیا تھا۔ لیکن انگریزوں کے اپنے اور باقی کامن ویلتھ کے ملکوں کے سٹاف کالجوں میں چنج اور پانڈو کی لڑائیوں کو خاص مطالعہ کیلئے زیرِ بحث لایا جاتا ہے [۳]۔ اکبر خان اس سلسلہ میں کہتا ہے [۴] کہ نہ ہمارے پاس ذرائع تھے اور نہ ہماری رول میں جارحانہ کارروائی کی اجازت تھی۔ البتہ پانڈو پر بھارتی توپچیوں نے چکوٹھی کے دفاع کیلئے کچھ مسائل پیدا کئے، تو اس نے اپنے انگریز جنرل سے پانڈو پر حملہ کرنے کی اجازت مانگی تو وہ مل گئی۔ ظاہر ہے کہ دور پہاڑیوں میں ٹکراؤ حیلہ فرنگی کے تحت ٹھیک کارروائی تھی۔ کہ دونوں ممالک سامان ضائع کریں گے اور انگریز اپنا کنڈم سامان ہمیں بیچتے رہیں گے۔ علاوہ ازیں انگریز جنرل سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ حملہ اس طرح کامیاب ہو گا۔ تو بقول اکبر خان جب ہم کامیاب ہو گئے اور ہم نے دشمن کے دفاع میں کئی اور شگاف بھی کر دیئے تو ہمارے انگریز جنرلوں نے ہمیں چھوٹا قاضی ناگ سے آگے بڑھنے سے روک دیا [۵]۔ قارئین! یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ ہماری فتح کے بعد جنرل کری آپا نے جنرل تھمایا کی حالت زار دیکھتے، اس کو اوڑی تک پسپا ہو کر ایک اور دفاعی حصار بنانے کی اجازت دے دی تھی [۶] اور تھمایا جس برگیڈ کو شمالی

علاقوں میں کارگل کو فتح کرنے کیلئے استعمال کرنا چاہتا تھا، اس کو بھی اوڑی ۔ ٹھوال محاذ پر لایا گیا تھا (۷) ۔ لیکن جب ہمیں قاضی ناگ کے پاس ہمارے انگریزوں نے روک دیا کہ مہورا بجلی گھر بھارت کے پاس رکھنا تھا ۔ تو تھمایا کو اجازت مل گئی کہ شمالی علاقوں میں بھی پاکستانی محاذ پر انگریزوں کے "پروردے" پہنچ گئے تھے ۔ اور وہ یہ برگیڈ شمالی علاقوں میں لے جائے ۔ کہ بڑی فائر بندی سے پہلے پاکستان کو "ڈنڈی" مارنے کا وقت آگیا تھا ۔ تو یہ کہانی انتالیسویں باب میں بیان کی جائے گی

تدبیرات اور تزویرات کا ماہر اکبر خان جیسی فوجی فراست رکھنے والے آدمی صدیوں میں ایک بار پیدا ہوتے ہیں ۔ وہ محمود غزنوی، علاؤالدین خلجی اور شیر شاہ سوری کے پایہ کا آدمی تھا ۔ جس طرح اس نے تدبیراتی طور پر اپنے سے تین گناہ فوج کو بکھیر کر پانڈو کے مقام پر شکست فاش دی ۔ اس طرح تزویراتی طور پر پوری بھارتی فوج کو کشمیر میں بکھیر کر اکبر خان تہس نہس کر دیتا اور اگر بھارتی حیدر آباد کی طرف میلی آنکھ سے دیکھتے تو اکبر خان دہلی پہنچ جاتا ۔ اور یہ کسی دیوانے کی بڑ نہیں ۔ یہ عاجز سب ثبوت پیش کرتا آیا ہے اور اب ذرا "دو بدو" اس تدبیراتی جنگ کا، مل کر واقعات کی مدد سے مطالعہ کریں کہ اکبر خان بھارتی حملہ آوروں کے ساتھ اپنے جوانوں کو دو بدو نہ لڑانا چاہتا تھا لیکن حضور پاکؐ کے بتلائے ہوئے اور قرآن پاک کے واضح جنگی اصول حرکتی چال (۸) کے استعمال پر غور کرتے رہنا، کہ دشمن کو "دو بدو" ہونے یا بھاگنے پر مجبور کر دیا ۔ بقول اکبر خان (۹) ہماری دونوں ایک ایک بٹالین کی چکوٹھی اور بب ڈوری میں ایسی گتھی ہوئی پوزیشنیں تھیں، جسے توڑنے کیلئے ہر پلٹن پر ایک وقت میں ایک ایک برگیڈ اور کل دو برگیڈوں کے حملے کی ضرورت تھی ۔ دشمن کی کوئی بھی پوزیشن ان خوبیوں کی حامل نہ تھی بہرحال راقم کے یہ بیانات ایک غلط فہمی بھی پیدا کر سکتے ہیں ۔ کہ ہم جگہ جگہ بھارتیوں کو شکست دے سکتے ہیں ۔ بھارتی دن بدن اپنے لڑنے کی صلاحیتوں میں بہتری پیدا کر رہے ہیں ۔ راقم نے ستمبر ۶۵ کی جنگ میں بھارتیوں کو اپنی آنکھوں سے بہادری سے لڑتے دیکھا ۔ کہ ہمارے سامنے ان کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے اور ۲۳ ستمبر ۶۵ کو میرے اور برگیڈیئر نرنجن سنگھ کے درمیان جو ایک دوسرے کی لاشوں کو اٹھانے کا سمجھوتہ ہوا تو جہاں ہم نے اپنے ساٹھ شہدا

کی لاشیں اٹھائیں، وہاں بھارتی لاشیں چار پانچ سو سے کم نہ تھیں ۔ کہ دو سال بعد بھارتی لوک سبھا میں شور مچ گیا کہ ہمارے سامنے سات سو بھارتی مارے گئے تھے ۔ اور مرتا وہی ہے جو لڑتا ہے ۔ اور اس عاجز نے اس وقت سے شور مچایا ہوا ہے کہ ہم دفاعی فلسفہ کے طور نظام جہاد کو اپنائیں اور دسمبر ۱۹۷۱ء میں اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ بھی دیکھ چکے ہیں لیکن سبق سیکھنے کیلئے پھر بھی تیار نہیں ۔ لیکن یہ عاجز اسلامی اصول کے تحت تاریخ کے بامقصد مطالعہ والا فرض انشاءاللہ جاری رکھے گا ۔

پانڈو کا زمینی جائزہ پانڈو کی فتح کو سمجھنے کیلئے ساتھ نقشہ بیست چہارم ہے لیکن ملحقہ علاقوں کیلئے نقشہ بیست سوم سے بھی استفادہ کرنا ہوگا ۔ پانڈو سلسلہ کوہ کی مغربی چوٹی کو پوائنٹ ۶۸۷۳ کہتے ہیں ۔ مشرقی چوٹی اونچائی ۹۱۷۸ فٹ کے پاس آکر خیال ڈوری اور قاضی ناگ کے پہاڑی سلسلے ملتے ہیں ۔ دونوں چوٹیوں کے درمیان اونچی چوٹی سے ذرا زیادہ قریب نچاں یا "چہڑی" یا "کاٹھی" میں پانڈو گاؤں ہے ۔ کتھائی نالہ کی کئی معاون اور شاخیں مغرب سے شمال کا رخ کرتے پانڈو گاؤں کے پاس سے گزرتے ہیں ۔ لیکن جنوب یا دریائے جہلم کی طرف پانڈو پہاڑ ایک کھڑی چٹان یعنی دندی ہے، اور بارشوں میں نالے یہاں آبشار بناتے ہیں ۔ اس لئے پانڈو پہنچنے کیلئے بالا سٹھ دانڑ کے نالہ یا مشرق سے شاہدرہ دی نڑ، والے نالہ کے ذریعے ہی پہنچا جا سکتا ہے ۔ علاقے میں چیڑ کے درخت ہیں ۔ اور اونچائی کے ساتھ جنگلات زیادہ گھنے ہوتے جاتے ہیں قریبی مقامات قنذر قاصی، سفیدہ، خان لہری، چتریاں کا جنگل، بوما اور کوٹلہ راج کھوا یا کوٹلہ راج خواہیں ۔

دشمن کے حالات سال کے شروع میں ڈومیل پر قبضہ کرنے کی سوچ والے بھارتی (۱۰) ایک ماہ کی بھرپور جنگ کے بعد چند مربع میل پر قبضہ کر سکے (۱۱) اور اس ساری جنگ میں ہمارا نقصان ۳۰ شہید اور ۷۰ زخمی تھے ۔ لیکن صرف بھارتی ۷۷ برگیڈ کا جانی نقصان ۸۰۰ آدمی تھے ۔ ۱۹۱ ۔ برگیڈ کے مرنے والوں کا ہمارا اندازہ ۵۸۰ آدمی ہے کہ تقریباً ۲۳۰ بھارتی لاشوں پر مٹی ہمارے مجاہدین نے ڈالی ۔ اور دو بھارتی جہاز ادھر گرتے مجاہدین نے دیکھے ۔ اکبر خان نے اوپریشن "سنتا سنگھ" کے تحت چھاپے مروا کر تسلی کر لی، کہ بھارتی اب مورچوں میں دبکے بیٹھے رہیں گے ۔ بہار ۔ پلٹن کا ہیڈ کوارٹر اور ایک کمپنی پانڈو گاؤں میں تھے ۔ دو کمپنیاں پوائنٹ ۶۸۷۳ پر اور چوتھی کمپنی

قنذر قاضی جنگل میں تھی۔ سنگ پہاڑی یعنی پوائنٹ ۱۰۴۹۰ پر ڈوگرہ پلٹن کی دو کمپنیاں تھیں اور باقی پلٹن گہرائی میں تھی۔ سکھ پلٹن ڈنہ یا خان موہری کے علاقے میں تھی۔ اور چوتھی کماؤں پلٹن پانڈو کے عقب میں تھی۔ بھارتی دفاع کے آگے چھوٹی چھوٹی چوکیاں تھیں۔ جن میں کیوا پہاڑی کی چوکی اہم تھی۔ بھارتیوں کو پہاڑی۔ فیلڈ اور میڈیم رجمنٹوں کا امدادی فائر بھی میسر تھا

اکبر خان کے احکام ۸ جولائی ۱۹۴۸ء کو اکبر خان نے گیارہویں بلوچ (اقبال پلٹن) کو حکم دیا کہ وہ جنوب مغرب سے پوائنٹ ۹۰۱۵ سے پانڈو پر حملہ کی تجویز بنائیں کہ ایسے حملے کے خلاف نہ پوائنٹ ۶۸۷۳ پر بہار پلٹن کی دو کمپنیاں نہ گردو نواح کی دوسری بھارتی پلٹنیں اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ اور اس طرح بھارت کی دو یا تین کمپنیوں پر حملہ کرکے پورے بھارتی برگیڈ کے دفاعی پوزیشن کو ہم توڑ موڑ سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک آزاد پلٹن سنگ کی طرف کارروائی کرکے اس طرف کے دشمن کو پانڈو کی لڑائی سے الگ کردے۔ برگیڈ ہیڈ کوارٹر ایک کمپنی کے ساتھ بب ڈوری کے مقام پر اس لڑائی کا ریزرو ہوگا یعنی جنگ میں شریک ہوگا (اور تینتیسویں باب میں بیان شدہ جھنگڑ پر حملہ کی طرح "چڑھ جا بچہ سولی رام بھلی کرے گا" والی بات نہ ہوگی)۔ اس وقت گیارہویں بلوچ بب ڈوری میں تھی۔ اور پلٹن کے انگریز کرنل کیلی نے پلٹن کے استعمال کی تجویز بنائی۔ لیکن ۱۶ جولائی کو اس کی جگہ کرنل ملک شیر بہادر نے لے لی۔ اور پلٹن میں چند گھنٹے گزار کر وہ برگیڈ ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے۔ اور وہاں تینوں نے مل کر ساری تجویز کو پرکھا۔ ملک شیر بہادر نے گزارش کردی کہ وہ ۱۹ جولائی کو کارروائی کرنے کو تیار ہیں۔ ایک مسلمان کرنل کی آمد سے اقبال پلٹن جذبہ جہاد سے سرشار ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح دشمن کو اپنی لپیٹ میں لینے کو تیار ہو گئی۔ گفتار اور کردار کی بہت بلندی والے ملک شیر بہادر، یحییٰ خان سے سینئر ہماری فوج میں میجر جنرل بھی رہے۔ ۱۹۶۶ء میں جب ایوب خان نے یحییٰ خان کو فوج کا سربراہ نامزد کردیا۔ تو ملک صاحب نے اسی دن وردی اتار دی اور عزت کے ساتھ فوج کو الوداع کہہ دیا۔ یہ شیر بہادر اور ان جیسے چند صاحبان باقی تھے، کہ ہماری فوج میں کچھ رکھ رکھاؤ باقی رہ گیا۔ کہ جنرل مسروی اس فوج کو کسی ریاستی راجے یا نواب کی فوج نہ بنا سکا اور یحییٰ خان۔ حمید اور اختر ملک یا بعد میں گل حسن کی قسم کے لوگ اس فوج کو "شرابیوں۔

کبابیوں" کی فوج نہ بنا سکے۔

حملے کے احکام اکبر خان نے پانڈو کی فتح کو "دہلی کی فتح"[12] کا نام دے کر حملے کے فائنل احکام ۱۷ جولائی شام کے دے دیئے، کہ بھارتیوں نے جب پانڈو پر قبضہ کیا تھا تو اس مہم کو ہمارے اس زمانے کے دارالحکومت "کراچی کی فتح" کا نام دیا تھا کہ اقبال پلٹن پوائنٹ ۹۱۷۸ پر قبضہ کرکے دور دور تک پھیلاؤ اختیار کرکے وہاں زمین کا خود چناؤ کرکے ایک دفاعی حصار بنائیگی۔ اقبال پلٹن کو انیسویں بلوچ کی ایک کمپنی، مظفر آباد پلٹن کی دو کمپنیاں۔ خیبر رائفلز کی دو پلٹونیں، اور تین ایک ایک صد نفری والے لشکروں کے دینے کے علاوہ نویں پنجاب کی ایک مشین گن پلٹون امدادی فائر کیلئے دی گئی۔ توپخانہ کے چار رابطہ افسر ساتھ تھے۔ اور تین اوپی افسروں نے ساکن رہ کر امدادی فائر دینا تھا۔ لیکن ساری کارروائی جس پر تین دن بھی لگ سکتے تھے اس کے لئے پہاڑی توپوں کے ۴۰۰ گولے، فیلڈ کے ۶۰۰ گولے، اور میڈیم کے ۳۰۰ گولے وہ بارود تھا جس پر اکتفا کرنا تھا۔ اس کے مقابلے میں بھارتیوں نے پہلے دن ہی اپنے دفاع میں ایک ہزار گولے فائر کردیئے[13] بہرحال ساتھ انجنیئرز کی ایک پلٹون بھی تھی اور برگیڈ نے اپنے پاس چوتھی ایف ایف کی ایک کمپنی رکھی۔ اور باقی پلٹن ضرورت پڑنے پر نوٹس پر تھی

ملک شیر بہادر کی تجویز مئی ۱۹۴۹ء میں سٹاف کالج کی تقریر میں کرنل ملک شیر بہادر نے اپنی ملی جلی یا مختلف مزاجوں کی مرکب فوج کا موازنہ ہلکے پھلکے لہجہ میں ایک مغل جنرل اعظم خان کی مثال سے کیا جو کہتا تھا، کہ مرکب فوج کے کمانڈر کے گھر میں بھی چار بیویاں ہونی چاہیں۔ ایک چینی جو گھر کی دیکھ بھال کرکے اس کو خوشنما رکھے۔ ایک ہندوستانی جو بچوں کی دیکھ بھال کرے۔ ایک پشتون یا افغان جو خود بھی لڑ سکے اور دوسروں کو بھی اس راہ پر لگائے۔ ایک ایرانی جو گپ شپ یا ادب و تہذیب والی باتوں سے مرد کی تھکاوٹ دور کرسکے۔ لیکن ان کے پاس نہ ذرائع تھے اور نہ وقت کہ وہ ایسی چار بیویوں کا بندوست کرسکتے۔ پلٹن کا سیکنڈ ان کمانڈ میجر (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) ارشاد احمد خان تھا۔ ڈی کمپنی کمانڈر جیسا پچھلے باب میں ذکر ہو چکا ہے پانڈو کا ہیرو۔ میجر (بعد میں کرنل) حفیظ آفریدی تھا۔ بی کمپنی کمانڈر کیپٹن (بعد میں برگیڈئیر) قیوم شنیر تھا۔ میجر (بعد میں کرنل) شیر عالم اور میجر فتح شیر باقی کمپنیوں کے کمانڈر تھے۔

باقی افسروں میں کیپٹن (بعد میں برگیڈیئر) حق نواز، کیپٹن صلاح الدین، کیپٹن حمید اللہ اور لیفٹیننٹ حق نواز کیانی شامل تھے کہ کیانی نے میجر اور کرنل کے طور پر ستمبر ۶۵ کی جنگ اور ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد لیپا وادی میں داد شجاعت دی اور شہادت بھی حاصل کی اور میرے عزیز ترین دوست تھے۔ توپخانہ کے افسروں میں لیفٹیننٹ (بعد میں کرنل) خان زمان اور لیفٹیننٹ (بعد میں برگیڈیئر) ملک عطا محمد جو میرے پرانے رفیق ہیں۔ وہ خود بھی اس جنگ میں شریک تھے اور ۱۹۹۰ء کے سیمینار میں انہوں نے کھل کر انگریز جنرلوں کی سازشوں اور ان کے پروردوں کی غداریوں سے پردے اتارے اور پچھلے ابواب میں یہ ذکر ہو چکا ہے۔ بہر حال انیسویں بلوچ کی سی کمپنی جو پلٹن کی ملی اس کی کمانڈ کیپٹن سید غفار کر رہے تھے۔ ملک شیر بہادر نے ساری تجویز آسان الفاظ میں بتائی کہ پلٹن نے سید غفار کی کمپنی سمیت ۲۰/۱۹ جولائی رات کو کوٹلہ راج کھوا (خوا) میں اجتماع کر کے اگلا سارا دن چھپ کر رہنا تھا۔ اسی شام کو میجر حفیظ کی ڈی کمپنی اور سید غفار کی کمپنی نے ایک کالم کے طور پر پیش قدمی کر کے پوائنٹ ۹۱۷۸ پر قبضہ کرنا تھا۔ باقی ساری پلٹن نے دوسری کالم کے طور پر بوما والے راستے سے گزر کر پانڈو گاؤں پر قبضہ کرنا تھا۔ تین قبائلی لشکروں میں سے ایک نے کیپٹن خالد محمود بٹ کی کمانڈ میں بب ڈوری سے نکل کر پوائنٹ ۶۸۷۳ پر شمال مشرق سے حملہ کرنا تھا۔ کہ یہ لوگ پانڈو والے بھارتیوں کی نہ مدد کر سکیں نہ ان میں جا کر ملنے کی کوشش کریں۔ دوسرے قبائلی لشکر نے میجر (بعد میں کرنل) کرامت کے ماتحت خیبر رائفلز اور مظفر آباد پلٹن کی ایک کمپنی سمیت کرامت فورس کا حصہ بن جانا تھا۔ اور ان سب نے میپ ریفرینسز ۹۵۷۱۷۹، ۹۵۷۱۸۴ اور ۹۷۳۱۸۴ پر قبضہ کرنا تھا جن جگہوں کا کوئی نام نہ تھا۔ تیسرے لشکر نے برائی کے مقام پر اجتماع کرتے ہوئے عام کامیابیوں کے بعد ان کو آگے بڑھانے میں مدد دینا تھی۔ مظفر آباد پلٹن کی ایک اور کمپنی نے اپنے کمانڈنگ افسر قدرت اللہ کے نام اور کمانڈ میں قدرت اللہ فورس بن کر چم اور خطیر کے مقامات پر جا کر قبضہ کرنا تھا۔ کہ سنگ کے بھارتی۔ پانڈو کے بھارتیوں کی کوئی مدد نہ کر سکیں۔

اجتماع اور پیش قدمی اقبال پلٹن نے سید غفار کی کمپنی سمیت ۱۹ جولائی رات آٹھ بجے اپنا بب ڈوری والا پوزیشن خیبر رائفلز کی دو پلٹونوں اور دوسری پنجاب کی ایک پلٹون کے حوالے کر دیا۔ اور خاموشی سے رات کو ہی کوٹلہ راج کھوا یا خوا پہنچ گئے اور بے شک کرنل شیر بہادر کے

مطابق ۲۰ جولائی کے سارے دن کا خاموش قیام، تمام کارروائی کا مشکل ترین اور پریشان کن عمل تھا۔ لیکن اللہ کے فضل سے سب کالمیں اپنے اپنے وقتوں پر اپنی اپنی اجتماع کی جگہوں پر بروقت پہنچ گئیں اور سب نے ۲۱/۲۰ جولائی شام کو اپنے اپنے مقصودوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ وائرلیس کی خاموشی تھی۔ ٹیلیفون لائن ساتھ ساتھ بچھائی جا رہی تھی اور اس کے ذریعہ سے اکبر خان کو گھڑی گھڑی کی خبر مل رہی تھی، کہ بارش شروع ہو گئی[۱۴] اور اکبر خان کچھ پریشان تھا۔ لیکن اس کا فائدہ بھی ہوا کہ دشمن کو کسی حرکت کی آواز نہ سنائی دے رہی تھی اور جوانوں نے پانی والی برساتی پہن لی۔ ہر جوان کے پاس ۱۵۰ راؤنڈ، دو گرنیڈ اور لائیٹ مشین گن کی فالتو میگزینیں تھیں اور ساتھ کوئی خچر اور ٹٹو بھی نہ تھا۔ مقامی لوگ اے ایچلان کی گاڑیوں کا کام کر رہے تھے اور انہوں نے فالتو ایمونیشن، گینتی، بیلچے اور تاروں کے ڈرم وغیرہ اٹھائے ہوئے تھے اور ہر جوان یا مقامی مجاہد نے اپنے لئے دو دن کیلئے پکا ہوا کھانا بھی اٹھایا ہوا تھا۔ یہ سولین علاقے کی اونچ نیچ سے بھی واقف تھے۔ اور چڑھائیوں یا اترائیوں میں اپنے فوجی مجاہدین جب لڑھک جاتے تو یہ رضاکاران کی مدد کرتے تھے۔ بڑا مقصد یہ تھا کہ بڑے دشمن سے ٹکراؤ سے پہلے اپنی حرکت یا ارادے دشمن کو معلوم نہ ہو جائیں۔ اللہ کی رحمت سے پلٹن کی پیشاولی دستے کی پلٹون جس نے پلٹن کی گزرگاہ کی بعد میں بھی حفاظت کرتے رہنا تھا، نویں پنجاب کی ایک مشین گن سیکشن اور پلٹن کے ۳ انچ مارٹر کا دستہ جنہوں نے گوجر بانڈی سے امدادی فائر دینا تھا اور ڈاکٹر جس نے وہاں آر اے پی (علاج کے پہلے مرحلہ کی چوکی) بنانا تھا، سب اپنے اجتماع والی جگہوں پر بروقت پہنچ گئے۔

صف بندی اور حملہ کرنل شیر بہادر کے مطابق پلٹن کا بڑا حصہ یعنی دوسری کالم ۲۱ جولائی صبح ۴ بجے اپنی صف بندی کرنے والی جگہ پر پہنچ گئی۔ اور تجویز کے مطابق قیوم شیر کی بی کمپنی نے جنوب کی طرف مڑ کر دشمن کے علاقے پر قبضہ کرنا تھا تو تب کرنل شیر بہادر کے ماتحت باقی دو کمپنیوں نے پانڈو گاؤں پر سیدھا حملہ کرنا تھا۔ بی کمپنی میپ ریفرنس ۹۳۰۱۹۲ پر حملہ سے پہلے دشمن کے ساتھ کچھ الجھ گئی۔ اور کمپنی میں کچھ افراتفری ضرور تھی۔ بھارتی بھی سخت مقابلہ کر رہے تھے اور اپنی سرکاری تاریخ[۱۵] کے مطابق لیفٹیننٹ حق نواز کیانی نے ٹینک توڑ

ایم نائن اے سے دشمن کی ایک مشین گن پوسٹ بھی برباد کردی ۔ لیکن گھمسان کا رن پڑ رہا
تھا ۔ بی کمپنی کے ۶ جوان شہید ہو چکے تھے اور ۲۵ زخمی تھے ۔ سپاہی یعقوب نے چار زخمیوں کو
دشمن کے نرغے سے نکالا ۔ اور ایک سادہ قسم کا سپاہی سید محمد بھی تین زخمیوں کو اٹھا کر پیچھے لا
چکا تھا ، لیکن چوتھے کو نکالتے وقت وہ خود بھی شہید ہو گیا ۔ تو بی کمپنی مزید کوئی کامیابی حاصل
کرنے کے قابل نہ رہی ۔ کرنل شیر بہادر باقی دو کمپنیوں کے ساتھ سیدھے طور پر کافی آگے بڑھ
چکے تھے ۔ اور بی کمپنی کو اگر کامیابی حاصل ہو جاتی ، تو وہ پانڈو کے دشمن کے روند دیتے ۔ لیکن
موجودہ صورت حال میں اگر وہ چند گز آگے بڑھتے تھے تو بائیں طرف سے بھارتی ان پر سخت فائر
کرتے تھے ۔ کرنل شیر بہادر اور سی کمپنی تو سامنے سے بھارتی پوزیشنوں کے بہت نزدیک پہنچ گئے
تھے تو ساڑھے نو بجے اے کمپنی کو حکم دیا کہ وہ حملہ کر کے ان کی لائن میں پہنچیں ۔ لیکن اے
کمپنی بڑی مشکل سے اس پوزیشن کے شمالی حصہ پر ایک مسجد کے علاقہ تک قبضہ کر سکی کہ
مجاہدین دشمن کے چھوٹے ہتھیاروں کے فائر کے "جال" میں پھنس جاتے تھے ۔ کرنل شیر بہادر
نے البتہ دونوں کمپنیوں کو کچھ نئے سرے سے منظم کر کے شمال مغرب والے رخ سے آخری اور
بھرپور حملہ کر دیا ۔ لیکن ایک قدم آگے بڑھنا ناممکن ہو گیا ۔ ٹیلیفون سے رابطہ تھا ۔ کرنل شیر
بہادر نے بریگیڈیئر اکبر خان سے مشورہ کر کے جو نئی تجویز بنائی ، اس کے مطابق اس نے قیوم شیر
کو حکم دیا کہ جو کچھ وہ حاصل کر چکا ہے ۔ اس پر وہ اگلے حکم تک قابض رہے ۔ کہ دشمن اس پر
جوابی حملہ کرنے کے قابل نہیں ۔ وہ خود باقی دو کمپنیوں کو پوائنٹ ۶۸۷۳ کی طرف لے جا کر بہتر
اور منظم حملہ کریں گے اور اس کو بذریعہ وائرلیس باخبر کریں گے ۔ قیوم شیر اس وقت تو وہاں
ٹھہرا رہا اور کرنل شیر بہادر باقی پلٹن کو لے کر پوائنٹ ۶۸۷۳ کی طرف چلے گئے ۔ لیکن بعد میں
قیوم شیر نے بغیر اجازت کے یہ پوزیشن چھوڑ دیا [۱۶] ۔ اور ساری کہانی کے تانے بانے بعد میں
ملائیں گے ۔ کہ اللہ کی رحمت سے بچ گئے ۔ ورنہ قیوم شیر نے تمام اس وقت تک کی کامیابی کے
بخئیے ادھیڑ دیئے ۔

میجر آفریدی کی کالم

میجر عبدالحفیظ آفریدی ایک سادہ دین دار افسر تھے ، اور فقرا کے غلام
تھے ۔ چنانچہ ان کو جو دو سولین رہنما ملے تو ایک کا نام سائیں تھا اور دوسرے کا نام فقیر محمد [۱۷]
حضور پاکؐ اور خلفاء راشدین اچھے ناموں اور خوشخبری دینے والوں کو پسند کرتے تھے اور

آفریدی اسے اچھا شگون سمجھتا تھا ۔ تو آفریدی نے نہایت فقر اور عاجزی سے یہ سب کارروائی
شروع کی ۔ کہ وہ پلٹن سے الگ ہو کر کام کر رہا تھا ۔ پونے چار بجے اس نے دور سے بی کمپنی اور
دشمن کے ٹکراؤ کی فائر کی آوازیں سنیں اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے پہلے مقصود پوائنٹ ۸۳۰۰
یعنی مشرق والی چوٹی پر پہنچ گیا ۔ تو حیران ہو کر دشمن نے وہاں سے پوائنٹ ۹۱۲۸ کی طرف بھاگنا
شروع کر دیا ۔ آفریدی نے دشمن کو حیران ہی رہنے دیا تو دشمن کا پیچھا کر کے اپنے اصلی مقصود
۹۱۳۸ پر قبضہ کر لیا ۔ اپنی ٹیلیفون لائن ختم ہو گئی تھی تو توپخانہ کے لیفٹیننٹ خان زمان نے
دشمن کی ٹیلیفون لائن کاٹ کر اپنی لائن کے ساتھ گانٹھی بھی لیکن ملاپ نہ ہوا ، اور وائرلیس سے
بھی ملاپ نہ ہو سکا ۔ تو آفریدی نے روشنی والے پستول سے فتح کی خوشخبری دی اور چھ بجے وہاں
دفاعی پوزیشن اختیار کر لی ۔ یہ پستول کی روشنی اپنوں اور دشمن دونوں نے دیکھی اور بھارتی
متوقع جوابی حملہ آدھے گھنٹے کے بعد آ گیا ۔ لیکن اس کا زور کم تھا اس وجہ سے پسپا کر دیا گیا ۔ اور
ہماری سرکاری تاریخ کے ان الفاظ [۱۸] کے ساتھ کوئی اختلاف نہ کر سکے گا کہ میجر آفریدی کی پانڈو
گاؤں کے دشمن کے پوزیشن کے عقب میں پوائنٹ ۹۱۷۸ پر قبضہ بڑی اہمیت کا حامل تھا ۔
آفریدی نے دن کے بارہ بجے بھی دشمن کے ایک جوابی حملہ کو پسپا کر دیا ۔ بلکہ پانڈو گاؤں والے
بھارتی پوزیشن پر اس طرف سے دباؤ ڈالنے کی بھی کوشش کی ۔ اور کاش قیوم شیر وہاں ٹھہرا رہتا
تو دشمن اور بری طرح شکست کھاتا ۔

کیپٹن خالد کا لشکر

گائیڈ پلٹن کے کیپٹن خالد محمود بٹ پہلے قبائلی لشکر کے ساتھ چھپ
چھپا کر اور ایک لمبا راستہ اختیار کر کے اپنے مقررہ وقت پر اپنی اجتماع والی جگہ پہنچ گیا ۔ اور اس
نے صبح سویرے ۲۱ جولائی کو اپنے مقصود پوائنٹ ۶۸۷۳ پر حملہ کر دیا ۔ لیکن یہ عظیم نوجوان مجاہد
خود بہت جلدی شہید ہو گیا تو ان کی کامیابی کی خبر نہ اس وقت ہر جگہ صحیح طور پر پہنچی نہ بعد میں
صحیح چھان بین کی گئی کہ اپنی سرکاری تاریخ کے مطابق حملہ بھی ۲۲ جولائی کو کیا گیا [۱۹] ۔ جو بات
صحیح نہیں کہ کرنل شیر بہادر کی پلٹن کے کچھ لوگوں نے بھارتیوں کو ۲۱ جولائی کو اس طرف سے
پسپائی کرتے دیکھا ۔ اور اب تو بھارتی تاریخ میں [۲۰] واضح ہے کہ ۲۱ جولائی رات سات آٹھ بجے یہ
لوگ پانڈو گاؤں والے بہار رجمنٹ کی پوزیشن میں پہنچ چکے تھے ۔ ہم البتہ کیپٹن خالد کی شہادت
کی وجہ سے اس دن اس کی کامیابی کا وقتی فائدہ نہ اٹھا سکے

کرامت فورس کرامت فورس نے نزدجیاں کے مقام پر اجتماع کیا۔اور خیتر ناریا خیطر نڑ گاؤں کے پاس اس نام والے نالہ کو عبور کیا۔یہاں سے ایک بھارتی چوکی نے ان پر فائر ضرور کیا تو میجر کرامت نے مظفر آباد پلٹن کی ایک کمپنی کو اس دشمن کے سامنے چھوڑا۔اور باقی لشکر کو لے کر اپنے اصلی مقصود سفیدہ جنگل والی بھارتی چوکی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ہماری سرکاری تاریخ[11] میں اس لڑائی کی بڑی تفصیل ہے، کہ قبائلی لشکر کے قبیلہ کمبر خیل اور ان کے سالار خان گل جمال نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔اور اپنے تین مجاہدین بھی شہید ہوئے اور سات زخمی ۔لیکن بھارتی بھی ۸ لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔قاضی ناگ اور پانڈو کے درمیان میجر۔ کرامت کا اہم مقام پر قبضہ بہت فائدہ مند ثابت ہوا۔لیکن میجر کرامت کو حالات کی پوری خبر نہ مل رہی تھی کہ اس کا بر گیڈ ہیڈ کوارٹر سے ملاپ نہ ہو رہا تھا اور ادھر ادھر سے بھاگتے بھارتیوں کے ساتھ اس کی جھڑپیں بھی ہو رہی تھیں اور اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس وقت تک پانڈو گاؤں پر بھارتیوں کا قبضہ تھا اس لئے اس نے اس مقام پر مکمل بلاک یا گھات کی کارروائی کو پوری طرح نہ اپنایا۔کہ اس کے پاس کھانا پینا اور ایمونیشن بھی ختم ہونے والا تھا۔اکبر خان کی مومن فراست کام کر گئی اور اس نے کھانا اور ایمونیشن دے کر خیبر رائفلز کی باقی دو پلٹونیں ان کی مدد کیلئے بھیج دیں ۔لیکن اس وقت تک کافی بھارتی فرار کر کے ہمارے جنگل سے نکل چکے تھے۔

قدرت اللہ فورس قدرت اللہ فورس نے بھی نزدجہاں کے مقام پر بروقت اجتماع کیا اور کرنل قدرت اللہ اپنی پلٹن کی کمپنی اور قبائلی لشکر کے ساتھ وہاں سے چم پہنچ گیا اور وہاں ایک دفاعی پوزیشن اختیار کر لی ۔تو سنگ پر متعین بھارتی دستے اب نہ پانڈو کی طرف جا سکتے تھے اور نہ خیال ڈوری کی طرف کوئی کارروائی کر سکتے تھے ۔یہ سب بڑی کامیابیاں تھیں ۔لیکن آپس میں مختلف فورسز کا ملاپ نہ تھا۔تو بھارتیوں کو گھاتیں صحیح طور پر نہ لگائی جا سکیں ۔کہ بھارتی پانڈو گاؤں پر بھی قابض تھے۔

پانڈو کی بھارتی پوزیشن پانڈو کی بھارتی پوزیشن میں پہلے تقریباً دو کمپنیاں تھیں لیکن ۲۲ / ۲۱ جولائی رات تک پوری بھارتی پلٹن اس پوزیشن پر اکٹھی ہو گئی جہاں کچھ پکے بنکر بھی تھے اور فتح کے بعد ۱۴۴ بھارتی بنکر گنے گئے اور بھارتیوں نے ۲ جولائی سے اس پوزیشن سے میجر آفریدی

کے قبضہ شدہ پوائنٹ ۹۱۷۸ پر جوابی حملے شروع کئے ہوئے تھے ۔لیکن کرنل شیر بہادر کی اے اور سی کمپنی کے شمال کی طرف سے دباؤ کیوجہ سے ان کو کوششیں ادھوری رہیں ۔لیکن قیوم شیر کے پوزیشن کو بلا اجازت چھوڑ دینے سے بھارتیوں کو حوصلہ ملا اور انہوں نے جوابی حملے یا چھوٹے حملوں سے کافی زمین حاصل کر لی اور پانڈو گاؤں اب ایک پوری پلٹن کا دفاعی حصار بن چکا تھا۔ کرنل شیر بہادر نے اکبر خان کے ساتھ مشورے کے بعد ۲۱ جولائی کی شام کو بھارتیوں پر صرف دو کمپنیوں سے کوئی منظم حملہ کرنے کی بجائے یہ فیصلہ کیا کہ وہ پوائنٹ ۹۸۷۳ پر مکمل قبضہ کر لیں اور جب پانڈو کی دونوں چوٹیاں ان کے قبضہ میں ہوں گی ۔تو درمیان والی "کاٹھی" یا پانڈو گاؤں کی "چٹری" پر وہ دو اطراف سے حملہ کر کے ہی بھارتی پلٹن کو ختم کر سکیں گے۔ کہ قیوم شیر بھی اپنی کمپنی کو لے کر کرنل شیر بہادر کے پاس آگیا ۔پلٹن کا جانی نقصان بھی ہوا خاص کر تحصیل گوجر خان کے ٹھاکر گاؤں کے عظیم مجاہد صوبیدار کالا خان بھی شہید ہو چکے تھے۔

اکبر خان کا فیصلہ ۲۲ جولائی کو اکبر خان نے چوتھی ایف ایف کے کرنل محمد سعید اور دو کمپنیوں کو حکم دیا کہ وہ جلدی سے پوائنٹ ۹۱۷۸ پر میجر آفریدی کی مدد کو پہنچ جائیں ۔اس کو ڈر تھا کہ خان موہری یا ڈنہ کی طرف سے دشمن کا چھوٹا سا دستہ بھی اس کالم کو گھات لگا کر ان کا بہت نقصان کر سکتا تھا۔بہر حال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ مجاہدین ۲۳ جولائی کو پوائنٹ ۹۱۷۸ پر پہنچ گئے اب اکبر خان نے حکم دیا کہ ضروری نفری پوائنٹ ۹۱۷۸ پر چھوڑ کر وہاں کی سب نفری سنگین چڑھا کر پانڈو گاؤں والے بھارتی پوزیشن پر بعد دوپہر ۲۴ جولائی حملہ کریں گے ۔اور افسر آگے آگے ہوں گے[23] یا حملہ کی ہر سطح پر قیادت کریں گے ۔مغرب کی طرف سے کرنل شیر بہادر یا ارد گرد کے قبائلی لشکر آگے بڑھ کر پانڈو والے دشمن پر دباؤ بڑھائیں گے اور امدادی فائر بھی دیں گے ۔اور نویں پنجاب کی مشین گنوں کو اہم مقامات پر لگا کر دشمن کا سر دبایا جائے گا۔ جونکہ اونچی چوٹی سے بھارتی پوزیشن نزدیک تھا تو اکبر خان نے مغرب کی طرف سے کرنل شیر بہادر کے باقی پلٹن سے حملہ کی بجائے یہ تبدیلی کر دی۔

بھارتیوں کا فرار بھارتی تاریخ[24] کے مطابق بھارتی ۲۴ / ۲۳ جولائی آدھی رات کو اپنی پوزیشن چھوڑ کر اوڑی پہنچ گئے ۔چنانچہ اپنی سرکاری تاریخ میں اس سلسلہ میں جو بھارتیوں کے ۲۴

جولائی کو پو پھٹنے کے بعد پوزیشن چھوڑنے اور باقی اثرات کا ذکر ہے، اس بحث کا اب کوئی فائدہ نہیں ۔ کہ سکھ پلٹن کو دو کمپنیوں کو ۲۴ / ۲۳ جولائی کو رات ایک بجے خان موہری اور ڈنہ کی طرف سے پوائنٹ ۹۱۷۸ پر حملہ کے احکام مل رہے تھے اور ہمارے مجاہدین نے یہ احکام اپنی وائرلیس پر سنے ۔ وہ کارروائی بھی نہ ہو سکی ۔ اور اپنے گشتی دستوں کو ۲۴ جولائی کو پونے آٹھ بجے معلوم ہوا کہ بھارتی پانڈو گاؤں کو خالی کر گئے ہیں تو اب حملے کی ضرورت بھی نہ پڑی ۔ سنگ کے علاقہ سے دو ڈوگرہ کمپنیاں کمک کیلئے آ رہی تھیں وہ بھی فرار ہو گئیں ۔ بھارتی تاریخ نے ہمارے جذبہ کو تسلیم کیا ہے ۔ لیکن اپنا نقصان حسب معمول ۲۴ آدمیوں کی ہلاکت اور ۳۲ کے زخمی ہونے تک محدود کرتے ہیں ۔ البتہ ایک میڈیم مشین گن، ۴ برین گنوں اور بارہ سٹینوں کے نقصان کا بھی ذکر کرتے ہیں ۔ اب یہ بھارتی جھوٹ کیسے تسلیم کیا جائے کہ سری نگر ڈویژن ہیڈ کوارٹر صرف بھارتی بہار پلٹن کیلئے ۹ افسروں اور ۲۹۸ جوانوں کی کمک مانگ رہا تھا ۔ اور ہمیں صرف پانڈو سے بھارتیوں کی ۱۲۳ رائفلیں، گیارہ سٹین گنیں، ۶ برین گنیں اور ایک میڈیم مشین گن ملی ۔

اپنے جائزے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی فتح نصیب کی اور اکبر خان کے مطابق پانڈو ہمارے ہاتھ لگ جانے سے بھارتیوں کے باقی دفاعی مورچے تاش کے گھروندے کی طرح ڈھیر ہو گئے ۔ سنگ کی دس ہزار بلند چوٹی پر سے ڈوگرہ پلٹن بھی ہمارے مجاہدین کے سامنے بھاگ کھڑی ہوئی اور ہمارے مجاہدین قاضی ناگ کی اہم پہاڑی سے صرف دو سو گز کے فاصلے پر تھے کہ جی ایچ کیو سے حکم آگیا کہ اگے مت بڑھیں (۲۵) ۔ اور یہ پہلو تو باب کے شروع میں بیان کر دیا تھا کہ بھارتی جنرل کری آپا نے ایک دفعہ تو جنرل تھمایا کو اوڑی تک پسپا ہونے کی اجازت دے دی تھی لیکن جب ہمارے انگریز جنرلوں نے ہمیں ہماری فتح کے ثمرات حاصل کرنے سے اس محاذ پر روک دیا ۔ تو بھارتی ایک برگیڈ شمالی علاقہ جات میں لے گئے ۔ اور ہمیں جو فائر بندی کی سازش سے پہلے وہاں "ڈنڈی" ماری اس کا ذکر انتالیسویں باب میں ہے ۔ بہرحال اپنا کل جانی نقصان ایک سو کے قریب تھا، جس میں شہداء کی تعداد بیس تھی اور ان میں کیپٹن خالد محمود کے علاوہ صوبیدار کالا خان بھی تھا جو اکبر خان کے مطابق زندگی ہی میں ایک روایت بن گیا تھا (۲۵)

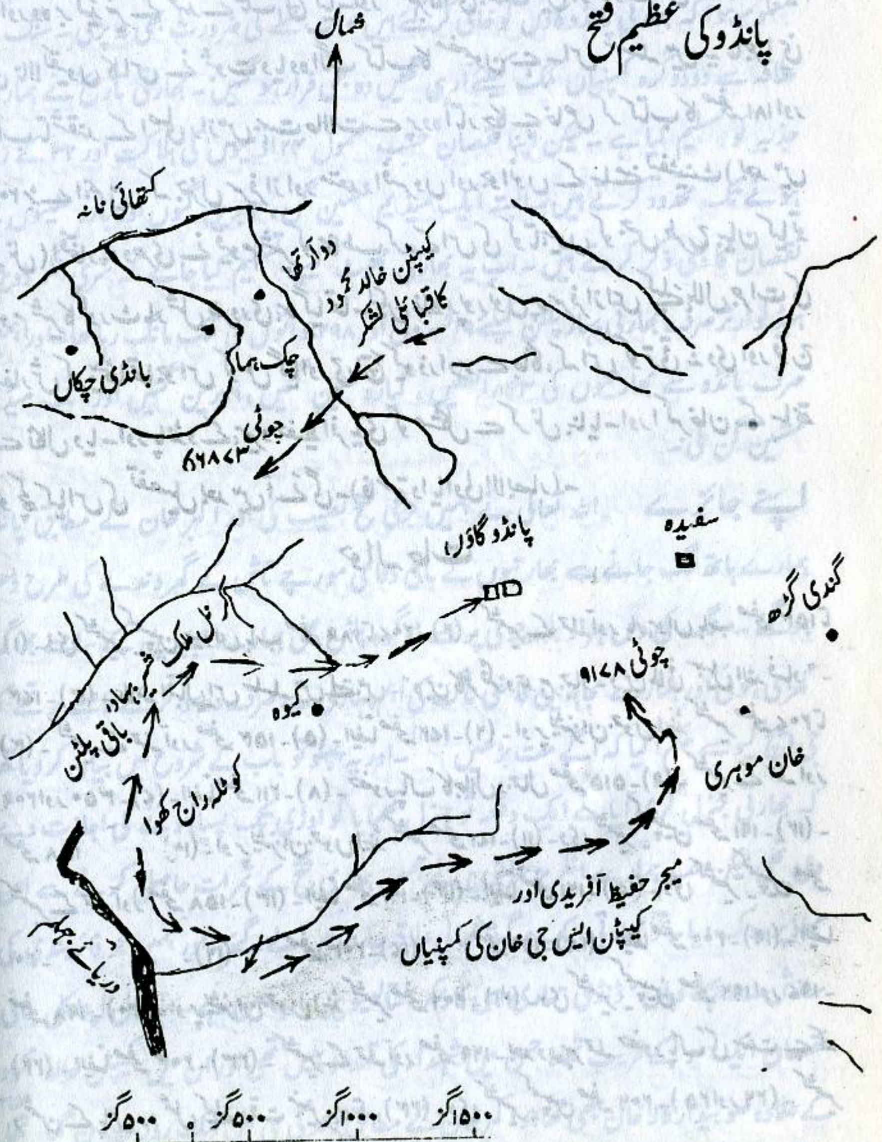
جو آج پانڈو کے ایک سبزہ زار میں دفن ہے ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اجنبی لوگوں کو بھی وہ کئی بار شہادت کے بعد اس علاقے میں نظر آیا ۔ کہ لوگ کالا خان شہید کو زندہ سمجھتے ہیں علاوہ ازیں بھارتیوں نے بہار پلٹن کے کرنل کا کورٹ مارشل کیا (۲۶) ۔ لیکن ہم نے قیوم شیر کو کچھ نہ کہا اور وہ برگیڈیئر کے عہدے تک پہنچ گیا ۔ اور ستمبر ۶۵ کی جنگ میں جو جھوٹ اس نے بولے یا جن نالائقیوں کا اس نے ثبوت دیا وہ الگ کتاب کا مضمون ہے ۔ اس سلسلہ میں یہ ناجز اپنی کتاب تاشقند کے اصلی راز میں بہت حالات سے پردہ اتار چکا ہے خاص کر کتاب کا صفحہ ۱۸۱ اور ۲۰۳ بڑے اہم ہیں کہ جنرل سرفراز اور متعدد افسروں اور جوانوں کے سامنے لیفٹیننٹ (بعد میں کرنل) افتخار چودھری نے قیوم شیر کو مخاطب کر کے اس کی کوتاہیوں کو جس طرح بیان کیا تو قیوم شیر کا کورٹ مارشل ضروری ہو گیا تھا ۔ لیکن غلط رپورٹوں پر سرفراز اس کیلئے ہلال جرات کی سفارش کر بیٹھا تھا جو اس کو مل گیا اور جی ایچ کیو ذرا دیر سے جاگا، کہ اس کو ترقی نہ دی اور فوج سے نکال دیا ۔ اور پانڈو کے ہیرو حفیظ آفریدی کو مشکل سے کرنل بنایا ۔ اور اکبر خان کے ساتھ جو کچھ کیا اس کی تفصیل بعد میں آئے گی ۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار) ۔

حوالہ جات

(۱) ۔ دی کشمیر کیمپین بیسواں باب صفحہ ۱۸۹ تا ۲۰۷ ۔ (۲) ۔ کشمیر کے حملہ آور بارہواں باب صفحہ ۱۵۴ تا ۱۷۴ ۔ (۳) ۔ علامہ اقبال اس سلسلہ میں کہتے ہیں ۔ "دین کافر فکر و تدبیر جہاد ۔ دین ملا فی سبیل اللہ فساد" ۔ (۴) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۵۴ ۔ (۵) ۔ ایضاً صفحہ ۱۷۲ ۔ (۶) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۰۷ تا ۲۰۹ اور ۳۵۰ ۔ (۷) ۔ ایضاً صفحہ ۲۱۱ ۔ (۸) ۔ حضور پاکؐ کا جلال و جمال صفحہ ۵۱۵ ۔ (۹) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۵۸ (۱۰) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۷۱ ۔ (۱۱) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۹۱ ۔ (۱۲) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۵۸ ۔ (۱۳) ۔ ایضاً صفحہ ۱۶۱ ۔ (۱۴) ۔ ایضاً صفحہ ۱۶۱ ۔ (۱۵) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۰۱ ۔ (۱۶) ۔ صفحہ ۲۰۳ ۔ (۱۷) ۔ صفحہ ۱۹۹ ۔ (۱۸) ۔ ایضاً صفحہ ۲۰۰ ۔ (۱۹) ۔ ایضاً صفحہ ۱۹۸ ۔ (۲۰) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۰۶ ۔ (۲۱) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۹۶ اور ۱۹۷ ۔ (۲۲) ۔ ایضاً صفحہ ۲۰۴ ۔ (۲۳) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۶۹ ۔ بعد دوپہر حملہ حضور پاکؐ کی سنت ہے کہ دشمن کے پاس رد عمل کیلئے وقت نہیں ہوتا ۔ (۲۴) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۰۶ ۔ (۲۵ اور ۲۶) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۷۳ ۔ (۲۷) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۱۳ ۔

نقشہ بیست چہارم

پانڈو کی عظیم فتح



اٹھتیسواں باب

پانڈو کی فتح کے بعد اوڑی محاذ کے حالات

گذشتہ سے پیوستہ پانڈو کی فتح کے بعد اکبر خان کیا کرنا چاہتا تھا اور اس کو کیسے روک دیا، اس کہانی کو مختصر طور پر بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ لیکن بھارتی اتنا ترنوالہ بھی نہ تھے۔ چھتیسویں باب میں ان کی "سدرن سویپ" کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ اور اب ہم بیان کریں گے کہ وہاں بڑی گھمسان کی لڑائیاں ہوئیں۔ جہاں ہمارے کیپٹن سرور شہید نے جو بہادری دکھائی تو بعد میں ان کو پاکستان کے پہلے نشان حیدر کا تمغہ لینے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اور بھارتیوں نے حاجی پیر پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کی، تو پونچھ محاذ اور اوڑی محاذ کے درمیان ہمیں ایک نیا سیکٹر بنانا پڑ گیا جس کے واقعات باغ۔ بڈوری سیکٹر کے طور پر چالیسویں باب میں بیان کیے جائیں گے۔ بہر حال اکبر خان نے بھارتی اوڑی محاذ کے بالمقابل اب ایک بہت اچھا دفاعی حصار بنا لیا

پانڈو کا دفاعی حصار انہوں نے گیارہویں بلوچ کو حکم دیا، کہ وہ پانڈو کے علاقہ میں بالا۔ سیتھو۔ فلائی اور رے ونڈ پہاڑی کی لائن میں ایک دفاعی حصار بنائیں، جس کے بن جانے کے بعد بھارتیوں کو قاضی ناگ اور ڈنا کی پہاڑیوں پر اپنی پوزیشن کے لیے ذرائع آمد ورفت کا راستہ بھی مہورا بجلی گھر سے ملانا پڑ گیا۔ کہ ان کا پہلا راستہ ہمارے "سایہ" تلے آگیا۔ اس کے بعد گیارھویں بلوچ کی تمام امدادی دستوں یعنی انیسویں بلوچ کی کمپنی، کرامت فورس، دوسری آزاد بٹالین اور تمام قبائلی لشکروں کو کرنل محمد سعید کی چوتھی ایف ایف کے ماتحت کر کے حکم دیا، کہ جتنا جلدی ہو سکے وہ اہم پہاڑی سلسلہ چھوٹا قاضی ناگ اور خیال ڈوری پر قبضہ کریں۔ 3.7 دہانے کی ایک پہاڑی توپ جس کو پہلے پانڈو، لایا جا چکا تھا۔ اس کو سفیدہ جنگل میں پہنچانے کے حکم دیئے کہ وہ لوگ حملہ کے وقت سیدھے یعنی دیکھ بھال سے امدادی فائر دے سکیں۔ باقی میسر، توپخانے کا فائر بلاوے پر تھا۔ اس ملی جلی فوج نے سفیدہ جنگل سے نکل کر چتریاں میں ایک فوجی مستقر بنایا۔ اور وہاں سے آزاد پلٹن نے برزی کے سامنے پہاڑی کی سطح۔—

مرتفع پر پھیلاؤ اختیار کر کے خیال ڈوری کا رخ کیا۔ اور قبائلی لشکروں نے میجر اسحق [1] کے ماتحت علاقہ میں رہے سہے بھارتی دستوں کا قلع قمع اور "صفائی" کی مہم شروع کر دی۔

قاضی ناگ کی بھارتی پوزیشن

۹۶۵۷ فٹ اونچی چوٹی والا قاضی ناگ پہاڑ پانڈو کو بھی Overlook کرتا تھا یعنی پانڈو اس کی نظر میں تھا۔ اور اس سلسلہ کوہ کے "بازو" یا "ٹانگیں" کئی اطراف میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور جہاں شمال کی طرف خیال ڈوری والی "ٹانگ" اور جنوب میں ڈنہ کی طرف جانے والی "ٹانگ" آکر ملتی تھیں۔ وہاں ایک بھارتی پلٹن کا گٹھا ہوا دفاعی حصار تھا، جس میں اب آکر ادھر ادھر سے بھاگنے والے بھارتی فوجی بھی شامل ہو گئے۔ یہ بازو یا ٹانگیں تنگ قسم کی "گزرگاہیں" تھیں۔ جن پر بھارتیوں نے کئی پکے بینکرز بنائے ہوئے تھے۔ چھوٹا قاضی ناگ کی چوٹی پر سارا دن بادل یا دھند چھائی رہتی تھی اور یہ چوٹی سارے علاقے کے دفاع کی کنجی تھی۔ لیکن اس کی زمین کے نظروں سے اوجھل رہنے کیوجہ سے ہمارے لئے اس علاقے کے بھارتی فلسفہ دفاع یا طریق کار کو سمجھنا مشکل تھا۔ اس لئے کرنل سعید نے کچھ سولین لوگوں کی مدد سے زمین اور نقشے کے مطالعہ کو شیر وشکر کیا۔ اور حملے کی تجویز بنائی۔

حملہ کی کارروائی

اب کرنل سعید نے ایک حیران کن کارروائی کے طور پر ایک کمپنی کو بالا سیتھو والے راستے ڈنہ کی طرف پیش قدمی کرائی۔ اور دوسری کمپنی کو اس "ٹانگ" پر چڑھا کر شمال کا رخ کرا کے چھوٹا قاضی ناگ پر حملہ کرا دیا۔ بھارتی گھبراہٹ میں کچھ بھاگے اور اس کمپنی نے اپنی طرف سے چھوٹا قاضی ناگ پر "قبضہ" کر لیا اور وہاں مورچے کھود کر رات اسی "فتح" کی خوشی میں گزاری۔ لیکن صبح سورج کی پہلی کرن کے وقت معلوم ہوا کہ ان کا قبضہ ایک False Crest (نقلی چوٹی) پر ہے۔ اور اصلی چوٹی وہاں سے ۵۰۰ گز دور ہے۔ جہاں بھارتیوں کا قبضہ ہے ان مجاہدین نے جوش جہاد میں اصلی چوٹی پر بغیر امدادی فائر کے قبضہ کرنے کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہوئی اور ان کو اپنی پوزیشن میں واپس آنا پڑا۔ ڈنہ والی کمپنی بھی غلط فہمی کا شکار تھی کہ دشمن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہا ہے اور جنگ حنین کے موقع پر حضور پاکؐ نے جو پہاڑی علاقوں میں دشمن کے تعاقب کو مرحلوں میں بانٹنے کی ہدایات دی تھیں ان لوگوں نے اس پر عمل نہ کیا [2] تو ان کو بھی زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن جو کچھ اکبر خان حاصل

کرنا چاہتا تھا اس کا ۷۵ فیصد کرنل سعید حاصل کر چکا تھا کہ اب اکبر خان قبائلیوں کو "شکار" پر جھپٹنے کی تجاویز بنا چکا تھا کہ جیسے پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ جی ایچ کیو سے حکم آ گیا کہ جہاں پہنچے ہو اس سے آگے پیش قدمی نہ کرنا کہ مہورا بجلی گھر بھارتیوں کے ہاتھ سے نہ نکل جائے

اکبر خان کی سوچ

اکبر خان نے آئندہ کے لئے تجاویز کی کچھ "ریہرسل" کر لی تھی۔ کہ اپنی کتاب میں وہ کہتا ہے [3] " بھاگتے ہوئے بھارتیوں کا شکار قبائلیوں نے زیادہ تر خنجر سے کیا۔ مارے جانے والے بھارتیوں کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں ہو سکی، لیکن وہ تین سو سے کم نہ تھی۔ کہ جب قبائلی واپس آئے تو ان میں سے بیشتر بھارتی وردی پہنے ہوئے تھے اور اپنے ساتھ بے شمار اسلحہ اور ایمونیشن لائے " اکبر خان اپنی کتاب میں کسی آئندہ کی تجویز کا ذکر نہیں کرتا، لیکن فائر بندی کے بعد اس نے کئی جگہ یہ بات کھل کر کہی "کہ میرے پاس ایک تجویز تھی لیکن مجھے کچھ کرنے سے روک دیا گیا" اب اس عاجز نے جنرل ریاض اللہ کے ذریعہ سے اکبر خان کو جو سوالات بھیجے ان میں اس تجویز کے بارے بھی سوال تھا۔ جس پر اکبر خان مسکرا دیا اور کہنے لگا "اب جو کچھ وہ کہے گا اس کو دیوانے کی بڑ سمجھا جائے گا۔ مصنف میری کتاب دوبارہ پڑھے کہ اس سلسلہ میں میں نے پانڈو کی فتح کے سلسلہ میں یہ بھی کہا ہے کہ ہم نے صرف چھ میل پیش قدمی کی اور نوے مربع میل علاقہ بھارتیوں سے واپس لے لیا۔ بھارتی بری طرح بکھر چکے تھے۔ ان کی حرکت سڑکوں تک محدود تھی۔ اور ان کے توپخانے کا فائر بھی محدود جگہوں تک پہنچ سکتا تھا۔ ہمیں ایک مستقر چاہیے تھا۔ جس کو آگے بڑھاتے جاتے اور ہمارے قبائلی مجاہدین متحرک تھے۔ ہم باقی جگہوں پر بھارتیوں کا پانڈو کی نسبت زیادہ نقصان کر سکتے تھے"۔ بہر حال ہمارے انگریز جنرلوں نے بھارت کی مدد کی کہ بھارتی تاریخ کے مطابق [4] بڑی یا دوسری دفاعی لائن اوڑی کی لائن میں بنائی اور آگے صرف "دکھاوا" تھا۔ کہ بھارتی ایک برگیڈ کی نفری اس جگہ سے نکال کر درہ زوجیلہ کی طرف لے گئے جو ذکر اگلے باب میں آتا ہے اور مہورا بجلی گھر بھارتیوں کے پاس ہی رہا۔

شمال میں کارروائیاں

جب کرنل سعید، چھوٹا قاضی ناگ پر حملہ آور ہو رہا تھا تو آزاد۔

پلٹن والے خیتر نار ۔ چم ۔ چتریاں اور سنگ کے مقامات سے بھارتیوں کے بچے کھچے لوگوں کو بھگاتے خیال ڈوری کے نزدیک پہنچ گئے تھے ۔ اور قبائلی مجاہدین میرا کے مقام پر میجر اسحق کے ماتحت ایک مستقر بنا کر دور دور، دشمن کے عقب میں حملے کر رہے تھے ۔ لیکن اب احکام آگئے کہ ان کو بھی " ساکن " کر دیا جائے ۔ اور انیسویں بلوچ اور دوسری پنجاب کی جو ایک ایک کمپنی وہاں کام کر رہی تھی ۔ ان کو ان کی یونٹوں میں واپس بھیجنے کے احکام آگئے ۔

جنوبی محاذ بھارتی تاریخ کے مطابق جون ۱۹۴۸ء کے آخری ہفتہ میں جب اوڑی محاذ پر ان کی پیش قدمی رک گئی تو وہاں دفاعی حصار بنا کر اپنے برگیڈ نمبر ۲ ،، کو ۱۱ جولائی تک وہ زوجیلہ کی طرف لے جانا چاہتے تھے [۵] ۔ لیکن ان کی سیاسی قیادت نے ان کو کوئی " تسلی " دی کہ ہمارے اس محاذ کے کرنل غلام جیلانی نے میجر محمد خان کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا ۔ تو بھارتیوں کو اپنی " سدرن سویپ " یاد آئی ۔ لیکن ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق [۶] اکبر خان چوکنا تھا اور اس سلسلہ کی کچھ کہانی ہم پچھلے باب میں بیان کر آئے ہیں ۔ اور اس نے ان کی پیش قدمی کو روک دیا ۔ لیکن بھارتیوں نے عروسہ سے پیر کنٹھی کے علاقہ تک ایک سڑک بنالی تھی ۔ اور وہ علاقے میں اتنے مضبوط تھے کہ ۱۷ جولائی کو پوائنٹ ۹۴۸ پر ہمارا حملہ ناکام ہو گیا تھا اور یہ کہانی بیان ہو چکی ہے ۔ لیکن بھارتیوں نے پوائنٹ ۹۴۸ کو خالی کر دیا اور ساتھ ایک " تھپلی " پر دفاعی پوزیشن لگا دیا ۔ اس چیز نے بڑی غلط فہمی پیدا کی ۔

بھارتی پوزیشن اور ہماری تجویز بھارتی پیر کنٹھی ۔ پوائنٹ ۹۴۸ کے ساتھ ایک تھپلی اور تل پترا کو ایک دفاعی حصار میں تبدیل کر چکے تھے ۔ کہ پوزیشنوں کے آگے تاریں اور مائنز بھی لگی ہوئی تھیں اور دو پلٹنوں کی نفری عروسہ سے لے کر اس دفاعی حصار کو ذرائع آمدورفت کی حفاظت پر مامور تھی ۔ کرنل آدم خان نے فیصلہ کیا کہ حملہ صرف پوائنٹ ۹۴۸ کے علاقے اور تل پترا پر کیا جائے گا، تو اس سڑک پر بھی قبضہ ہو جائے گا جو عروسہ کو جاتی ہے (نقشہ بیست ششم سے استفادہ کریں) بہرحال آدم خان نے تیسری باغ پلٹن کی تین کمپنیوں اور اپنے ساتھ آٹھویں ایف ایف کی کمپنی کو لپنے ۱۷ جولائی والے گلی ڈنہ کے مستقر کی حفاظت پر لگا دیا ۔ اور باغ پلٹن کی چوتھی کمپنی کو کہا کہ وہ پیر کنٹھی پر نظر رکھیں اور دشمن کو الجھائے رکھیں ۔ اور اپنی

بی کمپنی کو بھی اسی علاقہ میں کوبرہ یا کوپرہ کے مقام پر ریزرو رکھا ۔

حملہ کی کارروائی چنانچہ ۱۷ جولائی والے ناکام حملے کے صرف نو دن بعد کرنل آدم خان نے ۲۶/۲۷ جولائی کی رات کو اپنی دو کمپنیوں سے دشمن پر حملہ کر دیا ۔ اے کمپنی نے تل پترا پر اور سی کمپنی نے پوائنٹ ۹۴۸ پر ۔ کمپنی کمانڈر کون کون تھے یہ معلوم نہیں ہو سکا ۔ البتہ ایک کیپٹن محمد جمشید تھے جنہوں نے ستمبر ۶۵ کی جنگ میں چونڈہ کے مقام پر کرنل کے طور پر بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا اور راقم کے یہ ذاتی دوست فوج سے میجر جنرل کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے ۔ بہرحال بظاہر حملہ کامیاب رہا اور دونوں کمپنیوں نے اپنے مقصودوں پر آدھی رات تک قبضہ کر لیا ۔ لیکن ساری پلٹن حیران ہو گئی کہ تھپلی پر بھارتیوں کا ایک نیا دفاعی پوزیشن دریافت ہوا جو ان کو ان کی نئی قبضہ شدہ زمینوں پر سر نہ اٹھانے دے رہا تھا ۔ کہ یہ دفاع اہم زمین پر تھا ۔ اس لئے کرنل آدم خان نے مزید دیکھ بھال کئے بغیر، کیپٹن سرور کے ماتحت پلٹن کی ڈیفنس پلٹون اور اپنے ساتھ آزاد پلٹن کی کمپنی سے ساڑھے تین بجے تھپلی پر حملہ کرا دیا ۔ اور بی کمپنی کو آگے منگوا لیا کہ وہ ان کو پیچھے سے سہارا بھی دیں اور امدادی فائر بھی ۔ بھارتیوں کا یہ گٹھا ہوا پوزیشن کئی لحاظ سے ناقابل تسخیر تھا ۔ میڈیم مشین گنوں اور خودکار ہتھیاروں کے پکے بنکر تھے اور ان کا کراس فائر کسی کو اس طرف پیش قدمی نہ کرنے دیتا تھا ۔ تاریں اور مائین فیلڈ بھی تھیں ۔ کیپٹن سرور نے خود آگے بڑھ کر ایک گرنیڈ سے ایک بھارتی مشین گن پوسٹ کو تباہ کیا ۔ اور اپنے ایک شہید کی برین گن اٹھا لی اور اس سے فائر کرتے دشمن کے تاروں والے علاقے تک پہنچ گیا ۔ اور ڈیفنس پلٹون کی ایک سیکشن کو آگے بلا کر تاریں کاٹنا شروع کر دیں ۔ اسی دوران آپ کو کندھے میں گولی لگ گئی ۔ لیکن آپ نے اس پر پٹی باندھ کر ۔ چند جوانوں کو ساتھ لے کر دشمن پر یلغار کر دیا اور ان کی صفوں یا موروچوں میں گھس گئے ۔ لیکن وہاں دشمن کے ایک خودکار ہتھیار کے فائر سے وہ شہید ہو گئے ۔

سرور کی کارکردگی اور شہادت کے اثرات لیکن کیپٹن سرور نے جس بہادری کا مظاہرہ کیا ۔ تو سارے حملہ آور دشمن کی تاروں تک پہنچ گئے اور گرنیڈوں سے آگے والے بھارتی مورچوں کو تباہ کر دیا ۔ لیکن افسوس ساری تاریں نہ کاٹی جا سکیں اور سب حملہ آور دشمن کے

مورچوں کے اندر نہ گھس سکے بلکہ ۲۰ مجاہدین شہید ہوگئے اور متعدد زخمی ۔ بی کمپنی کا نائب صوبیدار چودھری خان نزدیک پہنچ گیا تھا اور اپنی پلٹنوں کو دو حصوں میں بانٹ کر ایک دوسرے کے فائر کی مدد سے کئی شہیدوں کی لاشیں پیچھے نکالیں اور ۲۲ زخمیوں کو حفاظت والی جگہ پہنچا دیا لیکن وہ خود اس کارروائی کے دوران شہید ہوگئے ۔ دو گھنٹے کی گھمسان کی جنگ کے بعد جب روشنی ہوئی تو کرنل آدم خان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مجاہدین دشمن کے مورچوں کے ساتھ لپٹے ہوئے ہیں ۔ لیکن بھارتی اسی طرح فائر کر رہے ہیں ۔ جس طرح انہوں نے حملے کے وقت کیا تھا ۔ تو کرنل آدم خان نے بچے ہوئے جوانوں کو پوائنٹ ۹۰۸ پر واپس آنے کے احکام دے دیئے ۔ لیکن بھارتی وہاں بھی اپنی توپوں اور مارٹروں کے گولوں کی مار دیکھ کر فائر کرانے کے قابل تھے اور پیر کنٹھی والے بھارتی تل پترا والے پوزیشن کا بھی حال کر رہے تھے ۔ اسلئے ۲۷۔ جولائی دوپہر کو کرنل آدم خان اپنی پلٹن کو لے کر نیچا گلی والے پوزیشن پر واپس چلا گیا[7] ۔ پلٹن اب تیسری بار بہتر طریقے سے ایک اور حملہ کیلئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار تھی ، کہ حکومت پاکستان کا حکم آگیا کہ اب کشمیر محاذ پر کوئی جارحانہ کارروائی نہ کی جائے گی[8] اور ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق بھارت کے تبدیل شدہ رویہ کے تحت یہ امید لگ گئی تھی کہ دونوں ملک اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت کشمیر کا مسئلہ حل کریں گے ۔

تبصرے اب سارے واقعات پر اس عاجز کے پاس بے شمار تبصرے ہیں ۔ اور ان کی مدد سے واقعات کے تانے بانے ملانے ضروری ہیں ۔ اول کیپٹن سرور شہید اور پلٹن کے جوانوں کے جذبہ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے اور بے شک کیپٹن سرور شہید کو صحیح طور پر ملک کا پہلا نشان حیدر ملا ۔ کرنل آدم خان نے صحیح پیشہ ورانہ قابلیت کا مظاہرہ تو نہ کیا ۔ کہ ایسے حملے بڑی سوچ و بچار اور دیکھ بھال کے بعد کسی بہتر طریقے سے کئے جاتے ہیں ۔ لیکن کرنل صدیق راجہ کی طرح وہ " تماشہ بین " نہ تھا ، وہ خود بھی جنگ میں شامل تھا ۔ وہ اکبر خان سے سینئر تھا اور پہلے اس کا برگیڈیئر بننے کا نمبر کاٹ دیا گیا تھا ۔ لیکن اس جنگ نے اس کو میجر جنرل کے عہدے تک پہنچا دیا[9] ۔ البتہ اپنی پیشہ ورانہ کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کیلئے اس نے اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہمیشہ سخت رویہ اپنایا ہوا ہوتا تھا اور گالی گلوچ سے بھی باز نہ آتا تھا اور بعد کی اس کی کمانڈوں

میں کبھی کوئی بھلائی کا پہلو نہ نظر آیا ۔ جہاں تک جارحانہ کارروائیوں کو بند کرنے کی بات ہے یہ احکام ہمارے لئے تھے کہ ہمارے انگریز جنرل کہتے تھے کہ ہم " غیر قانونی " طور پر کشمیر میں داخل ہوئے ہیں ۔ اس لئے زیادہ جارحانہ کارروائی نہ کریں ۔ لیکن بھارت کو جارحانہ کارروائی کی اجازت تھی کہ وہ " قانونی " طور پر کشمیر میں داخل ہوئے ۔ اور یہی ساری جنگ کا بڑا المیہ تھا ۔ لیکن اصلی سازش بہت گہری تھی کہ ہمیں " باندھ " کر مروانا تھا اور دراصل ہماری ساری فوج کو کشمیر میں " الجھا " دینا مقصود تھا کہ جب بھارت والے حیدر آباد پر حملہ کریں تو انگریز جنرل کہہ سکیں کہ پاکستان کی فوج کشمیر میں الجھی ہوئی ہے ۔ بھارتی حیدر آباد پر حملے کیلئے تیار تھے ۔ انہیں صرف قائداعظم کی وفات کا انتظار تھا ۔ جن کے علاج معالجے میں سخت لاپرواہی برتی جارہی تھی جس کے اشارے کرنل الٰہی بخش کی کتاب میں موجود ہیں ۔ مثلاً مسٹر امین کا کہنا کہ ڈاکٹر الٰہی بخش کی آمد کئی دنوں سے متوقع تھی[10] ۔ یا الٰہی بخش خود کا کہنا کہ ان کو لاہور میں قائداعظم کی بیماری کا کچھ علم ہوجاتا تو وہ ضروری ڈاکٹر اور دوائیاں بھی ساتھ لاتا ۔ اب زیادہ وقت خواہ مخواہ ضائع ہوا[11] ۔ یا مس فاطمہ جناح کا کہنا کہ لیاقت ۔ ڈیسائی ملی بھگت کیوجہ سے قائد ، لیاقت کو شک کی نگاہ سے دیکھتے رہے[12] ۔ ان سب باتوں سے لیاقت علی کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا اور ہمارے انگریز جنرل سب کچھ لیاقت کی مرضی سے کر رہے تھے ۔ بہرحال عظیم جانی قربانی اور جذبہ جہاد نے بھارتیوں پر ظاہر کر دیا ، کہ جنوبی محاذ پر ان کا " سدرن تھرسٹ " بھی اپنی موت آپ مرچکا تھا ۔

سول انتظامیہ ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق[13] اکبر خان نے چودھری غلام عباس سے رابطہ قائم کر کے بہتر سولین انتظام کی راہ نکالی کہ غلام عباس ان دنوں قید سے آکر آزادی کشمیر کی سپریم کونسل کے سربراہ بن چکے تھے ۔ اور اکبر خان نے اپنے پرانے ساتھی لطیف افغانی کو اعزازی کرنل کا عہدہ دلا کر سولین کو منظم کیا ۔ لیکن یہ ادھوری بات ہے ۔ قائداعظم نے غلام عباس کو یہ عزت دی ۔ لیکن بعد میں لیاقت علی نے غلام عباس کے ساتھ جو کچھ کیا ۔ وہ ایک المیہ ہے ۔ اکبر خان ، دراصل غلام عباس کے ذریعہ سے مقامی لوگوں کو زیادہ فوجی تربیت دے کر محاذ کو گرم رکھنا چاہتا تھا اور یہ کچھ اسلامی اصول جہاد کے تحت صحیح تھا ۔ کہ اکبر خان نے

گیارہویں بلوچ کے دستوں کی حفاظت میں، ۷ اگست کو ایک توپ ایسی جگہ پر لگائی جس نے بھارتی توپوں پر ڈائریکٹ فائر کر کے ان کو تباہ کر دیا۔ اور مقامی مجاہدوں کو گھاتیں لگانے پر بھیجا۔ ۱۹ اگست کو بھارتی دستے کچھ گشت کیلئے نکلے، تو مقامی مجاہدوں نے اس کیلئے مقررا شاروں سے فوج کو خبر دی تو چوتھی ایف ایف کے علاقوں میں ایک چھپی مشین گن نے بھارتیوں کو بھون کر رکھ دیا۔ اور اس محاذ پر سولین مجاہدین کی مدد سے اکبر خان نے بھارتیوں کی یہ حالت کر دی کہ وہ اپنی توپیں اوڑی لے گئے۔

ہوائی جہازوں کا شکار اکبر خان کی کتاب [۱۴] میں بھارتی ہوائی جہازوں کے شکار کا دلچسپ ذکر ہے۔ کہ اکبر خان نے خود اندازہ لگایا کہ ان کے آنے جانے کے راستے کون سے ہیں انہیں ایک ۴۰ ملی میٹر کی اینٹی ایئر کرافٹ توپ بھی مل گئی جس کو ایسی جگہ لگا دیا جہاں بھارتی جہاز جھپٹ نہ مار سکتے تھے۔ اور باقی دس ہزار فٹ اونچی چوٹیوں پر کئی مشین گنیں لگا دیں۔ اب اس چالیس ملی میٹر کی توپ کو جہازوں کے خلاف استعمال کرنے کی بجائے بھارتی کھلے کیمپوں پر اس سے ایسے گولے برسائے گئے کہ بھارتیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور انہوں نے ہوائی جہازوں کو بلایا کہ اس توپ کو تلاش کیا جائے۔ اکبر خان نے ہدایات دے رکھی تھیں کہ مشین گنیں صرف ہوائی جہاز پر اس وقت فائر کریں گی جب وہ زمین پر جھپٹا ماریں گے۔ تو ایک دن ایک بھارتی جہاز اس توپ کی تلاش میں آیا اور اپنا ایمونیشن ایک جگہ ضائع کر کے واپس چلا گیا۔ لیکن بھارتیوں کیلئے توپ کی کچھ نشاندہی ضرور کی، کہ دوسرے دن تین بھارتی ہوائی جہاز آئے اور متوقع جگہ پر جیسے وہ جھپٹے تو مشین گنوں نے سخت فائر کھول دیا۔ دو جہاز تو فضا میں تباہ ہو گئے۔ لیکن تیسرے جہاز کا ہوا باز چھتری سے کود کر بچ گیا۔ اس کے بعد بھارت کے ہوائی جہازوں نے اس محاذ کا رخ نہ کیا۔

یونٹوں کی تبدیلی ستمبر کے آخری ہفتہ میں ساتویں ایف ایف کی جگہ کرنل (بعد میں بریگیڈیئر) رحیم اللہ کے ماتحت موجودہ پہلی پنجاب آگئی۔ ساتویں ایف ایف نے اس محاذ پر جو جذبہ جہاد دکھایا۔ وہ ایک کتاب کا مضمون ہے۔ میجر جنرل نذیر احمد کا چھوٹا بھائی کرنل بشیر احمد جس نے پلٹن کی کمانڈ کی، وہ قادیانی ضرور تھا۔ لیکن باقی قادیانیوں کی طرح اس کی کوئی

کوتاہی سامنے نہ آئی۔ اور وہ بڑی بہادری سے لڑتا رہا۔ شاید اعوان قوم کا خون اس کے "وقتی اور نظریہ ضرورت" کے قادیانی عقائد پر حاوی رہا۔ اکتوبر کے آخر میں پانڈو کے ہیرو گیارہویں بلوچ کی جگہ موجودہ چودھویں پنجاب نے لے لی۔ اور ہماری سرکاری تاریخ [۱۵] میں کمانڈنگ افسر کا نام جو کرنل (بعد میں بریگیڈیئر) اے کے اکبر لکھا ہوا ہے۔ وہ صحیح نہیں۔ کرنل اکبر جی ایچ کیو آگیا تھا اور یہ پلٹن رضاکارانہ طور پر میجر (بعد میں کرنل) حمید اللہ قریشی کے ماتحت کراچی سے اس محاذ پر آئی۔ اور میجر قریشی نے پانڈو پر چڑھتے وقت بڑی جسمانی قوت کا مظاہرہ کیا۔ کہ وہ وہاں پہنچنے والے پہلے سات جوانوں میں ایک تھا۔ گیارہویں بلوچ اپنے دسویں بریگیڈ میں سترہ پنجاب کے ساتھ چلی گئی کہ پانڈو کے اور چنج کے فاتحین کو اکٹھا کر کے ہمیں بے وقوف بنانے کی ایک تگ و دو ہو رہی تھی کہ یہی لوگ بھارت پر حملہ کے ہراول میں ہوں گے [۱۶]۔

چھوٹا قاضی ناگ پر حملہ کی تیاری اوپر کے سخت احکام کے باوجود اکبر خان نے چوتھی ایف ایف سے چھوٹا قاضی ناگ پر، نومبر کو ایک اور حملے کی تجویز بنائی۔ کہ بھارتی توپیں جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے اوڑی چلی گئیں اور اکبر خان کے مجاہدین بھارتی دفاع میں کافی شگاف کر چکے تھے۔ لیکن انگریز جنرلوں کو اس تجویز سے آگاہ نہ کیا۔ کہ کچھ شکوک پڑ گئے تھے کہ ٹانگم سب کچھ بھارتیوں کو بتا دیتا ہے۔ بہر حال حملے کی بڑی تیاری کی گئی اور پہاڑی توپوں کو بھارتی بنکروں سے صرف تین سو گز کے فاصلے پر لایا گیا۔ اور پہلے گولے نے بھارتیوں میں کھلبلی مچا دی کہ جوان تین دن کا پکا ہوا کھانا جھولوں میں ڈالے اوڑی تک کے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لینے کو تیار تھے۔ لیکن زمین بہت گیلی تھی اور توپوں نے زمین میں دھنسنا شروع کر دیا۔ تو حملے کی تجویز ختم کرنا پڑی۔ بھارتی تاریخ ان سب واقعات کو گول مول زبان میں بیان کرتی ہے اور چالیس ملی میٹر سے ہمارے فائر کے بعد بھارتیوں نے اپنے ۲۰ آدمیوں کے مارے جانے، پچاس کے زخمی ہونے اور یک صد خچروں کے ناکارہ ہونے کی وائرلیس پر خبر دی۔ لیکن بھارتی تاریخ معمولی نقصان کا ذکر کرتی ہے۔ دراصل بھارتی مورچوں میں بیٹھ کر امدادی فائروں پر گزارہ کر رہے تھے کہ ان کی حکومت حیدر آباد پر حملے کی تیاری مکمل کر چکی تھی کہ انگریز ہماری کافی فوج کو کشمیر میں [illegible] بھی چکے تھے اور ان کو جارحانہ کارروائیاں بھی نہ کرنے دیتے تھے۔ سری نگر۔

اوڑی محاذ پر یہ آخری باب ہے کہ سری نگر سے شمال میں بھارتیوں کی ہمیں فائر بندی کے ڈرامہ سے پہلے ڈنڈی مارنے کی کہانی اگلے باب میں بیان کر کے جنوب کی طرف ہم بڑی سازشوں کو کتاب کے آخری ابواب میں بیان کریں گے۔

حوالہ جات

(۱) ۔ جھنگڑ محاذ والے میجر اسحق اب اس محاذ پر آ گئے۔ (۲) ۔ حضور پاک کا جلال و جمال صفحہ ۴۱۹ (۳) کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۷۲ ۔ (۴) ۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۰۹ ۔ (۵) ۔ ایضاً صفحہ ۲۰۹ ۔ (۶) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۱۰ ۔ (۷) ۔ ایضاً صفحہ ۲۱۲ ۔ ہماری تاریخ میں یہ واقعہ ۲۶ / ۲۵ کا ہے ۔ لیکن اور ذرائع اور بھارتی حوالے سے یہ تاریخ ۲۷ جولائی ہی تھی۔ (۸) ۔ ایضاً صفحہ ۲۱۲ ۔ (۹) ۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ آدم خان کو ترقی اس کی قادیانی بیوی کی وجہ سے ملی کہ بعد میں اس کے دونوں بیٹے بھٹو کے خلاف قادیانی سازش میں اختر ملک کے بیٹے سمیت شامل تھے ۔ (۱۰) ۔ قائداعظم کے آخری ایام (کرنل الٰہی بخش) صفحہ ۱۰ ۔ کتاب کے دوسرے یا باقی ایڈیشنوں سے اب کافی کچھ حذف کر دیا گیا ہے ۔ (۱۱) ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۱۱ ۔ (۱۲) ۔ آواز دوست (مسٹر مختار مسعود) صفحہ ۲۳۴ ۔ (۱۳) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۱۸۴ ۔ (۱۴) ۔ کشمیر کے حملہ آور تیرھواں باب صفحہ ۱۷۵ تا ۱۷۹ ۔ (۱۵) ۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۱۵ ۔ (۱۶) ۔ اس پیراگراف میں بیان شدہ سب صاحبان میرے جاننے والے اور ذاتی دوست رہے ۔ اور ہر نام کے ساتھ یہ الفاظ لکھنے کی بجائے یہاں وضاحت کر دی گئی ہے۔

انتالیسواں باب

شمالی علاقہ جات میں ہماری آخری کوتاہی یا غداری؟

تانے بانے شمالی علاقہ جات کے اس آخری باب کے تانے بانے ایک طرف پچھلے باب کے ساتھ ملتے ہیں کہ سری نگر کے ڈویژن کمانڈر میجر جنرل تھمایا کو جب اوڑی محاذ پر ہمارے جہاد میں جمود کی تسلی ہو گئی، تو وہ اپنی سیاسی قیادت کے احکام پر فائر بندی سے پہلے بلکہ سردیوں کے آنے سے پہلے ہمیں "ڈنڈی" مارنے کی تیاری کر رہا تھا۔ تو دوسری طرف اٹھتیویں باب میں واپس جائیں، کہ میجر حسن خان کی غیر حاضری میں ہم گریز تک کے علاقے خواہ مخواہ کھو چکے تھے اور نیا کمانڈر کرنل غلام جیلانی درہ زوجیلہ کی نسبت لہ کے محاذ کو زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔ بلکہ زوجیلہ کے فتح کرنے کی وہ میجر محمد خان [1] کو اجازت نہ دے رہا تھا۔ لیکن جولائی ۱۹۴۸ء میں میجر محمد خان جرال نے زوجیلہ فتح کر لیا۔ اب اس باب میں ہم یہ واضح کریں گے کہ محمد خان نے کس طرح دو دفعہ بھارتی بریگیڈوں کے زوجیلہ پر جوابی حملوں کو پسپا کر دیا۔ لیکن کرنل غلام جیلانی نے اس محاذ پر بعد میں ایک طرف محمد خان کو تبدیل کر کے، ایک کوتاہ کردار والے میجر صادق قریشی کو یہ اہم ذمہ داری دے دی، اور دوسری طرف خود بھی اس بھارتی خطرہ کی طرف نہ دھیان دیتے ہوئے لہ کی طرف ایک لاحصل مہم میں مشغول ہو گیا۔ تو بھارتیوں نے اتنے وسیع علاقوں پر قبضہ کر لیا کہ کرنل جیلانی کہ لہ کی مہم اپنی موت آپ مر گئی۔

محکمہ تعلقات عامہ کے سیمینارز ۱۹۹۰ء میں جہاد کشمیر پر راولپنڈی میں پہلے سیمینار میں کرنل (بعد میں میجر جنرل) غلام جیلانی بھی موجود تھا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ لوگ سچی باتیں کر رہے ہیں تو وہ اٹھ کر بریگیڈیئر صدیق ستی کے پاس جا کر بیٹھ گیا کہ وہ اس کے ہم زلف حیاء الدین کی کوتاہیوں سے پردہ نہ اتار دے۔ تو صدیق ستی کو مجبوراً محتاط رویہ اختیار کرنا پڑا۔ لیکن سوالات و جوابات میں نہ صرف حیاء الدین کی کوتاہیاں سامنے آگئیں، بلکہ میجر جنرل نوابزادہ شیر علی کو بھی مائیک چھوڑنا پڑا، کہ بحث میں ثابت ہو گیا، کہ حیاء الدین اور شیر علی کو ہلال جرأت کے تمغے انگریزوں کا کھلونے بننے کی وجہ سے دیئے گئے۔ ورنہ ان کی کوتاہیوں کی کوئی

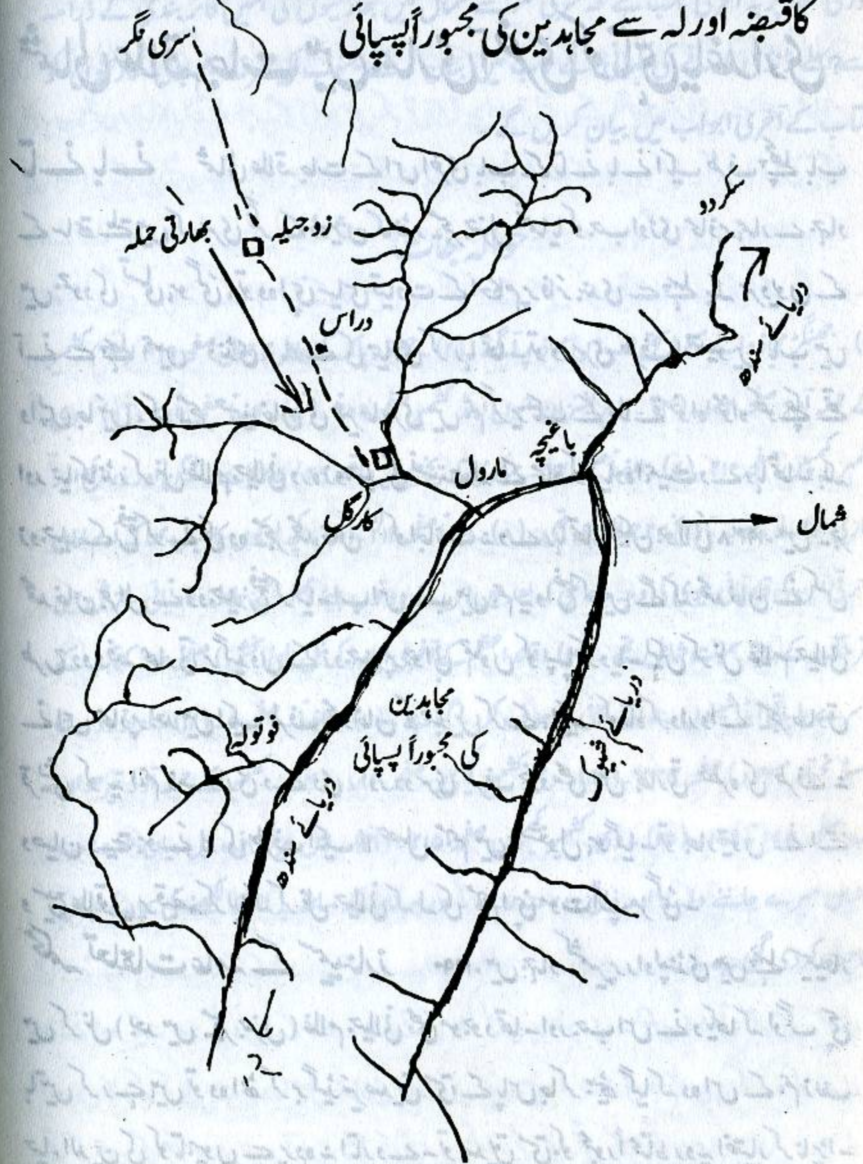
حد نہیں ۔ ساتھ ہی میجر محمد خان جرال نے شمالی علاقہ جات کے بارے میں کچھ سچی باتیں کہیں، تو کرنل غلام جیلانی اور گھبرایا اور کچھ آئیں بائیں شائیں مار کر اپنا دفاع کیا ۔ اس لیئے لوگوں نے گلگت اور سکردو میں سیمینارز کرانے پر زور دیا، کہ جیلانی اور بریگیڈیئر اسلم وہاں ان سیمینارز میں شریک ہو کر اپنی "بہادریوں" یا "کوتاہیوں" کو واضح کریں ۔ لیکن افسوس کہ اس سلسلہ میں وہاں جو سیمینارز ہوئے ان میں بالکل واضح ہو گیا ۔ کہ شمالی علاقوں میں جو کچھ اچھا ہوا وہ حسن خان مرزا اور محمد خان جرال اور ان کے جونیر لوگوں کی وجہ سے ہوا ۔ اور جیلانی و اسلم نے اپنے گرد غلط قلعے تعمیر کیئے ہوئے ہیں ۔ اور دونوں نے بیماری کا بہانہ بنا کر ان سیمینارز میں اپنی پوزیشن کی وضاحت نہ کی ۔

دشمن کے حالات

ساتھ نقشہ بیست پنجم کی مدد سے حالات کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے ۔ اور زمینی پہلو کو متعلقہ ابواب میں پہلے بیان کر دیا ہے ۔ بہرحال وسط جولائی میں ہماری زوجیلہ اور چنج کی فتوحات ۔ اور بعد میں پانڈو کی عظیم فتح نے بھارتی جنرلوں تھمایا اور کری آپا کو سخت تذبذب میں ڈال دیا تھا ۔ اور جنرل کری آپا، سری نگر کیلئے مزید دو بریگیڈوں کی کمک کیلئے دہلی میں بھارتی جی ایچ کیو کو گزارش کر چکا تھا[۲] ۔ لیکن حیدرآباد پر حملہ کی بھارتی متوقع تیاری کیوجہ سے وہ کشمیر میں کوئی امداد نہ بھیج سکتے تھے ۔ اور اب ہمارے انگریز جنرلوں نے اوڑی ۔ ٹتھوال محاذ پر ہمیں باندھ کر رکھ دیا ۔ تو بھارتیوں نے ان محاذوں سے تین پلٹنیں نکال لیں اور ستمبر ۱۹۴۸ء میں جنرل تھمایا کو شمالی علاقہ جات میں "ڈنڈی" مارنے کا حکم مل گیا تھا ۔ کہ سردیوں کے آنے سے پہلے شمالی علاقہ جات کے وسیع علاقوں پر قبضہ کر لیا جائے ۔ بھارتی تاریخ میں اس کا ثبوت[۳] موجود ہے کہ سری نگر پہنچنے والی تین پلٹنوں یعنی پانچویں مرہٹہ، تیسری جاٹ اور پہلی گورکھا نے دراس اور کارگل پر حملہ کرنا تھا ۔ لیکن اوڑی محاذ پر بھارتی پریشانی کیوجہ سے یہ کام روک دیا گیا ۔ لیکن اب ۱۸ اگست ۱۹۴۸ء کو جنرل تھمایا نے زوجیلہ پر حملہ کر کے کارگل تک علاقے فتح کرنے کی تجویز "اوپریشن ڈک"[۴] منظوری کیلئے بھیج دی جس کے منظور ہونے کے بعد ۲۳ اگست سے ۲۸ اگست کے دنوں میں یہ تینوں پلٹنیں پہلی پٹیالہ پلٹن کی مدد کیلئے پہنچ گئیں ۔

نقشہ بیست پنجم

ہماری کوتاہیوں سے زوجیلہ دراس اور کارگل پر بھارتیوں کا قبضہ اور لہ سے مجاہدین کی مجبوراً پسپائی



سوچے سمجھے (۵) طریقے سے شروع کی، کہ اگست کے آخری ہفتہ میں گورکھا پلٹن کی ایک کمپنی کو پہل گام کے راستے سرو کی طرف بھیج دیا، کہ ایک بازو سے آگے بڑھ کر مجاہدین کی کارروائیوں کو بکھیر دیا جائے۔ میجر محمد خان باخبر اور چوکنا تھا اس نے دو پلٹونیں زوجیلہ سے اس گورکھا کمپنی پر "نظر" رکھنے کیلئے نکالیں اور آگے کارگل سے ایک کمپنی نے ان کیلئے گھات لگائی ہوئی تھی اور دونوں لشکروں نے مل کر اس گورکھا کمپنی کو نرغے میں لے کر ایک پلٹون کے قریب نفری کو قید میں لے لیا۔ اور اتنی ہی نفری ماری گئی۔ کوئی تیسرا حصہ بچ کر تتر بتر ہو گیا۔ اسی دوران گورکھا پلٹن کی باقی تینوں کمپنیوں نے بائیں بازو یعنی زوجیلہ کی دوسری طرف سے نکل کر، نیلاگرار کے مقام پر ایک حیران کن کارروائی والا حملہ کر کے ہماری ایک پلٹون کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اور بھارتیوں نے دراس کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ میجر محمد خان نے بروقت صوبیدار اسمعیل کو اس "شکار" پر جھپٹنے کیلئے تیار کیا ہوا تھا۔ اور دشمن کو دراس کے نزدیک ایسی گھات لگائی گئی کہ گھات لگانے والوں اور دراس کے مجاہدین نے مل کر ایسی کارروائی کی کہ گورکھوں نے کافی جانی نقصان کے بعد شتر بے مہار کی طرح ایک گلیشیر کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ جہاں پر وہ پھنس گئے تو مجاہدین نے آگے بڑھ کر نیلاگرار پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لیکن پورا بھارتی ۷۷ برگیڈ ہمارے زوجیلہ کے دفاعی حصار کے سامنے پوزیشن لے چکا تھا اور ۳۱ اگست سے ۶ ستمبر تک ہوائی جہازوں نے مجاہدین پر روزانہ حملوں کو اپنا معمول بنا لیا۔

بہر حال برگیڈ کمانڈر اٹل نے ۶ ستمبر دن کے دس بجے باقی دو پلٹنوں یعنی جاٹوں اور مرہٹوں سے زوجیلہ پر سامنے سے حملہ کرا دیا۔ پٹیالہ پلٹن ریزرو میں تھی، اور گورکھے نئے سرے سے منظم ہو رہے تھے۔ ہم داد دیتے ہیں بائیں بازو پر صوبیدار شیر علی کے یاسین سکاوٹس کو اور دائیں بازو پر لیفٹیننٹ شاہ خان کے ہنزہ سکاوٹس کو، کہ انہوں نے آگے والے پوزیشن طریقے کے ساتھ خالی کر دیئے اور بڑے صبر کا مظاہرہ کیا، کہ بھارتیوں کو اپنے، اندر اور مار والی جگہوں تک گھسنے دیا۔ بھارتی اس خوشی کے ساتھ پیش قدمی کر رہے تھے کہ انہوں نے تقریباً آدھے درہ زوجیلہ پر قبضہ کر لیا ہے، کہ سامنے اور بازوؤں سے نزدیک سے بھارتیوں پر ایسا فائر کھلا کہ ان کو بھون کر رکھ دیا۔ اور آگے والے بھارتی دستے رک گئے۔ اور جو بھارتی فائر میں پھنس گئے، تو سارا دن کی کوشش کے بعد وہ وہاں سے نکل سکے اور دو سو لاشیں پیچھے چھوڑ گئے۔ آگے والے اپنے مجاہدین

کے پاس کچھ ایمونیشن ختم ہو گیا تھا۔ اور بڑی مشکل سے مزید ایمونیشن وہاں پہنچایا گیا۔ اگر پہلے سے اپنے پاس ایمونیشن زیادہ ہوتا تو بھارتیوں کا زیادہ نقصان ہوتا۔ بہر حال کچھ بھارتی اندھیرا پڑنے پر مجاہدین کے جنگل سے نکل سکے۔ اور ہم اپنے ان مجاہدین کو سلام کرتے ہیں۔

بھارتیوں کا دوسرا حملہ بھارتی مکمل تیار تھے۔ وہ، سری نگر سے کنگن اور سونامرگ کے راستے درہ زوجیلہ تک سڑک بنا چکے تھے۔ اور بلتال کے مقام پر ایک پکی چھاؤنی بنا رہے تھے کہ کارگل پر قبضہ کے بعد یہ چھاؤنی ان کا ایک Base یعنی مستقر ہو گا۔ بھارتیوں کی پہلی تجویز یہ تھی، کہ مظفر آباد پر قبضہ کرنے کے بعد وہ دریائے جہلم کی مدد سے کم فوج کے ساتھ کشمیر کا دفاع کر سکیں گے اور تب وہ حیدر آباد پر حملہ کریں گے۔ اب وہاں ناکامی کے بعد ان کو قائد اعظم کی وفات کا انتظار تھا، کہ مومن کی فراست والے ایک مجاہد سے ان کو بڑا ڈر تھا۔ بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خبر مل گئی کہ محمد علی جناح اب مزید "جینا نہیں چاہتا" تھا (۶) کہ ۱۱ ستمبر کو قائد اعظم نے وفات پائی اور ۱۲ ستمبر کو بھارتیوں نے حیدر آباد پر حملہ کر دیا۔ پاکستان کی طرف سے چونکہ کوئی رد عمل نہ ہوا۔ تو ۱۳ ستمبر کو جنرل تھمایا کو دوبارہ حکم مل گیا۔ کہ جلدی سے وہ پاکستان کو "ڈنڈی" مارے، کہ پھر سردیاں آ رہی ہیں۔ اور بہت کچھ حاصل کر کے بھارتی اس کو فائر بندی کے ذریعہ سے "ہضم" کرنا چاہتے تھے۔ اور ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق لیفٹیننٹ جنرل سری نگیش بھی سری نگر پہنچ گیا۔ بھارتی تاریخ بھی یہی کہتی ہے اور بغیر نئی تجویز بنائے، حکم کو مانتے ہوئے جنرل تھمایا نے بادل ناخواستہ پہلی تجویز میں تھوڑی تبدیلی کر کے ۱۴ ستمبر ۱۹۴۸ء کو زوجیلہ پر دوسرا حملہ کر دیا۔ دائیں طرف سے سرو والے راستے گورکھا پلٹن نے اور بائیں طرف نیلاگرار کی طرف سے پہلی پٹیالہ نے حملہ کیا۔ سامنے سے جاٹ اور مرہٹہ پلٹنوں نے توپخانہ کے امدادی فائر سے سیدھا حملہ کر دیا۔ برگیڈ کمانڈر خود کارروائی کو کنٹرول کر رہا تھا۔ اس دفعہ بھارتی افسروں کو آگے والی صفوں میں جوانوں کو آگے بڑھانے کی تگ و دو میں دیکھا گیا۔ میجر محمد خان نے اس دفعہ سیدھی لڑائی لڑنے کا فیصلہ کیا۔ پوزیشن پہاڑی کی اوٹوں میں بہت اعلیٰ درجے کا تھا۔ اور مجاہدین کو تجربہ ہو چکا تھا کہ کس آدمی پر کس وقت اور کہاں فائر کرنا ہے۔ اور ایک گولی۔ ایک دشمن کے اصول کو اپنایا۔ بلکہ خودکار ہتھیاروں کا بھی بہت کم استعمال ہوا۔ اور سارے دن کی لڑائی کے بعد تین سو لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھارتی

فائر بندی کے چار ماہ بعد بھی اس نے اپنا پوزیشن نہ چھوڑا۔ اور بھارتی جنرلوں نے اس کی بہادری کو دیکھ کر سفارش کی، کہ اس کو بہادری کا تمغہ ملے۔ خیر یہ رسالہ ایک کرنل مختار گیلانی نکالتے ہیں۔ جن خود کی "بے خبری" اور اب تک انگریز جنرلوں کی تعریف میں مضمون لکھنے کی کچھ جھلکی چوالیسویں باب میں ہے۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فوج اور قوم کو کرنل گیلانی جیسے دانشوروں کی خرافاتوں سے محفوظ رکھے۔

میجر قریشی کی آمد اور بھارتیوں کی تیاری

ہماری سرکاری تاریخ[8] کے مطابق دو ہفتوں میں دو بھارتی حملوں کی ناکامی کے بعد اس محاذ والوں نے یقین کر لیا کہ اب سردیوں میں وہاں کوئی خاص لڑائی نہ ہوگی۔ کہ ستمبر کے آخری ہفتہ میجر قریشی گلگت سکاؤٹس کے کچھ دستوں کے ساتھ زوجیلہ پہنچ گیا۔ اور میجر محمد خان اور اس کی پنجابی نفری چھٹی پر چلی گئی اور میجر احسان علی کی جگہ میجر محمد اسمعیل آگیا۔ میجر قریشی نے اپنے ۸۰۰ کے دستے کا نام "جابر فورس" رکھا۔ جس میں پرانی نفری بھی تھی۔ اور اس فورس کے زیادہ حصہ کو تو زوجیلہ میں رہنے دیا لیکن لیفٹیننٹ غلام مرتضےٰ کے ماتحت کافی دستوں کو دور پدم، زوزار، انگروم اور گومیا کی طرف پھیلا دیا کہ کرنل غلام جیلانی کی مدد کریں، جو از خود ان دنوں، زنسکار[9] اور لہ سیکٹر کی طرف گیا ہوا تھا۔ اکتوبر کے شروع میں یہ خبریں بھی آرہی تھیں کہ بھارت والوں نے دو بریگیڈ فوج بلتال میں اکٹھی کر لی ہے اور مجاہدین نے میجر قریشی اور کرنل جیلانی کو بتایا، کہ بھارتی توپوں اور ٹینکوں کو آگے لانے کیلئے سڑک چوڑی کر رہے ہیں۔ اور کچھ ٹینکیں ان علاقوں میں دیکھی گئی ہیں۔ کرنل جیلانی نے یہ باتیں ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ "ہوائی" باتیں ہیں۔ اس موسم میں ٹینکیں اتنی اونچائی پر نہیں لائی جاسکتیں۔ مجاہدین نے یہ گزارش بھی کی کہ ان کو اینٹی ٹینک گرنیڈ دیے جائیں اور کچھ بارود، کہ اپنے علاقہ میں بارود سے اڑا کر بڑے راستوں کو چٹانوں سے بھر دیں۔ لیکن میجر قریشی نے الٹا کرنل جیلانی کو "تسلی" دی کہ یہ "توہمات" ہیں۔ دشمن زوجیلہ سے دور ہٹ گیا ہے۔ اب وہ زوجیلہ کے درہ کو سردیوں میں پار نہ کرے گا۔ اور ہمیں بھی زوجیلہ میں برائے نام اور تھوڑے دستے رکھنے چاہیں۔ کرنل جیلانی نے اجازت دے دی اور میجر قریشی نے زوجیلہ کے دفاع کیلئے کم نفری والی چار پلٹونوں کو متعین کیا جن کے پاس کوئی ٹینک توڑ ہتھیار نہ تھا۔ اور ساتھ حکم دے گیا کہ سردیوں میں خواہ مخواہ زیادہ تکلیف نہ کی جائے اور گشتی

کارروائیاں بھی محدود کر دی جائیں۔ اور میجر قریشی باقی چار یا پانچ[10] پلٹونوں کو لے کر اکتوبر کے دوسرے ہفتہ میں دراس پہنچ گیا۔ اور آدھی نفری وہاں رکھی اور آدھی کو کارگل بھیج دیا۔ لیکن آگے سرکاری تاریخ میں بیان ہے کہ کارگل میں کوئی نفری نہ تھی۔ تو یہ آدمی قریشی کے اپنے پاس رہے یا کرنل جیلانی کی طرف بھیج دیئے گئے۔ ہم کوئی حتمی رائے نہیں دے سکتے۔

بھارتیوں کا حملہ

بھارتیوں نے زوجیلہ پر ۲۰ اکتوبر کو حملہ کرنا تھا۔ لیکن بارش ہو جانے اور برف پڑ جانے کی وجہ سے اس دن حملہ نہ ہو سکا۔ لیکن اوپر سے سخت احکام آرہے تھے، کہ جلدی حملہ کیا جائے کہ ظاہر ہے بھارتی سیاسی قیادت کو خبر مل چکی تھی کہ "میدان خالی" ہے۔ تو ٹینک آگے چل رہے تھے اور پیچھے پیچھے پیدل دستے اور تین بھارتی پلٹنیں راجپوت، پٹیالہ اور گورکھا اس پیش قدمی میں شامل تھیں۔ ہماری آگے والی دو پلٹونوں نے بارہ گھنٹے اور پیچھے والی دو پلٹونوں نے بھی بارہ گھنٹے مقابلہ کیا۔ لیکن ٹینکوں پر رائفل کا فائر کر کے بے چارے مجاہدین اپنی پوزیشن ظاہر کر دیتے تھے کہ ایسے لوہے کے "رتھ" یا لوہے کے گھوڑے انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ اگر سڑک پر پتھر ہوتے یا مجاہدین کے پاس ٹینک توڑ ہتھیار ہوتے۔ اور زوجیلہ کا دفاع پانچ چھ سو مجاہدین کے ساتھ بھی کیا جاتا۔ تو بھارتی کچھ نہ کر سکتے تھے۔ ادھر سویرے تو کچھ دھند تھی اور بھارتی بھی ڈر ڈر کر قدم رکھ رہے تھے۔ موسم کھلا، تو ہوائی جہاز بھی آگئے۔ تو مجاہدین کو پسپائی اختیار کرنا پڑا۔ اور سو کے قریب مجاہدین بھوک سے بدحال اور سردی سے پاؤں میں سوجن کے ساتھ تین دن کے بعد دراس پہنچ گئے۔

میجر قریشی کی کارروائی

ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق میجر قریشی کیلئے بھارتی حملہ غیر متوقع تھا اور یہ حیران کن کارروائی تھی۔ لیکن وہ خود پھر بھی دراس بیٹھا رہا اور ایک کمپنی کو پنڈراس سے مغرب کی طرف کھڑی پہاڑی بنکنڈی پر بھارتیوں کو روکنے کیلئے ایک دفاعی پوزیشن لگانے کیلئے بھیج دیا۔ کہ برف باری کی وجہ سے دشمن کے خلاف چھپاؤ لگانا یا دشمن کو گھات لگانا مشکل عمل ہو گیا تھا۔ بھارتیوں نے سڑک بنانے اور صاف کرنے میں آٹھ دن لگائے۔ اور ان کے ٹینکوں کے وہاں پہنچنے کے بعد بھی اس پوزیشن پر دن کے وقت بھارتی حملہ ناکام ہو گیا۔ تو پیدل دستوں نے رات کو حملہ کیا۔ اور وہ بھی ناکام ہو گیا۔ لیکن دوسری صبح

ایک پلٹن نے بٹنکنڈی پہاڑی کے بازو پر اور دوسری نے گمری نالہ اور دراس دریا کو استعمال کر کے مجاہدین کے گھرائی والے پوزیشن پر حملہ کر دیا۔ اور تیسری پلٹن نے پہلی پلٹن کی مدد کی۔ ٹینکیں نزدیک سے امدادی فائر دے رہی تھیں۔ لیکن ۲۴ گھنٹوں کی کوشش کے باوجود بھارتی مجاہدین کے قدم نہ اکھیڑ سکے اور جو بھارتی اگلے مورچوں تک پہنچ گئے ان کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ لیکن گھرائی والی پلٹن کو کامیابی حاصل ہو گئی اور چھ مقامات پر سے دریائے دراس کو پار کر کے بھارتی پنڈراس پہنچ گئے۔ لیکن ان مجاہدین نے ہتھیار نہ ڈالے۔ ان کا ایمونیشن ختم ہو گیا تھا۔ تو یہ لوگ دشمن کو جل دے کر گلتاری کی طرف نکل گئے۔ اب درہ زوجیلہ کی جنگ تو ختم تھی۔ اور دس میل کا علاقہ فتح کرنے کیلئے بھارتیوں نے پندرہ دن لگا دیئے۔

میجر قریشی کا ڈرامہ ؟ میجر قریشی نے زوجیلہ کے دفاع کو جس طرح ختم کر دیا یا اپنی فوج کو منتشر کیا۔ اور اب تک پندرہ دن کی لڑائی میں کوئی عملی حصہ نہ لیا۔ اور سرکاری تاریخ کہتی ہے کہ ۱۹ نومبر کو میجر قریشی نے دراس میں بچے کھچے مجاہدین کو بھارتیوں کے مقابلہ کیلئے اکٹھا کیا۔ لیکن ساتھ قریشی کا "بچاؤ" بھی کیا۔ کہ یہ لوگ جن کے پاس ایمونیشن بھی نہ تھا اور تھکے ماندے تھے وہ بھارتیوں کا کیا مقابلہ کرتے۔ یعنی بغیر لڑائی کے تھک بھی گئے اور ایمونیشن بھی ختم ہو گیا۔ لیکن تاریخ کا اگلا فقرہ زیادہ دلچسپ ہے۔ کہ گو میجر قریشی نے ابتدائی حملہ پسپا کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی دراس کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا کہ وہ بیچ میں "پھنس" نہ جائے۔ اب خود سرکاری تاریخ کے مطابق قریشی بھارتیوں کے سرووادی میں جانے سے "بے خبر" تھا۔ تو پھنسنے کا ڈر کہاں سے آیا۔ یعنی ایک جھوٹ پر پردہ ڈالنے کیلئے سو جھوٹ بولنا پڑا۔ کہ سرکاری تاریخ کے مطابق میجر قریشی بھارتیوں کا گھیرا توڑ کر نکل گیا۔ اور مارول کے علاقہ میں ایک دفاعی پوزیشن اختیار کر لیا۔ کہ کارگل پر ایک بھارتی پلٹن بغیر مقابلے کے قبضہ کر چکی تھی۔ بات سیدھی ہے کہ سب ڈرامے تھے اور کارگل تک کے علاقے بھارت کو دینے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس میں کون کون بھارتی ایجنٹ تھے یا انگریزوں کے پروردے تھے۔ یہ فیصلہ قارئین خود کر لیں۔ کہ کس ایکٹر نے کیا کچھ کیا۔

کرنل غلام جیلانی کا حشر ؟ ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق [۱۱] کرنل جیلانی زوجیلہ

نہ تھا۔ کہ زوجیلہ پر بھارتیوں نے حملہ کر دیا، تو اس نے اپنے ساتھیوں سمیت دراس پہنچنے کی کوشش کی۔ لیکن چودہ دن کی مسافت کے بعد وہ ابھی کارگل نہ پہنچے تھے کہ ان کو خبر ملی کہ دشمن دراس پہنچ گیا ہے تو وہ بھی قریشی کے پاس مارول پہنچ گیا۔ یہاں پنجابی کی یہ کہاوت بڑی موزوں رہے گی۔ "جتھوں دی کھوتی اتھے ونج کھلوتی" اس کا اردو میں ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نے کئی . . . . . ہزار مربع میل علاقہ جس کو بڑی قربانی سے آزاد کرایا تھا۔ وہ کوتاہی یا غداری سے بھارتیوں کو دے دیا۔ صرف گلتاری کے علاقے کو میجر حسن خان کے مجاہدین نے کچھ بچا لیا اکبر خان اپنی کتاب [۱۲] میں کہتا ہے "جب فائر بندی ہوئی تو ایسی کوئی پہاڑی یا کوئی مقام نہ رہ گیا تھا جس کی بھارت کو وادی لداخ یا سری نگر یا جموں کے تحفظ کیلئے ضرورت ہو اور وہ ان کو نہ دے دیا گیا ہو"۔ اور یہ اس سلسلہ کی ایک مثال ہے۔

بھارتیوں کا بیان اب بھارتی یہ کیسے کہتے کہ یہ کچھ ان لوگوں نے "ڈنڈی" مار کر حاصل کیا۔ بہرحال بھارتی تاریخ [۱۳] سب باتیں تسلیم کرتی ہے کہ تین پلٹنوں کے ایک برگیڈ نے حملہ کیا۔ اور ٹینکوں کے استعمال وغیرہ سب باتوں کی تفصیل ہے۔ اور زوجیلہ یا بٹنکنڈی پہاڑی پر گھمسان کی جنگوں کا ذکر ہے۔ لیکن دراس میں کسی مقابلہ کا ذکر نہیں کرتے۔ صرف مجاہدین کی "موجودگی" کی ذکر کرتے ہیں۔ لیکن حیران ہوتے ہیں کہ کارگل میں کوئی مقابلہ نہ ہوا۔ تو میجر قریشی کے سب جھوٹ کھل کر سامنے آتے ہیں، کرنل جیلانی کے لہ کی طرف فرار کے سلسلہ میں وہ اس کو "مجبوری" [۱۴] کی پسپائی نہیں کہتے، بلکہ اس طرف سے اپنے ایک برگیڈ کی پیش قدمی کیوجہ سے کہتے ہیں کہ مجاہدین مقابلہ نہ کر سکے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ بھارتی برگیڈ کہاں سے اور کیسے وہاں لے گئے۔ یہ ساری کہانی ہماری طرف سے ڈرامے کے بڑے ایکٹر "غلام جیلانی کے "تحفظ" کیلئے بنائی گئی۔ دراصل بھارتیوں کے دراس اور کارگل پر قبضہ کے بعد لہ کی طرف ہماری کوئی فوج رہ ہی نہ سکتی تھی۔ بہرحال چھوٹے "ایکٹر" قریشی کے بارے شاید بھارتیوں کو معلوم نہ تھا کہ "ڈنڈی" مارنے میں وہ بھی ان کا "مددگار" تھا۔ اس لئے دراس کی کسی فرضی لڑائی کا کوئی منظر نہ پیش کر سکے اور نہ غلام جیلانی اور اپنے لہ والے برگیڈ کی عملی لڑائی کی کوئی کہانی بیان کر سکے۔ میجر حسن خان نے ان کوتاہیوں کے بارے میں کافی اشارے کئے ہیں [۱۵] جو

پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ "دراس میں ترنگی ساتھیوں کے مزے" اور "درہ زوجیلہ پر کبھی کبھی نگاہ التفات تھی" ایک اور جگہ لکھتے ہیں، "جب سب نے دیکھ لیا دوست آرہے ہیں۔ تو پگڑی سنبھال جٹا پر اکتفا کی" ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جب بھارتی تیزی سے پیش قدمی کر رہے تھے تو ادھر مروان مست الست تمکین وہوش سے بے نیاز ہاؤ ہو کے مزے صبح دیر تک لوٹتے رہے۔ اور بات اس پر ختم کرتے ہیں۔ "شراب خانہ خراب کی بو جس محاذ پر پہنچتی ہے اور اخلاقی گراوٹیں جہاں عود کر آئیں وہاں مسلمان کیلئے شکست مقدر ہو جاتی ہے"۔

تبصرہ شمالی علاقہ جات کی لڑائیوں میں یہ آخری باب ہے اور مجھے افسوس ہے کہ کتاب کے اس سلسلہ کے سات ابواب میں اختصار کی وجہ سے ان مجاہدین کی عظیم کارروائیوں کے سنہری ابواب یا میری تحقیقات کے تمام نتائج کے ساتھ میں انصاف نہیں کر رہا، کہ یہ ایک پوری کتاب کا مضمون ہے۔ سولین وردی پوش کرنل اشفاق نے جس کا ذکر ابتدائیہ میں ہے۔ ہلال میں اس سلسلہ میں ایک اوٹ پٹانگ مضمون لکھا تو ۹ مارچ ۹۴ء کے ہلال میں کچھ زندہ مجاہدین صحیح طور پر اس کی "خبر" لے چکے ہیں۔ اس لئے یہ عاجز ان سب زندہ، قوم کے عظیم فرزندوں سے گزارش کرے گا کہ اس اختصار کو میری کوتاہی نہ سمجھنا۔ میری نیت کو پرکھنا۔ میرے پاس ایک ایک مجاہد اور ہر لیڈر کی بہادری کی کارروائیوں کا بے شمار مواد موجود ہے۔ اور میں ان سب کو سلام کرتا ہوں۔ لیکن اختصار میری مجبوری ہے۔

حوالہ جات

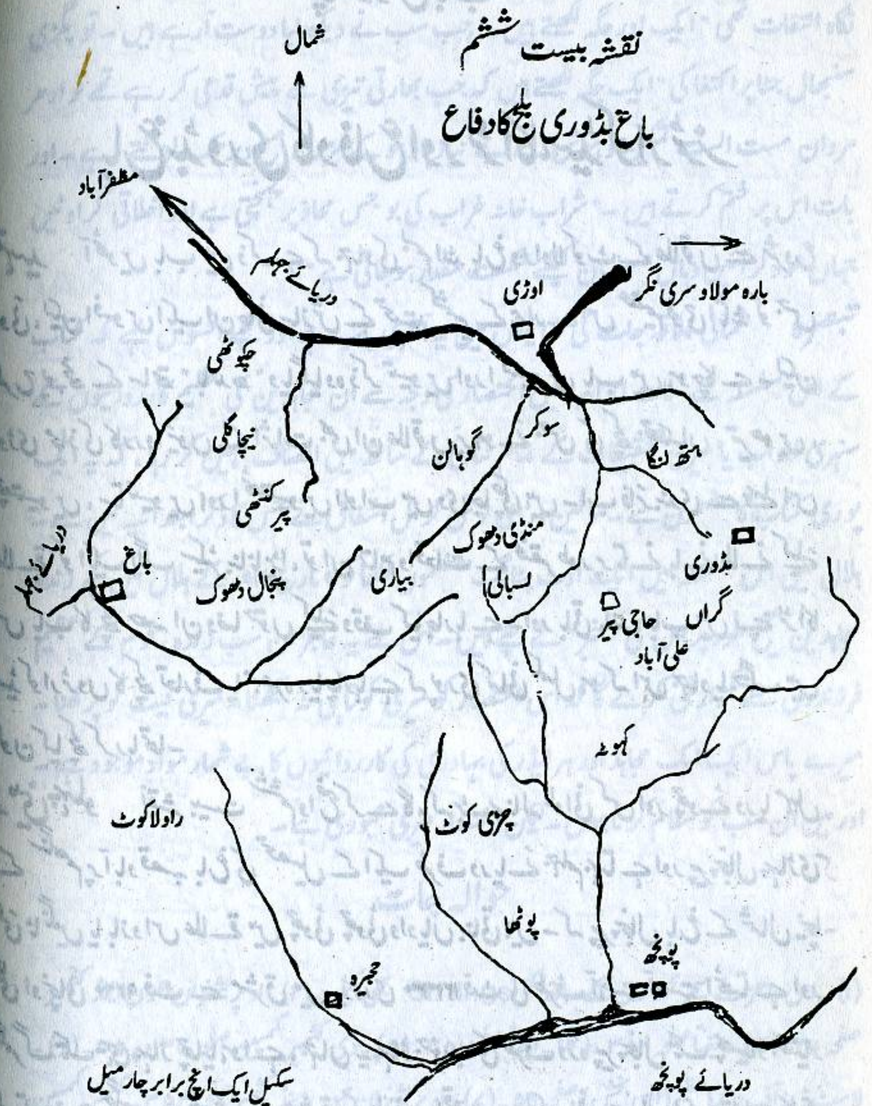
(۱)۔ اس عاجز نے میجر محمد خان کے ساتھ کئی Sittings بھی کیں۔ (۲)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر۔ صفحہ ۲۱۱۔ (۳)۔ ایضاً صفحہ ۳۵۰۔ (۴)۔ ایضاً صفحہ ۳۵۱۔ (۵)۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۳۴ اور ۳۵۔ (۶)۔ لاسٹ ڈیز آف قائداعظم (الہی بخش) صفحہ ۵۶۔ (۷)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۳۵۳۔ کشمیر کمپین صفحہ ۳۵ تا ۳۹۔ (۹)۔ زنسکار عورتوں کی خوبصورتی اور معاشرہ پر حکمرانی کیلئے مشہور ہے۔ (۱۰)۔ کچھ گواہوں نے تعداد اڑھائی کمپنیاں بتائی۔ (۱۱)۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۳۹۔ (۱۲)۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۸۹۔ (۱۳)۔ اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۳۵۸ تا ۳۶۲۔ (۱۴)۔ ایضاً صفحہ ۳۲۵ تا ۳۵۷۔ (۱۵)۔ شمشیر سے زنجیر تک صفحہ ۲۴۷ تا ۲۵۱۔

چالیسواں باب

باغ بڈوری کا دفاع اور لڑاکا ہیڈ کوارٹرز

تمہید آٹھویں باب میں ذکر ہے کہ جہاد کی بسم اللہ باغ وراولا کوٹ کے علاقوں سے شروع ہوئی، لیکن افسوس ایک ان جانی سازش کے تحت کشمیر کے ہمارے اس عظیم فوجی اثاثہ کو جس طرح پونچھ کے ساتھ "باندھ" دیا گیا وہ ذکر تیسویں اور اکتیسویں باب میں ہو چکا ہے۔ لیکن اوڑی محاذ کی کارروائیوں کے اثرات بھی ان علاقوں پر ہوئے جس کی کچھ جھلکیاں، تیرھویں، چھتیسویں، ستائیسویں اور اٹھتیسویں ابواب میں دی جاچکی ہیں۔ اب فائر بندی سے پہلے اس علاقے کو ایک الگ سیکٹر بنانا پڑا، تو ان تمام واقعات کے مختصر طور پر تانے بانے ملانے کیلئے اس باب کا کچھ حصہ ان وضاحتوں کیلئے وقف کیا جارہا ہے۔ اور باقی ماندہ باب میں اپنے لڑاکا ہیڈ کوارٹروں کا کچھ تعارف یا تبصرہ دیا جارہا ہے کہ پوری کہانی مکمل ہو کہ اس جہاد یا جنگ میں کون کیا کچھ کر رہا تھا۔

زمینی پہلو نقشہ بیست ششم واضح کرے گا، کہ بڑے نالہ ملوانی کس اور چھوٹے دریا مہل کے سنگھم پر آباد قصبہ باغ کی تحصیل کے ایک طرف دریائے جہلم بہتا ہے اور پیر پنجال پہاڑی کی ٹانگیں یا بازو اس علاقے میں چھوٹی چھوٹی وادیاں بناتی ہیں۔ کہ پیر پنجال باغ کے شمال نیچا۔ گلی اونچائی ۹۲۶۰ فٹ سے مشرق میں بڈوری ۱۲۳۳۰ فٹ کی طرف آہستہ آہستہ اٹھتا ہے اور گلمرگ تک یہی پہاڑ چھایا ہوا ہے، جہاں یہ پہاڑ جنوب کی طرف درہ پیر پنجال تک پھیلاؤ اختیار کرتا ہے، جو جگہیں پونچھ شہر کے مشرق کی طرف واقع ہیں۔ لیکن افسوس ان اہم مقامات کا ہم نے صحیح استعمال نہ کیا، کہ پونچھ کو فتح کرکے ہم اگر پیر پنجال کی طرف مشرق کی طرف اپنے پھیلاؤ کو راجوری کے مجاہدین کے رام بن اور بانہال درہ تک کے پھیلاؤ کے ساتھ شیر و شکر کر دیتے تو کشمیر ہمارا تھا۔ اور ان تزویراتی کوتاہیوں کی جھلکیاں پچھلے ابواب میں بھی دی جاچکی



ہیں ۔یہاں صرف اب ان علاقوں کا ذکر ہوگا جو میدان جنگ بنتے رہے ۔ان میں کوبرہ ۹۹۸۲ فٹ پیر کنٹھی ۱۰۹۳۰ فٹ ۔لادی یا لیدی گلی ۱۰۴۷۵ فٹ ۔ بیاری ۱۰۱۱۵ فٹ ۔ بسالی ۱۱۲۲۹ فٹ ۔ حاجی پیر ۸۶۹۲ فٹ ، کیرن ۱۱۹۹۰ فٹ ۔ کتھنار دی گلی ۱۰۳۲۴ فٹ میں سے اکثر کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور اس سڑک کا بھی جو اوڑی سے پونچھ جاتی ہے یا جو نئی سڑکیں بھارتیوں یا ہم نے بنائیں ان کا بھی ذکر ہو چکا ہے ۔ پیر پنجال کا ایک بازو بسالی سے شروع ہو کر جنوب میں تولی پیر ۸۸۸۰ فٹ تک جا کر مغرب میں دریائے جہلم کی طرف مڑ جاتا ہے اور پہلے وادی پونچھ کو وادی باغ سے الگ کرتا ہے اور بعد میں وادی راولاکوٹ کو ۔ تولی پیر سے پہاڑ کا ایک چھوٹا سلسلہ چڑی کوٹ تک اور دوسرا مغرب میں تیتری نوٹ تک بھی جاتا ہے۔اوران مقامات کا ذکر بھی تیسویں اور اکتیسویں باب میں،ہو چکا ہے ۔

تانے بانے ۔ اپنی سرکاری تاریخ[۱] کو ایک کم پر خطر یا باحفاظت وادی باغ میں کچھ زیادہ جنگ نظر نہ آئی ، حالانکہ چھتیسویں باب میں جو کرنل نوشیرواں کے بارے بیان ہے کہ وہ اوڑی محاذ پر آگئے،تو انہوں نے اس علاقے کے اگلے حصوں سے کئی گشتی دستے بھیجے اور اکابر حسین کے جس دستے نے مدراسی کرنل مینن کے دستے کو تہ تیغ کیا وہ اسی علاقے سے آگے گئے تھے ۔البتہ سرکاری تاریخ نے جون ۱۹۴۸ء میں اس علاقے کو کچھ اہمیت دی[۲] ۔کہ بھارتی تاریخ[۳] میں بھارت کے برگیڈ نمبر ۷۷ کی مدراسی پلٹن کی ۷ جون سے ۱۷ جون تک حاجی پیر پر ایک " دلیرانہ " حملے کا ذکر بھی ہے جو ناکام ہو گیا ۔ کہ ساری کہانی میں مدراسی انگریزی کے سوا کوئی کام کی بات نہیں ۔ اور بعد میں بھارتی جو اپنے " سدرن سویپ " کا ذکر کرتے ہیں ۔ یہ حملہ اس کی ابتدا، تھی ۔ باقی کہانی ہم اٹھتیسویں باب میں بیان کر چکے ہیں ، کہ جولائی کے آخری ہفتے میں پیر کنٹھی کے علاقوں میں ہمارے جان توڑ حملوں نے بھارتیوں کو اس محاذ پر بھی مورچوں میں بٹھا دیا ۔

باغ ۔ بڈوری سیکٹر کا وجود میں آنا ۱۷ جولائی ۴۸ کو برگیڈئیر (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) محمد یوسف باغ پہنچ گئے اور اگست کے پہلے ہفتہ میں ان کے ماتحت ایک نیا سیکٹر وجود میں آیا ۔ ان کی ذمہ داری پیر پنجال کے ننگا پیر سے پیر کنٹھی شامل کی لائن مشرق میں جنوب تک بھارتی

فوج کے اوڑی والی پوزیشن تک تھی ۔ اور دوسری طرف راولا کوٹ سے تولی پیر تک تھی ۔
لیکن ہماری سرکاری تاریخ[4] کے مطابق یہ ذمہ داریاں سخت فوجی سیکٹروں کی طرح نہ تھیں کہ
آزاد لوگ کچھ مرضی سے کام کرتے تھے ۔ دوسری پنجاب، انیسویں بلوچ، سردار قیوم کا آزاد باغ
برگیڈ اور علاقے میں متعین تمام قبائلی مجاہدین اس سیکٹر کے ماتحت ہوگئے ۔ انیسویں بلوچ
والوں کو کرنل صفدر علی کے ماتحت پہلی دفعہ اکٹھا ہو کر کام کرنے کا موقع ملا ۔ تو ان کو
برگیڈیئر یوسف نے بیاری کے علاقے اور اوڑی محاذ کے گوہالن کے علاقے میں بھارتیوں پر دباؤ
بڑھانے کیلئے بھیج دیا ۔ اور اڑھائی سو کا ایک آفریدی لشکر آیا جس کو حاجی پیر پر متعین کر کے
دشمن کے علاقوں میں دور دور تک چھاپے مارنے کیلئے بھیج دیا ۔ کچھ وزیرستان سے لشکر آگئے اور
پیر کنٹھی کے نزدیک ہمارا کافی اجتماع ہو گیا تو ہماری سرکاری تاریخ[5] کے مطابق برگیڈیئر محمد
یوسف نے حملہ کرنے کی ایک اور تجویز بنائی ۔ لیکن اوپر والوں نے سختی سے حکم دیا کہ کوئی بڑی
جارحانہ کارروائی نہ ہو گی ۔ کہ ایسا کرنے سے اقوام متحدہ کشمیر کا مسئلہ حل نہ کر سکے گی ۔ اسی
دوران چوتھی ماؤنٹین بیٹری کی دو توپیں بھی اس محاذ پر پہنچ گئیں اور ہماری سرکاری تاریخ[6] کے
مطابق، مقامی لوگ فوج کے ان کے علاقے میں آجانے سے بہت خوش ہوئے، کہ رضاکار لوگ
خود توپ کو اٹھوا کر پنجال ڈھوک کی چوٹی پر لے گئے، کہ اب اس محاذ پر بھارتیوں کے توپ خانہ
کے فائر کے جواب میں ہم بھی توپوں سے فائر کر سکیں گے ۔

تبصرہ قارئین ۔ یہاں اتنا تبصرہ کافی ہے کہ ہمیں خوب بے وقوف بنایا جا رہا تھا، آج سے چھ
ماہ پہلے ایک توپ پونچھ آگئی ہوتی تو ہم گلمرگ پہنچ گئے ہوتے ۔ اب پکی فوج کو آکر کشمیر میں
" باندھا " جا رہا تھا کہ بھارتی حیدر آباد پر حملہ کریں تو انگریز کہہ سکیں کہ فوج کشمیر میں "الجھ" چکی
ہے جو بھارت کے خلاف جارحانہ کارروائی تو نہیں کر سکتی ۔ صرف دباؤ ڈال سکتی ہے ۔

بھارتیوں پر دباؤ یہ عاجز ایسا فتویٰ تو نہ دے گا کہ اس محاذ پر پکی فوج کی بالکل ضرورت
نہ تھی کہ حالات ایسے کر دیئے گئے تھے ۔ کہ بھارتیوں کی پیش قدمی کو اب صرف پکی فوج ہی
روک سکتی تھی ۔ اور انگریز جنرل اب فائر بندی کی تیاری میں دونوں ملکوں کی فوجوں کو ایک
ہزار میل لمبی لائن پر لا کر ہمیشہ کیلئے اپنے فوجی سامان کے " خریدار " بنانا چاہتے تھے ۔ اور ہمیں

کچھ کرنے کی اجازت نہ تھی ۔ لیکن جو علاقے بھارت کو دلانے مقصود تھے ۔ وہاں بھارت سے
" ڈنڈی " مروائی جا رہی تھی ۔ لیکن اس محاذ پر جو کچھ کروانا تھا وہ کروا لیا تھا ۔ تو ہماری سرکاری
تاریخ کہتی ہے کہ بھارتیوں کے موسم گرما کے حملوں کی ناکامی کے بعد باغ سیکٹر میں عام طور پر
"امن" رہا[7] ۔ بہر حال برگیڈیئر یوسف نے گشتی کارروائیوں سے بھارتیوں پر سخت "دباؤ" جاری
رکھا ۔

بھارتیوں کے ارادے بہترین دفاع حملہ میں ہے اور حضور پاکؐ کی سنت تو یہ ہے کہ
دفاع بھی متحرک ہو[8] ۔ ہم جو بیٹھ کر ٹھک ٹھک کر رہے تھے یا "آ بیل مجھے مار" کے فلسفہ کو
اپنائے ہوئے تھے تو اپنی سرکاری تاریخ میں جن بھارتیوں کے ارادوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے یہ
عاجز ان سے پورا اختلاف تو نہیں کر سکتا ۔ کہ مصمم ارادہ سے اکثر حملے ہمیشہ کامیاب ہو جاتے
ہیں ۔ اور ان کا یہ ارادہ کامیاب ہو سکتا تھا کہ وہ پیش قدمی کر کے کوبرا اور نیچا گلی پہنچ جائیں جس
سے ہمارا ۱۰۱ برگیڈ اور ۱۰۲ برگیڈ "این ویلپ"[9] ہو سکتے تھی یعنی گھیرے میں آسکتے تھے ۔ جون میں
بھارتی راجوری سے پونچھ کے ساتھ رابطہ کی ریہرسل کر گئے تھے ۔ پونچھ کے ساتھ بہتر ملاپ
کر کے اور پونچھ میں لاؤ لشکر اکٹھا کر کے بھارتی ہجیرہ والے راستے راولا کوٹ یا تولی پیر والے
راستے سیدھے باغ پہنچ سکتے تھے ۔ کہ دشمن کو کمزور نہ سمجھنا چاہیے ۔ تو ہماری سرکاری تاریخ میں
تمام بیانات ہیں کہ ان خطرات سے نبٹنے کیلئے انیسویں بلوچ کو پیر کنٹھی کے سامنے متعین
کر دیا اور آٹھویں ایف ایف کو وہاں ریزرو رکھا ۔ سردار عبدالقیوم کے آزاد برگیڈ اور ٹوچی سکاؤٹس
کو حاجی پیر کے علاقہ میں ۔ اور باقی آزاد مجاہدین اور سکاؤٹس کو تولی پیر میں لگا دیا ۔ ہر جگہ ٹیلیفون
لگا کر رابطہ قائم کر لیا ۔ اور بھارتیوں کی ہر حرکت پر کڑی نگرانی بھی شروع کر دی ۔ بھارتیوں نے
اوڑی اور پونچھ کے درمیان لکڑی کے ہتھلنگا پل پر بیلی برج بنانے کی تیاری کیلئے سامان منگوایا[10] ۔
جو اوڑی اور پونچھ کے درمیان رابطہ کا پیش خیمہ تھا ۔ ساتھ ہی کچھ پلٹنیں بھیج کر گوہالن،
سار اور سانگ کے علاقوں پر بالا دستی قائم کرنے کی کوشش کی ۔ چنانچہ ۳۱ / ۳۰ اگست کو
مجاہدین نے یہ لکڑی والا پل بھی جلا دیا ۔ اور بھارتیوں پر جگہ جگہ چھاپے مار کر ان کو مورچوں
میں واپس کر دیا ۔ حیدر آباد پر قبضہ کے بعد وسط ستمبر میں دوبارہ بھارتیوں نے اس محاذ کو گرم

کرنے کی کوشش کی تو بریگیڈیئر یوسف نے سوکر، کی بھارتی چوکی کو بھی تباہ کرادیا۔ لیکن اپنے مجاہدین وہاں ٹھہر نہ سکتے تھے۔ اور یہ چوکی بھارتیوں کے پاس ہی رہی لیکن وہ اس کو آگے بڑھنے کیلئے مستقر نہ بنا سکے۔

پونچھ۔ اوڑی میں رابطہ بھارتی البتہ پونچھ اور اوڑی میں رابطہ کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اور حیدر آباد پر قبضہ کے بعد ۲۳ ستمبر کو پونچھ کے "مجاہدین" نے کچھ جارحیت کا مظاہرہ کیا۔ کہ انہوں نے چھترہ اور تیتری نوٹ کے درمیان چھجہ پہاڑی پر کافی فوج بھیج دی۔ پیر۔ کنتھی کے علاقہ میں ژوب ملیشیا بھی پہنچ چکا تھا۔ اس لئے وہاں سے انیسویں بلوچ کی ایک کمپنی کو تولی پیر اور دوسری کو گھوڑانکہ بھیج دیا اور ان کو امدادی فائر دینے کیلئے بائیسویں فیلڈ بیٹری کی دو توپیں راولا کوٹ پہنچ گئیں۔ لیکن بھارتیوں نے آگے تولی پیر کی طرف پیش قدمی نہ کی۔ اور "بعد"[11] معلوم ہوا کہ یہ سب "ڈرامے" تھے۔ بھارتی راجوری محاذ سے پونچھ کے ساتھ رابطہ کی تیاری کر رہے تھے اور اس سے ہماری توجہ ہٹانے کیلئے بھارتی ہر جگہ "تماشے" کر رہے تھے۔ یہ عاجز اپنی سرکاری تاریخ کے اس بیان پر صرف اتنا تبصرہ کرے گا۔ کہ افسوس ہمیں ہر چیز "بعد" میں سمجھ آتی ہے کہ ہم مومن کی فراست سے عاری ہو گئے ہیں۔ بہرحال پیر کنتھی والی بھارتی پوزیشن بھارتیوں کیلئے بھی کافی مہنگا سودا تھا۔ کہ مجاہدین بھارتیوں پر کئی چھاپے مار چکے تھے اور کئی بھارتیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ بلکہ ساری پوزیشن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اور انہی دنوں یعنی ستمبر کے وسط میں ۶۸ فیلڈ کمپنی نے باغ سے راولا کوٹ اور منڈی ڈھوک والے راستے حاجی پیر تک ایک سڑک بھی تیار کر لی تھی۔ اس کا بڑا فائدہ ہوا۔ کہ اکتوبر کے پہلے ہفتے میں بھارتیوں نے ہتھلنگا پل بنانے کیلئے پھر سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ تو اب مجاہدین متحرک تھے۔ اور ہر جگہ ٹیلیفون سے احکام جلدی دیئے جا سکتے تھے۔ چنانچہ انیسویں بلوچ کے مجاہدین حاجی پیر والا راستہ استعمال کر کے اور آزاد مجاہدین سار و سانک سے سرجیو والے راستے، دشمن کے عقب میں پہنچ گئے اور صبح کے سٹینڈ ٹو کے بعد جیسے بھارتیوں نے پی ٹی شروع کی۔ ایک اشارہ پر دو طرفہ کارروائی سے مجاہدین نے کافی بھارتیوں کو واصل جہنم کیا۔ بھارتی پہلے سے اس علاقہ میں کسی جارحانہ کارروائی کیلئے تیار معلوم ہوتے تھے کہ دوپہر کے وقت انہوں نے ہوائی

جہازوں اور بکتر بند دستوں کی مدد سے سار اور سانک پر بھرپور حملہ کر دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی اور بھارتی حملہ کو اس وقت روکا جا سکا جب وہ مقصود سے صرف دو سو گز دور تھے۔ اس کے بعد تین گھنٹے کی لڑائی کے بعد سورج غروب ہونے تک بھارتی پسپا ہو گئے۔ اپنا جانی نقصان پانچ مجاہد تھے۔ اور بھارتی متعدد لاشیں گھسیٹ کر واپس لے گئے۔

محاذ پر تبدیلیاں ستمبر کے آخری ہفتہ میں کرنل (بعد میں بریگیڈیئر) ساتول خان کے ماتحت موجودہ چوتھی بلوچ نے آٹھویں ایف ایف کی جگہ لے لی اور پندرہویں بلوچ نے اکتوبر کے آخر میں انیسویں بلوچ کی جگہ سنبھال لی۔ ان دو عظیم پلٹنوں یعنی آٹھویں ایف ایف اور انیسویں بلوچ کو اکٹھا پلٹن کے طور پر زیادہ کام کرانے کی بجائے الگ الگ کمپنیوں کے طور پر زیادہ استعمال کیا گیا لیکن ہر جگہ انہوں نے اسلام کیلئے لڑائی لڑی اور اپنی پلٹنوں کے نام کی لاج رکھی۔ خاص کر انیسویں بلوچ کی سید غفار کی کمپنی پانڈو کی جنگ کے سنہری باب میں برابر کی شریک ہے۔ انہی دنوں کیپٹن سرور شہید اور اس کے ساتھیوں کی عظیم قربانی نے آدم خان جس کا پہلے بریگیڈیئر بننے کا نمبر کاٹ دیا گیا تھا، اس کو اس سیکٹر کا بریگیڈیئر بنوا دیا۔ اور بریگیڈیئر محمد یوسف کو میجر جنرل بنا دیا گیا کہ وہ پشاور میں بارہواں ڈویژن کھڑا کرے، جو نویں ڈویژن کی جگہ لے گا کہ جیسے آگے ذکر آتا ہے کہ نواں ڈویژن بھی کشمیر کی جنگ میں "الجھ" گیا تھا۔ کہ فائر بندی سے پہلے انگریز جنرل ہماری فوج میں "زیادتی" کے ڈرامے کر رہے تھے۔ گو یہ زیادتی برائے نام تھی۔

جہاد میں جمود ہماری سرکاری تاریخ[12] کے مطابق اکتوبر کے مہینہ میں برف پڑنی شروع ہو گئی تھی، تو اس وجہ سے بھی کارروائیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ لیکن اصلی بات یہ تھی کہ نزدیک علاقوں یعنی ٹٹھوال۔ اوڑی اور باغ سیکٹروں میں تو تین بریگیڈ فوج اکٹھی ہو چکی تھی۔ اور ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق پونچھ سے بھارتیوں نے باغ کی طرف ذرا سی حرکت کی، تو چوتھی ایف ایف اور تیسری ماؤنٹین بیٹری کو بھی لا کر ادھر ۱۰۲ بریگیڈ سے باندھ[13] دیا گیا۔ لیکن پونچھ سمیت، راجوری اور جھنگڑ کے سامنے یا نوشہرہ محاذ کی بھمبر کی طرف کے وسیع علاقوں میں صرف ایک بریگیڈ تھا اور مینڈھر کے علاقے میں کوئی بھی فوج نہ تھی۔ اب نوشہرہ محاذ کے جنوب میں میجر۔

(بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) عبدالعلی ملک کسی سازش کے تحت ریچھ اور رینڈک کی اہم پہاڑیاں چھوڑ چکا تھا ۔ اور بھارتیوں کیلئے نوشہرہ کا تحفظ مکمل ہو گیا ۔ تو بھارتی راجوری یا جھنگڑ کے راستے فائر بندی سے تھوڑا پہلے ایک بڑی "ڈنڈی" مار کر پونچھ سے رابطہ باندھنے کی تیاری کر رہے تھے ۔ تو اس سارے علاقے میں بریگیڈیر اعظم کا اکیلا بریگیڈ بھارتیوں کی کسی طرف پیش قدمیوں کو کیسے روکتا ۔ الٹا اس کا انگریز جنرل ٹاٹنھم اس کو تگڑم ناچ نچا رہا تھا ، کہ وہ دسمبر ۱۹۴۸ء یا جنوری ۱۹۴۹ء میں پونچھ پر حملہ کرنے کی تجویز بنائے [۱۴] ۔ ہمیں کیسے بے وقوف بنایا گیا یہ سب کہانیاں اگلے ابواب میں بالترتیب آرہی ہیں ۔ اور بھارتی حالات سے کتنے " باخبر" تھے کہ دسمبر ۱۹۴۸ء کے شروع میں انہوں نے پیر کنٹھی کی پہاڑی جہاں بھرپور لڑائیوں میں بھارتی نقصان کراتے رہے اور اس کو نہ چھوڑا ۔ اب بغیر لڑائی کے اس جگہ کو چھوڑ دیا [۱۵] کہ ایک مربع میل علاقہ پر قبضہ رکھنا مہنگا سودا تھا ۔ اور ہندو بنیا کبھی مہنگا سودا نہیں کرتا ۔ کشمیر پر وہ لوگ اتنا خرچ اکھنڈ بھارت کو وجود میں لانے کیلئے کر رہے ہیں اور ہم اب شمال سے جنوب کی طرف جانے سے پہلے اس باب کے دوسرے عنوان لڑاکا ہیڈ کوارٹروں پر تبصرہ کریں گے ۔

طارق ہیڈکوارٹر دسمبر ۱۹۴۷ء میں اکبر خان نے طارق ہیڈ کوارٹر کی بنیاد ڈالی اور یہ ہیڈ کوارٹر ہمارے ملٹری اوپریشن کے ڈائریکٹوریٹ کے ساتھ مل کر کام کرتا تھا ۔ اور اس سلسلہ میں سب تفصیلات کتاب کے پچھلے ابواب میں آچکی ہیں ۔ اکبر خان ایک غیر تمند پٹھان ، محب وطن پاکستانی ، اور فوجی فراست کا ماہر انسان تھا ۔ اس نے جو کچھ کیا یا اس کو جس طرح طارق ہیڈ کوارٹر سے "چلتا" کیا گیا ۔ وہ کہانی لکھی جا چکی ہے ۔ اس کا کام ڈائریکٹر ملٹری اوپریشنز بریگیڈیر شیر خان نے فروری ۱۹۴۸ء سے اضافی ذمہ داری کے طور پر سنبھال لیا ۔ اور انگریز جنرلوں کے حکم کے تحت کام "چلاتا" رہا ۔ کرنل سلطان علی شاہ نے اپنی کتاب شامت اعمال میں شیر خان کو ابن الوقت اور انگریزوں کا پروردہ کہا ہے ۔ اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قادیانی اس کے گرد بھی تھے ۔ کہ اس کے چھوٹے بھائی میجر (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) بہادر شیر کی بیوی قادیانی تھی ۔ مصنف کے خیال کے مطابق شیر خان ایک مخلص مسلمان تھا ۔ اور اس امید پر انگریزوں کے ساتھ گزارہ کرتا رہا کہ جب وہ چلے گئے تو حالات ٹھیک ہو جائیں گے ۔ مجھے ان کی چھاتی میں

ہمیشہ مومن کا دل دھڑکتا نظر آیا ۔ اور اس کے خلاف کہی گئی باتوں نے مجھ پر کبھی کوئی اثر نہ کیا کہ میں خود بھی انگریزوں کے ساتھ "گزارہ" کرتا رہا ۔ اور کئی لوگ مجھے بھی جنرل گریسی کا خاص الخاص آدمی سمجھتے رہے ۔ لیکن جب میں نے ایک دن کھلم کھلا یہ کہہ دیا کہ لانس نائک محمد خان جنرل گریسی سے بہتر پاکستان کی فوج کی کمانڈر انچیفی کر سکتا ہے اور یہ بات گریسی تک پہنچ گئی تو پھر گریسی جو مجھے صرف جنونی کہتا تھا اُس نے اب مجھے "لاعلاج دیوانہ" کہنا شروع کر دیا ۔ بہر حال طارق ہیڈ کوارٹر میں سٹاف کے طور پر کرنل (بعد میں میجر جنرل) شوکت علی شاہ ۔ میجر (بعد میں میجر جنرل) قاضی رحیم ۔ اور میجر (بعد میں بریگیڈیئر) محمود جان نے کام کیا ۔ ان میں صرف محمود جان زندہ ہیں ۔ اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے پشاور کے سیمینار میں انگریز سنڈیکیٹ کے ہمیں بے وقوف بنانے کی ساری کہانیاں ثبوتوں کے ساتھ پیش کیں ۔ طارق ہیڈ کوارٹر کے البتہ تمام کاغذات انگریزوں نے ۱۹۴۹ء میں جلوا دیئے ۔ اور اس عاجز نے تنکے تنکے جوڑ کر سب باتوں کے جس طرح تانے بانے ملائے یا جو ذرائع مجھے میسر ہو سکے ان کا ذکر ساتھ ساتھ کرتا رہا ہوں ۔ یہ سب قارئین کے سامنے ہے ۔

ساتواں ڈویژن ساتویں ڈویژن نے جو کشمیر کے محاذ کی ذمہ داری سنبھالی اس کی تفصیل تینتیسویں باب میں آچکی ہے اور ہماری سرکاری تاریخ نے بھی اس کو بہت ڈھیلا ڈھالا یا بے معنی کنٹرول کہا ہے [۱۶] ۔ یہ کام ساتویں ڈویژن کی طرف سے جنوبی محاذ پر اپریل اور مئی کے آخری ہفتہ تک بریگیڈیر اعظم کا پچیسواں بریگیڈ کرتا رہا ۔ اور مئی کے آخری ہفتہ سے بریگیڈیئر (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل اور وفاقی وزیر) خالد مسعود شیخ کے بریگیڈ نمبر سو نے جنوبی محاذ کو سنبھال [۱۷] لیا ۔

اگست میں پھر اعظم خان کا بریگیڈ آگیا ۔ اور یونٹوں کی کچھ ملی جلی ذمہ داری رہی کہ نومبر ۱۹۴۸ء میں دسویں ڈویژن کا چودہ نمبر پیرا بریگیڈ بھی بھمبر کے علاقے میں ساتویں ڈویژن کا حصہ بن گیا ۔ اور ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق جون ۱۹۴۸ء کے پہلے ہفتہ میں باغ کے شمال کے تمام علاقے نویں فرنٹیر ڈویژن کی ذمہ داری میں ہو گئے [۱۸] ۔ خیال ہے کہ یہ بات صحیح نہیں اور ایسا جولائی یا اگست ۱۹۴۸ء میں ہوا ۔ کہ پانڈو کی لڑائی کے وقت ساتواں ڈویژن ۔ اوڑی محاذ کو کنٹرول کر رہا تھا ۔ اور نویں ڈویژن کی کہانی آگے آتی ہے ۔ کہ ساتواں ڈویژن سب کام زبانی ۔

کلامی کرتا تھا۔ اور اپنی سرکاری تاریخ میں یہ الفاظ نمایاں طور پر لکھے ہوئے ہیں [19] کہ جنرل ٹاٹنھم نے سخت حکم دے رکھا تھا کہ کوئی جارحانہ کارروائی نہ کی جائے گی۔ لیکن ساتویں ڈویژن کی پوری کوتاہیوں کا پول جنرل اکبر خان رنگروٹ اپنی غیر مطبوعہ کتاب میں کھولتا ہے۔ جو کراچی کے سیمینار کے بعد میجر جنرل ریاض اللہ کی وساطت سے مجھے دی گئی۔

آٹھواں ڈویژن۔ آٹھویں ڈویژن کو صرف فائر بندی کے ساتھ "باندھنے" کیلئے کشمیر میں بہت دیر کے بعد نومبر ۱۹۴۸ء میں لایا گیا۔ اس کا ڈویژن کمانڈر میجر جنرل محمد اکبر خان جس نے اپنا قلمی نام رنگروٹ (زیر تربیت سپاہی) رکھا ہوا تھا۔ انگریز جنرلوں کیلئے ناپسندیدہ شخصیت تھی یہ بھلے آدمی اور مخلص مسلمان تھے۔ کم تعلیم یافتہ ضرور تھے لیکن قائداعظم ان کو پسند کرتے تھے اور اگر وہ زندہ رہتے تو یہی آدمی پاکستان کی بری فوج کا کمانڈر انچیف بنتا۔ کہ اس کے سنیارٹی والے جنرل کری آپا کو بھارتیوں نے ۱۹۴۸ء میں لیفٹیننٹ جنرل اور ۱۹۴۹ء میں کمانڈر۔ انچیف بنا دیا۔ اکبر خان رنگروٹ نے اسلامی تاریخ پر کافی کتابیں بھی لکھیں اور اسلامی فلسفہ۔ دفاع یعنی نظریہ جہاد کو اجاگر کرنا ان کو اوڑھنا بچھونا تھا۔ اس لئے انگریز جنرلوں نے ایک لابی پیدا کی جو اکبر خان کو ان پڑھ۔ "کھوتیاں والا" جاہل اور کئی ناموں سے موسوم کرتی رہتی تھی۔ کاش! کوئی صاحب ان کی غیر مطبوعہ کتاب شائع کر دے، جس کے کچھ اقتسابات یہاں دیئے جا رہے ہیں۔ ہمارے لوگ جو گریسی کے رویہ میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں کہ ۲۰ اپریل ۴۸ کو وہ پاکستانی فوج کو کشمیر میں داخل کرنے پر تیار ہو گیا اکبر خان کہتا ہے [20]۔ "یہ سب کچھ انگریزوں کی تجاویز کے تحت ہو رہا تھا۔ ہمارے دونوں ممالک میں تزویرات کے ماہر انگریز بیٹھے تھے۔ جن کو پہلے ماؤنٹ بیٹن اور بعد میں وائیٹ ہاؤس رہنمائی بھیجتا تھا" اپنی یادوں میں وہ مزید کہتے ہیں [21] "جنرل گریسی ماونٹ بیٹن کا آدمی تھا۔ جنگ عظیم دوم کے فوراً بعد ویت نام (ہند چینی) میں گریسی نے ماونٹ بیٹن کی طرف سے فوجی گورنر کا کام کیا اور ماونٹ بیٹن نے اس کی وفاداری کو بڑا سراہا۔ گو گریسی عامیانہ ذہن کا مالک تھا۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن یا وائٹ ہاؤس کی رہنمائی کے تحت بہروپیا بن کر گریسی نے اپنی قوم کی خدمت کی" آگے اکبر خان لکھتا ہے [22] "قائداعظم کی وفات کے بعد پاکستانی فوج کی سیاہ و سفید کی ملکیت گریسی اور اس کے انگریز

ساتھیوں کو مل گئی۔ انہوں نے ابن الوقت اور بے کردار افسروں کی ایک کھیپ تیار کی جس کو وہ لوگ پاکستانی فوج پر مسلط کر گئے" اکبر خان آگے لاکھوں روپے (آج کل کے مطابق کروڑوں) کے اس سامان کا ذکر کرتا ہے جو گریسی نے بھارت کو غلط طور پر بھجوا دیا اور پھر خود اس کو "رائیٹ آف" بھی کر گیا۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ ۴ نومبر ۴۸ کو بھارتی ریڈیو نے کہہ دیا کہ مجھے (اکبر خان کو) کشمیر کے محاذ پر بھیجا جا رہا ہے۔ اور ۵ نومبر کو گریسی نے اس کو راولپنڈی بلایا وہ ۸ نومبر کو پنڈی پہنچا، تو گریسی نے اس کو کشمیر محاذ کی کچھ ذمہ داری دینے کے بارے کہا۔ اور اکبر خان نے جب اس کو بتایا کہ بھارتی ریڈیو سے یہ خبر اس کو چار دن پہلے معلوم ہو گئی تھی تو گریسی بھونچکا ہو کر رہ گیا وغیرہ۔

اکبر خان ساتویں ڈویژن میں گریسی نے کشمیر محاذ کا مطالعہ کرنے کیلئے اکبر خان کو ساتویں ڈویژن میں بھیجا۔ تو انگریز جنرل ٹاٹنھم اپنے جی ون کرنل (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) حبیب اللہ خٹک کو لے کر کہیں "کھسک" گیا۔ اور ان کو بریفنگ ایک انگریز جی ٹو نے عام ایک انچ برائے ایک میل سکیل کے نقشے پر دی (قارئین انگریزوں کی بے ایمانیوں کا اندازہ لگائیں)۔ جہاں صرف زمین اور بھارتی پوزیشنوں کا ذکر کیا۔ اپنی کسی تجویز یا پیش بینی کا ذکر نہ کیا۔ اور بتلایا کہ نہ جنرل ٹاٹنھم نہ ان کا کوئی سٹاف افسر کبھی کشمیر گیا ہے۔ اور اکبر خان کو بھی محاذ پر جانے سے منع کیا۔ بہر حال اس زمانے میں اکبر خان نے سارے آزاد کشمیر کا دورہ کیا۔ ہجیرہ کے نزدیک بریگیڈیئر اعظم کے ساتھ ملاقات کی، جہاں محمود لشکر حیران ہو گئے کہ پاکستان کے کسی جنرل نے دریائے جہلم کو پار کیا تھا۔ اکبر خان، حالات دیکھ کر بڑا مایوس ہوا۔ نہ کوئی سڑک تھی نہ کوئی بندوبست تھا، کہ انگریز کہتے تھے کہ کوئی سڑک بنوائی تو وہ بھارت والوں کے کام آئے گی۔ واپسی پر اکبر خان نے جنرل ٹاٹنھم سے ملاقات کی کوشش کی تو وہ چھٹی لے کر ولایت پہنچا ہوا تھا (شاید وہاں جا کر آنے والی فائر بندی کیلئے کوئی ہدایات لینا ہوں گی)۔ جنرل۔ گریسی کے پاس اکبر خان نے شکایت کی تو اس نے اکبر خان کو اپنے چیف آف سٹاف جنرل۔ میک کے، کے پاس بھیجا۔ وہاں کچھ تلخ کلامی بھی ہوئی کہ اکبر خان نے پوچھا کہ کہاں ہیں ان کی بھارتی فوج کو روکنے کی تجاویز۔ تو میک کے، نے کہا کہ تم اب تجویزیں بنا لو" لیکن لیاقت علی

کو تم نے تسلی دینا ہوگی کہ سندھ اور بلوچستان میں کوئی گڑبڑ نہ ہوگی۔ تو تب اکبر خان کو کشمیر لایا گیا جو کہانی اگلے ابواب میں آئے گی۔

نواں ڈویژن نویں ڈویژن کے کمانڈر میجر جنرل نذیر احمد تھے جن کو جولائی۔ اگست ۱۹۴۸ء میں اوڑی محاذ اور اس کے شمالی علاقوں کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ لیکن اب وہ کیا کرتے۔ جہاد میں جمود تھا۔ مئی ۱۹۹۱ء کی اخبار نوائے وقت میں میجر ضمیر جعفری کہتا ہے کہ میجر جنرل نذیر احمد مغموم رہتا تھا اور اس نے ایک دفعہ میجر ضمیر جعفری کو بتایا کہ انگریز ان سے انگریزی میں لڑائی لڑانا چاہتے ہیں اور وہ لوگ پشتو اور پنجابی میں لڑائی لڑنا چاہتے تھے۔ بات بڑی گہری ہے۔ لیکن نذیر احمد کے مغموم رہنے کی ایک وجہ نذیر نے اپنے جیل کے ساتھی برگیڈئیر صدیق سی کو بھی بتائی کہ اس کو زیادہ ڈر اپنے قادیانی فرقہ سے ہے کہ وہ ایسا پھنس چکا ہے کہ ان کے "چنگل" سے نکل نہیں سکتا۔ نذیر کے باپ نے بھی پنجاب کے باقی لوگوں کی ابن الوقتی دیکھتے قادیانی بننا ضروری سمجھا۔ اور بیٹے نذیر کو ظفراللہ کا ہم زلف بھی بنا بیٹھا۔ لیکن جیسا کہ سینتیسویں باب میں بیان ہو چکا ہے کہ نذیر کا بھائی بشیر بھی، ملک کیلئے کوتاہی کرنے کو تیار نہ تھا۔ نذیر بھی پوری طرح انگریزوں کے ہاتھ میں کھلونا نہ بنا، تو اس کو بھی سازش کے مقدمہ میں دھر لیا گیا۔ اور شاید یہ کچھ خود قادیانیوں نے کرایا ہو بہر حال نویں ڈویژن کو بھی فائر بندی میں باندھا جانے کیلئے کشمیر میں "الجھا" دیا گیا یہی نہیں بلکہ دسویں ڈویژن کا چودھواں برگیڈ بھی کشمیر میں جھونک دیا گیا۔

تبصرہ قارئین کیا تبصرہ کیا جائے۔ ایک سال پہلے قائداعظم کا حکم نہ مانا گیا۔ اور اب اکتوبر ۱۹۴۸ء تک ساری پاکستانی فوج کو بھونڈے طریقے سے کشمیر میں "باندھ" دیا گیا۔ لیکن جہاں فوج کی زیادہ ضرورت تھی یعنی راجوری اور جھنگڑ سیکٹر تو وہاں ایک پلٹن بھی نہ تھی اور وہاں سے پونچھ کے ساتھ رابطہ بندھ گیا۔ اور غداری سے عبدالعلی ملک قادیانی سے جو نوشہرہ محاذ کو تحفظ دلایا گیا یا کرنل وحید حیدر قادیانی سے جو غداریاں کرائیں۔ ان کے مختصر قصے اگلے ابواب میں آتے ہیں۔ اور پونچھ کے ساتھ ہمارے عظیم فوجی اثاثہ کو باندھ دیا گیا۔ اور سردار عبدالقیوم بھی یہ پہلو نہ سمجھا حالانکہ سہروردی کہتا ہے کہ سردار صاحب [۲۳] تو ساری ڈوگرہ فوج کو وہاں

کھینچ کر سری نگر جانا چاہتے تھے۔ کاش وہ پونچھ بھارتیوں کے ہاتھ سے چھڑا لیتے تو یہ سری نگر جانے سے زیادہ بہتر رہتا۔

حوالہ جات

(۱)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۱۸۔ (۲)۔ ایضاً صفحہ ۲۱۹۔ (۳)۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۱۸۸ تا ۱۹۰ (۴)۔ دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۲۰۔ (۵)۔ ایضاً صفحہ ۲۲۰۔ (۶)۔ ایضاً صفحہ ۲۲۱۔ (۷)۔ ایضاً صفحہ ۲۲۱۔ (۸) حضور پاکؐ کا جلال و جمال صفحہ ۲۳۳۔ (۹)۔ یہ عاجز اس سوچ سے پورا اتفاق نہیں کرتا کہ بھارتی ایسا کر سکتے تھے۔ (۱۰)۔ کشمیر کیمپین صفحہ ۲۲۲ اور ۲۲۳۔ (۱۱)۔ ایضاً صفحہ ۲۲۴ تا ۲۲۸ ویسے بیانات کچھ مہمل ہیں۔ (۱۲)۔ ایضاً صفحہ ۲۲۶۔ (۱۳)۔ ایضاً صفحہ ۲۲۶۔ (۱۴)۔ ایضاً صفحہ ۲۵۰۔ (۱۵)۔ ایضاً صفحہ ۲۲۷۔ (۱۶)۔ ایضاً صفحہ ۲۳۲۔ (۱۷)۔ ایضاً صفحہ ۲۳۲۔ (۱۹)۔ یعنی کشمیر کی ساری جنگ کو ساتویں ڈویژن کا انگریزی کمانڈر ٹاٹنھم کنٹرول کر رہا تھا۔ (۲۰۔ ۲۱ اور ۲۲)۔ میجر جنرل اکبر خان رنگروٹ کی غیر مطبوعہ یادوں کے صفحہ ۹ سے ۱۵ تک میں سے یہ الفاظ نقل ہوئے۔ اور ان کے باقی تاثرات اپنے الفاظ میں بیان کئے ہیں۔ (۲۳)۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۰۸۔

اکتالیسواں باب

نوشہرہ۔ جھنگڑ محاذ (وہی چال بے ڈھنگی)

تانے بانے کتاب کے ان چار ابواب میں ہم جنوبی محاذ پر واپس آگئے ہیں ۔ اور ادھر ہی واقعاتی کہانی ختم کریں گے ۔ بے شک شمالی علاقہ جات میں ڈنڈی ماری گئی ۔ ٹٹھوال محاذ پر بروقت مدد نہ بھیجی گئی ۔ اوڑی محاذ پر پیش قدمی کو روک دیا گیا ۔ اور پونچھ میں فائر بندی کی سازش اور غداری ہوئی ۔ لیکن جنوبی محاذ کی کوتاہیوں اور غداریوں کے بیانات پر ایک الگ کتاب لکھنے کی ضرورت ہے کہ یہاں نہ وہ کچھ کیا جو کیا جاسکتا تھا ۔ اور جو کچھ نہتے مجاہدین نے حاصل کیا، اس پر بھی پانی پھیر دیا گیا ۔ ہم بیان کرچکے ہیں کہ اول غلام کذاب کے پوتے ایم ایم احمد نے سیالکوٹ محاذ پر کرفیو لگا دیا ۔ اور مجاہدین کو جموں کے علاقے میں نہ جانے دیا ۔ جموں کے لیڈروں چوہدری غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر کو سٹینڈ سٹل معاہدہ کے باوجود جیل سے رہائی نہ دلوائی گئی کہ لنگڑے لولے آزاد کشمیر کا مرکز شمال میں بنانا تھا ۔ قائد اعظم کا جموں ۔ کٹھوعہ روڈ کی ناکہ بندی کیلئے فوج بھیجنے کا حکم نہ مانا گیا ۔ جموں کے مظلوم مسلمانوں کی فریاد نہ سنی ۔ اکبر خان طارق کو قبائلی مجاہدین کو اس محاذ پر استعمال کرنے کی اجازت نہ دی ۔ اور وہ پکار اٹھا "کہ جموں کو ہم نے چھوڑ دیا لیکن جموں نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا" ۔ لیکن سبق پھر بھی نہ سیکھے اور الٹا فروری ۱۹۴۸ء میں سیالکوٹ کے علاقہ میں مجاہدین پر جھاڑو پھیر دیا ۔ جموں ۔ نوشہرہ کے ذرائع آمد و رفت کی ناکہ بندی والی فوج کو ہیڈ مرالہ سے نکال دیا ۔ دریائے چناب کے مشرق میں مجاہدین کی کارروائیاں روک دیں ۔ نوشہرہ پر حملہ آوروں کو امدادی فائر یا پوری مدد نہ دی ۔ فوج کو بروقت مجاہدین کی مدد کیلئے نہ بھیجا ۔ اور جب بھیجا تو ان کا بھونڈے طریقہ سے استعمال کیا، کہ دشمن نے راجوری اور جھنگڑ پر قبضہ کرلیا ۔ اور پھر بھارتیوں کو فوجی قیدی دینے کیلئے نویں ایف ایف کو اس طرح استعمال کیا گیا، جیسے کوئی قصائی جانور کو استعمال کرتا ہے ۔ کہ یہ "پول" کھل جائے کہ ہم کشمیر کیلئے "رسہ گیر" ہیں اور ہم "چوری اور بددیانتی" بھی کرتے ہیں

اور اقوام متحدہ میں ہمارے وزیر خارجہ ظفر اللہ کو بڑے بھونڈے طریقہ اور "مجبوری" سے اس چوری اور بددیانتی کو تسلیم کرنا پڑا ۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ ہم شروع میں بھارتی فوج کو کشمیر میں داخلے کے وقت تباہ برباد کرتے رہتے ۔ یا جھنگڑ کی ہماری عظیم فتوحات کے ثمرات کا یہ استعمال کرتے کہ بھارتی فوج مشینری کشمیر میں تباہ ہوجاتی ۔ اور ہم نے جو کچھ کیا ۔ اس کا اختصار اوپر بیان کردیا ہے ۔ اور چونکہ ہماری جاہل قوم کو یہ غداریاں اور کوتاہیاں نہ سمجھ آئیں، تو ہمارے ساتھ اس سے بدتر کیا گیا ۔ جس کی تین بہت بڑی غداریوں اور کوتاہیوں کو ان ابواب میں خاص طور پر بیان کیا جائے گا اور چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں کا تو حساب نہیں ۔ پہلی بڑی غداری میجر عبدالعلیٰ ملک کی ہے ۔ جس نے بغیر اجازت نوشہرہ کے جنوب کے دو اہم پہاڑی دفاعی پوزیشن جو ریچھ اور مینڈک کے پہاڑوں پر تھے وہ چھوڑ دیئے، تو نوشہرہ کے بھارتی دفاع کو تحفظ مل جانے سے بھارتی راجوری سے پونچھ تک رابطہ کا ریہرسل بھی کر آئے ۔ دوسری بڑی غداری اس ریہرسل کو جانتے ہوئے اس پر بھارتیوں کے عمل پیرا ہونے کو ہم نے نہ روکا اور بھارتیوں نے پونچھ کے ساتھ رابطہ باندھ کر مینڈھر اور ہزاروں مربع میل کے علاقے اپنے قبضہ میں لے لئے ۔ تیسری بڑی غداری آتش بازی کا ڈرامہ ہے کہ پکی فائر بندی سے جہاد کو پکا جمود دے دیا گیا ۔

جنوبی محاذ جنوبی محاذ کے زمینی پہلو کو دوبارہ واضح نہیں کیا جارہا اور نقشہ بیست اس کہانی کیلئے بھی مددگار ثابت ہوگا ۔ اور بریگیڈیر اعظم خان اپنے جنرل ٹاٹھم کے احکام پر اپنے پچیسویں بریگیڈ کو جس بھونڈے طریقہ سے استعمال کرچکا تھا وہ کہانی تینتیسویں باب میں بیان ہوچکی ہے اور ظفر اللہ صاحب نے اقوام متحدہ میں کہا ۔ "کہ پاکستانی فوج کو کچھ "محدود" مقاصد حاصل کرنے کیلئے کشمیر میں داخل کیا گیا ہے"[1] ۔ یہی ہر لحاظ سے بہت بڑا المیہ ہے ۔ فوج ۔ فوج ہے ۔ اور اس کو فوج کی طرح استعمال کرنا چاہیے ۔ نہ کہ جس طرح ہم کر رہے تھے ۔ چنانچہ جیسا کہ پچھلے باب میں گزارش کی گئی ہے ۔ مئی کے آخر میں بریگیڈیر (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل اور وفاقی وزیر) خالد شیخ کے بریگیڈ نمبر ۱۰۰ نے نوشہرہ، جھنگڑ محاذ کی ذمہ داری بریگیڈیر اعظم کے بریگیڈ سے لے لی ہے اور تقریباً ۷۰ میل کی لمبائی اس کی ذمہ داری مینڈھر سے چھمب تک تھی[2] ۔ بریگیڈ ۔

ہیڈ کوارٹر منگلا کے نزدیک قاضی باقر میں تھا۔ اگست ۱۹۴۸ء میں کچھ دن بھمبر میں بھی رہا۔ اور اکتوبر میں میرپور کے نزدیک نارا کے مقام پر بھی [۳] آگیا۔ کہ انہی دنوں بھارتیوں کے متوقع پونچھ کے ساتھ رابطہ کیوجہ سے مینڈھر کے علاقے کی ذمہ داری اعظم خان کے پچیسویں برگیڈ نے سنبھال لی، جو کہانی تینتالیسویں باب میں بیان ہو رہی ہے۔ اور نومبر ۱۹۴۸ء میں بھمبر اور چھمب کے علاقوں کی ذمہ داری آکر چودہویں پیرا برگیڈ نے سنبھال لی اور وہ کہانی چوالیسویں باب میں بیان ہو رہی ہے۔ اور یہ کچھ بہت دیر سے اور غلط وقت پر کیا گیا۔ کہ یہ کام مئی۔ جون میں کرنا چاہیے تھا۔ بہرحال اب ان دو اکتالیسویں اور بیالیسویں ابواب میں برگیڈ نمبر ۱۰۰ کی ٹھک ٹھک یعنی جہاد میں جموں، حیدرآباد کے سقوط اور عبدالعلی ملک کی غداری کو کسی ترتیب سے بیان کریں گے کہ واقعات کو زماں و مکاں کے لحاظ سے ارتقادے کر ہر کہانی کو ٹکڑوں میں بیان کرنے کی بجائے معاملات کو کسی جگہ پہنچا کر دوسری کہانی شروع کی جائے گی۔

محاذ کے سیکٹر یا حصے اس محاذ کے چھ سیکٹروں کے چھوٹے نام۔ راجوری، سیری۔ ٹائیں، نارا کوٹ کی وادی، سبز کوٹ۔ تتدڑ، بھمبر اور چھمب ہیں۔ جن کی تفصیل آگے ہر ایک سیکٹر کے ساتھ آئے گی، اور پہلے چار سیکٹروں کیلئے رسد و رسانی کیلئے جہلم، قاضی باقر، میرپور سے پونا تتدڑ والا راستہ استعمال کیا جاتا تھا۔ اور وہاں سے خچروں یا مزدوروں کے ذریعہ سے سامان آگے جاتا تھا۔ اور بھمبر اور چھمب کیلئے گجرات یا کھاریاں سے کوٹلہ والا راستہ استعمال ہوتا تھا۔ ہماری سرکاری تاریخ میں جو ۷ فیلڈ انجینئر کمپنی کا اس علاقے میں بھمبر سے آگے سعد آباد وادی میں یا کوٹلہ سے لکڑ منڈی اور کبوتر گلہ تک سڑکیں بن جانے کی تفصیل ہے۔ وہ صحیح نہیں۔ کہ راقم نے نومبر ۱۹۴۸ء کے آخری ہفتہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ سڑکیں اس وقت بنیں اور کچھ ہم نے خود دسمبر ۱۹۴۸ء میں بنائیں کہ وہاں ۷۰ توپیں لاکر "آتش بازی" کا ڈرامہ کرنا تھا۔ اور پہلے سب کام خچروں یا مزدوروں کے ذریعہ ہوتا تھا۔ جولائی کے مہینہ تک وہاں تیسری خچر یونٹ کا صرف ایک ٹروپ تھا اور بعد میں ایک سکواڈرن آگیا، جو کہ یونٹوں کو کچھ سامان پہنچاتا تھا۔ باقی کام "اخپل" طریقہ سے تھا۔ بے شک برگیڈیر شیخ نے ٹیلیفون لائن بچھوالی۔ اور میل ملاپ کا سلسلہ کچھ بہتر ہوگیا۔

دشمن کے حالات [۴] بھارتیوں کا ایک برگیڈ جھنگڑ میں تھا۔ اور دوسرا راجوری میں۔ ان کے پیچھے نوشہرہ تک دو برگیڈ گہرائی میں بھی کام کر رہے تھے اور مغرب میں ہمارے مجاہدین جو سبز کوٹ اور تتدڑ میں تھے۔ یا بھمبر محاذ سے آگے نوشہرہ کے جنوب میں تھے۔ ان کے ساتھ بھی الجھے ہوئے تھے۔ پانچواں برگیڈ، نوشہرہ سے مشرق میں اکھنور تک اپنے ذرائع آمد و رفت کی رکھوالی کے علاوہ ہمارے چھمب کے محاذ سے بھی الجھا ہوا تھا۔ اور بیڑی پتن کی خاص حفاظت اس کے ذمہ تھی۔ چھٹا برگیڈ اس سے پیچھے اکھنور سمیت جموں تک کے ذرائع آمد و رفت کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ بھارتیوں کیلئے اب نوشہرہ کے شمال یا مغرب کی طرف کا دفاع اتنا بڑا مسئلہ نہ تھا لیکن نوشہرہ کے جنوب میں ریچھ اور مینڈک کی پہاڑیاں، ان کے نوشہرہ کے دفاعی حصار پر چھائی ہوئی تھیں اور ان کی ہر حرکت مجاہدین دیکھ سکتے تھے۔ کہ ساتھ نزدیک کے علاقے میں بھارتیوں کے بڑے دشمن خان آف منگ اور کشمیرا خان کے لشکر بھارتیوں کے اندر گھس کر ان کو تنگ کرتے رہتے تھے، بھارتیوں نے اس محاذ پر دو برگیڈ اور فوج مانگی۔ جو ان کو نہ مل سکی۔

اپنے حالات اپنے برگیڈ اور چھ سیکٹروں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور یہاں سب سے پہلے پانچویں بھمبر اور چھٹے چھمب سیکٹر کا ذکر ہے۔ جہاں بعد میں راقم خود بھی متعین رہا اور بہت کچھ دیکھا بھی اور سنا بھی۔ پانچواں سیکٹر بروح سے کبوتر گلہ تک پھیلا ہوا تھا۔ سعد آباد سمانی وادی اور آگے "ریچھ" اور "مینڈک" پہاڑ اسی سیکٹر کا حصہ تھے۔ قلعہ امر گڑھ اور لکڑ منڈی بھی اسی سیکٹر میں شامل تھے۔ چھمب سیکٹر کے اہم مقامات اسٹر کی پہاڑیاں تھیں اور آگے کالی دھار ایک طرف اور دوسری طرف بانسر اس سیکٹر میں شامل تھے۔ بیسویں اور تیئیسویں ابواب میں بھمبر محاذ کی لڑائیوں کی کہانی بیان ہو چکی ہے۔ اور ان ابواب کے بعد نوشہرہ محاذ پر ہماری ناکامیوں کے بعد بھمبر محاذ کے الگ ہو جانے کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ ہماری سرکاری تاریخ [۵] کے مطابق جب مئی ۱۹۴۸ء کے شروع میں اعظم خان کے پچیسویں برگیڈ نے اس علاقہ کی ذمہ داری سنبھالی، تو موجودہ آٹھویں پنجاب کی ایک کمپنی اڈیالہ گلہ میں لگائی گئی۔ اور ساری پلٹن ان دونوں سیکٹروں میں پھیلی ہوئی تھی، کہ ۲۱ مئی ۱۹۴۸ء کو بھارتیوں نے جب اسٹر کی طرف پیش قدمی کی تو ہماری سرکاری تاریخ [۶]

کے مطابق آٹھویں پنجاب کی ایک کمپنی بھی وہاں تھی ۔ یہ کہانی پچھلے ابواب میں بیان ہو چکی ہے ۔ اور آٹھویں پنجاب کے کرنل محمد زمان نے کچھ کمزوری بھی دکھائی یا وہ بیمار تھے ۔ بہر حال ہم بیان کر چکے ہیں کہ جنرل گریسی نے اس سلسلہ میں بڑا " ڈرامہ " کیا ۔ اور کرنل صدیق سنی کو بھیجا کہ وہ پلٹن کا مورال بحال کرے ۔ اور صدیق سنی کی وہاں موجودگی نے بھارت کے ایک یلغار کو ناکام کیا تھا ۔ نوشہرہ کے دشمن کے خلاف ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق سعد آباد سے شمال مغرب میں چاوا دھار کی پہاڑی پر خان آف منگ کا لشکر تھا (۷) ۔ ایک آزاد شاہین پلٹن ساتھ جوڑوں والی پہاڑی پر تھی جو بعد میں " ریچھ اور مینڈک " کے نام سے مشہور ہوئیں (۸) ۔ اور ان کے ساتھ کشمیر اخان کا لشکر تھا (۹) ۔

ذمہ داری اور سیکٹر کمانڈر کون تھا؟

(سرکاری تاریخ کی بھول بھلیاں) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس دن شاہین پلٹن نے بغیر اجازت " ریچھ " اور " مینڈک " کے پوزیشن چھوڑ دیئے یا میجر عبدالعلی ملک نے غداری یا کوتاہی کی تو علاقے کا سیکٹر کمانڈر کون تھا؟ سرکاری تاریخ کے صفحہ ۲۳۰ پر ہے کہ ۱۰۰ برگیڈ نے کرنل وحید حیدر کو اس سیکٹر کی کمانڈ دی اور صفحہ ۲۳۱ پر لکھا ہوا ہے کہ جون کے شروع میں کرنل محمد سرفراز نے بھمبر سیکٹر کی کمانڈ سنبھال لی ۔ کیا وحید حیدر صرف سات دن سیکٹر کمانڈر رہا؟ ۔ سرکاری تاریخ کے ان صفحات کے مہمل بیانات کے بارے کیا کہا جائے ۔ کہ صفحہ ۲۳۴ پر لکھا ہوا ہے، کہ برگیڈیئر شیخ نے چھٹی پنجاب کے کرنل محمد سرفراز کو آزاد فوجوں کے اہم پہاڑیاں خالی کر دینے کے بعد بھیجا کہ وہ باغسر پہاڑی پر قبضہ کر کے بھارتیوں کی سعد آبادی کی طرف پیش قدمی کو روکے ۔ حالانکہ باغسر کے بارے یہی سرکاری تاریخ اپنے صفحہ ۲۳۹ پر کہتی ہے کہ وہ جگہ لیفٹیننٹ کرنل (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) بختیار رانا کی موجودہ پہلی ایف ایف کی ذمہ داری میں تھی ۔ اور عبدالعلی کو بھاگتے دیکھ کر اس جگہ کا کمپنی کمانڈر میجر مسعود بھی وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا ۔ لیکن کرنل رانا نے کمپنی کی کمانڈ سینئر سردار کو دے کر وہ پوزیشن بحال کر لی ۔ اور مسعود کے خلاف کارروائی کی گئی وغیرہ ۔ بات یہ ہے کہ عبدالعلی اور وحید حیدر دونوں قادیانی تھے ۔ انہوں نے کسی کے اشارے پر کوتاہی کی یا غداری کی اور اس زمانے میں دونوں کچھ عرصہ زیر عتاب رہے ۔ لیکن بعد میں وحید حیدر برگیڈیئر کے عہدے تک

پہنچ گیا ۔ اور عبدالعلی لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر پہنچ گیا ۔ کہ اس کا بڑا بھائی اختر ملک ایک اور بڑا ایکٹر تھا اور اس نے بھٹو کے ساتھ مل کر ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ہماری جاہل قوم دونوں بھائیوں کو ستمبر ۶۵ء کی جنگ کا ہیرو سمجھتی ہے کہ عبدالعلی نے برگیڈیئر کے طور پر چونڈہ میں اوروں کی بہادری اپنے نام کر دی ۔ اور دسمبر ۱۹۷۱ء میں سیالکوٹ محاذ پر پسپائی کرا کے کچھ ذمہ داری اپنے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل ارشاد پر ڈلوا دی اور کچھ اپنے ماتحت برگیڈیئر شیر علی باز پر ۔ یہ سب لوگ میرے ہم عصر ہیں اور مجھے اندرونی حالات معلوم ہیں کہ ہماری تاریخ میں یہ مہمل بیانات بھی عبدالعلی اور وحید حیدر کے بچاؤ کیلئے ہیں ۔ اور مجھے نومبر ۱۹۴۸ء سے سب غداری اور کوتاہی والی باتوں کا علم ہے اور اب تو میرے پاس عبدالعلی کو پلٹن سے بے عزتی سے نکال دینے والے کرنل راجہ محمد عنایت کے تمام سرکاری کاغذات موجود ہیں ۔ اور میں نے پوری چھان بین کر لی ہے تو اصلی کہانی لکھتا ہوں ۔ اور ان غداریوں پر سرکاری تاریخ اب تک پردے ڈالتی ہے کہ شاہین پلٹن کے کمانڈر کا نام ہی نہیں لکھا جاتا ۔ اور اگر لکھیں تو صرف میجر ملک لکھا جاتا ہے ۔

"ریچھ" اور "مینڈک" پر بھارتی قبضہ

سرکاری تاریخ کہتی ہے کہ ہمیں تو جارحانہ کارروائی کی اجازت نہ تھی (۱۰) لیکن بھارتیوں نے جون کے پہلے ہفتہ میں " ریچھ " اور " مینڈک " پر قبضہ کر لیا ۔ پھر کہا جاتا ہے کہ شاہین پلٹن (میجر عبدالعلی ملک کی پلٹن) کا دفاع " مینڈک " پہاڑی پر تھا ۔ آگے کہا جاتا ہے میجر ملک نے " ریچھ " پہاڑ کو خالی کرنے کے احکام دیئے ۔ اور چند صفحات کے بعد کہا جاتا ہے کہ حالات ایسے تھے کہ " مینڈک " اور " ریچھ " پہاڑیوں پر بھارتیوں کے اصل حملہ سے پہلے ہی وہاں پر متعین اعظم اور شاہین پلٹنیں پگھل گئیں (۱۱) ۔ یعنی اس علاقے سے غائب ہو گئیں ۔ اور پھر پہلی ایف ایف کے میجر مسعود کے بھاگنے کا ذکر ہے ۔ آگے سرکاری تاریخ میں ایک اور بڑی غلط بیانی ہے، کہ ریچھ اور مینڈک پہاڑیوں پر کوئی جھاڑی یا درخت نہ تھا اور بھارتیوں نے دفاعی مورچوں پر تاک تاک کر فائر کرایا ۔ اس عاجز نے یہ علاقے چار ماہ بعد نومبر ۔ دسمبر ۱۹۴۸ء میں اپنی آنکھوں سے دیکھے ۔ اور میں دو دفعہ گشتی دستوں کو وہاں لے گیا ۔ وہاں درختوں اور جھاڑیوں کا حساب نہ تھا ۔ بلکہ گھاس اتنا زیادہ تھا ۔ کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ

رسیاں باندھ کر ان علاقوں میں رات کو چل سکتے تھے۔

صحیح صورت حال

اس شاہین پلٹن کو ایک محمد نواز نے گیارہویں آزاد پلٹن کے طور پر مارچ ۱۹۴۸ء میں چھمب کے مقام پر کھڑا کیا تھا۔ اور سیالکوٹ محاذ پر مجاہدین پر بائیسویں باب میں جو "جھاڑو" مارنے کا ذکر ہے۔ ان میں سے کافی نفری کو اس پلٹن میں شامل کر دیا گیا۔ لیکن ان میں کافی لوگ قادیانی یا چھپے قادیانی تھے جو غلام کذاب کے پوتے ایم ایم احمد نے سیالکوٹ کے محاذ کے "اندر" مجاہدین میں چھوڑے ہوئے تھے۔ اور اب ان لوگوں کو کئی مقاصد کے تحت چھمب، بھمبر محاذ پر بھیج دیا گیا، کہ انہی دنوں دریائے چناب کے مشرق کی طرف سب کارروائیاں روک دی گئیں، تو گیارہویں آزاد پلٹن کو شاہین بٹالین بنا کر بھمبر محاذ پر پہلے کبوتر گلہ میں اور بعد میں ریچھ۔ بینڈک پہاڑیوں پر متعین کر دیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد خاص احکام کے تحت موجودہ تیرھویں پنجاب سے میجر عبدالعلی ملک قادیانی کو منگوا کر اس پلٹن کا کمانڈر بنا دیا۔ کہ پچیسویں برگیڈ کی طرف سے موجودہ اٹھارویں پنجاب کا کرنل وحید حیدر قادیانی بھمبر محاذ کا سیکٹر کمانڈر تھا۔ اور گو کچھ دن آٹھویں پنجاب اس علاقے میں رہی۔ لیکن آگے ثبوت آئیں گے کہ اٹھارویں پنجاب کی ایک کمپنی بھی اس علاقے میں موجود تھی۔ یہ "ڈرامہ" کسی اوپر سے انگریز جنرل کی ہدایت پر ایسے وقت کیا گیا، کہ پچیسویں برگیڈ کی جگہ اب برگیڈ نمبر ۱۰۰ علاقے کا چارج لے رہا تھا۔ اور نفسیاتی طور پر سب لوگوں کو فرار کرنے کیلئے پہلے تیار کیا گیا۔ اور ساتھ اعظم بٹالین [۱۲] بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور کشمیر اخان کا لشکر۔ خان آف منگ کے نزدیک چلا گیا۔ جو انہی علاقوں میں رہے۔ بہر حال بھارتی تاریخ کے مطابق [۱۳] وہ لوگ اس طرف اپنے ایک برگیڈ کی پیش قدمی کی بات کر کے چاوا دھار (خان بٹالین) کی طرف اپنی ناکامی اور ریچھ و بینڈک پر کامیابی کا ذکر مبہمل انداز میں کرتے ہیں۔ لیکن وہاں اپنے پہنچنے کا ذکر ۵ / ۶ جون کو کرتے ہیں۔ حالانکہ عبدالعلی وہاں سے ۲ جون کو بھاگ آیا تھا۔ پھر بھارتی، علاقے کی خطرناکی کی بات کرتے ہیں۔ کہ پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑا۔ چٹانیں بڑی سخت تھیں۔ آدمی لڑھک جاتا تھا وغیرہ۔ اور پھر نوشہرہ کے جنوب کی طرف سے "محفوظ" ہو جانے کی خوشی مناتے ہیں۔ کہ ان پہاڑیوں پر سے دیکھ بھال کر کے حملہ آور بیڑی پتن سے نوشہرہ سڑک پر کسی وقت فائر کروا سکتے

تھے۔ اور دراصل ہمارا توپخانہ علاقے میں آنے والا تھا۔ تو ہمارے انگریز جنرلوں نے یہ اہم پوزیشن بھارتیوں کو دلا دیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ بھارت کے اوپر والوں کو معلوم تھا کہ علاقے خالی پڑے ہیں۔ اور وہ اپنی فوج کو آگے دھکیلتے تھے کہ وہاں قبضہ کرو۔ اور فوج ڈر رہی تھی کہ شاید کوئی "پھندا" لگا ہو۔ اس لئے انہوں نے اس جگہ پر قبضہ کرنے میں چار دن لگا دیئے۔ کہ یوسف صراف نے ۱۹۷۸ء میں باغسر کا دورہ کیا اور اپنی کتاب میں لکھا ہے [۱۴] کہ سعد آباد وادی سے آگے ریچھ پہاڑی کو میجر عبدالعلی ملک نے افراتفری میں ۲ جون کو چھوڑ دیا۔ اور چار دن یہ علاقے خالی پڑے رہے۔ کہ بھارتی ڈر سے آگے نہ آتے تھے۔ کہ وہ کسی چال میں نہ پھنس جائیں۔

کرنل محمد عنایت کا بیان

میرے دیرینہ دوست، غیرتمند اور بہادر انسان۔ اور جنگ کے نبض شناس کرنل محمد عنایت سے اس عاجز نے پوری تحقیق کی اور اس کا لکھا ہوا بیان جو اس نے اگست ۱۹۸۶ء میں پروفیسر راشد کو بھیجا۔ اس کا اختصار یہ ہے۔ کہ عنایت جو اس زمانے میں میجر تھے، ان کو بھی کرنل محمد سرفراز کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ کہ حالات معلوم کرے۔ وہاں ان کو شاہین پلٹن کے کچھ غیرتمند لوگ مل گئے جن کو میجر عنایت نے باغسر کے علاقے کی سدھیر پہاڑی پر اکٹھا کیا۔ اور معلوم ہوا کہ عبدالعلی زیادہ پلٹن کو لے کر پندرہ میل پیچھے اسٹر پہنچ چکا ہے۔ اور جب برگیڈئیر شیخ کو ان حالات سے آگاہ کیا گیا تو وہ خود اسٹر پہنچ گیا اور ڈنڈے کے زور سے عبدالعلی کو حکم دیا، کہ پلٹن کے لوگوں کو لے کر وہ سدھیر پہاڑی پر میجر عنایت کو رپورٹ کرے۔ اب عبدالعلی ملک جو آدمیوں کو خود ڈرا کر وہاں سے بھگوڑا کرا چکا تھا وہ ان لوگوں کو کیسے کہتا، کہ وہ پھر محاذ پر جا رہے ہیں۔ اس نے ان کو کہا کہ صرف دشمن کو دکھانے کیلئے وہاں کچھ اکٹھ کرنا ہے اور جب سورج غروب ہو جائے گا تو سب لوگ واپس اسٹر پہنچ جائیں، اور ان کو ایک ماہ کی چھٹی دے دی جائے گی۔ جب عبدالعلی ان لوگوں کو لے کر سدھیر پہاڑی کے نزدیک پہنچا۔ تو کچھ سنجیدہ لوگوں نے میجر عنایت کو بتا دیا کہ عبدالعلی کس جھوٹ کے تحت لوگوں کو آگے لے آیا ہے۔ میجر عنایت نے جوانوں کو سدھیر ٹیکری کے دامن میں پھیلا دیا۔ اور او گروپ یعنی جونیئر کمانڈروں کو آگے بلالیا۔ سب سے پہلے عبدالعلی کو حکم دیا،

کہ اس کے ساتھ وہ پھر کبھی بات کرے گا۔ وہ پانچ منٹ میں یہاں سے چلا جائے اور کرنل سرفراز کو رپورٹ کرے، کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے نام اور خاص کر اس پلٹن کے نام کو دھبہ لگا ہے۔ اسے دھونے کیلئے ہمیں بڑی قربانیاں دینا پڑیں گی"۔ اس کے بعد او گروپ کو کہا "یہ چھٹی والا لالچ بکواس ہے۔ ہم یہاں سے آگے بڑھیں گے۔ وہ خود ہراول میں ہوں گے اور ریچھ پہاڑ کے دامن میں جہاں تک حالات اجازت دیں گے۔ وہ بھارتیوں کے سامنے دفاعی حصار بنائیں گے۔ جہاں آخری جوان اور آخری گولی تک لڑیں گے" لیکن افسوس کہ اس دن بھارتی فوج نے ریچھ پہاڑ پر قبضہ کر لیا تھا۔ میجر عنایت نے پلٹن میں نئی جان ڈال دی اور حالات اس کے ثبوت میں جائیں گے۔ لیکن وہ بے چارہ بڑی مشکل سے کرنل کے عہدہ تک پہنچا۔ سرفراز نے اس عبدالعلی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی کہ اس کی بیوی بھی قادیانی تھی۔ وحید حیدر کو بھی کچھ نہ کہا گیا۔ کہ اس کے بارے مشہور کر دیا گیا۔ وہ محاذ پر تھا ہی نہیں یعنی وہ چھٹی پر تھا۔ اور ہماری فوج میں بریگیڈیئر بن کر اور جی ایچ کیو میں ملٹری سیکرٹری رہ کر قادیانیوں کی بڑی خدمت کی۔ عبدالعلی کو بریگیڈیئر شیخ نے بھی نہ پوچھا کہ بعد میں جب شیخ پندرھویں ڈویژن کی کمانڈ کرتا رہا تو عبدالعلی اس کا چہیتا تھا اور اس کا جی ون تھا، اور اس نے عبدالعلی کو بریگیڈیئر بنانے کی پرزور سفارش کی اور بعد میں وہ لیفٹیننٹ جنرل رہ کر ہماری جاہل قوم کیلئے اب بھی ایک ہیرو ہے۔ اور لیفٹیننٹ جنرل اسلم شاہ کی قسم کے سادہ آدمی اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے حق میں مضمون لکھ رہے ہیں (فاعتبروا یا اولی الابصار)۔

بھارتیوں کا دوسرا حملہ ہماری سرکاری تاریخ میں فضول اور لمبی وضاحتیں ہیں۔ تمام واقعات کو بکھیر دیا گیا ہے۔ پر تضاد بیانات ہیں۔ بہرحال اتنا ضرور لکھا ہے "کہ افسوس حالات کو سنبھالا دینے کی بھی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ ۵ جون کو بھارتیوں نے ریچھ اور بیلاڈک پر قبضہ کرنے کیلئے فوج بھیجی۔ اپنی کامیابی دیکھ کر وہ حیران ہو گئے اور ہمارے حالات کو مزید جانچنے کیلئے ۶ جون ایک طرف بروح اور دوسری طرف سعد آباد وادی کی طرف انہوں نے پیش قدمی شروع کر دی۔ بروح کی طرف پہاڑیوں پر محسود موجود تھے۔ بھارتیوں نے کچھ سستی دکھائی تو ان کو "شکار" مل گیا۔ اور بھارتیوں نے بہت زیادہ ہتھیار اور فوجی ساز و سامان چھوڑتے افراتفری

سے پسپائی اختیار کر لی۔ سعد آباد میں دو کمپنی کے فرنٹ پہ بھارتی ٹینکوں اور آرمرڈ کاروں کی مدد سے آگے بڑھ رہے تھے، تو خان آف منگ نے ان کو ایسے مقام پر روکا، جہاں ان کے ہدف ان کی مار میں تھے۔ ساتھ ہی بائیں طرف سے کشمیرا خان نے حملہ کر دیا۔ اور بھارتی اس محاذ سے بھی افراتفری میں بھاگ کھڑے ہوئے، تو کشمیرا خان نے کہا کہ اس کی مدد کی جائے تو وہ ریچھ پر دوبارہ قبضہ کر لے گا"[15] اس سلسلہ میں ہماری سرکاری تاریخ نے لمبی چوڑی وضاحت کی ہے "کہ علاقہ میں موجود پہلی ایف ایف کی کمپنی اور اٹھارویں پنجاب کی مدد اور میجر عنایت کی شاہین پلٹن کے امدادی فائر سے ریچھ پر حملہ کے بارے کرنل سرفراز نے سوچا ضرور۔ لیکن اوپر سے اجازت ہی نہ ملی"۔ بہرحال اس عاجز کے مطابق یہ سارا قصور بریگیڈیئر شیخ کا ہے جو بہت دستوری اور کتابی آدمی تھا۔ اس نے محاذ کے معاملات کو سمجھنے میں اتنی دیر لگا دی۔ تو یہ المیہ ہوا۔ اس کا کام تھا کہ پہلے محاذ کے معاملات کو سمجھتا۔ اور پھر چارج لیتا۔ لیکن وہ انگریزوں کا "جی حضور" قسم کا آدمی تھا۔ اور اپنے ماتحتوں کا لکھ کر بہت نقصان کرتا تھا۔ خاص کر جن کا کوئی والی وارث نہ ہوتا۔ ان کا بڑا نقصان کرتا۔ ہماری بد قسمتی کہ ہمیں پاکستان میں زیادہ تر اس قسم کے رہنما اور جنرل ملے۔ جن کو اپنی فوج کی اسلامی استوار پر بنیاد باندھنے والی بات شاید سمجھ بھی نہ آسکتی۔

سرفراز کی پہلی ناکام کوشش ایک کمپنی کے علاوہ سرفراز کی پوری پلٹن چھٹی پنجاب اب کبوتر گلہ، باعنسر اور امر گڑھ کے علاقوں میں پہنچ گئی۔ اور اپنی پلٹن کی مارٹر پلٹون کے امدادی فائر۔ اور اپنی دو کمپنیوں کے آگے سمانی وادی میں دباؤ سے ۱۶/۱۷ جون کی رات کو چھوٹا خان کی پلٹن اور کشمیرا خان سے ریچھ پہاڑی پر حملہ کرا دیا۔ اور خان آف منگ تو دشمن کے اندر گھس گیا۔ اور بھارتی دفاع کے اندر کچھ علاقہ پر قبضہ کر کے بھارتیوں کیلئے ایک مسئلہ بنا دیا[16] اور یہ کچھ اس عاجز نے نومبر ۱۹۴۸ء میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ مرد مجاہد اور اس کے مجاہدین بھارتیوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ کشمیرا خان نے پہلے اپنی کامیابی کی رپورٹ دی اور ایمونیشن مانگ بھیجا۔ سرفراز اپنی پلٹن کی ایک کمپنی اس کی مدد کیلئے ایمونیشن کے ساتھ آگے بھیجنے پر تیار ہو گیا۔ کہ بعد میں مارٹر پلٹون اور خود کشمیرا خان سے خبر ملی کہ آدھی کامیابی ہوئی ہے۔ پھر

سورج چڑھ گیا اور روشنی ہو گئی۔ تو سرفراز نے کوئی مدد نہ بھیجی۔ اس عاجز کو نومبر ۱۹۴۸ء میں چھٹی پنجاب کے لوگوں نے بتایا کہ کیپٹن ظفر اقبال شہید وغیرہ سرفراز سے بہت نالاں تھے۔ کہ اس نے ایک اچھا موقع کھو دیا۔ اور اس کو پہلے سے اپنی دو کمپنیوں کو کشمیرا خان کے ساتھ بھیجنا چاہیے تھا۔ اور اس نے ریچھ پہاڑی پر قبضہ کرنے کا ایک اچھا موقع کھو دیا۔ یہ عاجز سرفراز کو ذاتی طور پر بہت اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ کوتاہ تو نہ تھا۔ لیکن کبھی کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔ اور میدان جنگ میں گنے چنے خطرات ہمیشہ ذہن میں رکھنا پڑتے ہیں۔ ہماری بدقسمتی کہ سرفراز قسم کے لوگوں کی وجہ سے ستمبر ۶۵ء میں لاہور میں اس عاجز کی پلٹن کی دو کمپنیوں کو اکیلے سارے واہگہ محاذ کو بچانے کیلئے عظیم قربانی دینا پڑی۔ حالانکہ سرفراز کے پاس سب کچھ موجود تھا کہ وہ دشمن کو اٹاری تک آسانی سے پھینک سکتا تھا۔ اس نے جنگ کے بعد یہ کچھ تسلیم کیا۔ لیکن کہا کہ ایسا خطرہ مول لینے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ لیکن ہماری عظیم قربانی کے بارے صرف یہ کہا کہ ہاں قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔

سرفراز کی ادھوری کوشش سرفراز نے اوپر والوں کو باور کرایا کہ پہلی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ لپنے پاس توپخانہ اور لشکروں کی کمی تھی۔ تو اس کو دو پہاڑی توپیں اور دو ہزار کے داوڑ اور مختلف قبائل کے لشکر بھیج دیئے گئے۔ اس دفعہ بائیں کی بجائے، سرفراز نے دشمن پر شمال اور پچھلی طرف سے حملہ کیلئے خان آف منگ کے علاقے سے جا کر وہاں کھڑی چٹانیں دیکھیں[17] تو وہ حیران ہو گیا۔ کہ ادھر سے کچھ نہیں ہو سکتا تو اس نے سامنے سے حملہ اس طرح کرایا کہ بائیں کشمیرا خان کا لشکر تھا۔ درمیان میں میجر عنایت کی شاہین بٹالین اور دائیں نئے آنے والے لشکر۔ کاروائی ۲۷\۲۶ جون رات کو شروع ہوئی اور وادی سمانی سے دو ہزار فٹ بلند پہاڑوں کے دامن میں سب لوگ خیریت سے پہنچ گئے۔ آگے تاریں اور مائنز لگے ہوئے تھے اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ بھارتی سب کاراوئی سے آگاہ تھے۔ کہ اب تو کئی ذرائع سے ثابت ہو گیا ہے کہ ٹا ٹنم بھارتیوں کو سب کچھ بتا دیتا تھا اور ادھر ہمارے ملک میں اس نے جنرل پاشا کا نام اپنایا ہوا تھا۔ بہر حال حملہ وسیع محاذ پر تھا اور درمیان سے شاہین پلٹن تو لپنے مقصود تک پہنچ گئی اور کشمیرا خان کے لشکر کو آدھی کامیابی حاصل ہوئی۔ لیکن دائیں والے لشکر آگے نہ بڑھ سکے اور میجر

عنایت کو دائیں طرف سے کچھ گھیرا پڑنے لگا۔ تو اس نے سرفراز کو خبر دی۔ سرفراز اس کی مدد کے لئے ایک کمپنی بھیجنے پر تیار ہو گیا۔ لیکن ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق اس کے جلدی بعد میجر عنایت سے ملاپ ٹوٹ گیا۔ اور وہ کچھ پسپا بھی ہو چکا تھا۔ تو سرفراز نے کیپٹن (بعد میں میجر) فرید کو ایک دستے کے ساتھ کشمیرا خان کے قبضہ شدہ علاقے میں بھیجا کہ اگر حالات ٹھیک ہوں تو وہ اپنی اور دوسری کمپنی کو وہاں بلا کر بائیں طرف سے میجر عنایت کی مدد کریں۔ لیکن جب کیپٹن فرید وہاں پہنچا تو کشمیرا خان کے پاس صرف پچاس مجاہدین باقی رہ گئے تھے اور وہ گالیاں دے رہا تھا کہ لوگ اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ تو سرفراز نے سب لوگوں کو پرانی پوزیشن پر آنے کی اجازت دے دی اور ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق[18] سرفراز پر واضح ہو گیا کہ بڑی توپوں کے سخت امدادی فائر کے بغیر بھارتی یہ علاقے نہ چھوڑیں گے، کہ یہ علاقے ان کے ذرائع آمد و رفت کی حفاظت کے لئے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ راقم کا خیال ہے کہ بڑی توپوں سے بعد میں آتش بازی کا ڈرامہ رچانے کیلئے ادھر یہاں ان کو لانے کو "جائز" کرنے والوں نے ہماری تاریخ میں یہ فقرہ لکھوایا ورنہ ہمارے انگریز جنرلوں نے یہ علاقے بھارتیوں کو اس لئے تو عبدالعلی سے نہ دلوائے تھے کہ یہ پاکستان کو واپس مل جائیں گے۔ اور اس کاروائی کی ناکامی کے بعد سرفراز کی یونٹ کے کئی لوگ سرفراز سے نالاں ہو گئے کہ میں اس یونٹ کہ بچہ بچہ کو جانتا تھا اور جو کچھ انہوں نے مجھے نومبر ۱۹۴۸ء میں اس محاذ پر بتایا۔ اس سلسلہ میں پوری باتوں کو اجاگر کرنے کے لئے کئی مضامین کی ضرورت ہے۔ اور کیپٹن ظفر اقبال کی شہادت کی کہانی میں بھی کچھ اشارے ہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ ہمیں اس نے ایسے سربراہ دیئے۔

شہید کیپٹن ظفر اقبال کی کہانی: شہید کیپٹن ظفر اقبال کا تعلق مصنف کی خاندانی پلٹن ساتویں پنجاب سے تھا۔ لیکن افسوس مجھے اس عظیم ہستی کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔ آزادی کے وقت پلٹن کے کچھ افسر یونٹ کی چاندی کے کپ انگریزوں کو دینا چاہتے تھے کہ وہ لوگ انگریز کرنل سے اچھی رپورٹ لینا چاہتے تھے۔ ظفر اقبال ڈٹ گیا، کہ یہ کچھ اس خطہ کی دولت سے بنا ہے اور سب ادھر ہی رہے گا۔ پلٹن رزمک میں تھی۔ قائداعظم کے فیصلہ کے مطابق کہ اب ہمارا محاذ مشرق میں ہے، پلٹن نومبر ۱۹۴۷ء میں سیالکوٹ پہنچی تو یہاں جہاد میں جمود دیکھ کر

ظفراقبال تڑپ اٹھا۔اور رضاکارانہ طور پر جہاں جہاد ہو رہا ہو، وہاں جانے کے لئے جی ایچ کیو کو اپنا نام دے دیا۔جنوری ۱۹۴۸ء میں طارق ہیڈ کوارٹر پہنچا۔لیکن بہت جونیئر تھا اور پشتو نہ جانتا تھا۔کسی قبائلی لشکر کی کمانڈ کی بجائے جب وہ محاذ پر پہنچا تو اس کو بندوبستی کاموں پر لگا دیا گیا فروری ۱۹۴۸ء میں اس کو معلوم ہوا، کہ اس کے گروپ کی آٹھویں پنجاب محاذ پر جا رہی ہے، تو اس نے آٹھویں پنجاب میں پوسٹنگ کی درخواست دے دی۔لیکن اس کی پوسٹنگ مئی کے وسط میں ہوئی اور پلٹن محاذ سے واپس آنے والی تھی تو ظفراقبال نے سیدھی بات کی کہ اس کے سامنے مقصد پکے جہاد میں شمولیت ہے۔تو کسی افسر کو بات سمجھ آ گئی تو انہوں نے محاذ پر جانے والی اس کے گروپ کی چھٹی پنجاب میں اس کو تبدیل کر دیا اور کرنل سرفراز نے اس کو اے کمپنی کی کمانڈ دے کر سبز کوٹ میں دسویں ایف ایف کے ساتھ وابستہ کر دیا۔یہ ذکر اگلے باب میں آئے گا کہ وہاں بھی جہاد میں جمود تھا اور ظفراقبال نے دسویں ایف ایف کے کرنل عفیف خان کو بار بار کہا کہ کچھ کیا جائے تو اس نے تنگ آکر ظفراقبال کو اپنی پلٹن میں واپس بھیج دیا جہاں کرنل سرفراز نے اس کو امر گڑھ قلعہ کے علاقے میں متعین کر دیا۔اور سرفراز کی ادھوری کوششوں کا ذکر ہو چکا ہے جس نے ظفراقبال کو بہت مایوس کیا ہوا تھا۔بہرحال اس نے پلٹن میں کافی لوگوں کو ذہنی طور پر تیار کر لیا کہ روزانہ جا کر ریچھ اور مینڈک پہاڑ پر ایسے حملے کئے جائیں کہ کوئی بھارتی وہاں ٹھہرنے کو تیار نہ ہو۔سرفراز ایسی کاروائی کو روک نہ سکتا تھا۔اور ظفراقبال نے پلٹن سے رضاکارانہ طور پر ساتھ شامل ہونے والوں سے بھارتیوں کی وہ گت بنانا شروع کی کہ اوپر سے سرفراز کو احکام آنا شروع ہو گئے کہ ایسی کاروائیاں بند کی جائیں۔حالانکہ ابھی تک ایسی کاروائیوں سے زمین کا کوئی ٹکڑا حاصل نہ ہو سکا تھا۔سرفراز سختی کے ساتھ حکم دے کر ظفراقبال کو روکنے سے ڈرتا تھا اور اس نے مصلحت سے کام لے کر ظفراقبال کو روکا لیکن بات بہت پھیل گئی تھی۔مقامی آزاد مجاہدین سے رضاکاروں نے بھی ظفراقبال کے ساتھ جانا شروع کر دیا۔اور محاذ پر قادیانیوں کی فرقان پلٹن بھی آئی ہوئی تھی۔انہوں نے اوپر سے کسی سازش اور ظفراقبال کے ساتھ "تربیت" کے لئے کچھ آدھا راستہ ساتھ جانا شروع کر دیا۔اور ان کو معلوم ہو گیا کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء کو ظفراقبال بھارتیوں پر بڑا چھاپہ مارے گا تو اس دن اس

پلٹن کا لیفٹیننٹ حمید اور دو جونیئر کمیشنڈ افسر آدھا راستہ ظفراقبال کے ساتھ گئے[19] میرا بھانجا سپاہی شیر بخش جو اب تک زندہ ہے، وہ بھی ساتھ تھا۔اور ظفراقبال کی شہادت تک اس کے ساتھ رہا۔پھر جو لوگ بچ گئے۔ان کے ساتھ واپس آیا۔اور یہ عاجز نومبر ۱۹۴۸ء میں ان سب کو ملا اور سب ایک بات کہتے تھے کہ قادیانیوں نے بھارتیوں کو اطلاع ضرور دی ہو گی کہ بھارتیوں نے ہمیں ان کے اندر گھسنے کی بڑی "کھلی" اجازت دی۔اور پھر چاروں طرف سے گھیر لیا۔اور کچھ بہادر قسم کے بھارتیوں کے ساتھ واسطہ پڑا۔بہرحال لمبی کہانی ہے۔اس عظیم انسان نے زندگی کا مقصد حاصل کر لیا اور اپنے دو جیالے ساتھیوں سمیت میدان جنگ میں شہادت حاصل کر لی اس دن پوری پلٹن ریچھ پہاڑ پر حملہ کرنے کو تیار ہو گئی۔کرنل سرفراز نے بہانے سے معاملات کو ٹھنڈا کیا۔سرفراز کو مجبوراً ظفراقبال کے لئے بہت بڑے تمغے کے لئے سفارش کرنا پڑی۔لیکن تمغوں کا اجراء بہت بعد میں ہوا تو ظفراقبال کو نشان حیدر کی بجائے بعد میں الفاظ میں تبدیلی کر کے صرف ہلال جرأت دیا گیا جو سینئر افسروں کو اعلیٰ تجویز کے لئے دیا جاتا ہے۔اور ظفراقبال واحد کیپٹن ہیں جن کو ایسا اعزاز ملا۔لیکن یہ "خانہ پری" ہے۔ان کا اعزاز اللہ کے ہاں ہے۔ مسلمان، بہادری کے تمغے حاصل کرنے کے لئے نہیں لڑتے۔بات ہی کچھ اور ہے۔بہرحال ہمارے ہاں تو اکثر اعزاز جھوٹی کہانیوں پر ملتے ہیں اور جون ۱۹۹۴ء میں نوائے وقت کے ایک مضمون میں الطاف گوہر کہتا ہے کہ ایوب خان نے تسلیم کیا کہ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں بہت جھوٹ مارے گئے۔لیکن ایوب۔شیر علی اور ضیاء الدین کو جھوٹی کہانیوں پر تمغے ملے تو یہ سلسلہ جاری رہنا تھا۔

قادیانی فرقان بٹالین یہ عاجز جب اس محاذ پر گیا، تو قادیانی فرقان پلٹن اس محاذ پر ایک پہاڑی کی اوٹ میں مقیم تھی جہاں دشمن کے ساتھ ان کا کوئی لگاؤ نہ تھا۔باقی مجاہدین کو گڑ، چنے وہاں مشکل سے ملتے تھے۔لیکن ان کے پاس اعلیٰ قسم کے بسکٹ، ڈبوں میں فروٹ اور دودھ اس عاجز نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔قادیانی اس زمانے میں غیر مسلم نہ تھے، مسلمانوں کا ایک فرقہ تھے۔لیکن کسی اور فرقہ سنی، شیعہ، وہابی، دیوبندی یا بریلوی وغیرہ کو ایسی اجازت نہ ملی کہ وہ اپنی الگ پلٹن بنائیں۔یہ لوگ البتہ وہاں انگریزوں کے پروردوں کی حفاظت اور

انگریزوں کی سازشوں کو پروان چڑھانے کے لئے رکھے گئے اور بڑا گہرا مقصد قادیانیوں کو فوجی تربیت دینا تھا۔ فائر بندی کے بعد انہوں نے کوئی ہتھیار یا ایمونیشن حکومت کو واپس نہ کیا اور گو ستمبر ۱۹۴۸ء میں ربوہ کی بنیاد ڈال دی گئی تھی لیکن کافی عرصہ قادیانیوں کا مرکز لاہور رہا اور یہ ہتھیار وہاں پہنچائے گئے۔ ۱۹۵۳ء کی اینٹی قادیانی تحریک میں غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق تیس ہزار اور معتدل ذرائع کے مطابق دس ہزار مجاہدین شہید ہوئے[20] ان میں سے زیادہ لوگ مرزا غلام کذاب کے پوتے کرنل داؤد نے ان فرقان پلٹن کے تربیت یافتہ لوگوں سے شہید کرائے۔ یہ عاجز اس مارشل لاء کے دوران جب محکمہ تعلقات عامہ کی طرف سے لاہور پہنچا تو مجھے ایسی باتوں کی کچھ "بھنک" لگ گئی۔ اور میرے شور اور کرنل خوشی محمد کے مجاہدین پر فائر کا حکم نہ دینے کے کچھ اثرات ضرور ہوئے لیکن اس جاہل قوم کے آگے کون کون سا راز فاش کیا جائے۔ کہ خوشی محمد کی تحقی رک گئی۔ اور مجھے اب بھی اچھے بھلے لوگ کہتے ہیں کہ میں "غریب قادیانیوں" کے پیچھے کیوں پڑا رہتا ہوں۔

چھٹا، اسٹر اور چھمب سیکٹر بھمبر کے ساتھ اس سیکٹر کا بیسویں باب میں ذکر ہو چکا ہے جون ۱۹۴۸ء میں کرنل بختیار رانا نے پہلی ایف ایف کے ساتھ اس سیکٹر کی کمانڈ کو سنبھال لیا اور وہ میل کے بھگوڑے اپنے افسر میجر مسعود کریم کا وہ کورٹ مارشل کرنے پر تیار تھے لیکن پندرہ میل پوری پلٹن کو ساتھ لے کر بھاگ جانے والی عبدالعلی کو کسی نے کچھ نہ کہا۔ بہر حال کرنل رانا لمبے تڑنگے مسعود کو اپنی پلٹن میں رکھنے کو تیار نہ تھے اور ادھر ادھر دھکے کھاتے، اس نے دو سال بعد فوج کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ لاہور کی مشہور ارائیں فیملی سے تھا اور میاں بشیر احمد کا داماد اور بیگم شاہ نواز کا قریبی رشتہ دار تھا۔ بہر حال اس سیکٹر میں کرنل رانا کے ماتحت، ۳۴ آزاد پلٹن ایک بیٹری دوسری فیلڈ رجمنٹ، ایک بیٹری ۲۹ اینٹی ٹینک رجمنٹ، ایک سیکشن آٹھویں میڈیم رجمنٹ، گیارھویں رسالہ کے ایک سکواڈرن سے ایک ٹروپ اور دسویں پنجاب سے میڈیم مشین گن کی ایک پلٹون کے علاوہ میجر (بعد میں کرنل) شہزادہ جہاندور کے ماتحت تین قبائلی لشکر بھی تھے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انگریزوں نے بھارتیوں کو سمجھایا ہوا تھا کہ اس محاذ پر وہ زیادہ آگے نہ بڑھیں۔ اب جولائی اگست میں اس محاذ کو زیادہ مضبوط اس لئے کیا جا رہا تھا کہ بعد میں توپیں ذکر ہو اس محاذ سے آتش بازی کا ڈرامہ کرنا تھا۔ کوئی چھوٹی سطح پر بھارتی کمانڈر "ناواقفیت" کی

وجہ سے اس محاذ پر کوئی کاروائی نہ کرے۔ چنانچہ ۴-۳ نومبر ۱۹۴۸ء کو پہلی ایف ایف کی ایک کمپنی نے ۳۴ آزاد پلٹن کے ساتھ ملکر توپخانہ کے امدادی فائر اور بکتر بند دستوں کی مدد سے بھارتیوں کو منور۔ توی تک دھکیل دیا اور یہ عاجز جب اسی مہینے اس محاذ پر پہنچا تو یہاں کے سارے مجاہدین بڑے حوصلے میں تھے کہ بات پھیلائی جا رہی تھی کہ ہم بھارت پر یہاں سے بہت بڑا حملہ کرنے والے ہیں۔ لیکن اصلی بات یہ تھی کہ ہم "سرپھروں" کو خاموش کرنا تھا۔ اور آتش بازی کا ڈرامہ کرنا تھا۔

ذاتی مشاہدہ: یہ عاجز جب محاذ پر پہنچا تو وہاں لتنے لاؤ لشکر دیکھ کر حیران ہو گیا اور میں پندرھویں پنجاب کے انٹیلیجنس افسر اور چودھویں بریگیڈ کے نمائندہ کے طور پر اس گروپ کا حصہ تھا جنہوں نے حالات اور زمین کا مطالعہ کرنا تھا جس کی کچھ تفصیل چوالیسویں باب میں آرہی ہے کہ ریچھ اور مینڈک پہاڑیوں سے آگے نکل کر کبوتر گلہ اور امر گڑھ کے قلعہ پر قبضہ کرنے اور رکھنے کے لئے بھارتیوں کو مزید ایک ڈویژن فوج کی ضرورت تھی اور ہمارے پاس جو مجاہدین یہاں تھے انہی سے ہم اپنے سامنے بھارتیوں کے بخیئے ادھیڑ سکتے تھے اور اب ایک اور پورے بریگیڈ کے یہاں آنے سے ہم ساری بھارتی فوج کو ان علاقوں میں تہس نہس کر کے کشمیر حاصل کرنے کے لئے آدھی جنگ جیت سکتے تھے۔ بلکہ بہتر ہو گا کہ میں اس سلسلہ میں جنرل فضل مقیم کی کتاب کا حوالہ دوں[21] جو کہتے ہیں: اس وقت بعض جونیئر کمانڈروں نے یہ تجویز پیش کی کہ اس علاقے میں جو چند پلٹنیں موجود ہیں انہیں لڑائی میں زیادہ سرگرمی سے حصہ لینا چاہیئے اور بار بار مشورہ دیا کہ اکھنور سے نوشہرہ تک بھارتی مواصلاتی شاہ رگ کو کاٹ دیا جائے اور اس کے آس پاس چند پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا جائے تو بھارتیوں کا سارا دفاعی نظام الٹ پلٹ جائے گا۔ اس وقت یہ کام مشکل نہ تھا لیکن اوپر والوں نے اجازت نہ دی۔ جنرل فضل مقیم دبی زبان میں ساری سازش سے پردے اتارتے ہیں اور ہمارا منہ کیسے بند کیا یہ کہانی اگلے ابواب میں آتی ہے۔ اب ہم اس محاذ کے شمالی سیکٹروں کے حالات بیان کریں گے۔

پہلا اور دوسرا سیکٹر: پہلا سیکٹر جس کو ہم نے راجوری سیکٹر کا نام دیا۔ یہ بدحل سے شروع ہو کر مغرب میں قلعہ رام گڑھ اور پھر جنوب میں لون بنگہ تک تھا۔ اور تینتیسویں باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ کرنل رحمت اللہ کا چھٹا راجوری بریگیڈ یہاں متعین تھا۔ دوسرا سیکٹر جھنگڑ

کے پانچ میل شمال میں پیر بڈیسر سے سیری ۔ ٹائیں تک تھا ۔ جہاں کرنل شیر احمد کا تیسرا سدھن برگیڈ متعین تھا اور ہماری سرکاری تاریخ میں جو لکھا ہوا ہے کہ جون ۱۹۴۸ء میں پندرھویں گروپ کے میجر شیر محمد نے دوسرے سیکٹر کی کمانڈ سنبھال لی[۲۲] دراصل شیر محمد نے پہلے اور دوسرے دونوں سیکٹروں یعنی چھٹے راجوری برگیڈ اور تیسرے سدھن برگیڈ کو اکٹھا کر کے ایک نیا بجلی سیکٹر بنایا اور دونوں علاقوں کی کمانڈ سنبھال لی ۔ شیر محمد وہی پرانے کرنل خالد ہیں جن کا ذکر چونتیسویں باب میں ہو چکا ہے اور اتنے اہم علاقے میں صرف ان کے نام کو استعمال کرنا اور پکی فوج کو نہ لانا ، انگریزوں کی بڑی غداری تھی ۔ چھ جون کو میجر شیر محمد کو برگیڈئر شیخ نے اس کی ذمہ داری کے علاقے کے بارے احکام دیئے ۔ ۷ جون کو وہ تیسرے سدھن برگیڈ میں پہنچ اور ان کی مدد سے ان کے نزدیک بجلی سیکٹر کی بنیاد ڈالی اور ۱۲ جون کے چھٹے راجوری برگیڈ کا جا کر علاقہ دیکھا ۔ اس عاجز کے پاس ساری کہانی کے بڑے دلچسپ روئیداد موجود ہیں ۔ لیکن اختصار کی مجبوری کے تحت صرف ہر برگیڈ کی ذمہ داری کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے ۔

چھٹا راجوری برگیڈ: ہماری سرکاری تاریخ[۲۳] کے مطابق راجوری کے گردونواح میں کام کرنے والی ساتویں ، بارھویں ، تیرھویں اور چودھویں پلٹنوں کی بقایا نفری سے تین پلٹنوں کا ایک چھٹا راجوری برگیڈ بن گیا ۔ ان کی ایک پلٹن پیر بڈیسر کے مشرق میں لون بگہ پہاڑی پر تھی جو چنگس سے شمال میں رام گڑھ تک ایک ہی سلسلہ ہے اور یہی اس علاقہ کی اہم زمین تھی جس کے صحیح استعمال سے اب بھی ایک یا دو پکی پلٹنیں بھارتیوں کی ہر طرف پیشقدمی کو روک سکتی تھیں ۔ راجوری کی دوسری پلٹن نیم دائرے میں راجوری کو گھیرے میں لئے ہوئے تھی اور تیسری پلٹن ریاسی کے بالمقابل دریائے چناب کی شمال مغرب سمت لگی ہوئی تھی ۔

تیسرا سدھن برگیڈ: تیسرا سدھن برگیڈ جھنگڑ ۔ دھرمسال کے شمال میں بناہ پٹ کی حفاظت کا ذمہ دار تھا ۔ ایک پلٹن کیپٹن برہان علی کے ماتحت ٹائیں پہاڑی پر تھی ۔ دوسری برلب سڑک بناہ پٹ کے سرے پر اور تیسری اس سے بائیں پیر بڈیسر کے دامن والے علاقے تک پھیلی ہوئی تھی ۔ اور ان کی پہلی ، چوتھی اور سولھویں آزاد پلٹنیں بھی کہا جاتا تھا ۔ پیر بڈیسر اس علاقے پر چھایا ہوا تھا ۔ لیکن ہماری چار سو والی نفری کی پلٹنوں کے بغیر توپخانہ کے امدادی فائر والے برگیڈوں کے لئے یہ پہاڑ کسی طرح مدد نہ دے سکتا ہے ۔ اب اندازہ لگائیں کہ سیکٹر کا

پھیلاؤ کتنا زیادہ تھا کہ درمیان خالی جگہیں رکھنا پڑتی تھیں کہ کوئٹہ کے ہزارہ قبیلہ کا تین سو کا ایک لشکر آیا تو اس کو کھوئی رٹہ کے سامنے ٹائیں پہاڑی کے دامن میں لگا کر کچھ خالی جگہوں کو دفاعی حصار کا حصہ بنا دیا ۔ مقامی لوگ البتہ بہت وفادار تھے اور سول افسر تو نظر نہ آتے ۔ البتہ بڑا کیپٹن خان بڑھاپے کے باوجود ایک دفعہ محاذ پر آیا اور بناہ پٹ مین راجہ حیدر خان اور راجہ فضل داد نے مجاہدین کی بڑی مدد کی ۔ طبی امداد کے لئے البتہ امرتسر کے ڈاکٹر عبداللہ جو افغانستان آرمی میں برگیڈیر کا عہدہ چھوڑ کر مجاہدین کی مدد کے لئے آگئے بڑے مفید ثابت ہوئے اور کیپٹن یوسف کے تحت سیکٹر کمانڈر نے سپلائی کا اچھا بندوبست کر لیا ۔ انہی دنوں سیکٹر کمانڈر کو اپنی پرانی پلٹن نویں پنجاب سے صوبیدار علی اکبر کے ماتحت ایک میڈیم مشین گن کی سیکشن مل گئی جو شیر محمد کے لئے معجزہ ثابت ہوا اور محاذ کی باقی کہانی اگلے باب میں آتی ہے ۔

حوالہ جات

(۱) ۔ ظفراللہ کا لمبا چوڑا یہ مہمل بیان سکیورٹی کونسل کے ایس پی وی ، ۸ فروری ۱۹۵۰ء میں ہے ۔ (۲) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۲۲۸ ۔ (۳) ۔ ایضاً صفحہ ۲۲۸ ۔ (۴) ۔ ایضاً صفحہ ۲۳۲ ۔ (۵) ۔ ایضاً صفحہ ۲۳۲ ۔ (۶) ۔ ایضاً صفحہ ۲۴۵ ۔ (۷) ۔ ادھر ساتھ اٹھارویں پنجاب کی ایک کمپنی تھی ۔ اس کا یہاں جان بوجھ کر ذکر نہ کیا کہ اٹھارویں پنجاب کے قادیانی کرنل وحید حیدر کی ذمہ داری والی بات مہمل رہے ۔ (۸) ۔ اس شاہین پلٹن کو گیارھویں آزاد پلٹن بھی کہتے تھے اور ہماری سرکاری تاریخ میں میجر عبدالعلی ملک کا کمانڈنگ افسر کے طور پر جان بوجھ کر نام نہ لکھا گیا کہ بعد میں لوگ انگلی نہ اٹھائیں ۔ (۹) ۔ خان کشمیرا خان کا جھنگڑ کی فتح کے وقت ذکر ہو چکا ہے ۔ (۱۰) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۲۳۳ ۔ (۱۱) ۔ ایضاً صفحہ ۲۳۸ اور یوسف صراف کی کتاب میں بھی یہی لکھا ہے ۔ (۱۲) ۔ اعظم خان کا ذکر دسویں اور بیسویں ابواب میں ہو چکا ہے ۔ یہ پلٹن اس نے کھڑی کی تھی ۔ (۱۳) ۔ او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۲۹ اور ۲۳۰ ۔ (۱۴) ۔ کشمیریز فائٹ فار فریڈم صفحہ ۱۰۳۱ تا ۱۰۳۲ ۔ (۱۵) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۲۴۰ ۔ (۱۶) ۔ ایضاً صفحہ ۲۴۱ ۔ (۱۷) ۔ یہ عاجز ساری کہانی بیان کر چکا ہے کہ عبدالعلی ایک سازش کی وجہ سے وہاں سے بھاگ گیا ۔ ورنہ بھارتی اس کی پوزیشن پر شمال کی طرف سے ان کھڑی چٹانوں کی وجہ سے حملہ نہ کر سکتے تھے ۔ (۱۸) ۔ دی کشمیر کمپین صفحہ ۲۴۲ ۔ (۱۹) ۔ ایضاً صفحہ ۲۴۷ تا ۲۵۰ ۔ (۲۰) ۔ قادیانی امت اور پاکستان از رائے محمد کمال ، صفحہ ۳۰ ۔ (۲۱) ۔ تگ و تاز جاودانہ از میجر جنرل فضل مقیم خان ، صفحہ ۱۲۶ ۔ (۲۲) ۔ دی کشمیر کمپین ، صفحہ ۲۲۹ ۔ (۲۳) ۔ ایضاً ، صفحہ ۲۲۹

بیالیسواں باب

نوشہرہ۔ جھنگڑ محاذ (جہاد میں جمود۔ حیدر آباد کا سقوط)

گذشتہ سے پیوستہ میجر شیر محمد ہندواڑہ کے مقابلے میں یہاں کے مقامی لوگوں کے رویہ سے بہت متاثر ہوا۔ اور اس نے علاقے اور حالات کا گہرا مطالعہ کیا۔ یہاں یہ اضافہ ضروری ہے کہ جنگ کے تزویرات۔ تدبیرات اور نبض شناسی یا زمین کا مطالعہ بڑے اہم پہلو ہیں۔ اور ان کو سوجھ بوجھ رکھنے والے جنگ یا جنگی مشقوں میں نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ اس عاجز کے ہم عصروں یا چالیس سال کی نوکری میں ہماری فوج میں اس سلسلہ میں مجھے انگریز جنرلوں کو چھوڑ کر اپنے چند آدمی ہی متاثر کرسکے، جن میں اوروں کے علاوہ جنرل اکبر خان طارق، جنرل فضل مقیم، برگیڈئیر صدیق سی، برگیڈئیر گلزار احمد، برگیڈئیر نوشیروان، کرنل شیر محمد، کرنل حفیظ آفریدی اور کرنل محمد عنایت شامل ہیں جن سب کا ذکر اس کتاب میں بھی ہے۔ باقی لوگ "گوراشاہی انگریزی" کے ذریعہ سے "رومیل" اور "گڈیرین" بنتے رہتے تھے جن کی کارکردگی سے اس عاجز نے اپنی کتاب "تاشقند کے اصلی راز" میں پردے اتارے ہیں کہ ستمبر ۶۵ء اور دسمبر ۷۱ کی جنگ نے ان کو "ننگا" کردیا۔ گو ان کو معلوم تھا کہ انہوں نے ریت کی "بنیاد" پر اپنی شخصیت کے گرد قلعے تعمیر کیے ہوئے تھے۔ اور جنگی مشقوں میں مجھ جیسوں کو وہ "پوسٹ مارٹم" سے دور رکھتے تھے کہ ان کے یہ قلعے "مسمار" نہ ہوجائیں[1]۔ شیر محمد نے برگیڈ ہیڈ کوارٹر میں عبدالعلی کی غداری کے بارے کہانی سن لی تھی اور اس کا ردعمل یہ تھا کہ یہ سب کچھ بھارتیوں کو نوشہرہ کو جنوب سے تحفظ پہنچانے کیلئے کیا گیا ہے۔ تاکہ بھارتی شمال کی کسی جگہ سے بڑھ کر پونچھ کے ساتھ رابطہ بحال کریں۔ اس لئے ان کے خیال میں ضروری تھا کہ لون بگہ کی اہم پہاڑی سے چنگس کے خلاف کوئی جارحانہ کارروائی کرکے بھارتیوں کا نوشہرہ اور راجوری کے درمیان رابطہ کاٹ دیا جائے۔ اور وہاں آکر کوئی پکی پلٹن دفاعی حصار بنائے۔ جو بڑا آسان تھا۔ اور زمین اس کی اجازت دیتی تھی اور یہ پہلو ہم تینتیسویں باب میں زیر بحث لاچکے ہیں۔ اور آگے

بھی بات بڑھے گی۔ لیکن بھارتیوں نے اپنی کارروائی جلدی شروع کردی۔

بھارتیوں کا راجوری اور پونچھ کے درمیان رابطہ ۱۵ جون کو سیکٹر کمانڈر میجر شیر محمد کو خبر ملی کہ دشمن کا ایک برگیڈ توپخانہ اور بکتر بند گاڑیوں کی مدد اور ہوائی جہازوں کی چھتری کے نیچے راجوری سے تھنہ منڈی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس علاقے میں اپنی صرف ایک کمپنی تھی اور اپنے پاس علاقے میں کوئی ایسی کمک یا تیز رفتار ہتھیار نہ تھے جو بھارتیوں کی اس کالم کو روکتے، کہ وہ فرنٹیئر وار فیئر کے اصولوں کے تحت بڑھ کر اسی شام تھنہ منڈی پہنچ گئے۔ اور دوسرے دن یعنی ۱۶ جون کو پیر پنجال کے دامن میں سرن کوٹ جا پہنچے۔ وہاں انہیں پونچھ سے نکلنے والی بھارتی کالم کا انتظار تھا جو ۱۸ جون کو ان کی "سوآگت" کیلئے پہنچ گئی اور وہاں اور پھیلاؤ اختیار کرتے اور علاقے میں ڈراوے پیدا کرکے ۲۱ جون کو دونوں کالمیں پونچھ پہنچ گئیں۔ یہاں راجوری برگیڈ نے کمک، ضروری ہتھیار اور بارود۔ پونچھ چھوڑے اور اپنے برگیڈ کی شکل و صورت[2] تبدیل کرکے، ۲۳ جون کو وہاں سے چل کر مینڈھر۔ اور بھمبر گلی والے راستے ۲۷ جون کو یہ برگیڈ واپس راجوری پہنچ گیا۔ بھارتی تاریخ نے نہیں لکھا کہ برگیڈئیر کون تھا۔ لیکن یہ ایک شریف النفس مدراسی مسلمان تھا اور نام محمد شریف تھا۔ تو حرکت کے دوران کوئی لوٹ مار نہ مچائی گئی۔ بھارتی تاریخ کے مطابق[3] اس زمانے میں نوشہرہ محاذ کا دفاعی حصار اتنا مضبوط نہ تھا کہ اس کو پونچھ تک پھیلایا جاتا۔ اس لئے وہ لوگ واپس آگئے۔ لیکن یہاں کئی وجوہات اور فیکٹرز (اسباب) ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ جواہر لعل نہرو ایسا ملاپ جھنگڑ۔ کھوئی رٹہ۔ کوٹلی۔ ہجیرہ والے راستے چاہتا تھا۔ اور پاکستان کو اس سے مغرب کے علاقے آزاد کشمیر کے طور پر دینا چاہتا تھا۔ لیکن انگریز جنرل کہتے تھے کہ ہم پاکستان کو اتنے کم علاقے پر "اکتفا" نہیں کراسکتے، اور وہ فائر بندی نہ کراسکیں گے۔ اور آگے واقعات ثابت کریں گے کہ بھارتیوں نے اپنے ان مقاصد کیلئے کوشش کی۔

تبصرہ لیکن یہاں پر قارئین کو کئی باتیں باور کرانے کی ضرورت ہے۔ جیسا یہ عاجز پچھلے ابواب میں واضح کرچکا ہے کہ پونچھ ہمارے محاصرہ میں نہ تھا۔ تو یہ بات بھی ثابت ہوگئی۔ علاوہ ازیں بھارتی۔ راجوری اور پونچھ کے درمیان کسی وقت رابطہ باندھ سکتے تھے۔ لیکن اتنے

لمبے علاقوں کے دفاع کیلئے ان کے پاس فوج نہ تھی۔ وہ یہ رابطہ ایسے وقت باندھنا چاہتے تھے جس کے جلد بعد فائر بندی ہوجائے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ ہمارے انگریز جنرلوں نے ہماری فوج کو ایسے رکھا ہوا تھا۔ کہ وہ بھارتیوں کو پونچھ کے ساتھ کوٹلی والے راستے رابطہ نہ باندھنے دے۔ اور وہ ہم پر یہ "احسان" کر رہے تھے۔ کہ بڑی سڑکوں کی حفاظت فوج کرے۔ اور ہم مقامی لوگوں کی مدد سے بھارتیوں کے پونچھ کے ساتھ رابطہ کو رکوائیں جو ناممکن تھا۔ اور بریگیڈیر شیخ نے اس بھارتی ریہرسل کے خلاف کوئی ردعمل نہ کیا۔

حیدری بریگیڈ تو ہم نے بے وقوف بنتے ہوئے ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق نومبر ۴۸ میں مینڈھر کے علاقے میں تین پلٹنوں کا ایک آزاد حیدری بریگیڈ کھڑا کردیا۔ گو راقم کو معلوم ہے کہ یہ کچھ نومبر سے بہت پہلے کیا تھا۔ بہرحال اس بریگیڈ کو بجلی سیکٹر کے ماتحت تو نہ رکھا بلکہ اس کو آزاد ہیڈ کوارٹر کنٹرول کر رہا تھا، اور چھٹے راجوری اور تیسرے سدھن بریگیڈ میں مزید ایک ایک پلٹن کا اضافہ کردیا۔ یہ "کچے دھاگے" والی بات تھی۔ حیدری بریگیڈ کی کمانڈ آرمڈ کور کے ایک سابقہ افسر میجر اکمل (کرنل کمال) کو سونپی گئی۔ لیکن خالی چند رائفلوں سے یہ لوگ بھارتیوں کو کیسے روکتے۔ اس سلسلہ میں وہاں کام کرنے والے ایک افسر عبدالحق مرزا (بعد میں کرنل) کے ساتھ اس عاجز نے ملاقات کی۔ لیکن یہ صاحب اس بریگیڈ کی کارکردگی پر کوئی روشنی نہ ڈال سکے۔ ایک لڑکی مس قرۃ العین نے مجھے خطوط لکھے۔ کہ ان کے والد میر عبدالرشید نے وہاں بہت کام کیا۔ لیکن اب فالج کے مریض ہونے کیوجہ سے وہ بات نہیں کرسکتے۔ اس لڑکی نے اپنے خاندان کے اور کئی لوگوں کے آزادی کی تحریک میں کام کرنے کے سلسلہ میں مجھے بہت کچھ لکھا۔ اور لمبا عرصہ خط و کتابت رہی، کہ یہ لڑکی آئندہ کیلئے بہت پرامید ہے اور بھارتیوں سے بدلہ لینے کے سلسلہ میں "پرتول" رہی ہے۔ یہ خط و کتابت بعد میں البتہ روحانیت اور کئی اور "رخ" اختیار کرگئی۔ بہرحال واقعات کی طرف واپس آتے ہوئے قارئین اگلے باب میں پڑھیں گے کہ ہم بری طرح مار کھاگئے۔ اور صرف ایک طریقہ تھا کہ اپنے بچیسویں بریگیڈ کو جو غلط وقت پر تگڑم ناچ نچایا گیا۔ اس کو ان دنوں لون بگہ پہاڑی پر لاکر چنگس کے خلاف کاروائی کی جاتی۔ اور جنوب میں جون جولائی میں وہ کچھ کیا جاتا، جو ہم پچھلے باب میں جنرل

فضل مقیم کی کتاب سے سفارشات لکھ آئے ہیں

مون سون کی آمد بارشوں کیوجہ سے اس محاذ پر کارروائیاں بالکل ٹھنڈی پڑگئیں، بھارتیوں نے ہوائی جہازوں اور توپوں کے فائر سے محاذ کو کچھ گرم رکھا۔ بجلی سیکٹر کے پاس کوئی توپ نہ تھی۔ لیکن جیسے انگریزوں نے برہما میں مون سون میں جنگ جاری رکھی۔ مجاہدین کو کسی جارحانہ کارروائی کی اجازت دی جاتی تو ان دنوں بہت کچھ ہوسکتا تھا۔ بھارتی تو حیدرآباد پر حملہ کرنے کیلئے پرتول رہے تھے اور وہ جموں کے حق میں تھے۔ اور ہمیں انگریزوں نے مورچوں میں بٹھادیا۔ بارش میں بان۔ اور کھوڑبان نالے دریا کی شکل وصورت اختیار کرلیتے تھے۔ شہری آبادی سے گینتی بیلچہ لے کر۔ اور کچھ لکڑیوں کے عارضی پل بناکر گزارہ ہورہا تھا۔ کہ کوئی انجنیئر اور یوانیر یونٹ بھی ساتھ نہ تھی۔

قائداعظم کی وفات اور حیدرآباد کا سقوط ۱۰ ستمبر کو سیکٹر کمانڈر کو قاضی باقر بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں مشورہ کیلئے پہنچنے کا حکم ملا۔ ۱۲ ستمبر صبح سویرے وہ بروٹ گلہ سے روانہ ہوا۔ تو اس نے پاکستان ریڈیو سے قائداعظم کی وفات کی خبر سنی۔ بریگیڈ کمانڈر شیخ نے شیر محمد کو پوری بات تو نہ بتائی۔ صرف یہ کہا کہ بریگیڈ ایمرجنسی کیلئے کہیں اور جارہا ہے۔ جس کے بارے میں شیر محمد کو بعد میں معلوم ہوجائے گا۔ وہ سارے حالات کا مطالعہ کرلے اور سارے محاذ کی ذمہ داری کو سنبھالنے کیلئے ۲۴ گھنٹہ کے نوٹس پر رہے۔ اور اپنا رابطہ بتاکر وہ دو دن کیلئے راولپنڈی اپنی فیملی کو دیکھنے کیلئے جاسکتا ہے۔ البتہ دونوں سٹاف افسروں میجر (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) بہادر شیر اور میجر (بعد میں بریگیڈیر) فضل الرحمن نے شیر محمد کو بتلایا۔ کہ خبریں مل رہی ہیں کہ بھارت، حیدرآباد پر حملہ کرنے والا ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ پاکستان کی فوج، اپنی تجویز کے مطابق بھرپور جنگ سے کشمیر پر قبضہ کرلے۔ اور ان کے بریگیڈ نے جموں۔ کٹھوعہ روڈ کو کاٹ کر وہاں بھارتیوں کی ناکہ بندی کرنا ہے کہ اب سیالکوٹ محاذ کھل جائے گا۔ شیر محمد دو دن بعد واپس آیا۔ تو بریگیڈیر شیخ تو وہاں نہ تھا۔ وہ اپنے سٹاف افسروں کو بتاگیا تھا کہ شیر محمد کو بتانا کہ وہ ایمرجنسی منسوخ ہوگئی ہے۔ اور شیر محمد پہلے کی ہدایات کے تحت صرف بجلی سیکٹر میں کام کرتا رہے۔ قائداعظم کی وفات سے چند روز پہلے اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی۔ کہ حیدرآباد سے ایک وفد نے زیارت میں قائداعظم کے ساتھ ملاقات کرکے

ان کو بتایا تھا کہ حیدر آباد پر حملہ ہونے والا ہے۔ تو قائد نے ان کو تسلی دی تھی کہ پاکستان اس پر خاموش نہ رہے گا۔ اور ہمیں ہر روز یہ بتایا جاتا تھا کہ جس دن بھارت حیدر آباد پر حملہ کرے گا ہمیں کشمیر پر حملہ کا قانونی جواز مل جائے گا۔ کہ جس قانون کے تحت بھارتیوں نے حیدر آباد پر حملہ کیا ہے۔ اس کے تحت ہم نے کشمیر پر حملہ کر دیا ہے۔ اور ہم "چھوٹے لوگوں" کو بتایا جاتا تھا۔ کہ ہمارے پاس بڑی اعلیٰ پایہ کی تجویز ہے۔ اور شاید قائد اعظم کو بھی یہی کچھ بتا کر اصلی سازش اور ارادوں کے سلسلہ میں اندھیرے میں رکھا گیا۔ بہرحال ایک بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مومن کی فراست والے ایک مرد مومن سے بھارتیوں کو اتنا ڈر تھا کہ انہوں نے حیدر آباد کے خلاف ان کی زندگی میں کچھ نہ کیا۔ اگر ہم سب لوگ مرد مومن بن جائیں۔ تو نتیجہ کے بارے قارئین خود اندازہ لگائیں۔ لیکن کیا ہوا؟ ۱۲ ستمبر کو بھارتیوں نے حیدر آباد پر حملہ کر کے چار پانچ دنوں میں ساری ریاست پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۴ ستمبر ۱۹۴۸ء کو پنجاب کے وزیر مال ممتاز دولتانہ نے لیاقت علی اور گورنر مودی کے کہنے پر ربوہ کی زمین قادیانیوں کی تحویل میں دے دی [۵]۔ ہم نے مشرقی پنجاب، کشمیر اور حیدر آباد کسی جگہ مظلوم مسلمانوں کی مدد نہ کی۔ اور پاکستان بنانے کا مقصد یہ تھا کہ ہم ہندوؤں کو بھارتی مسلمانوں کے خلاف یہ نہ کرنے دیں گے جو کچھ وہ کر رہے ہیں، تو پاکستان کے حالات کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتے اور یہ آیت مبارکہ ہمارے لئے ہے "اور کیا ہے تم کو کہ نہ لڑو بیچ راہ اللہ کے اور واسطے ناتوانوں کے مردوں سے اور عورتوں سے اور بچوں سے وہ جو کہتے ہیں۔ اے پروردگار ہمارے نکال ہم کو اس شہر سے کہ ظلم کرنے والے ہیں رہنے والے اس کے۔ اور کر واسطے ہمارے نزدیک اپنے سے دوست اور کر واسطے ہمارے اپنے پاس سے مددگار [۶]۔ بہرحال حیدر آباد کے سقوط کے موقع پر کشمیر حاصل کرنے اور غیر تمند زندگی گزارنے کا ہم نے ایک اچھا موقع کھو دیا۔ اور اول تو معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے پاس کوئی تجویز نہ تھی۔ یا اگر کچھ لوگوں کے بے وقوف بنانے کیلئے کوئی تجویز تھی تو اس پر عمل منسوخ کر دیا۔ اور صرف چند فوجیوں نے پروٹسٹ کیا۔ قوم کو ڈرایا گیا کہ قائد اعظم کی وفات کے بعد پاکستان کا وجود خطرے میں ہے۔ ہمیں مصلحت میں خاموش رہنا چاہیے۔ یہ چیز تو اب تک قوم کو معلوم بھی نہیں کہ جو لڑنا مرنا چاہیں یا لڑیں مریں وہ کبھی نہیں مرتے۔

قائد اعظم کی شخصیت ایک طرف تو کسی سازش کے تحت ترکی میں غدار اسلام کمال

ترکی کی نقل میں قائد اعظم کو قوم کا "باپ" بنا دیا گیا ہے۔ اور مسلمان قومیت کی بجائے پاکستانی قومیت کے ڈونگرے بجائے جا رہے ہیں۔ اور ہم قائد اعظمؒ کو صحابہ کرامؓ سے اوپر لے گئے ہیں بلکہ اس کو حضور پاکؐ کی نبوت میں "شرکت" دینے سے گریز نہیں کرتے [۷] اور کئی غیر اسلامی فلسفے یا طریق کار اس لئے اپنا لئے ہیں کہ قائد اعظم کی یہ خواہشات تھی۔ تو دوسری طرف ایک گروہ پیدا ہو رہا ہے جو کہتا ہے کہ قائد اعظم بھی لیاقت علی اور باقی مسلم لیگیوں کی طرح تھا۔ کہ ظفر اللہ کو وزیر خارجہ بنایا۔ جوگندر ناتھ منڈل کو وزیر قانون بنایا۔ تو پاکستان میں اسلامی آئین کون نافذ کرتا؟۔ اور قائد اعظم بھی انگریزوں کا پروردہ یا ان کی پیداوار تھا۔ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں راقم بھی اس زمانے میں "کرایہ کا سپاہی" تھا۔ لیکن میں قائد اعظم کا ہم زمانہ یا ہم عصر رہا ان کو دیکھا بھی۔ اور سچی بات ہے کہ بہت نزدیک سے دیکھا۔ وہ بھی ہماری طرح اسلام کی معمولی سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ اور ان کو کسی نظریہ یا اصول کا بانی بنانا بڑی غلط بات ہے۔ اور نہ کبھی انہوں نے ایسا دعویٰ کیا۔ وہ وقت کی ضرورت کے مطابق ایک دیانتدار وکیل کی طرح مسلمانوں کا مقدمہ کافروں کے خلاف، کافروں کی عدالت میں لڑ رہے تھے اور ان کو بھی رواجی کافرانہ زبان اپنانا پڑی۔ جو ہمارے لئے نہ فلسفہ ہے نہ نظریہ۔ اور نہ قائد اعظم ہمارے یکے رہنما ہیں۔ کہ اسلام کے لحاظ سے "رہبر راہنما مصطفیٰ مصطفیٰ۔" ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو مومن کی فراست عطا کر دی تھی کہ وہ قرآن پاک کے مطابق کفر سے طاغوت کرتے تھے۔ اور ہمیں ان کی مغفرت کی دعا کرنا چاہیے اور بس۔ خدارا، سرسید۔ یا علامہ اقبال یا قائد اعظم سے رہنمائی والی باتوں کو بھول جائیں کہ اس لسٹ میں اب پاکستان کو دولخت کرنے والے بھٹو کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اور نوائے وقت کا حمید نظامی تو کب کا اس لسٹ میں شامل ہے۔ اب جنگ کے خلیل الرحمن کو بھی اس لسٹ میں شامل کیا جا رہا ہے۔

قائد اعظم کی مایوسیاں قائد اعظم کو البتہ ہم نے آزادی سے پہلے بھی اور بعد میں بھی مایوس کیا۔ اسلام کو سمجھنے والا ان کو ایک عالم دین نظر نہ آیا۔ اور اس زمانے کے سب سے بڑے عالم مولانا شبیر احمد عثمانی کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ ۱۹۴۹ء کی قرارداد مقاصد اسلام کے خلاف لیاقت علی کی ایک سازش تھی، کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رہا تھا۔ صرف ایک آدمی اسلام کو سمجھتا تھا اور وہ تھا علامہ عنایت اللہ مشرقی۔ جس کو قائد اعظم سے کسی سازش

کے تحت دور رکھا گیا۔ اور اس میں کچھ تکبر بھی تھا اور وہ ضدی بھی تھا۔ عقل کے چکر میں اسلام کے روحانی پہلو کو بالکل پس پشت ڈال بیٹھا، کہ بے چارہ ڈبہ پیروں سے تنگ تھا۔ اور قوم اس کے علم اور عمل سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھا سکی۔ اور علامہ مشرقی کو چھوڑ کر جہاد کو طرز زندگی/ کے طور پر اپنانے والی بات کو سمجھنے والا تو ایک آدمی بھی ہمارے ہاں موجود نہ تھا۔ اور نہ اب کوئی سامنے آرہا ہے۔ تو اس عاجز نے اسی وجہ سے جہاد کے تقاضوں سے پردے اتارنے کیلئے رسول عربیؐ کے اسلام کو اپنانے کیلئے "حضور پاک کا جلال و جمال" کتاب اب شائع کر دی ہے کہ یہ تحقیق کی بسم اللہ ہے۔ اور باقیوں کو دعوت دیتی ہے۔ قائداعظم البتہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ہم اتنی کم دل قوم ہیں کہ ستر ہزار عورتیں کفار کے پاس چھوڑ دیں گے اور کشمیر میں اس بے۔ دلی کا مظاہرہ کریں گے۔ وہ بہت مایوس تھا۔ وقت کے ساتھ گزارہ کرتا رہا۔ اور چودھری فضل۔ الٰہی کی طرح اس حد تک نہ گیا کہ "پھجو کو آزاد کرو"[۸] کی طرح وہ بھی کھل کر کوئی بات کرتا۔ البتہ اس نے الٰہی بخش کو یہ ضرور کہہ دیا کہ وہ مزید جینا نہ چاہتا تھا[۹]۔ اور الٰہی بخش حیران ہوا کہ اتنی عظیم شخصیت کی آنکھوں میں آنسو آگئے[۱۰]۔ یوسف صراف[۱۱] اور سہروردی[۱۲] کہتے ہیں کہ لیاقت نے قائداعظم کو مایوس کیا۔ مختار مسعود کی کتاب[۱۳] کے مطابق مس فاطمہ جناح کہتی تھیں، کہ قائد کو لیاقت علی پر کوئی بھروسہ نہ رہا تھا۔ اور لیاقت علی نے مسٹر ہیکٹر بالیتھو کو بلوا کر قائد کی جو سوانح لکھوانا چاہی تو مس فاطمہ جناح نے بالیتھو کے ساتھ ملنے کیلئے بھی انکار کر دیا۔ اور لمبی کہانی کو یہ عاجزانہ الفاظ میں ختم کرے گا۔ کہ کشمیر کے مسلمانوں کی مدد کرنا ہمارے لئے اللہ اور رسولؐ کے احکام کے تحت فرض ہے۔ الٰہی بخش کے مطابق وفات سے دو دن پہلے قائداعظم ایک دفعہ تیز حرارت اور بے چینی کے عالم میں کشمیر کے مسئلے کے متعلق بڑبڑاتے رہے۔ کہ وہ ایک باعمل مسلمان تھے۔ اور جب پہلی بار چودھری محمد علی قائداعظم کے پاس فائر بندی کی تجویز لے آئے تو انہوں نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ کہ پہلے بھارت اپنی فوجیں کشمیر سے نکالے، تو تب فائر بندی اور رائے شماری کی بات ہو سکتی ہے[۱۴]۔ قائداعظم سچے آدمی تھے حق کو حق اور باطل کو باطل کہتے تھے تو سات سالوں میں ہم نے پاکستان حاصل کر لیا۔ ہم منافق ہیں تو ۷۰ سالوں سے ذلت کی زندگی سے دوچار ہیں۔

محاذ پر ہل چل مون سون کے ختم ہونے پر اور حیدرآباد کو ہڑپ کرنے کے بعد

بھارتیوں نے نوشہرہ محاذ پر لاؤ لشکر اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ تو سیکٹر کمانڈر شیر محمد نے بھارتیوں کی چنگس کی تنگ گھاٹی میں حفاظتی دستوں پر حملہ کرنے کی ۱۳ اکتوبر کیلئے ایک تجویز بنائی اور پہاڑی توپوں کی امداد اور سکیم کی منظوری کیلئے بریگیڈ کو یہ تجویز ستمبر کے آخر میں بھیجی۔ آگے یہ تجویز منظوری کیلئے انگریز جنرل ٹاٹنھم کو جانا تھی۔ جس نے تجویز کی منظوری میں دیر لگا کر حملے کی تاریخ کیلئے ۱۹ اکتوبر کے دن کی منظوری دی۔ اب احکام کی تبدیلی نے کئی مسائل پیدا کر دیئے۔ بہر حال ایک سدھن پلٹن اور ۳۰۰ کے ہزارہ لشکر کو پیر بڈیسر کی مشرقی ڈھلوان پر ۱۳ اکتوبر کو بھیجنا پڑا، کہ علاقہ دیکھ لیں اور ۱۵ اکتوبر شام کو چنگس کے قریب پہنچ کر ۱۹ اکتوبر پو پھٹتے دشمن کے خلاف حیران کن کارروائی کریں۔ لیکن تماشہ یہ بنا کہ یہ لوگ ۱۵ اکتوبر کی صبح کاذب کے وقت اپنی اجتماعی جگہ پر آرام کر رہے تھے، تو بھارتیوں کی ایک گورکھا پلٹن کو پیر بڈیسر کی طرف پیش قدمی کرتے دیکھا گیا۔ اور کچھ لوگوں نے ان کے ہزارہ لوگوں کا ہم شکل ہونے کی وجہ سے انہیں اپنا آدمی سمجھا۔ اور کئی گورکھوں نے ہزارہ والوں کو اپنا آدمی سمجھا۔ اور ان سے پوچھا کہ وہ ان سے پہلے کیسے وہاں پہنچے۔ شک کی صورت میں ہزارہ لشکر نے فائر کھول دیا۔ اور ایک میل کے فاصلے پر اپنی سدھن پلٹن بھی آرام کیلئے "بے سدھ" پڑی تھی۔ انہوں نے بھی فائر کھول دیا۔ اور گورکھے جو پیچھے مڑے تو ان پر پیچھے سے آنے والی بھارتی پلٹن نے فائر کھول دیا۔ اور اپنے پرائے کی کوئی تمیز نہ رہی۔ بڑی مشکل سے اپنے مجاہدین کو ایک طرف کیا گیا۔ شکر ہے پہاڑی توپیں نہ پہنچی تھیں۔ ورنہ وہ بھی دشمن کے ہاتھ لگ جاتیں۔

پیر بڈیسر پر بھارتی قبضہ بھارتی ایک بریگیڈ نمبر[۱۵] ۲۶۸ کی تین پلٹنوں۔ گورکھا، پہلی پنجاب اور پہلی کماؤں کو پیر بڈیسر پر ۲۶ توپوں سے اپنے اس حملے کو توپخانہ کی جنگ اور بڑی حکمت عملی کی چال کہتے ہیں کہ پاکستان والوں کو معلوم نہ ہوا، کہ ان کا اگلا قدم پونچھ کی طرف ہو گا یا کوٹلی کی طرف۔ اور اپنا نقصان صرف تین آدمیوں کی ہلاکت اور چودہ زخمیوں تک محدود کرتے ہیں۔ ہمارے ۷۰ مجاہدین کو شہید کر دیتے ہیں اور ۳۸ کو زخمی۔ اپنی تاریخ[۱۶] کا یہ بیان بھی صحیح نہیں کہ مقابلہ صرف ایک کمپنی نے کیا، اور ان کا جانی نقصان پندرہ جوان تھا یا ہزارہ والے آخری آدمی اور آخری گولی تک لڑتے رہے۔ اپنے صرف چار جوان شہید ہوئے تھے اور چند زخمی، کہ انہوں نے کسی دفاعی پوزیشن سے بھارتیوں کا مقابلہ نہ کیا تھا۔ اور اسی شام تک بھارتیوں

نے پیر بڈیسر پر قبضہ کر لیا۔لیکن سیکٹر کمانڈر کے پاس کوئی فوج نہ تھی کہ ایک بھارتی بریگیڈ پر وہ جوابی حملہ کر سکتا۔ خیال اغلب ہے کہ ٹاٹنہم نے جو تجویز کی منظوری میں اتنی دیر لگائی اور تاریخ میں تبدیلی کر دی تو اس نے بھارتیوں کو سب کچھ بتا دیا اور ہمارے حملے کی بجائے بھارتیوں نے پہلے حملہ کر دیا۔ اور انگریز جو کچھ بھارتیوں کو اس محاذ پر دلوانا چاہتے تھے وہ دلوا کر غلط وقت اور بہت دیر کے بعد ۲۵ اکتوبر ۴۸ء کو بریگیڈیئر اعظم کو پچیسویں بریگیڈ کے ساتھ بھیج دیا گیا کہ سارے شمالی محاذ اور بجلی سیکٹر کا کنٹرول وہ سنبھال لے۔

شیر محمد اور برہان علی کے حفاظتی اقدام بھارتی اب پر تول رہے تھے کہ پورے تیسرے سدھن بریگیڈ پر بھرپور حملہ کر کے وہ اس کو تہس نہس کر کے پہلے ٹائیں پہاڑی پر قبضہ کریں گے۔ اور پھر کوٹلی اور اگلے مرحلہ میں پونچھ سے رابطہ باندھیں گے۔ شیر محمد نے اعظم خان کو اس پیش بینی سے آگاہ کیا، جو علاقے کا مطالعہ میں مصروف تھا۔ لیکن شیر محمد یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ ایسا کب ہو گا۔ بہر حال، نومبر کو وہ دن آگیا۔ کہ سورج نکلتے دو بھارتی جہازوں نے ٹائیں پہاڑی پر راکٹوں اور سٹرافنگ کی بارش کر دی۔ کہ دو جہاز جاتے تو دو اور آجاتے اور یہ سلسلہ نو بجے تک جاری رہا۔ اس کے بعد پوری کور کے توپخانہ کا منہ کھل گیا۔ جنہوں نے سارے علاقے اور خاص کر ٹائیں پہاڑی کے چپہ چپہ کو نشانہ بنایا۔ جو کام دس بجے تک جاری رہا۔ اور اس کے بعد ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں نے آگے بڑھ کر ڈائریکٹ فائر شروع کیا۔ اور گیارہ بجے بھارتی پیدل دستوں نے اہم ٹائیں پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا۔ بھارتی توپخانے کا فائر جیسے ہی گہرائی کی طرف گرنے لگا تو تہجد گزار پچاس سالہ کیپٹن برہان علی کے مورچے جاگ اٹھے اور سون سکسیر کے صوبیدار علی اکبر نے چاروں میڈیم مشین گنوں کو آگے بڑھا کر ایسی جگہ لگایا کہ انہوں نے بھارتیوں کو بھون کر رکھ دیا۔ سیکٹر کمانڈر شیر محمد خود، لڑائی کو کنٹرول کر رہا تھا اور توپخانہ کے میجر (بعد میں کرنل) ملک میرباز کو گزارش کی کہ وہ ٹائیں کے مشرق میں گولے فائر کرے کہ بھارتی کمک نہ آسکے۔ یہ جگہ توپوں کے رینج سے باہر تھی۔ لیکن میرباز کے سرچارج سے پہلا گولا جھنگڑ میں بھارتیوں کے پٹرول ڈمپ پر گرا۔ پھر کیا تھا بھارتی پچھلے علاقے کو بھون کر رکھ دیا گیا۔ اور بڑی مشکل سے بھارتی راجپوت پلٹن جس نے آدھی ٹائیں پہاڑی پر قبضہ کر لیا تھا جھنگڑ کے علاقے میں واپس پہنچی [۱۷] اور بھارتی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ایک انحرافی کارروائی تھی جو کامیاب

نہ ہوئی اور ہمارے ۳۸ مجاہدین کو شہید بھی کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اس ساری جنگ میں کل دو مجاہدین شہید ہوئے اور چند زخمی۔ بھارتی اپنا نقصان نہیں بتاتے۔ لیکن ان کا حملہ اور کوٹلی پہنچنے کی تگ و دو بری طرح ناکام ہوئی۔ اور ۱۳ نومبر کو تیرھویں پنجاب کے کرنل غلام محمد نے ٹائیں سیکٹر کا چارج بجلی سیکٹر سے لے لیا۔ اور بجلی سیکٹر کو توڑ دیا گیا۔ کہ میجر شیر محمد سے جونیر لوگ کرنل بن گئے تھے۔ اور چونکہ ان کے حق میں ترقی کی کوئی رپورٹ نہ تھی، تو وہ میجر ہی تھے بریگیڈیئر شیر خان کو جب یہ کچھ معلوم ہوا۔ تو اس نے رپورٹ لکھی کہ یہ آدمی میدان جنگ میں بھارتیوں کی پلٹنوں کی پلٹنوں کو چکر چڑھا چکا ہے اگر یہ کرنیلی کیلئے فٹ نہیں تو کوئی آدمی بھی کرنیلی کیلئے فٹ نہیں۔ لیکن اوپر والوں نے کہا کہ پھر وہ محاذ پر نہیں رہ سکتا۔ محاذ سے واپس آکر کسی پکی پلٹن کی کمانڈ سنبھالے تو تب کرنل بن سکتا ہے۔ تو کرنل شیر محمد کو محاذ سے واپس بلا لیا گیا۔ اگر وہ محاذ پر رہتے تو شاید اعظم خان کو کوئی بہتر مشورہ دیتے۔ اور ہم کشمیر کی جنگ کے سب سے بڑے المیہ سے دوچار نہ ہوتے جس کا ذکر اگلے باب میں ہے۔ لیکن اس سے پہلے خانہ پری کیلئے تیسرے اور چوتھے سیکٹر کی ٹھک ٹھک کا ذکر ضروری ہے کہ گلہ نہ ہو کہ مصنف نے حالات کا توازن نہ رکھا۔

تیسرا اور چوتھا سیکٹر تیسرا سیکٹر جھنگڑ سے کوٹلی اور جھنگڑ سے میرپور جانے والی سڑکوں کے درمیان چھوٹی سی تکون پر کیپٹن (بعد میں کرنل) محمود خان کے مجاہدین کا ایک چھوٹا سا دفاعی حصار تھا، جن کا ذکر تنیگیویں اور تینتیسویں میں ہو چکا ہے کہ وہ اس محاذ کی ایک چٹان تھے۔ البتہ ہماری سرکاری [۱۸] تاریخ کے مطابق، ہمارے بریگیڈ نمبر ۱۰۰ کیلئے چوتھا سیکٹر وسیع اور اہم علاقہ تھا۔ جو سبز کوٹ سے جنوب میں بروح تک جا کر بھمبر محاذ کے ساتھ ملتا تھا۔ اور اس کی لمبائی ۱۲ میل تھی۔ سیکٹر کمانڈر دسویں ایف ایف کے کرنل عفیف خان تھے، جن کا ہیڈ کوارٹر آگے والے دفاعوں سے پانچ میل پیچھے تندڑ کے مقام پر تھا جن کے ساتھ محمد امین خان کے ماتحت سلیمان خیل محسودوں کا ایک لشکر تھا، اور اپنی ایک کمپنی وہاں ریزرو میں تھی۔ آگے سبز کوٹ والی سڑک پر اپنی ایک کمپنی کے علاوہ چھٹی پنجاب کے کیپٹن ظفر اقبال کی کمپنی بھی تھی۔ جو بعد میں اپنی پلٹن میں چلی گئی۔ اور دیریوں کا ایک لشکر بھی ساتھ تھا پلٹن کی دوسری کمپنی جھنگڑ کی گھاٹی کے اونچائیوں پر تھی جس کے ساتھ گلاب خان کے ماتحت بہلول زئی محسودوں کا

لشکر بھی تھا۔ تیسری کمپنی بروح کے علاقے میں تھی جن کے ساتھ ملک خونیٔ خان کے منزئی کے محسودوں کا ایک لشکر تھا۔ اور ان عظیم محسود رہنماؤں کا ذکر کتاب کے بارہویں تیرھویں ابواب سے شروع ہے۔ البتہ یہ محسود لشکر کچھ خود مختار بھی تھے اور ان کے انتظام اور کنٹرول کا کام میجر (بعد میں میجر جنرل) عبدالعزیز قاضی کرتے رہے۔ جو اس عاجز کے رفیق خاص تھے [19]۔ میجر قاضی کے بعد کچھ دن میجر (بعد میں بریگیڈیئر) فضل رحمن خلجی بھی یہ ڈیوٹی کرتے رہے۔ اور اس سیکٹر کے سامنے تمام اہم چوٹیوں اور اونچی جگہوں پر قبضہ کرکے بریگیڈیئر عثمان کے تحت بھارتی پچاسواں بریگیڈ سارے علاقے کا ایک فرنٹیر کیمپ کی طرح دفاع کر رہا تھا۔

تیسرے اور چوتھے سیکٹروں کی لڑائیاں بریگیڈ نمبر ۱۰۰ کے اس محاذ پر آنے سے پہلے محاذ کو گرم رکھنے کیلئے کسی مقام کو چن کر بھارتی اس پر توپخانے کا فائر کرتے تھے۔ اور پھر کچھ پیش قدمی کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مئی کے آخری ہفتے میں بھارتیوں نے سبز کوٹ پر ایک ایسا حملہ کیا۔ اور دفاع کے سامنے بیس گز تک پہنچ گئے۔ تو دیری مورچوں سے باہر نکلے اور تلوار زنی سے بھارتی حملے کو پسپا کر دیا۔ ایسا ہی ایک حملہ انہوں نے محمود خان کے کیری پہاڑیوں پر کیا جو ناکام ہو گیا۔ لیکن بھارتی توپخانہ کا فائر اتنا زیادہ کرتے تھے کہ ایسے سخت فائر کیوجہ سے ایک محسود لشکر نے کھمبا قلعہ کے علاقے کو بھی خالی کر دیا۔ لیکن بھارتیوں نے وہاں قبضہ نہ کیا اور بھارتی تاریخ میں ان تمام ناکامیوں کو تسلیم کیا گیا ہے [20]۔ جون کے پہلے ہفتے میں دسویں ایف ایف کی مدد کیلئے نویں پنجاب سے ایک مشین گن پلٹون بھی پہنچ گئی اور بڑی مشکل سے ہماری حکومت نے جون کے آخری ہفتہ میں توپخانہ کو اس محاذ پر بھیجنے کی اجازت دی اور کیپٹن (بعد میں کرنل) شاہ محمد کے ماتحت دوسری فیلڈ رجمنٹ کی ایک بیٹری وہاں پہنچ گئی۔

دشمن پر حملے کی تجویز اور حملہ اس سے آگے دشمن کے مسلاشی کی پوزیشن پر حملے کی تجویز، کارروائی، ضرورت اور مقاصد بریگیڈیئر شیخ کی "انگریزی" کے سوا۔ ایک لاحاصل مشق معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس کے حکم پر تمام تار گنوں کی "خاموش" رجسٹریشن کر لی گئی۔ حملہ ۴/۳ جولائی کی رات کو کیا گیا۔ بھارتی ہمارے توپخانہ کے اس محاذ پر ہونے سے آگاہ نہ تھے۔ اور حملہ سے پہلے غیر متوقع اس فائر نے سوتے ہوئے بھارتیوں میں افراتفری مچا دی۔ کہ آگ لگانے والے گولے بھی فائر کئے، تو بھارتیوں کے بارود اور پٹرول والے سٹوروں کو آگ لگ گئی اور بریگیڈیئر

عثمان جو کسی مورچے کے باہر بیٹھا تھا۔ وہ بھی مارا گیا اور بھارتیوں کے حوصلے پست ہو گئے [21] آگے لکھا جاتا ہے کہ شمال سے حملہ کرنے والا محمود خان کا لشکر اور دیری بھارتیوں کے سخت فائر کیوجہ سے پیش قدمی نہ کر سکے اور دسویں ایف ایف کی دو کمپنیاں مسلاشی تک تو آسانی سے پیش قدمی کر گئیں۔ لیکن آگے حملے کیلئے ان کے مددگار قبائلی لشکر وہاں نہ پہنچ سکے۔ ان آگے والی دو کمپنیوں نے کچھ دستے بھیج کر، دشمن کے پھیلاؤ اور گہرائی کو جاننے کی کوشش کی۔ لیکن دشمن کے سخت فائر کیوجہ سے وہ لوگ آگے نہ بڑھ سکے۔ اور ساری رات دشمن کے پوزیشن کے ساتھ لٹکتے رہے۔ کہ شاید مددگار لشکر پہنچ جائیں۔ لیکن باقی لشکروں کے ساتھ کوئی رابطہ نہ بندھ رہا تھا۔ بریگیڈیئر شیخ اکیلی پلٹن کو دشمن کے چنگل میں نہ پھنسانا چاہتے تھے تو روشنی ہونے سے پہلے اپنی ان دو کمپنیوں کو بھی واپس بلا لیا گیا۔ جن قبائلی مجاہدین نے مکڑی پر حملہ کرنا تھا۔ وہ کچھ کامیاب ہو گئے۔ لیکن بھارتیوں کے پاس میڈیم توپخانہ بھی پہنچ چکا تھا۔ اس کے فائر کی مجاہدین تاب نہ لا سکے اور انہوں نے بھی مکڑی کو چھوڑ دیا۔ وغیرہ۔

بھارتیوں کا نقطۂ نظر گو ہماری سرکاری تاریخ میں اس کارروائی پر بہت لمبی چوڑی بحث ہے اور حالات کا بڑا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے [22] لیکن بھارتیوں نے اس ساری کارروائی کو ذرا بھر وقعت نہیں دی۔ اور آدھے صفحہ پر بیان کرتے ہیں کہ صرف ایک کمپنی نے ان کی طرف پیش قدمی کی [23]۔ اور اس سے پہلے کہتے ہیں کہ ۳ جولائی کو شام پونے سات بجے بریگیڈیئر عثمان، مارا گیا۔ اب بھارتی تاریخ کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بریگیڈیئر۔ عثمان کا پچاسواں بریگیڈ تو ۲ جولائی کو جموں کے علاقہ میراں صاحب پہنچ چکا تھا۔ اور جھنگڑ کا دفاع بھارتی نمبر ۲۶۸ بریگیڈ کر رہا تھا۔ تو بریگیڈیئر عثمان وہاں کیا کر رہا تھا۔ تو ایک اور کہانی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ آخر کار بریگیڈیئر عثمان، مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا تھا۔ اس نے مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کیلئے کچھ بھارتی فوجیوں کے خلاف کارروائی کرنا چاہی تو اس کو منظر سے ہٹا دیا گیا۔ اور چونکہ ہمارے توپخانے کے گولے بھارتی پوزیشن پر پہلی دفعہ ۳ جولائی کو گرے تو بھارتیوں کو بہانہ مل گیا۔ کافی عرصہ کے بعد اس کی موت کو ظاہر کیا گیا۔ اور اس کو بھارتیوں نے دہلی میں بڑے "فوجی اعزازوں" کے ساتھ دفن کیا۔ تو ہمارے ہاں کئی اخباروں نے بریگیڈیئر عثمان کی موت کو اپنے کسی چھاپہ مار دستہ کی کارروائی قرار دیا۔ اور اس ہلاکت پر فخر کرنے

والے کئی "دعویدار" بھی پیدا ہو گئے۔اور بر گیڈئیر شیخ نے اس کو بالواسطہ اپنی تجویز کا نتیجہ ثابت کرنے کیلئے ہماری سرکاری تاریخ کیلئے اپنی "انگریزی" کا اتنا زیادہ مواد چھوڑا، کہ وہ بھی پانچوں سواروں میں شامل ہو جائیں۔

تبصرہ مجھ پر توپ خانہ کے میرے پرانے رفیق شاہ محمد اور ان کے ساتھی یا دسویں ایف ایف کے مجاہدین جن میں کیپٹن خداداد سمیت میرے کئی ذاتی دوست، یا باقی قارئین یہ الزام نہ لگائیں کہ میں ان کی کارکردگی سے متاثر نہ ہو سکا۔میں ہر مجاہد کو سلام کرتا ہوں اور میرے لئے وہ بڑے عظیم ہیں۔میدان جنگ میں ہمت کے ساتھ چند لمحے گزارنے بھی مشکل ہوتے ہیں۔اور صرف عقیدہ اور غیرت ہی انسان کو وہاں ثابت قدم رکھتے ہیں۔مجھے تو یہ گلہ ہے کہ مجاہدین کو ٹھیک طرح لڑایا نہ گیا، تو یوسف صراف البتہ اپنی کتاب میں کچھ اور کہانی بیان کرتا ہے [۲۴] اور تمام سہرا لیفٹیننٹ (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل اور ضیاء الحق کے نائب) فیض علی چشتی کے سر باندھ دیتا ہے۔کہ اس نے اوپی کے طور پر آٹھ گنوں سے ایک ساتھ فائر کرایا، تو وہاں بر گیڈئیر عثمان اور کئی افسر مارے گئے۔کہ وہاں سالانہ کھیلیں ہو رہی تھیں۔اور حملے کا ایک بڑا اچھا موقع گنوا دیا گیا۔کہ بر گیڈئیر شیخ نے اجازت نہ دی کہ اکیلی پلٹن وہاں کیا کرے گی۔اور یہی رائے پلٹن کے کرنل عفیف خان کی تھی۔یوسف صراف مزید کہتا ہے یہ بڑا اچھا موقع تھا، کہ بر گیڈئیر عثمان کے مارے جانے کیوجہ سے وہاں سات دن کیلئے بھارتی فوج بے اثر ہو گئی۔ظاہر ہے کہ یوسف صراف نے چشتی کے وزیر ہونے کے زمانے میں یہ کچھ لکھا۔لیکن اس آگے والے فوجی دفاع میں سالانہ کھیلیں کرنا مشکل عمل تھا۔اور توپیں رات کے حملہ سے تھوڑا پہلے استعمال ہوئیں اور کھیلیں سورج غروب ہونے سے پہلے ختم ہو جاتی ہیں تو صراف صاحب نے یہ سب کچھ چشتی کو خوش کرنے کیلئے لکھا یا سب کچھ چشتی صاحب نے لکھوایا۔کہ صراف ایسی کتاب حکومت کی مدد کے بغیر نہ لکھ سکتا۔یہ عاجز البتہ یہ بات ضرور تسلیم کرتا ہے کہ بر گیڈئیر شیخ نے جنوبی محاذ کے کمانڈر کے طور پر دھیلے کا کام نہ کیا۔جنوب میں عبدالعلی کی غداری پر کچھ نہ کیا نہ وہ علاقے واپس حاصل کر سکا۔شمال میں بھارتی پونچھ سے رابطہ باندھ آئے اور شیخ کے کان پر جوں بھی نہ رینگی۔اور مغرب میں ٹھک ٹھک ہوتی رہی۔اور بھارتی اتنے مضبوط ہو گئے کہ نومبر

۱۹۴۸ء میں کشمیر کی جنگ کا سب سے بڑا المیہ اسی محاذ پر واقعہ ہوا جس کا ذکر اگلے باب میں آتا ہے۔اور انگریزوں سے اچھی رپورٹیں لے کر ہم پر مسلط ہونے والا یہ ابن الوقت آدمی روز قیامت اللہ تعالی کو کیا جواب دے گا۔کہ ہمارے ہاں وہ بڑا" باکردار" بنا رہا۔اور ۱۹۵۸ء تک بڑا پیشہ ور جنرل مانا جاتا تھا۔۱۹۶۲ء تک ایوب کا وزیر رہا اور بعد میں سفیر۔اے رب العالمین کہیں سے تو روشنی کی کوئی کرن دکھا دے اور ان "بھنگریزوں" سے ہمیں چھٹکارا دلا۔بر گیڈئیر شیخ کو اوپر والوں کو صاف بتا دینا چاہیئے تھا۔کہ اس کا اکیلا بر گیڈ اس محاذ پر کچھ نہیں کر سکتا۔اور اکتوبر ۱۹۴۸ء میں جو پچیسواں بر گیڈ اور نومبر ۱۹۴۸ء میں چودھواں بر گیڈ غلط اوقات پر ان محاذوں پر آئے، ان کو جون وجولائی میں وہاں پہنچ جانا چاہیئے تھا۔کہ اگر جارحانہ کاروائی نہ بھی کرتے تو ہزاروں مربع میل علاقہ تو مفت میں فائر بندی سے پہلے بھارت کے حوالے نہ کیا جاتا۔

حوالہ جات

(۱)۔تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۴۷۔(۲)۔یعنی ساتھ جو کمک لے کر گئے اس کو وہاں چھوڑا اور کمزور لوگوں کو نکال کر اپنے ساتھ لے آئے۔(۳)۔اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۲۷ تا ۲۳۰۔(۴)۔تگ و تاز جاودانہ صفحہ ۱۲۶۔(۵)۔قادیانی امت اور پاکستان صفحہ ۹۔(۶)۔قرآن پاک سورۃ نسا آیت ۷۵۔(۷)۔پنڈورا باکس صفحہ ۵۔(۸)۔"مجو کو آزاد کرو" یہ کہانی جب بھٹو وزیر اعظم تھا۔اس زمانے کی ہے کہ صدر فضل الہیٰ نے صدر ہاؤس کے باہر خود چاک سے یہ الفاظ لکھ دیئے۔(۹)۔قائداعظم کے آخری ایام صفحہ ۱۰، ۱۱ اور ۵۶ وغیرہ۔(۱۰)۔ایضاً صفحہ ۵۷۔(۱۱)۔کشمیریز فائیٹ فار فریڈم صفحہ ۱۱۰۴ تا ۱۱۰۵۔(۱۲)۔ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۲۰۴، ۲۰۸ اور ۲۰۹۔(۱۳)۔آواز دوست صفحہ ۶۹۔(۱۴)۔نوائے وقت ۳ مارچ ۱۹۹۲ء میں الحق قریشی کا مضمون۔(۱۵)۔اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۵۰۔(۱۶)۔دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۵۱ تا ۲۵۲۔(۱۷)۔اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۷۳ تا ۲۷۴۔(۱۸)۔دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۳۰۔(۱۹)۔تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۲۲۸، کہ جب جنرل یحییٰ کو منہ پر سچ سنانے کیوجہ سے عام لوگ مجھ سے دور رہتے تھے۔جنرل قاضی نے دوستی قائم رکھی۔(۲۰)۔اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۳۳ تا ۲۳۴۔(۲۱)۔دی کشمیر کیمپین صفحہ ۲۳۶۔(۲۲)۔ایضاً صفحہ ۲۳۶ تا ۲۳۷۔(۲۳)۔اوپریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۲۳۶۔(۲۴)۔کشمیریز فائیٹ فار فریڈم۔صفحہ ۹۶۴

تینتالیسواں باب

راجوری۔ پونچھ کے درمیان بھارتی رابطے کا عظیم المیہ

تمہید یہ باب دراصل جنوبی محاذ کا گذشتہ سے پیوستہ ہے۔ لیکن یہ تمہید کا عنوان دینے میں مقصد یہ ہے، کہ ہماری جاہل قوم آج تک بے خبر ہے۔ کہ کشمیر کے بہت بڑے علاقے کو ایک سازش، غداریوں، کوتاہیوں اور اپنوں کی بے حسیوں سے بڑی فائر بندی سے تقریباً ایک ماہ پہلے کس طرح بھارتیوں کے قبضے میں دے دیا گیا۔ قوم کو صرف یہ کچھ بتایا گیا، کہ بھارتیوں نے پونچھ کی اپنی گھری ہوئی فوج کے ساتھ رابطہ بحال کر لیا اور ہم مینڈھر کا دفاع نہ کر سکے۔ یہ تو بالکل نہ بتایا گیا کہ راجوری، بدحل، تھنہ منڈی، راہم بن، درہ پیر پنجال، ریاسی اور حویلی کے گرد کئی ہزار مربع میل وسیع علاقے جن میں کشمیر کے بہترین زمینیں، اور کشمیر وادی کے برعکس پاکستان کا نام لے کر جینے والے لاکھوں لوگ، جو اپنے آپ کو پنجابی آبادی کہتے تھے، ان کو ہم نے بھارت کے قبضے میں دے دیا۔ اس سلسلہ کی سازش کا یہ پہلا مرحلہ تھا۔ دوسرے مرحلہ کا اگلے باب میں ذکر آتا ہے۔ کہ بھارت اتنے علاقے "ہضم" نہ کر سکتا تھا۔ اور اس کی ان علاقوں میں بکھری ہوئی فوجوں کو تہس نہس کرنا آسان ہو گیا تھا۔ تو فائر بندی، بھارت کی ضرورت تھی۔ اور اپنی جس فوج کو استعمال کر کے، ہم نہ صرف اس بھارتی رابطہ کو روک سکتے تھے، بلکہ جنوبی محاذ پر کئی علاقے بھارتیوں سے چھین سکتے تھے اس میں سے کچھ کو بھارتی پیش قدمی کے سامنے تگڑم ناچ نچایا گیا۔ اور کچھ کو "ضرب کاری" کے ڈرامے میں استعمال کیا گیا۔ کہ بھارت ہم سے ڈر کر فائر بندی پر تیار ہو گیا ہے۔ اور کشمیر ہمیں "آن دی پلیٹ"[1] مل جائے گا۔ اور یہی کچھ ان ابواب میں انگریز کی مکاری سے پردے اتار کر قوم کو سمجھایا جائے گا۔ کہ خدارا اللہ پر توکل کرو۔ اور واشنگٹن اور لندن پر اپنا بھروسہ ختم کرو۔ کہ ٹائیں پہاڑی پر قبضہ نہ کر سکنے کے بعد بھارت والوں نے انگریز کو اپنا "استاد" مان لیا۔ اور کوٹلی مدار پور کے راستے سے پونچھ کے ساتھ رابطہ کی بجائے، اپنے ریہرسل شدہ راجوری۔ پونچھ رابطہ کو انہوں نے ہمارے انگریز جرنلوں کی مدد سے

عملی جامہ پہنایا۔

زمینی پہلو ساتھ نقشہ بیست ہفتم ہے۔ جون ۱۹۴۸ء میں بھارتیوں نے سرن وادی سے جا کر پونچھ کے ساتھ ملاپ کیا تھا۔ اور مینڈھر کی وادی سے وہ واپس آئے۔ اب انہوں نے ایک ڈویژن کے دو برگیڈوں کے محاذ پر ان دونوں وادیوں سے لیپ فراگ کے طریقے سے اکٹھی پیش قدمی شروع کی۔ دونوں وادیوں کے درمیان انہی ناموں والی دو ندیاں یا دریا بہتے ہیں اور درمیان میں جو پہاڑی سلسلہ ہے وہاں ایک طرف بہرام گلہ اور دوسری طرف بھمبر گلی تک نیچے سے اوپر کو جانا ہوتا ہے۔ اور تقریباً ان علاقوں کی بعد یہ صحیح طور پر سرن اور مینڈھر وادیاں کہلا سکتی ہیں، کہ دریائے سرن شمال کا رخ کر کے اور دریائے مینڈھر شمال مغرب کا رخ کر کے دریائے پونچھ میں جا کر گرتے ہیں ان کے علاوہ کئی اہم مقامات یعنی منگل نار، تھنہ منڈی، قلعہ رام گڑھ اور تھروٹی وغیرہ کی نقشہ پر نشاندہی کر دی گئی ہے۔

بھارتیوں کا بیان دشمن کی خبر اور حالات کو اب بھارتی تاریخ[2] کے الفاظ کا اختصار کر کے پہلے سے بیان کر دینے سے قارئین کو یہ سمجھنے میں آسانی ہو گی کہ کیا ہوا۔ بھارتیوں کے مطابق لیفٹیننٹ جنرل سری نگیش ۴ ستمبر کو، ایک کور ہیڈ کوارٹر تیار کر کے کشمیر پہنچا۔ اور آتے ہی اوڑی سے پونچھ کے ساتھ رابطہ کی تجویز بنائی۔ لیکن حکومت نے حکم دیا کہ ایسا رابطہ جنوبی محاذ سے راجوری۔ جھنگڑ کی طرف سے کیا جائے۔ چنانچہ راجوری سے میجر جنرل آتما سنگھ نے ایک برگیڈ، جس میں راجپوتانہ پلٹن، پہلی کماؤں اور ۲/ ۲ پنجاب شامل تھیں، اس کے ذریعہ سے تھنہ منڈی اور اہم پہاڑی پوائنٹ ۴۰۷۷، پر ۲۲ ستمبر کو قبضہ کر لیا۔ اور مجاہدین کی تعداد بتائے بغیر آگے سے ہمارے مقابلے کا ذکر کرتے ہیں (دراصل وہاں ہماری ایک کمپنی تھی جو سمبل گلی کی طرف پسپا ہو گئی۔ اور پوری بدحل پلٹن ایک طرح سے "ناکارہ" ہو گئی)۔ بھارتی مزید کہتے ہیں "کہ آتما سنگھ کو حکم ملا کہ وہ تھنہ منڈی سے شمال میں اور چھوٹا حملہ کریں۔ اور ۸ اکتوبر تک پیر بڈیسر پر قبضہ کریں اور ۱۹ اکتوبر تک ڈویژن کے باقی برگیڈ یا نفری راجوری میں اجتماع کر چکی ہو۔ لیکن پیر بڈیسر پر بڑی مشکل سے ۱۹ اکتوبر کو قبضہ ہو سکا" (اب ہمارے انگریز جنرل ننگے ہو جاتے ہیں کہ پچھلے باب میں شیر محمد نے ستمبر میں بھارتیوں پر جو ۱۳ اکتوبر کو حملے کی تجویز بنائی

تو ٹا ٹمنم نے بھارتیوں کو کہا ۔ہوگا، کہ اس سے پہلے کچھ کرلو، لیکن وہ ایسا نہ کرسکے ۔تو ٹا ٹمنم نے ہمارے حملے میں التواڈلوادیا تھا) ۔اس کے بعد بھارتی کہتے ہیں ۔" کہ چوتھی مدراس، پانچویں راجپوتانہ اور ۱/ ۴ گورکھا پلٹنوں والے ان کے پانچویں برگیڈ نے توپخانہ کے بھرپور امدادی فائر سے ۲۶ اکتوبر کو سکھ تاؤوادی کے کچھ اہم مقامات پر قبضہ کرلیا جہاں ۱۵ حملہ آور شہید اور زخمی ہوگئے ۔کہ اسی ۸۰ حملہ آوروں نے اس مقام پر ایک دن ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پھر جوابی حملہ بھی کیا" (دراصل یہ لوگ ہمارے چھٹے راجوری برگیڈ کی ایک پلٹن کی ایک کمپنی سے تھے ۔جو ڈٹ گئے لیکن ان کے صرف پانچ مجاہدین شہید ہوئے تھے)

رام گڑھ اور بھمبر گلی پر بھارتیوں کا قبضہ

بھارتی پانچویں برگیڈ کے ساتھ اب انیسواں بھارتی برگیڈ بھی آکر مل گیا ۔اور دونوں برگیڈ یادجوناتھ سنگھ کی کمانڈ میں "درگا فورس" بن گئے ۔دائیں طرف راجوری برگیڈ پہلے ہی کافی کچھ حاصل کرچکا تھا ۔ان دونوں برگیڈوں کو پوری کور کا توپخانہ امدادی فائر دے رہا تھا ۔لڑاکا طیاروں کا دسواں سکواڈرن ہوائی فائر، اور بارہ نمبر ٹرانسپورٹ سکواڈرن، سپلائی گرانے میں امداد دے رہے تھے، بھارتی تاریخ والے دو صفحات میں تفصیلات لکھ کر یہاں ہمارے ایک برگیڈ سے اپنا مقابلہ بتاتے ہیں ۔اور گیارہ نومبر کو رام ۔گڑھ اور بھمبر گلی کے اہم مقامات پر قبضہ کرلیتے ہیں ۔(یہ مقابلہ کرنل رحمت اللہ کے چھٹے راجوری برگیڈ کی تین، چار چار سو کی نفری والی پلٹنوں نے کیا، جن کے پاس کسی مارٹر کا امدادی فائر نہ تھا ۔اور فی پلٹن کے پاس تین یا چار خود کار ہتھیار تھے)

بھارتیوں کا پونچھ سے ملاپ

بھارتی انیسویں برگیڈ نے مینڈھر کی طرف جو پیش قدمی کی، وہ جھکا گلی کے مقام پر رک گئی ۔جہاں انہوں نے ایک پلٹن کو چھوڑ دیا ۔اور باقی تین پلٹنوں (یہ چار پلٹنوں کا برگیڈ تھا) کے ساتھ وہ لوگ ٹوپا جاکر پانچویں برگیڈ کے ساتھ مل گئے، کہ دائیں بازو پر اس برگیڈ کو بڑی کامیابی حاصل ہوگئی تھی ۔پونچھ کا محاصرہ برائے نام تھا ۔وہاں سے ہماری دو آزاد پلٹنوں کو اٹھوا کر مینڈھر بھیج دیا گیا تھا ۔تو پونچھ کے بھارتیوں نے اس برائے نام محاصرہ سے نکل کر پیر مرگوٹ غازی پر قبضہ کرلیا ۔اور ۲۰ نومبر تک دونوں بھارتی کالمیں ایک دوسرے کے ساتھ ملاپ کرچکی تھیں ۔اب اس علاقے میں چار بھارتی برگیڈ اکٹھے

ہوچکے تھے ۔اگلے دوتین دنوں میں مینڈھر کے علاقے پر دوتین اطراف سے دباؤ ڈالا گیا، تو ہماری افواج مغرب کی طرف پسپائی اختیار کرگئیں اور ۲۳ نومبر کو مینڈھر پر بھی بھارتی فوجیں قابض ہوگئیں ۔بھارتی تاریخ کے مطابق یہ تمام تر کامیابیاں اس وجہ سے ہوئیں کہ ان کی سب کاروائیاں "حیران کن" تھیں ۔ہاں بے شک ہم چھوٹے لوگوں اور نیچی سطح پر ٹکڑیوں میں لڑنے والوں کیلئے یہ سب کچھ اب بھی "حیران کن" ہے کہ ہمارے انگریز جرنلوں نے ہمیں کچھ سمجھ نہ آنے دی۔

اپنی کہانی

اپنی سرکاری تاریخ[۳] کے مطابق، راجوری سے ایک بھارتی برگیڈ نے دودن کی کوشش سے تھنہ منڈی اور پوائنٹ ۷۷۰۱ پر ۲۲ ستمبر کو قبضہ کرلیا، تو وہاں مقیم ہماری ایک آزاد کمپنی مقابلہ میں تھی جس کو پسپائی کرنا پڑ گئی ۔تو ان علاقوں میں متعین ہماری ۲۲ آزاد یا بدھل بٹالین کے مجاہدین دور دراز تک تتر بتر ہوگئے، کہ ریاسی ضلع کے اندرونی کنٹرول کیلئے بھارتیوں نے ادھر بھی پیش قدمی شروع کردی ۔اور ہمارے ان مجاہدین کا چھٹے راجوری برگیڈ سے رابطہ ختم ہوگیا ۔اور ان میں سے کچھ لوگ اپنے گھروں میں چلے گئے ۔اور کچھ ایک ماہ بعد پیر پنجال یا حاجی پیر والے راستے راجوری برگیڈ میں پہنچے ۔اس چیز نے ہمارے جی ایچ کیو والوں کو فکر مند کیا، تو انہوں نے پچیسویں برگیڈ کے برگیڈیئر اعظم کو حکم دیا کہ جب میرپور سے کوٹلی تک سڑک تیار ہوجائے تو دسمبر ۱۹۴۷ء یا جنوری ۱۹۴۸ء تک وہ پونچھ پر قبضہ کرنے کی ایک تجویز بنائے ۔اس سوچ پر کچھ زیادہ کارروائی نہ ہوئی تھی، کہ بھارتیوں نے پونچھ کے ساتھ رابطہ کیلئے کاروائی شروع کردی، تو برگیڈیئر اعظم کو جنگ میں شریک ہونے کے احکام دے دیئے گئے ۔کہ اکیلا چھٹا راجوری برگیڈ ان حالات کا مقابلہ نہ کرسکے گا تو اس کی مدد کیلئے چند اور آزاد پلٹنیں کھڑی کردیں جن کو کرنل انور کمال کے حیدری برگیڈ کے طور پر منظم کیا گیا ۔لیکن لڑائی کے دوران ان پر کسی کا کنٹرول نہ تھا (یہ عاجز اس سلسلہ میں پچھلے باب میں گزارش کرآیا ہے کہ یہ کام جولائی ۱۹۴۷ء میں مکمل ہوگیا تھا نہ کہ اب) بہرحال برگیڈیئر اعظم کے اپنے برگیڈ کی دو پلٹنوں تیرھویں پنجاب اور نویں ایف ایف کو اوڑی محاذ پر بھیج دیا گیا تھا ۔آٹھویں پنجاب ہجیرہ میں تھی ۔اور اٹھارویں پنجاب کی دو کمپنیاں جھنگڑ محاذ پر، ایک کمپنی جہلم اور ایک اٹک میں تھی

اس کے بعد ہماری سرکاری تاریخ بھارتیوں کی تجاویز اور مرحلوں پر لمبی چوڑی بحث کے بعد بھارتیوں کے ۱۹ اکتوبر کے پیر بڈیسر پر قبضہ کی لمبی چوڑی بھول بھلیوں والی کہانی بیان کرتی ہے جو صحیح نہیں ۔ اور ہم اس سلسلہ میں آنکھوں دیکھا حال پچھلے باب میں بیان کر آئے ہیں ۔ اور آگے سکھ تاؤ وادی میں پیر کلیوا پر پورے بھارتی برگیڈ کے ۲۶ اکتوبر کے حملے اور قبضے کی کہانی ہماری تاریخ بھی اسی طرح بیان کرتی ہے جس طرح ہم بھارتی حوالے سے ابھی ابھی بیان کر آئے ہیں ۔ اور اپنی ایک کمپنی کی مجاہدانہ کارروائی کے علاوہ پانچ شہداء کا بھی ذکر ہے ۔

پاکستان کا رد عمل اب ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق حالات یہ تھے ، کہ رام گڑھ قلعہ ۔ اور باقی سکھ تاؤ وادی کا دفاع چھٹے راجوری برگیڈ کی تین کمزور پلٹنیں کر رہی تھیں ۔ جن کو کسی بھی بازو سے حملہ کر کے اکھیڑا جاسکتا تھا تو مقامی لوگوں نے علاقہ چھوڑنا شروع کر دیا ۔ اور ان آزاد پلٹنوں کے مجاہدین میں سے کافی تعداد نے اپنے خاندانوں کو حفاظت سے وہاں سے نکالنے کیلئے اپنی پلٹنوں کو خیرباد کہنا شروع کر دیا ، تو تب یا انہی وجوہات کیوجہ سے ساتویں ڈویژن نے ، برگیڈئیر اعظم کو اس کے تدبیراتی ہیڈ کوارٹر کے ساتھ ۲۹ اکتوبر کو محاذ پر بھیجا ۔ برگیڈئیر اعظم جب کوٹلی پہنچا تو اس کو معلوم ہوا ، کہ بھارتیوں کا رخ بینڈھر کی طرف ہے تو اس نے ساتویں ڈویژن کو گزارش کی کہ اس کو کم از کم ایک پکی پلٹن دیں ، جس کو وہ بینڈھر میں متعین کرے اور خود سارے محاذ کے حالات دیکھتا بھالتا ۔ ۷ نومبر کو وہ بینڈھر پہنچا تو وہاں حیدری برگیڈ کے کرنل انور کمال کے ذریعے سے اسے معلوم ہوا ، کہ حالات بڑی بھیانک صورت اختیار کر گئے ہیں ۔ تو برگیڈئیر اعظم خود پیر فضل شاہ اور بھمبر گلی کی پہاڑیوں کی چوٹی پر چڑھا ۔ اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بہت کم تعداد میں مجاہدین ، بھارتیوں کے سخت دباؤ کے تحت لڑ رہے ہیں ۔ اور یہ بھروسہ بالکل نہیں کیا جاسکتا تھا کہ یہ لوگ وہاں ٹھہر کر بینڈھر کی کوئی حفاظت کر سکتے ہیں ۔ اور بینڈھر کو بچانے کیلئے باقاعدہ فوج کی اشد ضرورت ہے ۔ آگے برگیڈئیر اعظم کی سوچ پر تفصیلی تبصرہ ہے ، کہ اس وقت پونچھ کو امداد پہنچانے سے پہلے بھارتی پونچھ کے ساتھ رابطہ باندھ لیں گے ۔ اور پونچھ کو فتح کرنا تو دور کی بات ہے ، بھارتیوں کے پونچھ کے ساتھ اس رابطے کو توڑنا ایک مشکل عمل بن جائے گا ۔ اور برگیڈئیر اعظم نے دوبارہ ساتویں ڈویژن

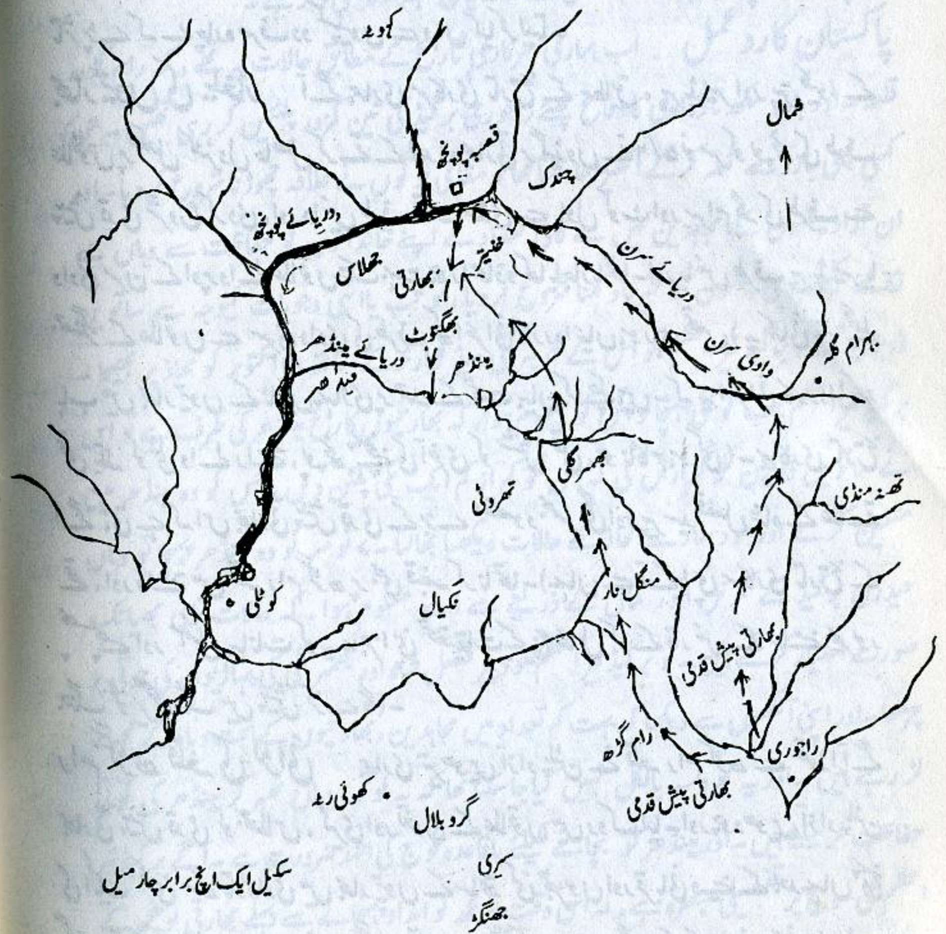
کو گزارش کی کہ حالات صرف باقاعدہ فوج کی کمک سے سدھر سکتے ہیں ۔ تو اتنے میں ۹ نومبر کو اعظم خان کی گزارش کے نتیجے میں اٹھارویں پنجاب کا کرنل وحید حیدر اپنی پلٹن کی دو کمپنیوں اور دو پہاڑی توپوں کے ساتھ بینڈھر پہنچ گیا اور اس کے دفاع کو سنبھال لیا ۔ راقم کے تحقیق کے مطابق باقی دو کمپنیاں بھی دو تین دن بعد پہنچ گئیں ۔ لیکن ہماری سرکاری تاریخ وحید حیدر کی " حفاظت " کیلئے بیانات کو مہمل رکھتی ہے ۔ کہ آگے وحید حیدر نے جو کچھ کیا ، تو قارئین پر یہ تاثر پڑے کہ بے چارہ صرف دو کمپنیوں سے وہاں کیا کر لیتا ۔

بھارتیوں کی یلغار آگے ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق ، پیر بڈیسر اور پیر کلیوا کے علاقوں پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے بعد دو بھارتی برگیڈوں نے ۶/۵ نومبر کو پونچھ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ، اور دائیں طرف تھنہ منڈی سے بادل کوٹ اور بہرام گلہ کی طرف سے وادی سرن کے اوپر والے علاقوں تک بہت چوڑا محاذ دکھایا جارہا تھا ۔ اور بائیں طرف پیر بڈیسر یا جھنگڑ کے علاقوں سے سیری وادی کی طرف کچھ انحرافی کارروائیاں ہو رہی تھیں (یہ کہانی ہم پچھلے باب میں بھارتیوں کے ٹائیں پہاڑی پر حملہ کے تحت بیان کر چکے ہیں ۔ کہ یہ انحرافی کارروائی نہ تھی بلکہ کوٹلی والے راستے ، پونچھ پہنچنے کی آخری کوشش تھی ، جو ناکام ہو گئی) ۔ سرکاری تاریخ آگے کہتی ہے کہ اس بھارتی پیش قدمی کے بڑے مقصود بھمبر گلی اور پیر سید فضل شاہ کے علاقے تھے ، اور راستے میں قلعہ رام گڑھ پر بھی قبضہ کرنا تھا ۔ (یہاں سے آگے اپنی سرکاری تاریخ کے پھسپھسے اور مہمل بیانات کو یہ عاجز اپنی تحقیقات کے بیچ شامل کر کے قارئین کے سامنے بھرپور جنگ کو صحیح رنگ میں پیش کرے گا) ۔

رام گڑھ قلعہ کی لڑائی ہماری تیرھویں آزاد پلٹن نے قلعہ رام گڑھ سے تھوڑا آگے بھارتی پیش قدمی کو جھلاس ، کیری اور نغون کے علاقوں میں روک لیا ۔ اور چودھویں آزاد پلٹن کی ایک کمپنی سکھ تاؤ وادی میں بھارتیوں کے ساتھ کئی جھڑپوں اور قربانی دینے کے بعد یہاں پہنچ گئی ۔ تو کرنل رحمت اللہ نے رام گڑھ قلعہ میں پہنچ کر میدان جنگ کی کمانڈ خود سنبھال لی ۔ بھارتی برگیڈ نے البتہ ایک اور پلٹن کی کمک سے جھلاس اور نغون پر سخت توپخانے کے اور ہوائی جہاز و بکتر بند دستوں کی مدد سے بھرپور حملہ کر دیا ۔ اور دو دن کی گھمسان کی جنگ کے بعد وہ

نقشہ بیست ہفتم

بھارتیوں کی راجوری اور پونچھ کے درمیان رابطہ کیلئے دورخی پیش قدمی اور پینڈھر پر قبضہ



صرف جھلاس پر قبضہ کر سکے۔ اور نغون پر حملے میں بھارتی کافی جانی نقصان کے بعد پسپا ہو گئے۔ لیکن نغون کے ایک بازو پر قبضہ کی وجہ سے بھارتیوں کا دوسرا حملہ وہاں بھی کامیاب ہو گیا۔ اور مجاہدین نے نمبل میں ایک دفاع اپنایا۔ جو بھارتی ٹینکوں کے یلغار کے سامنے زیادہ دن نہ ٹھہر سکا۔ اور اب سب مجاہدین قلعہ رام گڑھ پہنچ گئے۔ رام گڑھ قلعہ تین چھوٹی پہاڑیوں کے جنکشن پر ایک قدرتی دفاعی حصار ہے۔ اور یہاں چیڑ کے گھنے جنگلات ہیں، اس علاقے کا دفاع جس طرح کرنل رحمت اللہ کے مجاہدین نے کیا، یہ ہماری عسکری تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے اور یہ عاجزان سب مجاہدین کو سلام کرتا ہے۔ بھارتیوں نے مجاہدین کا تیزی سے تعاقب کر کے۔ ہنج لالی۔ اور لمبی باڑی وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور انہوں نے ہمارے دفاعی حصار پر کئی حملے کئے لیکن مرد مجاہد رحمت اللہ کی رہنمائی میں مجاہدین نے ہر حملہ پسپا کیا۔ اور بھارتیوں کی ناکامی بھی ہم ابھی ابھی ان کی زبانی بیان کر آئے ہیں لیکن ان کی دائیں بازو سے دوسرے برگیڈ کی کامیابی اور پھر دونوں بھارتی برگیڈوں نے جو مل کر رام گڑھ کے ۲ میل شمال میں پوائنٹ ۶۴۸۰ پر قبضہ کر لیا تھا تو بھارتیوں کے گھیرے میں آنے کی بجائے رام گڑھ کے دفاع کرنے والے عظیم مجاہدین رحمت اللہ کی رہنمائی میں ۱۳/ ۱۲ نومبر کو خاموشی سے وہاں سے نکل کر صابرہ گلی والے راستے پینڈھر پہنچ گئے۔ اس وقت ایک پکی پلٹن اس علاقے میں ہوتی، تو حالات کو کنٹرول کیا جا سکتا تھا۔

دائیں بھارتی برگیڈ کی کامیابی

دائیں والا بھارتی برگیڈ چھ نومبر کو راجوری سے نکل کر بغیر کسی مشکل کے اسی شام کو راجوری سے چھ میل شمال میں کائیں لبساں گاؤں پہنچ گیا جہاں اس نے سیری وادی میں ٹائیں پہاڑی پر بھارتی حملے کے نتیجے کا انتظار کرنا تھا۔ کہ وہاں کی ناکامی کے بعد اس برگیڈ نے سرن وادی والے راستے پونچھ پہنچنا تھا جو کوئی مسئلہ نہ تھا کہ بھارتی یہ ریہرسل کر چکے تھے۔ بھارتیوں کی ٹائیں پہاڑی پر ناکامی کے بعد دوسرے ہی دن یعنی ۸ نومبر کو یہ لوگ حیات پورہ پہنچ گئے اور آگے بڑھ کر بغیر کسی مقابلہ کے بھمبر گلی اور قلعہ رام گڑھ کے درمیان اہم پہاڑی ڈھیری ڈھرا پر قبضہ کر لیا۔ اور اب قلعہ رام گڑھ کے پیچھے پہنچنے کیلئے مغرب کا رخ کیا اور منگل نار کے نزدیک پوائنٹ ۶۳۰۷ پر ہماری دسویں آزاد پلٹن کی اکیلی کمپنی پر حملہ کر دیا۔ اس اکیلی کمپنی نے جس طرح بھارتی ٹڈی دل لشکر کا مقابلہ کیا یا جس طرح بھارتیوں

کے اس کمپنی کو گھیرے میں لینے کی کوشش کو جو اس کمپنی کے عظیم مجاہدین نے کامیاب نہ ہونے دیا تو ہم اس کمپنی کے مجاہدین کو سلام کرتے ہیں جن میں سے تقریباً پچاس مجاہدین زخمی یا شہید ہوئے۔ لیکن ایک دن تک انہوں نے بھارتیوں کو روکے رکھا۔ اور پھر اگلی کہانی بیان ہو چکی ہے کہ اس وجہ سے رحمت اللہ کو قلعہ رام گڑھ چھوڑنا پڑ گیا۔ اب بھارتیوں نے ساتھ ساتھ سڑک بنالی تھی۔ ان کا توپخانہ پہنچ گیا تھا۔ آگے مقابلہ کیلئے بھمبر گلی کے مقام پر نئے تربیت یافتہ رنگروٹوں کی ایک کمپنی تھی اور اس کے مغرب میں پیر سید فضل شاہ کے مقام پر دسویں آزاد پلٹن کی ایک کمپنی تھی اور ۱۰/ ۹ نومبر کو بھارتی ان پر حملے کیلئے تیار تھے اور بے چارے مجاہدین کیا مقابلہ کرتے وہ تتر بتر ہو گئے۔ یہی حالات برگیڈیئر اعظم ۷ نومبر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

انگریز جنرل ٹاٹھم کا ایک اور ڈرامہ

برگیڈیئر اعظم ۸ نومبر کو مینڈھر پہنچا اور ۹ نومبر کو وحید حیدر کی پلٹن سے مینڈھر کے دفاع کو مضبوط کرانے پر لگا ہوا تھا، کہ ساتویں ڈویژن کا انگریز کمانڈر ٹاٹھم بجیرہ پہنچ گیا۔ اور اعظم خان کو مشورہ کیلئے بلالیا، کہ جنوری ۱۹۴۸ء میں جو پونچھ پر حملہ کی تجویز ہے اس کو اب دسمبر ۱۹۴۷ء میں پایہ تکمیل تک پہنچانا ہوگا دراصل اس میں کئی شرارتیں تھیں، کہ انگریز جنرل جس نے اتنا عرصہ دریائے جہلم کو پار نہ کیا تھا۔ وہ آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا کہ ان کا رچایا ہوا ڈرامہ کیسے چل رہا ہے۔ دوم اس کو اس علاقے میں بجیرہ میں کرنل صدیق ستی سے خطرہ پیدا ہو گیا کہ وہ انگریزوں کی چالبازیوں کو سمجھ چکا ہے۔ اور پاکستانی کرنل مل کر برگیڈیئر اعظم کو انگریزوں سے بدظن نہ کریں، کہ وہ اعظم کو تگڑم ناچ نچا رہے تھے اور پاکستانی فوج کا بھونڈا استعمال کر رہے تھے اور سب مل کر کوئی حفاظتی تجویز نہ بنالیں کہ انگریز جو علاقے بھارتیوں کو دینا چاہتے تھے، کوئی علاقہ بھارتیوں کی جھولی میں گرنے سے رہ نہ جائے۔ برگیڈیئر اعظم نے جب اس کو بتایا کہ پونچھ کے ساتھ اب بھارتی رابطہ کو نہیں روکا جاسکتا ہے اور وہ لوگ صرف مینڈھر کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں تو حیلہ فرنگی کے تحت اس نے برگیڈیئر اعظم کے ساتھ بڑی ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور مشورہ دیا کہ دو آزاد پلٹنوں کو پونچھ سے مینڈھر لایا جائے۔ جو دراصل نہ ادھر کی رہیں اور نہ مینڈھر آکر کچھ کر سکیں۔ بہرحال ٹاٹھم اپنے مقاصد حاصل کر چکا تھا۔ اور اعظم خان کو مشورہ دے گیا کہ اگر ہمیں مینڈھر بھی

خالی کرنا پڑے تو پچیسواں برگیڈ پونچھ دریا کے ساتھ کوٹلی۔ بجیرہ لائن کے آگے نئی دفاعی لائن قائم کرے۔ اور اس لائن پر ہم پچھلے ۴۷ سالوں سے بیٹھے ہیں۔ ہماری سرکاری تاریخ بھی ۲۰ نومبر کو بھارتیوں کی سرن وادی سے پیش قدمی والوں اور پونچھ کے "محاصرین" کے ملاپ کے بارے وہی کچھ کہتی ہے۔ جو بھارتی تاریخ میں لکھا ہے، اور پونچھ کے گرد "گھیراؤ" والے مجاہدین نے کیوں ذرا بھر بھی دخل نہ دیا۔ اور ان کا کمانڈر کون تھا۔ اس سلسلہ میں کوئی جواب اپنے پاس موجود نہیں۔ ظاہر ہے وہ کچھ کرنے کے قابل نہ تھے۔ یہ سارا محاذ کھچڑی تھا۔

مینڈھر کے اردگرد کھچڑی

ہماری سرکاری تاریخ کہتی ہے کہ اٹھارویں پنجاب کی دو کمپنیوں کے ساتھ جو دو پہاڑی توپیں لائی جارہی تھیں، ان کو اٹھانے کیلئے اپنے پاس خچریں بھی نہ تھیں اور کوٹلی سے مینڈھر تک ان کو اونٹوں پر لایا گیا۔ آٹھویں ایف ایف کو ایبٹ آباد سے کرنل (بعد میں میجر جنرل) شوکت علی شاہ کے ماتحت بہت جلد احکام دے کر آزاد پتن تک گاڑیوں میں لایا گیا۔ اور وہاں سے وہ لوگ ۶۰ میل پیدل چل کر ۱۴ نومبر کو مینڈھر پہنچے۔ اس سے پہلے جو برگیڈیئر اعظم نے اٹھارویں پنجاب کے وحید حیدر کو دو کمپنیوں کے ساتھ مینڈھر سے آگے نکل کر جو اگلی دفاعی لائن بنانے کو کہا تھا تو باقی دو کمپنیوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے بغیر زیادہ لڑائی کے وحید حیدر اس دفاعی لائن کی اہم گولڈ پہاڑی کو چھوڑ کر مینڈھر کے گردونواح میں پہنچ چکا تھا۔ حیدری برگیڈ بھی مینڈھر میں تھا۔ چھوٹے راجوری برگیڈ کی ٹوٹی پھوٹی نفری بھی مینڈھر پہنچ رہی تھی۔ لیکن یہ سب لوگ بھان متی کا کنبہ بن گئے تھے۔ برگیڈیئر اعظم سارا دن محاذ پر چلتا پھرتا رہتا تھا۔ وہ کم دل بھی نہ تھا۔ اور کوتاہ بھی نہ تھا۔ لیکن یہ معاملات اس کے بس سے باہر تھے، کہ جلدی سے پہنچنے والے پاکستانی باقاعدہ فوج کے دستوں، اور بھارتیوں کے یلغار سے پسپائی کرنے والے مجاہدین کی مدد سے اس نے ۱۹ نومبر کو مینڈھر کے دفاعی حصار کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ جنوبی حصہ کرنل وحید حیدر کو دیا، کہ وہ اپنی پلٹن اٹھارویں پنجاب، دسویں آزاد اور بارہویں آزاد پلٹنوں کی مدد سے جنوب کی طرف سے دشمن کو روکے گا۔ اور آٹھویں ایف ایف کے کرنل شوکت علی شاہ باقی آزاد مجاہدین کی مدد سے پونچھ اور مینڈھر کے درمیانی علاقہ کا دفاع کریں گے۔ اس کے علاوہ میجر اسحق کو حیدری برگیڈ کے بچے کھچے لوگوں اور گلاب خان کے محسوددوں کے ساتھ سرسوتی سے مغرب کی طرف سے بھارتیوں کی پیش قدمی روکنے کیلئے بھیجا

ہوا تھا۔ لیکن وہ بھارتیوں کو نہ روک سکے۔

مینڈھر کی آخری لڑائی

بھارتیوں نے پونچھ سے ملاپ سے پہلے ٹوپا کے نزدیک کافی
علاقہ پر قبضہ کرلیا تھا، اور بھارتی آگے بڑھنے لگے تو ٹوپا کے علاقہ میں آٹھویں ایف ایف کی ڈی
کمپنی کی مدد کیلئے ایک اور کمپنی بھیجی گئ تو مینڈھر کے آٹھویں ایف ایف کے کچھ علاقے وحید حیدر
کو دیئے گئے تو اس نے صاف کہا کہ مینڈھر کا دفاع اب ناممکن ہے۔ اب آٹھویں ایف ایف نے
ٹوپا کے علاقے میں بھارتیوں کی پیش قدمی روک دی۔ تو بھارتی ۱۹ برگیڈ نے ٹوپا کو ایک طرف
چھوڑا۔ پہلے پوائنٹ ۵۹۸۲ پر قبضہ کیا۔ پھر ٹوپا کے مغرب میں کیانی پر اور اس کے بعد سگرا کے
مقام پر پہنچ کر سہڑا۔ مینڈھر وادی کی سڑک کی ناکہ بندی کردی۔ اب آگے دو روایات ہیں۔ اول
یہ کہ برگیڈیئر اعظم نے شوکت علی شاہ کو حکم دیا، کہ مینڈھر کا اپنی ذمہ داری کا سارا علاقہ وہ
وحید حیدر کے حوالے کردے اور وہ لوگ ٹوپا۔ کیانی کی اطراف میں دشمن کو روکیں۔ اور جیسے
شوکت علی اپنی باقی دو کمپنیاں لے کر اس کارروائی کیلئے نکلا، تو وحید حیدر نے بھی مینڈھر کو چھوڑ
دیا۔ دوسری روایت، جو سرکاری تاریخ میں وحید حیدر قادیانی کے "تحفظ" میں ہے۔ وہ یہ ہے کہ
برگیڈیئر اعظم نے سوچا کہ مینڈھر کی ساری فوج کو گھیرا پڑ سکتا ہے کہ دشمن سگرا تک پہنچ گیا ہے
اس لئے اس نے حکم دیا کہ ٹوپا۔ اور مینڈھر کو چھوڑ دیا جائے اور سونی گلی سے تاہی تک جھکا گلی کی
وادی اور پہاڑیوں میں نیا دفاعی پوزیشن اختیار کیا جائے۔ اور ۲۲ نومبر کو دشمن کے ساتھ بغیر
ٹکراؤ کے سب افواج نئ دفاعی لائن کی طرف پسپائی کر گئیں اور ٹاٹنھم برگیڈیئر اعظم کو یہی
دفاعی لائن اپنانے کا مشورہ دے گیا تھا۔ برگیڈیئر اعظم سے اس سلسلہ میں لاہور کے سیمینار
میں بڑے سوالات کئے گئے۔ لیکن ان کے جوابات بڑے مہمل تھے۔ برگیڈیئر اعظم نہ اس
زمانے میں کچھ سمجھ سکا کہ کیا ہو رہا ہے اور نہ اب یہ باتیں اس کو سمجھ آسکتی ہیں۔ اول تو اعظم کو
بھارتیوں کو بہت دیر سے روکنے کا حکم ملا تھا۔ لیکن بھارتیوں کو روکنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ ان
کے ذرائع آمد و رفت کے خلاف جارحانہ کاروائیاں کی جاتیں۔ بہرحال بھارتیوں کا اب سرن
وادی والے لمبے راستے کی بجائے پونچھ سے راجوری اور جھنگڑ کا مینڈھر والے چھوٹے راستے سے بھی
رابطہ پیدا ہو گیا، اور مینڈھر وادی کا سارا جنوبی حصہ اور مشرق سے مغرب والی وادی کا آدھا
مشرقی حصہ بھارت کے قبضہ میں چلا گیا۔

چند جائزے اور سوالات

ان دردناک واقعات پر کتنے آنسو بہائے جائیں۔ اور بے
حساب سوالات اور جائزے ہیں۔ کہ انگریزوں کیلئے یہ ایک "جنگی مشق" تھی اور وہ "چیف
کنٹرول" تھے (۴)۔ اور وحید حیدر قادیانی کی قسم کے لوگ اِن کے لئے "لوئر کنٹرول" کا کام کر
رہے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ۱۲۶ اکتوبر سے برگیڈیئر اعظم علاقے کے سپہ سالار تھے۔ لیکن
باقاعدہ فوج کی دو یونٹوں نے اس سارے "ڈرامے" میں محاذ کے ایک گوشے میں صرف ہفتہ بھر
حصہ لیا اور اٹھارویں پنجاب کا تو دشمن کے ساتھ ٹکراؤ بھی نہ ہوا۔ اور یہ ساری لڑائی کرنل
رحمت اللہ کا چھٹا راجوری برگیڈ صرف رائفلوں اور چند خودکار ہتھیاروں سے لڑتا رہا۔ تو سوال
پیدا ہوتا ہے کہ جب ستمبر ۴۸ میں بھارتیوں نے تھنہ منڈی پر قبضہ کرلیا تو کیوں نہ اس وقت
پچیسویں برگیڈ کو رام گڑھ۔ اور راجوری کے سامنے بھیجا گیا۔ بلکہ آگے چنگس تک جایا جا سکتا تھا
رام گڑھ قلعہ کے علاقے میں باقاعدہ فوج کی صرف دو کمپنیاں۔ دشمن کے برگیڈوں کے
برگیڈوں کی پیش قدمی روک سکتی تھیں۔ اور جیسا کہ زمینی پہلو میں واضح کیا گیا ہے کہ شروع
میں دشمن نے نیچان سے اونچان کی طرف جانا تھا۔ جس کو روکنا آسان تھا۔ اس برگیڈ کی دو
پلٹنوں یعنی نویں ایف ایف اور تیرھویں پنجاب کو اوڑی محاذ پر کس لئے بھیجا گیا۔ اور اپنی
سرکاری تاریخ (۵) میں متضاد بیانات ہیں کہ نویں ایف ایف کو اکتوبر میں سبز کوٹ دکھایا جاتا
ہے۔ جو بات زیادہ صحیح ہے کہ انہوں نے وہاں دسویں ایف ایف کی جگہ لے لی۔ اور دسویں
ایف ایف کو انگریزوں کی مکاری کے تحت بھمبر محاذ پر "ضرب کاری" کیلئے لے جایا گیا جس نے
وہاں کوئی کام نہ کیا۔ جو کہانی اگلے باب میں آتی ہے۔ کہ اسی نومبر کے وسط میں جو پورے
چودھویں پیرا برگیڈ کو بھمبر کے محاذ پر "ضرب کاری" کیلئے لایا گیا، ان کی مدد سے اکتوبر میں
بھارتیوں کی یہ پیش قدمی کیوں نہ روکی گئ۔ یا بروقت ان سے جنوب میں "ضرب کاری" کیوں
نہ لگوائی گئ، کہ بھارتی شمال کی طرف بڑھنے کی ہمت ہی نہ کرتے۔ یا دسواں برگیڈ جو ٹٹھوال
سے فارغ ہو گیا تھا، اس کو ایسی پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالنے کیلئے کیوں نہ استعمال کیا گیا۔ اور
آٹھویں ایف ایف کو ساٹھ میل پیدل چلا کر مینڈھر میں بھارتیوں سے شکست دلوانے کیلئے صرف
ایک ہفتہ کیلئے لایا گیا۔ اگر باقاعدہ فوج کو مینڈھر سے آگے بڑھا کر ہم بھارتیوں کی پونچھ کی
طرف پیش قدمی میں خلل ڈالنے کے قابل نہ تھے تو انہیں شکست کے ساتھ "لٹکایا" کیوں گیا؟ یہ

عاجز سارے ایسے جائزے پیش کر چکا ہے ۔ کہ یہ بھارتیوں کی آخری "ڈنڈی" مار کارروائی تھی جس کو اگلے باب میں بیان شدہ فائر بندی سے محکم کیا گیا ۔ اور کشمیر کے جہاد میں ہماری یہ کارروائی بالکل بے ڈھنگی تھی ۔

پونچھ ۔ ہجیرہ محاذ اب ہم اس محاذ کو پونچھ ۔ ہجیرہ محاذ کہیں گے ۔ کہ اس کامیابی کے بعد بھارتیوں نے پونچھ کے نزدیک آزاد مجاہدین کے دو دن کے سخت مقابلے کے باوجود جھلاس اور سلوتری کی پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا ۔ تو آٹھویں پنجاب اور آٹھویں ایف ایف کو ہجیرہ دریا پر دور ندی کے علاقے میں لایا گیا اور آٹھویں پنجاب نے ستاں دی رنگور والی وادی کی اپنی پوزیشنوں کو مضبوط کیا (۶) ۲۵/ ۲۴ نومبر کی رات کو آٹھویں ایف ایف نے ، بارہویں اور دسویں آزاد پلٹنوں کو ساتھ شامل کر کے کر تک پانی میں ڈوب کر دریا کو پار کیا اور دو ہزار اونچی دندی پر چڑھ کر پوائنٹ ۴۶۶۵ اور پوائنٹ ۴۹۶۹ پر قبضہ کر لیا ۔ اور آگے پوائنٹ ۵۰۲۴ جو سلوتری کے ایک میل جنوب میں تھا ۔ وہاں وحید حیدر کی اٹھارویں پنجاب نے حملہ کرنا تھا ۔ جہاں وحید حیدر پھر غداری کر گیا اور کہا کہ آزاد لشکر بروقت نہ پہنچے اور توپخانے کے ساتھ رابطہ ٹوٹ گیا ۔ حالانکہ دوسری فیلڈ رجمنٹ کی ساتویں بیٹری والے کہتے ہیں کہ ملاپ تھا اور وہ فائر دینے کو تیار تھے (۷) پچیسویں برگیڈ نے اب اپنے آپ کو منظم کیا ۔ اور کئی چھوٹے چھوٹے مقامات پر قبضہ کر لیا جن میں خاص کر قابل ذکر چھجہ پہاڑی ہے جہاں پر صدیق ستی کی آٹھویں پنجاب نے قبضہ کیا (۸) یہ بات یاد رہے کہ اب بھارتی پیش قدمیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا ۔ اور وسیع علاقوں پر قبضہ کیلئے ذرائع آمد و رفت کے دفاع کیلئے تمام بھارتی ٹڈی دل فوج تتر بتر ہو رہی تھی ۔

جنرل اکبر خان کا آٹھواں ڈویژن ہماری سرکاری تاریخ کا پونچھ کے ساتھ بھارتی رابطہ کا باب اس فقرے کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے "کہ دسمبر ۱۹۴۷ء کے وسط تک ہجیرہ اور باغ سیکٹر آٹھویں ڈویژن کی ذمہ داری میں دے دیئے گئے ۔ جو انہی دنوں کوئٹہ سے کشمیر پہنچا تھا ۔ چالیسویں باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ جنرل اکبر خان رنگروٹ کس طرح انگریزوں سے نالاں تھا اور انگریزوں کے پروردوں نے اکبر خان کے "ان پڑھ" اور سو نام رکھے ہوئے تھے ۔ اور اب بھی سرکاری تاریخ میں اس ایک فقرہ پر اکتفا کی گئی ۔ جس میں اکبر خان کا نام تک نہ لکھا گیا ۔ حالانکہ یہ شریف انسان اپنا تدبراتی ہیڈ کوارٹر آزاد کشمیر کے اندر لے گیا ، اور جہاد میں جان ڈالنا شروع

کر دی ، کہ اس نے فوجی یونٹوں ، سول سروسز اور سیاستدانوں کو یک جان کرنا شروع کر دیا اور سڑکیں و پلیں بنوانا شروع کر دیں ۔ تو انگریزوں نے روکا کہ ان سڑکوں کو بھارتی استعمال کر سکتے ہیں تو اس نے جواب دیا ۔ بھارتی پاکستان کی سڑکوں کو بھی استعمال کر سکتے ہیں ۔ اور سنو" کہ پاکستان اور کشمیر کا چولی دامن کا ساتھ ہے ۔ ہم سب کشمیر میں اب فلسفہ جہاد کے تحت جنگ لڑیں گے ۔ اور اگر بھارتیوں نے پاکستان کو چیلنج کیا تو تمام پاکستان میں فلسفہ جہاد کو اپنا کر بھارتیوں کو اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے" ۔ اب انگریز فکر مند ہوئے کہ ۲۶ نومبر کو ہمارا جنرل گریسی اور بھارتی فوج کا جنرل بوچر کراچی میں مل چکے تھے ۔ اور اس سلسلہ میں برگیڈئیر صدیق ستی نے مجھے بتایا کہ دو تین سال پہلے ایک غیر ملکی اخبار میں اس نے پڑھا تھا کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان کشمیر کے سلسلے میں فائر بندی کے عمل کے تمام ضروریات کے تمام فیصلے دونوں ملکوں کے انگریز فوجی سربراہوں نے نومبر کے آخری ہفتہ میں طے کر لئے تھے ۔ تو اس عاجز کو اس سلسلہ کا وزارت دفاع سے ایک "ٹاپ سیکرٹ" خطاب "غیر محدود" ہو کر مل گیا ، کہ ہمیں سکیم وینس کے تحت جو "جوابی ضرب کاری" کیلئے تیار کیا گیا ۔ وہ انگریز جنرلوں کی فائر بندی کیلئے مکاری تھی ۔ کہ بھارت کو جو کچھ مل گیا تھا وہ اس کو ہضم کرے ۔ یہ واقعات اگلے باب میں آرہے ہیں ۔ اکبر خان رنگروٹ اور اکبر خان طارق اس سازش کو اسی زمانے میں بھانپ گئے اور بڑے مایوس ہوئے ۔ لیکن ہماری باقی قوم ۴۷ سالوں سے سو رہی ہے ۔

حوالہ جات

(۱) یہ الفاظ لیاقت علی نے اس وقت ساتویں ڈویژن کے جی ون کرنل (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) حبیب اللہ کو کہے ۔ بحوالہ روز نامہ اخبار نیوز اسلام آباد ۔ ۱۴ جولائی ۱۹۹۱ء ۔ (۲) او پریشنز جموں اینڈ کشمیر کے صفحات ۲۵۲ سے ۲۶۴ کا نچوڑ ۔ (۳) دی کشمیر کمپین کے چوبیسویں باب کا نچوڑ ۔ (۴) سولین صاحبان کو سمجھانے کیلئے کہ فوجی مشقوں میں مشق کرنے والے ادارے اپنی تجاویز اور احکام "لوئر کنٹرول" کو عمل کرنے کیلئے دیتے ہیں لیکن لوئر کنٹرول وہ کرتا ہے جس کی ہدایت ان کو چیف کنٹرول سے پہلے سے ملی ہوتی ہے اور بعد میں بھی وہ سب کام چیف کنٹرول کی مرضی کے مطابق کرتے ہیں ۔ (۵) دی کشمیر کمپین صفحہ ۲۳ ۔ (۶) ایضاً صفحہ ۲۶۰ اور ۲۶۱ ۔ (۷) ایضاً صفحہ ۲۶۲ ۔ (۸) ایضاً صفحہ ۲۶۲

چوالیسواں باب

فائر بندی کیلئے ڈرامہ

گزشتہ سے پیوستہ بھارتیوں نے جب وہ سب کچھ حاصل کرلیا، جس کی ان کو ضرورت تھی ۔ تو اس کو "ہضم" کرنے کیلئے ۔ فائر بندی اب ان کی ضرورت بن گئی ۔ لیکن راجوری ۔ پونچھ محاذ پر ہماری شکست فاش کے بعد اگر وہ لوگ فائر بندی کی گزارش کرتے، تو اس وقت ہماری حالت اتنی نہ گری ہوئی تھی، جتنی ۱۹۷۱ء میں تھی ۔ کہ بھارتیوں نے ہمیں ایک ذلت آمیز شکست دے کر فائر بندی ہم پر ٹھونس دی ۔ ۱۹۴۸ء میں حالات بہتر تھے اور کچھ لوگ لڑنے مرنے کیلئے تیار تھے ۔ تو ان "سرپھروں" کو خاموش رکھنا اور ہماری جاہل قوم کو بے وقوف بنانا ضروری تھا ۔ آزادی سے پہلے عام دنیاوی معاملات میں ہندو جب کسی مسلمان سے سب کچھ حاصل کرلیتا تھا ۔ تو مسلمان کی عظمت کے زبانی اقرار کے بعد اس کے پاؤں پکڑ کر اس کے ساتھ صلح بھی کرلیتا تھا ۔ اب ہمیں کوئی ایک جھوٹی عظمت دے کر ہماری کسی "جوابی ضرب کاری" کو اچھالنا ضروری تھا، کہ اس سے ڈر کر بھارتیوں نے فائر بندی کی گزارش کردی ہے اور جنرل اکبر خان رنگروٹ کے مطابق اس ضرب کاری سے چڑیا بھی نہ مری [1] ۔ تو "سکیم وینس" پھر "لٹل وینس" اور آخر میں ان دونوں کی بجائے جس ترمیم شدہ وینس پر عمل کیا گیا ۔ وہ صرف آتش بازی کا ڈرامہ تھا ۔ کہ فائر بندی عمل میں آجائے ۔ یہ وینس کے الفاظ اس زمانے میں کسی نے نہ سنے ۔ پاکستانی افسروں نے بڑی نیک نیتی سے جنوبی محاذ پر جوابی ضرب کاری کی جو تجویز بنائی تھی اور شروع اکتوبر ۴۸ء میں اس پر عمل کرنا تھا ۔ تو اکبر خان رنگروٹ بھی اس کا ذکر کرتا ہے [2] ۔ اور بیالیسویں باب میں جنرل فضل مقیم کی کتاب میں اس سلسلہ کا اشارہ موجود ہے [3] ۔ اس تجویز کا نام بعد میں "سکیم وینس" رکھ لیا گیا اور اتنی زیادہ افواج کا نومبر ۔ دسمبر میں بھمبر کے محاذ پر جو اجتماع کیا گیا ۔ اور ان کو جو زبانی کلامی مقصود دیئے گئے جن پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا، تو اس ڈرامہ کا نام بعد میں "لٹل وینس" رکھ لیا گیا ۔ اور بعد میں جو کچھ کیا ۔ یعنی آتش بازی کا ڈرامہ

تو اس کا نام "ترمیم شدہ وینس" رکھ دیا گیا ۔ کہ سب کچھ کسی بڑی تجویز کے تحت کیا گیا، حالانکہ سب ڈرامے تھے ۔ آگے یہ عاجز اپنی تحقیق کے ان نتائج کے کئی ثبوت پیش کرے گا ۔

سکیم وینس اور پنڈی کا سیمینار جہاد کشمیر کے سلسلہ میں راولپنڈی میں جو پہلا سیمینار جون ۱۹۹۰ء میں ہوا ۔ اس کی صدارت میجر جنرل ریٹائرڈ نوابزادہ شیر علی نے کی ۔ جو بھمبر کے محاذ پر چودھویں پیرا بریگیڈ کے کمانڈر تھے ۔ اور اس سکیم وینس پر عمل درآمد کے کرتا دھرتا تھے ۔ پہلا مقرر کرنل مختار احمد گیلانی تھا، جو اس زمانے میں چودھویں بریگیڈ کی ایک پلٹن تیسری پنجاب میں کیپٹن تھا ۔ اس نے بڑی لمبی کہانی سنائی کہ لاہور سے کس طرح پورا بریگیڈ اور امدادی یونٹیں محاذ پر پہنچیں ۔ اور ہم لوگ کبوتر گلہ اور باعنسر کے علاقوں میں اکٹھے ہوگئے اور ہم میں سے کچھ یونٹوں نے "ریچھ" اور "مینڈک" پہاڑیوں پر حملہ کرنا تھا ۔ بڑی توپیں، کھٹی ہوئیں ۔ بڑی تیاری کی ۔ خود بڑے مورچے کھودے ۔ اور خیر حملہ تو نہ ہوسکا ۔ لیکن توپخانہ کے فائر سے ہم نے بھارتیوں کا بے پناہ نقصان کردیا ۔ یہ سن کر سامعین ہنس پڑے اور یہ ریمارک بھی سنے گئے "کہ کھودا پہاڑ نکلا چوہا ۔ وہ بھی مرا ہوا" ۔ اور لوگ سوال پوچھنے کیلئے کھڑے ہوگئے کہ کیا اتنا بڑا اجتماع اور اتنی تیاری توپخانے کے فائر کی تماشہ بینی کیلئے ہوا ۔ لیکن جوابات کی اجازت نہ ملی، کہ اس محاذ کے سارے جوابات جنرل شیر علی خود آخر میں دیں گے ۔ خیر سیمینار میں اور محاذوں پر بھی بڑی دلچسپ باتیں ہوئیں کہ بریگیڈئیر عطا محمد ملک نے پانڈو کے محاذ کے ہیرو جنرل طارق اور متعدد لوگوں کو جیل میں ڈالنے کی بات کی، جو کشمیر میں بہادری سے لڑے تھے ۔ اور بریگیڈئیر صدیق ستی نے پونچھ محاذ پر عارضی فائر بندی کو ایک سازش قرار دیا وغیرہ ۔ تو چائے کے وقفے کے دوران راقم جنرل شیر علی کو ملا اور گزارش کی وہ خود نوکری کے زمانے میں کہا کرتے تھے، کہ ہم لوگ اپنی ذمہ داری صحیح طور پر نہیں نبھا رہے اور وقت آئے گا کہ لوگ ہماری قبریں کھود کر ہمیں قبروں سے باہر پھینک دیں گے ۔ اور آج وہ وقت آگیا ہے کہ ہم خود سکیم وینس کے سلسلہ میں اپنی کوتاہیوں سے خود پردہ اتار دیں اور اپنی غلطیوں پر ندامت کریں ۔ انہوں نے سر تو ہلایا تو میں نے کہا کہ اوپر والوں کی غلطیوں کی بھی نشاندہی کریں ۔ گو ساتویں باب میں بھی اس سیمینار کی کچھ جھلکی دی گئی تھی لیکن اب زیادہ تفصیل لکھنے کی ضرورت ہے ۔

جنزل شیر علی کا خطاب جنرل شیر علی نے کہا کہ وہ پاکستان دیر سے پہنچا، کہ وہ امریکہ میں تھا۔ اور آتے وقت وہ سردار پٹیل کو ملا، جس نے کہا، کہ اپنے حاکموں خاص کر بادشاہ سلامت (قائداعظم) کو کہیں کہ وہ حیدرآباد اور کشمیر کے معاملات اور دوسری باتوں میں بھی حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کریں۔ لیکن یہاں اس کو قائداعظم سے نہ ملنے دیا گیا۔ اور ہماری حکومت کی کشمیر کی پالیسی ہی بڑی غلط رہی۔ پھر کہا کہ میجر جنرل حیاء الدین اور اس کو جو ہلال جرأت کے تمغے ملے تھے وہ ایسے مفت میں نہ ملے تھے ہم دونوں نے بڑے اعلیٰ پایہ کی تجاویز بنائی تھیں۔ اور ساری کشمیر کی جنگ میں اگر کسی جگہ تجویز سے کام ہوا، تو وہ یہ سکیم وینس ہی تھی اور ہمارے پاس کشمیر کے جو چند ٹکڑے رہ گئے ہیں وہ اسی سکیم وینس پر عمل درآمد کیوجہ سے رہ گئے ہیں۔ ورنہ بھارت والے ان علاقوں پر بھی قبضہ کر لیتے۔

سامعین کا ردعمل سامعین یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے۔ اور خورشید حسن میر سمیت کئی لوگوں نے جنرل شیر علی کی کافی گت بنائی کہ اس نے سردار پٹیل کو کب سے پاکستان کا ہمدرد سمجھ لیا ہے۔ جو اکتوبر۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان میں کانفرنس کیلئے آنے کو تیار نہ تھا، اور نہرو آخری وقت نہ آیا۔ اور اکیلا ماؤنٹ بیٹن آکر معاملہ التوا میں ڈلوا کر پاکستان کو بے وقوف بنا گیا اور جنرل شیر علی بھی بھارتیوں کا ہم خیال معلوم ہوتا ہے کہ ہم کشمیر کو بھی چھوڑ دیتے اور حیدرآباد کو بھی بھول جاتے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ لیاقت علی کی حکومت کی کشمیر کی پالیسی صحیح نہ تھی اور انہوں نے قائداعظم کو بھی مایوس کیا۔ اور اس طرح کئی لوگوں نے نوابزادہ شیر۔ علی کو کھری کھری سنائیں۔ تو وہ کہنے لگا "ہاں اپنا اپنا خیال ہے"۔ اس کے بعد سوال ہوا کہ کیا بہادری کے تمغے لڑائی کی تجاویز بنانے پر ملتے ہیں یا فائربندی کرانے پر۔ تو جنرل شیر علی نے کہا کہ ہماری تجاویز پر عمل درآمد سے فائربندی ہوئی۔ جس کا ہمیں فائدہ ہوا۔

راقم کے سوالات اب یہ عاجز حالات کو نہ برداشت کر سکا۔ اور عرض کی "جنرل صاحب آزادی اور بٹوارے سے پہلے آپ تحریک پاکستان کے سخت خلاف تھے۔ اور آپ اور میرے درمیان جو تلخیاں ہوئیں۔ وہ لمبی کہانیاں ہیں۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد میرے برگیڈ کمانڈر کے طور پر آپ اس رویہ پر نادم ہوئے، تو میں نے آپ کی اپنے ایک مہربان سینئر افسر کے

طور پر ہمیشہ بڑی قدر کی۔ میرا خیال تھا، کہ فائربندی کیلئے یہ جو آتش بازی کا ڈرامہ ہوا، اس میں آپ کو بھی استعمال کیا گیا اور ہماری طرح بے وقوف بنایا گیا۔ اور آج آپ اپنی اس غلطی پر نادم ہونگے۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی اس سازش کی کڑی تھے۔ کہ آپ کا یہ بیان بھی غلط ہے کہ آپ خود نے "لٹل وینس" یا جو کچھ کرنا تھا، اس کو "ترمیم شدہ وینس" بنا کر توپوں کے منہ ۱۴ دسمبر کو کھلا کر بھارتیوں کو فائربندی کیلئے مجبور کر دیا۔ دراصل فائر سے چند گھنٹے پہلے اس عاجز نے جنرل ٹاٹنھم کو آپ کے ہیڈ کوارٹر میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور پھر آپ دونوں کہیں اکٹھے چلے گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد توپوں کے منہ کھل گئے۔ میں آپ سے گزارش کروں گا۔ کہ آپ بھی میری طرح انگریزوں کے "کرایہ کے سپاہی" کے طور پر کام کرنے اور ان کوتاہیوں پر نادم ہوں۔ یہ سن کر جنرل شیر علی مائیک سے ہٹ کر جا کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تو اس عاجز نے سامعین کو ان الفاظ میں مخاطب کیا۔

"حاضرین۔ سکیم وینس یا لٹل وینس یا ترمیم شدہ وینس۔ اپنی غلط کاریوں کا چھپانے کیلئے لفاظی ہے۔ کہ پاکستانی افسروں نے بھارتیوں پر جنوبی محاذ پر ضرب کاری کی جو تجویز بنائی تھی۔ اس کو طارق ہیڈ کوارٹرز کے کاغذات کے ساتھ جلا دیا گیا ہے۔ اور وہ واقعی ایک ضرب کاری تھی اور اس پر عمل بھارتیوں کے پونچھ کے ساتھ رابطہ سے پہلے ہونا تھا۔ اور یہ بھمبر کے محاذ پر جو فوجوں کا اتنا بڑا اجتماع کیا گیا۔ تو زبانی کلامی ایک تجویز بنائی گئی جس پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اور یہ عاجز اس ساری سازش سے ۱۹۸۵ء کی شائع شدہ اپنی کتاب "تاشقند کے اصلی راز" میں پردے اتار چکا ہے (۴)۔ اور ۱۴ دسمبر کو توپوں کے منہ کھول کر فائربندی جو بھارت کی ضرورت تھی، اس کے لیے ڈرامہ کیا گیا۔ میں تمام واقعات کا چشم دید گواہ ہوں۔ اور اب میرے پاس کتابوں اور گواہوں کا اتنا مواد موجود ہے۔ کہ میں اس جگہ یا کسی ٹریبونل کے سامنے یا کسی عدالتی ادارے کے سامنے یہ سب کچھ اور بہت کچھ ثابت کر سکتا ہوں وغیرہ۔" اب سیمینار کا ماحول کچھ تلخ ہو گیا تو ضمیر جعفری کو ایک ہلکی پھلکی نظم سنانے کو کہا گیا۔ لیکن افسوس کسی اخبار نے حالات کی رپورٹنگ نہ کی۔ کچھ غیر معروف رسالوں میں کچھ ذکر ہوا اور ۲۰ مارچ ۱۹۹۲ء کی نوائے وقت اخبار میں برگیڈیئر شمس الحق قاضی نے ایک مضمون میں اشارہ کیا کہ پنڈی

سیمینار میں جنرل شیر علی کی شخصیت پاش پاش ہو گئی ۔ تو یہ عاجز اب اپنی سرکاری تاریخ ۔ بھارتی تاریخ ۔ اور باقی ذرائع اور اپنے ذاتی مشاہدات کا اختصار اس باب میں بیان کرے گا کہ یہ ڈرامہ کیسے رچایا گیا اور بھارت اور انگریزوں کی مشترکہ اقدار کے تحت یہ فائر بندی ان کی ضرورت تھی اور ویسے میں جنرل شیر علی کا مداح بھی ہوں کہ انہوں نے فوج کیلئے بڑے ویلفئیر کے کام کیے[۵]

جوابی ضرب کاری ؟

ہماری سرکاری تاریخ[۶] کے مطابق سیکورٹی کونسل کو یقین دہانی کرانے کے باوجود بھارتیوں نے شمالی علاقہ جات میں زوجیلہ کی طرف اور جنوبی محاذ میں پونچھ کے ساتھ رابطہ کیلئے جو جارحانہ کارروائیاں کیں ، تو بھارتیوں کی یہ کارروائیاں روکنے کیلئے پاکستان نے ضروری سمجھا ، کہ جموں سے نوشہرہ تک بھارتی مواصلاتی نظام کی ناکہ بندی کی جائے ۔ اس تجویز پر عمل کرنے کیلئے لاہور سے بریگیڈیئر شیر علی کے چودھویں پیرا[۷] بریگیڈ کو تیسری پنجاب ، پندرہویں پنجاب اور تیسری ایف ایف کے ساتھ بھمبر لایا گیا ۔ جہاں ان کو چھٹی پنجاب[۸] ، پہلی ایف ایف اور دسویں ایف ایف مزید تین پلٹنیں دے دی گئیں ۔ علاوہ ازیں گیارہویں رسالہ کا ایک سکواڈرن اور دسویں و گیارہویں پنجاب پلٹنوں سے دو مشین گن کمپنیاں بھی دے دی گئیں ۔ توپخانہ کی طرف سے چوتھی اور ساتویں فیلڈ رجمنٹیں ۔ تیسری ایس پی رجمنٹ کی ایک بیٹری ۔ بھاری اینٹی ایئر کرافٹ رجمنٹ کی دو توپیں ، زمینی ہدفوں کیلئے ۔ امدادی فائر کیلئے موجود تھیں ۔ سرکاری تاریخ کے اگلے صفحات[۹] کے گہرے مطالعہ کے بعد یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایک میڈیم بیٹری ۔ دوسری رجمنٹ کی ایک فیلڈ بیٹری اور دو پہاڑی توپیں بھی وہاں موجود تھیں ۔ سرکاری تاریخ کل توپوں کی تعداد نہیں بتاتی لیکن اکبر خان طارق[۱۰] کے مطابق کم از کم پچاس توپیں تھیں لیکن اگر گنتی کی جائے تو ان اندازوں کے مطابق تعداد ستر سے بھی زیادہ تھی کہ اینٹی ایئر کرافٹ توپوں یا ایس پی رجمنٹ کی بکتر توڑ توپوں سے زمین پر فائر کرانے سے "آتش بازی" کے بغیر اور کیا مقصد سامنے تھا ۔ کہ اکبر خان طارق مزید کہتا ہے ۔ کہ حیرانگی کی بات ہے کہ چند دنوں میں پچیس ہزار فوج اکٹھی کر لی ۔ اور ہفتہ دس دن پہلے بھارتی جب پونچھ کے ساتھ رابطہ کر رہے تھے تو وہاں ایک پلٹن بھی بروقت نہ بھیجی گئی ۔ بہر حال

باقاعدہ فوج کے اس لاؤ لشکر کے علاوہ تین یا چار آزاد پلٹنیں دو نیشنل گارڈ بٹالینز اور متعدد قبائلی لشکر تھے ۔

وینس اور لٹل وینس

ہماری سرکاری تاریخ کے مطابق "لٹل وینس" کی کامیابی کے بعد سکیم وینس پر عمل کرنا تھا ۔ اور آج تک نہ سرکاری کاغذات نہ جنرل شیر علی یہ بتا سکے کہ سکیم وینس کیا تھا ۔ کہ ایسی کسی تجویز پر عمل تو دور کی بات ہے یہ فیصلہ بھی کہیں نہیں ملتا ، کہ ایسا کون کرے گا ۔ یہ ایک مفروضہ ہے کہ جوابی ضرب کاری کے تحت جو جموں ۔ نوشہرہ مواصلاتی نظام کی ناکہ بندی کی بات ہے ، وینس وہ کارروائی ہے ۔ ورنہ لٹل وینس کیلئے جو ٹارگٹ رجسٹرڈ کئے گئے ان میں بھی بیڑی پتن جیسے اہم مقام کو بھی نہ رجسٹرڈ کیا گیا تھا ۔ اور آتش بازی کے ڈرامے کے وقت میجر (بعد میں میجر جنرل) شیریں دل نیازی نے جو بیڑی پتن پر گولے فائر کر دیئے ، تو ڈائریکٹر آرٹلری نے اس کی جواب طلبی کی اور میرے پاس میرے دیرینہ دوست جنرل شیریں دل نیازی کی طرف سے اس سلسلہ میں لکھا ہوا بیان موجود ہے ۔ تو لٹل ۔ وینس کے تحت سرکاری تاریخ کے مطابق بھی عبدالعلی ملک کی چھوڑی ہوئی پہاڑیوں "ریچھ" اور "بینڈک" پر قبضہ کرنا تھا جس سے نوشہرہ کے ساتھ بھارت کے رابطہ کی ہم دیکھ بھال بہتر طور پر کر سکتے لیکن اس سے بھارتی ذرائع آمد و رفت کی ناکہ بندی ہرگز نہ ہوتی تھی اور صرف "ریچھ" اور "بینڈک" پر حملے کو ضرب کاری کہنا ایک لال بجھکڑ کا دعویٰ ہے کہ اکتالیسویں باب میں بیان ہو چکا ہے کہ کرنل سرفراز نے کئی دفعہ ان پہاڑیوں کے ساتھ سر پھوڑا ۔ بہر حال اس حملے کی تجویز یہ تھی ، کہ توپخانے کے فائر کی مدد سے پہلے مرحلہ میں چھٹی پنجاب نے ، دو آزاد کمپنیوں اور محسود لشکر کی مدد سے "ریچھ" پہاڑ پر قبضہ کرنا تھا ۔ اور دوسرے مرحلہ میں راقم کی پندرہویں پنجاب نے بینڈک پر حملہ کرنا تھا اور گیارہویں رسالہ کے ایک سکواڈرن نے ہماری مدد کرنا تھی ۔ تیسری پنجاب اور تیسری ایف ایف[۱۱] نے سامنے سے دشمن کے یلغار سے اپنی توپوں کو بچانا تھا اور دسویں ایف ایف نے دائیں طرف سے کالی دھار کے علاقے سے دشمن کے یلغار کو روکنا تھا کہ وہ توپوں پر حملہ نہ کریں اور گیارہویں رسالہ کا ایک سکواڈرن مدد کے طور پر ادھر تھا ۔ پہلی ایف ایف نے چھمب کی طرف سے دشمن کے یلغار کو روکنا تھا ۔ اپنا تیسرا بکتر بند بریگیڈ بھی

نزدیک گجرات میں تھا اور ایک رجمنٹ کوٹلہ پہنچی ہوئی تھی۔ تو قارئین نوٹ کرلیں کہ کسی ضرب کاری کی بجائے زیادہ یونٹیں توپوں کی حفاظت پر لگی ہوئی تھیں۔ اور اس لٹل وینس پر بھی عمل نہ کیا گیا۔ صرف ۱۴ دسمبر کو توپوں سے آتش بازی کرائی گئی۔ اور یہ اجتماع کوئی ڈرامہ تھا، کہ پہلے سیمینار کے ایک سال بعد یعنی ۲۳ مئی ۱۹۹۱ء کے بھمبر کے ایسے سیمینار میں جنرل شیر علی نے اپنا موقف تھوڑا تبدیل کیا اور کہا کہ فائر بندی ہماری ضرورت تھی اور اس کو "خریدنے" کیلئے۔ کچھ ضرب کاری دکھانے کی ضرورت تھی [(۱۲)] یعنی یہ ڈرامہ ہماری ضرورت تھی (نعوذ باللہ)۔

حکومت کا تذبذب

ہماری سرکاری تاریخ [(۱۳)] کے مطابق لٹل وینس کی اس "جوابی ضرب کاری؟" کو پاکستان کی کابینہ میں زیر بحث لایا گیا، کہ اس "اجتماع" کو بھارتی ذرائع ابلاغ نے بھی سر پر اٹھا لیا تھا، جس نے ہماری حکومت کو "تذبذب" میں ڈال دیا۔ دراصل ہمارے ملک میں بھارت نواز طبقہ فکر مند تھا، کہ جوابی کارروائی سخت نہ ہو۔ اور انہوں نے یہ "گھنٹی" بجائی کہ اس طرح دونوں ممالک میں جنگ چھڑ سکتی ہے۔ ویسے ایسی سازشیں اب تک جاری ہیں کہ ۱۴ جون ۱۹۹۱ء کی اخبار نوائے وقت میں عزیزم بریگیڈیئر شمس قاضی لکھتا ہے۔ کہ سیکرٹری دفاع سکندر مرزا نے لیاقت علی کو یہ بتا کر "پریشان" کر دیا کہ اپنے پاس صرف دو انفنٹری بریگیڈ اور ایک بکتر بند بریگیڈ ریزرو میں رہ گئے ہیں۔ بریگیڈیئر قاضی جس سے شاید کوئی چھپا ہاتھ لیاقت علی کے دفاع میں بہت کچھ لکھواتا رہتا ہے، ان کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ بھارت کے پاس بھی ان دنوں میں ریزرو، دو بکتر بند بریگیڈ اور ایک انفنٹری بریگیڈ رہ گیا تھا [(۱۴)]۔

جنرل گریسی کا خط

تو ہماری حکومت نے اپنی "پریشانی" کے سلسلہ میں یکم دسمبر ۱۹۴۸ء کو جنرل گریسی کو جو خط لکھا، اس کا جواب جنرل گریسی نے ۴ دسمبر کو دیا، جو مکر و فریب کا شاہکار ہے۔ صرف چند فقرے یہاں لکھے جاتے ہیں "بھارتی اپنے آپ کو جہاں تک پھیلا سکتے تھے پھیلا چکے ہیں، اور ہماری یہ حرکت یا ضرب جنگ کو طول دینے کی بجائے بھارتیوں کو مجبور کردے گی کہ وہ جنگ ختم کردیں" اس کے بعد وہ بھارتیوں کے ہر محاذ پر ان تمام عملوں کو زیر بحث لاتا ہے۔ کہ وہ کیا کر سکتے ہیں۔ اور ان کی ہر متوقع کارروائی کو اپنے رد عمل سے ناکام

کرنے کی پیش بینی کرتا ہے۔ کہ اکھنور اور نوشہرہ کا ان کا مواصلاتی ذریعہ، ہمارے رحم و کرم پر ہے۔ اور بھارتی کوئی جلد رد عمل کرنے کے قابل نہیں، تو وہ لوگ جلد ہمارے ساتھ کوئی "سمجھوتہ" کرلیں گے (قارئین! [(۱۵)] بلی تھیلے سے باہر آگئی) چالاک گریسی نے خط کی کاپی ہمارے ڈپٹی چیف آف سٹاف میجر جنرل کاتھورن کو دی جو برطانیہ کی خفیہ سروسز کی ہمارے پاس "ریئر گارڈ" (پشتی دستہ) کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اور سکندر مرزا کے اس خاص یار کو امریکنوں نے ۱۹۵۶ء میں آسٹریلیا کا ہائی کمشنر لگوا دیا وغیرہ [(۱۶)]۔ اس میں مقصد یہ تھا کہ وہ حکومت پاکستان کو "سمجھائے"۔ کہ وہ "لٹل وینس" کی کارروائی کو منسوخ کر دیں کہ بات حکومت پر آئے۔ "ریچھ" اور "مینڈک" کے پہاڑ بھی بھارت کے پاس رہیں کہ ہم نوشہرہ کی دیکھ بھال میں مخل نہ ہوں۔ اور دراصل آگے ثبوت پیش ہوگا۔ کہ اس حملے کی تجویز زبانی کلامی تھی۔ تجویز کسی نے نہ بنائی۔ اور پلٹن کے سطح پر احکام تک نہ دیئے گئے۔

حکومت پاکستان کا فیصلہ

ہماری سرکاری تاریخ [(۱۷)] کے مطابق ۸ دسمبر کو جو "ضرب کاری" لگانا تھی یعنی لٹل وینس سکیم پر عمل کرنا تھا، تو حکومت پاکستان نے اس کو روک دیا۔ تو ظاہر ہے کہ شیر علی صرف بڑ مار رہا تھا کہ اس نے تبدیلی کی اور حکومت پاکستان نے کہا کہ فوجوں کا اجتماع کچھ دکھایا جائے۔ لیکن حکومت کمانڈر انچیف کو "مشورہ" دیتی ہے، کہ بہتر ہوگا کہ چودھویں بریگیڈ اور توپخانہ کو بھمبر سے نکال کر پاکستان کی سرحد میں لایا جائے۔ لیکن جنرل گریسی نے یہ مشورہ نہ مانا۔ اس میں حیلہ فرنگی کی خاص بات تھی کہ ایک طرف گریسی بھولے بھالے پاکستانی افسروں پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ تو لڑنا چاہتا ہے۔ لیکن حکومت پاکستان لڑائی نہیں چاہتی۔ اور اصل مقصد یہ تھا کہ ابھی آتش بازی کا ڈرامہ کرنا تھا۔ اور سب انگریز یہی چال چل رہے تھے۔ ثبوت میں جنرل حبیب اللہ جو اس وقت ساتویں ڈویژن میں ٹاٹنھم کے جی ون تھے، ان کے اخبار نیوز میں ۱۲ جولائی ۱۹۹۱ء کے مضمون کے چند اقتسابات پیش کیے جاتے ہیں۔ "کہ ٹاٹنھم نے ان کو کہا کہ اس پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ محاذ پر کچھ نہ کرے، اور ابھی ابھی ایسا پیغام آنے والا ہے، جو وہ نہیں سننا چاہتا" حبیب اللہ کے مطابق ساری سکیم وینس، ٹاٹنھم نے بنائی تھی اور حبیب اللہ کو پہلے بتا دیا تھا۔ کہ فائر بندی آنے والی ہے، کہ اقوام متحدہ میں کشمیر

کے معاملات میں کافی پیش رفت ہوئی ہے۔اور ٹاشقند چاہتا تھا کہ اس سے پہلے پاکستان کی زمینی پوزیشن بہتر ہو۔ حبیب اللہ کے مطابق انگریز تو ہمیں بہت کچھ لے کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن لیاقت علی فائر بندی پر تیار ہو گیا کہ کشمیر ہمیں "مفت" میں مل جائے گا۔جنرل حبیب اللہ آگے ظفر اللہ کی بہت تعریف کرتے ہیں کہ اس جیسا وزیر خارجہ ہمیں نہیں مل سکتا اور سب غلطیوں کا ذمہ دار لیاقت علی کو ٹھہراتے ہیں۔جنرل حبیب اللہ میرے بڑے مہربان رہے اور میں نے اپنی کتاب تاشقند کے اصلی راز میں ان کی تعریف کی ہے کہ ستمبر ۶۵ء میں اگر محمد موسیٰ کی جگہ وہ ہوتے تو نور خان اور وہ مل کر دہلی کے ادھر نہ رکتے۔لیکن اس مضمون کو یہ عاجز حبیب اللہ کی "سادگی" کہے یا اکبر خان طارق کی بات کو صحیح سمجھوں کہ وہ اپنی کتاب [۱۸] میں ۱۹ مجنٹوں اور مخبروں میں حبیب اللہ کو صدیق راجہ کے ساتھ "شامل" کرتے ہیں۔اور شاید کہ حبیب اللہ نے انگریزوں کو سمجھنے میں غلطی کی کہ انگریزوں کے جادو سے بچنا بڑا مشکل عمل تھا۔میرے عظیم دوست اور مومن کی فراست والے میجر جنرل فضل مقیم نے بھی اپنی کتاب [۱۹] میں ٹاشقند کے ان الفاظ کی بڑی وقعت دی ہے "کہ بھارتیوں نے اب تک صرف توپ خانے کے بل پر چند لڑائیاں جیتی ہیں۔اس دفعہ انہیں ہم توپخانہ سے ہی شکست دیں گے" مجھے پکی امید ہے کہ میری ساری کتاب پڑھنے کے بعد میرے دو مہربان جنرل حبیب اللہ اور جنرل فضل مقیم اب قوم کو ضرور آگاہ کریں گے کہ ان سے بھول ہو گئی۔اور خیر فضل مقیم نے تو صرف الفاظ کو دہرا دیا تھا دراصل ہماری بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ آگے جو آتش بازی کا ڈرامہ کیا گیا اس سے پہلے بھی انگریزوں نے ہمیں اس کے اثرات کا "گرویدہ" بنا رکھا تھا اور بعد میں بھی اس فائر کے اثرات کو اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے کہ شوکت رضا۔اور برگیڈیئر قاضی اب تک کتنے مضمون لکھ چکے ہیں۔کہ توپخانے کا یہی فائر "ضرب کاری" بن گیا ہے۔

آتش بازی کا ڈرامہ ۱۴ دسمبر کو توپوں کے منہ کھولنے سے ایک دن پہلے جنرل اکبر خان رنگروٹ کے ڈویژن سے تمام توپخانہ واپس لے لیا جاتا ہے۔یہ خبر اکبر خان کو ۱۵ دسمبر کو ملی اور وہ سیدھا راولپنڈی پہنچا اور جنرل میک کے، سے وجہ پوچھی۔تو اس کو بتایا گیا" کہ ان لوگوں نے وینس کی ترمیم شدہ تجویز پر عمل کر لیا ہے۔دشمن کا بیڑی پتن کا پل تباہ ہو گیا ہے۔ریچھ اور

بینڈک کی پہاڑیوں کے علاوہ نوشہرہ چھاونی پر بھی گولے برسائے گئے ہیں اور دشمن کے دو ہوائی جہاز بھی گرائے گئے ہیں۔اور کافی مقاصد حاصل کر لئے گئے ہیں۔لیکن اکبر خان کے اصلی ضرب۔ کاری یا حملہ یا زمین حاصل کرنے کے سوالات کے جوابات کے وقت میک کے، نے پہلے کندھے ہلانے شروع کئے۔پھر "دیوار" بن گیا۔اور کہا کہ سب کچھ جنرل گریسی سے پوچھا جائے جو دس دن بعد کراچی سے واپس آئے گا[۲۰]۔سیدھی بات ہے کہ یہ ڈرامہ گریسی۔میک کے اور ٹاشقند نے رچایا۔اور شیر علی کو "استعمال" کیا۔جو کہتا تھا کہ فائر کھولنے کا حکم اس نے دیا۔کہ بھارتی جہازوں نے آکر اپنے توپخانہ سے ہم پر فائر کرانے کا کام شروع کرایا۔تو اس نے تنگ آکر فائر کھلوا دیا۔قارئین یہ بالکل غلط بیان ہے۔بھارتی جہاز وہاں یکم دسمبر سے آتے تھے اور ایسا کرتے تھے۔پھر ٹاشقند کو اس عاجز نے خود شیر علی کے ہیڈ کوارٹر میں دیکھا۔اور اب جنرل میک کے، نے کہہ دیا کہ یہ وینس کی "ترمیم شدہ تجویز" تھی۔تو شیر علی کیسے خود بخود "ترمیم" کر دیتا۔

بھارتیوں کے نقصانات بھارتیوں کے نقصانات کے سلسلہ میں جتنی کہانیاں اس عاجز نے محاذ پر یا بعد میں پورے پاکستان میں سنیں، تو ان کے بیانات اور تردید کیلئے مجھے کتاب میں ایک اور باب کا اضافہ کرنا پڑے گا۔شیر علی نے مشہور کیا کہ اس کے بڑے بھائی نواب پٹوڈی کو جواہر لعل نہرو نے کہا کہ شیر علی ان کا پورا گلہ کاٹنے لگا تھا۔اس سے تو وہ بچ گئے۔ لیکن نقصان بہت ہوا۔دھوئیں اٹھنے کی کہانیاں بہت بنائی گئیں۔حالانکہ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں ہماری پلٹن کے سامنے روزانہ چار پانچ دفعہ اتنا دھواں اٹھتا تھا جتنا ۱۴ اور ۱۵ دسمبر کے دو، دنوں میں اس سارے محاذ پر اٹھا۔سیدھی بات یہ ہے کہ جتنے گولے ہم نے بھارتیوں پر فائر کئے۔اتنے ہی یا اس سے کچھ زیادہ گولے بھارتیوں نے ہم پر فائر کئے۔تو ہمارا صرف ایک آدمی شہید ہوا۔ اور تین زخمی۔چلو مان لیتے ہیں۔کہ بھارتیوں کا فائر اس سے آدھا تھا۔قارئین یہ فضول بحث ہے۔صرف توپخانہ کے فائر سے علاقے فتح نہیں کیے جاسکتے۔ہاں بھارتیوں پر پہلی دفعہ اتنا فائر گرایا گیا۔اور ان میں سے کافی کے دل دہل گئے۔اور ان کو بھی فائر بندی کیلئے تیار کرنا تھا۔کہ ان میں بھی کچھ لوگ سارا کشمیر لینا چاہتے تھے۔ان کو بھی ڈرایا گیا۔اور پہلے گزارش ہو چکی ہے کہ اکبر خان رنگروٹ نے چھٹی پنجاب کی مدد سے یہ کچھ معلوم کر لیا تھا۔کہ بھارتیوں پر اس کا

کوئی اثر نہیں ہوا ۔ وہ پہلے سے زیادہ چوکنے ہیں ۔ اور وہاں چڑی بھی نہیں مری ۔ بھارتیوں نے ہماری ساری اس کارروائی کو کوئی وقعت نہ دی ۔ اور ۱۴ دسمبر کو بیڑی پتن اور نوشہرہ میں ۵۰۰ توپ کے گولے گرنے کے علاوہ وہ کچھ پٹرول اور ایمونیشن ڈمپوں کے نقصان کا ذکر کرتے ہیں ۔ بیڑی پتن کے پل کے بارے کہتے ہیں، کہ ۱۷ دسمبر کو ٹھیک کر لیا گیا اور پہلے بھی انحرافی راستہ بنا لیا گیا تھا ۔ کہ ان تین دنوں میں ۱۵ ٹرکوں اور متعدد جیپوں نے وہ راستہ استعمال کیا ۔ اور بھارتی تاریخ کے انیسویں باب میں فائربندی کا سرسری ذکر ہے کہ وہ حق پر تھے ۔ پھر اپنی فوجی برتری کا ذکر کرتے ہیں کہ حیدر آباد میں ان کا "پولیس ایکشن" کامیاب رہا ۔ پونچھ کے ساتھ رابطہ بندھ گیا ۔ پاکستان کا بانی محمد علی جناح فوت ہو چکا تھا ۔ اور پاکستان کے سیاسی حالات کمزور پڑ چکے تھے ۔ اور پاکستانی لڑائی جاری رکھنے کے قابل نہ رہے تو ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی اقوام متحدہ کی قرارداد سے پہلے ہی پاکستان نے یکم جنوری ۱۹۴۹ء کی آدھی رات سے فائربندی والی بات مان کر فائربندی کر دی ۔ اور بھارت نے بھی بات مان لی، گو کافی افسر اور سولین ناخوش تھے، کہ بھارتی اب پورے کشمیر پر قبضہ کرنے والے تھے تو یہ فائربندی نہ ماننی چاہیے تھی [۲۱] ۔ اب یہ عاجز فائربندی کی سازش کی مزید کڑیاں ملاتا ہے ۔

سازش کی کڑیاں

قارئین ۔ آپ ہمارے انگریزوں کی زبان سے سن چکے ہیں کہ بھارت جو کچھ حاصل کر سکتا تھا ۔ اس نے حاصل کر لیا ۔ اور ہم اگر اس پر کوئی ضرب کاری لگاتے تو وہ ردعمل کے طور پر ہم سے کچھ حاصل نہ کر سکتا تھا ۔ تو ثابت ہو گیا کہ فائربندی بھارت کی ضرورت تھی ۔ لیکن یہ برطانیہ کی بھی ضرورت تھی ۔ کہ بھارتی فوج کا انگریز سربراہ بوچر جنوری ۱۹۴۹ء میں اور اس کے بعد جنرل رسل مارچ ۱۹۴۹ء میں سبکدوش ہو رہے تھے ۔ اس کے بعد بھارتی جنرل کری آپا نے آجانا تھا ۔ جس کو انگریز پسند نہ کرتے تھے ۔ تو اپنے ہوتے ہوئے وہ دونوں ملکوں بھارت اور پاکستان کو ایک ہزار میل لمبی فائربندی لائن پر بٹھا جانا چاہتے تھے جیسا کہ پچھلے ۴۷ سالوں سے ہم بیٹھے ہیں ۔ کہ وہ بندر بانٹ بھی کرتے رہیں ۔ اور اہل مغرب اپنا کنڈم سامان بھی ہمیں بیچتے رہیں ۔ اور ہم کامن ویلتھ کے ممبر بھی رہیں ۔ اور لندن اور واشنگٹن یاترا بھی کرتے رہیں ۔ اور جو کچھ وہ ہمارے ساتھ کرتے ہیں ۔ اس بارے ان خود میں سے کوئی

اس کا "افشا" کر دیتا ہے ۔ کہ ہم اور مرعوب ہوں اور ڈریں اور ہمارے ابن الوقت اور بے کردار لوگ ہمیشہ کیلئے ان کے پروردہ بنے رہیں ۔ تو برگیڈیر صدیق سنی نے جو اخبار میں پڑھا کہ یہ فائربندی کو دونوں ملکوں کے انگریز فوجی سربراہوں نے کراچی کی ایک کانفرنس میں پروان چڑھانے کی تجویز بنائی، وہ بات صحیح ہے، کہ مجھے جنرل گریسی کا وہ ٹاپ سیکرٹ خط مل گیا تھا ۔ جس کی کل پانچ کاپیاں بنی تھیں اور ۲۸ نومبر کو لکھا گیا اور اب "unclass" یعنی غیر محدود ہے ۔ اور اس میں واضح ہے کہ دونوں ملکوں کے سربراہوں کی مرضی سے یہ ملاقات ۲۶/۲۷ نومبر کو ہوئی ۔ کیا "گھر مکہ" پکایا گیا؟ ۔ وہ گریسی کے خط کے چند اقتسابات اور آئندہ کے واقعات سے ظاہر ہو جاتا ہے ۔

گریسی کے خط کے چند اقتسابات

بوچر نے اس کو بتایا کہ وہ صرف نوشہرہ سے پونچھ اور سرینگر سے لہ تک سڑک کو کھلا رکھنے کیلئے فوجی کارروائیاں کریں گے لیکن کوٹلی، پلندری یا سکردو کی طرف کوئی پیش قدمی نہ کریں گے ۔ (تبصرہ ۔ اور گریسی بھارتیوں کے وہاں قبضہ کے حق کو تسلیم کر آیا) ۔ لیکن گریسی خط میں مزید تسلیم کرتا ہے کہ بوچر کے سارے وعدوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے ۔ کہ بھارتی مقامی کمانڈر موقع سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور بوچر کا کری آپا پر کوئی کنٹرول نہیں ۔ ہاں شری نگیش پر اس کو کچھ بھروسہ ہے (تبصرہ ۔ قارئین یہ اتنی توپیں کسی ضرب کاری کیلئے نہ لائی گئی تھیں ۔ انہوں نے صرف آتش بازی کا ڈرامہ کرنا تھا کوئی بھارتی من چلا ۔ ان سب کو گھیر ا ڈال سکتا تھا کہ گریسی، کری آپا اور مقامی کمانڈروں سے ڈرا ہوا تھا ۔ اور یہ توپیں بھارت کے ہاتھ چلی جاتیں ۔ یا کچھ چلی جاتیں تو انگریزوں کو کچھ لوگ اسی دن گولی سے اڑا دیتے ۔ اور پاکستانی فوج ہاتھوں سے لڑتی یا نیزوں بھالوں سے لڑتی ۔ صحیح پاکستانی قیادت اوپر آجاتی، کہ سینکڑوں افسر انگریزوں کے ان ڈراموں کو سمجھ گئے تھے کہ وہ ہمیں باندھ کر مروا رہے تھے) ۔ لیکن افسوس ہمارے کئی افسران، آج تک یہ بات نہیں سمجھ سکے کہ لیاقت علی اور اس کی کابینہ آزادی سے پہلے سر سکندر حیات، سر خضر حیات اور سر عبدالقیوم کی حکومتوں سے بڑھ کر انگریزوں کی پروردہ تھی ۔ کہ اب ۱۴ جون ۱۹۹۱ء کی اخبار نوائے وقت میں برگیڈیئر شمس قاضی لکھتا ہے کہ دراصل لیاقت علی انگریزوں کے وزیراعظم ایٹلی کو

بے وقوف بنا رہا تھا کہ ہم اتنا بڑا حملہ کر رہے ہیں ۔ اور ظفر اللہ وچوہدری محمد علی کو کہا کہ وہ لوگ سیکورٹی کونسل کو بھی بتا دیں کہ بھارت کوٹلی کی طرف پیش قدمی سے باز نہیں آ رہا ۔ تو ہم حملہ پر مجبور ہو جائیں گے (یعنی بھارتی پونچھ پر قبضہ کر سکتے ہیں ۔ کوٹلی لنگڑے لولے کشمیر کے طور پر انگریز ہمارے حصہ میں دے چکے ہیں) ۔ لیکن بے چارے بریگیڈیئر قاضی کو شاید نہ معلوم ہو کہ ۶ دسمبر ۱۹۴۸ء کو بھارتی نمائندہ باجپائی سیکورٹی کونسل کو تنبیہ کر چکا تھا ۔ کہ پاکستان نے مزید چپہ بھر زمین کشمیر میں حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ سیکورٹی کونسل کی کارروائی کا بائیکاٹ کر دیں گے ۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ لیاقت علی نے ایٹلی کو کیا بے وقوف بنانا تھا ۔ جب سارا ڈرامہ اس کی قوم ، ہمارے انگریز جنرلوں سے کروا رہی تھی ۔ لیکن اپنے مومن کی فراست سے عاری ہونے پر کتنا رونا رویا جائے کہ کرنل مختار ۔ گیلانی جس کا باب کے شروع میں ذکر ہوا کہ سامعین سے اس نے "جگ ہنسائی" کرائی ۔ وہ اپنے ڈائیجسٹوں میں اس زمانے میں مضمون پر مضمون لکھ رہا ہے کہ انگریز جنرل گریسی اور اس کے ساتھی بڑی پکی بنیادوں پر ہماری بری فوج کی عمارت کو استوار کر گئے (نعوذ باللہ) ۔ اور یہ آدمی کئی چھوٹی موٹی کتابوں کا مصنف ہے ۔ اور ہمارے "معیار" سے اونچے پایہ کا لکھاڑی ہے ۔ حالانکہ وہ ہمیشہ بے وقت کی راگنی اپنی ڈفلی بجا کر گاتا ہے ۔ اور تمام تر تحریروں میں کوئی واضح مقصد سامنے نہیں ہوتا ۔

توپخانے کو خراج تحسین اپنے مشاہدات لکھ کر اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ، یہ عاجز توپخانے کی سب یونٹوں اور عملے کو خراج تحسین پیش کرتا ہے کہ میرا لفظ "آتش بازی" یہ غلط تاثر نہ دے کہ ان کا فائر کارگر نہ تھا ۔ یا اس کے اثرات نہ ہوئے ۔ توپخانہ دشمن کی زمین پر آگ برسا کر ، وہاں کی زمین کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتا ہے ، یا کسی اہم ذرائع آمد و رفت کے ذرائع کو وقتی طور پر ناکارہ کر دیتا ہے ۔ یا کسی ڈمپ کو تباہ کر دیتا ہے ۔ یہ سب کام ہمارے توپخانہ نے کئے ۔ میں اس کو "ڈرامہ" اس لئے کہتا ہوں ، کہ توپخانہ کے اس کارگر فائر سے ہم پلٹن والوں نے کوئی فائدہ نہ حاصل کیا ۔ کہ ایسے زبردست فائر کے بعد جو بھارتیوں کیلئے حیران کن کارروائی تھی ۔ دو تین پلٹنوں اور آزاد لشکروں کو بغیر کسی تجویز کے دشمن کے علاقے میں "لانچ" کر دیا جا

تو بیڑی پتن سے لے کر نوشہرہ تک ہمارا قبضہ ہو جاتا ۔ اور دو بریگیڈ بھارتی فوج شکست فاش کھا کر اس طرح بھاگتی یا ہمارے قید میں آتی کہ تاریخ کا دھارا تبدیل ہو جاتا ۔ یہ عاجز پلٹن کے بعد جس آرمز کے کام کو بہتر طور پر سمجھتا ہے وہ توپخانہ ہے ۔ میں ان کی میپ ریڈنگ ۔ سروے ، کمیونیکیشن اور گن ڈاٹا نکالنے اور رجسٹریشن وغیرہ کے سب طریقوں کو دوسری جنگ عظیم کے وقت سے بڑی اچھی طرح سمجھتا ہوں ۔ اور اس زمانے میں موجودہ ٹارگٹ گرڈ پروسیجر بھی نہ تھا ۔ میں نے ان کی کارکردگی کو آنکھوں سے دیکھا ۔ ان لوگوں کے توپوں کیلئے پوزیشنوں کو چننا ۔ پہاڑی کی اوٹوں میں گن پٹ بنانا ۔ نالوں کے بیچ توپوں کو کھینچ کر لے جانا ۔ دشمن کی توپوں اور ہوائی جہازوں سے حفاظت وغیرہ ہر پہلو کا اس عاجز نے مطالعہ کیا ۔ افسروں کی سوچوں میں ' جدت ۔ اور توپوں کو صرف روایتی اور لکیر کا فقیر کے طور پر نہ استعمال کرنا بلکہ یہاں کئی نئے طریقے ڈھونڈے اور خاموش رجسٹریشن کیلئے میرے او پی سے میجر (بعد میں بریگیڈیئر) محمد مظفر (۲۲) جو سارا دن اگلے علاقوں کا مطالعہ کرتے تھے ۔ اور ہم گشتی دستے لے کر ان کے بتائے ہوئے علاقوں کی اوٹوں کا نزدیک سے جا کر مطالعہ کرتے تھے ، اور پھر یہ تعلقات بڑی دوستی میں تبدیل ہو گئے ۔ اس سلسلہ میں اس عاجز کے پاس توپخانہ کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے کئی مضامین کا مواد موجود ہے ۔ مجھے صرف یہ افسوس ہے ۔ کہ اس فائر سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا گیا ۔ اور اس کو "پروپیگنڈا" کے طور پر استعمال کیا ۔

ذاتی مشاہدہ محاذ کے میرے ذاتی مشاہدہ کی کہانی بہت لمبی ہے ۔ لیکن میں اس پر اکتفا کروں گا کہ نومبر ۱۹۴۸ء کے آخری ایام میں یہ عاجز ایڈوانس پارٹی کے طور پر کھاریاں پہنچا ۔ جہاں ساتویں ڈویژن کے دو انگریز افسروں نے سڑک پر کھڑے ہو کر ہمیں "بریف" کر کے ہمارے پروٹسٹ کے باوجود ہمیں سڑک کے شمال میں اجتماع کرانے کی بجائے ، ہمارے بریگیڈ سے سڑک کے جنوب میں اجتماع کرایا ۔ کہ لاہور سے آنے کے بعد ہم سڑک کو عبور کر کے جنوب کی طرف جائیں اور پھر کشمیر محاذ پر جانے کیلئے دوبارہ سڑک کو پار کریں ۔ بکتر بند بریگیڈ کی یونٹیں علاقہ میں پہلے پہنچ چکی تھیں اور گجرات کے علاقے میں بیڑیوں کی مانگ بڑھ گئی کہ وہ بھارت سے آتی تھیں تو تب بھارتیوں کے پاس شاہراہ اعظم پر فوجوں کی حرکتوں کی خبریں پہنچنا

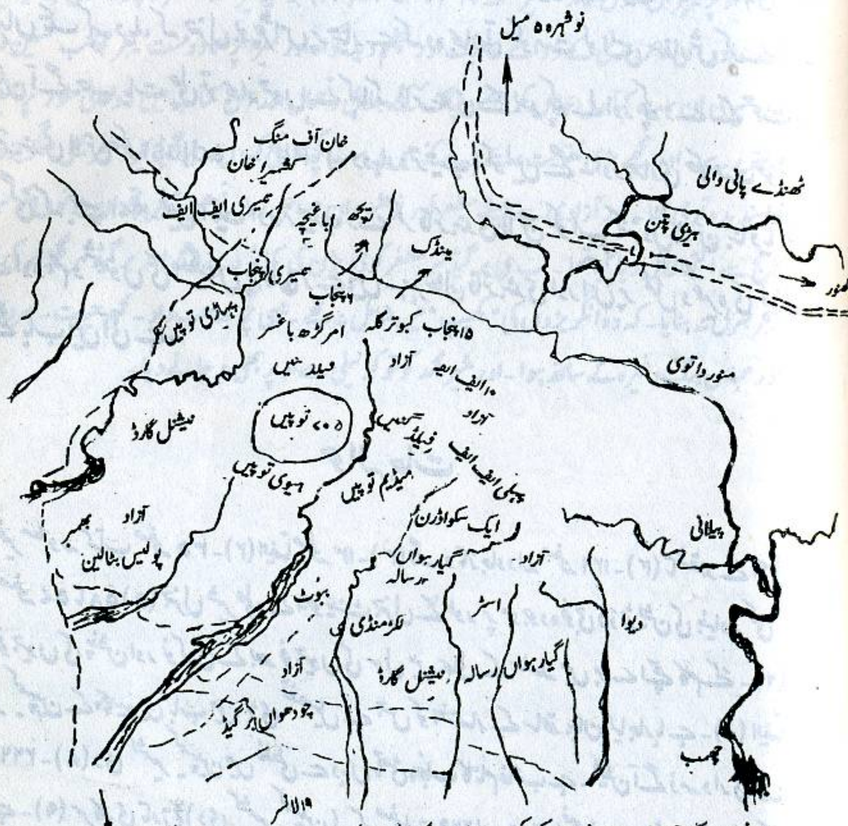
شروع ہوئیں تو مقصد بھارتی ذرائع ابلاغ کو بھی "چوکنا" کرنا تھا کہ پاکستان اس علاقے میں کچھ کر رہا ہے۔ بہرحال ہماری یونٹوں کے لاہور سے یہاں پہنچنے سے پہلے، اس عاجز نے پاکستان کی حدود میں جیپ پر اور اگلے محاذ میں پیدل چل کر تمام علاقے کا مطالعہ کیا اور نقشے کے حالات کو زمین پر پرکھا، کہ میں پلٹن کا انٹیلیجنس افسر تھا۔ چند دن بعد تینوں پلٹنوں کے سب افسران محاذ پر قلعہ امر گڑھ پہنچ گئے، جہاں چھٹی پنجاب مقیم تھی۔ اور یہ عاجز یہ سب علاقے پہلے دیکھ آیا تھا کہ میں نے بعد میں باقی افسروں کی رہنمائی کرنی تھی۔ اور پہلی دیکھ بھال کے دوران اس علاقے میں عبدالعلی کی غداری اور ظفر اقبال کی بہادری یا باقی حالات پر بہت کچھ سنا۔ اور اب چھٹی پنجاب نے ہم سب کی وہاں بڑی خاطر مدارت کی۔

حملے کے احکام

وہاں ہی قلعہ کے نزدیک بریگیڈیئر شیر علی، سب افسروں کو ایک جگہ لے گئے اور بتایا کہ وہ سامنے "ریچھ" اور "بینڈک" پہاڑیاں ہیں۔ ہم دو مرحلوں میں ان پر حملہ کریں گے۔ پہلے مرحلہ میں چھٹی پنجاب "ریچھ" پر حملہ کرے گی، جس کی تجویز ان کا کرنل بنا چکا ہے۔ اور دوسرے مرحلہ پر پندرھویں پنجاب "بینڈک" پر حملہ کرے گی۔ اور اس کا کرنل تجویز بنائے گا کہ ان کا انٹیلیجنس افسر (یعنی راقم) نقشہ پر دیئے ہوئے مقصودوں کو زمین پر دیکھ چکا ہے۔ کہ جہاں ہم تھے وہاں سے بینڈک پہاڑ پوری طرح نظر نہ آرہا تھا۔ باقی لاہور سے آنے والی دو پلٹنیں تیسری پنجاب اور تیسری ایف ایف علاقے کی حفاظت کریں گی۔ بریگیڈیئر شیر علی نے پہلی ایف ایف اور دسویں ایف ایف کی علاقے کی حفاظت کا ذکر جان بوجھ کر نہ کیا۔ کہ وہ اس وقت تک اس کی کمانڈ میں نہ تھیں۔ دو تین دن بعد پلٹنوں نے آگے والے علاقوں میں اجتماع کرنا شروع کر دیا۔ جو ۷ یا ۸ دسمبر کو مکمل ہوا (نقشہ بیست ہشتم سے استفادہ کریں)۔ اور اس کے بعد جوان زیادہ وقت مورچے کھودتے یا سڑکیں بناتے۔ ہماری پلٹن سے ۸ دسمبر تک صرف یہ عاجز چند گشتی دستے لے کر اگلے علاقوں میں دن کے وقت بھی گیا اور رات کے اوقات بھی ہم دشمن کے نزدیک پہنچ جاتے تھے۔ لیکن حملے کی تجویز کا خاکہ بھی ہمارے کرنل نے نہ بنایا۔ تو ۸ دسمبر کو ہم حملہ کیسے کر سکتے تھے۔ اگلے چھ دن صرف گشتی کارروائیاں ہوتی رہیں۔ لیکن حملے کیلئے جس قسم کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اس کے لئے تو کسی نے احکام بھی نہ دیئے۔ اور آخر ۱۴ دسمبر کو توپوں

نقشہ بیست ہشتم

فائر بندی کے ڈرامے کیلئے افواج کا اجتماع



ذرا فوجوں کے اجتماع ہونے خاص کر بکتر بند یونٹوں پر نگاہ ڈالی جائے
سکیل ایک انچ برابر ایک ہزار گز (اندازاً۔ مقامات کے نشان بھی اندازاً ہیں) کوٹلہ

کے منہ کھول دیئے گئے ۔ اور مشہور کر دیا گیا کہ بھارتیوں کا اتنا زیادہ نقصان ہوا ہے کہ وہ فائر بندی پر تیار ہو جائیں گے ۔

جنرل گریسی کا خط

جنرل گریسی کے ۲۸ نومبر کے خط کی کاپی میرے پاس موجود ہے ۔ کچھ باتیں بیان ہو چکی ہیں ۔ دراصل یہ خط مکاری کا ایک ڈھونگ ہے ، کہ گریسی ، حکومت پاکستان کو اس خط میں مشورہ دیتا ہے کہ بھارتی مینڈھر کے علاقے اور کارگل کے علاقوں کو خالی کریں ۔ اور حکومت کے سطح پر اس سلسلہ میں بات چیت ہو ۔ تو تب فائر بندی کر لی جائے اور دراصل یہ ہماری حکومت کو خوش کرنا تھا ۔ کہ کچھ علاقے ہمیں مل جائیں گے اور گریسی نے یہاں تک کہہ دیا ، کہ جنرل بوچر اس پر تیار ہے کہ وہ بھارتی حکومت کو ایسی سفارش کرے گا ۔ لیکن آگے جب بات چلی تو بھارتیوں نے کہا کہ فائر بندی کے بعد کچھ لے اور کچھ دے کے تحت ۔ فائر بندی لائن کو adjust ـ Re (دوبارہ ترتیب) کر لیں گے ۔ اور ہماری حکومت خوش ہو گئی کہ جیسے ۱۹۷۱ء میں ایک اور ترتیب دے کر فائر بندی لائن کو اب کنٹرول لائن بنا دیا گیا ہے اور ہم دشمنوں کی انگلیوں پر ناچ رہے ہیں ۔ بہرحال فائر بندی اور اس پر عمل وغیرہ کی کہانی اگلے باب میں آتی ہے ۔

حوالہ جات

(۱) غیر مطبوعہ کتاب صفحہ ۳۵ ۔ (۲) ایضاً صفحہ ۱۳ ۔ (۳) تگ و تاز جاودانہ صفحہ ۱۲۶ ۔ (۴) تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۵۷ تا ۵۸ (۵) جنرل شیر علی نے ایجوٹینٹ جنرل کے طور پر موجودہ فوجی فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی ۔ اور فوجیوں کی پنشن اور نوکری کے بعد فوجیوں کی سول میں بحالی کے سلسلہ میں بڑے اچھے کام کئے ۔ (۶) دی کشمیر کمپین کے پچیسویں باب میں بڑی تفصیل ہے جس کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے ۔ (۷) ایضاً صفحہ ۲۶۶ ۔ (۸) دی کشمیر کمپین میں غلطی سے وہاں چھٹی پنجاب کا نام غائب ہے ۔ لیکن آگے ذمہ داری میں نام ہے ۔ (۹) سرکاری تاریخ (دی کشمیر کمپین) کے صفحات ۲۶۹ اور ۲۷۰ واضح طور پر میڈیم بیٹری کا ذکر نہیں کرتے ۔ لیکن جنرل فضل مقیم کی کتاب ، مصنف کے مشاہدہ اور بیڑی پتن پر بیٹری کمانڈر شیریں دل نیازی نے جو گولے گرائے تو ثابت ہوتا ہے کہ میڈیم بیٹری بھی وہاں تھی ۔ (۱۰) کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۸۶

(۱۱) سرکاری تاریخ غلطی سے یہاں پندرہ پنجاب کا نام لکھ گئی جنہوں نے مینڈک پر حملہ کرنا تھا ۔ اور دراصل یہ ڈیوٹی تیسری ایف ایف کی دی گئی ۔ (۱۲) روزنامہ نیوز ۱۶ جون ۱۹۹۱ء برگیڈیئر شمس قاضی کا مضمون ۔ (۱۳) دی کشمیر کمپین صفحہ ۲۶۷ ۔ (۱۴) تگ و تاز جاودانہ صفحہ ۱۳۲ ۔ (۱۵) یعنی اس عاجز کے اس تجزیہ کو گریسی نے تسلیم کر لیا ۔ کہ بھارتی ، کشمیر میں ، ہمارے لئے تر نوالہ تھے ۔ (۱۶) تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۲۸ ، ۲۹ ، ۵۳ اور ۱۰۵ ۔ (۱۷) دی کشمیر کمپین صفحہ ۲۶۷ ۔ (۱۸) کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۲۰۰ ، ۲۰۱ اور ۲۰۳ ۔ (۱۹) تگ و تاز جاودانہ صفحہ ۱۳۰ ۔ (۲۰) اکبر خان رنگروٹ کی غیر مطبوعہ کتاب باب نمبر دس صفحہ ۳۴ اور ۳۵ ۔ (۲۱) او پریشنز ان جموں اینڈ کشمیر صفحہ ۳۶۹ تا ۳۷۳ ۔ (۲۲) برگیڈیئر محمد مظفر کا چھوٹا بھائی برگیڈیئر نور ۔ آصف اور اس فائر بندی کے ڈرامے کا ایک اور چشم دید گواہ اور میرا پرانا دوست میجر عجائب حسین ، اب بھی میری ان سب کتابوں خاص کر حضور پاکؐ کے جلال و جمال اور اس کتاب میں روحانی طور پر میرے ساتھ رہے ۔ اور مجھے بڑی تقویت دیتے رہے کہ میں یہ سب کچھ شائع کروں ۔ برگیڈیئر مظفر بھی انگریزوں کا ناپسندیدہ آدمی تھا ۔ اور آزادی سے پہلے مظفر اور نوشیروان جو اس زمانے میں میجر تھے ان دونوں کو سٹاف کالج سے اکٹھا نکال دیا گیا تھا ۔ تب ہی برگیڈیئر مظفر کو ڈویژن کی کمانڈ دینے کے بعد برگیڈیئر گلزار کی طرح میجر جنرل نہ بنایا ۔ کہ وہ انگریزوں کی " کیمپ " میں شامل نہ تھے ۔ یہی کچھ صاحب داد ۔ محمد حیات ۔ سردار علی اور عباس بیگ وغیرہ کے ساتھ ہوا ۔ اور شیر محمد کو تو کرنیلی سے اوپر بھی نہ جانے دیا ۔

پینتالیسواں باب

فائر بندی۔ جہاد میں جمود اور اس کے اثرات

افسوسناک اور بھیانک نتائج جو کچھ ہونا تھا ہوگیا۔ اب صرف حالات کو آگے چلانا ہے، تو اس سازش کے بھیانک نتائج بیان کرنے کیلئے کچھ تانے بانے ملاکر یہ باور کرانا ہے۔ کہ اصل مقصد جہاد میں جمود ڈلوانا تھا، جس سے ہم آج تک دوچار ہیں اور ۴۷ سالوں سے یہ ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ مسٹر سہروردی [1] کے مطابق بھارتی کابینہ کی منظوری سے بھارتی فوج کے سربراہ جنرل بوچر نے ۳۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو فائر بندی کا پیغام پاکستان کے فوجی سربراہ جنرل گریسی کو بھیجا۔ اور حکومت پاکستان نے یہ فائر بندی منظور کرلی، کہ یکم جنوری۔ ۱۹۴۹ء کو آدھی رات سے فائر بندی لاگو ہوجائے گی اور ایسا ہوگیا۔ اس فائر بندی پر اکبر خان طارق کا ردعمل پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے [2] جس کا صرف اختصار دیا جارہا ہے "کہ اب کوئی ایسا علاقہ، کوئی پہاڑی، یا کوئی ایسا مقام نہ رہ گیا تھا، جس کی بھارت کو کشمیر کے دفاع کے لئے ضرورت ہو، اور وہ سب کچھ ان کو مل گیا تھا۔ تو فائر بندی کر دی گئی۔ کہ نوشہرہ۔ سے پونچھ تک کا سو میل لمبا علاقہ ہماری زد میں تھا، جو آنے والے دنوں میں ہمارے چھاپہ ماروں کو گھات لگانے کے بہترین مواقع فراہم کرتا تھا۔ اور ان چھاپہ مار کارروائیوں سے بھارت کی فوج میں خون کا ایک قطرہ نہ رہنے دیا جاتا" یہ عاجز اس پر اتنا اضافہ کرسکتا ہے کہ یہی کچھ ہم جنوری ۱۹۴۸ء سے ایک طرف ہیڈ مرالہ سے لے کر نوشہرہ تک۔ اور دوسری طرف جموں سرینگر روڈ کے خلاف رام بن اور درہ بانہال تک کرسکتے تھے تو دریائے چناب کے مشرق میں چودھری محمد علی آزاد مجاہدین کیلئے تمام کارروائیاں بند کر گیا۔ اور اب فوج کے آجانے کے بعد فوج کو بھارتی مقبوضہ کشمیر کے سامنے "چوکیدار" بنادیا گیا۔ یہ فائر بندی اقوام متحدہ کی ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی ریزولیوشن کے تحت ہوئی جس کے متن کی کچھ جھلکیاں ضمیمہ "د" پر ہیں۔

احتجاج اس کارروائی پر احتجاج کرنے والوں کی بہت لمبی چوڑی لسٹ ہے لیکن یہ کوئی گروہ

نہ تھا۔ اور بعد میں ان سے جن لوگوں نے "گروہ" بننے کی کوشش کی ان میں سے زیادہ لوگوں کو پنڈی سازش کے مقدمہ کے تحت دھرلیا گیا۔ کچھ کو ایوب خان کے مطابق ان کے قد کے مطابق "تراشنا" پڑا۔ اور وقتی طور پر کسی کو محاذ سے ہٹالیا گیا۔ کسی کو کوئی "اہم ذمہ داری" دے کر "رام" کیا گیا۔ اور راقم چونکہ بہت چھوٹا آدمی تھا، تو مجھے محاذ سے ہٹا کر ٹریننگ سنٹر میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور پھر ایک "غیر اہم" ذمہ داری دے کر مجھے ذہنی طور پر ماؤف کیا گیا اور یہ لمبی کہانیاں ہیں۔ کہ ہمیں "سمجھایا" بجھایا گیا۔ بے وقوف بھی بنایا گیا۔ اوروں کی مثالیں دوں کہ کس کے ساتھ کیا ہوا تو اس سلسلہ میں اس عاجز نے جو مواد حاصل کیا ہے، وہ کہانی کئی ابواب میں ختم نہیں ہوسکتی۔ لیکن انگریز اب ہماری فوج میں کئی گروہ تیار کرچکے تھے۔ اوپر ترقی انگریزوں کی سفارش پر ملتی تھی۔ تو انگریز اپنے "پروردوں" اور اپنی "کھیپ" میں بہت اضافہ کرچکے تھے۔ جو لوگ "درمیان" میں، ہوتے ہیں ان میں سے اکثر کو بھارتی سورماؤں سے "باندھ۔ باندھ" کر مرواکے، ان کے دل میں جنگ سے نفرت پیدا کرادی تھی۔ اور پھر دور جنگلوں میں گزر چنے پر گزارا۔ آپ جنگ کے سارے حالات کو پڑھ آئے ہیں۔ کہ محاذ کے مقابلے میں زیادہ آبادی چھاؤنیوں اور شہروں میں جائدادیں بنانے کے کاموں میں مصروف تھی۔ اور بال و بچہ کو ساتھ رکھ کر سہل زندگی گزار رہے تھے۔ اور میرے ایک ساتھی افسر نے محاذ پر ایک دن مجھے کہا بھی کہ یار یہ علاقہ تو ہنی مون منانے کیلئے ہے، یہاں لڑائی لڑنے میں کیا تک ہے"۔ ساتھ یہ شوشہ بھی چھوڑا گیا کہ کشمیر ہمیں "پلیٹ" پر مل رہا ہے۔ اس لئے مجھ جیسے سر پھرے خاموش ہوگئے۔ اور کچھ نمک کی کان میں نمک بن گئے اور کچھ نے سوچا "پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ" لیکن یہ دل کو تسلی دینے والی باتیں ہیں۔ دراصل یہ سب ذلت والی باتیں ہیں۔ اور قارئین اس سلسلہ میں میری کتاب پنڈورا باکس اور تاشقند کے اصلی راز پڑھیں۔ کہ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھی جب بھارتیوں نے آکر لاہور کے علاقوں میں ہماری عورتوں کو پکڑ لیا تو محاذ پر میں بڑبڑایا۔ "اے حجاج بن یوسف تو میرا ہیرو ہے۔ ہم بے غیرت لوگ ہیں [3]" کہ ۲۲ / ۲۳ ستمبر ۱۹۶۵ء کو جب محاذ کے پیچھے بیٹھ کر بڑے بڑے لوگ اپنی بہادری کی جھوٹی کہانیاں لکھ کر اپنے لئے تمغوں کی سفارش کے کاغذات تیار کر رہے تھے۔ تو لاہور کو بچانے والی ہماری دو کمپنیوں سے صرف

!

پچاس جوان زندہ رہ گئے تھے، اور یہ عاجز بھارتیوں کا قیدی بننے والا تھا، تو میں نے عرض کی "اے رب العالمین! میرے لئے کوئی گولی نہ تھی کہ مجھے ٹھنڈا کر دیتی۔ اب اس ذلت سے بچا"[۴]۔ پھر جنگ سے نابلد قوم کے لڑنے والوں کیلئے خوش آمدید کے نعرے سنے اور پہلے دن کے ایک لاکھ کے مجمع والوں پر اخباروں کے غلط فخر کی کہانیاں یاد آئیں، کہ محاذ پر ان میں سے صرف پانچ آدمی پہنچے تھے، تو پھر اپنی ذلت پر رونا آیا[۵]۔ بہرحال ہمارے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا اس کی اسی طرح کی جھلکیاں آتی رہیں گی۔ کہ اس فائر بندی پر ہم "خاموش" ہو گئے تھے۔ اور جہاد سے گریز ہی ہمارے لئے ایسی ذلتیں لا رہا ہے۔

فائر بندی پر عمل جنرل اکبر خان رنگروٹ اپنی غیر مطبوعہ کتاب میں لکھتے ہیں[۶]۔ کہ میرے چھوٹے بھائی میجر جنرل افتخار کے سامنے لاہور میں بریگیڈئیر شیر خان ڈائریکٹر ملٹری اوپریشنز نے اس کو بتایا، کہ جنرل گریسی جب بھارت گیا، تو وہ اس کے ساتھ تھا۔ گریسی نے شیر خان سے کوئی نقشہ لینے اور اس پر کانفرنس کر کے فائر بندی کی لائن مقرر کرنے کی بجائے جو نقشے اس کو بھارتی سربراہ جنرل بوچر نے سکیل ۱۰۰۰۰۰/R/F1 کے دیئے ان پر ہی بھارتیوں کو وہ دستخط کر کے دے آیا ہے۔ شیر خان کو ڈر ہے۔ کہ پونچھ اور مینڈھر کے وہ علاقے بھی بھارتیوں نے اپنے قبضہ میں نہ دکھا دیئے ہوں جو آزاد کرا لئے گئے ہیں۔ اکبر خان کی پرسش پر شیر خان نے مزید کہا، کہ اس کو یا کسی اور کو وہاں بولنے کی اجازت نہ تھی۔ اور یہ علاقے چونکہ جنرل اکبر خان کے ماتحت ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں کچھ کریں۔ تو اکبر خان اس سلسلہ میں لمبی کہانی اور اپنے پرانے پلٹن وال میجر جنرل مصری چند اور میجر جنرل آتما سنگھ سے رابطہ کی کہانی بیان کرتا ہے۔ کہ اس نے محاذ کی صحیح صورت حال پر ان دونوں سے مل کر دستخط کروا لئے۔ تو گریسی والے نقشے وہاں دیر سے پہنچے، تو ان پر کاروائی نہ ہو سکی۔ لیکن بھارتیوں نے مصری چند کو پنشن بھیج دیا اور آتما سنگھ جو سکھ تھا۔ وہ کسی متعصب ہندو کی گولی کا شکار ہو گیا۔ لیکن بھارتی، کیپٹن برہان علی سے جھنگڑ کے نزدیک جو ٹائیں پہاڑی پر مار کھا گئے تھے۔ اور کوٹلی والے راستہ سے پونچھ کے ساتھ رابطہ نہ باندھ سکے۔ جس کا ذکر بیالیسویں اور تینتالیسویں ابواب میں ہے۔ تو گریسی کے ساتھ ملاپ کر کے اس کو اپنے قبضہ میں لے گئے۔ اور آج بھی وہ جگہ بھارتیوں کے پاس ہے۔

گریسی نے لیاقت علی اور سکندر مرزا سے فوج پر دباؤ ڈلوایا، کہ کل رائے شماری سے سارا کشمیر پاکستان کے حق میں ووٹ دے دیگا۔ اس کی تیاری کی جائے۔ ایک "پہاڑی" والی بات کو جھگڑا نہ بنایا جائے۔ بریگیڈئیر شیر خان کے بارے پچھلے ابواب میں کافی بحث آئی، کہ وہ کس "گروہ" کا آدمی تھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ کسی بہتر وقت کے انتظار میں تھا۔ اور انگریز جنرلوں کے ساتھ "گزارا" کرتا رہا (واللہ اعلم)۔ بہرحال لیاقت علی حکومت، نئے گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین کو آگے کر رہی تھی۔ نومبر کے آخری ہفتہ اور دسمبر ۱۹۴۸ء کے پہلے ہفتے ان سے لاہور، راولپنڈی اور پشاور کے دورے کرائے گئے، جہاں انہوں نے سول اور فوج کے افسران اور چنیدہ شہریوں کو خطاب کیا، اور باور کرایا کہ پاکستان بنتے ہی یہ ملک کشمیر کی جنگ میں "الجھ" گیا ہے۔ اس ملک کی تعمیر و ترقی کیلئے ضروری ہے کہ ہم لوگ فوراً کسی فائر بندی کا "انتظام" کریں۔

بغیر ہدف کے تیر نیم کش اکبر خان طارق[۷] نے ۵ جنوری ۱۹۴۹ کی اقوام متحدہ کی ریزولیوشن کو ایک مہمل دستاویز کا نام دیا، جس کے بارے اس نے حکومت کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیا، کہ اس بے معنی ریزولیوشن کے تحت بھارت کو رائے شماری پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہی بات بعد میں صحیح ثابت ہوئی۔ وزیر اعظم لیاقت علی نے کہا "کہ جنگ کر کے بھی دیکھ لیا۔ اور اب آگے کا دیکھیں اور رائے شماری کی تیاریوں میں مصروف ہو جائیں"۔ کسی چھپے ہاتھ نے لیاقت علی کو مشتاق احمد گورمانی کی خدمات حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ اور وہ وزیر امور کشمیر بن گیا۔ گورمانی، شاہ فیصل عراق، شہزادہ عبدالہ اور نوری سعید کے ۱۹۵۴ء کے دورہ پاکستان کے وقت وزیر مہمانداری تھا۔ تو ہم لوگوں اور سمجھدار صحافیوں کے ایک طبقہ نے اس کو نوری آف پاکستان اور نوری سعید کو گورمانی آف عراق کے "خطاب"[۸] دیئے۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۷ء تک پاکستان کی حکمران ٹولی میں گورمانی ایک اہم مہرہ تھا۔ اور کشمیر کے مسئلہ کو سرد خانے میں ڈالنے۔ چوہدری غلام عباس اور سردار ابراہیم میں چپقلش پیدا کرانے۔ اور غلام عباس کو لہو کے آنسو رلانے میں جو کچھ اس آدمی نے کیا، تو ظفر اللہ کو بھی وہ مات کر گیا۔ اور کشمیر کے سلسلہ میں ہمارے تاریک ترین باب کے دوسرے مرحلہ کا یہی گورمانی بانی ہے۔ شروع میں گورمانی کو ایک فوجی مشیر کی بھی ضرورت تھی، تو فائر بندی کی سازش کو پروان

پڑھانے والا بریگیڈیئر نوابزادہ شیر علی، جو لیاقت علی کا خاص آدمی تھا، تو اس کو بھی گورمانی کے ساتھ نتھی کر دیا گیا تھا۔ ہر سول یا فوجی افسر جو معیار میں کچھ گھٹیا ہوتا تھا۔ یا جس کو اوپر والے پسند نہ کرتے تھے۔ یا جس کا اوپر کوئی "رکھوالا" نہ ہوتا تھا، اس کو کشمیر میں تعینات کیا جاتا تھا۔ لیکن کشمیر کے مسلمانوں کی قسمت کو داؤ پر لگانے والے یہ "بڑے" خود تو راولپنڈی میں رہتے تھے۔ اور اخباری نمائندوں اور محکمہ تعلقات عامہ کی ایک فوج راولپنڈی میں بٹھا کر اس سلسلہ میں قوم کو بے وقوف بنانے پر لگا دی گئی۔ آزادی سے پہلے فوج کے محکمہ تعلقات عامہ میں کرنل مجید ملک ایک سولین وردی پوش تھے۔ یہ بھی لیاقت علی کے خاص آدمی تھے۔ اور پہلے تو لیاقت علی نے اس کو کراچی میں پرنسپل انفارمیشن افسر بنا کر وہاں سے ذرائع ابلاغ کی رہنمائی کرنا چاہی۔ لیکن قائداعظم مجید ملک کو پسند نہ کرتے تھے کہ کسی زمانے میں وہ ایک ہفتہ وار اخبار مسلم آوٹ لک میں مسلم قومیت کی دھجیاں اڑاتے رہے تھے تو لیاقت علی نے مجید ملک کو ایڈہاک بنیادوں پر راولپنڈی رکھا ہوا تھا۔ اور یہ آدمی کشمیر کی جنگ کی اصلی صورت سے قوم کو بے خبر رکھنے میں بڑا اہم کام کرتا رہا۔ قائداعظم کی وفات کے بعد لیاقت علی نے مجید ملک کے ماتحت راولپنڈی میں کشمیر کیلئے ایک الگ محکمہ تعلقات عامہ بنایا۔ اور اس پر اس زمانے میں لاکھوں (آج کل کے کروڑوں) روپے خرچ کر کے قوم کو کشمیر کے سلسلہ میں رائے شماری اور کشمیر کے مسلمانوں کے حق خود اختیاری کی جو میٹھی لوری دی۔ قوم اب بھی اس خود فریبی سے نہیں نکل سکی۔ لیکن میرے پاس اس کتاب میں اس تاریک باب کے پورے جائزے پیش کرنے کی گنجائش نہیں۔ صرف علامہ اقبالؒ کا ایک شعر کافی ہے۔

میں تیری نظر میں کافر تو میری نظر میں کافر
تیرا دین نفس شماری میرا دین نفس گزاری

ہم صوبہ سرحد اور سلہٹ کی رائے شماریوں کی کامیابیوں سے غلط ڈگر پر چل پڑے ہیں وہ کام اس باطل آئینی حکومت کے تحت ہوئے جس کے تحت اور مجبوری کے تحت ہم لنگڑا لولا پاکستان حاصل کر سکے۔ اور کوئی راستہ نہ تھا۔ اور یہ پہلو کتاب کے پیش لفظ اور ابتدائیہ والے باب میں خوب واضح کر دیا گیا ہے اور اس عاجز کا فتویٰ بھی سن لیں "کہ کشمیر صرف جہاد سے

حاصل ہو سکتا ہے۔ اور یہ ہمارا قانونی، روحانی، سیاسی، تاریخی اور جغرافیائی حق ہے"۔

جہاد پر لال لکیر

کشمیر کے جہاد کے دوران کچھ افسروں اور یونٹوں نے مسلمان جرنیلوں والے نام اپنائے تھے اور یہ ذکر ہو چکا ہے کہ خالد، طارق، غزنوی، غوری، اور عالمگیر وغیرہ کئی نام اپنائے گئے۔ یونٹوں کے ماحول سے اسلام کی یہ بھینی خوشبو ختم کرنے کیلئے انگریز کمانڈر۔ انچیف نے اے جی برانچ کی پی ایس ڈائرکٹوریٹ سے شروع ۱۹۴۹ء میں ایک حکم نامہ جاری کرا دیا، کہ ایک نام کی کئی یونٹیں دعویدار ہیں۔ اور فی الحال یہ تمام نام ختم کر دیئے جائیں۔ اور اس سلسلہ میں پھر کبھی کوئی پالیسی وضع کی جائے گی، تو ہم پھر "جتھودی کھوتی۔ اتھے ونج کھلوتی" کی طرح اس بات پر واپس آ گئے کہ یہ پلٹن ای ایچ لانگ مور صاحب نے یا کیپٹن ڈیوس نے کھڑی کی تھی اور پہلی جنگ عظیم میں فرانس اور فلینڈرز میں بڑی بہادری سے لڑی۔ اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، کہ ضیاالحق نے اپنی ہلاکت والے دن بھی اپنے گائیڈ رسالہ کو کھڑے کرنے والے لمسڈن [9] کا دیا ہوا پٹہ پہنا ہوا تھا۔ بہرحال انہی دنوں میں جی ایچ کیو کی جی سی برانچ کی ایم۔ ٹی ڈائریکٹوریٹ نے ایک حکم نامہ جاری کیا، کہ کشمیر کی جنگ کوئی باقاعدہ جنگ نہ تھی۔ ہمارے پاس فضائی فوج کی امداد نہ تھی اور توپخانے کی بھی امداد پہلے بالکل نہ تھی اور بعد میں کچھ محدود مدد ملی۔ تو اس جنگ کا کوئی سبق، نہ لکھ کر اور نہ زبانی طور پر ہماری فوجی تربیت کا حصہ بنایا جائے گا۔ ہمارے تمام پمفلٹ دوسری جنگ عظیم کے تجربات تک محدود رہیں گے۔ یعنی جو کچھ عملی طور پر سیکھا ہے اس کو بھول جاؤ۔ جنرل اکبر خان رنگروٹ کے مطابق [10] ۱۴ فروری ۱۹۴۹ء کو سینئر افسروں کی کانفرنس میں جنرل گریسی نے کہا، کہ پاکستان میں دو نظریات جنگ یعنی ایک اسلامی اور دوسرا برطانوی اکٹھے نہیں چل سکتے۔ برطانوی نظریہ جنگ ہر لحاظ سے اتم ہے کہ ترکوں، مملوکوں اور عربوں کی اسلامی افواج، برطانوی افواج سے انیسویں صدی سے شکست پر شکست کھاتی رہی ہیں۔ اور دونوں عظیم جنگوں نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہی طریقہ جنگ بہترین جنگ ہے۔ پھر اکبر خان کے ساتھ الگ بات بھی کی اور کہا" کہ وہ سب سے سینئر پاکستانی افسر ہے وہ یہ "دقیانوسی" اسلامی خیالات اپنے دل سے نکال دے۔ اور قارئین اسی مغربی فلسفہ دفاع کے تحت ہم نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا چکے ہیں۔ اور یہ جو فوجی یونٹوں

کے بڑے بڑے گیٹوں پر آپ لوگ جہاد فی سبیل اللہ کے بورڈ لگے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اسلام کے ساتھ یہ "فراڈ" ضیاء الحق صاحب کر گئے ہیں۔ اور میری کتاب۔ "حضور پاک کا جلال و جمال" پڑھنے کے بعد ۲۷ اپریل ۹۴ء کو ایک ریٹائرڈ جنرل امیر حمزہ نے موجودہ چیف آف سٹاف جنرل عبدالوحید کو خط لکھا ہے کہ یہ ہماری بڑی غلطی تھی اور ہے۔ اب ہم اس کتاب کی مدد سے نظریہ جہاد کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ فی الحال یہ جہاد فی سبیل اللہ کے کھوکھلے نعروں کو کوئی بھی نہیں سمجھتا، اللہ تعالیٰ کرے ایسا ہو۔ فی الحال تو انگریزوں کی لال لکیر اپنی جگہ پر قائم ہے۔

برطانوی روایات کی غلامی انگریز جنرلوں نے پاکستانی افسروں کو برگیڈئیر اور میجر جنرل تک ترقی دلادی تھی۔ لیکن جی ایچ کیو میں ریماونٹ اور ویٹرنری یا ڈاکٹروں کو چھوڑ کر باقی ہر ڈائریکٹریٹ کا سربراہ کوئی انگریز برگیڈئیر ہوتا تھا۔ بلکہ ہر رجمنٹل سنٹر اور کور سنٹر کا کمانڈنٹ بھی کسی انگریز کرنل کو رکھا گیا۔ جو کام میرے خیال سے ایک صوبیدار میجر بھی آسانی سے کرسکتا ہے، اور وہاں افسروں کی تعیناتی فوج کے عہدوں میں توازن رکھنے یا ٹیکنیکل ضرورت کے تحت ہوتی ہے۔ لیکن انگریز جنرل وہاں پر انگریزوں کو رکھ کر ہمیں مکمل طور پر برطانوی روایات (Traditions) میں ایسے جکڑ گئے کہ چھٹکارا اب بھی حاصل نہیں ہو رہا۔ تفصیل میری کتاب تاشقند کے اصلی راز [۱۱] اور پنڈورا باکس [۱۲] میں ہے۔ کہ ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۰ء کے دونوں سالوں میں پفرز کا سو سالہ منا کر اور باقی رجمنٹوں کے اجتماع کر کے ہمیں ان باتوں پر فخر کرنا سکھلایا گیا کہ ہماری ان یونٹوں نے کس طرح ہڈسن اور نکلسن کی کمانڈ میں دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر بہادر شاہ کی اولاد کو تہ تیغ کیا۔ اور فسٹ پنجاب کی یونٹوں نے سرنگا پٹم میں سلطان ٹیپو کو شہید کیا۔ اور ۱۹۵۱ء میں ایوب خان کے فوج کے سربراہ بن جانے کے بعد اس کے پرانے چودھویں گروپ میں زیادہ "رابطے" کیلئے مل جل کر "قندھار ڈے" منانے کی تجویز پیش ہوئی کہ دوسری افغان جنگ میں اس گروپ کی زیادہ پلٹنوں نے جنرل رابرٹ آف قندھار کے ماتحت کام کیا۔ تو اس تجویز پر اس عاجز کا ردعمل بڑا سخت تھا کہ ہمیں کیپٹن ظفر اقبال کا دن منانا چاہیے جو گروپ کی زیادہ پلٹنوں میں رہ چکا تھا اور کشمیر میں بڑی قربانی دی، جس کا ذکر اس کتاب کے اکتالیسویں باب میں بھی ہو چکا ہے۔ تو میری سات پنجاب کے اس وقت کے لاہوری قادیانی

کرنل نے میری گزارش کا مخول اڑایا کہ یہ بہت چھوٹی بات ہے۔ ہم قندھار کی جنگ میں سینکڑوں سپاہیوں کے سپاہیانہ جذبہ کو خراج تحسین پیش کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ تو اس عاجز سے صبر نہ ہو سکا۔ تو میں نے دوسری لائن اختیار کی کہ میں لکھ کر پروٹیسٹ کروں گا۔ اور ساتھ یہ اضافی بات بھی لکھوں گا، کہ یہ کچھ اب سفارتی آداب کے بھی خلاف ہے کہ ہمارے تعلقات افغانستان سے خراب کرنے کی یہ ایک سازش ہے۔ میرے اس "جنون" کی وجہ سے یہ تجویز ختم کر دی گئی۔ لیکن ایوب خان کی اپنی اس گروپ کی پلٹن موجودہ پانچویں پنجاب جو شیر دل یعنی شیر سنگھ کا لشکر تھی اس کو شیر دل۔ یعنی شیر والے دل کی پلٹن بنا کر ایک "دو شاخ ڈے" منانے کا فیصلہ کر لیا گیا، جہاں ۱۹۱۹ء کے آخر میں اس پلٹن نے روسی ترکستان کے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا تھا۔ جنرل آصف نواز جو اس پلٹن کے تھے ان کے زمانے ۱۹۹۲ء تک تو یہ دن دھوم دھام سے منایا گیا تھا [۱۳]۔ اور اب کس نے بند کرنا ہے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۹۴ء کو صدر کو سلامی دیتے جب یونٹیں مارچ پاسٹ کر رہی تھیں تو برطانوی زمانے کے یہ سارے "فخریہ" کام جو ہم نے اپنوں کو تہس نہس کرنے کیلئے کئے ان کے نشان ان جھنڈوں پر تھے۔ اور مجھے بھی دراصل یہ ندامت تو ۱۹۵۷ء میں ہوئی، جب قوم جنگ آزادی کے ہیرو جنرل بخت خان کو خراج تحسین پیش کر رہی تھی۔ اور میں اپنی اس پلٹن کا سو سالہ منا رہا تھا۔ جو بخت خاں کی مخالفت میں لڑی۔ میں اپنے کرایہ کے سپاہی ہونے اور باقی باتوں پر بہت ندامت کر چکا ہوں۔ معلوم نہیں قوم یا فوج والے میری یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ ہماری فوجی یونٹوں کی تاریخ بھی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے شروع ہوتی ہے۔ غلامی کی روایتوں کے جشن نہیں منائے جاتے۔

انگریزوں کی تیار کردہ کھیپ اس عاجز نے اپنی کتاب تاشقند کے اصلی راز میں تفصیل کے ساتھ۔ اور پنڈورا باکس میں اختصار کے ساتھ یہ پہلو بالکل واضح کر دیا ہے، کہ لنگڑا لولا پاکستان اینگلو۔ امریکن بلاک کی بھی ضرورت تھی اور علامہ مشرقی کی تقریریں اور تحریریں اس سلسلہ میں بڑے واضح ثبوت پیش کرتی ہیں اور دراصل آج بھی وہی لوگ ہمارے حکمران ہیں۔ اور اس کتاب کے شروع کے ابواب میں یہ چیز واضح کر دی تھی کہ انیسویں صدی میں وہ لوگ سر سید اور مرزا غلام کذاب کو ایک جیسی ہدایات دے کر یہاں پر بے دین لوگوں یا

قادیانیوں کی ایک "کھیپ" تیار کرتے رہے۔ جس کو وہ جاتے جاتے ہم پر مسلط کر گئے اور آج تک مسلط ہے۔ کبھی مسلم لیگ کی شکل میں۔ کبھی پیپلز پارٹی کے روپ میں اور کبھی مارشل لاء کے ڈنڈے کے طور پر۔ اور بڑا مقصد یہ ہے کہ اس ملک میں رسول عربیؐ کے اسلام یعنی نظریہ جہاد کا نفاذ نہ ہو۔ امت واحدہ کے تصور کو عملی شکل نہ دی جاسکے۔ اسلام کے لحاظ سے تمام مسلمان ایک قوم ہیں اور مرحوم مفتی فلسطین امین الحسینی کے مطابق۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُول [13] اللہ ہمارا پاسپورٹ بھی ہے اور ویزا بھی۔ موجودہ اسلامی ممالک یا مسلمانوں کے ملک ایک انتظامی وحدت اور بین الاقوامی ضرورت کے طور پر الگ الگ ملک رہ سکتے ہیں۔ لیکن ان میں اسلامی نظام کا نفاذ ایک جیسا ہو۔ لیکن اگر ایک طرف ہم کامن ویلتھ کا حصہ ہوں دوسری طرف ہندوؤں کی طرح زمین، ملک اور خطہ کی پوجا شروع کر دیں اور تیسری طرف ترکوں نے جس طرح کمال ترکی کو اپنا باپ بنادیا۔ اور ترک نیشنلزم کے نام پر ایک بے دین ریاست کے قیام کا اعلان کیا۔ اور جیسے باقی مسلمان، عرب، ترک، افغان، ایرانی یا جغرافیائی قومیتیں اختیار کر گئے۔ ہم بھی پاکستانی قومیت کو اول حیثیت دیں۔ تو یہ ملک ہرگز قائم نہیں رہ سکتا۔ اور اسی وجہ سے دولخت ہو چکا ہے۔ اور کل ہم چار قومیتوں کے نام اور اب مہاجر قومیت یا سرائیکی قومیت کے تحت معلوم نہیں کتنی قوموں یا ممالک میں بٹ سکتے ہیں۔ اور پھر کشمیری پاکستان کے ساتھ کیوں شامل ہوں۔ وہ بھی الگ قوم ہیں۔ یا قومیت ہیں۔ تو خود مختار کشمیر کا نعرہ اس لحاظ سے ٹھیک ہے۔ تو یہ غلط قومیت اختیار کرنے کیلئے لیاقت علی کے ساتھ اس انگریزوں کی تیار کردہ کھیپ میں سے سکندر مرزا، عزیز احمد برادراں کے علاوہ غلام محمد، مشتاق گورمانی اور چودھری محمد علی وغیرہ سب لوگوں کو مغربی لابی کا آدمی مانا جاتا ہے۔ اور دوسرے درجہ پر سرکاری نوکروں کا ایک جم غفیر کالے انگریزوں کی شکل میں ہمارے حکمران بن گئے اور اب تک ہیں۔ تو اس خطہ میں نہ کبھی سیاسی استحکام آسکتا ہے۔ اور نہ ہم کوئی غیرتمند قوم بن سکتے ہیں کہ ہمارے ہاں بھانت بھانت کی بولیاں ہیں۔ اس مغربی کھیپ میں ۱۹۵۱ء میں جنرل ایوب کا اضافہ بھی ہوگیا۔ اور فوج میں پہلے ہی کافی کالے انگریز موجود تھے۔ اور ہم فوجیوں نے تو انگریز کی نقالی میں، انگریزوں کی روایات، طرز زندگی، میسوں اور کلبوں میں ایک ایسی طرز زندگی

اختیار کرلی کہ ہر فوجی چھاؤنی اسی طرح "لٹل یورپ" نظر آتی رہی جس طرح انگریزوں کے زمانے میں تھی تو ہم یورپ کے ہمیشہ غلام رہیں گے۔

ایوب خان کا اوپر آنا

جنرل اکبر خان رنگروٹ جو اسلام کی طرف مائل تھے اور ان کے ساتھ والے جنرل کری آپا کو بھارتیوں نے ۱۹۴۹ء میں اپنی بری فوج کی سربراہی دے دی۔ لیکن اکبر خان چونکہ فلسفہ جہاد کو اپنانا چاہتا تھا تو انگریزوں نے جاتے جاتے اکبر خان سے ۸ سال جونیر ایوب خان کو ۱۹۵۱ء میں بری فوج کی سربراہی دلوادی۔ ان صاحب کو ۱۹۴۴ء کے آخری دنوں میں برہما محاذ پر ان کے ڈویژن کمانڈر میجر جنرل ریسس نے راقم کی آنکھوں کے سامنے کرنل سے میجر بنا کر دہلی بھیج دیا، کہ یہ آدمی لڑائی میں پلٹن کی کمانڈ نہیں کر سکتا۔ اور پھر ۱۹۴۷ء میں باؤنڈری فورس میں ایوب خان برگیڈیئر کے طور پر بری طرح ناکام ہوا۔ لیکن اپنی بد قسمتی کہ باقی بھی کچھ ایسے ہی تھے۔ جنرل افتخار خان جو ۱۹۴۹ء کے ہوائی حادثہ میں ہلاک ہوئے اور اکبر۔ خان رنگروٹ کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے بارے میں مشہور کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے سربراہ بنتے۔ یہ ساری کہانی جنرل گریسی کی سیالکوٹ میں ایک تقریر کی غلط رپورٹنگ کی وجہ سے اخباروں میں شائع ہوگئی۔ اور راقم بھی اس دن جنرل گریسی کے ساتھ تھا اور پوری کہانی میری کتاب تاشقند کے اصلی راز [14] میں ہے کہ گریسی اس پر سیخ پا بھی ہوا۔ لیکن بعد میں اس میں گریسی کو اپنی نوکری بڑھتی نظر آئی تو تردید اس بہانے سے نہ کی کہ مرے ہوئے کیلئے جو اچھے لفظ شائع ہوجائیں۔ ان کی تردید نہیں کرنا چاہیئے۔ افتخار، اپنے بڑے بھائی اکبر خان سے بالکل مختلف ایک ماڈرن برائے نام مسلمان تھا۔ اور سیالکوٹ محاذ پر اس نے مجاہدین پر جھاڑو پھرایا تھا۔ مجھے ان صاحب کی ذاتی واقفیت ہے۔ وہ ایوب کی نسبت زیادہ انگریز پرست ہوتا۔ اور اپنوں کیلئے "قصائی" کی طرح تھا۔ ایوب میں تو پھر بھی کافی رکھ رکھاؤ تھا۔ بہرحال باقی یعنی نذیر احمد قادیانی یا آغا رضا سے بھی اسلام کی کسی خدمت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ اور گو ستمبر ۶۵ء اور دسمبر ۷۱ء کی جنگوں نے فوج کے ماحول میں کافی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ لیکن افسوس اب تک فوج والے بھی مغربی فلسفہ دفاع کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں، جس نے "اپنا واٹرلو" آج سے چوبیس سال پہلے ویٹ نام میں دیکھ لیا تھا۔ کہ عوامی فوج کے آگے نہ ٹھہر سکا۔ اور اب دنیا کی

سب سے بڑی عوامی فوج والی ایک سپر پاور والے افغانستان میں فلسفہ جہاد کے پاکیزہ عمل سے مار کھا گئے ہیں۔ دعا کریں کہ ہماری قوم اور فوج کو یہ سمجھ آجائے کہ اس ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کا دفاع صرف جہاد کے ذریعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر ہم جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنائیں تو کشمیر تو معمولی بات ہے۔ ساری امت کو اکٹھا کرنے کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ کہ ہر مسلمان کو چلتا پھرتا اسلام بننا ہوگا۔ افغانستان میں ہماری کامیابی جہاد اصغر کیوجہ سے ہوئی۔ لیکن چونکہ جہاد اکبر کے نظریہ سے وہ لوگ بھی نابلد ہیں۔ تو وہاں حالات صحیح نہیں ہو رہے۔

کشمیر میں عزت اور بہادری سے لڑنے والے کال کوٹھڑی میں۔ کوتاہیاں اور غداریاں کرنے والوں کے لئے بہادری کے تمغے [۱۵]

جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا اس پر جب دھیان دیا جائے تو آدمی حیران ہوتا کہ یہ ہماری ہی قوم ہے جو اس قسم کی باتوں کو برداشت کر رہی ہے۔ یا ہم بالکل بے جان اور بے حس قوم ہیں۔ اور مجھ جیسے جو اکبر اللہ آبادی کے طرح ابلیس کو "شیطان" کہہ دیتے ہیں ان کو "انتہا پسند" "متشدد" اور "پاگل" کہا جاتا ہے۔ اب اکبر خان طارق جن کے ذکر سے پوری کتاب بھری ہے۔ اور بریگیڈیئر صدیق۔ سی کا پونچھ محاذ کے دو ابواب میں اہم کردار کا ذکر ہے یا کرنل حسن مرزا، جس نے گلگت کو آزاد کرایا، اور شمالی علاقہ جات کی جنگوں کے روح رواں تھے۔ اور ان تینوں کو انگریز نے بھی دوسری جنگ عظیم میں بہادری کے تمغے دیئے۔ ان تینوں کو ہماری حکومت نے مارچ ۱۹۵۱ء میں کال کوٹھڑی میں ڈال دیا۔ جس کہانی کا اختصار ضمیمہ "ج" پر ہے۔ بریگیڈیئر نوشیروان جو ٹھوال محاذ پر چنج کی فتح کے روح رواں تھے، ان کو بھی اس راولپنڈی سازش کے مقدمہ میں ملوث کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ لیکن کسی طرح کوئی ثبوت نہ گھڑا جاسکا، تو کہا کہ نوشیروان کو ان مقدمہ میں ملوث ہونے والوں کیساتھ ہمدردی ہے تو بریگیڈیئر کے عہدہ سے ان کو ہٹا کر کرنل بنا دیا۔ اور انہوں نے باقی نوکری کرنل کے طور پر یا مقامی بریگیڈیئر کے طور پر غیر اہم جگہوں پر کی۔ ہندواڑہ محاذ کے روح رواں اور بعد میں بجلی سیکٹر کمانڈر کرنل شیر محمد (کرنل خالد) اور پانڈو کی جنگ کے ہیرو و میجر (بعد میں کرنل) حفیظ آفریدی کیلئے تو راولپنڈی سازش کے

مقدمہ میں ملوث کرنے کیلئے گواہیاں بھی تیار ہو گئیں۔ لیکن فیض احمد فیض اور چند "فیلو ٹریولرز" کو سازش کے مقدمہ میں شامل کر کے اس مقدمہ کے تانے بانے سوشلسٹ دنیا سے ملا دیئے گئے تھے۔ اور شیر محمد اور حفیظ آفریدی سخت مذہبی آدمی تھے۔ اس لئے ان کو مقدمہ میں تو نہ شامل کیا جاسکا، لیکن ان کی ترقی روک دی گئی۔ اور ایوب خان نے اپنی کتاب فرینڈز ناٹ ماسٹر میں "تسلیم" کیا، کہ ان کو ان کے "قد" کے مطابق "تراش" دیا گیا۔ اب کشمیر میں بہادری کا پہلا ہلال جرأت فیلڈ مارشل ایوب خان کو دیا گیا جس نے کشمیر میں قدم بھی نہ رکھا۔ دوسرا میجر جنرل حیاء الدین کو دیا گیا، جس نے پونچھ میں عارضی فائر بندی کی سازش کو پروان چڑھایا کہ بھارتی محاصرین کو ہتھیار مہیا ہو جائیں۔ تیسرا تمغہ میجر جنرل نوابزادہ شیر علی کو دیا۔ جس نے آتش بازی کے ڈرامہ کی نگرانی کی، کہ دونوں ملکوں میں فائر بندی سے جہاد کو پکا جمود دلوایا۔ اور چوتھا ہلال جرأت بریگیڈیئر محمد اسلم کو دیا گیا۔ جس نے ان تمغوں کیلئے جھوٹی Citations (سفارشات) تیار کیں۔ اور اپنے آپ کو ایک وقت میں دو محاذوں پر دکھایا۔ اور شمالی علاقہ جات میں حالات کو بری طرح سے ہینڈل کیا۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں لوگوں نے تمغے حاصل کرنے کیلئے اتنے جھوٹ بولے۔ اور اخباروں میں اتنی جھوٹی کہانیاں شائع ہوئیں کہ صحیح حالات لکھنے کیلئے کئی کتابوں کی ضرورت ہے کہ کافی تفصیل میری کتاب تاشقند کے اصلی راز میں ہے [۱۶] اور جون ۱۹۹۴ء میں الطاف گوہر اخبار نوائے وقت میں لکھ چکا ہے کہ ایوب خان کو معلوم ہو گیا تھا کہ بہت جھوٹ بولے گئے۔ باقی کو تو چھوڑیں جنرل سرفراز اور بریگیڈیئر قیوم شیر جو ۵/۶ ستمبر کے رات کو نشے کی دھت میں سوئے ہوئے صبح نو بجے اٹھے۔ جب تین بھارتی حملے پسپا ہو گئے۔ اور جنگ کے آخری دنوں میں جو کچھ قیوم شیر نے کیا، اس کا کورٹ مارشل ہونا چاہیے تھا اور اس کا ذکر سینتیسویں باب میں، ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے کاروان میں نشے میں میں دھت رہنے والے یحییٰ خان جس کو ساری جنگ میں معلوم نہ تھا کہ کون کیا کر رہا ہے۔ ان تینوں کو ہلال جرأت مل گیا۔ میجر عزیز بھٹی شہید کے بارے خود جنرل موسیٰ نے تسلیم کیا کہ اور لوگوں نے اس سے بہتر کام کیا لیکن بھٹی کے کرنل قریشی کی انگریزی سے اثر لے کر اس کو نشان حیدر دے دیا گیا تھا۔ اب حقیقت یہ ہے کہ بھٹی کیلئے تو صرف ستارہ

جرأت کی سفارش کی گئی اور وہ بھی اس لئے کہ وہ شہید ہو گیا۔ ورنہ اس نے دشمن کو صرف ایک
دن " دیکھا " اور بی آر بی کے پیچھے اس کو ہوائی جہاز کی گولی لگ گئی اور وہ شہید ہو گیا اس کے
ساتھ توپخانہ کے اوپی نے بھٹی کی بہادری کی سفارشات پر گواہ کے طور پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا
لیکن سرفراز اور قیوم شیر کی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے لوگوں کی توجہ برکی محاذ کی طرف کر دی
گئی۔ کہ واہگہ محاذ پر جہاں اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اور بی آر بی کے آگے بہادری سے لڑتے
ہوئے گیارہ افسروں نے جام شہادت نوش کیا۔ اور صرف ہماری دو کمپنیوں سے ایک سو جوان
شہید ہوئے جن میں سے ۲۲ کے جسد خاکی بھی نہ مل سکے۔ اور سو زخمی ہوئے۔ لیکن وہاں بڑی
مشکل سے میں نے دو افسروں کو ستارہ جرأت دلوایا۔ اب ہمارے جاہل اور جنگ سے نابلد
دانشور جو کہانی لکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عزیز بھٹی لاہور کے دفاع کی چٹان بن گیا، اور اس اکیلے
نے بھارتیوں کے منہ پھیر دیئے۔ مجھے میجر جنرل تجمل حسین سے اتفاق ہے کہ جس طرح (۱۴)
ترک فوج میں بہادری کے تمغے نہیں دیئے جاتے، ہمارے ملک میں بھی یہ سب سولین اور فوجی
تمغوں والے معاملات کو ختم کیا جائے۔ کہ ہم نے ستمبر ۶۵ کی جنگ میں اتنے جھوٹ بولے کہ
دسمبر ۷۱ کی جنگ میں ہمارے سارے پول کھل گئے۔ مشرقی پاکستان میں ان "بہادروں" نے
نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوائے۔ اور مغربی پاکستان میں ذلت آمیز فائر بندی تسلیم کرنا
پڑی۔ ستمبر ۶۵ء کی کوتاہیوں اور جھوٹوں پر پردہ ڈالنے کیلئے اوپر والوں کے احکام کے تحت وار
ڈائیریاں جلا دینے کا حکم دیا۔ لیکن ۱۹۷۱ء نے سب پردے فاش کر دیئے۔

فوجی کمانڈر بری فوج میں ایوب خان کا جانشین جنرل محمد موسیٰ بنا جس نے سیالکوٹ محاذ
پر مجاہدین کے اوپر جھاڑو پھیر دیا۔ اور ایک دن بھی کشمیر کی لڑائی میں حصہ نہ لیا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء
سے پہلے ہماری فوج کو جو غلط قسم کی تربیت دی گئی یا ستمبر ۶۵ء میں جو کچھ ہوا تو جنرل محمد موسیٰ
اور جنرل عبدالحمید برہی کا کورٹ مارشل ضروری تھا اور میجر جنرل اختر ملک نے بھٹو کے ساتھ
مل کر سازش کرائی۔ ان سب باتوں پر تبصرے میری کتاب تاشقند کے اصلی راز میں موجود ہیں۔
لیکن اس سلسلہ میں اسی طرح پوری کہانی لکھنے کی ضرورت ہے کہ بریگیڈیئر گلزار احمد کے لڑکے
بریگیڈیئر فاروق احمد نے اختر ملک کی سکیم جبرالٹر کے عملی پہلوؤں اور تیاری کی اپنی کتاب میں

صحیح تصویر پیش کر کے، پوری سازش کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اور ہم خوامخواہ حمود الرحمن کمیشن
کی رپورٹ کے نہ شائع ہونے کا رونا روتے رہتے ہیں۔ کونسی چیز قوم کی نظروں میں سے پوشیدہ
ہے۔ بہرحال محمد موسیٰ کا جانشین جنرل یحییٰ خان کو بنایا گیا جس کا نائب اس کا "سایہ" جنرل
عبدالحمید برہی تھا۔ پاکستان کے افسروں کی زندگی میں کلب اور شراب کی طرح ڈالنے اور بے
حیائی کے کھلے مظاہرہ کے جو نمونے ان دونوں نے دیئے۔ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ کہ ایسے
لوگوں کو ہمارے سر پر بٹھایا گیا۔ کہ ان دونوں نے بھی کشمیر کی جنگ میں ایک دن حصہ نہ لیا
تھا۔ پھر اللہ تعالی نے ایسے ہی لوگوں سے ملک کو دولخت کرایا۔ حیرانگی کی بات ہے کہ لوگ یحییٰ
کے بارے کہا کرتے تھے کہ He is a Hell of man اور یہ انگریزی تہذیب کے
مطابق تعریفی کلمات تھے۔ لیکن ہمیں اس یحییٰ نے دوزخیوں سے بھی بد تر سزا دلوائی۔ جنرل
عبدالحمید کے بارے مشہور تھا کہ وہ اکاڈیمی کا گولڈ میڈیلسٹ ہے اور بڑا Genius اور
Wizard تھا۔ مجھے یہ شخص کبھی بھی متاثر نہ کر سکا۔ ۱۹۷۰ء میں میران شاہ کے مقام پر فرنٹیئر
کور میں شراب سے بھرے ڈین کپ پر سب سے پہلے منہ رکھنے کی رسم کی جب ان صاحب نے
پہل کی تو مجھے اپنے نانکوں کا ایک گورا بیل یاد آگیا کہ وہ تالاب سے پانی پیتے وقت اسی ادا میں
منہ رکھتا تھا جس ادا میں ڈین کپ پر جنرل حمید نے منہ رکھا۔ ۱۹۷۱ء میں جب ان کی پرانی یونٹ
راولپنڈی سے چھمب محاذ پر جانے لگی، تو حمید نے اپنے بیٹے کو یونٹ کے ساتھ نہ جانے دیا۔ ان
لوگوں نے ہمیں کیا لڑائی لڑانا تھی۔ ملک دولخت نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ لیکن افسوس سبق اب بھی
نہیں سیکھ رہے۔ اور ہماری یونٹیں ایسے غلط لوگوں کو اپنا رہنما سمجھتی ہیں۔

لیاقت اور منافقت ۱۹۴۹ء ہی میں لیاقت علی نے فوج کے ہر ایک کرنل کے عہدہ
کے برابر افسروں تک یہ احکام زبانی پہنچائے کہ فوج میں کسی آدمی کو شریعت کے نفاذ کے
بارے بات کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ کوہاٹ میں متعین ایک پلٹن کے کمانڈر کرنل۔
سلطان علی شاہ نے اس پر احتجاج کیا، تو بات پھیل گئی اور کئی لوگ اس احتجاج میں شریک
ہو گئے۔ چونکہ بات زبانی تھی تو پھر احکام کے الفاظ تبدیل کر دیئے۔ کہ مقصد یہ تھا کہ جن دینی
یا مذہبی پارٹیوں نے پاکستان کی مخالفت کی ہے، وہ غلط قسم کی شریعت کے نفاذ کے سلسلہ میں

فوج والوں کے پاس آئیں تو ان کو منہ نہ لگایا جائے۔ اور وزیر اعظم صحیح قسم کے اسلام پر ایک قرارداد مقاصد جلد آئین ساز اسمبلی میں پیش کریں گے۔ یہ قرارداد مقاصد ۱۹۴۹ء، ہماری اسلامی زندگی کا اتنا بڑا المیہ ہے کہ لوگ اب تک اس سازش کو نہیں سمجھے اور اس قرارداد کیلئے رطب اللسان ہیں۔ پاکستان کا ایک سابق جسٹس محمد منیر جو راقم کے لحاظ سے چھپا قادیانی یا بے دین آدمی تھا۔ اور Evil Genius (بد دانا) تھا۔ اس نے ۱۹۵۳ء کے قادیانی انکوائری کے بعد البتہ اپنی ایک نجی مجلس میں ایک بڑے پتے کی بات کہی۔ کہ ہمارا مولوی اتنا جاہل ہے کہ وہ قرارداد مقاصد کو اتنا بھی نہیں سمجھتا۔ کہ حاکمیت یا اللہ تعالی کی ہو سکتی ہے یا لوگوں کی! ہو سکتی ہے۔ دونوں کی نہیں، ہو سکتی اور قارئین اس قرارداد سے بڑھ کر کوئی مہمل مسودہ اس عاجز نے نہیں دیکھا اور اب اس قرارداد مقاصد کو اتنا اچھالا گیا ہے کہ ہمارے موجودہ آئین کا اس کو دیباچہ یا تمہید بنا دیا گیا ہے۔ اور قوم کے ساتھ یہ ایک اور فراڈ ہے۔ کہ یہ فیصلہ نہیں کہ یہ قرارداد قانون کا منبع ہے یا سر خیل ہے کہ پس " تمہید " ہے۔ ہمارے سپریم کورٹ میں یہ معاملہ زیر بحث آیا، کہ کیا ہمارا ۱۹۷۳ء کا آئین اس کے تابع ہے، تو نسیم حسن شاہ کی رپورٹ میں واضح طور پر لکھا گیا ہے۔ کہ اگر ہم اپنے موجودہ آئین کو اس " تمہید " کے تابع کرنا چاہیں تو سارا آئین تبدیل کرنا پڑے گا۔ پھر سپریم کورٹ میں بحث ہوئی کہ یہ معاملہ کیسے حل کیا جائے۔ تو اس وقت کے چیف جسٹس افضل ظلہ نے کہا کہ اس قرارداد کو آئین کیلئے اسلام کا " تڑکا " سمجھا جائے جب ضرورت پڑے تو اس اسلام کے تڑکے سے ضروری خوشبو حاصل کر لی جائے۔ اور ابھی ان اختلافوں پر مٹی ڈالی جائے۔ یعنی اللہ اور رسولؐ کے ساتھ فراڈ جاری رکھا جائے۔ بہر حال لیاقت علی نے قوم کے ساتھ کئی فراڈ کئے۔ کہ وہ کامن ویلتھ کی کانفرنس میں تب جائے گا کہ وہاں کشمیر کا معاملہ زیر بحث لایا جائے۔ اور ہماری جاہل قوم سے خراج تحسین حاصل کیا۔ کہ مسئلہ کشمیر زیر بحث لایا گیا۔ اور ۴۷ سالوں سے معاملہ " زیر بحث " ہے۔ حالانکہ یہ بھانڈا اس کے چھوٹے لڑکوں اشرف اور اکبر نے اسی زمانے میں پھوڑ دیا تھا کہ ڈیڈی اور ممی فلاں تاریخ ضرور لندن پہنچ جائیں گے۔ ۱۹۵۱ء میں بھارت کو " کہہ " دکھانے کا ڈرامہ کر کے بعد میں لیاقت نہرو سمجھوتہ کے تحت مسئلہ کشمیر کو سرد خانے میں ڈال دیا گیا۔ دراصل یہ سب کچھ اسی زمانے میں سول ملٹری

اخبار میں شائع ہو گیا۔ کہ کشمیر کی بانٹ پر موجودہ فائر بندی لائن پر لیاقت علی اور نہرو کے درمیان سمجھوتہ ہو چکا ہے۔ اور کسی اچھے وقت پر اس کا اعلان کر دیا جائے گا [۱۸]۔ تو اس زمانے میں کچھ دنوں کیلئے اس اخبار کو بند کر دیا گیا کہ ہمارا منہ بند کرنا تھا۔ اور قارئین یہی فیصلہ شملہ میں اندرا گاندھی اور بھٹو کے درمیان ہوا۔ اور فائر بندی لائن کا نام کنٹرول لائن رکھا۔ اور بعد میں اسی لائن نے بین الاقوامی سرحد بننا تھا۔ اور ہمارے اوپر والے ہمیں خواہ مخواہ بے وقوف بنا رہے ہیں جیسے آج ۱۳ مئی ۹۴ء کو میں جب یہ کچھ لکھ رہا تھا تو صدر فاروق لغاری کا بیان آیا، کہ ہم کنٹرول لائن کو بین الاقوامی سرحد نہ بنائیں گے۔ ایسا بیان دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ ہاں ایسا ہی کچھ ہو سکتا ہے ورنہ ایک مومن کی طرف سے ہر ایسے غلط شوشوں پر یہ رد عمل ہونا چاہیے کہ کشمیر سیاسی، روحانی، قانونی، جغرافیائی اور تاریخی لحاظ سے پاکستان کا حصہ ہے۔ اور غاصب بھارت کو وہاں سے نکالنے کیلئے ہمیں جلدی جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنانا چاہیے۔

لیاقت اور بھٹو ہماری جاہل قوم کو جتنا بے وقوف لیاقت علی اور بھٹو نے بنایا تو شیطان بھی ان کو مان گیا ہو گا کہ ان کے مرنے کے بعد بھی وہ ہماری جاہل قوم کے ہیرو ہیں اور لیاقت علی کے بارے کہا جاتا ہے کہ اس نے کوئی بنک بیلنس نہ چھوڑا۔ وہ تو کروڑوں روپے چھوڑ گیا تھا۔ کہ اس کے مرنے کے چند سال بعد، نوائے وقت مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۹۱ء کے مطابق، اس کے بیٹے اکبر لیاقت نے کروڑوں روپے کے تحفے دے کر گوا کی ایک حسینہ سے شادی کی۔ یہ کروڑوں روپے کہاں سے آئے؟ بھٹو نے ملک دولخت کرایا۔ ستمبر ۶۵ء میں ملک کے ساتھ غداری کی۔ تاشقند کے راز وہ اپنے ساتھ قبر میں لے گیا اور اس عاجز کو ظاہر کرنا پڑے۔ اب میں کیا کیا لکھوں۔ پہلے مسودے میں اس عاجز نے تقریباً دو سو صفحات کے چھ ابواب میں قوم کو اس سلسلہ میں جگانے کیلئے بہت کچھ مواد اکٹھا کیا تھا۔ جس کا اختصار ناممکن ہے لہٰذا گر سارا مواد اس کتاب کے ساتھ لگا دیا جائے۔ تو اس کتاب کے مقاصد اور بیانات غیر متوازن ہو جائیں گے۔ اس لئے اگلے باب میں صرف چند ضروری تبصروں پر اکتفا کر کے آخری باب میں اختتامی وضاحت اور نشان راہ کی چند جھلکیوں کے بعد اب اس کتاب کو اختتام پر پہنچانا ضروری ہو گیا ہے۔

حوالہ جات

(۱) ۔ ٹریجیڈی ان کشمیر صفحہ ۱۹۸ ۔ (۲) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۸۴ تا ۱۸۷ اور ۱۸۹ ۔ (۳) ۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۱۶۳ اور ۱۶۴ (۴) ۔ ایضاً صفحہ ۱۷۹ ۔ (۵) ۔ ایضاً صفحہ ۱۸۱ ۔ ۱۸۲ ۔ (۶) ۔ اکبر خان رنگروٹ کی غیر مطبوعہ کتاب صفحہ ۴۲ ۔ (۷) ۔ کشمیر کے حملہ آور صفحہ ۱۸۹ تا ۱۹۱ ۔ (۸) ۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۸۸ ۔ (۹) ۔ انگریز کیپٹن لمسڈن کا ذکر کتاب کے شروع ابواب میں کیپٹن لارنس وغیرہ کے ساتھ ہو چکا ہے ۔ کہ اس نے مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچایا ۔ اب ہماری فوج میں سیم براؤن کی پیٹی تو ختم کر دی گئی ہے ۔ لیکن ضیاء الحق جس کا تعلق گائیڈز رسالے سے تھا ۔ وہ مرتے دم تک لمسڈن کا پٹہ پہن کر لمسڈن کے ساتھ وفاداری دکھاتا رہا ۔ (۱۰) ۔ اکبر خان رنگروٹ کی کتاب کے دسویں باب کا صفحہ ۴ (۱۱) صفحہ ۵۹ اور ۶۰ ۔ (۱۲) ۔ اور ۔ (۱۳) پنڈورا باکس صفحہ ۲۰ ۔ (۱۴) ۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۵۲ ۔ ۵۳ ۔ (۱۵) ۔ پنڈورا باکس صفحہ ۱۳ اور ۱۴ ۔ (۱۶) ۔ تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۱۸۲ اور ۱۸۳ ۔ (۱۷) ۔ مائی سٹرگل از میجر جنرل تجمل حسین صفحات ۳، ۴، ۷۵، ۷ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں کہ نہ صرف عزیز بھٹی کو نشان حیدر بوگس اور غلط سفارش سے دیا گیا ۔ جی ایچ کیو والوں کو معلوم ہو گیا تھا ۷۰ فیصد بہادری کے تمغے غلط رپورٹوں پر دیئے گئے ۔ (۱۸) ۔ پنڈورا باکس صفحہ ۱۶

چھیالیسواں باب

چند تبصرے اور جائزے

ایک وضاحت ۱۹۷۱ء میں ہماری ذلت آمیز شکست پر ایک فرانسیسی جنرل نے تبصرہ کیا کہ پاکستانی فوج میں کیپٹن تو بہت اچھے ہیں ۔ لیکن کوئی اچھا جنرل نہیں ۔ خیر اس عاجز کے مطابق مشرقی پاکستان کی شکست فوجی ہونے کے علاوہ سیاسی بھی تھی اور فوج کو قربانی کا بکرا بنایا گیا اور اس عاجز نے ذوالفقار علی بھٹو کو فروری ۱۹۷۲ء میں ایوب ہال میں یہ سب کچھ اور سچ سنا کر فوج سے پنشن پر جانے کی درخواست کر دی، کہ اب وردی پہنتے بھی شرم آتی تھی ۔ اور میرے پلٹن وال لیفٹیننٹ جنرل غلام حسن مرحوم جو ان دنوں بریگیڈئیر تھے، اسلام آباد کے اپنے گھر سے جب راولپنڈی آتے تھے، تو ٹوپی بھی لال فیتے کے بغیر پہنتے تھے اور کالروں سے ریڈ گاگل بھی اتار کر جیب میں رکھ لیتے تھے ۔ کہ ایک دن راستے میں کار، رکی تو یہ سب کچھ پہنے ہوئے تھے تو ایک من چلے نے کہا، کہ یہ لال فیتے پہنتے شرم نہیں آتی ۔ ان کو فلاں جگہ...... رکھ لو ۔ بہرحال ۱۹۷۲ء میں میری نوکری کے آخری دن جنرل ٹکا خان نے ہمیں کچھ حوصلہ دینے کیلئے ایک اچھی تقریر کی ۔ لیکن فرانس کے جنرل کے جائزے کے ساتھ ان کو اختلاف تھا ۔ اور انہوں نے وضاحت کی کہ کہا جاتا ہے کہ ستمبر ۶۵ء کی جنگ کپتانوں اور میجروں نے لڑی ۔ وہی میجر ۱۹۷۱ء میں بریگیڈئیر تھے تو وہ خراب کیسے ہو گئے ؟ ۔

اس عاجز کا جواب اس عاجز نے جناب ٹکا خان کو عرض کی کہ اسی وضاحت سے جنرل ٹکا خان خود نے ثابت کر دیا ہے، کہ اچھے کیپٹن / میجر کو اوپر جانے کیلئے ایسا کردار اپنانا پڑ جاتا ہے کہ وہ بے کردار ہو کر وہاں پہنچ پاتا ہے یا وہاں پہنچ کر اس کو بے کردار ہونا پڑتا ہے ۔ قارئین! اس عقدہ کو سمجھنے کی کوشش کریں ۔ لیکن اب تو بد قسمتی سے ہمارے موجودہ ذرائع ابلاغ اور ٹی وی وغیرہ نے ہمیں بالکل ختم کر دیا ہے ۔ ممکن ہے کہ اچھے کیپٹن بھی اب مشکل سے مل سکیں ۔ گو بعض جگہوں سے بڑی اچھی خوشبوئیں آ رہی ہیں ۔

ذرائع ابلاغ سیاستدانوں، مولویوں اور فوجیوں کا کافی ذکر ہو چکا ہے۔ نوکر شاہی والوں کے کرتوت قوم کے سامنے ہیں۔ لیکن جو چھپا ہاتھ ادیبوں، صحافیوں، دانشوروں کی شکل میں یا جیسے سارے ذرائع ابلاغ والے قوم کا بیڑہ غرق کر رہے ہیں۔ وہ ایک الگ کتاب کا مضمون ہے یہ عاجز اتفاقاً یا حادثاتی طور پر اس گروہ کے ساتھ ۱۹۴۴ء سے "وابستہ" ہو گیا۔ مجھے معلوم ہے کہ باطل فلسفہ پر اسلام کے لیبل لگا کر، بھانت بھانت کی بولیاں بول کر مسٹر پاکستان بن کر۔ یا اپنی مرضی کا اسلام پیش کر کے جتنا ہمارا نقصان اس گروہ یعنی خاص کر صحافیوں نے کیا ہے، اتنا اور کسی نے نہیں کیا۔ ان لوگوں کو کہاں سے ہدایت ملتی ہے۔ یہ کس قماش کے لوگ ہیں یہ کچھ میری سمجھ سے باہر ہے۔ پولیس والے بھی ان کو رشوت دیتے ہیں کہ ان کے بارے "صحیح" خبر یا پولیس کی مرضی کے موافق خبر شائع کریں۔ اس ملے جلے گروہ میں جوش ملیح آبادی کے قسم کے لوگ تو "پہچانے" جاسکتے ہیں یا فیض احمد فیض اور ندیم قاسمی قسم کے لوگ، کہ ان میں سے اکثر منکر خدا ہیں یا باطل فلسفوں کے پجاری ہیں۔ لیکن جو بے حیائی روزنامہ اخبار جنگ نے پھیلائی ہے، وہ قوم کی نظروں سے اوجھل ہے۔ لیکن جو کچھ روزنامہ اخبار نوائے وقت سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ کر اور مسٹر پاکستان بن کر اپنی مرضی کا سرسید کا اسلام اپنا کر رسول عربیؐ کے اسلام کے نفاذ کے آگے بند باندھے ہوئے ہیں، اس کو کہیں بہت اونچی جگہ سے ہدایت اور حفاظت ملتی ہے کہ ایوب خان کو روک دیا گیا، کہ خبردار اخبار نوائے وقت کو نیشنل پریس۔ ٹرسٹ میں نہ شامل کرنا۔ اور نہ جنگ اور ڈان کو۔ میری آنکھوں کے سامنے ایوب خان نے حمید۔ نظامی کو اپنی "کشتی" پر سوار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن حمید نظامی نہ مانا۔ ایوب مایوس ہوا البتہ حمید نظامی کی موت پر اس کو کچھ تسلی ہوئی۔ لیکن مجید نظامی اس سے بڑھ کر نکلا۔ اور خود مجید۔ نظامی کی زبانی اس کی اپنی اخبار نوائے وقت مورخہ ۲۴ فروری ۹۴ء کو وہ کہتا ہے کہ بھٹو کو طاقت میں وہ لایا۔ الطاف قریشی، زاہد ملک، اور حسین حقانی جیسے "معمولی" آدمیوں کو کون چھپا ہاتھ اتنا اوپر لے گیا ہے۔ اور ہم ساری کتاب میں جو چھپے ہاتھ کا ذکر کرتے رہے ہیں بہتر ہے ان آخری ابواب میں اس پر کچھ تبصرہ ہو جائے۔

چھپے ہاتھ کی اصطلاح حضرت آدم و اولاد آدم کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے، جو ہم پر

چھپ کر حملے کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے "تحقیق وہ دیکھتا ہے تم کو اور اس کا قبیلہ اس جگہ سے جو تمہیں دکھائی نہیں دیتی" اللہ تعالیٰ اس شیطان کے ارادوں سے بھی ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ شیطان کہتا ہے "گھات لگا کر بیٹھوں گا صراط مستقیم پر اور حملہ کروں گا سامنے سے، عقب سے، دائیں سے اور بائیں سے" تو روز ازل سے فریب خوردہ حضرت انسان کو زندگی کے ہر موڑ پر چھپے ہاتھ کا خطرہ رہتا ہے۔ صدیوں پہلے، ہمارے اس زمانے کے لیڈروں کے بارے شاہ نعمت اللہ ولی فرما گئے تھے "رہبرز مسلماناں درپردہ یارانیاں۔ امداد دادہ باشد از عہد فاجرانہ" یعنی ہمارے راہنما دل سے دشمن کے ساتھ ملے ہوئے ہوں گے اور تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اہل اسلام کے خلاف یہ خفیہ ہاتھ ہمیشہ کارفرما رہا ہے۔ بنگال میں میر جعفر، دکن میں میر صادق، اور ۱۸۵۷ء میں دہلی میں مرزا الٰہی بخش اور انیسویں صدی کے آخر میں مرزا غلام کذاب اور سرسید احمد کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

جنرل چشتی کا انکشاف جنرل ضیاء الحق کے دست راست اور وزیر امور کشمیر لیفٹیننٹ۔ جنرل فیض علی چشتی مظفر آباد میں ایک پریس کانفرنس کر رہے تھے کہ معلوم نہیں، انہیں کیا خیال آیا کہ وہ کہنے لگے کہ اکثر لوگ "چھپے ہاتھوں" کا ذکر کرتے ہیں کہ اس نے یہ کر دیا۔ وہ کر دیا۔ اگر آپ لوگ وہ چھپا ہوا ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو تو وہ "یہ" ہے۔ اور جنرل صاحب نے اپنا ہاتھ بلند کر دیا۔ اور دو تین مرتبہ یہ بات دہرائی کہ وہ لوگ چھپا ہوا ہاتھ دیکھ لیں۔ بظاہر اس میں کوئی حکمت نظر نہیں آتی، کہ ایک پوشیدہ بات کو اس طرح سے مشتہر کیا جائے۔ نتیجتاً بعد میں بہت جلد موصوف کو کرسی اقتدار سے فارغ ہونا پڑا۔ کہ چھپے ہاتھوں کو چھپا رہنے کی ضرورت تھی اور چشتی جلد بازی کر بیٹھا۔

بھٹو کی "آقاؤں" سے بغاوت مسٹر بھٹو نے اپنے آقاؤں سے بغاوت کرتے ہوئے پاکستان میں ایٹمی توانائی کے حصول کی آزاد پالیسی اختیار کی تو اسے "چھپے ہاتھوں" نے ڈرایا دھمکایا۔ جب نہ مانا تو اسے پہلے ہی بتا دیا کہ اس کو موت کی سزا دی جائے گی۔ "غریب" بھٹو وہ کاغذ کا ٹکڑا اٹھا کر بازار میں آگیا اور لوگوں کو بتانے لگا۔ کہ لوگو دیکھو یہ امریکن مجھے مارنا [۱] چاہتے ہیں۔ میں پاکستان کا وفادار ہوں۔ عوام میں یہ ڈرامہ رچانے سے اسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

اور آخر کار جولائی ۱۹۷۷ء کی ایک رات "چھپے ہاتھوں" نے شبخون مارا۔ اور مسٹر بھٹو کو قید کر لیا گیا۔ ملک میں مارشل لاء لگ گیا۔ اور جنرل ضیاء الحق نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے طور پر اپنی مونچھوں کو بار بار تاؤ دے کر ٹی وی پر قوم سے خطاب کیا، کہ ۱۹۷۱ء کی ذلت آمیز شکست کے بعد اس فوجی جنرل کو بڑی کوئی کامیابی نصیب ہوئی۔ بہر حال دو سال کی عدالتی کارروائی کے بعد مسٹر بھٹو کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اور ۱۹۸۸ء میں پھانسی لٹکانے والے کے بھی پرزے اڑا دیئے گئے۔ "حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں" بھٹو نے کال کوٹھڑی میں اپنے وکیل دوست محمد اعوان کو بتایا کہ ایک غیر معروف میجر نے ایوب ہال کی کھلی مجلس میں اس کو دسمبر ۱۹۷۱ء اور فروری ۱۹۷۲ء میں "آگاہ" کیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔ افسوس، کہ اس کا ان باتوں کی طرف دھیان نہ تھا۔ ضیاء الحق جو میرے چھوٹے بھائیوں کی طرح تھا اس کو بھی میں نے بہت "سمجھایا" کہ بھٹو پر ستمبر ۶۵ء کی غداریوں اور ملک دولخت کرنے کا مقدمہ چلاؤ لیکن "چھپے ہاتھوں" نے اس کو اس کی اجازت نہ دی [۳]۔ ضیاء الحق کو اس عاجز نے اسلام کے نفاذ کے بارے بھی بہت کچھ لکھا [۴]۔ پھر جب ضیاء الحق نے میجر جنرل شوکت رضا کو پاکستان آرمی کی تاریخ لکھنے کیلئے مقرر کیا، تو اس سلسلہ میں اس عاجز نے ضیاء الحق کو جو خط لکھا اس کی کچھ جھلکیاں ضمیمہ "ر" پر دی جا رہی ہیں اور افسوس ضیاء الحق نے ہمیں کچھ بھی نہ دیا۔ اور وہ گیارہ سال اسلام کے ساتھ فراڈ کرتا رہا۔ جو آدمی بھٹو کو پھانسی لگا سکتا تھا، کیا وہ ملک میں اسلام نافذ نہ کر سکتا تھا؟ ظاہر ہے وہ صرف وہ کچھ کرتا تھا جس کی "چھپے ہاتھ" اجازت دیتے۔ میری سب سے بڑی حیرانگی یہ ہے۔ کہ مارشل لاء لگانے سے پہلے میں جہاں کھڑا ہوتا تھا، وہ وہاں خود چل کر آتا اور مجھے ملتا تھا۔ لیکن بعد میں اس عاجز نے ایک دفعہ جنرل محمد اقبال وغیرہ کو بتایا، کہ جہاں میں کھڑا ہوتا تھا، اس سارے علاقے کی طرف وہ ایسی بے رخی اختیار کرتا تھا۔ کہ ایک دو افطاریوں پر جس صف میں کھڑا ہو کر میں نماز پڑھتا تھا۔ ضیاء الحق، اس صف کو بھی چھوڑ دیتا تھا۔ مجھ چھوٹے سے آدمی سے اس نے ڈرنا تو کیا تھا۔ شاید اوپر سے "احکام" ایسے تھے [۵]۔ بہر حال ضیاء الحق کے حق میں صرف ایک بات جاتی ہے۔ کہ بھارت والے اس کو پسند نہ کرتے تھے۔ تو اس میں کچھ نہ کچھ ایمان ضرور تھا کہ سورۃ فتح کے الفاظ (لیغیظ بھم الکفار) کے معیار پر وہ پورا اترتا تھا۔

ادھر ہم ادھر تم بھٹو نے ادھر ہم ادھر تم کا نعرہ لگا کر شیخ مجیب کے ساتھ مل کر پاکستان کو دولخت کیا، تاکہ بلا شرکت غیرے وہ موجودہ پاکستان کا حکمران بن سکے۔ تو یہاں کچھ اور چھپے ہاتھ بھی سامنے آتے ہیں کہ وہ بھی اس سازش میں شامل تھے۔ ایک نوائے وقت کا مجید نظامی جو اپنی اخبار میں اس "جرم" کا اعتراف کر چکا ہے۔ اور میرے پاس ثبوت موجود ہیں کہ بھٹو کو نکالنے کیلئے ۱۹۷۷ء میں جو تحریک شروع ہوئی کہ انتخابات میں دھاندلی ہوئی، وہ بھی نوائے وقت اخبار نے شروع کرائی۔ دوسرا چھپا ہاتھ یا چھپے ہاتھ ہارون برادرز ہیں کہ ان میں سے ایک آج بھی سندھ کا گورنر ہے۔ مجیب ان کا تنخواہ دار تھا۔ تو ڈان اخبار بھی "چھپے ہاتھوں" میں شامل ہے، تب ہی ایوب بھی ان کو نیشنل پریس ٹرسٹ میں نہ شامل کر سکا۔ اور جنگ اخبار نے جس دن سے بے حیائی کا پرچار شروع کیا [۶] اس دن سے وہ چھپے ہاتھوں میں شامل ہے۔ ذوالفقار بھٹو تو ۱۹۶۲ء سے خفیہ ہاتھوں کا "چیف" بن چکا تھا۔ کہ چین سے جب بھارتیوں نے نیفا میں ذلت آمیز شکست کھائی تو ایوب خان نے امریکہ کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا، کہ بھارتی فوج، مشرقی پاکستان سے گزر کر آسام کی اپنی سرحدوں کا دفاع کرے۔ اس وقت کے چین کے وزیر اعظم چو این لائی، جو پاکستان کے مخلص دوست تھے، انہوں نے ایوب خان کو آگاہ کیا کہ بھٹو اس کی آستینوں میں سانپ ہے۔ یہی کچھ اس عاجز نے اختر ایوب کو اور نواب کالا باغ نے خود ایوب کو بتایا تھا [۷] اب امریکہ نے بھارت کو ساز و سامان سے بھر دیا تھا۔ اور بھارتیوں کا مورال بحال کرنے کیلئے ۱۹۶۵ء کی پاک۔ بھارت جنگ کا ڈرامہ رچایا گیا۔ کہ خفیہ ہاتھوں نے یعنی بھٹو اور میجر جنرل اختر ملک نے ایوب خان کو جنگ میں دھکا دے دیا [۸] کہ ۱۹۵۴ء میں اختر ملک سے سینئر اور کشمیر کی جنگ کے آزمودہ کار کرنل شیر محمد نے جب ایوب خان کو گوریلا کارروائیوں کا مشورہ دیا، تو ایوب کا جواب تھا کہ پاکستان بھارت کے ساتھ جنگ مول نہیں لے سکتا [۹]۔ بہر حال ستمبر ۶۵ء کی جنگ کی فائر بندی خفیہ ہاتھوں نے اس شرط پر کرائی کہ ایوب خان کو بھٹو کے حق میں معزول کیا جائے۔ دراصل بھارتی وزیر اعظم شاستری بھی جنگ میں نہ کودرہا تھا۔ تو خفیہ ہاتھوں نے بھارت کے فوجی افسروں کو سولین کپڑے پہنا کر اور اپنی جیپوں کے ڈرائیور بنا کر ستمبر ۶/۵ کی شام کو تھانہ مناواں تک سارا محاذ دکھایا۔ کہ پاکستانی فوج چھاؤنی میں ہے۔

ان افسروں نے جنرل ہربخش سنگھ کے ذریعے سے یہ رپورٹ دہلی پہنچائی ۔ جہاں جنرل چودھری اور گلزاری لعل نے بڑی مشکل سے شاستری کو جنگ میں دھکا دیا[10] ۔ لیکن بھارتی فوج آگے نہ بڑھ سکی ۔ کہ ہم نے حکم عدولی[11] کی ۔ اور راقم کی یونٹ سمیت کئی یونٹوں کے لوگ ۵/۶ ستمبر آدھی رات تک آگے والے مورچوں میں پہنچ گئے تھے ۔ اور ۶ ستمبر صبح کو ہم نے جو بھارتی قیدی پکڑے وہ حیران تھے کہ ان کو بتایا گیا تھا کہ پاکستانی افواج چھاؤنی میں ہیں ۔ اور یہ بات آدھی ٹھیک بھی تھی کہ ۶ ستمبر صبح سورج نکلتے وقت بریگیڈیر قیوم شیر کے بریگیڈ کی کئی یونٹیں پی ٹی کر رہی تھیں اور ہم اس وقت تک بھارتیوں کے دو حملے پسپا کر چکے تھے ۔ لاہور تو بچ گیا لیکن جن چھپے ہاتھوں نے فوج کو چھاؤنی میں رہنے کا حکم دیا یا دلوایا ۔ وہ اتنے مضبوط تھے کہ کسی کو ان پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہ ہوئی ۔

۱۹۵۸ء کا مارشل لا اس سے پہلے ۱۹۵۸ء میں مارشل لا لگانے والے سکندر مرزا کا اپنا پتا جلد کٹ گیا ۔ اور جب اس کو قصر صدارت سے پکڑ کر ہوائی اڈہ پر لایا گیا تو اس کی سخت کوشش اور آسٹریلیا کے ہائی کمشنر میجر جنرل کاتھوران[12] جن کا ذکر کئی ابواب میں اور خاص کر آٹھویں اور چوالیسویں ابواب میں ہو چکا ہے کہ برٹش خفیہ سروس کا وہ خاص آدمی تھا، اس کی کوشش سے دونوں کی ملاقات کراچی ہوائی اڈہ پر ہوئی ۔ تو سکندر مرزا اس پر برس پڑا " کہ حرامی مجھے اتنا بھی نہ بتایا میں اب نمبرون نہیں رہا " کاتھورن نے کہا " خدارا الیگزنڈر اس تبدیلی سے میں بے خبر ہوں " تو ظاہر ہوا کہ یہ کوئی خاص ٹولہ ہے جس میں سکندر مرزا نمبرون چلا آرہا تھا ۔ اور بظاہر وہ جگہ ایوب خان کو مل گئی ۔ بہرحال یہ چھپے ہاتھ متعدد گھوڑے بیک وقت " میدان " میں رکھتے ہیں ۔ اس عاجز کے جائزے کے مطابق ۔ اصلی آدمی ایک " بادشاہ گر " کے طور بھی ہوتا ہے ۔ جو عزیز احمد تھا اور سویلین ہوتے ہوئے ایوب خان کا ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن گیا ۔ پھر اس کو بھٹو کے ساتھ " وابستہ " کر دیا گیا کہ ۱۹۶۵ء میں یہی آدمی بھٹو کے ساتھ خارجہ سیکرٹری تھا ۔ کہ ان دونوں نے سرحدوں کو خالی رکھ کر لاہور بھارت کو پلیٹ پر دینے کی سازش کی اور اس عاجز کے پاس ایسے ثبوت موجود ہیں کہ میں یہ کچھ کسی بھی عدالت میں ثابت کر سکتا ہوں اور اپنی دونوں کتابوں تاشقند کے اصلی راز اور پنڈورا باکس میں سب کچھ لکھ چکا ہوں ۔ کہ یہی آدمی

جب بھٹو، صدر اور وزیر اعظم بنا تو بھٹو کا وزیر دفاع اور وزیر خارجہ تھا ۔ ضیاء الحق نے بھٹو پر تو ہاتھ ڈال لیا تھا ۔ لیکن اس کی طرف ضیاء کو " چھپے ہاتھوں " نے میلی آنکھوں سے بھی نہ دیکھنے دیا کہ یہ " بادشاہ گری " کا چارج اپنے نائب غلام اسحق کو دے چکا تھا اور وہی ضیاء الحق کو لے آیا ۔ غلام اسحق کو کب اس " بادشاہ گری " سے ہٹایا گیا، کہ بظاہر اس کا نمبرون بن جانا ایک " حادثہ " ہے ۔ کہ تجویز کے مطابق ضیاء الحق کی جگہ چھپے قادیانی جنرل اختر عبدالرحمن نے لینا تھی جس نے اس جہاز میں نہ ہونا تھا جو تباہ کر دیا گیا ۔ بہرحال بعد میں چھپے ہاتھوں کی تجویز کے مطابق آصف نواز کو ایوب ثانی بنا کر بظاہر نمبرون بنانا تھا ۔ اور بادشاہ گری کا کام معین قریشی کے پاس ہے ۔ نواز شریف اور بے نظیر بہت چھوٹے " مہرے " ہیں ۔ اور یہ سب پیش بینیاں یہ عاجز اپنے متعدد خطوط میں کر چکا ہے اور یہ باتیں میری کتاب پنڈورا باکس کا حصہ ہیں ۔

ہمارے منہ پر تھپڑ دراصل لارڈ میکالے اور سر سید کی تعلیم کے اثرات کے تحت ہم نے جو اللہ اور رسولؐ کے ساتھ اس زمانے کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت میں غداری کی، تو یہ محض ایک اتفاق نہیں، کہ ایک شخص سکندر مرزا ہمارا گورنر جنرل بھی بنا اور پہلا صدر بھی ۔ یہ قدرت نے ہمارے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا تھا، کہ بے غیر تو، تمہارا علاج یہی ہے کہ غدار ابن غدار کو سلامیاں دیتے پھرو ۔ کہ سکندر مرزا، اس خطہ کے پہلے غدار میر جعفر کی پانچویں یا چھٹی پشت سے تھا ۔ لیکن یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا موجودہ صدر سمیت ہمارے اکثر " راہنما " ان کی اولاد سے ہیں جو انگریزوں کے " میر جعفر " تھے ۔ اور مسٹر بھٹو جس نے لاہور بھارت کو دینے کی غداری کی اور ملک کو دولخت کرایا ۔ ہمیں اس کو بھی سلامیاں دینا پڑیں اور اب اس کی بیٹی کچی بچی بے نظیر کو بھی سلامیاں دے رہے ہیں حالانکہ اسلام نے تو عورت کی سربراہی کو بھی ناپسندیدہ عمل کہا ہے ۔ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا تو اس سلسلہ میں ہمیں کچھ پس منظر میں جانا ہوگا ۔

فرنگی اقتدار کے اثرات انگریزی اقتدار کی تعلیم نے ہمارے بچ بابو، وکیل، اور کچھ ڈاکٹر وغیرہ پیدا کئے ۔ منصف اور قاضی غائب ہو گئے ۔ مجسٹریٹ اور وکیل عدلیہ پر چھا گئے ۔ اور گورنر ۔ ڈپٹی کمشنر و تحصیلدار وغیرہ انتظامیہ پر چھا گئے ۔ پھر کچھ اسمبلیاں بنائیں اور ایک نئی

مخلوق یعنی سیاستدانوں کا ظہور ہوا، جہاں دروغ گوئی، مکروفریب، بہانہ بازی، حیلہ جوئی، اور
حرام خوری جیسی مکروہ صفات ان سیاستدانوں کے ساتھ چمٹ کر رہ گئیں۔ اور وطنیت کے
فلسفہ کو ایسے اجاگر کیا گیا، کہ ایک دفعہ تو علامہ اقبال بھی پکار اٹھا "ہندی ہیں ہم وطن ہے
ہندوستان ہمارا"۔ انگریز کو اس متحدہ قومیت سے کچھ خطرہ ضرور محسوس ہوا۔ کہ اس برصغیر میں
سرسید وغیرہ نے عربی و فارسی کی جگہ اردو اور ہندی اور مسلمانوں کی محدود قومیت کا پرچار ضرور
کیا۔ کہ اس طرح انگریز کو خیال یہ ہوا کہ ہندو قومیت اور مسلمانوں کی ہند میں الگ قومیت
والوں کو لڑا کر وہ اپنے طریقوں کی مدد سے یہاں آئینی حکومت کرتا رہے گا۔ کہ اس کے اپنے
ملک میں بھی جمہوریت آگئی تھی۔ اور لارڈوں کی بجائے پہلی جنگ عظیم میں مسٹر لائڈ جارج
کے وزیر اعظم ہوجانے سے مسٹروں کی حکومت اور جمہوریت اس سلطنت کے بھی ٹکڑے
کرنے والی تھی جہاں سے سورج بھی غروب نہ ہوتا تھا۔

انگریزوں کی مجبوری

بہرحال دوسری جنگ عظیم نے انگریزوں کو مجبور کردیا، کہ
برطانوی ہند کی فوج میں صوبیدار میجروں تک کالے لوگوں کو محدود کرنے کی بجائے کافی
لوگوں کو افسر بنانا پڑ گیا۔ اور ملایا۔ سنگاپور میں برطانوی ہند فوج کے قیدیوں کے سبھاش چندر
کی آزاد فوج میں شامل ہوجانے کی وجہ سے یا بحری فوج کی بمبئی میں بغاوت، اور سگنلز کور کی
جبل پور میں بغاوت نے انگریز کو مجبور کردیا کہ وہ یہ ملک چھوڑ دیں [۱۳]۔ کہ ہم نے انگریزوں کو
صاف طور پر بتانا شروع کردیا تھا کہ اب وہ یہاں نہیں رہ سکتے۔ تو چالاک اور مکار انگریز نے ہر
وہ حیلہ استعمال کیا کہ یہاں ان کے اثرات رہیں۔ اور اس سلسلہ میں یہ عاجز اس کتاب میں
بہت کچھ لکھ چکا ہے۔ افسوسناک بات البتہ یہ ہے کہ ہم فرنگیوں کی اس سازش کو سمجھنے کو تیار
نہیں حالانکہ صوفی بزرگ شاہ نعمت اللہ ولی ہمیں اس زمانے کے بارے تنبیہہ بھی کر گئے۔

خون جگر بنوشم یار نجا تو گویم۔ للہ ترک گرداں ایں طرز رہبانہ
عجلت اگر بخواہی نصرت اگر بخواہی۔ کن پیروی خدا را احکام قدسیانہ

یعنی میں خون جگر پیتے ہوئے بڑے رنج کے ساتھ تجھے کہتا ہوں کہ اللہ واسطے عیسائیوں کے طور
طریقے چھوڑ دو اگر جلدی چاہتے ہو اور اللہ کی مدد چاہتے ہو تو خدارا قانون خداوندی پر عمل کرو۔

اب کیا ہوا؟

۱۹۴۹ء کی قرارداد مقاصد کے بارے پچھلے باب میں گزارش ہو چکی ہے کہ
اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے آئین اور قانون پر عمل کرنے کے طریق کار وضع کرنے کی بجائے ہم
نے لوگوں کو اللہ کا شریک بنالیا ہے۔ یہ ایک طرح سے عوام کو بے وقوف بنایا جارہا تھا کہ ان
کا نام استعمال کرکے بددیانت سیاستدان اور نوکر شاہی والے اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے تھے۔
اب جو کچھ ہوا اس سب کی چند جھلکیاں میری کتاب پنڈورا باکس میں ہیں۔ اور اختصار سے
ساری کہانی کو اپنی کتاب تاشقند کے اصلی راز میں بیان کردیا ہے۔ کہ تاشقند کے راز کے نام پر
خواہ مخواہ بھٹو نے قوم کو بے وقوف بنایا۔ اور اصلی رازوں کے بارے یہ عاجز اس کتاب میں بھی
بہت کچھ لکھ چکا ہے۔ صرف چند تانے بانے ملانے باقی رہ گئے ہیں۔ کہ ۱۹۵۰ میں موجودہ آغاخان
کا دادا سر سلطان احمد پاکستان آیا۔ بے شک وہ انگریزوں کی لابی کا آدمی مانا جاتا تھا۔ لیکن بڑا مدبر
آدمی تھا، کہ ہمیں سمجھایا کہ پاکستان میں اسلام وہ نافذ کریں جو پہلے سو سالوں یا چالیس سالوں
میں تھا۔ اور قومی زبان کے طور پر عربی کو اپنائیں۔ اگر ہم اس کی بات مان لیتے تو آج ساری
امت یک زبان ہوکر اسلامستان کے طور پر ایک وحدت ہوتی۔ لیکن ہمارے ملک میں اس
زمانے میں گنگا جمنی لوگوں کا اتنا زور تھا کہ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو بھی اردو کے زیراثر کرنا
چاہتے تھے۔ تو بنگال میں بنگالی زبان کی تحریک چل پڑی۔ ۱۹۵۲ء کے مشرقی پاکستان کے لسانی
جھگڑے نے جس کا یہ عاجز چشم دید گواہ ہے کہ حالات میں نے اسلام کا نام لے کر کنٹرول کئے۔
لیکن انہی دنوں ملک کے دولخت ہونے کی بنیاد بندھ گئی تھی۔ اب یہ گنگا جمنی لوگ یہاں اسلام
بھی مغل اور اودھ کی مردہ تہذیب والے کو انگریزیت کا "تڑکا" لگا کر نافذ کرنا چاہتے تھے اور
لیاقت علی کی قرارداد مقاصد کو یہ لوگ قرآن پاک کی آیات سے بھی اوپر لے گئے کہ جناب کمال
ہوگیا۔ پہلی دفعہ کسی آدمی نے اسلام کو وقت کے لحاظ سے صحیح "جبہ" پہنا کر دنیا کے سامنے پیش
کیا ہے۔ اور میری ہزار کوششوں کے باوجود کہ یہ قرارداد اسلام کے ساتھ غداری ہے میرا
دوست اور ایک "دانشور" میجر ابن الحسن یہی عقیدہ اپنے ساتھ قبر میں بھی لے گیا کہ یہ قرارداد
آیات ربانی کے برابر ہے۔

کافرانہ نظام

دراصل آئین یا قانون ساز اسمبلی کی اصطلاح بھی غیر اسلامی ہے کہ ہمارے
پاس آئین قرآن پاک میں موجود ہے، جس کی وضاحت سنت نبوی میں ہے۔ اور صدارت،

ممبری، الیکشن وغیرہ سارے غیر اسلامی الفاظ ہیں۔ اور جمہوریت ایک کافرانہ سیاسی نظام ہے، جس کا اللہ تعالیٰ کی آمریت والے اسلام کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس لئے ۱۹۵۶ء تک جو سیاسی افراتفری رہی یعنی لیاقت علی خان قتل ہوا، ناظم الدین کو برخاست کیا گیا۔ بوگرا کو لایا گیا اور پھر اس اللہ کی شریک آئین ساز اسمبلی کو بھی چلتا کیا گیا۔ یا صوبوں میں اور حکومتیں تبدیل ہوتی تھیں۔ تو وجہ یہ تھی کہ ہم اللہ اور رسولؐ کے نام پر بنائے گئے ملک میں ایک کافرانہ آئین اور کافرانہ سیاسی نظام نافذ کرنے کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے۔ تو فطرت ہمارا مذاق اڑا رہی تھی کہ بنالو کافرانہ آئین۔ لیکن آخر ۱۹۵۶ء میں ہم نے ایک کافرانہ آئین بنالیا۔ تو اس آئین کا پہلا ہدف اس آئین کے بنانے والا چودھری محمد علی خود تھا۔ کہ اس کی چھٹی ہوگئی۔ اور اس آئین یا سیاسی نظام کے تحت انتخابات بھی نہ ہوسکے کہ جیسا پہلے بیان ہوچکا ہے ۱۹۵۸ء میں مارشل لا لگ گیا۔ اور آج تک کوئی آئین نہیں چل سکا۔

دوسری بڑی غلطی پاکستان بنانے سے پہلے قائداعظم نے غیر ملکیوں کے سامنے بھی یہ الفاظ اکثر دہرائے کہ وہ ہندی یا ہندوستانی نہیں۔ بلکہ اول بھی مسلمان ہیں اور آخر بھی مسلمان اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ البتہ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو آئین ساز اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے بین الاقوامی ضرورت کے تحت ہمارے پاکستانی بن جانے کا جو ذکر کیا۔ اس کو اچھالتے اچھالتے ہم بھی افغانوں، ایرانیوں، ترکوں اور عربوں کی طرح پاکستانی مسلمان بن گئے۔ اور یہ بہت بڑا المیہ ہے۔ کہ ہمیں اپنے آپ کو مسلم قومیت پر قائم رہنا چاہیے تھا اور پاکستان کو صرف ایک انتظامی وحدت کہتے۔ علامہ اقبال وطن کے بت کی پوجا سے منع کر گئے تھے۔ لیکن ہم نے قائداعظم اور علامہ اقبال کے علاوہ سرسید کو بھی پاکستان کے بانیوں میں شامل کردیا۔ اور جس طرح ہندو بھارت ماتا کی پوجا کرتے ہیں۔ ہم نے بھی پاکستان اور پاکستان کے "بانیوں" کی پوجا شروع کردی ہے۔ متحدہ ہندوستان میں بندے ماترم کا ترانہ پڑھنے سے مسلمانوں نے انکار کردیا تھا۔ بھائی اسی بندے ماترم کا فارسی میں ترجمہ کرکے ہم نے بھی پاک سرزمین کو شاد باد کرنا شروع کردیا۔ اور بنگال سرزمین تو شاد باد ہوکر ہم سے الگ ہوگئی ہے باقی کیا ہوتا ہے۔ کہ ہم نے ملک اور زمین کو بھی اللہ کا شریک بنادیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے کیسے بچیں گے۔ یہ جیوے جیوے پاکستان اور سوہنی دھرتی یہ مادر وطن۔ یہ اللہ کی بجائے مادر وطن پر قربان ہونا

ان غیر اسلامی کارروائیوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ سے بہت دور کردیا ہے یعنی ہم زمین میں بری طرح گھس گئے اور قرآن پاک کی سورۃ اعراف کی ہمارے ان عملوں کی نشاندہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے "پڑھ اوپر اس کے خبر اس کی جس کے عطا کی ہم نے اپنی آیات، پس نکل گیا۔ ان سے اور اتباع کیا شیطان کا اور تھا وہ گمراہوں میں۔ اگر چاہتے ہم بلند کرتے اسے، اس کے ساتھ، لیکن وہ گھس گیا زمین میں اور اتباع کیا نفس کا۔ پس مثال اس کی مثال کتے کی ہے کہ لادو تب بھی ہانپے اور اتار لو تب بھی ہانپے۔ یہ مثال اس قوم کی ہے جس نے تکذیب کی ہماری آیات کی"۔

غلطی پہ غلطی لیکن ہم ہر معاملہ میں حد سے گزرنے لگے اور غلطی پہ غلطی کرنا شروع کردی، کہ ترکوں کی نقل میں قائداعظم کو قوم کو باپ بنادیا۔ اور مس فاطمہ جناح کو مادر ملت (یعنی ام المومنین)۔ یعنی مسلمان ہونے کی بجائے ہم نے مکمل طور پر اپنے آپ کو پاکستانی قومیت میں محدود کردیا۔ اور اسلام سے دور بھاگنے کیلئے کوئی کہتا ہے کہ قائداعظم بے دین پاکستان چاہتا تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ پاکستان غریب مسلمانوں کی مالی حالت بہتر کرنے کیلئے بنا تھا۔ اور ہم فلاحی مملکت کے چکر میں اس ملک کو جنت ارضی بنانے کے اعلان کرتے پھرتے ہیں جو کافرانہ عمل ہے۔ اول تو یہ عاجز قائداعظم کے زمانے کا آدمی ہے میں نے اس سے ایسی باتیں نہ سنیں۔ پھر قائداعظم غلطی بھی کرسکتا ہے۔ اور آج کل ہم علامہ اقبال اور قائداعظم کی کئی باتوں کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ان کو حضور پاکؐ کی نبوت میں شرکت دے دیتے ہیں۔ یہی نہیں لیاقت علی، بھٹو اور ضیاء سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حمید نظامی اور جنگ کے خلیل الرحمن کی زندگیوں میں اپنے لئے نشان راہ تلاش کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے اور اب مودودی کی فکر کا ایک ادارہ بھی بن گیا ہے۔ یہ بہت بڑا المیہ ہے۔ ہمارے پاس سب کچھ قرآن پاک اور سنت میں موجود ہے اور خدارا ان باتوں سے توبہ کریں۔

مادی بت اس کافرانہ سیاسی، کافرانہ معاشی، عادلانہ یا دفتری نظام میں معاشرہ کو کیسے اسلامی بنایا جاسکتا ہے۔ تمام تر کوششیں لاحاصل مشقیں ہیں کہ بنیاد ٹھیک نہیں۔ اور اسلامی فلسفہ حیات ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ قریش میں فرمادیا کہ وہ جنگل میں بھی ہمیں روزی دے گا۔ ہم اس دنیا میں امتحان کیلئے آئے ہیں کہ عالم امر میں داخل ہونے کی تیاری کریں۔ لیکن ہم نے جو مادی بتوں کی پوجا شروع کی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے سزا بھی

شروع کر دی ہے ۔اتنی زرخیز زمینیں کبھی غلط لوگوں کے ہاتھ میں ، کبھی بارشوں کی کمی ۔اور کبھی سیلابوں کی تباہی ۔۱۹۵۴ء سے ہم نے بھوک سے مرنا شروع کر دیا ۔تو امریکہ نے گلی سڑی گندم ہمیں بھیجی اور کراچی کی بندرگاہ پر جو اونٹ گاڑیاں یہ گندم اٹھانے کیلئے گئیں تو اونٹوں کے گلوں میں " تھینک یو امریکہ " کے بورڈ پہنائے ہوئے تھے ۔اللہ تعالی اور رسولؐ سے غداری کی وجہ سے ہماری محتاجی کفر کی حد تک پہنچ گئی تھی ۔قوم نے نہ اس وقت سمجھا اور نہ اب سمجھنے کو تیار ہے کہ زوال امت بے زری سے نہیں ۔سبب کچھ اور ہیں ۔اور حضور پاکؐ اس سلسلہ میں ہماری کثرت کے ہوتے ہوئے ہمارے بکاؤ مال بن جانے کی پیشگوئی فرما گئے تھے اور وجہ بھی بتا گئے تھے کہ الیساحب الدنیا اور کراہت الموت کی وجہ سے ہوگا ۔اور آج تک قوم کا ایک رہنما یا دانشور سامنے نہیں آیا جس نے قوم پر یہ سب یا اس کا علاج واضح کیا ہو ۔بہرحال ۱۹۵۸ء تک حالات نے ہمیں بین الاقوامی طور پر بھی ایک بھیک مانگنے والی ۔اور غیروں کے بوٹ چاٹنے والی قوم بنا دیا تھا ۔کہ ہم کامن ویلتھ کے علاوہ اب سیٹو اور سینٹو کے ممبر بھی تھے ۔اور سیاسی افراتفری کی وجہ سے شور اٹھا کہ فوج آجائے اور ملک کے حالات کو سنبھالا دے ۔

ایوب اور فوج کی آمد ۱۹۵۸ء میں فوج آگئی ۔لیکن ملک میں ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جو قوم کی رہنمائی کرتا ، کہ فوج کس فلسفے یا نظریہ کے تحت ملک کے حالات ٹھیک کرے گی ۔ بات تو سیدھی تھی کہ فطرت تو موقع دے رہی تھی کہ اے فوج والو ۔پہلے تم خود اللہ کی فوج بنو ۔اور پھر پوری قوم کو اللہ کی فوج بنا دو ۔لیکن ایوب خان اور اس کے حواری کالے انگریز تھے وہ یہ باتیں کیسے سمجھ سکتے ۔بریگیڈیئر نوشیرواں ۔کرنل سلطان علی شاہ اور کرنل شیر محمد کی قسم کے لوگوں نے ایوب خان کو کچھ کاغذات بھیجے تھے کہ ہم اپنی فوج کو اسلامی بنائیں اور لڑنے کے طریقوں کو اپنے اسلامی مزاج کے مطابق بنائیں ۔ایوب خان نے ایسے کاغذات ایک قادیانی کرنل صفدر بیگ کے حوالے کر دیئے ۔جس نے ان مسودوں سے اسلام کی روح کو بھی غائب کر دیا ۔بہرحال جنرل محمد موسیٰ کے آجانے پر اور مارشل لا کی لوٹ مار سے کچھ فوجیوں کی توجہ ہٹانے کیلئے میجر جنرل عبدالحمید برہی کے ماتحت ایک کمیٹی بنائی گئی کہ فوج کے لڑنے کے طریقوں کو اپنے مزاج کے مطابق ڈھالا جائے ۔ان لوگوں نے زیادہ وقت چھاؤنیوں اور کلبوں کی دعوتوں میں شراب پی کر گزارا ۔اور آخر ایک " بڑا اونچا لڑنے کا نیا نظریہ " پیش کیا ۔جو ایک

اوسط درجے کے جرمنؒ لکھاڑیؒ کی کتاب سے نقل کیا تھا ۔اور یہ سب کچھ تدبیراتی حد تک محدود تھا کہ کھلے میدانوں میں ہتھیاروں کے فائر سے ان کو دور دور لگا کر بھی زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ۔اور ہم اس طرح فوج کی نفری کو کم کر سکتے ہیں اب یہ بات تو ہر کمپنی کمانڈر بہتر طور پر سمجھتا ہے ۔اور ضرورت کے مطابق زمین اور فائر و حرکت کے استعمال پر ہم اکبر خان طارق کی زبان سے بنیادی اصول لکھ چکے ہیں ۔اور ایسی تدبیرات سے تزویراتی فائدے اٹھائے جاسکتے ہیں لیکن ان کو تزویرات کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا ۔بہرحال اس "نئے نظریہ" کے تحت "فائر" جو اپنے ملک میں زیادہ موجود نہ تھا اور باہر سے منگوانا پڑتا تھا ۔اس پر زیادہ بھروسہ کیا گیا ۔اور نفری جو اپنے ملک میں وافر مقدار میں موجود تھی ۔یعنی پیدل فوج اس کی ایسی تیسی کر دی ۔

احتجاج اور نتائج کئی لوگوں نے اس پر احتجاج کیا ہوگا ۔لیکن ۱۹۶۲ء میں کرنل شیر محمد کا لاہور کی جنگی مشق مائیل سٹون میں احتجاج ۔کرنل قیوم اور اس عاجز کو یہ کام شروع کرتے وقت ۱۹۵۹ء میں پشاور میں احتجاج ۔اور اس عاجز کے ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۴ء کے ساتویں ڈویژن کو احتجاج ریکارڈ میں ہیں ۔اور مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ ہمارے اوپر والوں نے اپنی شخصیتوں کے قلعے ریت کی دیوار پر تعمیر کیے ہیں ۔ستمبر ۶۵ء کی لڑائی میں یہ نیا طریقہ ایک دن بھی نہ چل سکا ۔اور اس عاجز نے جنگ کے دوران اور بعد میں بھی کافی شور مچایا کہ بھارتی ، بھارت کی طرف بھاگ رہے ہوتے تھے تو ہم لاہور کی طرف بھاگتے تھے ۔لیکن میری باتوں کو پاگل کے تجزیے کہا گیا ۔یہ تو خدا بھلا کرے چین کے وزیراعظم چو این لائی کا جس نے کہا کہ دنیا میں اس سے پہلے کوئی ایسی جنگ نہ ہوئی ہوگی کہ متحارب گروہ اس طرح بغیر لڑے ایک دوسرے کے ڈر سے بھاگ رہے ہوں ۔اور قارئین یہ بڑی لمبی کہانیاں کہ یہ جہاد سے گریز اور اس کو نہ سمجھنے اور نہ اپنانے کی اللہ تعالی ہمیں سزا دے رہا تھا ۔کہ ستمبر ۶۵ء میں بھی جنرل چوہدری نے بھارتی فوج کو بیاس تک پسپائی کرنے کے احکام دے دیئے ۔اور پیدل فوج کی ہماری پاس کمی کی وجہ سے جو آسانی سے ہم لاکھوں میں اپنے پاس رکھ سکتے تھے ۔ہم بھارت کو شکست نہ دے سکے اور اصلی بات یہ ہے کہ ایوب اور موسیٰ کو سہرا نہ بندھنا تھا ۔

سیاسی صورت حال ایوب خان اگر افواج کا عسکری پہلو صحیح نہ کرسکا تو اس کا یہ اعلان کہ وہ سیاسی بددیانتی ختم کرے گا ، اور بری طرح ناکام ہوا ۔کہ اس نے بنیادی جمہوریتوں

کے تحت جمہوریت کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ اور سیاسی بددیانتی کو ختم کرنے کی بجائے اس بددیانتی کو معراج عطا کر دیا۔ کہ اپنے دونوں بیٹوں کو بھی سیاست میں لے آیا۔ کہ مسٹر شعیب نے اس کو حب دنیا کے ایسے عروج پر پہنچا دیا کہ بتایا کہ یہ سیاست اور حکومت سونے کی کانیں ہیں ان سے خوب فائدہ اٹھاؤ۔ بہر حال فوجی ناکامی۔ تاشقند کے شوشے اور سیاسی بدنیتی نے حالات کی ڈگر تبدیل کر دی۔ اور جمہوریت کنٹرول نہ ہو سکی اور فیلڈ مارشل کو عوام جن کو یاجوج ماجوج کی طرح ہر اونچان سے آگے بڑھایا جا رہا تھا۔ ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔ چھپے ہاتھ تو اب اصغر خان کو آگے لانا چاہتے تھے اور قارئین حیران نہ ہوں شمالی علاقہ جات میں غداری کرنے والا میجر جنرل غلام جیلانی بھی اصغر خان کی مدد میں سیاست میں کود چکا تھا۔ لیکن بھٹو کہتا تھا، یہ میرا حق ہے لیکن مجیب الرحمن نہیں مانتا تھا۔ اور باقی تمام لیڈر نصر اللہ کے حقہ سمیت یعنی دولتانہ، قیوم اور شریف چوہدری محمد علی سمیت اب اپنی وقعت کھو چکے تھے۔ اور ان کی حیثیت ایک "گھپاچو" (۱۴) سے بھی کم ہو گئی تھی۔ تو فیصلہ ہوا کہ فی الحال یہ سہرا یحییٰ خان کے سر بندھ جائے۔ کہ یحییٰ خان کو بھٹو، موسیٰ اور شاہ ایران کی بھی مدد تھی اور فوج میں وہ کئی گروہ بنا چکا تھا اور سب کا "گاڈ فادر" بنا ہوا تھا۔ یحییٰ معمولی آدمی بھی نہ تھا۔ وہ بڑا کایاں تھا۔ وہ اتنا منافق بھی نہ تھا۔ بااصول آدمیوں کی بھی قدر کرتا تھا۔ اور حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال بھی لیتا تھا۔ یہ عاجز عہدہ میں اس سے بہت چھوٹا تھا، گو میں اس کو میجری کے زمانے سے جانتا تھا۔ میں نے اکثر اس کے منہ پر اس کی باتوں اور طور طریقوں کے ساتھ اختلاف کیا لیکن اس نے کبھی میرے خلاف کینہ نہ برتا۔ بلکہ ہمیشہ بڑی عزت کے ساتھ پیش آتا تھا۔ بڑے بڑے لوگوں کو وہ "تو" کر کے پکارتا تھا۔ یہ اس کا تکیہ کلام تھا۔ لیکن مجھے ہمیشہ "آپ" کے الفاظ سے مخاطب کیا۔

ملک کا دولخت ہونا جس وقت ملک کی باگ ڈور یحییٰ کے سپرد کی جا رہی تھی۔ صرف ایک سیاستدان نے صحیح پیش بینی کی اور وہ نور الامین تھا۔ جس نے شیر حسین شاہ کو بتایا کہ ملک دولخت ہو رہا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس المیہ کی ذمہ داری فوج کے سر آئے گی۔ یحییٰ کی حکومت کو اس عاجز نے بہت نزدیک سے دیکھا۔ کہ پہلے تین ماہ غیر ملکی اخباری نمائندوں کے تمام معاملات کے سلسلہ میں یحییٰ خان کی طرف سے مجھے مکمل اختیار سونپ دیئے گئے تھے۔ لیکن

بعد میں اختلاف کی وجہ سے میں نے یہ ڈیوٹی چھوڑ دی۔ یحییٰ خان نے کہا کہ وہ انتظامی بددیانتی ختم کرے گا۔ اس عاجز کا سوال تھا کس فلسفہ پر؟ بہر حال یحییٰ نے جو کچھ کیا۔ وہ بھٹو کے مشورہ سے کیا اور یحییٰ نے جو ون یونٹ کو توڑا۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی مساوات کو ختم کیا۔ یا انتخاب کرائے۔ سب کچھ بھٹو کے مشورہ سے کیا اور اس کو یقین دلایا گیا کہ سیاستدان اسی طرح لڑتے رہیں گے اور وہ صدر بن کر بندر بانٹ کرتا رہے گا۔ اور بات یہاں تک بھی پہنچی کہ اگر مشرقی پاکستان والے الگ ہونا چاہتے ہیں تو ان کو جانے دو۔ وہ لوگ مغربی پاکستان پر بوجھ ہیں۔ اور بھٹو نے یحییٰ کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ مغربی پاکستان یا باقی ماندہ پاکستان کی صدارت اس کو دے گا۔

۱۴ ستمبر ۱۹۷۰ء یحییٰ خان نے ۱۴ ستمبر ۱۹۷۰ء تک حالات کو "بھانپ" لیا تھا۔ اور بڑے بھروسے کے ساتھ اس دن تینوں افواج کے افسروں کے سامنے اپنی پالیسی کا اعلان کیا کہ انتخابات کرائے جائیں گے لیکن یہ ملک فوج کے چھاتے کے بغیر نہیں چل سکتا۔ آگے لمبی کہانی ہے کہ کیسے کسی غیبی طاقت نے مجھے کھڑا کر دیا کہ میں نے بھری مجلس میں اعلان کر دیا۔ کہ آؤ ہم سب توبہ کریں یہ شراب کی بوتلیں توڑ دیں، اور اللہ و رسولؐ کے راستے پر آئیں۔ ورنہ یحییٰ خان ملک کے ٹکڑے ہونے پر صدارت کریں گے۔ یہ کچھ اس عاجز نے حسب وعدہ ۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو یحییٰ خان کو لکھ کر دیا۔ اور اس ضخیم مسودے کی کاپی میرے پاس اب بھی موجود ہے جس کی کچھ جھلکیاں ضمیمہ "س" پڑھیں۔

آگے کیا ہوا اس کے بعد کس طرح ۱۹۷۱ء میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ اور یہ عاجز مشرقی پاکستان بھی گیا اور اس خطہ کے چپے چپے کا دورہ کیا۔ مشرقی پاکستان کے لوگ بھی گمراہ ہو چکے تھے۔ اور وہ ہمارے ساتھ نہ تھے۔ جس اسلام کے رشتے کے تحت ہم نے ملک بنایا۔ جب اس کے ساتھ دونوں حصوں کے لوگ غداری کر رہے تھے تو ملک کیسے اکٹھا رہتا۔ ذلت آمیز شکست نظر آ رہی تھی۔ میں نے اپنے پرانے دوست جنرل نیازی اور میجر جنرل رحیم سمیت متعدد دوستوں کو سمجھایا کہ وہ مرکز کو گزارش کریں کہ دونوں خطوں میں اسلام کے نفاذ کا اعلان کریں۔ اگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو وہ لوگ لڑائی کی صورت میں اپنی فوج کو عزت کے ساتھ مشرقی پاکستان سے باہر نکلنے کی کوئی تجویز سوچیں۔ شمال میں چین کی

طرف نکل جانے کا سوچیں ۔ یا مشرق میں برہما جانے کیلئے کچھ سوچیں ۔ بد قسمتی سے چٹاگانگ کے پہاڑی علاقے پر اس وقت باغی مکتی باہنی کا کنٹرول ہو چکا تھا۔ اور یہی ایک جگہ تھی جہاں اپنی فوج اجتماع کر کے کسی طرف نکل سکتی تھی ۔ نیازی جو کپتانی میں ایک بہادر آدمی تھا اور یہ کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے برہما محاذ پر دیکھا اس سے یہ امید ہرگز نہ تھی کہ وہ اس طرح ہماری عزت کو خاک میں ملا دے گا۔ اور فرانس کے جنرل کا تجزیہ اور اس عاجز کا جنرل ٹکا خان کو جواب صحیح ثابت ہوا کہ ایک بہادر کپتان نے جنرل بن کر اپنا بیڑہ بھی غرق کیا اور ہماری کشتی بھی ڈبو دی ۔ لیکن وہ اکیلا قصوروار نہیں ہم ساری قوم قصوروار ہیں۔ اور ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے بعد تو اس عاجز نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ کہ کچھ کریں ورنہ ذلت سے دوچار ہونے والے ہیں ۔ اور مارچ ۱۹۶۹ء میں اس عاجز نے لکھ کر لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کو دیا کہ آنے والی جنگ ہم سترہ کی بجائے سات دن یا ستائیس دن لڑ سکیں گے ۔ اس مسودہ کی کاپی آج بھی میرے پاس ہے۔ لیکن ان باتوں کا کیا اثر ہوتا۔ جو ۱۹۷۱ء کی ذلت آمیز شکست کا کوئی اثر بھی نہیں ہوا۔ اور اب کتاب لکھ کر گل حسن دوسروں کو بدنام کر کے خود بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ وہ میرا ذاتی دوست رہا۔ اور میرے لحاظ سے وہ بھی ان المیوں میں برابر کا قصوروار ہے۔

جشن اور چراغاں میری سمجھ سے یہ کچھ باہر ہے، کہ جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا۔ اس کے بعد ہمیں جشن منانے یا چراغاں کرتے شرم نہیں اتی ۔ ضیاء الحق نے جب پندرہویں صدی ہجری کو جشن منانے کی راہ نکالی، تو اس عاجز نے ضیاء الحق اور ذمہ دار آدمیوں کو جو خطوط لکھے وہ ایک پوری کتاب بنتی ہے ۔ کہ آؤ ندامت کریں اور اللہ سے معافی مانگیں ۔ میرے لحاظ سے ۲۳ مارچ کو سلامی دینا اور اکڑ کر چلنا بے غیرتی کا مظاہرہ ہے۔ کوئی رہنما کہیں جاتا ہے اور لوگ ناچتے کودتے ہیں اور جشن مناتے ہیں یہ دیکھ کر میرا دل کہتا ہے کہ زمین راستہ دے اور میں اس میں چلا جاؤں ۔ اس عاجز نے اپنی ان کوتاہیوں پر اخبار نوائے وقت میں کئی دفعہ مضامین لکھنے شروع کئے۔ میں کوئی اعزازیہ نہ لیتا تھا۔ لیکن جب میں ندامت پر آتا یا نشان راہ کی طرف آتا تو یہ اخبار میرے مضمون شائع کرنے بند کر دیتا۔ میں مجید نظامی کو سینکڑوں خطوط لکھ چکا ہوں، کہ آؤ اپنی اس بے غیرتی کا کوئی علاج تلاش کریں۔ جو لوگ آئیں بائیں شائیں مار رہے ہیں۔ تو آپ میرا کلمہ حق والا نقطہ نظر بھی سن لیں ۔ میں۔ نے بے نظیر کو چھوڑ کر تقریباً سب سیاستدانوں اور

خاص کر دائیں بازو کے نام نہاد دانشوروں اور ان میں خاص کر الطاف قریشی، مجیب شامی، ابن الحسن، سعود ساحر وغیرہ سب کو کئی خطوط لکھے کہ آیئے اپنی بیماری کا علاج تلاش کریں اور جشن منانے کی بجائے ماضی پر نادم ہوں ۔ لیکن مجھے سب سے زیادہ مایوس اخبار نوائے وقت نے کیا۔ کہ اس نے سنجیدگی اور مسٹر پاکستان بن کر پاکستان اور مسلم امت کے بیڑہ کو غرق کر دیا ہے۔ اور غلام کذاب اور قادیانیوں نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا۔ جتنا یہ ایک اکیلا اخبار پہنچا رہا ہے۔

نشان راہ بہر حال اللہ تعالی نے مجھے توفیق دی ہے کہ کتاب کے اگلے اور آخری باب میں یہ عاجز قوم کے سامنے نشان راہ بھی پیش کر رہا ہے ۔ بھلا میں کون ہوتا ہوں ایسا کرنے والا ۔ یہ کچھ میرے آقا حضرت محمد مصطفےٰؐ کر گئے ۔ لیکن یا ان کے اسلام پر پردے ڈالے گئے ہیں ۔ یا ہمیں حضور پاکؐ سے محبت نہیں کہ ہم اس حال میں پہنچ گئے۔

حوالہ جات

(۱) ۔ کیا بے نظیر اس سے آگاہ نہیں کہ ضیاء الحق میں ہرگز ہمت نہ تھی کہ وہ بھٹو کو پھانسی پر چڑھاتا ۔ یہ کچھ اس نے امریکنوں کے حکم پر کیا ۔ اس کے باوجود بے نظیر امریکنوں کے ساتھ پینگیں بڑھا رہی ہے ۔ کہ اس کے سامنے دو مقاصد ہیں ۔ اول بے نظیر کیلئے "تخت" ۔ وہ نہیں تو پاکستان کا "تختہ" ۔ لیکن شاید اس کی قسمت میں اپنے باپ کی طرح "تخت" اور "تختہ" دونوں لکھے ہوئے ہیں ۔ کہ جس نے آج تک پاکستان کے تختہ کا سوچا بھی اس کا بھی تختہ ہو گیا ۔ (۲) پنڈورا باکس صفحہ ۶۶ تا ۶۹، تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۲۵۷ تا ۲۶۱ (۳) پنڈورا باکس صفحہ ۷۴ ۔ (۴) پنڈورا باکس صفحہ ۷۳ اور ۷۵ اور تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۲۶۵ اور ۲۶۶ ۔ (۵) پنڈورا باکس صفحہ ۷۲ اور ۷۳ ۔ (۶) پنڈورا باکس صفحہ ۱۰۰ ۔ (۷) تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۲۰۹ ۔ (۸) تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۴ ۔ پنڈورا باکس صفحہ ۴۳ تا ۴۶ (۹) تاشقند کے اصلی راز صفحہ ۸ ۔ (۱۰) ایضاً صفحہ ۱۶۱ ۔ (۱۱) ایضاً صفحہ ۱۵۶ تا ۱۶۰ ۔ (۱۲) جنرل کا تھورن کا ذکر آٹھویں باب میں بھی ہو چکا ہے ۔ (۱۳) خاکسار شیر زمان کی کتاب ۔ سر سید ۔ جناح اور مشرقی صفحہ ۱۳۹ اور ۱۴۰ ۔ اور نوائے وقت مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۸۲ میں میجر جنرل جہاں زیب کا مضمون جن کا ذکر تیرھویں باب میں بھی ہے ۔ (۱۴) لفظ "گھپاچو" کے ساتھ بڑی کہانیاں وابستہ ہیں پس آپ اتنا سمجھیں کہ ایسا آدمی جو کہیں موجود بھی ہے اور اپنی موجودگی کا اظہار بھی کرے ۔ لیکن اس کی کوئی حیثیت نہ ہو ۔

سینتالیسواں باب

نشان راہ اور اختتامی وضاحت

تانے بانے یہ عاجز گزارش کر چکا ہے کہ میں نے یہ کتاب ایک مقصد کے تحت لکھی۔ کہ تمام واقعات بیان کر کے ساتھ تجزیئے اور تبصرے بھی پیش کرتا رہا۔ اور بڑا مقصد یہ تھا کہ جہاد سے گریز کر کے ہم جو ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ تو اپنے لئے نشان راہ بھی تلاش کریں۔ پہلے جب یہ کتاب دو جلدوں میں تیار کی تو نشان راہ کو بھی مکمل طور پر آخر کے کئی ابواب میں بیان کیا۔ لیکن اب اس موجودہ کتاب کی اشاعت سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے نشان راہ کے سلسلہ میں کتاب حضور پاکؐ کا جلال و جمال شائع کرنے کی سعادت دے دی، تو یہاں نشان راہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا بھی نہیں جاسکتا اور ایسا کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔ کتاب حضور پاکؐ کے جلال و جمال کے ذریعہ سے رسول عربیؐ کے اسلام پر جو پردے پڑے ہوئے تھے ان میں سے کافی اتار دیئے گئے ہیں اور ساتھ یہ سفارش بھی کتاب میں موجود ہے، کہ یہ نظام مصطفیٰؐ یا نظام جہاد یا رسول عربیؐ کا اسلام کیسے نافذ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہاں حضور پاکؐ کی اس کتاب کی چند باتوں کو اختصار کے ساتھ بیان کرنا بہت ضروری ہے، کہ تجسس اور تحقیق کرنے والے صاحبان کو معلوم ہوجائے کہ وہاں کن کن سوالوں کے جواب ان کو مل جائیں گے۔

اسلامی فلسفہ حیات چنانچہ اس کتاب کا پہلا باب یہ واضح کرتا ہے کہ ہم کون ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جارہے ہیں۔ اور مومن کے مقاصد حیات کیا ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کیلئے انسان کو کائنات کا مرکز بنایا، اور روز ازل ہم سے کچھ وعدے لئے۔ کہ باطل۔ فلسفہ والوں کی طرح یہ انسان بوزنہ نہیں اور حیوانات کے زمرہ میں نہیں آتا۔ اور اسلام کے پیش کردہ نظریہ حیات، نظریہ موت، اور کائنات کی پیدائش کے سلسلہ میں اسلام کے نقطۂ نظر کے ساتھ غیروں کے نقطہ و نظر کا موازنہ کرتے ہوئے ثابت کیا، کہ باطل والوں کے عقائد یا

سوچیں کتنی بودی ہیں۔ کتاب کے تعارف لکھنے والے مرحوم و مغفور جنرل احسان الحق ڈار کے مطابق اسلامی فلسفہ حیات کے بارے میں بیان عملی نقطہ نظر سے کسی داستان پارینہ کے سایہ کے طور پر نہیں، بلکہ روزمرہ کی سائنسی اور تکنیکی تصادم کو مدنظر رکھ کر شاید اس صورت میں پہلی دفعہ پیش کیا گیا ہے۔ دراصل یہی بڑا نشان راہ ہے۔ اور ہم نے زندگی کے ہر پہلو کو اس نظریہ کے تابع کر کے صراط مستقیم پر اس طرح رواں دواں رہنا ہوگا جس طرح ہمارے رہبر و رہنما ہر زماں حضرت محمد مصطفیٰؐ ہمیں کر گئے۔ اور وقتاً فوقتاً اسلام کے عظیم فرزند امام، علماء، فقراء، سپہ سالار اور مدبرین اس صراط مستقیم پر چلنے والے کارواں کی نگہبانی یا نگرانی کرتے رہے لیکن خدارا ان صاحبان کو امام برحقؐ کی نبوت میں شرکت دینے سے گریز کیا جائے۔ کہ آپؐ ہمیں حاضر و موجود سے بیزار کر گئے ہیں کہ یہاں ہم صرف امتحان کیلئے آئے ہیں۔ اور اپنے آپ کو عالم امر میں یا عالم غائب میں داخل ہونے کیلئے تیار کریں۔ کہ ایسا صرف صراط مستقیم پر چلنے سے ہوسکتا ہے کہ اسلام نہ قدیم ہے نہ جدید ہے ہر معاملہ کا حل قرآن پاک اور سنت میں موجود ہے۔ اس کو اجتہاد سے ڈھونڈیں یا تحقیق اور تجسس سے۔ اسلام میں کسی مجدد کی کوئی گنجائش نہیں۔ مہدی اور منصور بھی اسی دی گئی ہدایت کی نشاندہی کریں گے یا ایسا کرنے میں مددگار ہوسکتے ہیں۔

حق و باطل صراط مستقیم کو حق پر چلنے یا خیر یا اچھائی پر عمل کرنے کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور گمراہی یا شیطان کی پیروی کو باطل کی پیروی بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے حق و باطل کو الگ الگ خانوں میں بانٹنا ضروری ہے گو حق و باطل یا خیر و شر کا اسلام کے لحاظ سے ایک ہی اللہ ہے، جس نے دونوں حق و باطل کی پیغمبروں یا رہبروں کی مدد سے نشاندہی فرما دی اور ہمارے لئے مواقع تقدیر پیدا کر دیئے کہ وادی کے سرسبز طرف یعنی صراط مستقیم پر چلیں تو بہتر ہے اور خشک یعنی گمراہی والی طرف کو اپنائیں تو اس جہاں میں بھی پھٹکار اور ذلت اور آخرت میں بھی منہ سیاہ۔ چنانچہ حق و باطل میں فرق کرنا اور سمجھنا بہت ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے جو حق و باطل میں فرق نہیں کرسکتا وہ اسلام کو پاش پاش کردے گا۔ اور بے شک یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے کہ باطل نے حق کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ اور کچھ نا سمجھیوں کیوجہ سے

اور کچھ کوتاہیوں کیوجہ سے ہم باطل کے چکروں میں پھنس گئے ہیں ۔ اس لئے کتاب میں دوسرے باب صراط مستقیم کی اور تیسرے باب میں گمراہی یا باطل چیزوں کی خوب تر وضاحت کی گئی ہے ۔ کہ ہم اپنے نشان راہ کو سمجھیں اور گمراہی یا غلط راستوں پر نہ چل پڑیں ۔

صراط مستقیم صراط مستقیم کے بیان کو ازل سے "الست بربکم" کی صدا سے شروع کیا گیا کہ جب اللہ تعالی نے ہم سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ؟ جس کا جواب ہم نے قالو بلی ۔ یعنی بے شک کے الفاظ سے دیا ۔ اس عہد کے علاوہ پیغمبروں اور رہبروں کیلئے قرآن پاک میں بیان شدہ ایک دوسرے عہد کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانوں میں اپنے اپنے علاقوں میں جو دین حنیف کی رہبری کی تو وہ اس وعدہ کیوجہ سے تھی جو اللہ تعالی نے ان سے ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰؐ کی پہچان اور مدد کے سلسلہ میں لیا اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ بھی ہمارے آقا کے دین کی مدد تھی ۔ کہ کاروان حق حضرت آدمؑ کے زمانے سے صراط مستقیم پر کس طرح رواں دواں ہے اور حضور پاکؐ نے ساری دنیا کو ایک کرنے کیلئے امت واحدہ کے تصور کے تحت سارے زمانے کیلئے اس صراط مستقیم پر تسلسل سے رواں دواں ہونے کے احکام دیئے اور یہ تھا ۔ نیو ورلڈ آرڈر کہ فلسفہ حیات کے تحت اور اللہ تعالی کے احکام کے تحت اس صراط سوئی پر رواں ہونا تھا ۔ نہ کہ امریکہ کا موجودہ نیو ورلڈ آرڈر جو مادیت اور زمین میں گھس جانے کا ایک عمل ہے ۔ کہ اللہ تعالی کیلئے اس دنیا کی حیثیت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ۔ چنانچہ اس باب میں تمام انبیاء کی زندگیوں کے روحانی، تاریخی اور کسی حد تک جغرافیائی پہلوؤں کے تانے بانے بھی ملائے ہیں ۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جھلکیاں بھی ہیں ۔

باطل تیسرے باب میں شیطان کی شر سے شروع کرکے تمام تاریخ کے تانوں بانوں، سب گمراہیوں، باطل فلسفوں، مادی بتوں اور طاغوت کے ہتھکنڈوں کی اس زمانے تک نشاندہی کی ہے ۔ اور موازنے کے طور پر باطل کے تمام اثرات کو واضح کیا ہے ۔ بلکہ ان اثرات کے نتائج کو بیان کرتے ہوئے ہر شر کی، خواہ وہ سیاسی افراتفری ہو ۔ یا مادیت کی پیروی ہو تمام پہلوؤں کو خوب تر واضح کیا ہے ۔ کہ ہم حق و باطل میں فرق کرسکیں ۔

جغرافیائی پہلو اور تاریخ کے تانے بانے پیغمبروں کے صراط مستقیم کے روحانی

پہلوؤں کو جغرافیائی طور پر بیان کرتے ہوئے، تاریخ کو حضور پاکؐ کی بعثت تک اور تاریخ عالم کی جھلکیاں دیتے ہوئے ۔ حضور پاکؐ کی بعثت تک کے زمانے کے معاشرتی اور سیاسی حالات کا نقشہ بھی کھینچا ہے ۔ جس میں دنیا کے تمام ممالک کے اختصار سے ذکر کے ساتھ عرب سرزمین کے حالات کو تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے تمام سفروں اور مکہ مکرمہ میں آمد کے روحانی پہلوؤں کو جغرافیائی پہلو کے تحت بیان کرتے ہوئے حضور پاکؐ کی بعثت کے وقت وہاں کے قبائل کے معاشرتی پہلو کو تفصیل کے ساتھ بیان کرکے اس کو زمانہ جہالت کا نام دینے کی وجہ بیان کی ہے ۔ کہ وہ حضور پاکؐ نے جو روشنی پھیلائی اس وجہ سے حالات کا وہ بیان مقابلتاً ہے ۔ ورنہ وہ لوگ بعض باتوں میں ہم سے بہتر تھے اور ثابت کیا ہے کہ ہماری موجودہ حالت اس سے بدتر ہے ۔

آفتاب رسالت کا طلوع اگلے تین ابواب میں حضور پاکؐ کی ولادت سے نبوت تک کے حالات، آفتاب رسالتؐ کی طلوع اور حضور پاکؐ کی مکی زندگی کی جھلکیاں ہیں ۔ اور یہ حضور پاکؐ کے جمال کا بامقصد مطالعہ ہے کہ قرآن پاک سے اللہ تعالی کے اس احسان اور حضور پاکؐ کے رحمۃ اللعالمین ۔ اور اس فلسفہ حیات، جس کا خلاصہ پہلے باب میں بیان کیا ۔ اس کے عمل کو یا اس پر عمل کرنے کے طریقوں کو ایک ایسی زبان میں بیان کیا گیا ہے کہ شاید قارئین کو پیر کرم شاہ کی طرح یہ انداز بڑا اچھوتا اور انوکھا نظر آئے گا، کہ مقصود حیات آنکھوں کے سامنے کھل کر ظاہر ہوجاتا ہے ۔ بے شک اس تبلیغ میں بھی اجتماعیت تھی اور شخصیت کی تکمیل چالیس سال کی عمر میں ہوئی ۔ اور نبوت کی تکمیل معراج شریف کے وقت ہوئی کہ آپؐ زماں ومکان پر حاوی ہوگئے ۔ لیکن دین کی تکمیل کیلئے جمال کے علاوہ جلال کی بھی ضرورت تھی کہ "نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر" اور یہ شرف مدینہ منورہ کو حاصل ہوا جس نے اسلام کا مستقر بھی بننا تھا ۔ تو وہاں ہجرت کی ۔

ہجرت اور فلسفہ ہجرت ہجرت اور فلسفہ ہجرت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے ۔ اس میں کچھ فطرت کی یہ ضرورتیں بھی تھیں ۔ کہ حق، اہل حق کو طاقت کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہونے کے نظارہ کا بھی منتظر تھا ۔ کہ اللہ والے جلال کے مظہر کے تحت مکہ مکرمہ کی فضاؤں میں پہنچیں اور پھر سر جھکا کر خانہ کعبہ میں داخل ہوں ۔ جس کو دولھا کی آمد کیلئے تو پہلے ہی تیار کرلیا گیا تھا ۔

کہ آب زمزم بھی ظاہر ہو گیا تھا۔ اور اللہ کے گھر کی دیواریں بھی نئی بنا دی گئیں اور چھت بھی نیا ڈالا گیا۔ لیکن ہجرت نے یثرب کو مدینہ النبی بنانا تھا اور مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ نے حرمین شریف بن کر ایک ہونا تھا۔ اور یہاں سے نکل کر اہل حق نے حق کے پیغام کو حضور پاکؐ کے جمال اور جلال کے تحت ساری دنیا میں عام کرنا تھا۔ اس سلسلہ میں وادی عقبہ میں ہجرت سے پہلے حضور پاکؐ اور انصار مدینہ میں جو پیماں و عہد باندھے گئے ان کے عسکری پہلو اور اسلام کے سال کی ہجرت سے بسم اللہ ہونے میں ایک ایک بات میں ہمارے لئے نشان راہ ہے۔ اور کتاب میں ان اسباق کو واضح کرتے ہوئے۔ اس ہجرت، اور ہماری ۱۹۴۷ء کی ہجرت کا موازنہ کیا گیا تو صاف ظاہر ہوا، کہ ہماری ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے سلسلہ میں بھی قرآن پاک کی سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۳ میں جو اشارہ ہے۔ کہ ہم اتنی بڑی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی موت کے ڈر سے بھاگے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مار دیا یعنی ذلیل و خوار کر دیا۔ کہ ہم پر حب الدنیا اور کراہت الموت چھا گئی اور "مہاجر" و "انصار" دونوں لوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔ مشرقی پنجاب کے قتل عام اور کشمیر کے جہاد کے مواقع کو استعمال نہ کیا تو ہم پر ذلت کی موت طاری ہے۔ لیکن اسی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ آگے ہمیں زندہ رہنے کی خوشخبری دیتا ہے۔ اور اس امید پر اس عاجز نے یہ کتاب لکھی کہ ہم جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنا کر کے زندہ ہو جائیں کہ ہمارے سامنے افغانستان کے مسلمانوں کی مثال موجود ہے کہ وہ جاندار ہجرت تھی۔ ان کی بے علمی نے ہماری لاج رکھ لی۔ اور جہاد کے سامنے دنیا کی کوئی قوت نہیں ٹھہر سکتی۔

مدنی زندگی کتاب کے ستائیس ابواب میں سے پندرہ ابواب دین کی تکمیل کے سلسلہ میں ہیں۔ جن کا اختصار چند صفحات میں نہیں بیان کیا جا سکتا۔ قرآن پاک کے تابع کر کے حضور پاکؐ کی سنت کے طور پر بیان کرتے ہوئے ہر باب کے اسباق کیلئے بھی کتاب کے تقریباً پچاس صفحات ہیں۔ تزویرات اور تدبیرات کے تحت زمین کے چناؤ سے لے کر جنگ یا لڑائی یا جھڑپ کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس کیلئے ان ابواب میں نشان راہ نہ ہو۔ معاشرہ۔ جنگ کی تیاری لیڈر شپ، روزے، نماز اور زکوۃ کے فلسفوں کو عملی طور پر واضح کرنے کے علاوہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور پاکؐ نے فلسفہ جنگ پر بڑا احسان فرمایا اور ایک خاص متحرک طرز جنگ کو زمان و مکاں کی حدود میں اس طرح عملی طور پر اجاگر کیا۔ کہ ہم نے اس سلسلہ میں نظریہ یا اصولوں

کیلئے کسی سے کچھ بھی نہیں سیکھنا کہ آگے بیان آتا ہے کہ قرآن پاک میں جنگ کے سارے اصول بھی لکھے ہوئے ہیں۔ البتہ طریق کار کے عمل یا احکام اور امر کیلئے طریقے وضع کرنے میں مشورہ (شاورھم فی الامر) والے پہلو کو ضرور مدنظر رکھا۔ مدنی زندگی کے آخری دو ابواب وفود کی آمد اور سربراہان ممالک کو دعوت اسلام پر ہیں۔ لیکن یہاں بھی سب کچھ عسکری کار وائیوں کے اثرات تھے کہ یہ کچھ ہو سکا۔

اسلامی فلسفہ دفاع قرآن پاک کے احکام اور حضور پاکؐ کے ان عملوں کے نچوڑ سے اس عاجز نے اسلام کی طرز جنگ یا طرز دفاع کو کتاب کے سب سے بڑے باب میں ماضی کی مثالوں سے زمانہ حال کی زبان کے مطابق اس طرح بیان کیا ہے کہ مستقبل یا ہماری فوجی ضرورتوں کیلئے اس باب میں نشان راہ ہے۔ کہ قرآن پاک سے تمام جنگ کے اصول بھی لکھ دیئے۔ اور فوجی تیاری کے مرحلوں اور قرآن پاک کے حربی نظاموں کو بھی بیان کر دیا ہے۔ اور جنرل ڈار کے مطابق یقیناً اسلامی فلسفہ دفاع کسی آدمی نے اس طرح پہلی دفعہ پیش کیا ہے۔ اور مغربی فلسفہ دفاع کی بجائے ہمیں اس کو اپنانا چاہیئے۔

اسلام کی طرز حکومت کتاب کا آخری باب اسلام کی طرز حکومت اور لوگوں کی ذمہ داریوں پر ہے، کہ ہم کیسے اللہ تعالیٰ کی فوج بن سکتے ہیں۔ اور مجھے اس کتاب کے سلسلہ میں بڑے حوصلہ افزا خطوط وصول ہو رہے ہیں۔ ایک صاحب کے مطابق یہ کتاب قرآن پاک کی تفسیر کی تین کتابوں جو اس نے پڑھیں سے بہتر طور پر قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے۔ ایک صاحب نے ایسے ہی تاثرات دیتے ہوئے کہا کہ مولانا رومی کی مثنوی کے بارے جو انہوں نے کہا کہ یہ پہلوی زبان میں قرآن پاک ہے۔ تو یہ کتاب صحیح اور فوجی زبان میں قرآن پاک کی تفسیر ہے۔ ایک صاحب یہاں تک چلے گئے کہ میں نے امت مسلمہ پر بڑا احسان کیا ہے ان کی مہربانی اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کچھ اچھا کرایا ہو تو اس کی مہربانی۔ میں سب تاثرات نہیں لکھتا کہ ایک صاحب نے یہ بھی کہہ دیا کہ ایسا کام کوئی ولی اللہ ہی کر سکتا ہے۔ کہاں یہ گنہ گار اور کہاں یہ تعریفیں۔ قارئین، میرے لئے دعا کریں کہ قوم کی توجہ اس نشان راہ کی طرف کر کے اب میں اس کتاب کو اختتامی وضاحت کی طرف آتا ہوں۔

اختتامی وضاحت اے رب العالمین! اس کتاب کے اختتام پر آپ کے دربار میں

سربسجود ہوتا ہوں کہ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس کے بعد یہ عاجز آپ کے حبیبؐ اور میرے آقا
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لاکھوں درود و سلام بھیجتا ہے۔ اور ایک پرانی گزارش
آپ کو یاد کراتا ہوں کہ روز قیامت مجھے حضور پاکؐ کے سپاہی کے نام سے پکارنا، جس کو سن کر
میرے آقاؐ کے لبوں مبارک پر مسکراہٹ آجائے اور ماحول پر ایک دفعہ سناٹا چھا جائے۔ اس کے
بعد یہ عاجز باقی انبیا کرام۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اور دین حنیف یا دین اسلام کے سب کارواں
پر سلام بھیجتا ہے جو ازل سے آخر تک رواں دواں ہے۔ خاص کر جن صاحبان سے یہ عاجز زیادہ
متاثر ہوا، یا میرے محسن ہیں۔ یا رشتہ داری یا قرابت داری یا رفاقت ہے اور میں ان میں سے جو
نظروں سے اوجھل ہیں اور ان کی مغفرت کی روزانہ دعا مانگتا ہوں۔ یا اس دنیا میں موجود ہیں اور
میں ان کے نام لے کر، آپ سے ان کی بھلائی کیلئے دعا کرتا ہوں۔ تو اس کتاب کے صفحات میں
وہ الفاظ دہراتا ہوں کہ میری جھولی پھیلی رہے اور یہ دعائیں منظور ہوتی رہیں۔

میری جھولی بھر دے لیکن یہ گداگر اب آپ کے سامنے اپنے ایک بڑے مقصد کو بھی
دہراتا ہے۔ جس کا ذکر ابتدائیہ میں کیا کہ آپ کے گھر میں اس عاجز نے کچھ گزارش کی تھی۔ آپ
کی بڑی مہربانی کہ یہ الفاظ لکھتے وقت تو نے مجھے یاد کرایا۔ "کہ اے سپاہی۔ اپنے بڑے مقصد
کیلئے ہمیشہ جھولی پھیلائے رکھنا۔ اپنے آقاؐ کی امت کے سلسلہ میں، میں نے تیرے دل میں جو
احساس زیاں پیدا کر دیا ہے۔ وہ قائم رہے گا اور اپنے اس دنیا سے خاتمہ بالخیر کی دعا مانگو"۔ پس
میری جھولی بھر دے۔ میں بھی آپ کو یاد دلاتا ہوں۔ کہ تو مقلب القلوب ہے۔ ہمیں آدمی کا بچہ
بنا دے۔ اور اپنے نام اور اپنے حبیبؐ کے نام کی لاج رکھ، کہ غیر تو کہتے ہیں ہم تیرے ہیں۔

ممنونیت جن صاحبان نے اس کتاب کے سلسلہ میں میری مدد کی۔ ان سب کے نام لکھ
کر ان کا شکریہ ضروری تھا۔ لیکن صفحات بہت بڑھ جائیں گے۔ لیکن برادرم کرنل شیر محمد کا
شکریہ بہت ضروری ہے۔ کہ جب میں نے دو جلدوں کی یہ کتاب تیار کی۔ تو لفظ لفظ، میں نے
ان کی رہنمائی کے تحت لکھا تھا کہ وہ جنگ کشمیر میں نہ صرف ہندواڑہ محاذ یا بجلی سیکٹر کے کمانڈر
تھے۔ بلکہ بعد میں ۱۹۵۲ء میں آزاد کشمیر ریگولر فورسز کے موجودہ ٹریننگ سینٹر کو انہوں نے کھڑا
کیا۔ اور اس کے بعد آزاد کشمیر میں دوسرے سیکٹر کے وہ کمانڈر رہے اور ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۱ء تک
شمالی علاقہ جات کے تمام سکاؤٹس کے کمانڈر بھی رہے۔ ان کی رہنمائی کے بغیر میں حالات کو

اس طرح نہ سمجھ سکتا۔ البتہ موجودہ کتاب کو یہ شکل دینے میں اس عاجز نے مناسب نہ سمجھا کہ
اسلام کے اس عظیم فرزند کو مزید تکلیف دوں کہ مایوسیوں نے ان کو گوشہ نشین کر دیا ہے۔

ایک معجزہ موجودہ کتاب کی اشاعت میرے لئے ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ کتاب لکھنے کا
کام اس عاجز نے ۱۹۹۰ء میں شروع کیا۔ اور مجھے خیال تھا کہ اس کتاب کے لکھنے کے بعد فوجی کمانڈ
مجھے ہاتھوں ہاتھ لے گی، کہ میں نے ان کی ایک بڑی ضرورت پوری کر دی تھی۔ لیکن میرے
ساتھ جو کچھ ہوا۔ یا آصف نواز میرے راستے میں آکر کھڑا ہو گیا۔ جو میرے بیٹوں کی طرح تھا۔
اور میں اس کیلئے دعائیں کیا کرتا تھا۔ اس سب نے مجھے حیران و ششدر کر دیا کہ فوج کے سب
بڑوں نے مجھے اپنا "دشمن" سمجھ لیا۔ تو میں نے ملک کے صدر، شرعی عدالت، سپریم کورٹ،
افواج پاکستان کے سینکڑوں حاضر نوکری والے اور ریٹائرڈ جرنلوں کو جو خطوط لکھے یا حالات سے
آگاہ کیا، تو کسی نے بھی میری پرسان حالی نہ کی۔ صرف چند رفیق مالی مدد کرنے کو تیار تھے۔ اور
چند نے اس بات پر شاباش دی کہ میں نے مشروط طور پر کتاب کی دو لاکھ کی "مزدوری" لینے سے
جو انکار کیا۔ اور کہا اللہ اور رسول کا چور نہیں بنوں گا۔ اور اس سچ کی اشاعت سے دستبردار نہیں
ہو سکتا تو یہ اچھا عمل تھا۔ اور اس دو جلدوں والی کتاب کا مسودہ تیار کرنے کے بعد میرے ساتھ
جو کچھ ہوا۔ میں اس کو کیسے برداشت کر گیا، اللہ کی بڑی مہربانی ہوئی۔ علاوہ ازیں یہ بات میں
ہرگز نہیں سمجھ پایا۔ کہ فوج والوں نے مجھے سچ تلاش کرنے کو کہا، لیکن جب وہ تلاش کر لیا گیا تو
تلاش کرنے والے کو انہوں نے اپنا دشمن سمجھنا کیوں شروع کر دیا۔ بہرحال یہ میرے اللہ کی
رحمت ہے کہ میں نے اس کتاب کی اشاعت کیلئے کچھ رزق حلال اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ تو
خیال آیا کہ خرچ بھی بہت ہو گا۔ اور ہمارے ملک میں بہت کم لوگ کتابیں پڑھتے ہیں، کیوں نہ
چند الفاظ میں اپنی ۴۶ سالہ ذلت کی زندگی کا پنڈورا باکس کھول دیا جائے اور اس میدان کو
تلاش کیا جائے کہ کون لوگ سچ سننے کو تیار ہیں۔

پنڈورا باکس تو اس عاجز نے تقریباً ۴۰ صفحات کی کتاب "پنڈورا باکس" کے ذریعہ سے
جون ۱۹۹۳ء میں اپنی ذلت کی زندگیوں کا پنڈورا باکس کھول دیا اور ندامت کی گزارش کی۔
کتاب کے سلسلہ میں میری حوصلہ افزائی بھی بڑی ہوئی۔ لیکن تین سو کے قریب میرے جاننے
والوں اور کئی اہل قلم نے مجھے بڑا مایوس کیا۔ کہ نہ کتاب کا ہدیہ دیا۔ نہ حسب شرائط کتاب پڑھ

کر مجھے واپس کی ۔ تو اللہ تعالیٰ نے شاید ان کے رزق حلال سے کٹوتی کرکے میری تلافی پوری
کردی ۔ کہ میرے اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب "حضور پاکؐ کا جلال و جمال" کی اشاعت کی توفیق
فرمادی ۔ اس عاجز نے پنڈورا باکس کے پہلے ایڈیشن میں عاجزی سے عرض کی تھی کہ اے اللہ اگر
مجھے حضور پاکؐ کے جلال و جمال کی اشاعت کی توفیق نہیں دے رہا تو کسی اور کو تو توفیق
دے دی جائے ۔ اور یہ بات شاید اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی کہ عالم بالا سے اس کتاب کی اشاعت کا
حکم آگیا اور نومبر ۱۹۹۳ء میں وہ کتاب بھی شائع ہو گئی ۔ جس کی اشاعت کیلئے ۱۹۸۷ء سے میں بے
تاب ہو رہا تھا کہ کتاب کا پہلا ڈرافٹ تو ۱۹۸۳ء میں تیار ہو گیا تھا ۔

موجودہ کتاب انہی دنوں خیال آیا کہ حضور پاک کے جلال و جمال کی لاگت کا کچھ حصہ
واپس آنا شروع ہو سکتا ہے ۔ اس لئے جہاد کشمیر کے دو جلدوں کی ۱۸۰۰ صفحات کی ضخیم کتابوں کا
اختصار کرکے کیوں نہ چھ ۔ سات سو صفحات کی ایک کتاب تیار کرلی جائے ، اور پچھلے ایک سال
سے میں اس کام پر بھی لگا ہوا تھا ۔ حضور پاکؐ کے جلال و جمال والی کتاب کی پروف ریڈنگ ۔
بکری ، لوگوں کو اطلاع دینا ۔ اس عمر میں اس عاجز کو روزانہ دس ۔ بارہ گھنٹے کام کرنا پڑ گیا ، لکھتے
لکھتے انگلیاں تھک جاتیں ۔ لکھتے ، پڑھتے ، اور حوالہ جات ڈھونڈنے میں سر چکرانے لگتا ۔ لیکن اللہ
تعالیٰ نے حوصلہ دیا ، کہ اس کتاب کی اشاعت کیلئے بھی کہیں سے رزق حلال میسر ہو گیا ہے
اور کتاب آپ کے سامنے ہے ۔

گزارش اب جن صاحبان کو میرا یہ کام پسند آئے ۔ تو وہ مجھے مبارک دے کر "سرخرو"
ہونے پر اکتفا نہ کریں کہ ان پر بھی اللہ اور رسولؐ کی طرف سے کچھ ذمہ داریاں ہیں ۔ یا صرف
ذہنی عیاشی کے طور پر یہ بڑبڑا کر خوش نہ ہو جائیں کہ بڑی اچھی کتابیں ہیں ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے
توفیق دی ہے تو چند کتابیں خرید کر کسی غریب یا کسی ادارے میں بانٹ دیں ۔ اور دوستوں ،
رشتہ داروں اور رفیقوں کو مشورے دیں کہ وہ یہ کتابیں پڑھیں ۔ اور پھر ہم سب لوگ ندامت
کرکے اللہ تعالیٰ کی فوج بنیں اور جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اختیار کریں ۔ کشمیر کا مسئلہ کبھی
بھی رائے شماری سے حل نہیں ہوگا ۔ باہر والے ملکوں میں وفود بھیج کر رائے عالم کو اپنے حق
میں کرنے سے کوئی فائدہ نہ ملے گا ۔ غیروں کے وفود اپنے ملک میں بلا کر ان پر حالات واضح
کرنے کا ذرا بھر فائدہ نہ ہوگا ۔ بس صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنا

کر اللہ تعالیٰ کی فوج بن جائیں ۔ مسئلہ صرف کشمیر کا نہیں ۔ ہمیں اپنے گھر کو ٹھیک کرنا ہوگا ۔ پھر
کشمیر تو معمولی سی بات ہے ساری اسلامی دنیا ہمارے محور کے گرد ایک جان ہو جائے گی اور میر
عربؐ کو اس خطہ سے ٹھنڈی ہوا جانا شروع کردے گی ۔ اور ان کافرانہ سیاسی ، عسکری ، معاشی ،
دفتری ، عادلانہ نظاموں پر اسلام کی عمارت ہرگز نہیں بن سکتی ۔ ان باطل فلسفوں کو اسلام کا
"تڑکا" لگانا ۔ یا ان میں اسلامی شقوں کو شامل کرکے یہ سمجھ لینا کہ ہم اسلام نافذ کرلیں گے ۔ اسی
طرح ہے کہ کوئی کہے کہ سور پر تکبیر پڑھ کر اس کا گلا کاٹ لیا جائے تو وہ حلال ہو جاتا ہے ۔

سربسجود یہ عاجز پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں سربسجود ہوتا ہے اور گزارش کرتا ہے ۔ "کہ یہ
کتابیں بیچنا میرے بس کی بات نہیں ۔ اوروں کو سعادت عطا کردے کہ یہ کام وہ کریں ۔ کہ ہم
تیری اور تیرے حبیبؐ کی غلامی اختیار کریں" ۔ علاوہ ازیں جو لوگ مسلمان ہوتے ہوئے ملک
میں بے دین (سیکولر) سیاسی نظام چاہتے ہیں یا اپنے آپ کو بائیں بازو والے کہتے ہیں ۔ یعنی
اصحاب شمال وغیرہ ۔ وہ ہرگز مسلمان نہیں ۔ ان کے مرنے کے بعد ان کا جنازہ پڑھنے کا تردد کرنا
یا ان کے لئے قرآن خوانی کرنا ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ فراڈ کرنا ہے ۔ اور یہ فتویٰ بخاری شریف میں
ہے کہ مرنے کے بعد آدمی سے تین سوال پوچھے جائیں گے کہ تمہارا رب کون ہے اور تمہارا دین
کیا ہے ۔ اور حضور پاکؐ کی شبیہہ مبارکہ سامنے آئے گی اور پوچھا جائے گا کہ ان صاحبؐ کے
بارے میں تم کیا کہتے ہو ۔ دراصل یہ سوالات زندگی ہی میں پوچھے جا رہے ہیں ۔ اور مرنے کے
بعد جوابات وہی ہوں گے جو اب زندگی میں دیئے جا رہے ہیں ۔ کہ اللہ تعالیٰ کی بجائے مادی بتوں
اور باطل فلسفوں کو رب بنانے والے ۔ یا بے دین نظاموں کے تحت زندگی گزارنے کا اعلان
کرنے والے یا حضور پاکؐ کو مکمل رہبر ماننے کی بجائے ۔ کئی دنیاوی جھوٹے لوگوں کو رہبری
کیلئے آگے کھڑا کرنے والے ، ہرگز مسلمان نہیں کہ قرآن پاک میں اسلام میں پوری طرح داخل
ہونے کا حکم ہے ۔ یہ اپنی مرضی کا اسلام نہ چلے گا ۔ ہمیں حضور پاکؐ کے جمال سے اس خطہ کو
معطر اور منور کرنا ہوگا ۔ اور حضور پاکؐ کے جلال سے غیرت حاصل کرکے جہاد کو طرز زندگی
کے طور پر اپنانا ہوگا ، کہ میر عربؐ کو اس خطہ سے ٹھنڈی ہوائیں پہنچیں ۔

وما علینا الا البلاغ ۔ از حضور پاک کا سپاہی

تمت بالخیر

ضمیمہ "الف"

۱۸۴۶ء کے معاہدہ امرتسر کی کچھ جھلکیاں

۱۔ یہ معاہدہ جموں و کشمیر کے ڈوگرہ راج کے ظلم کی گھڑیوں کے بانی مہاراجہ گلاب سنگھ اور انگریزوں کے گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ کے نمائندہ مسٹر فریڈرک کیری اور میجر لارنس کے درمیان ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو امرتسر کے مقام پر ہوا۔

۲۔ اس معاہدہ کی دس شقیں ہیں اور لفظ لفظ سے مکاری ٹپکتی ہے کہ کہا جاتا ہے لاہور کی حکومت (سکھوں کی حکومت) نے ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو جو علاقے برطانوی حکومت کے حوالے کئے ہیں ۔ان علاقوں میں دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے راوی کے مغرب کے جموں اور کشمیر کے علاقے برطانوی حکومت ۷۵ لاکھ کے عوض مہاراجہ گلاب سنگھ اور اس کی اولاد کو بیچ دیتی ہے حد بندی کیلئے چمبہ کے کچھ علاقے بھی ساتھ شامل تھے اور لاہول کے علاقے نہ شامل تھے۔

۳۔ موجودہ ضلع ہزارہ اور کھوٹ کے نزدیک کے کچھ علاقے بھی پہلے ریاست جموں و کشمیر کے حصے تھے ۔ لیکن بعد میں بندر بانٹ کے تحت یہ علاقے انگریزوں نے اپنی عملداری میں لے لئے اور ان کی جگہ چمبہ اور لاہول کے نزدیک کچھ علاقوں کو جموں اور کشمیر میں شامل کر لیا گیا۔

۴۔ معاہدہ کی شقوں کے ذریعے سے گلاب سنگھ اور اس کے جانشین ہر طرح سے برطانوی حکومت کی غلامی کا دم بھرنے والے بنائے گئے ۔اور اپنی رعایا کے ساتھ البتہ جو کچھ وہ کرتے ۔اس سلسلہ میں برطانوی حکومت کوئی دخل دینے کو تیار نہ تھی۔

۵۔ اس معاہدہ کو قانونی دستاویز قرار دینا ۔یا برطانوی حکومت کو ایک عادل حکومت قرار دینا۔ جہاں دنیا کا ایک بہت بڑا مذاق ہے اور اس معاہدہ کے تحت ہری سنگھ کا گلاب سنگھ کے جانشین کے طور پر بھارت کے ساتھ بیسویں صدی کے وسط میں الحاق کا اعلان کرنا اقوام متحدہ کی امن پسندی کے منہ پر ایک بہت بڑا تھپڑ ہے۔

۶۔ افسوس کہ ہم اقوام متحدہ کے دروازے کھٹکھٹانے سے باز نہیں آتے

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ۔ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

ضمیمہ "ب"

غلام کذاب اور سر سید میں مماثلت

۱۔ مرزا غلام کذاب قادیانی کا فتنہ اور اس کے پیروکار یا سر سید کا فتنہ اور اس کے پیروکار دونوں ایک تھالی کے چٹے بٹے ہیں ۔اور دونوں تحریکوں کا مقصد یہ ہے ، کہ مسلمان کے قلب سے روح محمدیؐ کو نکال دو اور نظریہ جہاد کو پاش پاش کر دو۔ غلام کذاب کی سازش کو ہم کچھ سمجھ گئے ہیں لیکن سر سید کو الٹا پاکستان کے بانیوں میں شمار کر دیا۔اور دو قومی نظریہ کا اس کو بانی بنا کر اس غدار اسلام کو حضور پاکؐ کی نبوت میں شرکت دی جارہی ہے۔

۲۔ یہ سب کام ایسی ہوشیاری سے کیا جاتا ہے ۔کہ یہ سازش آج بھی جاری ہے او سر سید کے نام پر سکول، کالج، یونیورسٹیاں اور لاتنے ادارے بن رہے ہیں، کہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر سر سید نہ ہوتا تو ہم جاہل ہوتے ۔دراصل تحریک پاکستان میں علی گڑھ کے سند یافتہ یا طالب علموں نے جو بھرپور حصہ لیا، تو اس لنگڑے لولے پاکستان کو بنانے والے انگریزوں کے حیلہ فرنگی کے تحت یہ فیصلہ ہو چکا تھا، کہ سر سید جیسے خیالات اور عقائد رکھنے والے لوگوں کو ایک "کھیپ" کو پاکستان کی حکومت اور معاشرے یا ہر میدان پر اس طرح مسلط کر دیا جائے ۔کہ یہ لوگ رسول عربیؐ کے اسلام کو بھول جائیں۔

۳۔ علی گڑھ کے علاوہ باقی انگریزی اداروں کے تعلیم یافتہ مسلمانوں نے بھی تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا ۔اور معمولی پڑھے لکھے یا "ان پڑھوں" نے بھی تحریک پاکستان میں حصہ لیا، تو یہ سہرا سر سید یا کسی ایک کے سر باندھنا ویسے بھی ٹھیک نہیں۔

۴۔ بے شک انگریزی اداروں کی تعلیم نے ہمیں اسلام سے بہت دور کیا، اور کر رہے ہیں لیکن یہ کہنا کہ سر سید کی وجہ سے ہم نے انگریزی تعلیم حاصل کی اور اس تعلیم کے زور یا مدد سے پاکستان حاصل کر لیا۔ تو اس بات کو صرف اتنا مانا جا سکتا ہے جیسے سید شبیر حسین نے پیش لفظ میں کہا ہے ۔کہ یہ ایک آئینی ضرورت تھی ۔اگر اس وقت ہم پاکستان نہ حاصل کرتے تو زمانہ آگیا تھا۔

کہ چند سال بعد لڑ مر کر، ہم بہتر طور پر ایک اچھی قسم کا پاکستان حاصل کر لیتے یا مٹ جاتے اور اس موجودہ ذلت کی زندگی سے مٹ جانا زیادہ بہتر تھا۔

۵۔ بہرحال انگریزی کی تعلیم سے ہم نے جو کچھ حاصل کر لیا ہے، تو اس کا سہرا بھی سرسید اکیلے کو باندھنا صحیح نہیں۔ کہ سرسید سے بہت پہلے شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اجازت دے دی تھی، کہ حکمرانوں کی تعلیم حاصل کر لو، کہ ان کے بارے زیادہ آگاہ ہو جاؤ گے لیکن اپنے عقائد خراب نہ کرنا۔ اب یہ کہنا کہ اس تعلیم سے ہماری سوچوں اور کردار میں بہتری ہوئی تو یہ بات بالکل غلط ہے کہ ۱۸۹۰ء میں سرسید خود اپنے ایک دوست کو اپنے خط میں کہتا ہے کہ جتنی زیادہ ہم مغربی۔ تعلیم حاصل کرتے جاتے ہیں۔ اتنے زیادہ بے کردار ہوتے جاتے ہیں۔

۶۔ اب لطف کی بات یہ ہے کہ اس تعلیم کے بانی لارڈ میکالے کو تو ہم ہر روز برا بھلا کہتے ہیں لیکن اس کے غلام اعظم سرسید کو اپنا ایک قومی ہیرو مانتے ہیں۔ سرسید کی تحریروں اور عقائد کی اس عاجز نے کافی تحقیق کی، اور فروری ۱۹۹۳ء میں قادیانیوں کے سپریم کورٹ کے مقدمہ میں سرسید اور غلام کذاب کے ایک جیسے فتنہ اور لکھائیوں کی مماثلت پر ایک بہت لمبا چوڑا مسودہ پیش کیا۔ جس سے چند باتیں یہاں درج کی جاتی ہیں:۔

ا۔ مرزا غلام کذاب کتاب شہادت القرآن کے صفحہ ۱۱، اور سرسید مکتوبات سرسید کے صفحہ ۶۳۲ کے مطابق کہتے ہیں "کہ گورنمنٹ انگلشیہ خدا کی نعمتوں سے ایک نعمت ہے اور مسلمانوں کیلئے آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے۔

ب۔ غلام کذاب کتاب تحفہ قیصریہ کے صفحہ ۳۲، اور سرسید، کتاب شکریہ مطبوعہ کے صفحہ ۵ کے مطابق دعا مانگتے ہیں۔ "اے قادر مطلق۔ تو ہمیں ہمیشہ ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے سایہ عاطفت کے نیچے رکھ"۔

پ۔ غلام کذاب کتاب تحفہ قیصریہ کے صفحہ ۳ پر اور سرسید اپنے مکمل مجموعہ لیکچر کے صفحہ ۶ پر ملکہ معظمہ کے زمانے میں ہونے کا اسی طرح فخر کرتے ہیں کہ ہمارے حضور پاک محمد مصطفےٰ نے نوشیرواں عادل کے زمانے میں پیدا ہونے پر فخر کیا ہے۔ قارئین! یہ بات جو حضور پاکؐ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، بالکل غلط ہے۔ یہ عاجز اپنی کتاب حضور پاکؐ کے جلال و جمال میں

"کجا نسبت خاک را بہ عالم پاک" کے عنوان کے تحت اس بات پر بھرپور تبصرہ کر چکا ہے کہ حضور پاکؐ کیلئے دو جہاں پیدا ہوئے۔ نوشیرواں کی وہاں کیا ہستی ہے۔

ت۔ غلام کذاب کتاب کشف الغطار کے صفحہ ۶، اور سرسید مکمل مجموعہ لیکچر کے صفحہ ۳۱۱ کے مطابق کہتے ہیں۔ "مسلمانوں کو خدا اور رسولؐ کا حکم ہے کہ جس گورنمنٹ کے ماتحت ہوں وفاداری سے اس کی اطاعت کریں"۔

ٹ۔ غلام کذاب براہین احمدیہ حصہ سوم کے صفحہ ۶۹، اور سرسید کتاب لائل محمڈنز حصہ دوم کے صفحہ ۱۳ کے مطابق کہتے ہیں۔ "ہندوستان میں مذہبی آزادی کے باعث جہاد جائز نہیں۔ اور غلام کذاب کشتی نوح کے صفحہ ۱۰۰ پر یہ بھی کہتا ہے کہ قرآن پاک کی رو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے۔

ث۔ غلام کذاب تحفہ قیصریہ کے صفحہ ۲۸، اور سرسید۔ آخری مضامین کے صفحہ ۱۱۳ اور لائل محمڈنز کے صفحہ ۷، پر کہتے ہیں "کہ برطانوی حکومت عادل ہے اور عادل بادشاہ کا مقابلہ کرنا بغاوت ہے نہ کہ جہاد"

ج۔ غلام کذاب کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۳۷، اور سرسید اسباب سرکشی کے صفحات ۶ اور ۷ پر کہتے ہیں "کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کو جہاد کا نام دینے والے بدچلن تھے اور ایسا جہاد شرعاً ان کے لئے ناجائز تھا"۔

چ۔ غلام کذاب ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۳۷، اور سرسید اسباب سرکشی کے صفحہ ۷، کے مطابق مزید کہتے ہیں "کہ ۱۸۵۷ء میں کچھ لوگوں نے جہاد کے نام پر حرام زدگیاں کیں۔ اور افسوس ان مولویوں پر ہے جنہوں نے اس سلسلہ میں جہاد کے فتوؤں پر اپنی مہریں لگا دیں"۔

۷۔ اس عاجز نے یہ کچھ اور باقی تفصیلات جب فروری ۱۹۹۳ء میں سپریم کورٹ میں پیش کیں تو ماحول پر سناٹا چھا گیا۔ اور دوسرے دن کی اخباروں میں صرف اتنا کچھ شائع ہوا کہ مذہبی سکالر میجر امیر افضل نے سرسید کو بھی مرزا قادیانی کے ساتھ جوڑ دیا۔ تو دوسرے دن اخبار نوائے وقت کے نمائندے مجھ سے میری ساری تحقیق کی کاپی مانگ کر لے گئے کہ وہ پوری تفصیل اخبار میں شائع کریں گے۔ لیکن مجھے خبر ملی کہ مجید نظامی تو اس خبر کی اشاعت پر بھی ناراض ہوا

که قادیانیوں اور سرسید کے خلاف اتنا کچھ کیوں لکھ دیا۔ یہ عاجز پہلے ہی ایک اشتہار ۱۹۸۹ء میں جاری کر چکا تھا، کہ جو کچھ غلام کذاب اور سرسید کرتے تھے کہ رسول عربیؐ کے اسلام کو خراب کرو، یہ ڈیوٹی آجکل نوائے وقت نے سنبھالی ہوئی ہے۔ تو مجید نظامی نے اس سازش کی کڑی ہونے پر مہر لگادی۔

۸۔ سرسید نہ صرف وحی کا منکر تھا کہ اس کو "واردات" کا نام دیا۔ بلکہ وہ آخرت کا بھی قائل نہ تھا اور جنت و دوزخ کو استعارے سمجھتا تھا۔ ادھر اس نے حضور پاکؐ کی شان میں نعتیں بھی لکھیں ہیں۔ لیکن میرے لئے یہ ایسا ہے جیسے جوش ملیح آبادی اللہ تعالی کی ذات کا منکر تھا۔ لیکن امام حسینؓ کی شان میں بہت کچھ لکھا۔ اور مرزا قادیانی نے بھی حضور پاکؐ کی شان میں بہت کچھ لکھا۔ اس لئے یہ عاجز ان لوگوں کے فتنوں سے ڈرتا ہے۔ کہ خدارا سرسید کو بھول جاؤ اس کے خیالات سے ہم ذرا بھر بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ بلکہ الٹا نقصان ہو رہا ہے کہ ہم آدھے تیتر اور بٹیر بن کر جی رہے ہیں۔ ہمارے لئے قرآن پاک اور سنت کافی ہے اور شیطان جو علم وحدانیت کا بڑا عالم ہے اس سے فلسفہ توحید کے سبق نہیں سیکھے جاسکتے۔

۹۔ یہ عاجز اتنا کچھ لکھ چکا تھا کہ قاضی عبدالقدوس ناصر صاحب جن کا تعلق حویلیاں سے ہے۔ اور میرا، ان کے ساتھ غائبانہ تعارف ہے کہ میری کتابیں وہ منگواتے رہتے ہیں۔ تو وہ مجھے ملنے آئے اور میرے پاس خاکسار شیر زمان کی ایک تصنیف "سرسید۔ جناح اور مشرقی" چھوڑ گئے۔ لیکن بات کوئی نہ کی۔ یہ میرا امتحان تھا۔ یا اللہ تعالی نے مجھے سرسید کی اسلام اور مسلمانوں سے غداریوں کے بارے زیادہ آگاہ کرنا چاہا تھا۔ بہرحال شیر زمان نے سب کچھ کسی حوالے سے لکھا، اور وہ حوالے کتاب میں موجود ہیں۔ لیکن یہ عاجز اتنی تفصیل میں نہیں جاسکتا اور جو صاحب تفصیل میں جانا چاہیں وہ یہ کتاب خود پڑھ لیں۔ میں صرف چند اقتسابات دے رہا ہوں:

ا۔ سرسید نے اخبار تہذیب الاخلاق میں اس نظریہ کو رائج کیا۔ کہ جب اسلام میں ایک حبشی، جس کے لب موٹے، چہرہ سیاہ، اور سر کی کھوپڑی شلغم سے بھی چھوٹی ہو اس کی اطاعت مسلمان پر واجب ہے، تو ایک گورے چٹے انگریز کی اطاعت اس پر کیوں نہ واجب ہو؟ (لوکر لوگل) فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اور پھر اس کے ہمنوا شمس العلما مولوی نذیر احمد نے اپنے قرآن پاک کا ترجمہ "اولی الامر منکم" کا یہ معنی کرنے کی بجائے کہ "جو امیر تمہارے بیچ سے ہوں"۔ یہ کیا کہ

ان کی اطاعت کرو جو تم پر مقرر کئے گئے ہیں (صفحہ ۴)

ب۔ سرسید نے قرآن پاک اور بائیبل کی تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے پروفیسر آرنلڈ کو جو کاغذات بھیجے تو وہ پھولا نہ سمایا۔ یہ کام اگر مسلمان کریں، تو پھر عیسائیوں کیلئے یہ ثابت کرنا آسان ہو جائے گا کہ اگر انجیل صحیح ہے۔ تو قرآن پاک (نعوذ باللہ) ضرور جھوٹ ہے۔ (صفحہ ۱۶) (توبہ میرے اللہ سرسید کس قماش کا آدمی تھا)

پ۔ سرسید نے سائنس کی تعلیم کی مخالفت کی کہ وہ صرف ایسی تعلیم کے حق میں تھا۔ جو مسلمانوں کو اعلیٰ انتظامی عہدوں کیلئے تیار کرے۔ اس نے تعلیم نسواں کی بھی مخالفت کی۔ کہ جاہل عورت اپنے حقوق سے واقف ہو گئی تو اس کی زندگی عذاب ہو جائے گی (صفحہ ۳۰) اور یہ اعلی خاندان وہ تھے جو بقول چودھری شجاعت حسین انگریزوں کے کتے نہلاتے تھے۔ اور ان کی اولادیں ہم پر مسلط ہیں۔

ت۔ سرسید نے مقابلے کے امتحان میں صرف اعلیٰ خاندان کے لوگوں کو شرکت کرنے کی حامی بھری۔ ان کے خیال کے مطابق ادنیٰ خاندان کے لوگ ملک یا گورنمنٹ کیلئے مفید نہیں ہوتے (صفحہ ۳۲)

ٹ۔ لیکن یہ کچھ پڑھ کر خاکسار شیر زمان کے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ سرسید اپنے کاغذات "لائل محمڈنز آف انڈیا" میں یہاں تک کہہ جاتا ہے کہ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اب مسلمانوں میں ٹیپو سلطان اور سراج الدولہ جیسے غدار اور قوم دشمن افراد پیدا ہونے بند ہو گئے ہیں۔ اور میر جعفر اور صادق جیسے محب وطن اور اقوام کے بہی خواہ پیدا ہو رہے ہیں، جو سرکار برطانیہ کے وفادار ہیں۔ بلکہ اس راج کو مستحکم کرنے والے ہیں۔ (شمیم احمد مصنف زاویہ نظر صفحہ ۳۲ اور شیر زمان کی کتاب کا صفحہ ۱۵ اور ۱۶)

۱۰۔ یہ عاجز اب اپنی طرف سے یہ اضافہ کرے گا کہ سرسید غدار اعظم ہے اور وہ میر جعفر، میر صادق اور الہیٰ بخش سے بھی بڑھ کر غدار ہے۔ اور اس کے پیروکار یا اس کو صحیح سمجھنے والے بھی اسلام کے دشمن ہیں۔ اور یہ لوگ قادیانیوں سے زیادہ مسلمانوں کا نقصان کر رہے ہیں۔ لیکن ایسے غداروں کا ذرائع ابلاغ پر قبضہ ہے۔ کہ کوئی اخبار میری اس تحقیق کو شائع کرکے قوم کے سامنے صحیح صورت حال پیش نہ کرے گی۔

ضمیمہ "ج"

راولپنڈی سازش کا مقدمہ؟

تمہید راولپنڈی سازش کا "مقدمہ" یا اس کے پس منظر اور سب باتوں کے تانے بانے ملانے کیلئے ایک بہت بڑی کتاب کی ضرورت ہے۔ لیکن افسوس کہ ہماری قومی زندگی کے اس المیہ پر آج تک کسی دانشور نے ایک دھیلے کا کام نہیں کیا۔ اس مقدمہ کے بڑے "ستون" اکبر خان طارق از خود نے اپنی کتاب "کشمیر کے حملہ آور" میں اس المیہ پر چند فقرے لکھ کر، معاملات سے کچھ پردے ضرور اتارے ہیں۔ اور مقدمہ کے ایک اور "مجرم" کرنل حسن خان مرزا نے اپنی کتاب "شمشیر سے زنجیر" میں تمام "مجرموں" کے قلمی خاکے اور مقدمہ کی کچھ روائیداد لکھی ہیں۔ لیکن زبان ادبیانہ ہے۔ طرز بیان افسانوی ہے۔ اور پیشکش اتنی "سنجیدہ" نہیں۔ گو لفظ لفظ سچ ہے۔ لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت بناوٹ سے کام لیا ہے۔ ایک اور "مجرم" برگیڈئیر صدیق ستی نے ایک رسالہ میں ایک مضمون کے جواب کے طور پر سب واقعات کو صحیح طور پر بہت اختصار سے بیان کیا ہے۔ لیکن اتنے مواد سے کوئی لکھاری تمام واقعات کے تانے بانے ملا کر قوم کے سامنے کوئی پر معنی اور بامقصد تحریر نہیں پیش کر سکتا۔ اور راقم نے بھی مجبوراً قلم اٹھایا ہے کہ میں ان سب لوگوں کا ہم عصر بھی ہوں اور ایک طرح سے "چشم دیدہ گواہ" ہی سمجھ لیں۔ کہ بقول سید شبیر حسین شاہ میں دور سے بھی کچھ دیکھ لیتا ہوں۔ یہ لیکن اس مقدمہ پر کسی اسلامی خیال والے قانون دان دانشور کو قلم اٹھا کر قوم کے سامنے بامقصد حقیقت پیش کرنا چاہیے۔

میری تحقیق یہ کچھ میں کتاب میں واضح کر آیا ہوں کہ ہماری فوج میں کافی لوگوں کو کشمیر کے جہاد کے طریق کار کے ساتھ بہت اختلاف تھا۔ اور فائر بندی پر کچھ لوگوں نے فوج سے مستعفیٰ ہونے کی درخواستیں بھی دیں۔ انگریز جنرلوں کو اس کا علم تھا کہ پاکستان کی فوج میں کچھ غیر تمند لوگ موجود ہیں۔ تو لپنے جانے سے پہلے وہ ان لوگوں کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ

ان کی تیار کردہ ابن الوقت اور بے کردار لوگوں کی "کھیپ" ہمیشہ ہمیشہ سے پاکستان پر مسلط رہے۔ اس لئے انہوں نے لپنے گماشتوں اور کارندوں کی مدد سے حکومت وقت کے خلاف ایک سازش کی بنیاد بھی "بندھوائی"۔ اور ڈبل گیم کھیل کر کے ان غیر تمند لوگوں کو اس سازش کا "سرغنہ" بنوایا۔ اور جنرل گریسی نے لپنے جانے سے پہلے لپنے جانشین ایوب خان کو اس "سازش" سے آگاہ کیا اور اس کے لئے لیفٹیننٹ جنرل میک کے، کو مشیر کے طور پر اس کی مدد کیلئے چھوڑ گئے۔ کہ وہ، یہ تمام معاملہ اس "مشیر" کی مدد سے حل کریں۔ اور پھر ایوب خان اور لیاقت علی سے اس "مشیر" نے وہ کچھ کروایا جو انگریز چاہتے تھے۔ اور ایوب خان اپنی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹر" میں تسلیم کرتا ہے۔ کہ جو لوگ کشمیر میں بہت جونئیر ہوتے ہوئے بڑی کمانڈوں پر بہادری سے لڑے ان کو ان کے قد کے مطابق "تراش" دیا گیا۔ البتہ ایسے بہادر لوگوں میں سے جو لوگ مذہب یا دین اسلام کی طرف عملی طور پر بہت مائل تھے۔ ان کو اس سازش میں نہ "شامل" کیا گیا۔ کہ سازش کو بین الاقوامی رنگ دینے کیلئے کچھ سوشلزم کا "تڑکا" لگانا پڑ گیا۔ تو ان مذہبی لوگوں کو اور طرح سے نکو بنا کر فوج میں اوپر نہ جانے دیا گیا۔ ان میں نو شیرواں۔ شیر محمد اور حفیظ آفریدی کا ذکر کتاب میں موجود ہے۔

سازش کے "مجرم" سازش کا بڑا مجرم جنرل اکبر خان طارق کو بنایا گیا، جن کا اس کتاب میں بہت ذکر ہے۔ دوسرا برگیڈئیر صدیق ستی تھا۔ جس نے پونچھ پاکستان کیلئے حاصل کر لیا تھا اور کتاب میں ذکر موجود ہے کہ کس طرح اس کو کمانڈ سے ہٹا کر پونچھ بھارت کے قبضہ میں رہنے دیا۔ تیسرا کرنل حسن مرزا ہیں جنہوں نے شمالی علاقہ جات میں اسلام کی قرون اولیٰ کی تاریخ کو دہرا دیا۔ اور گلگت کو اسی نے آزاد کرایا۔ چوتھا برگیڈئیر لطیف، کشمیر کی جنگ میں تو نہ شامل تھا لیکن اکبر خان کی یونٹ سے ہونے کیوجہ سے اکبر خان کا ہم خیال تھا۔ اس کے بعد اکبر خان جب برگیڈ کمانڈر تھا تو اس کے ماتحت الگ الگ موقعوں پر کرنل ارباب نیاز اور میجر محمد اسحٰق اس کے برگیڈ میجر رہے۔ کیپٹن خضر حیات جی تھری رہا اور کیپٹن ظفر اللہ پوشنی سگنل افسر تھا۔ ان کو بھی مقدمہ میں شامل کر لیا گیا۔ ایک کرنل ضیاء الدین، ارباب نیاز کی یونٹ کا تھا اور اس کا دوست تھا۔ اور یہ چونکہ کشمیر سے تعلق رکھتا تھا اور کرنل حسن مرزا کے ساتھ بھی اس

کی دوستی تھی تو اس صاحب کو بھی سازش میں "ملوث" کر دیا گیا۔ میجر جنرل نذیر احمد کو مقدمہ میں بہت دیر کے بعد شامل کیا۔ وہ قادیانی تھا اور ظفراللہ کا ہم زلف، تو ظفراللہ نے اس کو بچانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ "بچ" نہ سکتا تھا۔ کہ جن بیانات اور واقعات کو بنیاد بنا کر یہ مقدمہ شروع کیا گیا، ان کے لحاظ سے نذیر احمد کا "قصور" اکبر خان سے بھی زیادہ تھا۔ اس کو سلطانی گواہ بھی نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ تو اس کو مقدمہ میں "شامل" ضرور کیا۔ لیکن سزا صرف ایک دن کی "قید" تھی۔ جو کورٹ کے فیصلہ کے بعد ختم ہوگئی۔ ایئر کموڈور محمد خان جنجوعہ کو مقدمہ میں صرف اس لئے شامل کیا گیا کہ وہ فضائی فوج کیلئے انگریزوں سے کنڈم سامان خریدنے پر تیار نہ تھا۔ اور وہ فضائی فوج کا سب سے سینئر افسر تھا۔ انگریز فضائی فوج کیلئے اپنے "پروردے" تیار کر رہے تھے اور محمد خان کو وہ جگہ نہ دینا چاہتے تھے۔ اکبر خان کی بیگم نسیم، مسلم لیگ کی لیڈر بیگم شاہ نواز کی لڑکی تھی، اور اپنی بہن ممتاز کی وجہ سے ترقی پسند ادیبوں، یا "سرخوں" کو ملتی رہتی تھی۔ اس کو اور اس کے ملنے والوں میں سے پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر فیض احمد فیض۔ کمیونسٹ سجاد ظہیر اور محمد حسین عطاجو "ہم سفر" بن رہا تھا۔ ان چاروں کو سازش کو کمیونسٹ رنگ دینے کیوجہ سے شامل کر لیا۔ لیکن کوئی گواہی نہ گھڑی جاسکی تو آخر ان کو اور بیگم نسیم کو رہا ہی کرنا پڑا۔ اور دراصل گماشتے Agent Provocater کا کام بڑی ہوشیاری سے کرنل صدیق راجہ کر رہا تھا۔ جس نے ایک محب وطن، اور بہادر آدمی کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا۔ اور اپنی پلٹن کی دو کمپنیوں کو قصائی کی طرح سیکنڈ لیفٹننٹ نیازی کے ماتحت اس نے جو جنگ میں جھونک دیا تھا اور کتاب کے تینتیسویں باب میں ذکر ہو چکا ہے۔ وہ پہلو بھی اس کی بہادری سمجھی گئی۔ لیکن جب وہ اس مقدمے کا سلطانی گواہ بن گیا تو اس عاجز کے سامنے تو کرنل صدیق راجہ اسی دن "ننگا" ہو گیا۔ گو کئی لوگ اس کی سب کارروائیوں کو اب بھی اس کی "بے وقوفی" تک محدود کرتے ہیں۔ صدیق راجہ کی مدد ایک اور بے کردار آدمی میجر یوسف سیٹھی کر رہا تھا۔ جس کو بھی سلطانی گواہ بنایا گیا۔ لیفٹیننٹ جنرل حبیب اللہ جو اس زمانے میں کرنل / بر گیڈیئر تھے۔ وہ بھی اس گروہ کے "ہم سفر" ضرور رہے اور اکبر خان طارق اپنی کتاب میں صدیق راجہ کے ساتھ حبیب اللہ کو بھی "مخبر" ضرور کہتے ہیں۔ لیکن حبیب اللہ نے مقدمہ میں کوئی گواہی وغیرہ نہ دی۔

گواہی صرف کرنل بعد میں بر گیڈیئر محمد حیات حال سینیٹر نے دی، جو حبیب اللہ کا "آدمی" مانا جاتا ہے اور اس وجہ سے ایوب خان اور محمد موسیٰ نے اس کو جنرل نہ بنایا۔ کہ حبیب اللہ اگر کسی زمانے میں انگریزوں / امریکنوں کو پسند کرتا تھا لیکن وہ اس کو بھی ایوب خان یا محمد موسیٰ جیسی "ذمہ داری" پر دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔

احتجاجیوں کی ملاقاتیں؟ جن لوگوں کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، مقدمہ میں کوئی ایسا ثبوت نہ پیش کیا جاسکا۔ کہ یہ سب لوگ یا ان میں سے چند ایک (سوائے ایک موقع کے جس کا آگے ذکر آتا ہے) کسی جگہ اکٹھے ہوئے، اور انہوں نے سازش کیلئے کوئی صلاح مشورہ کیا یا حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی یا کوئی تنظیم بنائی یا کسی فوجی یونٹ سے کچھ کرانے کے بارے سوچا۔ البتہ جو لوگ حکومت پاکستان کی ساری پالیسیوں سے نالاں تھے یا خاص کر انگریز جنرلوں، قادیانیوں اور چمچوں سے تنگ تھے۔ وہ کہیں ملتے تھے، تو کہہ لیتے تھے کہ حکومت کو تبدیل ہونا چاہیے یا کہتے کہ کچھ کرنا چاہیے۔ کہ انہی دنوں سیریا (شام) میں ایک کرنل حسنی زیم نے حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ تو لوگ کہتے کہ ہمارے ہاں بھی کسی فوجی کو حکومت سنبھال لینا چاہیے۔ اور کئی افسروں کے نام لئے جاتے۔ جن میں اکبر خان طارق کا کشمیر کی جنگ کیوجہ سے اور حبیب اللہ کا ایک پیشگوئی کیوجہ سے نام لیا جاتا۔ لیکن صدیق راجہ نے بھی ایک گروہ تیار کیا ہوا تھا۔ کہ وہ آئندہ کا پاکستان کا مصطفےٰ کمال ہے۔ اور فی الحال وہ "بادشاہ گر" بنے گا۔ پھر حکومت سنبھال کر کے پاکستان کو ماڈرن ترکی کی طرح ایک ترقی پسند ملک بنا دے گا۔ اور وہ اور اس کا گروہ کھلم کھلا اس کی شخصیت بنانے پر لگے رہتے تھے جس کا یہ عاجز کتاب میں پہلے ذکر کر آیا ہے۔ اب کچھ لوگوں کی ذاتی رنجشیں تھیں۔ کچھ اپنا "ساڑ، پھک" رہے تھے اور کچھ لوگ مل کر صلاح مشورے بھی کر لیتے۔ خاص کر اکبر خان طارق جو اس زمانے یعنی ۱۹۴۹ء میں کوہاٹ بر گیڈ کا کمانڈر تھا۔ وہ اور حبیب اللہ جو پشاور بر گیڈ کا کمانڈر تھا، یہ کوہاٹ اور پشاور کے درمیان عامل۔ چبوترہ میں اکثر مل کر کچھ سوچتے یا صلاح مشورہ کرتے۔ جس سلسلہ میں سب کتابیں خاموش ہیں۔ لیکن مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ وہ وہاں ملتے تھے اور اس کے نتیجہ میں دسمبر ۱۹۴۹ء میں اٹک کے مقام پر ایک میٹنگ ہوئی جس کی بنا پر راولپنڈی سازش کا مقدمہ استوار کیا گیا۔

دسمبر ۱۹۴۹ء ۔ اٹک کی میٹنگ جیسے ذکر ہو چکا ہے اکبر خان طارق ۱۹۴۹ء میں کوہاٹ کے بر گیڈ کمانڈر تھے تو انہوں نے ۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو اٹک کے قلعہ میں ہم خیال اور اچھے لوگوں کی ایک غیر سرکاری میٹنگ کا کسی بہانے بندوبست کی ۔ جس میں نویں ڈویژن کا کمانڈر میجر جنرل نذیر احمد، ان کا جی ون اور اکبر خان کا دوست کرنل (بعد میں بر گیڈئیر) محمد لطیف، نویں ایف ایف کے کرنل صدیق راجہ اور بر گیڈئیر صدیق ستی جو اس وقت کرنل اور ساتویں ڈویژن کے جی ون تھے انہوں نے شرکت کی ۔ میری تحقیق ابھی صدیق ستی سے سوالات کا نتیجہ ہے کہ صدیق ستی کو راولپنڈی سے کرنل صدیق راجہ بڑی کوششوں کے بعد اس میٹنگ میں لے گیا اور بر گیڈئیر حبیب اللہ (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) نے بھی صدیق ستی کو بتایا کہ وہ بھی اس میٹنگ میں شریک ہوگا اور صدیق ضرور اس میں شرکت کرے ۔ کہ گو یہ غیر سرکاری میٹنگ ہے لیکن اہم قومی معاملات کے بارے کچھ سوچ و بچار ہوگا ۔ لیکن حبیب اللہ بعد میں میٹنگ میں شریک نہ ہوا اور ایک بہانہ سے سوات چلا گیا ۔ بہر حال اس میٹنگ میں اکبر خان طارق نے صورت حال کو ان الفاظ میں واضح کیا ۔

ا ۔ کشمیر کی جنگ میں جنرل گریسی اور انگریز افسروں نے ہر عمل کے سلسلہ میں تخریب کاری کی اور ہمارا وزیر اعظم لیاقت علی، جنرل گریسی کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا مہرہ ہے ۔

ب ۔ کشمیر کے بغیر پاکستان نامکمل ہے اور پاکستان زیادہ دیر قائم نہ رہ سکے گا ۔ خواہ مخواہ قوم کی دولت اور بے حساب نفری اس جھگڑے پر مفت میں ضائع ہو رہی ہے ۔ کہ چند سال بعد ہم کلنگ ہو جائیں گے اور مشرقی پاکستان بھی ہم سے الگ ہو جائے گا ۔

ج ۔ ہمارے لئے گندم اور ٹوٹا پھوٹا فوجی سامان انگریزوں سے بہت زیادہ قیمت پر خریدا جا رہا ہے

عملی پہلو سب نے ان باتوں اور حالات سے اتفاق کیا ۔ تو اکبر خان نے کافی وضاحت کے ساتھ تجویز پیش کی کہ ہم فائر بندی لائن توڑ دیں اور کشمیر میں داخل ہو جائیں اور حکومت کو مجبور کر دیں کہ پالیمنٹ سے اس کی منظوری دلائے ۔ اگر منظوری نہ بھی ملے تو لوگ ہمارے ساتھ ہو جائیں گے اور ہم بھارت کے ساتھ جنگ لڑ کر بہت کچھ حاصل کر لیں گے ۔ تجویز پر بہت

بحث ہوئی ۔ اور صدیق ستی نے شروع سے ہی مخالفت کی ۔ کہ ایک ہی وقت میں ہم پانچ آدمی بھارت کے ساتھ جنگ کو کس طرح کنٹرول کریں گے ۔ کہ اگر پارلیمنٹ یا حکومت ہماری تجویز کو نامنظور کرتی ہے تو پھر ہمیں حکومت پر بھی قبضہ کرنا ہوگا ۔ اور یہ ایک فوجی حکومت ہوگی ۔ بین الاقوامی طور پر غیر منظور شدہ حکومت ہوگی ۔ اور مشرقی پاکستان کا دفاع کون کرے گا ۔ بہر حال اکبر خان کہتا تھا کہ جنگ معاملات خود بخود حل کر لیتی ہے لڑیں گے یا مریں گے ۔ کھرا کھوٹا بھی سامنے آجائے گا ۔ وغیرہ ۔ لیکن میٹنگ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی ۔ البتہ سب کا خیال تھا کہ کچھ کیا جائے ۔ ہم خیال لوگ پیدا کئے جائیں ۔ اور حکومت کیلئے "احتجاجوں" یا تلخ حقیقتوں کے ذریعے سے صورت حال کی صحیح نشاندہی کی جائے ۔ کرنل صدیق راجہ سب سے زیادہ مرنے مارنے کی باتیں کرتا تھا ۔ لیکن جنرل نذیر زیادہ تر خاموش رہا ۔ اور اس کی "شمولیت" راقم کی سمجھ سے اب بھی باہر ہے ۔ کیا وہ اپنے قادیانی فرقہ والوں کی اجازت کے بغیر اس میٹنگ میں شامل ہوا ؟ ۔ یا اس کو "تماشائی" بننے کی اجازت تھی اور اس نے بعد میں لیاقت علی سے ملاقات کر کے اس کو بتایا بھی کہ کافی افسر حکومت کی کشمیر کی پالیسی سے نالاں ہیں ۔

حیلہ فرنگی انگریز جنرلوں کے پاس کارروائی کی پوری خبریں پہنچ گئیں ۔ اور وہ نہ چاہتے تھے کہ گریسی کے زمانے میں فوج میں کسی "بغاوت" کے آثار ظاہر ہوں ۔ انہوں نے سب کچھ "بھانپ" لیا ۔ اکبر خان کو ولایت کورس پر بھیج دیا، جہاں سے چار ماہ بعد واپس آکر اس کو سیالکوٹ میں چودھویں پیرا بر گیڈ کی کمان دینے کا فیصلہ کیا ۔ جہاں تین رجمنٹل سنٹروں کے کمانڈر انگریز تھے اور انہوں نے اکبر پر نظر رکھنا تھی ۔ لطیف سے اشارتاً گریسی نے پشاور میں یہاں تک پوچھ لیا ۔ کہ تمہاری سازش کیسے چل رہی ہے" ۔ مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ انگریزوں کے زمانے میں کچھ نہ کریں ۔ کہ ان کو ڈر رہے ۔ کہ انگریز بڑے "باخبر" ہیں ۔ ظاہر ہے کرنل ۔ صدیق راجہ نے سب باتوں سے اپنے ڈویژن کمانڈر ٹاتھم کو آگاہ کر دیا ہوگا جو ۱۹۵۰ء کے شروع میں ریٹائر ہو رہا تھا ۔ بہر حال جنرل گریسی نے اب اپنا جانشین بھی چننا تھا کہ ۱۹۵۱ء کے شروع میں اس نے بھی ریٹائر ہو جانا تھا ۔ اکبر خان رنگروٹ کو وہ لوگ اس کے اسلامی خیالات کیوجہ سے پہلے سے رد کر چکے تھے ۔ جنرل رضا کچھ زیادہ بابھروسہ ہو گیا تھا کہ اس کے بغیر کوئی دوسرا

آدمی بری فوج کا سربراہ نہ بن سکے گا۔ تو وہ انگریزوں کے ساتھ بھی کچھ کچھ کر گیا تھا کہ یہ لوگ جلدی جائیں لیکن رضا کی نہ شخصیت تھی نہ فوج میں کوئی ساکھ۔ اس لئے انگریزوں نے اس کو آسانی سے رد کر دیا۔ یہی بات ناصر علی کو لاگو تھی۔ جس نے پلٹن یا برگیڈ یا ڈویژن وغیرہ کسی کی بھی کمانڈ نہ کی تھی۔ نذیر قادیانی اس میٹنگ میں اپنی "شمولیت" سے انگریزوں کی حمایت کھو بیٹھا۔ اس میٹنگ کے تین ہفتہ بعد افتخار خاں حادثہ میں ہلاک ہو گیا۔ اب انگریزوں کی نظر ایوب خان پر پڑی، جس کو جنوری ۱۹۵۰ء سے وہ جی ایچ کیو میں ایجوٹنٹ جنرل بنا چکے تھے۔ اور اس کو انہوں نے "گروم" کرنا شروع کر دیا۔ بعض دفعہ پرانے تانے بانے ملا کر میں خود حیران ہو جاتا ہوں کہ جہلم ہمارے پرانے چودھویں رجمنٹل سنٹر کی کمانڈ کیلئے جنرل گریسی اپنے ایک گورکھا یونٹ کے کرنل سنک لینڈ کو لے آیا تھا۔ اس نے مارچ ۱۹۵۰ء میں وہاں ایوب خان سے ایک مسجد کی بنیاد ڈلوائی۔ جس کو بڑا فوجی اور اسلامی رنگ دیا گیا۔ اور سنک لینڈ نے چند ماہ پہلے مجھے جب اس تجویز سے آگاہ کیا تھا تو مجھے یقین نہ آرہا تھا کہ تین ماہ میں وہ اتنا کچھ کر لے گا۔ اب میں بھی محکمہ تعلقات عامہ کی طرف سے ایوب خان کی سٹاف کار میں ان کے ساتھ جہلم گیا۔ اور سنک لینڈ کو جب بہت بڑی مبارک دی کہ اس کی پیش بینی کتنی صحیح تھی۔ تو وہ مجھے کہنے لگا "کہ یہ بھی سن لو یہی ایوب خان آئندہ بری فوج کا سربراہ ہوگا"۔

ایوب خان اور سکندر مرزا کی بریفنگ ۱۹۵۰ء کے آخری سہ ماہی سے بھی پہلے ایوب خان کے بری فوج کے سربراہ بننے کا اعلان ہو گیا۔ گریسی نے لطیف کی ترقی بھی نہ روکی لیکن اس کو برگیڈئیر بنا کر پنڈی اور کراچی کے مرکزوں سے دور کوئٹہ تبدیل کر دیا۔ اور صدیق۔ ستی کی ترقی بھی نہ روکی اس کو برگیڈئیر بنا کر بنوں بھیج دیا۔ ساتھ ہی اکبر خان کے میجر جنرل بننے کا وقت آگیا تھا تو ایوب کو مشورہ دیا کہ اس کو ڈویژن کی کمانڈ نہ دینا۔ اور اس کو اپنے ساتھ جی۔ ایچ کیو میں چیف آف دی جنرل سٹاف بناؤ۔ اور پنڈی میں ساتویں ڈویژن کی کمانڈ اپنے پرانے پروردہ میجر جنرل حیاء الدین قادیانی کو دلوائی کہ ایوب خان کا وفادار رہنا۔ پھر گریسی نے ایوب۔ خان اور سکندر مرزا کو اور ساتھ لیاقت علی کو اس وقت یا پہلے سے اٹک میٹنگ کی پوری کہانی سنائی اور کہا کہ وہ تو جا رہا ہے۔ اب تم اکبر خان سے کس طرح "چھٹکارا" حاصل کرتے ہو۔ وہ

فیصلہ خود کرنا۔ جنرل میکے کے، مشورہ کیلئے تمہارے پاس موجود ہے۔ ایوب خان، یہ سننے کے بعد سکندر مرزا کو لے کر پشاور پہنچا اور صدیق ستی جو اس کی پلٹن سے تھا اس کو بنوں سے بلا کر اس کی سکندر مرزا کے ساتھ ملاقات کرائی اور سکندر مرزا کو "ڈرانے" کیلئے یہ الفاظ بھی استعمال کئے کہ صدیق میرا اتنا وفادار ہے کہ اگر میں اس کو یہ کچھ کہوں کہ وہ تمہارا گلا کاٹ دے تو وہ مجھ سے وجہ بھی نہ پوچھے گا۔ صدیق ستی نے یہ ریمارک کس بڑی مشکل سے برداشت کیئے اور خاموش رہا۔ بہر حال اصل مقصد صدیق کو اکبر خان کے خلاف گواہ بنانا تھا جس کا صدیق ستی نے انکار کر دیا کہ اکبر خان کشمیر میں جنگ شروع کرنا چاہتا تھا۔ جس کے طریق کار زیر بحث آئے اور بحث میں انسان کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ لیکن اس میٹنگ میں کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا کہ حکومت کے خلاف کچھ کیا جائے۔ ایوب بڑا مایوس ہوا۔

اکبر خان اکبر خان جب ولایت میں تھا تو وہاں ایئر کموڈور محمد خان جنجوعہ کے ساتھ اس کی ملاقات ہوئی یا کرائی گئی اور دونوں نے اپنے دکھ پھولے تو ساتھ کوئی گواہ بھی پیدا کیا گیا۔ واپس پاکستان آکر اکبر خان نے اور لوگوں کے ساتھ مشورے کئے۔ لیکن اس کو مایوسیاں ہوئیں۔ کوئی کام کا آدمی بھی نہ ملا اور کوئی طریق کار بھی اس کو نظر نہ آرہا تھا۔ البتہ ایوب خان کے بری فوج کے سربراہ بن جانے پر اس کو خوشی ہوئی۔ کہ ایوب بھی انگریزوں کے خلاف باتیں کر لیتا تھا اور کشمیر کے سلسلہ میں اس کے خیالات زیادہ خراب نہ تھے۔ پھر اس کو ایوب کا چیف آف دی جنرل سٹاف بن جانے کی خبر ملی تو وہ خوش ہو گیا کہ ایوب خان کو اپنا لیڈر بنا کر کشمیر کے سلسلہ میں حکومت سے کچھ کرا لیں گے۔ اس سلسلہ میں اس نے کچھ تجویز بنائی اور ۱۹۵۱ء کے پہلے دو مہینے اس نے ایوب خان کو "کھنگولا" لیکن ایوب خان تبدیل ہو چکا تھا۔ اکبر۔ خان کو بھی معلوم ہو گیا کہ ایوب خان اس کے خلاف گواہ "ڈھونڈتا" پھرتا ہے۔ اٹک کی میٹنگ کے بعد بقول کرنل حسن مرزا، جنرل محمد نذیر نے لیاقت علی سے ملاقات کی تھی کہ وہ انگریزوں کے ہاتھوں میں نہ کھیلیں، لیکن لیاقت نے اس کو اور کئی اوروں کو مایوس کیا تھا۔ اب اکبر خان ہر طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔

۲۳ فروری ۱۹۵۱ء اکبر خان نے ۲۳ فروری ۱۹۵۱ء کو پنڈی میں اپنے بنگلہ پر چند محب وطن

دوستوں اور ہم خیال لوگوں کی ایک میٹنگ بلائی ۔ کرنل صدیق راجہ اس میٹنگ میں موجود تھا۔ صدیق ستی اور میجر اسحق کو بھی مدعو کیا گیا۔ لیکن وہ نہ آئے یا نہ آسکے ۔ کون کون لوگ اس میٹنگ میں شریک تھے، میں پوری تحقیق نہ کرسکا۔ البتہ اکبر خان سے کسی نے غلطی کرائی یا اس خود کی سوچ تھی کہ اخبار والے آگاہ ہوجائیں تو اس نے فیض احمد فیض کو بھی بلالیا۔ اور وہ کیمونسٹ سجاد ظہیر کو بھی ساتھ لے آیا اکبر خان نے صاف کہا کہ بھارت سے کشمیر بزور شمشیر لینا کوئی مشکل نہیں اور پوری جنگ میں بھی بھارت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا' اس نے ہر کوشش کی، کہ وہ کشمیر میں جنگ شروع کرے اور اس کیلئے کئی خفیہ میٹنگیں بھی کیں اور میں نے جو کچھ کیا وہ سب کچھ ماننے کو تیار ہوں اور کورٹ مارشل کرانے پر بھی تیار ہوں ۔ آج سے تمام خفیہ کارروائیاں بند کی جاتی ہیں اور ہم اب سے کھلے طور پر اپنے اوپر والوں اور حکومت کو ان تلخ حقیقتوں سے آگاہ کرتے رہیں گے کہ کشمیر کے بغیر پاکستان قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ کچھ جب اوپر والوں تک پہنچا تو بھونچال آگیا۔ اور بالکل ممکن تھا کہ یہ سچائیاں جب پھیلتیں تو لیاقت علی۔ ایوب خان وغیرہ سب ایک ہی دن میں گھر جاتے۔ میٹنگ میں فیض اور سجاد ظہیر نے ایک لفظ بھی نہ بولا۔ باقی لوگوں نے اس بات کو پسند کیا۔

۹ مارچ ۱۹۵۱ اتفاقاً یہ عاجز کوہاٹ سے جہلم جاتے ہوئے ۸ اور ۹ مارچ ۱۹۵۱ء پنڈی ٹھہر گیا۔ اور سب ڈرامے کا چشم دید گواہ ہوں، کہ ہمیں کس طرح بے وقوف بنایا گیا۔ اور سب افسروں کو بلا کر بریف کیا گیا۔ اکبر خان اور اس کے بیگم نسیم کو پنڈی سے اور برگیڈیئر لطیف کو ان کے "دست راست" کے طور پر کوئٹہ سے اور فیض احمد فیض کو "مشیر" کے طور پر لاہور سے پہلی "کھیپ" کے طور پر رات ۹ / ۸ مارچ کو گرفتار کیا گیا۔ اکبر خان کو اقتدار کا بھوکا، شرپسند اور ملک کی جڑیں کھوکھلی کرنے والے ایک باغی کے طور پر پیش کیا گیا۔ بیگم نسیم کو اقتدار کی بھوکی لیڈی میک بیتھ کے ساتھ تشبیہہ دی گئی۔ فیض کے ذریعہ سے بین الاقوامی کیمونسٹ بلاک سے رابطہ کی سازش کو اچھالا گیا۔ کیمونسٹ سجاد ظہیر کی گرفتاری کیلئے چھاپوں کی خبریں گھڑی گئیں اور محمد حسین عطا کو خود "زیرزمین" کر کے ایک ماہ بعد گرفتار کیا گیا۔ بعد میں سے صدیق۔ ستی یا میجر اسحق وغیرہ لوگوں کو آہستہ آہستہ گرفتار کرنے میں ایک مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو

بتایا جائے کہ بہت بڑی سازش تھی اور اس میں کئی لوگ ملوث تھے اور ہیں ۔ کہ ایک ڈراؤنی اور بھیانک صورت حال بھی پیدا کرنی تھی، کہ لوگ ڈر جائیں ۔ اور ہر ابن آدمی کو گرفتار کرلیا جو اکبر خان کے ساتھ رہا لیکن استغاثہ کی ضرورت کے مطابق اکبر خان کے خلاف جھوٹی گواہی دینے کو تیار نہ تھا۔ کرنل حسن مرزا اور کرنل ضیاء الدین نے جاکر ہمدردی کیلئے کرنل صدیق راجہ سے ملاقات کی کہ اکبر خان کو کس طرح جیل سے رہا کیا جائے تو ان کے خلاف ایک فالتو چارج گھڑ لیا گیا کہ وہ اکبر خان کو جیل سے رہا کرانے کیلئے آزاد کشمیر کی ایک پلٹن کو پنڈی لانا چاہتے تھے ۔ لیکن کامیاب نہ ہوئے ۔ خیر اس میں ضیاء الدین کا کچھ اونچے بول یا" [illegible] " کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ دراصل اکبر خان کو گرفتاری سے پہلے اسی صدیق راجہ کے ذریعہ سے اکبر خان کو معلوم ہو گیا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے ۔ لیکن وہ تو کورٹ مارشل کرانے پر تیار تھا۔

مقدمہ یہ مقدمہ اور کشمیر میں بہادری سے لڑنے والوں کو کال کوٹھڑیوں میں رکھنا، سب کچھ ہماری قومی تاریخ کے سیاہ ابواب ہیں ۔ تمام کار وائیوں کو خفیہ رکھنا اخباروں میں تمام کارروائیوں کے سلسلہ میں پابندیاں ۔ استغاثہ کی جھوٹی کہانیاں ۔ ججوں کے اس قسم کے غلط بیانات خاموشی سے سننا۔ "مجرموں" کے ججوں کو ایک ایک بات پر شرم دلانا۔ مجھے حیرانگی ہوتی ہے کہ مسٹر اے کے بروہی اور کرنل صمد نے ایسے جھوٹے استغاثوں کے پیش کرنے سے انکار کیوں نہ کردیا ۔ مجھے یہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کے بعد کے وزیراعظم مسٹر سہروردی اور مسٹر زیڈ ایچ لاری جیسے چوٹی کے وکیلوں نے مقدمہ کے بعد قوم کو آگاہ کیوں نہ کیا کہ اس جھوٹے رومن قانون میں بھی کسی غلامی کے زمانے میں کسی انگریز کی عدالت نے بھی ایسا جھوٹا مقدمہ ان جھوٹے الفاظ میں نہ سنا ہوگا اور بیسویں صدی کی آزاد دنیا میں کبھی کوئی ایسا مقدمہ دوسال زیر سماعت رہا ہوگا ۔ اور ملک کی دولت اس پر ضائع کی گئی ہوگی ۔ گو ان دفاع کے وکیلوں نے جھوٹے گواہوں کی خوب گت بنائی اور میرے خیال میں ٹی وی کے مزاحیہ ڈراموں ففٹی ففٹی یا گیسٹ ہاؤس کا سکرپٹ لکھنے پر وقت ضائع کرنے کی بجائے اس عدالت کی کارروائی کا ریکارڈ اگر کہیں سے مل جائیں تو انہی کو ٹی وی کے ڈرامے بنا دیا جائے تو ہم اپنی بے کسی پر خوب ہنس سکتے ہیں۔

کورٹ مارشل / کھلی عدالت اکبر خان نے کوئی لگی لپٹی نہ رکھی۔اس کو منع بھی کیا گیا کہ اس کے خلاف کوئی گواہی نہیں اور اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس نے جو کچھ کیا اس کو تسلیم کیا اور استدعا کی کہ اس کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے یا اس کا کورٹ مارشل کیا جائے۔لیکن حکومت اس کے خلاف اور اس کے ساتھیوں کے خلاف وہ کچھ ثابت کرنا چاہتی تھی جو کچھ انہوں نے نہ کیا تھا۔اور اس جھوٹ کا ایک لفظ بھی ثابت نہ ہو سکا تو عدالت نے اکبر خان کے اُسکے اپنے بیان پر اس کو اور اس کے چند ساتھیوں کو قصور وار ٹھہرایا۔اور بر گیڈئیر صدیق سیّ ایئر کموڈور محمد خان جنجوعہ اور میجر اسحٰق وغیرہ کی رہائی کے احکام بھی جاری کر دیئے لیکن رہائی سے پہلے عدالت کو اوپر سے حکم ملا کہ سب کو کچھ نہ کچھ سزا دی جائے اور عدالت نے فیصلہ تبدیل کر دیا۔افسوس! صد افسوس! اس مقدمہ کا سب سے بڑا" قصور وار میجر جنرل نذیر احمد تھا، کہ اکبر سے سینئر ہوتے ہوئے اکبر خان نے جو کچھ تسلیم کیا وہ میجر نذیر، ۳ دسمبر ۱۹۴۹ء میں اٹک میں سن چکا تھا۔اور اگر یہ سوچ غلط تھی تو سزا صرف نذیر اور اکبر کو ملنا چاہیے تھی اور بس۔لیکن نذیر کو قادیانیوں نے بچوالیا۔اور اس کو کورٹ کے برخاست ہونے تک سزا ملی لیکن نذیر نے اپنی صفائی میں ضرور کہا ہو گا کہ اس نے لیاقت علی کو سب باتوں سے آگاہ کر دیا تھا۔پھر کیسا مقدمہ ؟ یہ تھیں ہماری حکومتیں اور یہ تھیں ہماری عدالتیں اور یہ تھے ہمارے قانون ساز اور آئین ساز ادارے کہ دو سال بعد ایک اور جج مسٹر منیر نے ان اللہ کے شریک آئین ساز اداروں کے وجود کو ہی غیر قانونی قرار دے دیا۔اور سب قانون ختم ہو گئے تو راولپنڈی سازش کے مقدمہ کا قانون بھی ختم ہو گیا تو یہ " مجرم " رہا ہو گئے۔(فاعبتروا یا اولی الابصار)۔اکبر خان کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ وہ کہتا تھا"

نہ فقر کیلئے موزوں ہے نہ سلطنت کیلئے۔وہ قوم جس نے گنوایا متاعِ تیموری

ضمیمہ "د"

اقوام متحدہ کی ۵ جنوری ۴۹ کی ریزولیوشن کی چند جھلکیاں بمع تبصرہ

۱۔اقوام متحدہ کی ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی ریزولیوشن جس کے بارے ۴۵ سالوں سے ہم ڈھول پیٹ رہے ہیں اور اپنی قوم کو بے وقوف بنا رہے۔کہ اس کے تحت رائے شماری ہونا چاہیے۔ایک مہمل دستاویز ہے، جس میں عمل کیلئے کوئی حکم نہیں بلکہ مہمل سفارشات ہیں۔اور کوئی معیاد مقرر نہ کی گئی تو اب تک معاملہ لٹکا ہوا ہے اور آگے شقوں میں جو علاقہ کی حکومت کا ذکر آتا ہے۔وہ بھارت کی ریاست پر مسلط کی ہوئی حکومت ہے اور وہ، وہی کچھ کرے گی جو بھارت والوں کو موافق آتا ہو۔اکبر خان طارق نے ۱۹۴۹ء ہی میں اپنی حکومت کو کہہ دیا تھا کہ اس ریزولیوشن کے تحت بھارت کو رائے شماری پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔اس ریزولیوشن کی دس مہمل شقیں ہیں اور کچھ شقوں کے آگے چھوٹے چھوٹے حصے بھی ہیں۔پہلی شق میں یہ بات تو مان لی کہ ریاست کے مستقبل کا فیصلہ جمہوری طریقہ سے غیر متعصب رائے شماری کے ذریعہ ہو گا۔لیکن دوسری شق سے اس عمل کو مسترد کر دیا کہ رائے شماری تب ہو گی جب حالات سازگار ہوں گے اور کمیشن کو تسلی ہو جائے کہ فائر بندی پر ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کی ریزولیوشن کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔اگر ۴۴ سالوں میں حالات سازگار نہ ہو سکے اور فائر بندی لائن اب کنٹرول لائن بن گئی ہے۔تو حالات کبھی بھی "سازگار" نہیں ہو سکتے۔

۳۔تیسری شق کے پہلے حصہ کے مطابق رائے شماری کیلئے ایک ناظم مقرر ہونا تھا۔جس سلسلہ میں جموں و کشمیر کی حکومت کو بھی اعلان کرنا تھا۔اقوام متحدہ نے ایڈمرل نمٹز کو مقرر کیا، جو اپنا وقت اور ہمارا وقت ضائع کر کے اپنی موت آپ مر گیا۔تیسری شق کے دوسرے اور تیسرے حصے کے سلسلہ میں کچھ عمل کرنے تک نوبت ہی نہ آئی، کہ حالات سازگار نہ تھے۔اور پھر گراہم کمیشن بنایا جو اپنی موت آپ مر گیا۔

۴۔چوتھی شق افواج کی تعداد اور ان کو متعین کرنے پر تھی، جس سلسلہ میں تین سال بات چلتی رہی اور اس کے طریقہِ کار پر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا اور آج پر عمل تو ویسے بھی پہلی شقوں پر عمل کے

بعد ہوتا تھا۔ جب کسی ایک شق پر عمل نہ ہو سکا۔ تو یہ سفارشات، آج تک سفارشات ہی ہیں چوتھی شق کے پہلے حصہ میں بھارت اور بھارت کی مسلط کی ہوئی حکومت کا تو ذکر تھا۔ لیکن اس شق کے دوسرے حصے سے جو آزاد کشمیر اور پاکستان کے عمل کیلئے تھی وہاں ان دونوں کا نام نہیں لیا گیا۔ بلکہ مقامی اتھارٹی کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ بھارت آج تک پاکستان یا آزاد کشمیر کی حکومتوں کو اس مسئلہ میں پارٹی تسلیم نہیں کرتا۔

۵۔ پانچویں شق میں ناظم شماری کے ساتھ تعاون کی سفارش ہے۔ جو چیز وجود ہی میں نہ آئی

۶۔ چھٹی شق، ان لوگوں کا بھی رائے شماری میں شرکت کا حق تسلیم کرتی ہے جن کو ریاست سے زبردستی نکال دیا گیا ہے۔ ان لوگوں میں سے ۹۰ فیصد مر چکے ہیں۔ اب ان کی اولاد کا حق کون تسلیم کرے گا؟۔

۷۔ ساتویں سے لے کر دسویں شق تک صرف انتظامی سفارشات ہیں اور ان میں وہ اصول ہیں کہ سارا کام انصاف اور غیر جانبداری سے ہوگا۔ جب انصاف پہلے دن سے "غائب" ہے۔ تو یہاں کون انصاف کرائے گا۔

۸۔ اس کے بعد اقوام متحدہ کی طرف سے ہندوستان اور پاکستان کو خراج تحسین پیش کیا گیا کہ انہوں نے یکم جنوری ۱۹۴۹ء سے ہی فائر بندی کر لی۔ اور اصلی بات یہی کچھ تھی۔ باقی لیپا پوتی ہے۔

۹۔ ہمارے ملک میں جو لوگ یہ سوچ بیٹھے ہیں کہ رائے شماری کے ذریعہ سے کشمیر پاکستان کا حصہ بن جائے گا۔ وہ لوگ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔

۱۰۔ جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ بھارتی ایک دن ظلم سے باز آجائیں گے۔ یا جو لوگ ہندو ذہنیت سے کسی انصاف کی توقع کرتے ہیں۔ وہ مومن کی فراست سے عاری ہیں۔

۱۱۔ ہم بڑے بے غیرت ہیں کہ بھارت کے ساتھ ہمارے سفارتی تعلقات ہیں ان کے ساتھ تجارت کرتے ہیں، ثقافتی معاہدے ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ کھیلوں، دوڑوں کے مقابلوں کا بندوبست کرتے ہیں۔ قائداعظم نے ڈھاکہ جانے کیلئے اپنے ہوائی جہاز کو بھارت کے کسی ہوائی اڈہ پر رک کر پٹرول لینا بھی برداشت نہ کیا۔ جہاز میں فالتو ٹینکی لگوا کر اضافی پٹرول رکھ کر کراچی سے سیدھا ڈھاکہ پہنچے۔

۱۲۔ ہمارے لئے صرف ایک راستہ کھلا ہے کہ بھارت سمیت تمام دشمنوں کے ساتھ بائیکاٹ کریں، اور جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنائیں۔ جب اپنا گھر ٹھیک ہو تو اللہ کی فوج کی آٹھ کروڑ کی نفری کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔

ضمیمہ "ر"

جنرل ضیاء الحق کو میجر جنرل شوکت رضا کے بارے خط

۱۔ ۱۹۸۰ء کی دوسری سہ ماہی میں اس عاجز کو خبر ملی کہ جنرل ضیاء الحق، میجر جنرل شوکت رضا سے پاکستان آرمی خاص کر ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ وغیرہ کی تاریخ لکھا رہے ہیں۔ اس عاجز نے شوکت رضا کے ساتھ ملاقات کی اور اس کو مبارک دی اور ساتھ بغیر کسی مالی لالچ کے، میں نے ان کو اپنی خدمات پیش کر دیں اور گزارش کی یہ عاجز اس سلسلہ میں کافی تحقیق کر چکا ہے۔ شوکت رضا جو اپنے آپ کو بڑا پھنے خان، سچا اور عظیم دانشور سمجھتا تھا۔ اس کو ایک چھوٹے سے میجر سے "تحقیق" کا لفظ عجیب وغریب لگا۔ اور مجھ سے میری تحقیق کی فوٹو کاپیاں مانگ لیں۔ اور میں نے اپنے تمام کام کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں جنرل رضا کو بغیر کسی معاوضہ کے دے دیں۔

۲۔ وہ یہ سب کچھ پڑھ کر حیران تو ہوا۔ اور میں نے جب اس کے ساتھ دوسری ملاقات کی تو ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے "جان چھڑانا" چاہتا تھا۔ اور جب میں نے کہا کہ امید ہے سب تحقیق بامقصد ہوگی۔ تو اس نے کچھ "تیوری" چڑھائی کہ اتنے سال وہ جھاڑ نہیں پھونکتا رہا۔ تو اس عاجز نے گزارش کی کہ بامقصد سے میرا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ پہلو بھی ضرور زیر بحث لائیں گے کہ ہم نے اسلامی فلسفہ حیات یا اسلامی طرز جنگ کو کتنا نظر انداز کیا یا اس سے کتنی بے اعتنائی برتی اور اب نشان راہ کیا ہے۔ یہ سن کر وہ مجھ پر برس پڑا، کہ مجھ پر ہمیشہ اسلام کا خبط سوار رہتا ہے۔ اس پیشہ ورانہ فوج کا اور ان جنگوں کا اسلام سے کیا واسطہ ہے۔ یہ سب کچھ میری برداشت سے باہر تھا۔ اور اس کو میں نے کہا، کہ میں سب کچھ اور اپنا نقطۂ نظر جنرل ضیاء الحق کے گوش گزار کروں گا۔ اور جنرل سوار خان اور شوکت کو بھی اس کی کاپی دوں گا۔ بہر حال میں نے اس سلسلہ میں ۳ جولائی ۱۹۸۰ء کو جنرل ضیاء الحق کو جو خط لکھا، تو میں نے یہ بھی کہا کہ اس خط کے مندرجات کو میں عام نہیں کر رہا کہ فوج بدنام ہوگی۔ لیکن میں محدود طبقہ کو اس خط کی کاپیاں ضرور دوں گا۔ اور میں نے اس خط کی تقریباً ایک ہزار کاپیاں بنوا کر ملک کے سنجیدہ طبقہ، جنرلوں

فوجی یونٹوں اور "دانشوروں" میں باٹیں۔

۳۔ چار ٹائیپ شدہ بڑے سائز کے کاغذوں کے انگریزی کے اس خط کے پورے ترجمہ کو لکھنے کیلئے اس کتاب کے دس صفحے بھی کم ہیں، کہ اس کا اختصار میری کتاب تاشقند کے اصلی راز کے صفحہ ۱۹۸ سے ۲۰۴ میں مشکل سے سمویا جاسکا۔ یہاں صرف چند اقتباسات دیئے جاتے ہیں کہ اول پوری کہانی لکھی کہ جنرل شوکت اور میرے درمیان کیا ہوا۔ اور ضیاء الحق کو واضح کیا کہ وہ کالا انگریز کوئی بامقصد تاریخ نہیں لکھ سکتا کہ مندرجہ ذیل باتیں بڑی تحقیق طلب ہیں:۔

ا۔ اکتوبر، ۱۹۴۷ء میں کشمیر میں قائداعظم کے حکم کے مطابق فوج کیوں نہ بھیجی گئی؟

ب۔ بعد میں ہماری فوج کو بھونڈے طریقوں سے غلط اوقات اور غلط جگہوں پر کیوں استعمال کیا؟

پ۔ جب بھارت نے سب کچھ حاصل کرلیا تو تب فائر بندی کر کے جہاد میں جمود کیوں ڈال دیا گیا؟

ت۔ ملک کے پہلے صدر میر جعفر کے پوتے سکندر مرزا کا چناؤ کیسے ہوگیا؟

ٹ۔ ۱۹۵۷ء میں جب قوم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی والے مجاہدین کو خراج تحسین پیش کر رہی تھی تو ہم ان یونٹوں کے سو سالے کیوں منا رہے ہیں جنہوں نے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی؟

ث۔ کیا فوج ہی وہ بڑا گروہ نہیں جس نے انگریزی طور طریقوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا ہے اور ان اثرات کیوجہ سے ساری قوم انگریزوں کی پچھ لگ بنی ہوئی ہے؟

ج۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں ہماری فوج کی کارروائی ہرگز معیاری نہ تھی۔

چ۔ کیا وقت نہیں آگیا۔ کہ اپنی تمام کوتاہیوں کا بامقصد مطالعہ کریں۔ اور اسلامی دفاع یعنی نظریہ جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنائیں۔

۴۔ میرے اس خط کا ضیاء الحق نے جواب تک نہ دیا۔ اور شوکت رضا نے ۲۹۰ صفحے کی ایک بے مقصد تاریخ لکھ ڈالی جو وار ڈائریوں کا اختصار ہے۔ لیکن بے ایمانی سے بھی باز نہ آیا۔ اور میری

وجہ سے میرے عظیم رفقاء اور ماتحتوں کی لاہور کے محاذ کی عظیم قربانی کو ایک فقرے میں ٹرخا دیا گیا کہ معلوم نہیں آخری دن اتنا نقصان کیسے ہوگیا۔ یہ سب کچھ بریگیڈیر قیوم شیر اور اپنے میزبان میجر رحمن جو قیوم شیر کا بریگیڈ میجر تھا۔ ان کی کوتاہیوں کو چھپانے کیلئے کیا۔ اور کتاب میں شوکت رضا کی معمولی سوچوں کیلئے بھی ایک باب وقف کر دیا۔

۵۔ بہرحال مجھے میرے ان خطوط نے نہ مدد دی اور تحقیق کر کے میں نے تاشقند کے اصلی راز ایک بامقصد کتاب ۱۹۸۵ء میں شائع کر دی۔ جس کے اثرات میجر جنرل ریاض اللہ پر بھی ہوئے اور اس نے تحقیق کی راہ نکالی، جس کا ذکر شبیر حسین نے پیش لفظ میں کیا ہے کہ کشمیر کے سلسلہ میں جو سیمینارز ہوئے۔ وہاں بھی لوگوں کو سچ بولنے اور سننے کا موقع مل گیا۔ اور یہ کتاب لکھ کر یہ عاجز اس سلسلہ کو جاری رکھے ہوئے ہے لیکن افسوس کہ شوکت رضا کی بے مقصد کتاب کی اشاعت پر بھی لاکھوں روپے خرچ کئے گئے اور اس کا اعزازیہ بھی لاکھوں میں تھا۔ کہ ٹرانسپورٹ، دفتر اور رہائش پر بھی سب خرچ حکومت نے کیا۔ اور اس عاجز کے ساتھ معاہدہ پورا نہیں کیا جاتا کہ میں نے بامقصد کتاب لکھ دی ہے جو لوگ میری فریاد نہیں سن رہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے قہر سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ کہ میرے کام میں رکاوٹ ڈالنا۔ اسلام کے راستے میں رکاوٹ ڈالنا ہے۔

۶۔ اس عاجز کو اللہ تعالیٰ نے اگر توفیق دی، تو میں ستمبر ۱۹۶۵ء کی سب غداریوں اور کوتاہیوں کو اسی طرح قوم کے سامنے پیش کروں گا۔ جس طرح جہاد کشمیر ۴۸۔ ۱۹۴۷ء کی غداریوں اور کوتاہیوں کا ذکر کر چکا ہوں۔ دراصل اس سلسلہ میں کافی اشارے اس کتاب اور میری کتاب "تاشقند کے اصلی راز" میں موجود ہیں۔ کہ قوم کے سامنے جھوٹ بولے گئے۔

۷۔ نتیجہ دسمبر ۱۹۷۱ء میں دیکھ لیا۔ لیکن غداروں کو اس سلسلہ میں بھی ننگا کرنے کی ضرورت ہے

ضمیمہ "س"

پاکستان کدھر جا رہا ہے؟

۱۔ اس عاجز نے ۱۴ ستمبر ۱۹۷۰ء کو جو کچھ جنرل یحییٰ خان اس وقت کے صدر پاکستان کو زبانی کہا، اس کی تفصیل حسب وعدہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو یحییٰ خان کو لکھ کر دے دی، لیکن اس مسودے کے مندرجات اس کتاب کے پچاس صفحات میں بھی ختم نہیں ہوتے۔ جنرل ضیاء الحق نے ملک کی حکومت سنبھالتے ہی میرے پلٹن وال لیفٹیننٹ جنرل غلام حسن کی معرفت اس کی ایک کاپی مجھ سے منگوائی اور ملاقات کا بھی وعدہ کیا۔ جو کبھی نہ کی۔ اور میرے پاس پورا مسودہ موجود ہے۔ لیکن یہاں چند اقتسابات دیئے جا رہے ہیں۔ کہ صدر یحییٰ کو یہ کچھ باور کرانے کی کوشش کی تھی

ا۔ پاکستان کو انتہائی نازک حالات کا سامنا ہے۔ سیاسی اعتبار سے انتشار اور الحاد کا شکار، پوری قوم ڈانواڈول ہے۔ اور ہر شخص غیر مطمئن ہے۔ ابلیسی طاقتیں کھل کر سامنے آگئی ہیں اور مزدور طبقہ بپھرا پھرتا ہے۔ مغربی تعلیم اور ذرائع ابلاغ یا سیاستدانوں۔ دانشوروں اور مذہبی رہنماؤں نے ہماری زندگی کے مقاصد کو کھچڑی بنا دیا ہے۔ اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ہم کون ہیں اور مومن کے مقاصد حیات کیا ہیں۔

ب۔ جمہوریت کا پہلا تجربہ ناکام ہوا۔ تو مارشل لاء لگ گیا۔ اس فوجی حکومت نے ہمیں اللہ کی فوج بنانے کی بجائے۔ ہمارا رخ اہل مغرب کی طرف کر دیا اور سیاسی طور پر کنٹرولڈ جمہوریت کا تجربہ کیا۔ جو بری طرح فیل ہوا۔ تو آپ کو یعنی فوج کو پھر آگے آنا پڑا کہ ملک کو بچایا جائے۔

پ۔ آپ پھر جمہوریت کا تجربہ کر رہے ہیں اور لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ انتخابات ملک کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں گے۔ اور آپ جس فوج کے "چھاتہ" سے ملک چلانا چاہتے ہیں۔ وہ پاش پاش ہو جائے گا۔ اور آپ ملک کے ٹکڑے ہونے پر صدارت کریں گے۔

ت۔ ہمارا بڑا دشمن بھارت ہے۔ اس نے پاکستان کے وجود کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کیا۔ ہم یہ بات پسند کریں یا نہ کریں۔ بھارت اور ہمارے درمیان ابھی ایک فیصلہ کن جنگ ہونا ہے

جس کے بعد یہ برصغیر یا تو ہندو تہذیب کا مکمل پیروکار بن جائے گا، یا اسلام اس برصغیر میں تمام ہندوانہ رسموں کو ختم کر دے گا۔ ہندوؤں کے بڑے لوگ اس چیز کو سمجھتے ہیں۔ اور تب ہی وہ مکمل تیاری کرتے رہتے ہیں۔ اور مجھے بھی امید ہے کہ انشاء اللہ عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جان اس برصغیر کو اسلام کا گہوارہ بنا دے گا۔

ٹ۔ روس بھی بھارت یعنی ہندوؤں کی پیٹھ ٹھونک رہا ہے، ہمارا دوست امریکہ جس طرح ستمبر ۱۹۶۵ء کو ہماری مدد کو نہ آیا۔ اب تو ہرگز ہماری مدد نہ کرے گا۔ تو آیئے ہم آنے والے وقتوں کیلئے اپنے آپ کو تیار کریں۔

ث۔ میری گزارش ہے کہ یہ شراب کی بوتلیں توڑ دی جائیں۔ ہم اپنے ماضی پر ندامت کریں۔ اور اللہ والے بن جائیں۔ اور ایسا تب ہو سکتا ہے کہ جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنائیں۔ اس ملک کا سیاستدانوں، مولویوں اور صحافیوں نے بیڑہ غرق کر دیا ہے۔ فوج آتی ہے تو نوکر شاہی والے فوج کے کندھوں پر بندوق رکھ کر اس ملک کو لوٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ آیئے ہم ندامت کریں اور ان تمام مغربی نظامہائے زندگی کو بحیرہ عرب میں ڈبو دیں اور رسول عربیؐ کے اسلام کا نفاذ کریں۔

۲۔ میری ان سفارشات کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا۔ یحییٰ خان کے مشیر اس کو یہ باور کرا چکے تھے کہ انتخابات میں کوئی پارٹی حکومت نہ بنا سکے گی۔ اور سیاسی گروہ بندی، بھان متی کا کنبہ ہو گی اور ان سیاست دانوں کو لڑا کر ہم فوجی یا یحییٰ اس طرح بندر بانٹ کر کے حکومت کرتے رہیں گے۔

۳۔ آگے جو کچھ ہوا۔ وہ ایک المناک داستان ہے۔ جب ہمارے لیڈروں کے مقاصد ہی خود غرضی ہو تو حالات کیسے ٹھیک ہوں۔

۴۔ افسوسناک بات یہ ہے۔ کہ ہمارے رہنماؤں کے ساتھ جو کچھ ہوا اس سے کوئی عبرت پکڑنے کو بھی تیار نہیں۔ صرف بھٹو کا معاملہ آنکھیں کھول دیتا ہے۔ کہ جہاں پر وہ تخت پر بیٹھا رہا وہاں سے پرندوں کے اڑان کے ۸۰۰ گز کے فاصلہ پر وہ تختہ پر لٹکایا گیا۔ اور ایک سال وہاں کال کوٹھڑی میں گزارے۔

۵۔ وما علینا الا البلاغ

مصنف کی دیگر تصنیفات

۱۔ **جلال مصطفیٰ :۔** حضور پاکؐ کی جنگی حکمت عملی کا جائزہ اور آپؐ کے زمانے کی تراسی جنگوں اور مہمات کا بیان ہے۔ جس کو اب پیر کرم شاہ اور جنرل احسان الحق ڈار کے تبصروں کے ساتھ نئی کتاب میں شامل کردیا ہے۔

۲۔ **کلاسوٹز کا فلسفہ جنگ:۔** مشہور جرمن جنگی ماہر کی آٹھ کتابوں کا ترجمہ کرکے تین جلدوں میں شائع کیا۔ ساتھ قرآن پاک احادیث مبارکہ، تاریخ اسلام اور علامہ اقبالؒ کے شعروں سے ثابت کیا کہ ہمارے پاس بہتر فلسفہ جنگ موجود ہے۔

۳۔ **خلفائے راشدین کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کے جائزے** جن میں تقریباً تین سو سے اوپر جنگیں اور مہمات ہیں۔ یہ چار جلدوں میں ہیں۔ اور بری فوج کی ہر بڑی یونٹ اور سٹیشن لائبریریوں میں موجود ہیں۔

اول، فتوحات عراق وایران، دوم۔ فتوحات فلسطین وشام، سوم۔ فتوحات مصر، افریقہ اور متفرق، چہارم وسط ایشیا سے بحیرہ اوقیانوس تک، یہ سب کتابیں موزوں نقشوں سے مزین ہیں۔

۴۔ **تاشقند کے اصلی راز:۔** اس کتاب میں ۱۹۸۵ء تک ہمارے سب عسکری اور سیاسی المیوں کے علاوہ قادیانیوں کی سازشوں کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے اور مصنف نے صاف گوئی سے ملک کے سربراہوں یا دوسرے لوگوں کو جو کچھ برملا کہا۔ وہ بھی کتاب میں موجود ہے۔

۵۔ **پنڈورا باکس** ۱۹۹۳ء تک ہماری ۴۶ سالوں کی زندگی کی ذلت کی زندگی اور اللہ و رسولؐ سے غداری کا مختصر بیان ہے۔

۶۔ **حضور پاکؐ کا جلال وجمال** جلال مصطفےٰ کتاب کو اضافے دیتے ہوئے، جمال اور رسول عربیؐ کے اس اسلام والی کتاب اور نشان راہ کی جھلکیاں سینتالیسویں باب میں ہیں۔ جنرل سید رفاقت کے مطابق کتاب کی سطر سطر عشق رسولؐ سے مہک رہی ہے اور ساری تحریر حضور پاکؐ کی شخصیت کا ام معبدؓ کے معصومانہ بیان کا نگینہ ہے۔ یعنی لفظ لفظ سے "کتھے مہر علیؒ کتھے تیری ثنا کا اظہار ہوتا ہے" کہ اشرف علی تھانویؒ بھی احمد رضا بریلویؒ کے عشق رسولؐ کے مقامات کے سلسلہ میں اپنی عاجزی سے مراد پا گئے۔ معراج کے وقت زماں ومکاں کا سکڑ کر حضور پاکؐ کے تابع ہونا۔ اور لامحدود کا محدود ہوکر بھی لامحدود رہنا۔ یا جہاد کے سلسلہ میں معذرت خواہانہ رویہ نہ اپنانا، کتاب پڑھ کے سب روحانی جالے اور الجھنیں اس طرح دور ہوتی ہیں کہ انسان کو ایک نئی بصیرت اور ولولہ حاصل ہوتا ہے۔